تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر
تک ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر
تاریخِ ملّت
تالیف
جناب مفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی
جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی
جلدِ سوم
خلافتِ عثمانیہ
تاریخِ صقلیہ
سلاطینِ ہند: اوّل
سلاطینِ ہند: دوم
www.KitaboSunnat.com
ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخِ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرزِ بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجّاد میرٹھیؒ ○ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلد سوم

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور

نام کتاب ——— تاریخ ملت (جلد سوم)
طباعت اوّل ——— مئی ۱۹۹۱ء
باہتمام ——— اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن
ناشر ——— ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲
کتابت ——— مشتاق احمد جلالپوری
مطبع ———
قیمت

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور — ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور، پاکستان ۷۳۵۳۲۵۵ — موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

ملنے کے پتے
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲ فون ۶۲۲۵۳
دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی ۱
ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم۔ ڈاکخانہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

فہرست مضامین

(جلد سوم)

(۸)

خلافتِ عثمانیہ

جس میں ارطغرل مورثِ آلِ عثمان سے لے کر آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید خاں اور کمال اتاترک تک چونتیس سلاطین آلِ عثمان کے عہد سلطنت کے حالات اور تاریخ کے تمام ضروری گوشے جامع اور دلپذیر اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخِ اتراک

اتراک اغز قوم کا ایک گروہ تھا جو بحالت خانہ بدوشی مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتا رہتا تھا۔ یہ لوگ فطری طور سے قوی اور شجاع تھے۔ ان کی طبیعت میں خداداد تہور تھا۔ مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کی آبادیوں پر تنگ و تاز کرتے رہتے۔ ان کی ہیبت دلوں پر مستولی تھی۔ جس علاقہ پر اُن کا گزر ہوتا آبادی خوف زدہ ہو کر گھر چھوڑ کر بھاگ جاتی۔ ۵۵۶ء میں ان خانہ بدوش ترکوں نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحرِ اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس سلطنت کے دو حصے تھے ایک شمالی ترکی حکومت اور دوسری مغربی ترکی حکومت کہی جاتی تھی۔ شمالی کا بانی "بومین" تھا اور مغربی کا "اسقومی" پہلی صدی ہجری میں سلطنتِ چین نے اپنی اطاعت پر مجبور کیا مگر خوددار ترک کچھ عرصہ بعد آزاد ہو گئے۔ مغربی ترکوں میں ترگیش کا قبیلہ ممتاز تھا۔ اس کے سرداروں نے پہلی صدی ہجری میں خاقان کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ۱۲۱ھ میں نصر بن سیار امیر عرب نے ترگیش ترکوں کی سرداری کا بہ قوت خاتمہ کر دیا۔

تُرک اور عرب

اس زمانے سے پہلے سے ترکوں اور عربوں میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ عربوں کی شجاعانہ سرگرمی اور تہور نے اس بہادر قوم کو ان کی طرف مائل کر دیا تھا۔ قتیبہ بن مُسلم نے خلیفہ اموی ولید بن عبدالملک ۸۶ھ، ۷۰۵ء کے عہد میں ترکی علاقہ پیقند، بخارا، سمرقند، خیوا، فرغانہ اور کاشغر وغیرہ فتح کر لئے تھے اور وہاں

اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ مگر ترک ان سے مانوس تو ہوئے لیکن آبائی مذاہب پر قائم رہے۔ پھر عربوں کے اخلاق اور اُن کی صداقت اور خدا پرستی نے ترکوں کی طبیعت کو بُت پرستی سے بے زار کرنا شروع کردیا۔

مسٹر آرنلڈ نے ان کی ترکِ بُت پرستی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ :-

"قتیبہ بن مُسلم نے بُت خانے تباہ کرا دیئے۔ ترکوں میں یہ خیال جاگزین تھا کہ جو بُتوں سے بے ادبی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا مگر قتیبہ نے بت خانوں میں آگ لگوادی۔ مگر اس کا بال بھی بیکانہ ہوا۔ اس واقعہ سے ترکوں پر اثر پڑا اور وہ بطیبِ خاطر اسلام میں داخل ہو گئے" [1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے جہاں اُن کے عہد میں خلفائے راشدین کے زمانہ کی یاد تازہ ہوئی اسلام کی اشاعت بھی خوب ہوئی۔ خلیفہ نے ماوراء النہر کے ترک بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی جن میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ [2]

عبداللہ بن معمر الیشکری اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے جن کے وعظ و تلقین سے کثیر التعداد تُرک داخلِ اسلام ہو گئے۔

خلیفہ ہشام (۱۰۵ھ) کے زمانہ میں مبلغ اسلام ابو صیدا نے ماوراء النہر کے ترکوں میں اسلام پھیلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمرقند اور بخارا تک کے ترکوں نے بہت اثر لیا اور داخلِ اسلام ہو گئے۔ دولتِ بنی اُمیّہ کے خاتمہ کے بعد آلِ عباس تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ سفاح کے بعد منصور سریر آرائے خلافت ہُوا۔ گو عرب اس کے ہاتھوں پامال ہوئے۔ عجمیوں کو عروج ہُوا تو ان کے اقتدار سے گھبرا کر اس کی نظر اتراک پر پڑی۔ چنانچہ منصور نے ترکوں

---

[1] دعوتِ اسلام صفحہ ۲۳۸
[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۲۔

کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں عربوں اور عجمیوں میں حریفانہ کشمکش شروع ہو گئی۔ امین اور مامون کی جنگ میں عرب اور عجمی کھل کے سامنے آئے۔ امین کی ماں عرب تھی اور آل عباس سے، اور مامون کی ماں عجمی تھی۔ چنانچہ عجمیوں نے جان کی بازی لگا کر عربوں کو زیر کر لیا۔ امین قتل ہوا مامون کامیاب۔ نتیجہ ظاہر ہے عرب ختم ہو گئے اور عجمی برسر اقتدار آئے۔

جب معتصم خلیفہ ہوا عجمیوں کی خودسری بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے سوا اس کی ماں ترکی خاتون تھی اس لئے طبعاً اس کا میلان ترکوں کی طرف تھا۔ چنانچہ معتصم نے ہزارہا ترک غلام خرید کر انہیں اسلامی تعلیم اور فوجی تربیت دلائی۔ تھوڑے عرصہ میں فوج میں ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔ یہ لوگ ماوراء النہر سے لائے جاتے تھے۔

خلیفہ معتصم عباسی حسنِ صورت، کمال شجاعت اور اسلام کا شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بے حد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت تک انہی کے سپرد کر دی۔ ترکوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ بڑے صوبوں کے گورنر مقرر کر دیا اور انعام و اکرام کی بارش ان پر کی جانے لگی۔ غرضیکہ ترکوں کی تعداد عسکرِ اسلامی میں ستر ہزار کے قریب ہو گئی۔ ان کے لئے دجلہ کی مشرقی سمت ایک شہر سامرا تعمیر کیا اور اس کو ہی دار الخلافہ قرار دیا۔ واثق نے ترکوں کو حکومت کے نظم و نسق میں بھی دخیل کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد نتیجہ یہ ہوا کہ ترک حکومت پر بالکلیہ چھا گئے اور خلفاء کو بے دست و پا کر دیا۔ متوکل نے چاہا کہ ان کے اثرات گھٹائے مگر ترکوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آگے چل کر امرائے ترک کے اختیار میں خلفائے عباسیہ کا عزل و نصب اور حبس و قتل تھا۔

خلفاء میں اتنی طاقت باقی نہ رہی تھی کہ وہ ترکوں کے اقتدار کو گھٹاتے۔

چنانچہ جب احمد بن بویہ بغداد آیا تو خلیفۂ وقت مستکفی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

احمد کا سلسلۂ نسب بہرام بن یزدجرد تک پہنچتا ہے جو ملوک سامان سے

تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ بلاد دیلم میں آباد تھے جہاں اطروش علوی نے اشاعتِ اسلام کی۔ ابو شجاع بویہ ماہی گیر تھا۔ اس کے لڑکے علی نے ترقی کر کے ۳۳۴ھ میں عراق پر حکمرانی شروع کی۔ یہ تین بھائی تھے۔ خلیفہ نے رکن الدولہ، عماد الدولہ معز الدولہ خطاب عطا کئے۔

معز الدولہ نے خلافت کے نظم ونسق پر پورا اقتدار جما لیا اور تھوڑے عرصے میں خلیفہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ پانچ ہزار درہم روزانہ خلیفہ کو گزارے کے لئے ملا کرتے تھے۔ ترکوں سے بڑھ کر ان آل بویہ نے خلفاء پر ظلم توڑے۔ ۳۲۰ھ سے ۴۱۶ھ تک ان کا اقتدار رہا۔ ان کی قوت کو توڑنے والا طغرل بیگ سلجوقی ترک تھا۔ طغرل نے آل بویہ کی سلطنت کا جنازہ نکال دیا اور وہاں حکومت سلجوقیہ کا سنگِ بنیاد رکھا اور ۴۴۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور تاتاریوں کی یورش ۶۵۶ھ تک وہ اور اُس کے جانشین وہاں کے سیاسی فرمانروا رہے۔

سلاجقہ کا عہد نہایت عروج واقبال کا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ بغداد پر اُن کے اقتدار سے خلافتِ عباسیہ صرف نام ہی کی باقی رہ گئی تھی۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سلجوقی ترک مسلمانوں کی قریبِ مرگ سلطنت میں از سرِ نو روح پھونکنے کے لئے بڑھے اور کامیاب ہوئے۔

سلاجقہ برق وباد کی طرح ایران، جزیرہ، شام اور ایشیائے کوچک سے گزرے۔ جس ملک نے مزاحمت کی اُسے تاخت وتاراج کر ڈالا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہُوا کہ اسلامی ایشیا، افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرۂ روم تک مثل عباسی خلیفہ کے پھر ایک بادشاہ کے قبضہ میں آگیا جو اجزائے سلطنت عباسیہ بکھر گئے تھے وہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔

غرضیکہ اس پُرشوکت وعظمت اسلامی سلطنت نے عیسائیوں کی بازنطانی سلطنت کی پیش قدمی کا قرار واقعی انسداد کیا۔ بلکہ عیسائی مجاہدین بیت المقدس کی ناکامیابیوں کے باعث بہ نسبت اور کسی اور سلطنت اسلامی کے زیادہ تر

یہی پُرجوش اتراک تھے۔ یہی وجوہات ہیں جس سے خاندانِ سلاجقہ کو تاریخ میں مہتمم بالشان رتبہ حاصل رہا ہے۔

مصر کا طولونی خاندان بھی ترکی خاندان سے تھا۔ احمد بن طولون نے مصر وشام میں ۲۵۴ھ، ۲۶۸ھ میں آزاد سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سینتیس ۳۷ سال تک پرعظمت طور سے اس خاندان نے حکمرانی کی۔ ان کے بعد اخشیدی اُن کے جانشین ہوئے۔[1]

مصر کے سلاطین مملوک بحری اور چرکسیہ یہ سب ترک تھے۔ ۶۴۸ھ سے ۷۹۲ھ تک مصر پر مملوک خاندان حکمران رہے۔ برجی مملوک ۷۸۴ھ سے ۹۰۶ھ تک مصر کے فرمانروا تھے۔ ان سے حکومت آلِ عثمان نے لی۔[2]

ترک نسل سے دانشمندیہ خاندان بھی تھا جبکہ سلجوق ایشیائے کوچک میں اپنی خدمات کو بڑھا رہے تھے۔ ایک اور ترکی سردار گمشتگین بن دانشمند کپاڈوشیہ کے مشہور شہروں سیواس، قیصاریہ اور ملیشیہ پر حکومت کا سکّہ بٹھا رہا تھا۔ آخری مقام کے قریب اس نے فرانس کو ایسی شکست دی جو مدتوں تک نہ بھولی۔ ۵۲۹ھ سے ۵۶۰ھ تک یہ حکومت رہی۔ ابراہیم بن محمد ثانی آخری دانشمندیہ خاندان کا حکمران تھا۔ دیار بکر پہ ایک ترکی خاندان ایک عرصہ تک حکمران رہا۔ اس کا بانی ارتوک بن اکسا ترک تھا۔ جب سلجوقی سلطان دمشق تتش نے بیت المقدس فتح کیا تو ارتوک اس کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے لڑکے سلطان والغازی جنھوں نے فلسطین کے شہزادگان روما کے خلاف لڑائیوں میں ناموری حاصل کی تھی ۴۹۵ھ سے ۵۱۲ھ تک سلمان اور الغازی

---

[1] خلافت عباسیہ جلد دوم از انتظام اللہ شہابی۔

[2] تاریخ ملت کی جلد ہفتم میں مفصل حالات خاندان طولون اور ممالیک بحری وچرکسی کے ہم لکھ چکے ہیں۔ انتظام اللہ شہابی۔

کی اولاد حکمران رہی۔ حلب پر بھی حکمران رہے۔ کیفہ بھی قبضہ میں رہا۔ تیمور گورگان کے تغلب واستیلاء پر یہ بھی اس کے مطیع ہو گئے۔

اتابیگان آذربائیجان، خاندان سلغر، شاہانِ خوارزم یہ سب ترکی نسل کے تھے۔ روم کی سلاجقہ سلطنت بتدریج دیسی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ خاندانِ قروسی نے میسیہ، سارو خان اور ایدین نے لیدیہ، منتشا نے قادیہ۔ تقا نے لیسیہ و پمفیلیہ، حمید نے لپسیدیہ و اسوریہ، قرامان نے لیکاونیہ، قرمیان نے فریجیہ، قزل احمدی نے پفلاگونیہ پر تصرف کر لیا۔ عثمانیہ خاندان فریجیہ ایکٹیس پر قابض تھا۔ ان تمام خاندانوں کو ترقی پذیر عثمانیہ حکمرانوں نے رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کر لیا۔

غرضیکہ ترک جہاں شجاع اور بہادر تھے ان میں عربوں کے بعد حکمرانی کا بھی مادہ تھا چنانچہ ترکوں میں سب سے عظیم المرتبت حکومت آل عثمان کی ہے۔

ارطغرل

مورث آلِ عثمان

ارطغرل کا خاندان اتراک اغز سے تھا۔ جس زمانے میں شاہانِ خوارزم پر چنگیز نے یلغار کی اور اس کی سلطنت پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ ترکی قبائل جنوب کی طرف بھاگے۔ بعض ایران و شام گئے جو آگے چل کر ترکمانی مشہور ہوئے۔ بعض مصر کے سلاطین مملوک اتراک سے معرکہ آرا ہوئے مگر شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں سلاجقہ سے آملے۔ انہی ترکی قبائل میں ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا۔ ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ سرگروہ قبیلہ تھا جو خراسان سے

شام آیا[1] اور فرات اُترتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب گیا۔ قبیلہ کا بیشتر حصّہ منتشر ہو گیا۔ جو لوگ رہ گئے ان کی سرداری ارطغرل نے اور اس کے بھائی دوندار نے کی۔ ہر دو بھائی اپنے قبیلے کو لے کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے اور سلطان علاؤالدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہوئے۔

یہاں سلجوقی علاقہ میں دو فوجیں برسرِ پیکار تھیں۔ ارطغرل نے کمزور جماعت کا اپنے قبیلے کے جوانمردوں کو لے کر ساتھ دیا۔ یہ پانچ سو تھے۔ یہ ترک اس بے جگری سے لڑے کہ طاقت ور جماعت نے راہِ فرار اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ یہ تاتاری تھے جن کی حمایت کی گئی وہ علاء الدین کیقباد پسر ملک شاہ سلجوقی کی سپاہ ہے۔

علاء الدین نے اس کارنامہ کی وجہ سے ارطغرل پر شاہانہ توجہ مبذول کی اور قصبہ سکودار اور طومانج کا سرسبز اور زرخیز خطّہ عطا کیا۔

یہ جگہ دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے متصل واقع تھی۔ اس کو قریجیہ اکلیٹیٹس بھی کہتے تھے۔

خطاب

ارطغرل کو قطعۂ اراضی کے ساتھ "اوج بک" کا خطاب عطا کیا اور ان حدود کا سپہدار مقرر فرمایا۔

ارطغرل نے اپنے علاقہ کا انتظام ہاتھ میں لے کر ایک چھوٹی سی سرداری کی تشکیل کر لی۔ سرگرت قصبہ کو اپنے قیام کا مرکز بنایا۔ اس کے قریب ہی حدود بازنطائن کے ملتے تھے۔[2]

---

[1] نیو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۰۳۸۔ از ایچ سی رونل۔ مطبوعہ لندن۔

[2] روئے زمین کے مسلمان سلاطین" مسٹر اسٹینلی لین پول۔ صفحہ ۱۳۴۔

علاء الدین[1] کیقباد کے زمانہ میں دولت سلجوقیہ اندرونی اختلال اور امراء کی بغاوتوں کی وجہ سے زوال کی راہ لگ چکی تھی۔ اگر قونیہ میں ان کی کچھ شان و شکوہ قائم تھی۔ مگر دائرۂ حکومت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر ان میں اسلاف

---

[1] علاء الدین کیقباد کا مورث سلیمان اول بن قتلمش (۴۷۰ھ) تھا۔ سلاطین سلاجقہ روم اس کی نسل سے تھے۔

فہرست سلاطین سلاجقہ روم

سلیمان اوّل بن قتلمش	سنہ ۴۷۰ھ	ملک شاہ اول	سنہ ۵۰۰ھ
قزل ارسلان داؤد	سنہ ۴۸۵ھ	اعزالدین قزل ارسلان ثانی	سنہ ۵۵۱ھ
غیاث الدین کیخسرو	سنہ ۵۸۸ھ	غیاث الدین کیخسرو ثانی	سنہ ۶۳۴ھ
قزل ارسلان ثالث	سنہ ۶۰۰ھ	رکن الدین قزل ارسلان رابع	سنہ ۶۵۵ھ
(اس نے حکومت بیٹوں میں تقسیم کر دی)		غیاث الدین مسعود ثانی	سنہ ۶۹۲ھ
اعزالدین کیکاؤس اوّل	سنہ ۶۰۷ھ		
مسعود اوّل	سنہ ۵۱۰ھ	علاء الدین کیقباد اوّل	سنہ ۶۱۲ھ
قطب الدین ملک شاہ ثانی	سنہ ۵۸۴ھ	اعزالدین کیخسرو	سنہ ۶۴۳ھ
رکن الدین سلیمان ثانی	سنہ ۵۹۷ھ	غیاث الدین کیخسرو	سنہ ۶۶۶ھ
کیخسرو اوّل	سنہ ۶۰۱ھ	علاء الدین کیقباد ثانی	۶۹۷ تا ۷۰۰ھ

مفصل حالات سلاجقہ کے تاریخ ملت جلد ششم میں لکھ چکے ہیں۔

قتلمش طغرل بک سلجوقی کے امراء سے تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے بغاوت کر کے خودمختاری حاصل کر لی۔ رے کے مقام پر سنہ ۴۵۶ھ میں ایک معرکہ میں کام آیا۔ اس کا بیٹا سلیمان ایشیائے کوچک میں چلا آیا اور سنہ ۴۷۰ھ میں نائیسا پر جو بازنطینی سلطنت کا مشہور شہر تھا، قابض ہو گیا اور اس کو بھی پایۂ تخت بنا لیا اور نئی سلطنت کی بنا ڈالی۔ سنہ ۴۷۷ھ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی سی جانبازی، کشور کشائی کا شوق بھی نہ رہا تھا۔ جس قدر علاقہ قبضہ وتصرف میں تھا اس پر اکتفا کئے ہوئے تھے مگر حدودِ سلطنت کے قریب بازنطینی فرمانروا تھا دوسری طرف تاتاری۔ چنانچہ ان تاتاری گروہ نے بھی متحد بازنطینیوں کی فوج لے کر علاء الدین پر حملہ آور ہوئے تو ارطغرل نے بروصہ کے درمیان جا کر ان کو شکست دی۔ سلطان نے اس واقعہ کے صلہ میں انعام واکرام سے نوازا اور ارطغرل کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ارطغرل کے علاقہ میں قراجہ حصار، بلے جک اینی وغیرہ قلعے تھے جہاں خودسر اُمرائے ترک تھے جن کو ارطغرل نے زیر کرنے کی کوشش کی اور کچھ پر کامیاب بھی ہوگیا۔ اس طرح سے اس کے مقبوضات کا دائرہ وسیع تر ہوگیا اور امرائے دولت میں اُس کا درجہ فائق نظر آنے لگا۔ آخر کار سلطان علاء الدین سلجوقی نے ارطغرل کو اپنا نائب قرار دیا۔ ہلال جو علاء الدین کے عَلَم کا نشان تھا اسی کو ارطغرل نے اختیار کیا۔

اوصاف ارطغرل جہاں بہادر تھا اسی کے ساتھ وہ رحم دل اور متواضع تھا۔ اُس نے دُور دُور سے جو اس کے قبیلے کے لوگ تھے،

(بقیہ حاشیہ ص سے آگے) انطاکیہ بھی فتح کر لیا مگر پہلی صلیبی جنگ میں نائیسا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا اور یہ حکومت صرف ایشیائے کوچک میں محدود ہو کر رہ گئی۔ ایک عرصہ بعد مسعود بن قزل ارسلان نے اس کی توسیع کی طرف توجہ کی اور قونیہ کو دارالحکومت بنایا اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے جانشین قزل ارسلان ثانی نے سلطنت میں اضافہ کیا اور دانشمندیوں کو مغلوب کر کے انہیں محکوم بنایا۔ کیخسرو اول نے انطاکیہ پھر لے لیا اور کیکاؤس نے سنوپ فتح کیا۔

علاء الدین کیقباد اول کا دورِ حکومت شاندار رہے۔ کیخسرو ثانی کے زمانہ میں تاتاری سیلاب سے رہا سہا اقتدار بھی بہہ گیا۔ ہلاکو نے اس کے دونوں بیٹوں عزالدین اور رکن الدین میں ملک تقسیم کر دیا۔ مگر تاتاریوں کے محکوم تھے۔

ان کو بلا کر اپنے علاقہ میں آباد کیا۔

وفات ارطغرل نوّے برس کی عمر پا کر ۶۸۷ھ، ۱۲۸۸ء میں فوت ہوا اور "سنوپ" میں دفن ہوا۔

امیر عثمان خان غازی

بانی دولتِ عثمانیہ

نام عثمان ابن ارطغرل ۶۵۶ھ میں سرگرت میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت امیر ارطغرل سلطان علاء الدین کیقباد[1] کی صحبت سے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام کے آغوش میں معہ اپنے قبیلے کے آگیا تھا تو اُس نے عثمان کو اور اپنے دوسرے لڑکوں کو مثل اہلِ اسلام کے طریقہ پر تعلیم و تربیت دلوائی۔ عثمان خود شجاع اور بہادر تھا۔ اسلام کی تعلیم اور اسلامی فضا نے اس میں چار چاند لگا دیئے "اسکی شہر" کے قریب "ایترونی دیہ" میں ایک خدا رسیدہ عالم اوہ بالی رہا کرتے تھے۔ ان کی صحبت میں عثمان رہا کرتا تھا۔ ایک عالم کی خدمت گزاری سے عثمان کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آخر ش ان کی صاحبزادی کرمال خاتون اس کے حبالہ عقد میں آئی۔

وقائع ارطغرل کے بعد عثمان اپنے قبیلے کا سردار پایا اور اس نے کچھ عرصہ میں اپنے ہمنوا و ہم خیال دو ہزار ترک کر لئے۔

قراجہ حصار بازنطینی قلعہ دار دولتِ سلجوقیہ کے سرحدی علاقوں پر آئے دن

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ صفحہ ۴۴۲۔

حملہ کرتے رہتے تھے۔ سلطان قونیہ کے ایک نائب کی حیثیت سے عثمان ان سے مقابل ہوتا اور ان کو پسپا کرتا رہتا۔ قراجہ حصار کا معرکہ پیش آیا۔ عثمان نے اس قلعہ کو بڑی بہادری سے فتح کر لیا اور اس کے ارد گرد کی اراضی قبضہ میں لے آیا۔ سلطان قونیہ علاء الدین نے عثمان کو ہی بطور جاگیر یہ علاقہ بخش دیا اور "بک" کے خطاب سے سرفراز کر کے اُس نے اپنے سکّے جاری کرنے اور اپنا نام جمعہ کے خطبہ میں شامل کرنے کی اجازت بھی مرحمت کی۔ اس طرح "بک" لقب کے علاوہ امارت کے تمام امتیازات امیر عثمان خان کو حاصل ہو گئے۔ "قراجہ حصار" کا حکمران نکولس تھا۔ جو ۶۸۸ھ میں عثمان سے زیر ہوا۔ اس زمانے میں مال خاتون کے بطن سے اورخان پیدا ہوا۔

تکفور تکفور بیلہ جک کا حکمران تھا۔ عثمان سے گہری دوستی تھی اس نے ۶۹۸ھ میں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب میں عثمان کو دعوت دی۔ اس کا دوست یونانی رئیس کوسہ میخائیل تھا۔ اس نے تکفور کے ارادے سے مطلع کر دیا کہ اس بہانہ سے وہ تمہارے خاتمہ کے درپئے ہے۔ چنانچہ امیر عثمان خان چالیس ترکوں کو جن کی قباؤں کے نیچے اسلحہ تھا ساتھ لے کر محفلِ شادی میں شریک ہوا۔ تکفور نے گرفتار کرنے کی تدبیر کی تھی کہ تلوار سونت کر سب ترک کھڑے ہو گئے اور اہلِ قلعہ کو تہ تیغ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور عروس نیلوفر کو قبضہ میں لائے۔ آگے جا کر نوابزادی نیلوفر اورخاں کی ملکہ بنی۔

بادشاہی ۶۷۸ھ میں جوجی بن چنگیز کے لڑکے باتو خان نے یورپ کا رخ کیا۔ ماسکو، نووگورود اور ہنگری تک پہنچ کر لوٹا۔ اس میں آخری سلجوقی تاجدار علاء الدین ثانی پائمال ہو کے رہ گیا اور قونیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔

باتو خان کے واپس جانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی اور ہر حصّہ کا امیر خود مختار بن کے بیٹھ گیا۔ چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عثمان نے

بھی اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا[1] اور پایۂ تخت "اسکی شہر" کو بنایا اور ادگرد کی مستقل عمارتیں صادو خاں، قرالی وغیرہ بن گئی تھیں، ان سے دو دو ہاتھ کئے اور اکثر کو زیر کر لیا۔

آزاد حکمرانی عثمان خاں دولتِ سلجوقیہ کے خاتمہ کے بعد آزاد حکمران تھا۔ سلجوقی امراء میں عثمان کا سب سے بڑا حریف امیر کرمانیہ قطب الدین شاہ جہاں تھا[2]

بادشاہی عثمان نے جس حکومت کی تشکیل کی اس کے انتظام و استحکام میں سنہ ۶۹۰ھ سے سنہ ۶۹۷ھ تک لگا رہا۔ اس کے سامنے علاء الدین کی حکومت کا نظام تھا۔ اس طرح اس نے محکمے قائم کئے اور اس کے افسر ترک مقرر کئے۔ اس کے بعد اپنے قلمرو کی رعایا کی فلاح و بہبود کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں اپنی ریاست اعلیٰ درجہ پر پہنچا دی جو دولتِ عثمانیہ کی اوّلین شکل تھی۔

فتوحات عثمان انتظامِ سلطنت میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ترک سرداروں نے بازنطینی قلعداروں سے ساز باز کر کے اس پر حملہ کر دیا اور

---

[1] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ از محمد فرید بک مصری۔

[2] امرائے کرمانیہ براق حاجب قتلغ خاں کی اولاد سے تھے۔ براق قرلکھتے کا باشندہ تھا، جو علاء الدین خوارزم شاہ کا فوجی افسر ایک زمانہ تک رہا۔ جب چنگیز نے سلطنت خوارزم شاہ کا شیرازہ پراگندہ کر دیا تو سنہ ۶۱۹ھ میں براق نے کرمان میں طرح حکومت ڈالی۔

امرائے کرمان

براق سنہ ۶۱۹ھ	رکن الدین سنہ ۶۳۲ھ	قطب الدین سنہ ۶۵۰ھ
قتلغ خاتون سنہ ۶۶۵ھ	جلال الدین سیورغتمش سنہ ۶۸۱ھ	جلال الدین محمد شاہ سنہ ۶۹۴ھ
صفوۃ الدین بادشاہ خاتون سنہ ۶۹۳ھ	قطب الدین شاہ جہاں سنہ [illegible]ھ	

شکست کھا گئے اور اطاعت پر مجبور ہوئے۔ پھر تو بازنطینی قلعوں کے فتح کرنے کی طرف عثمان متوجہ ہُوا۔ اور یکے بعد دیگرے فتح کر لئے۔ آخر کش ینی شہر پر قبضہ جمایا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

سا۷۰۱ھ میں امیر عثمان خان نے نائکو میڈیا سے متصل فیون حصار کے مقام پر پہلی بار شہنشاہ قسطنطنیہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کیا۔ جس میں اُسے شاندار فتح حاصل ہوئی۔ غرضیکہ چھ سال کے اندر عثمان کی فتوحات کا دائرہ بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا۔ بازنطینی قلعے پے در پے مسخر ہوتے گئے اور بروصہ، نائسیا، اور نائکومیڈیا کے گرد فوجی چوکیوں کا ایک مضبوط حصار قائم ہو گیا۔ بازنطینیوں نے تاتاریوں سے میل کر کے عثمان سے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گئے۔ پھر ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ رہی۔

فتح بروصہ سلطنت بازنطینی کا اہم شہر بروصہ تھا۔ امیر عثمان نے ۷۱۷ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ دس سال تک اہل بروصہ محصور رہے۔ آخر کش ۷۲۶ھ میں محصورین نے اورخان بن عثمان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو خالی کر دیا اور ترکی فوج اورخاں کی سرکردگی میں فاتحانہ طور سے بروصہ میں داخل ہوئی۔ امیر عثمان خاں سفوت (سرگرت) میں بستر مرگ پہ تھا۔ اس کو بروصہ کی فتح کی خبر اورخاں نے پہنچائی۔ عثمان نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور ہمت و شجاعت کی داد دی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

وصیّت اورخاں کو اپنے پاس بٹھا کر یہ وصیت کی کہ :-

"بیٹا اب مَیں موت کی آغوش میں جا رہا ہوں مجھ کو اب کسی بات کا غم نہیں ہے کیونکہ تم سا لائق بیٹا اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں جو میری قائم مقامی اس دولت کی مجھ سے بہتر کر سکے گا"

بیٹا یہ وصیت یاد رہے کہ :-

"ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف رکھنا اور عدل گستری کو اپنا شیوہ

بنانا کہ اسی سے سلطنت کی بنیاد مضبوط رہتی ہے، رعایا پر رحم کرنا کیونکہ ہمارے رب کی صفت رحم ہے حقوق کے معاملے میں قوی اور ضعیف کو یکساں سمجھنا۔ شریعتِ حقہ کو رائج کرنا اور کتاب و سنت کے مطابق عمل رکھنا۔ اگر میری اس وصیت پر عمل کرو گے تو تم ان اولیاء میں سے ہو جاؤ گے جو رضائے الٰہی سے کامیاب ہوئے ہیں اور بیٹا آخری کہنا یہ ہے کہ بروسہ کو پایۂ تخت بنانا اور وہیں مجھ کو دفن کرنا" [1]

وفات امیر عثمان خاں نے ۲۱ رمضان ۷۲۶ھ میں وفات پائی اور حسبِ وصیت بروصہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف عثمان میں وہ تمام اعلیٰ صفات تھے جو بانیانِ حکومت میں ہوا کرتے ہیں۔ شجاع تھا، عاقل، نرم خو۔ یہ ضرور ہے کہ دشمن کے لئے سخت تھا۔ رعایا کے لئے بہت مہربان و رحم دل اور اس میں قیادت کا ملکہ خاص تھا۔ طغرل کے ساتھ چار سو ترک جانباز تھے مگر اس کے برتاؤ اور لطف و کرم سے چار ہزار ترک اس کے جاں نثار تھے جس میں بہت کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ امیر عثمان خاں میں ہمت و شجاعت غیر معمولی تھی۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابل خود آتا جس سے ہر ساتھی میں دلیری کی روح پیدا ہو جاتی۔

اوہ بالی کے فیضِ صحبت سے عثمان میں صوفیانہ رنگ تھا۔ اس کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی، عثمان کا طریقہ جنگ وہی تھا جو قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کا تھا۔ پہلے امرائے روم کے پاس اعلان بھیج دیا کرتا کہ اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مدافعانہ جنگیں زیادہ لڑیں۔ مجبوری درجہ ان ظالم حکمرانوں سے دُو دُو ہاتھ

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیہ از علامہ حسین لبیب مصری۔

کئے جو اپنی رعایا پر جور وظلم روا رکھتے یا مسلمانوں کو آئے دن ستاتے رہتے اور پریشان کرتے تھے۔

سادہ زندگی امیر عثمان خاں کو فتوحات میں بہت کچھ مال و زر ہاتھ لگا۔ اس نے غریبوں اور یتیموں کا حصہ نکال کر ترک سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس اس میں سے ایک حبہ نہ رکھا۔

ینی شہر میں اس کے رہنے کا ایک مکان معمولی درجہ کا تھا جس میں سونے چاندی و جواہرات کچھ نہ تھے۔ ایک کفتان، ایک سُوتی عمامہ، لکڑی کا ایک چمچہ، ایک نمکدان، چند عربی گھوڑے، زراعت کے لئے چند جوڑے بیل اور بھیڑوں کے کچھ گلے، علم اور اسلحہ، مرنے کے بعد عثمان نے یہ اثاثہ چھوڑا تھا۔ یہ دولتِ عثمانیہ کا بانی مبانی تھا۔ فیاض اور مہمان نواز تھا۔ اس کی رحم دلی کی ترکوں میں بہت سی حکایتیں مشہور ہیں [1]

آثارِ خیر اس کے آثارِ خیر سے "اسکی شہر" میں ایک مسجد تعمیر ہے جس کو عثمان نے اپنے ابتدائی عہد میں بنوایا تھا۔

وسعتِ سلطنت ارطغرل نے مقبوضات میں سے سیفوت اسکی شہر اور چند مواضعات چھوڑے تھے جو اوسط درجے کے امیر کے ہونے چاہئیں۔ مگر عثمان نے اڑتالیس سال میں ایک بڑے علاقہ کی حکمرانی قائم کی۔ اس سلطنت کا دائرہ جنوب میں کوتاہیہ اور شمال میں بحیرہ مارمورا اور بحر اسود کے ساحلوں تک وسیع کر دیا۔ اس کے قلمرو کا طول ۱۲۰ میل اور عرض ۶۰ میل تھا جس میں ترک یونانی سلافی باشندے آباد تھے۔

اشاعتِ اسلام عثمان کے مبارک عہد میں سب سے بڑا کارنامہ اسلام کی اشاعت کا ہے۔ عثمان نے بازنطینی ایشیائی

---

[1] ناموس الاسلام (بزبان ترکی)۔

مقبوضات پر قبضہ کر کے وہاں کے نصرانی باشندوں کو اپنے اخلاق سے ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے اور ترکوں سے قرابتیں قائم کر کے ترک نہیں بلکہ عثمانی کہلانے لگے [1]

سلطان اورخان

نام و نسب اورخان بن امیر عثمان خاں بن ارطغرل ۶۸۲ھ میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی علاء الدین چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اورخاں اور علاء الدین کو علوم دینی کی تعلیم دلائی۔ مگر اورخاں کی طبیعت کا رجحان سپہ گری اور اسپ سواری کی طرف زیادہ تھا اور علاء الدین کی طبیعت علوم دینی کی تحصیل پر مائل تھی اور اس میں ہی اُس نے معقول استعداد بہم پہنچائی اور خان کم عمری میں فنونِ حرب سے واقف ہو گیا تھا۔ امیر عثمان کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہا اور تینتیس برس کی عمر میں بروصہ فتح کیا۔ عثمان، اورخان کی بہادری اور تہور سے بے حد خوش ہوا۔

تخت عثمانیہ عثمان مرتے وقت اورخان کے لئے وصیت کر گیا تھا کہ اس کے بعد تخت نشین یہی کیا جائے۔ چنانچہ عثمان کی وفات پر اورخاں نے سلطنت کو باہم تقسیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر علاء الدین نے باپ کی وصیت اور اپنے علمی ذوق کی بنا پر اس کو منظور نہیں کیا اور بھائی کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اورخاں تخت نشین ہوا۔ عثمان کی تلوار اس کی کمر میں

---

[1] دعوتِ اسلام از مسٹر آرنلڈ۔

باندھی گئی۔ سلطان کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا[1]

صدارتِ عظمیٰ اورخاں نے صدارتِ عظمیٰ پر اپنے بھائی کو ممتاز کیا۔ بہ اصرار علاء الدین نے انتظامِ مملکت کی ذمہ داری قبول کی۔ علاء الدین عربی علوم کا ماہر تھا۔ اس نے دولتِ عثمانیہ کے پہلے وزیر کی حیثیت سے آئین ملک کی ترتیب و تنظیم شروع کر دی۔

مملکت کا نظام صدرِ اعظم نے سب سے پہلے سکہ، لباس اور فوج کی طرف توجہ مبذول کی۔ باوجودیکہ سلطان علاء الدین سلجوقی نے عثمان کو خطبہ کے علاوہ اپنے نام کا سکہ جاری کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ مگر ٹکسال کا انتظام نہ ہو سکا تھا۔ صدرِ اعظم نے اورخان کے نام کا طلائی و نقرئی سکہ جاری کیا اور سلجوقی سکے قلمرو عثمانیہ میں رائج تھے وہ بند کئے گئے۔

لباس اب تک لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر ایک ایک سا لباس پہنتا تھا۔ علاء الدین نے رعایا کے مختلف طبقوں کے مختلف قسم کے لباس تجویز کر کے ان کے متعلق قوانین نافذ کئے۔ شہر اور دیہاتی مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کا لباس الگ الگ مقرر کیا[2]

انتظامِ سلطنت وہی قائم رکھا جو سلاطین سلاجقہ کا تھا۔ ویسے ہی دفاتر تھے اسی طرح کی عدالتِ عظمیٰ تھی۔ البتہ فوجی تنظیم کی طرف علاء الدین نے خاص توجہ کی۔

فوجی تنظیم علاء الدین کا عظیم الشان کارنامہ فوجی اصلاحات کا ہے۔ ارطغرل اور عثمان کے زمانہ میں باقاعدہ فوج نہ تھی، رضاکار تھے جو ضرورت کے وقت پیادہ و سوار جنگ میں شریک ہوتے۔ مالِ غنیمت لے کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاتے۔ علاء الدین نے تنخواہ دار فوج پیادہ اور سوار

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ [2] گبن جلد ۴ صفحہ ۳۱۸۔

دونوں قسم کے ملازم رکھے تاکہ بوقتِ جنگ تیار رہیں۔ دس دس، سو سو، ہزار ہزار سپاہیوں پر چھوٹے بڑے امرا مقرر کئے جو اُن کو باقاعدہ فن سپہ گری اور اصولِ جنگ کی مشق کرایا کرتے۔ یہ منظم فوج کچھ عرصہ بعد خودسری دکھلانے لگی۔ یہ ضرور ہے کہ سلطنت کی صحیح معنی میں یہی اصلی طاقت تھی۔ اورخان کو اس فوج سے خطرہ محسوس ہُوا کہ اگر کسی جماعت کی معاونت کے لئے یہ فوج اُٹھ کھڑی ہوئی تو کوئی طاقت ایسی نہ تھی جس سے ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔

انکشاریہ انکشاریہ (ینی چری) فوج کے قیام کے پیش آنے کی ضرورت یہ ہوئی کہ اورخان نے علاءالدین اور شاہی خاندان کے رکن قرا خلیل (خیر الدین پاشا) سے منظم فوج کی خودسری کے متعلق مشورہ کیا۔ قرا خلیل نے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائی اسیرانِ جنگ میں سے جو نوجوان مسلمان ہو جائیں ان کا لشکر ترتیب دیا جائے۔ چونکہ سلطان کے سوا ان کا کوئی مربی نہ ہوگا اور نہ ان میں خاندانی عصبیت ہوگی۔ اورخان کو یہ تجویز پسند خاطر ہوئی اور اس نے انکشاری کے نفاذ کا حکم دیا۔ جب یہ فوج مرتب ہو گئی تو شیخ المشائخ حاجی بکطاش جو اپنے عہد کے ولیٔ کامل تھے، ان کی خدمت میں یہ پیش کی گئی۔ انہوں نے اس کے لئے دُعا کی اور اس کا نام ینی شاری رکھا جو عربی میں انکشاری ہے۔ شیخ الشیوخ کی تقلید میں ہی انکشاریہ نے اپنی ٹوپی اونچی اور سفید رکھی۔ اس فوج کی تربیت اور ترقی کا لحاظ سلطان کو بہت تھا۔ ان کو جاگیریں دیں اور خطابات و القاب عطا کئے۔ ایک زمانہ میں پانچ لاکھ کی تعداد ان انکشاریہ کی تھی۔

علاءالدین نے اس فوج کے علاوہ دوسری فوجوں کی نئے طور سے تنظیم شروع کی۔ تنخواہ کے بجائے پیادوں کو جاگیریں عطا کیں اور فوجی خدمت کے علاوہ جاگیروں سے متصل سڑکوں کی مرمت بھی ان کے فرائض میں داخل کر دی۔ اس فوج کے علاوہ ایک اور فوج بھی مرتب کی جس کا کام صرف یہ تھا کہ منظم فوج کے آگے

رہے اور دشمن سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرے۔ چنانچہ جب غنیم اُن سے مقابلہ کرتا اور بے ضابطہ فوج اُن کے مقابلہ میں گھونگٹ کھا جاتی۔ غنیم زعم باطل میں کامرانی سے آگے بڑھتا تو عثمانی انکشاری فوج ان کو گھیر کر نرغہ میں لے لیتی اور تیغ و سنان سے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیتیں۔ یہی فتح و کامرانی کا نقشہ تھا۔ علاءالدین کی فوجی اصلاحات سے ترکوں کی باضابطہ فوج تیار ہو گئی جس کی نظیر ایک صدی تک یورپ میں پیدا نہ ہو سکی۔

فنِ جنگ ترکوں کو فنِ جنگ میں جو مہارت تھی اس کی مثال معاصر اقوام میں کم ملتی ہے۔ ترک ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہتا۔ ترک جاؤش اور جاسوس صحیح رہنمائی کرتے۔ فوج تیز قدمی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حریف جو راستہ تین یوم میں طے کرتا عثمانی فوج ایک دن میں طے کرتی۔

ترک فوج رحم دل ہوتی ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو ان سے گزند نہ پہنچتا۔ البتہ دشمن کے نوجوان اور تن و توش والے کو کسی حالت میں ترک نہ بخشتا۔ یہی وجہ تھی کہ نصرانی ترکوں کے نام سے گھبرا جاتے اور مقابل آتے ہوئے خوف زدہ ہوتے۔

پاشا علاءالدین کی کارگزاری سے خوش ہو کر اورخاں نے پاشا کا لقب عطا کیا۔ یہ پہلا عثمانی ترک تھا جسے پاشا کا خطاب ملا۔ اس کے بعد اورخاں کے بڑے لڑکے سلیمان کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

فتوحات اورخاں نے امیر عثمان خان کی وصیت کے مطابق بروصہ کو دارالخلافہ بنایا اور اپنی حکومت کے پہلے سال ۷۲۶ھ/۱۳۲۶ء میں نکومیڈیا فتح کر لیا۔ اب صرف سلطنت بازنطینی کے ایشیائی مقبوضات میں بڑا شہر نائیسا رہ گیا تھا جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے قسطنطنیہ سے دوسرے درجہ پر تھا۔ ۷۳۰ھ میں اورخان نے بزورِ شمشیر نصرانیوں سے نائیسا کو بھی لے لیا۔ یہاں کے باشندوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنا مال و اسباب لے کر کسی دوسری جگہ

چلے جائیں۔ مگر ساکنین نائیسا ترکوں کے اخلاق اور اسلامیت کے گرویدہ ہو کر نائیسا سے جانے کو تیار نہ تھے بلکہ وہ بازنطینیوں کے مظالم اور بربریت سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے کہ انھوں نے آبائی مذہب ترک کیا اور خوش دلی سے آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

مسجد و مدرسہ آورخان نے نائیسا میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اس کے متصل ایک مدرسہ قائم کیا جو دولت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا۔

لنگر خانہ غرباء کے لئے لنگر خانہ جاری کیا۔ خود آورخان لنگر خانہ میں بیٹھ کر غرباء کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔

قراسی نائیسا کے فتح کرنے کے بعد قراسی کے ترکی امیر نے ۷۳۳ھ میں انتقال کیا۔ اس کا بڑا لڑکا تخت نشین ہوا مگر عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرا دیا۔ آورخان چھوٹے لڑکے کا طرفدار تھا اُس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آورخان قراسی پر حملہ آور ہوا۔ بڑا لڑکا تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور فراری پر مجبور ہوا۔ چنانچہ ۷۳۵ھ میں قراسی پر آورخان نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اناطولیہ کے شمال و مغربی گوشہ کی چند ترکی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جہاں کی آبادی ترکوں پر مشتمل تھی، ان کو بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔

نظمِ مملکت آورخان ان مہمات سے فارغ ہو کر مملکت عثمانیہ کے انتظام میں لگ گیا۔ کیونکہ بیس سال میں حسنِ اتفاق سے کوئی جنگ پیش نہ آئی جس کی وجہ سے اندرونِ ملک کا انتظام بخوبی کیا جا سکا۔ دفاتر کا انتظام وہی تھا جو سلاطین سلاجقہ کے زمانہ کا تھا۔ البتہ فوج کی تنظیم میں جدت سے کام لیا گیا۔

رفاہِ عام آورخاں میں قدرتی اوصاف بادشاہی تھے۔ اُس نے اپنے

قلمرو میں جگہ جگہ مساجد و سرائیں بنوائیں۔ حمام تعمیر کرائے جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔

علمی ترقی مدرسے قائم کئے جنگی شاندار عمارتیں بنوائیں۔ دارالحکومت بروصہ کی طرف خاص توجہ کی۔ ایک عالی شان مسجد بنوائی۔ ایک بڑا مدرسہ اور شاہی ہسپتال تعمیر کرایا۔ بڑے بڑے فضلاء و اہل کمال آکر جمع ہوئے۔ یہاں کی علمی شہرت سے ایرانی اور عربی طلباء علوم مشرقیہ تحصیل کرنے کے لئے آنے لگے [۱]

مُلا داؤد قیصری اور علامہ تاج الدین کرد جو یکے بعد دیگرے ناٹیسا کے صدر مدرس رہے۔ آورخان ان کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے تھوڑے عرصہ میں علمی چہل پہل پیدا کر دی۔ صدہا طلباء ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

زبانِ ترکی آورخان کے زمانہ میں ترکوں کی بول چال ترکی ہی تھی کیونکہ ترکی زبان اپنے وطن ترکستان میں سرسبز نہیں ہوئی۔ جب ترکوں کا تسلط ایشیائے کوچک میں ہوا تو وہاں کے ایک حاکم امیر قرمان نے جو قونیہ کا حاکم تھا، اس کا باپ شیخ نورالدین صوفی تھا۔ اس نے اپنی زبان کی طرف توجہ کی۔ اس وقت سرکاری زبان فارسی تھی اور علمی و دینی زبان عربی تھی اورخان کے زمانے میں بھی ترکی زبان صرف بول چال تک محدود تھی۔ البتہ مدارس میں عربی اور فارسی پڑھائی جاتی تھی اور دفاتر میں فارسی کا ہی چلن تھا۔

یورپ کا داخلہ اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر آورخاں کی توجہ یورپ کی طرف مبذول ہوئی۔ بازنطینی سلطنت کے ایشیائی

---

[۱] گبن جلد ۴ صفحہ ۱۸۳ [۲] قاموس الاعلام جلد اول

علاقے عثمانیوں کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ یورپ کے علاقہ میں صرف تھریس، مقدونیہ کے ایک جزو جس میں سالونیکا شامل تھا اور یونان میں موریا کے ایک بڑے حصہ تک محدود تھا۔ یہ کل کائنات سلطنت بازنطینی کی تھی۔ اس پر حکومت سرویا کی نگاہ تھی۔ اس کا با اقتدار فرماں روا اسٹیفن ڈوشن جزیرہ نمائے بلقان کے نصف سے زیادہ علاقوں پر تسلط قائم کر کے سالونیکا اور قسطنطنیہ پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔

۱۳۴۱ء میں شہنشاہ اینڈرونیکس سوم کا انتقال ہوا۔ اس کا نابالغ لڑکا جان پلیولوگس تھا اور شہنشاہ کی ملکہ اینا نامی تھی۔ کنٹاکوزین والی بنا۔ مگر کچھ عرصہ بعد کنٹاکوزین نے (۱۳۴۲ء) نیکوٹیکا میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ملکہ اینا کو کنٹاکوزین کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ آخر کش ہر دو میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے قریب میں طاقت ور سلطان اورخاں تھا۔ اس سے بھی ہر دو نے مدد مانگی۔ مگر کنٹاکوزین نے یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی دختر تھیوڈور کو کنیزی میں پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ اورخاں نے چھ ہزار ترک مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔ کنٹاکوزین نے ترکوں کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال بعد قسطنطنیہ میں فاتحانہ کنٹاکوزین داخل ہو گیا۔ ملکہ نے مجبوراً صلح کر لی اور صلح اس طرح طے پائی کہ کنٹاکوزین اور اس کی ملکہ اور ملکہ اینا اور شہزادہ جان پلیوگس چاروں مشترکہ تخت نشین قرار پائیں۔ غرضیکہ اس طرح چاروں کی تاج پوشی ادا کی گئی۔

کنٹاکوزین نے اپنی ایک دختر اورخان کے حبالہ عقد میں دی۔ دوسری کی شادی جان پلیوگس سے کر دی۔

چند سال ہی گزرے تھے کہ ۱۳۵۰ء میں اسٹیفن ڈوشن شاہ سرویا نے سالونیکا پر حملہ کر دیا اور اس کو گمان تھا کہ یہ فتح کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو لے لیگا۔ کنٹاکوزین نے اپنے داماد اورخان سے امداد کی درخواست کی اور

جان نے بھی اس نازک موقع پر معاونت کی خواہش کی۔ چنانچہ آور خان نے تیس ہزار ترکی سپاہی روانہ کئے ان کی مدد سے سالونیکا پر اسٹیفن کو شکست فاش ہوئی اور اس کی فتح قسطنطنیہ کی تمنا خاک میں مل گئی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد عثمانی سپاہی واپس بُلا لئے گئے۔

کنٹا کوزین کو مشترکہ حکومت بار خاطر تھی۔ آخر کش باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی جس سے ۷۵۳ھ میں کنٹا کوزین نے آور خان سے پھر مدد کی درخواست کی اور اس کے معاوضہ میں یوربین ساحل کا ایک قلعہ "زنپ" پیش کیا۔ آور خان نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ عثمان پاشا کی سرکردگی میں بیس ہزار ترک سپاہی روانہ کئے۔ جان پلیولوگس اور ملکۂ اینا کو مقابلہ پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کنٹا کوزین تُرکوں کی بدولت قسطنطنیہ کا تنہا فرمانروا ہو گیا۔

سلیمان پاشا نے حسبِ معاہدہ قلعہ زنپ پر قبضہ کر کے عثمانی فوج متعین کر دی۔ چند ہی دنوں بعد تھریس میں زلزلہ آیا۔ بہتیرے شہروں کی فصیلیں منہدم ہوگئیں تو سلیمان کی نگاہ گیلی پولی پر پڑی جو قلعہ زنپ سے قریب تھا۔ جنرل عشی بابا اور غازی فاضل بابا کی معاونت سے اس پر قبضہ جمایا اور فوج متعین کر دی۔ کنٹا کوزین نے دس ہزار دوکات کے عوض میں زنپ واپس لینا چاہا سلیمان نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تھریس کے چند اور مقامات لے لئے گئے۔

یورپ میں پہلا قدم ان ہر دو قلعوں کے قبضہ میں آجانے سے یورپ کی سرحدی حدود میں ترکوں کا قدم جم گیا گیلی پولی دردانیال کے مغربی ساحل پر سب سے اہم قلعہ تھا اور یہیں سے ترکوں کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس کا اثر اہل قسطنطنیہ نے بھی لیا اور کنٹا کوزین کے خلاف ہو گئے اور ترکوں کو یورپ میں لانے کا ذمہ دار قرار دیا اور ہر شخص کنٹا کو غدارِ وطن کہتا تھا۔ آخر کش رائے عامہ کے مقابلہ میں اس کو تخت و تاج چھوڑنا پڑا اور مع اپنی ملکہ کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔

تخت سے دستبرداری کے بعد قسطنطنیہ کا حکمران جان پلیولوگس بنایا گیا جس نے پچاس برس حکومت کی۔ مگر سلطنت بازنطینی کی حالت کو نہ سنبھال سکا۔ آورخان نے اس حکومت کے اضمحلال سے فائدہ اٹھا کر قلعہ شورلو اور ڈیموٹیکا فتح کر لئے۔ جان نے صلح کر کے ڈیموٹیکا چھڑا لیا مگر جنوبی تھریس پر آورخاں کا قبضہ قائم رہا۔ اس کے بعد سلطنت بازنطینی آورخاں کے رحم و کرم پر ہو کے رہ گئی۔

سلیمان پاشا سلیمان پاشا جس نے کیلی پولی پر قبضہ کیا تھا علاء الدین کے بعد صدر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا اور اپنے چچا کے قدم بقدم رہ کر ملک کی خدمت انجام دی۔ یہ شہزادہ فنِ سپاہ گری و سپاہ سالاری میں ممتاز تھا۔ علمی استعداد بھی معقول تھی۔ رعایا میں اپنی کارگزاری سے تھوڑے عرصہ میں قبولیت حاصل کی تھی۔ آورخان کا صحیح جانشین ہونے کو تھا کہ قضا و قدر کے ہاتھوں ۷۵۹ھ، ۱۳۵۸ء میں شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوا[1] اورخان کے لئے یہ اندوہناک واقعہ بیحد سخت تھا۔

وفات آورخان نے سلیمان پاشا کی جدائی کا اثر بہت لیا اور اسی صدمہ میں دوسرے ہی سال بعمر بیاسی سال ۷۶۰ھ میں انتقال کر گیا۔ بروصہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف اورخاں میں فاتحانہ اوصاف بیش از بیش تھے۔ مجاہدانہ سرگرمی کا حامل تھا۔ تینتیس ۳۳ سال کے دورِ حکومت میں عثمانی مقبوضات کے دائرہ کو وسیع کر لیا تھا۔ عثمان نے جس حکومت کی بنیاد قائم کی تھی اس کو بے حد مضبوط کر دیا اور سلطان کہے جانے کا مستحق ہو گیا۔ آورخاں میں کشورکشائی اور جہانبانی کے جملہ اوصاف تھے۔ اس کے ساتھ شریعت

---

[1] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ

اسلامیہ کا بڑا پابند اور گرویدہ تھا۔ شجاعت اور تہور کے ساتھ سخت گیر نہ تھا۔ حلیم اور بڑا سخی تھا۔ علماء کی قدردانی کرتا اور اپنی صحبت میں ان کو رکھتا اور اعزاز و اکرام ان کا بہت کرتا۔ اس بادشاہ میں درویشی کی بھی شان تھی مشہور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا۔

وسعتِ سلطنت اورخاں کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ ایشائے کوچک کے شمال مغربی حصہ اور یورپ میں زنپ گیلی پول اور تھریس کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی۔ اس کا مجموعی رقبہ بیس ہزار مربع میل سے زیادہ نہ تھا اور آبادی ۱۰ لاکھ نفوس کی تھی[1]

علمائے عصر ابن بطوطہ دنیا کا مشہور سیاح شہر طنجہ سے ۱۳۲۵ء میں شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا استنبول، خراسان، بخارا، قندھار، ہندوستان گیا۔ دہلی میں سلطان تغلق کے دربار میں قاضی القضاۃ کے منصب پر رہا۔ تغلق نے سفیر بنا کر اس کو چین بھیجا۔ غرضیکہ چوبیس سال تک سیاحت کی۔ پھر فاس واپس آیا یہیں اس کا انتقال ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء میں ہوا۔ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار سیاحت نامہ یادگار ہے۔

علامہ زین الدین ابوحفص عمر ابن الوردی جو معرۃ النعمان شام میں ہوا حماۃ میں علم فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد میں حلب کے قاضی ابن نقیب کا منشی رہا۔ اس کی کتاب خریطۃ العجائب و فرید الغرائب مشہور ہے ۱۳۴۰ء تک بقید حیات تھا۔ اسکا معاصر مشہور مؤرخ ابوالفدا تھا۔ قاضی عضدالدین ایجی معقول و منقول اور اصول و فروع میں یکتائے روزگار تھا۔ اس کا اور علامہ ابہری کے عالمانہ مناظرے رہے ہیں۔ سعدالدین تفتازانی اس کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ والی کرمان نے اس کو قلعہ میں قید کر دیا وہیں ۷۵۶ھ میں فوت ہوا۔

---

[1] تاریخ ترکیہ

سُلطان مُراد اوّل

نام و نسب و پیدائش مُراد اول[1] بن امیر آورخاں بن امیر عثمان خان غازی۔ ۷۲۰ھ میں پیدا ہُوا۔

تعلیم و تربیت اورخان نے مصاحب علماء کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ مگر رجحان طبیعت کا فنونِ حرب کی طرف تھا۔ اس کا بھائی سلیمان پاشا فنِ سپہ گری میں طاق تھا اس پر بھی اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ کم عمری سے اس میں مُلک گیری اور حکمرانی کے جوہر نظر آرہے تھے۔ قدرت نے اس کا ساتھ دیا کہ آورخان کا سچا جانشین بنا۔

وزارتِ عظمیٰ مراد کے عہد میں صدرِ اعظم کی جگہ پر قرہ خیل الملقب بہ خیرالدین پاشا ممتاز ہُوا۔ خیرالدین میں وہ جملہ اوصاف جو ایک لائق وزیر میں ہونے چاہئیں موجود تھے۔ ایک عرصہ تک فوجِ عثمانی میں قاضی کے عہدہ پر ممتاز رہ چکا تھا۔ علم و فضل کے ساتھ فنونِ حرب کا بڑا ماہر تھا۔ عادل اور منصف مزاج واقع ہوا تھا۔ ۷۸۸ھ میں فوت ہُوا۔

امیر العسکر مشہور سپہ سالار افواجِ عثمانیہ "لالہ شاہین" تھا۔ اس کے بعد تیمور طاش امیر العسکر بنایا گیا۔ ان ہر دو نے فوج میں حسبِ ضرورت اصلاحات کیں۔

جدید نظام کے ساتھ اُن کے مراتب میں اضافہ کیا اور پرچم عثمانی سُرخ رنگ کا مقرر کیا اور اس میں ہلال اور تارہ کا نشان رکھا۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲، صفحہ ۳۴۴۔

امیر کرمانیہ کی بغاوت

مراد نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تھی کہ امیر کرمانیہ نے مراد کے خلاف ایشیائے کوچک میں شورش کردی۔ مگر مراد نے موقع پر پہنچ کر بغاوت کا بہ قوت استیصال کر دیا۔ اس کے بعد بااطمینانِ خاطر یورپ کی طرف متوجہ ہوا۔

فتوحات تھریس

مراد سریر سلطنت پر آتے ہی یورپ کو اپنی فتوحات کی جولانگاہ بنانا چاہتا تھا مگر امیر کرمانیہ کی بغاوت سے کچھ عرصہ کے لئے اس ارادے کو ملتوی کرنا پڑا۔ جب یہ فتنہ فرو ہوا تو مراد ایک زبردست ترکی فوج لے کر درہ دانیال کو عبور کرکے تھریس میں قدم رنجہ ہوا۔ قلعہ شورلو فتح کر لیا۔ یہاں سے قسطنطنیہ صرف پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے بعد دوسرا قلعہ "کرک کلیسے" کو قبضہ میں لایا۔ ۷۶۲ھ میں اُسکی بابا پر بازنطینیوں سے سخت معرکہ رہا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ غرضیکہ تھوڑے عرصہ میں تمام تھریس پر مُراد کا قبضہ ہو گیا۔

جنرل لالہ شاہین کے کارنامے

مراد تھریس کے علاقہ کی تسخیر میں لگا ہُوا تھا۔ فوج عثمانیہ کے سپہ سالار لالہ شاہین نے بلغاریہ میں داخل ہو کر فلیوپولس مقام فتح کر لیا۔ شہنشاہِ قسطنطنیہ نے یہ رنگ دیکھ کر مراد سے صُلح کر لی کہ مراد کی ہر موقعہ پر فوجی معاونت کرتا رہے گا۔ اس کامرانی کے بعد مراد بروصہ واپس آ گیا۔

جنگ مارتیزا

مراد کی فاتحانہ سرگرمی سے دوسری مسیحی حکومتوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ کلیسائے روما کے زیر سایہ حکمرانیاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگیں۔ پوپ اربن پنجم نے ہنگری، سرویا، بوسنیا ولاچیا کے فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ وہ مشترکہ طاقت سے ترکوں کو یورپ سے نکال دیں۔ چنانچہ ۷۶۵ھ میں اتحادیوں کی بیس ہزار فوج تھریس روانہ ہوئی۔ مراد اناطولیہ میں تھا وہ یورپ روانہ ہُوا۔ مگر یہاں جنرل لالہ

شاہین نے مختصر فوج سے اتحادی افواج کو جو ادرنہ کے قریب دریائے مارٹیزا پر خیمہ زن تھی آلیا اور دفعتہً حملہ آور ہو کر تقریباً تمام فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ شاہ ہنگری بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ مراد نے ڈیموٹیکا کو جو تھریس میں واقع ہے پائیہ تخت بنایا۔

دارالحکومت پھر تین سال بعد ادرنہ دارالسلطنت قرار دیا اور یہاں سے مراد نے دیگر بلقانی ریاستوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کا باجگذار ہونا جنگِ مارٹیزا کے بعد سلطان مراد اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رُو سے شہنشاہ نے سلطان مراد کا باجگذار ہونا منظور کیا۔ اور آئندہ جنگوں میں عثمانی فوج کی حمایت میں اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

شاہزادہٗ بایزید کی شادی امیر کرمیان اناطولیہ میں سربرآوردہ امیر تھا اور وہ دولتِ عثمانیہ سے آئے دن دُو دُو ہاتھ کرتا ہی رہتا تھا۔ مراد نے اس کے رام کرنے کے لئے امیر کرمیان کی لڑکی کی بایزید سے نسبت منظور کر لی۔ چنانچہ امیر نے عروس کو ریاست کرمیان کا بڑا حصہ اور قلعہ کوہاتیہ جہیز میں دیا۔ شادی کی تقریب بروصہ میں دھوم دھام سے منائی گئی۔ اناطولیہ کے تمام امرائے ترک سلطان مصر کا سفیر اس تقریب میں شریک ہوئے۔

یہ لوگ اپنے ساتھ عرب کے صبا رفتار گھوڑے، حسین یونانی کنیزیں، اسکندریہ کے ریشمی پارچات، سونے چاندی کے ظروف، طشت جو جواہرات سے مزین تھے سلطان کے سامنے بطور تحفہ پیش کئے۔ اس نے یہ تمام اشیاء

اپنے مہمانوں میں تقسیم کر دیں۔ عروس نے کرمیان کے قلعوں کی کنجیاں نذر کیں تو مُراد نے انہیں اپنے ہی پاس رکھ لیا۔

شہر آق کی خرید

ریاست حمید کے امیر سے ۷۷۹ھ میں بقیمت شہر آق خرید لیا جس کی وجہ سے سلطنتِ عثمانیہ کی سرحد ریاست کرمانیہ سے ملحق ہو گئی۔ مراد نے اپنی دُختر نفیسہ کا عُقد علاء الدین امیر کرمانیہ سے کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ باہم کوئی جنگ نہ ہوئی مگر امیر کرمانیہ کو اناطولیہ کے ترکوں کی سرداری کا دعویٰ تھا۔ وہ پھر مراد سے قونیہ کے قریب آمادۂ پیکار ہو گیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور گرفتار ہو گیا۔ مُراد اگر چاہتا تو امیر کرمانیہ کو قتل کرا کر ریاست پر قبضہ کر لیتا۔ مگر نفیسہ خاتون کی خاطر اُس کے شوہر کا قصور معاف کیا اور ریاست بخش دی۔ اس پر علاء الدین نے مراد کی اطاعت قبول کر لی۔ لطف یہ ہے کہ علاء الدین مراد کا داماد تھا اور بایزید علاء الدین کا داماد، بایزید نے ہی اپنے خسر کو زیر کیا اور یلدرم کا لقب پایا۔

فتوحات

۷۸۲ھ میں شاہ سربیا لازار اور بلغاریا نے پھر سر اُٹھایا خراج دینا بند کر دیا۔ تیمورطاش نے ان پر لشکر کشی کر کے مناستر اور استپ لے کر صُوفیہ کا محاصرہ کیا اور تین سال بعد اس کو تسخیر کر لیا تیمورطاش ادھر مجاہدانہ سرگرمی دکھا رہا تھا۔ صدرِ اعظم خیر الدین پاشا نے دوسری طرف سلانیک فتح کیا۔

اس زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ یوحنا پالیولاج باوجودیکہ اس کی متعدد لڑکیاں شاہی حرم میں تھیں۔ مگر اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے پاپائے روم کی دہلیز پر جبیں سائی کی مگر اس نے اس کو ٹھکرا دیا۔ مراد کو اس کی منافقت کی خبر لگی سخت ناراض ہُوا۔ شہنشاہ نے اپنے لڑکے تھیوڈر کو خدمت میں بھیج کر سلطان کو رام کیا۔ مراد ایشیائے کوچک گیا۔ اپنے بیٹے صاروجی کو قائم مقام بنا گیا۔ تھیوڈر نے صاروجی کو ترغیب دلائی کہ اپنے

استقلال کا اعلان کر دے۔

صادوجی جہانسہ میں آگیا۔ سلطان مراد کو خبر لگی۔ پلٹا اور درِ دانیال کو عبور کر کے شہنشاہ کو ساتھ لیا، ادرنہ پہنچا کہ فوجیں شاہزادہ صادوجی کو چھوڑ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوگئیں۔ ہر دو نافرمان بیٹے گرفتار کر لئے گئے۔ نیل کی سلائیاں آنکھوں میں پھیر دی گئیں۔

شاہ سربیا کی خودسری

۷۸۸ھ میں شاہ سربیا اور سیسمین والئ بلغاریہ نے مل کر حملہ کیا۔ جنرل علی پاشا نے بیس ہزار فوج سے مقابلہ کیا۔ ان کو پسپا کرتا ہوا قرطوہ اور شوملہ تک لے گیا اور یہاں سے بھی ان کو مار بھگایا اور ہر دو قلعوں پر قبضہ جما لیا۔ سیسمین نے بھاگ کر نیکوپلی میں پناہ لی۔ وہاں سے پھر لشکر جمع کر کے ترکوں کے مقابل ہوا مگر گرفتار ہوگیا۔ سلطان نے اس کی لجاجت سے متاثر ہو کر قصور معاف کیا اور اس کی نصف سلطنت بھی از راہِ خسروانہ چھوڑ دی۔ سلسٹریہ کا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ لازار نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ فیصلہ کن معرکہ کا تہیّہ کر کے ۱۵ رجون ۷۹۱ھ، ۱۳۸۹ء کسودا کے میدان میں آجمع ہوا۔ مراد نے اُن کی سرکوبی کر دی۔ اتحادیوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ یکایک سروی میلوش کو بیلووِیچ نامی نے دھوکے سے مراد کو خنجر سے زخمی کر دیا۔ مراد نے ترکوں کو سخت حملے کا حکم دیا۔ لازار شاہِ سربیا گرفتار کر لیا گیا۔ مراد کے سامنے لایا گیا اس نے اسے قتل کرا دیا۔

وفات

مراد کے زخم کاری لگا تھا جس سے جانبر ہونا محال تھا۔ چنانچہ پینسٹھ سال کی عمر میں ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ نعش بروصہ لا کر آبائی مقبرہ میں دفن کی گئی۔

وسعتِ سلطنت

مراد نے جو علاقہ یورپ کا فتح کیا تھا وہ اپنے والد کے مقابلہ میں پانچ گُن زیادہ تھا۔ بلغاریہ، سرویہ، بوسنیا پر دولتِ عثمانیہ کا تسلط تھا۔ ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ شاہِ ہنگری

مقابل آیا تو شکست کھا گیا۔ غرضیکہ سلطنت عثمانیہ کا دائرۂ حکومت دریائے ڈنیوب تک پہنچ گیا تھا۔ تھریس، مقدونیہ، جنوبی بلغاریہ کی ریاستیں مکمل طور پر سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو چکی تھیں۔

کارنامے مراد جلیل القدر سلاطین عثمانی سے تھا تیس سالہ حکمرانی کی جس میں سے چوبیس سال میدانِ جنگ میں صرف کئے اور ہر جنگ میں فاتح رہا۔ کہیں اس کو ناکامی دشمن کے مقابلہ میں نہ ہوئی۔

گبنس نے لکھا ہے:-

"مراد خاندانِ عثمانی کا سب سے زیادہ ممتاز و کامیاب ماہرِ سیاست اور محارب تھا۔"

تیس سال تک مراد نے عثمانیوں کی سیادت ایسی سیاسی تدبر کے ساتھ کی کہ اس عہد کا کوئی مدبر اس پر فوقیت نہ حاصل کر سکا۔"[1]

اصلاحات مراد نے حکومت میں وہ اصلاحیں کیں جس سے اس کا دورِ حکومت امن و امان کا تھا۔ ۷۶۰ھ سے ۷۸۳ھ تک وہ سلطنت کے انتظام و استحکام میں لگا رہا۔ فوجی نظام میں بھی اپنے پیش رو سلاطین سے زیادہ اصلاحیں کیں۔ جاگیرداری نظام کو مکمل کیا۔ جو علاقے فتح کئے گئے ان میں جاگیریں قائم کر کے سپاہیوں کو عطا کیں اور ان جاگیرداروں کو جنگ کے مواقع پر ایک یا ایک سے زیادہ مسلح سوار فراہم کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ یہ فوجی جاگیریں، تیمار اور زعامت چھوٹی اور بڑی دو قسموں کی تھیں۔

مراد نے شاہی اخراجات کے لئے زمینیں الگ قائم کیں۔ مساجد اور دوسرے مذہبی اداروں کے لئے علیحدہ زمینیں وقف کر دیں۔ ان کے انتظام کے لئے ایک محکمہ قائم کیا۔

---

[1] ہربرٹ گبنس صفحہ ۱۰۸۔

نصرانی غدار عثمانی قلمرو میں جس قدر نصرانی آباد تھے ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ آلِ عثمان نے ہر موقعہ پر ملحوظ رکھا۔ ان کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ ان کے کلیسے محفوظ تھے۔ مگر یہ لوگ مغربی امراء سے ساز باز کرتے رہتے۔ مراد نے ان کی درستی مزاج کے لئے ان کے لئے بعض خدمات مخصوص کردی تھیں۔ اصطبل وغیرہ کی صفائی، خیموں کا نصب کرنا اور اکھاڑنا، سامان کی گاڑیوں کی دیکھ بھال اور اسی قسم کے دوسرے فوجی کام نصرانیوں کے سپرد کئے گئے۔

رایت احمر مراد نے عَلمِ عثمانی کے لئے سرخ رنگ تجویز کیا۔

اوصاف مراد تہور و شجاعت کا مجسم پیکر تھا۔ بہادری کے جس قدر اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب قدرت نے مراد میں رکھے تھے۔ خلیق اور متواضع بڑا تھا۔ رحم دل بھی تھا۔ دشمن زیر ہو جاتا تو اُس کا قصور معاف کر دیتا۔ سخی بھی بڑا تھا۔ بایزید کی شادی میں جس قدر تحفہ تحائف آئے وہ تقسیم کر دیئے اپنے لئے نہیں رکھے۔ غرباء کی بڑی خبر گیری رکھتا تھا۔ مذہب کا پابند تھا۔ جہاد سے اس کو دلی رغبت تھی۔

علمائے عصر علامہ ابن خلدون ۷۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ ٹیونس وطن تھا۔ فلسفۂ تاریخ کا موجد، روشن خیال، متبحر عالم صائب الرائے۔ علم اسلام اور فلسفہ پر پوری نظر تھی۔

وفات ۸۰۸ھ میں فوت ہوا۔

سلطان بایزید اوّل یلدرم

نام و نسب بایزید بن مرادؔ[1] بن اورخان عثمانی۔

ولادت بایزید ۷۶۱ھ میں پیدا ہُوا۔

تعلیم و تربیت شاہانہ طور طریق سے بایزید کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ فطری رجحان فنونِ حرب کی طرف تھا۔ کم عمری میں وہ جنگی کارنامے انجام دیئے کہ یلدرم (صاعقہ) کے لقب سے ملقب تھا۔

تخت نشینی مراد کی شہادت کے بعد شہزادہ بایزید جنگ کسودا کی کامیابی اور کامرانی سے اپنے لشکر میں واپس آیا۔ فوج کے تمام سرداروں نے اس کا خیر مقدم خوش دلی سے کیا اور تاج و تخت سپرد کیا۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چھوٹے بھائی یعقوب چلپی کو قتل کرا دیا۔ یہ بڑا شجاع اور ماہرِ جنگ تھا۔

امیر العسکر تیمور طاش سالارِ عسکر اور ایشیائے کوچک میں بایزید کا نائب سلطنت بھی تھا۔ مراد کے زمانے میں تیمور نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ شجاعت اور تہور میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

وقائع جنگِ کسودا میں سرویا کو بھی ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی۔ مگر اس پر بھی وہ برسرِ پیکار تھا۔ آخرش اس نے بایزید سے ایسی صلح کی کہ اس

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۴۴ جلد ۲۷۔

کی خود مختاری قائم رہی مگر باجگذار رہا۔ شاہ سرویا لازارہ کا جانشین اسٹیفن ہوا۔ اس نے سالانہ خراج کے علاوہ پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ سلطان بایزید کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رکھنے کا معاہدہ کیا۔ اپنی بہن شہزادی ڈیسپنیا کو بایزید کے نکاح میں پیش کیا اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ سلطان جب کبھی کسی دول مغرب سے برسرِ جنگ ہوگا تو وہ خود بنفسِ نفیس معہ فوج کے شریک ہوا کریگا۔

شہنشاہِ قسطنطنیہ سے جدید صلحنامہ

بایزید نے شہنشاہِ قسطنطنیہ جان پلیولوگس کو ایک جدید صلح نامہ کے لئے کہا۔ اگر وہ تیار نہیں ہے تو اینڈرونیکس کو تختِ قسطنطنیہ پر بٹھائے گا اور صلح نامہ اس سے کرے گا۔ جان پلیولوگس اور اس کا لڑکا مینوئل جو تختِ سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا گھبرا کر معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے اور تیس ہزار طلائی سکے بطورِ خراج ہر سال دینے کا وعدہ کیا اور بارہ ہزار کا ایک فوجی دستہ بایزید کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہا کرے گا طے کیا اور ایشیائے کوچک میں قلعہ فلاڈلفیا جو بازنطینی سلطنت کا باقی رہ گیا تھا وہ بایزید کو نذر کیا۔

اناطولیہ کی بقیہ ریاستیں

ایشیائے کوچک میں چند ترکی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جو سلطنتِ عثمانیہ کے لئے ہر آن خطرہ کھڑا کر دیتی تھیں اور یورپ کی فتوحات میں بغاوت کر کے اکثر روڑے اٹکا دیا جاتا۔ بایزید نے پہلے ان کی طرف توجہ کی۔ پہلے اس نے ترکی ریاست ایدین کو فتح کیا۔ پھر منتشار اور صاروخان پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے ترکی امراء امیر قسطمونی کے پاس پناہ گزین ہوئے۔

غرضیکہ ہر دو مذکورالذکر ریاستیں سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں جس سے اس کے حدود بحرِ ایجین کے ساحل تک پہنچ گئے۔ پھر ریاست تکہ کے بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کیا اور آگے بڑھ کر قسطمونی کے امیر سے بھڑ پڑا اور اسے

شکست دیکر اس کی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ آخر میں کرمانیہ کا رخ کیا۔ اس کے امیر علاء الدین نے مقابلہ پر شکست کھائی اور خود بھی معہ اپنے دو بیٹوں محمد و علی کے گرفتار کر لیا گیا۔ آخر کار اُس نے شہر آق نذر کر کے صلح کر لی۔

محاصرۂ قسطنطنیہ اناطولیہ کی فتوحات کے بعد بایزید دردانیال کو عبور کر کے ادرنہ آیا۔ یہاں سے مینوئیل جان پلیولوگس کے مرنے پر قسطنطنیہ پہنچا اور تخت نشین ہو گیا۔ یہ فعل بایزید کو ناگوار ہوا تو فوجیں لیکر قسطنطنیہ گیا اور محاصرہ کر لیا۔ سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ پھر چونکہ بایزید کو بلغاریہ میں سجمنڈ شاہِ ہنگری کے جارحانہ اقدام کو روکنے کے لئے فوجیں درکار تھیں۔ اس لئے مینوئیل سے دس سال کے لئے صلح کر کے محاصرہ اُٹھا لیا۔ سالانہ خراج کی رقم تیس ہزار طلائی کراون مقرر ہوئی۔ مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ میں ایک شرعی عدالت قائم کی گئی جہاں کا قاضی ترکی عالم مقرر ہوا اور ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر ہوئی اور غلّہ کا نصف حصہ سلطان کے قبضہ میں آیا یہاں چھ ہزار عثمانی فوج متعین کی گئی۔

ولاچیا بایزید نے ولاچیا پر حملہ بول دیا۔ آخر ش وہ باجگذار بن گیا۔ پھر بوسینیا اور ہنگری کی طرف رُخ کیا مگر حملہ میں ناکامی ہوئی۔ بایزید ہمت نہ ہارا۔ دوبارہ حملہ کر کے گیا ہوا قلعہ نائکوپولس لے لیا سجمنڈ کو بھاگنا پڑا۔

فتح بلغاریہ ۷۹۵ھ میں بایزید نے اپنے لڑکے سلیمان پاشا کو بلغاریہ کے فتح کے لئے بھیجا۔ جنوبی حصہ اس کا مراد کے عہد میں فتح ہو چکا تھا جو باقی تھا شہزادہ سلیمان نے اس پر حملہ کر دیا۔ شاہ سلیمان نے جم کر مقابلہ کیا۔ مگر سلیمان نے پایۂ تخت ترنوا کو ایک ہفتہ محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اب شمالی بلغاریہ بھی عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ "اسقف اعظم" جو بڑا فتنہ گر تھا وہ جلاوطن کر دیا گیا۔ بلغاریہ کے بہت سے نصرانی بہ طیب خاطر داخلِ اسلام ہو گئے۔ ان کی زمینیں بحال رہیں باقی سارا علاقہ فوجی جاگیروں کی شکل میں ترکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

صلیبی جنگ

بلغادیہ کے سلطنتِ عثمانیہ میں شمولیت سے شاہ ہنگری سجس مونڈ کو اپنے ملک کے لئے خطرہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ اس کی سرحد ترکی علاقہ سے ملی ہوئی تھی اس نے نامہ و پیام سے یورپ کے بادشاہوں کو ہمنوا بنایا اور پوپ نے بھی اس کی درخواست پر صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔

سب سے پہلے کلیسا کی آواز پر ڈیوک برگنڈیا نے لبیک کہی اور اپنے بیٹے کاؤنٹ ڈی نیفر کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ جن میں امرائے فرانس اور شاہی خاندان کے اراکین شامل تھے، روانہ کیا۔ راہ بویریا اور آسٹریا کے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اس جماعت میں شامل ہوتے گئے۔

جرمنی سے فریڈرک کاؤنٹ ھوھنزلون اور اس کا لشکر، قدیس یوحنا اور جماعت شلیبی بھی ساتھ ہو گئی۔ ان صلیبی مجاہدوں کو گمان تھا کہ ترکوں کو شکست دے کر ارضِ مقدس پر قبضہ جمائیں گے۔ لطف یہ تھا کہ صلیبیوں کے ساتھ شراب کے قرابے اور نصرانی دوشیزائیں بھی تھیں جو شب کی رنگین صحبتوں کے کام میں لائی جاتیں۔ یہ گروہ بہ کروفر ہنگری پہنچا۔ شاہ ہنگری معہ اپنی سپاہ کے تیار بیٹھا تھا۔ وہ اس صلیبی جماعت میں شامل ہو کر دریائے ڈینوب کو عبور کر کے نیکوپلی پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ شاہِ ہنگری کے ساتھ شاہ ولاچیا بھی شریک ہو گیا۔ نیکوپلی کے امیر اوغلان بک نے بڑی پامردی سے اس جمِ غفیر کا مقابلہ کیا۔ بایزید اس حملہ کی خبر پا کر دو لاکھ سپاہ کے ساتھ صلیبیوں پر مثل صاعقہ کے آ گرا۔ والی سربیا اسٹیفن اپنے عہد پر قائم رہ کر معہ جرار لشکر کے ترکوں کے ساتھ آ ملا۔

۲۳ ر ذی قعدہ ۷۹۸ھ کو صلیبی فوجیں اسلامی فوج پر حملہ آور ہوئیں۔ ان کی کمان کاؤنٹ دی نیفر کے ہاتھ میں تھی۔ باوجودیکہ شاہِ ہنگری سجمنڈ نے

ان کو اس حملہ سے منع کیا تھا کہ جو فوج مقابل ہے وہ غیر مرتب ترکی دستہ ہے۔ اس کے عقب میں جو فوج ہے اس سے نبٹنے کی ضرورت ہے۔ مگر سجمنڈ کی رائے کے خلاف کاؤنٹ اپنی بہادری کے زعم میں ینی چری سے ہی دو دو ہاتھ کرتا ہُوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

ترکوں کا مقدمۃ الجیش شکست کھا گیا۔ کاؤنٹ کو اپنی فتح نظر آنے لگی اور اس قدر میدانِ جنگ میں آگے بڑھ گیا کہ ینی چری فوج اس کے پیچھے رہ گئی اور سامنے ترکوں کا منتظم لشکرِ عظیم نظر آنے لگا تو اس کے چھکّے چھوٹ گئے۔ واپس ہونا چاہا مگر راہ ینی چری فوج نے روک دی۔ آخر کار نہایت بے جگری سے ترکوں کے ساتھ لڑا۔ اس کے چھ ہزار ساتھی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ بایزید نے یہ رنگ دیکھ کر سجمنڈ کی طرف توجہ مبذول کی۔ صلیبیوں کے دونوں بازوؤں کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ قلب لشکر جو ہنگری، بویریا اور آسٹریا کے دستوں پر مشتمل تھا جس کی کمان خود سجمنڈ کے ہاتھ میں تھی جم کر مقابلہ پر رہا مگر چند گھنٹے سے زیادہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ آخر کار یہ صلیبی مجاہد بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزارہا قتل ہوئے۔ ترکوں نے بھگوڑوں کو گھیر کر گرفتار کر لیا جن کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔

کاؤنٹ نے مسلمان قیدی جو اس کے قبضہ میں آئے تھے قتل کرا دیئے۔ بایزید نے ان کے انتقام میں ان قیدیوں کو بھی تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ قیدیوں میں کونٹ ڈی نیورس بھی تھا۔ شاہِ ہنگری سجمنڈ سر پر پیر رکھ کر ایسا بھاگا کہ جو اس کی امداد کے لئے صلیبی بہادر آئے تھے ان کی خبر بھی نہ لی مگر کونٹ ڈی نیورس جب قتل کرنے کے لئے لایا گیا بایزید نے اس کو دیکھ کر اس کی جوانی پر ترس کھایا اور اس کی جان بخشی کی اور اس کی سفارش سے چوبیس ساتھی بھی بچا لئے گئے۔

ان سب کو سلطان بایزید نے نہایت احترام و عزت سے ایک سال

تک زیر حراست رکھا۔ فرانس سے زرِ فدیہ آگیا تو ان کو وطن جانے کی اجازت عطا کی اور چلتے وقت کونٹ ڈی نیورس سے کہا :-

"جان مجھ کو علم ہے کہ تُو اپنے ملک کا سردار ہے۔ ممکن ہے تیرے ہم عصر تیری اس ناکامی پر تجھے قابلِ الزام سمجھیں مگر میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں اور اجازت ہے کہ پھر میدانِ جنگ میں آکر مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ میں ہمیشہ تیار ملوں گا۔"

جان، بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنے مُلک میں آیا مگر تمام عمر پھر کبھی سر نہ اُٹھایا۔

اس عظیم الشان فتح کی بشارت تمام عالمِ اسلامی میں بھیجی گئی۔ اس پر ہر جگہ بڑی خوشی منائی گئی۔

فرمان خلیفہ عباسی متوکل علی اللہ اول عباسی خلیفہ قاہرہ نے بھی بایزید کے اس کارنامے سے محظوظ ہو کر جملہ علاقہ جات مفتوحہ کا فرمان لانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور بہت سے تحفے تحائف خلیفہ کے حضور میں ارسال کئے۔

جنگ نائکوپولس کے بعد بایزید نے ولاچیا، آسٹریا اور ہنگری پر فوجیں بھیج دیں جنہوں نے پیٹر وارڈین کے شہر پر قبضہ کیا۔ ایک ترکی دستہ نے سربیا پر یورش کی اور ساحل ڈینوب کے جو قلعے نصرانیوں نے لے لئے تھے وہ ان سے بزور حاصل کر لئے اور خود بایزید بنفس نفیس بوڈا پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا لیکن دفعتہً بیمار ہو گیا جس سے ہنگری کی یہ مہم معرضِ التوا میں رہی۔

فتح یونان تندرست ہونے کے بعد ادرنہ کو بایزید واپس ہُوا اور وہاں پہنچ کر مینوئل شاہِ قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ جان کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے۔ مگر مینوئیل نے بایزید کو نا ملائم جواب دیا۔ جس کی بنا پر ۱۳۹۸ء میں بایزید یونان پر حملہ آور ہُوا اور بلا زحمت اُٹھائے تھسلی

فونیس، ڈوریس اور لوکرس پر قابض و متصرف ہو گیا۔

ادھر بایزید برسرِ پیکار تھا۔ دوسری طرف اس کے جنرل یعقوب اور افرینوس نے خاکناۓ کورنتھ کو طے کر کے جنوب کا رخ کیا اور تمام موریا کو فتح کر لیا۔

بایزید نے اپنے جنرلوں کو حکم دیا کہ موریا کے تیس ہزار یونانی باشندے ایشیائے کوچک میں منتقل کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ پر ترکوں کو آباد کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

موریا کا حکمران پھر تھیوڈور پلیوگس شاہِ قسطنطنیہ کے نائب کی حیثیت سے تھا اس نے شکست کھا کر بایزید کی سیادت کو قبول کیا اور دولتِ عثمانیہ کا باجگذار بن گیا۔

یونان کی فتح کے بعد بایزید ادرنہ لوٹ آیا۔ یہاں معلوم ہوا شہنشاہِ قسطنطنیہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں دست اندازی کرتا ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور شہنشاہ کو کہلا بھیجا قسطنطنیہ کے معاوضہ میں دوسری حکومت پسند کر لے تاکہ وہ اُس کو عطا کر دی جائے مگر شہنشاہ نے جواب دیا :-

"ہم ضعیف و ناتواں ہیں ہم خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے نہیں ڈرتے وہی کمزور کی حفاظت کرتا ہے اور طاقت ور کا غرور توڑتا ہے۔ سلطان کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے"

اس جواب پر بایزید نے ادرنہ سے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ قریب تھا کہ فتح کر لے۔

مغلوں کی یلغار

سلطان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایشیائی مقبوضات پر مغلوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنگیز کا پوتا تیمور لنگ مثلِ چنگیز کے کشور کشائی کرتا ہوا بڑھ رہا ہے۔ بایزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور شہنشاہ سے عہد نامہ لکھوا لیا کہ وہ دس ہزار سکہ طلائی سالانہ جزیہ

میں دیا کرے گا اور جو مسلمان اس کے علاقہ میں رہتے ہیں اُن کے لئے ایک جداگانہ محکمہ شرعیہ قائم کرے گا اور نیز اُن کو ایک جامع مسجد بنانے کے لئے بھی حق دے گا۔

صاحبِ قِران امیر تیمور

تیمور کا مُورثِ اعلیٰ قراچار نویان اور چنگیز ایک دادا کی اولاد سے تھے۔

قراچار و چنگیز ابن عم اند   بکشور کشائی قرین ہم اند

قراچار کا خلف الرشد ایجل خان دانش و خدا شناسی کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہلاکو خان نے ایجل کو تبریز کا حاکم کیا۔ اس کا بیٹا ایلنگر خان تھا جو اسلام سے مشرف ہوا اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کا صاحب زادہ امیر برکل تھا جس کے لڑکے امیر طراغائی تھے[1] جو شیخ شمس الدین کلال کے مریدوں میں سے تھے۔ یہاں ۲۵ شعبان ۷۳۶ھ / ۱۳۳۵ء کو نگینہ خاتون کے بطن سے شہر سبز (ماوراء النہر) میں تیمور پیدا ہوا۔ امیر طراغائی نے تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا۔ کم عمری میں اس کی لیاقت اور تہور و شجاعت کے گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ تغا تیمور نے کش کی گورنری پر تیمور کو مامور کر دیا۔ بعدہٗ چغتایہ خان سیور غاتمش کا وزیر ہو گیا جس کی حکومت اُس نے ۷۷۱ھ / ۱۳۶۹ء میں غصب کر لی۔ گو تیمور نے اسے اور اس کے لڑکے محمود کو ۸۰۰ھ ، ۱۳۹۷ء تک برائے نام بادشاہ رہنے دیا[2]

۷۸۲ھ میں تیمور نے ایران پر چڑھائی کر دی۔ سات برس کے اندر خراسان، جرجان، مازندران، سجستان، آذربائیجان، کردستان فتح کر لئے۔ تیمور نے

---

[1] ظفر نامہ مولانا شرف الدین علی قلمی صفحہ ۹۶ و انساب الترک ابو الغازی خان۔

[2] شجرات فرماں روایان اسلام از مسٹر اسٹینلی لین پول صفحہ ۱۹۴۔

جس ملک کا ارادہ کیا فتح کر کے چھوڑا۔

۷۸۹ھ میں اصفہان کے آدمیوں نے فتنہ و فساد برپا کیا تو تیمور نے سب کو تہ تیغ کرا دیا۔ پھر دارالملک فارس میں آیا۔ آل منظفر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دشتِ قبچاق کا فرمانروا اس کا تربیت یافتہ توقمیش خاں تھا۔ اس نے مخالفت کی اس کا سر کچل دیا۔ ۷۹۵ھ میں ایران میں دوبارہ جا کر شاہ منصور کو جو سرکش ہو گیا تھا شیراز میں قتل کیا۔ آل منظفر کو پامال کیا۔ پھر جلائر سے بغداد بہ جبر لے لیا۔ کئی مرتبہ گرجستان میں آیا۔ ۸۰۰ھ میں دریائے سندھ میں پل بنا کر عبور کیا اور ہندوستان کو فتح کیا۔ پھر یہاں سے دمشق پر فوج کشی کی اور امرائے شام جو قید میں تھے اُن کو قتل کیا۔[1]

تیمور کی فتوحات کا دائرہ تھوڑے عرصہ میں حدود دولت عثمانیہ سے مل گیا تو بایزید نے جن علاقوں پر قبضہ کیا وہاں کے امراء بھاگ کر تیمور کے پاس پہنچے اور جن مقامات پر تیمور نے چڑھائی کی وہاں کے حکمران بایزید کے دامن میں پناہ گزین ہوئے۔ ہر دو ریاستوں کے فرمانروا تیمور اور بایزید کو ایک دوسرے کے خلاف اُبھارتے اور بھڑکاتے۔ ان ریاستوں کے سلسلہ میں ہر دو شاہوں کے درمیان نہایت تلخ نامہ و پیام ہوئے۔ آخر میں نوبت جنگ کی آ گئی اور دو عظیم الشان طاقتیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ فتوحات اسلامیہ کا بڑھتا ہوا سیلاب رُک گیا۔

معرکہ تیمور و بایزید

۸۰۳ھ ۱۴۰۰ء میں دمشق کی فتح کے بعد تیمور نے ارمینیا کی طرف سے عثمانی سرحد میں داخل ہو کر سیواس جو عثمانی مقبوضہ تھا اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر

---

[1] روضۃ الصفاء۔

کی دیواریں مضبوط تھیں اور ترکی دستے نے سلطان بایزید کے سب سے بڑے لڑکے شہزادہ ارطغرل کی سرکردگی میں اس کی محافظت بھی بڑی جانبازی کے ساتھ کی تیمور کی سات آٹھ لاکھ تاتاری فوج شروع میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر تیمور نے آخر میں سرنگیں لگا کر شہر کی فصیل کو گرا دیا جس سے شہر پر تیموری فوج کا قبضہ ہو گیا۔ تیمور نے سیواس کے محافظ دستہ کو تہ تیغ کیا۔ ان میں چار ہزار ارمنی بھی تھے جن کو زندہ دفن کرا دیا گیا اور شہزادہ ارطغرل اس معرکہ میں کام آیا۔

بایزید اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس کو سیواس کے فتح ہونے کی خبر لگی اور اپنے لختِ جگر کے کام آنے کا علم ہوا اس کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ تیمور کے مقابلہ کے لئے ایشیائے کوچک پہنچا۔ لیکن تیمور اس درمیان میں شام اور مصر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دو سال بعد پھر میں وہ لوٹا اور سیواس پہنچنے کے بعد بایزید اور اس کے درمیان خط و کتابت دوبارہ ہوئی۔ بایزید کو اپنی فتوحات کا زعم تھا اور تیمور کی طاقت کا اندازہ وہ نہ رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ہر دو مسلم شہنشاہ تیار ہو گئے۔

معرکۂ انگورہ

بایزید ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ تیمور صاحبقران کے مقابلہ کے لئے سیواس کی طرف بڑھا۔ لیکن تیمور کی کثیر فوج (سات لاکھ) کے لئے یہ میدان تنگ تھا اس لئے وہ بایزید کے پہنچنے سے پیشتر انگورہ کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر فوراً انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسے یقین کامل تھا کہ بایزید انگورہ کو بچانے آئے گا۔ چنانچہ بایزید اطلاع پا کر سیواس کے بجائے انگورہ پہنچا۔ اس نے دیکھا تیمور شہر کے شمال مغرب کی جانب جو فوجی نکتۂ نظر سے میدان کا بہترین حصہ ہے قبضہ کئے ہوئے ہے۔ مگر بایزید اپنی قوت کے گھمنڈ میں تیمور کی فوجی طاقت کا اندازہ

نہ کر سکا۔ ادھر تیمور نے اپنے تاتاری ایجنٹ بایزید کی فوج میں بھیج دیئے جنھوں نے عثمانی فوج میں تاتاریوں میں بایزید کے خلاف بغاوت پیدا کر کے ان میں قومی عصبیت برانگیختہ کر دی۔ چنانچہ تاتاری عین جنگ کی حالت میں کٹ کر تیمور کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر بایزید کی خسّت نے فوجیوں کو بددل بنا دیا تھا۔

عثمانی افسروں نے یہ رنگ دیکھ کر بایزید کو مشورہ دیا کہ تیمور سے صُلح کر لے مگر اپنی قوت کے زور میں اُس نے مطلق توجّہ نہ کی بلکہ اپنی شان دکھانے کے لئے انگورہ کے بعد ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا۔ راہ میں پانی کی کمی سے پانچ ہزار فوجی سپاہی پیاس کی شدت سے مر گئے۔ جو باقی رہے وہ بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف سے خستہ حال تھے۔

بایزید شکار سے لَوٹا۔ دیکھا کہ اس کی لشکر گاہ پر تیمور کا قبضہ ہے اور جس چشمہ سے فوج پانی لے سکتی تھی اس کا رُخ بھی تیموری فوج نے پھیر دیا ہے۔ بایزید نے ان حالات کی نامساعدت سے گھبرا کر ۱۷ ذی الحجہ ۸۰۴ھ ۱۴۰۲ء کو فیصلہ کن معرکہ کا آغاز کر دیا۔ لڑائی طلوع فجر سے قبل شروع ہو گئی اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی۔ بایزید نے اپنی سپہ گری اور سپہ سالاری کے خوب خوب جوہر دکھائے مگر تیمور کی فوجی قابلیت اور اس پر طرہ یہ تھا کہ دُعا اور مناجات میں مشغولی اور سجدے میں سر رکھ کر رونا، اور گڑگڑانا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بایزید کو ناکامی نظر آنے لگی۔

ادھر اناطولیہ کی ترکی ریاستوں کے رئیس تیمور کے ساتھ تھے اور فوجیں بایزید کے ہمراہ۔ وہ اپنے آقاؤں کے جھنڈے کے نیچے پہنچ گئیں۔ تاتاری علیحدہ پہنچ گئے۔ پھر افسروں نے بایزید کو میدان چھوڑنے کی رائے دی مگر اپنی شجاعت اور کشوری کے زعم میں اس نے مشورہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ بایزید کے ساتھ اب صرف دس ہزار ینی چری رہ گئے تھے وہ سات آٹھ لاکھ

تاتاریوں کا کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ رنگ بایزید نے جو دیکھا تو بھاگنا چاہا۔ وقت گزر چکا تھا سردار محمود خاں چغتائی نے بایزید کو میدان سے ہٹتے ہُوئے دیکھا اُس نے آگے بڑھ کر گرفتار کر لیا۔ بایزید کے پانچ لڑکوں میں سے جو شریکِ جنگ تھے اُن میں سے تین دشمن کی زد میں سے بچ کر نکل گئے۔ شہزادہ سلیمان نے یورپ کی راہ اختیار کی۔ شہزادہ محمد نے اماسیا پہنچ کر دم لیا اور شہزادہ عیسیٰ نے کرمانیہ کا رُخ کیا۔ شہزادہ موسیٰ گرفتار ہُوا۔ شہزادہ مصطفیٰ اس وقت لاپتہ ہو گیا۔

بایزید کا انجام

بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا۔ تیمور نے تخت سے اُتر کر بایزید کا استقبال کیا اور ہتھکڑی کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے پہلو میں تخت پر بٹھایا اور سلطان بایزید کے اس حال کو دیکھ کر آبدیدہ ہوا اور کہنے لگا:[1]

"اگرچہ احوالِ عالم تمام تر خداوند تعالےٰ عزاسمہٗ کے ارادہ و قدرت کے مطابق پیش آتے ہیں اور کسی دوسرے کو حقیقتہ الامر یہ ہے کوئی اختیار و اقتدار نہیں تاہم ظاہر سبب یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ انصاف و حق یہ ہے کہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔

تم نے بارہا اپنی حد سے باہر قدم رکھا اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی تم اس مغربی دیار میں نصرانی کفار سے جہاد کر رہے تھے۔ مَیں نے بہت کچھ تحمل سے کام لیا اور ان حالات میں جو فرض ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا اُسے بجا لایا۔ میری خواہش تھی کہ اگر تم فرماں برداری کی راہ اختیار کرو تو مال و لشکر کی جس

---

[1] ظفر نامہ

قدر ضرورت تمہیں ہو اس سے تمہاری مدد کروں تاکہ تم اطمینان و قوت کے ساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو اور دیارِ اسلام کے اطراف و اکناف سے بیدینوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو۔ مگر تم نے سرکشی اور عناد اختیار کیا حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک رونما ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی اور یہ قوت و غلبہ جو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو بخشا تم کو حاصل ہوتا تو اس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن اس فتح کے شکرانے میں جو خدا کے فضل و عنایت سے مجھے حاصل ہوئی ہے میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ نہ کروں گا۔ اپنے دل کو مطمئن رکھو"[1]

بایزید نے منفعل ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے اس اطاعت کا وعدہ کیا۔ تیمور نے خلعتِ شاہانہ پہنا کر مزید لطف و عنایت کی توقع دلائی اور اس کی خواہش پر شہزادہ موسیٰ بھی آزاد کیا گیا اور بایزید کے پاس پہنچا دیا گیا۔

تیمور صاحبقران نے اپنے شاہی خیمہ کے قریب ایک عالی شان خیمہ نصب کرایا اور بعض عالی مرتب امراء کو سلطان کی خدمت میں مامور کیا۔ بروصہ سے جب حرم سلطانی لائی گئیں تو تیمور نے شہزادی ڈیسپنیا اور اس کی لڑکی کو بھی بایزید کے پاس بھجوا دیا۔

بایزید کی موت تیمور کے مراحم خسروانہ بایزید کے زخم دل کے لئے نمک پاشی کا کام دے رہے تھے اور اپنی سابق عظمت و سطوت کی یاد ایک لمحہ چین نہ لینے دیتی تھی۔ آخر اس نے راہِ فرار اختیار کرنا چاہی۔ تیمور کو اطلاع ہو گئی نگرانی سختی سے کی جانے لگی[2] اور

---

[1] ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۸ [2] حبیب السیر

پالکی میں جس میں جالی لوہے کی تھی اس میں بایزید سفر کیا کرتا تھا اور تیمور کی فوج کے ساتھ یہ پالکی رہتی۔ بہرحال بایزید کے قلب و دماغ پر اپنی قید و رسوائی کا اس قدر جانکاہ اثر پڑا کہ صرف آٹھ مہینے بعد اس کا طائر روح قفسِ عنصری اور قفس فولادی دونوں سے بیک وقت پرواز کر گیا۔

یہ واقعہ ناہیہ میں ۸۰۵ھ میں ہُوا۔

تیمور کو بایزید کے مرنے کی خبر لگی تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور شہزادۂ موسیٰ کے ہمراہ بایزید کی نعش شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ روانہ کی۔ جہاں وہ دوسرے تاجدارانِ عثمانی کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔

ایشیائے کوچک کی تمام ریاستیں آزاد ہو گئیں اور سلطنت عثمانیہ محدود ہو کے رہ گئی۔ کیونکہ ایشیائے کوچک کا کوئی علاقہ دولتِ عثمانیہ کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ ایدین، منتشا، صاروخان، گرمیان اپنی ریاستوں پر فرمانروائی کرنے لگے۔

اوصاف بایزید

سلطان بایزید شجاع تھا۔ ایک بہادر میں جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب اس میں قدرت کی طرف سے ودیعت تھے۔ البتہ جوہر سخاوت سے معرّیٰ تھا۔ ہر سپاہی اُس کے ہیبت و جلال سے مرعوب رہتا تھا۔ مگر دلوں میں اس سے انس و محبت نہ تھی۔

عیش و عشرت

سلطان کے حرم میں جیسے شہزادی ڈیسپنیا داخل ہوئی۔ ہمہ تن محل سرا عیش و نشاط کی محفل بن گیا۔ شہزادی کے ماں باپ نصرانی، شرابی کبابی اور لہو لعب میں زندگی گزارنے والے تھے۔ اس نے شوہر کو بھی شراب کے چسکے پر لگا لیا۔ عثمانی سلاطین میں یہ پہلا سلطان تھا جو جام و سبو کا متوالا بن گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جملہ لوازم عیش اس کے ارد گرد تھے۔ مگر اس ترک میں یہ خوبی تھی جب اُس نے سُنا کہ ممالکِ

اسلامیہ پر صلیبیوں کا جم غفیر تسلط کرنے آ رہا ہے تمام عیش و عشرت کے سامان کو ٹھکرا کر مثل ایک مجاہد کے سر بکف میدان میں نکل کھڑا ہوا۔

سلطنتِ عثمانیہ بایزید اور تیمور کی باہمی آویزش سے سلطنت عثمانیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا۔ ترکی امراء جن کو زیر کرنے میں آلِ عثمان نے بڑی قربانی دی تھی وہ آزاد ہو گئے۔ غرضیکہ ایشیائے کوچک کا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ سے کٹ گیا اور محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ بایزید ممالکِ یورپ پر چھاتا جا رہا تھا۔ اس وقفہ سے وہ سیلاب فتوحات رُک کے رہ گیا۔

گیتی ستاں امیر تیمور دنیا کے ان چند اولوالعزم شہنشاہوں میں سے ہے جنھوں نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا اور فقط ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک حد تک اس کو کر کے دکھایا۔ اس کی سلطنت دیوارِ چین سے لے کر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحیرۂ ارل سے دریائے گنگ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ پینتیس سال کی عمر میں اُس نے تاتاری امراء کو زیر کر کے سمرقند کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور فتوحات کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی وسعت کے سامنے سکندرِ اعظم، سیزر، چنگیز خاں، شارلمین اور نپولین کی سلطنتیں حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ چھتیس سال حکمرانی کی۔ ستائیس مملکتیں فتح کر لی تھیں۔ نو شاہی خاندان اس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔

اس کی یہ حیرت انگیز جہانگیری صرف ذاتی شجاعت اور اعلیٰ فوجی قابلیت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کے تدبّر اور ملکہ حکمرانی کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا۔ شجاعت دلاوری اس درجہ کمال پر کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک کسی ورطہ و مہلکہ میں دہشت و خوف اس کی خاطر میں نہیں آئے۔ اصابت رائے اس مرتبہ پر کہ مدت العمر میں جو تدبیر اس کے فکر و اندیشہ میں آئی وہ تقدیر کے موافق تھی۔ رقت قلب وہ کہ جس وقت پروردگار کا سپاس گزار ہوتا آنکھوں

سے آنسوؤں کا پانی رواں ہو۔ قہر وسیاست وہ کہ خدائے تعالےٰ کے اوصافِ جلالی کا آئینہ۔

غرضیکہ امیر تیمور ایک عجیب پیکر بشر مظہر قدرت آفریدگار و مصدر غرائب آثار و بدیع اطوار تھا۔ بعد فتح انگورہ آذر بائیجان آیا۔ ڈیڑھ سال رہ کر یہاں کا انتظام کیا۔ سلطان مصر نے روپے اشرفیوں پر امیر تیمور کے نام کا سکہ لگا کر اس کے پاس بھیجا اور حرمین شریفین اور اماکن مقدسہ کے منابر پر اس کی فرماں روائی کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۸۰۶ھ میں فیروزہ کوہ میں تیمور آیا۔ یہاں کے فتح حاصل کر کے خراسان گیا۔ ۸۰۷ھ میں نیشاپور کی راہ سے ماوراء النہر پہنچا اور وطن مالوف میں امیرزادہ الغ بیگ، امیرزادہ ابراہیم سلطان، امیرزادہ انجل، عمر شیخ، امیرزادہ احمد، بائقرا کی شادیوں کا جشنِ عظیم کیا۔ اس سے فراغت پا کر چین اور خطا کی تسخیر کے لئے لواء عزم بلند کیا۔ دو لاکھ فوج لے کر بعمر ستر سال تین سو میل تک سفر کر کے انزار مقام پر قیام کیا۔ یہیں مرض الموت میں گرفتار ہوا اور ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ میں انتقال کیا۔ پیر محمد جہانگیر کو ولی عہد مقرر کیا۔

تاریخ وفات

سلطان تیمور آنکہ چرخ را دل خون کرد   وز خون عدو روئے زمیں گلگوں کرد

در ہفتدہ شعبان سوئے علیین تاخت   فی الحال ز رضواں سر و پا بروں کرد

علمائے عصر علامہ محمود بن محمد چغمینی خوارزمی علوم فلسفہ کا ماہر تھا۔ علماء اعلام میں شمار ہے۔ ۸۰۸ھ میں ملخص فی التیسر کے نام سے ایک متن لکھا جس میں اجسام کے اقسام اجرام علویہ اور بسائط سفلیہ پر بحث کی۔ قاضی زادہ اوفی نے ۸۱۳ھ میں اس کی شرح کی۔ جو شرح چغمینی کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ علی بن محمد المعروف بالسید الشریف جرجانی علوم عربیہ اور معقولات

کا کامل تھا۔ تحریر اس کی نہایت شستہ اور محققانہ ہے۔ مناظرات میں ید بیضا رکھتا تھا۔ علامہ تفتازانی جیسے متبحر سے بازی لے جاتا تھا۔ تیمور صاحبقران کے عہد یلغار پر ماوراء النہر چلا گیا۔ ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ پھر سمرقند آ گیا۔ کشاف مطول، شرح مطالع، شرح طوالع، شرح حکمت العین، شرح شمسیہ، فرائض، سراجی وغیرہ پر مدقق حاشیہ لکھا۔

سنہ ۸۱۶ھ میں انتقال کیا۔ [1]

مولانا شرف الدین علی یزدی مؤرخین ہم عصر میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ تاریخ تیمور صاحبقران میں ظفرنامہ مشہور ہے۔

سنہ ۸۵۸ھ میں انتقال کیا۔

سلطان محمد اوّل چلپی

نام ونسب وحالات محمد بن بایزید سنہ ۷۸۳ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے چھ بھائیوں میں شجاعت وتہور اور علمی لیاقت میں فائق تھا۔ تعلیم وتربیت ترکی سلاطین کی طرح اس کی بھی ہوئی۔ بایزید تیمور کے مقابل آیا تو چلپی پہلو بہ پہلو جنگ میں شریک رہا۔

نزاع تخت جنگ انگورہ میں بایزید کے چھیوں لڑکے شریک تھے۔ مصطفیٰ لاپتہ ہوگیا۔ موسیٰ بایزید کے ساتھ گرفتار ہوا۔ باقی تینوں شہزادے جان بچا کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سب

---

[1] اخبار واصلین از مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب تصویر الشعراء

[2] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۴۵

سے بڑا سلیمان تھا جو وزیر اعظم علی پاشا کو ساتھ لے کر ادرنہ پہنچا اور بایزید کی وفات کی خبر پا کر سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصہ کا حکمران بن گیا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ شہزادے عیسیٰ بن بایزید نے بروصہ پر قبضہ جمایا اور بایزید کی جانشینی کا مدعی ہوا۔ محمد اول چلپی نے یہ رنگ دیکھ کر ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں اماسیہ کے چھوٹے سے علاقے پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔

بھائیوں کی باہمی آویزش

بادی النظر میں حکومتِ عثمانیہ کے حصے بخرے ہو گئے۔ مگر بایزید کی ہر اولاد کی دلی اُمنگ یہ تھی کہ کل قلمروِ عثمانیہ کا سلطان بنے۔ چنانچہ پہل محمد چلپی اور عیسیٰ سے ہوئی۔ محمد چلپی ایشیائی مقبوضات کو برابر تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عیسیٰ پوری سلطنت کا دعوے دار تھا۔

غرضیکہ ہر دو بھائیوں میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ فوجِ عیسیٰ گھونگھٹ کھا گئی۔ عیسیٰ بھاگ کر سلیمان کے پاس مدد کے لئے پہنچا۔ سلیمان عیسیٰ کی حمایت میں فوج لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔ محمد چلپی کو مقابلہ میں سخت دشواری پیش آئی مگر اس نے موسیٰ کو آمادہ کر لیا کہ سلیمان کے مقبوضات یورپ پر اس موقعہ پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ موسیٰ نے حملہ کر دیا۔ سلیمان کو خبر لگی وہ اُلٹے قدم اپنے مقبوضات کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں محمد چلپی نے اپنے بھائی عیسیٰ کو گھیر لیا۔ اس کی فوج میدانِ جنگ میں کام آئی اور عیسیٰ لاپتہ ہو گیا۔ شہزادہ سلیمان اور شہزادہ موسیٰ میں دو دو ہاتھ ہوئے۔ سلیمان سے اس کی سخت گیری اور نااہلیت کے سبب سے اس کے ساتھی بیزار تھے۔ چنانچہ ایک فوجی نے سلیمان کو قتل کر دیا اور اس کی تمام فوج موسیٰ کے پرچم کے نیچے آ جمع ہوئی۔ اب ادرنہ کے تخت کو موسیٰ نے سنبھالا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

موسیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ باپ نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا آغاز کیا تھا مگر تیمور کے حملہ سے بایزید نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کی تکمیل اب مجھے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فوج شاہی کی قیادت میں قسطنطنیہ پر موسیٰ حملہ آور ہوا شہنشاہِ قسطنطنیہ نے بھائیوں کی ناچاقی سے فائدہ اُٹھا کر محمد چلپی سے میل کر لیا اور اُس کی امداد چاہی۔ محمد چلپی اپنی ترکی فوج اور سرویا کے دستہ کی خود کمان ہاتھ میں لے کر شہنشاہ کی مدد کے لئے قسطنطنیہ پہنچا۔ شہزادہ موسیٰ محاصرہ کئے ہُوئے تھا اس کو عقب سے جا کر گھیر لیا۔ آخر کار موسیٰ تاب مقابلہ کی نہ لا سکا اور پسپا ہُوا۔ محمد نے اس کا پیچھا سرویا کی حد تک کیا۔ ہر دو میں جنگ ہونے کو تھی۔ امرائے فوج موسیٰ سے خوش نہ تھے وہ وقت پر علیحدہ ہو کر اور پرچم محمد چلپی کے سایہ میں آ گئے۔ موسیٰ نے یہ رنگ دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ موسیٰ زخمی ہو چکا تھا۔ کچھ دن بعد اس کی نعش دلدل سے ملی۔

تخت نشینی

محمد چلپی کا مدمقابل اب کوئی نہ رہا تھا۔ اس نے ۸۱۶ھ میں سلطان ہونے کا اعلان کیا اور تختِ سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ ایشیا اور یورپ کی تمام رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سلطان محمد کا غاشیہ اطاعت قبول کیا۔

امرائے اناطولیہ سے آویزش

عنانِ سلطنت ہاتھ میں لے کر ایشیائے کوچک کی وہ ترکی ریاستیں جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئی تھیں ان کی تسخیر کے لئے آمادۂ پیکار ہُوا۔ محمد چلپی میں شجاعت کے ساتھ حلم بھی تھا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام ریاستوں کو زیرِ نگین کر لیا۔

قرہ مان (کرمیان) جب فتح کیا تو اس کے امیر سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر اطاعت کا حلف لینے کے بعد اس کو وہاں کا والی رہنے دیا۔ اس نے کچھ دن بعد عہد شکنی کی مگر اس کی خطا معاف کر دی۔ اسی طرح قرہ جنید جو بایزید کی طرف

سے انزمیر کا والی تھا لیکن استقلال کا دعوے دار ہو گیا تھا۔ جب گرفتار ہوا تو اس کی خطاء سے بھی درگزر ہوا اور اس کو نیکوپلی کا امیر مقرر کیا۔ اس کے اس برتاؤ سے شورش پسند امراء بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

غرضیکہ کرمانیہ اور دوسری ترکی ریاستیں تاتاریوں کی حمایت سے الگ کر کے دولتِ عثمانیہ کی فرماں روائی قبول کرنے اور خراج ادا کرنے کے لئے مجبور کر لی گئیں۔

فتنہ پیر قلیچہ قاضی بدرالدین جو شہزادہ موسیٰ کے لشکر میں قاضی رہ چکا تھا اس نے ازنیک میں رہ کر ایک جدید مذہب نکالا۔ جس میں کل انسان خواہ وہ کسی مذہب و قوم سے ہوں بھائی بھائی تسلیم کئے گئے اور جملہ مال و متاع میں سب کا حصہ برابر رکھا گیا۔ بیشتر اصول اس مذہب کے مزدکی مذہب سے ماخوذ تھے۔

پیر قلیچہ مصطفےٰ اور ایک یہودی طورلاق کمال بدرالدین کے ہمنوا ہو کر اس مذہب کی اشاعت کرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ میں کثیر التعداد جہال ان کے دامِ تزویر میں پھنس گئے۔ غرض اس کے پیروؤں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنتِ عثمانیہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے مرید پیر قلیچہ کو دادا سلطان کہتے تھے۔ سلطان محمد کو اس فتنہ کا علم ہوا تو اس نے سیسمین والیٔ بلغاریہ جو بطیب خاطر مسلمان ہو چکا تھا اس کو پیر قلیچہ کی سرکوبی کو بھیجا۔ مگر وہ مقابلہ پر شکست یاب ہوا۔ اور اس معرکہ میں کام آیا۔ صدر اعظم بایزید پاشا کو مجبوری درجہ ترکی فوج لے کر جانا پڑا۔ پیر قلیچہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور گرفتار ہوا اس کے ہزارہا متبعین تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

بدرالدین نے بھی مقدونیہ میں ترکی فوج سے دو دو ہاتھ کئے مگر گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا سعید کے فتویٰ کے مطابق جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے ۸۲۰ھ میں دار پہ چڑھا دیا گیا جس سے یہ فتنہ بالکلیہ ختم ہو گیا۔

دعویدارِ سلطنت مصطفےٰ نامی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں بایزید کا بیٹا ہوں اور محمد چلپی سے بڑا لہٰذا تختِ عثمانیہ کا صحیح حقدار میں ہوں۔ قرہ جنید والی نیکوپلی اور والی فلاخ ہر دو نے اس کی فوج سے مدد کی۔ سلطانی فوج نے گھیر لیا۔ تاب مقاومت نہ لاکر سلانیک چلا گیا۔ یہاں رومیوں کا قبضہ ہو گیا تھا شہنشاہ نے مصطفےٰ کی حمایت کی اور سلطان کو لکھا کہ میں ضامن ہوں اس کی جانب سے آئندہ کوئی فتنہ نہ اُٹھے گا۔ سلطان نے اس کے گزارے کے لئے ایک لاکھ دو کی سالانہ مقرر کئے اور قرۂ جنید کی بھی خطا معاف کر دی۔

دورِ سلطنت سلطان محمد چلپی نے صرف آٹھ سال حکومت کی لیکن اس مختصر مدت میں غیر معمولی اہلیت کا ثبوت دیا۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے انتشار کا خاتمہ کیا بلکہ اپنی خداداد فوجی اور آئینی قابلیت سے دولتِ عثمانیہ کو ویسا ہی طاقت ور اور مستحکم بنا دیا جیسا کہ امیر تیمور کے حملہ سے قبل وہ تھی۔

سلطنتِ عثمانیہ کے استحکام کے لئے محمد چلپی نے امن و صلح کو ضروری سمجھا اور اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر گرد و پیش کی تمام مملکتوں سے صلح کے معاہدے کئے۔ سلطان نے بازنطینی سلطنت کے چند مقبوضات شہنشاہ کو واپس کر دیئے اور اس سے آخر وقت تک تعلقات دوستانہ قائم رکھے۔

سلطان مدبر تھا نظم و نسق کی اہلیت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس کے ساتھ اعلیٰ فوجی قابلیت رکھتا تھا۔ بایزید کی صحبت نے اس کو فنونِ حرب میں یگانہ بنا دیا تھا۔ اکثر معرکوں میں باپ کے پہلو بہ پہلو دادِ شجاعت دی۔ دشمن کو بھی جس کا اعتراف تھا۔

اوصاف سلطان محمد چلپی بلندیٔ اخلاق میں اپنے معاصر سلاطین میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ وہ بے حد کشادہ دل اور منصف مزاج

اور جو وعدہ کرتا اس کو پورا کرتا۔ جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں بھی حلم سے کام لیتا۔ اس کی عدالت میں ہر ملت و مذہب اور ہر فرقے کے لوگ برابر تھے۔ اس کی رعایا خوشحال تھی۔ عیسائی جو اپنی کینہ وری اور بداخلاقی میں فائق تھے ان کے ساتھ بھی اس کا بہتر برتاؤ تھا اور ان پر مراحم خسروانہ کیا کرتا۔

مذہب کا بڑا پابند تھا۔ حرمین شریفین کے خدام کے لئے اس نے پہلے پہل سالانہ ایک کثیر رقم بھیجنے کا دستور مقرر کیا۔ یہ صرۂ ہمایونی کہلاتا تھا۔

علمی ترقی سلطان محمد چلپی میں جہاں حکمرانی کے اعلیٰ اوصاف تھے وہاں علم سے بھی اُس کو دلی لگاؤ تھا۔ مسجد جامع بروصہ کے متصل ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کرائی۔ اس سے متصل غرباء کے لئے طعام خانہ بنوایا۔ اس نے ادب کی سرپرستی بڑی فیاضی سے کی جس سے ترکی زبان میں شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے۔

وفات سلطان چلپی نے بعمر اکتالیس سال ۸۲۴ھ، ۱۴۲۱ء میں وفات پائی[1] اور بروصہ میں مسجد خضریٰ سے متصل جسے اُس نے خود تعمیر کرایا تھا، دفن ہوا۔

آثارِ خیر

بروصہ میں ایک عظیم الشان مسجد مراد اول نے بنوانا شروع کی تھی۔ جس کی تکمیل سلطان محمد نے کی۔ یہ مسجد اسلامی طرزِ تعمیر اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے۔

عُلمائے عصر

مولانا سعید اکابر علماء سے تھے۔ علوم عقلیات و نقلیات کی

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۷، صفحہ ۴۴۵۔

تحصیل علامہ تفتازانی[1] سے کی۔ بعد فراغت علمی دربار سلطان محمد چلپی سے متعلق ہو گئے اور عہدۂ افتاء پر فائز ہوئے۔ مولانا حق گو علماء سے تھے علماءِ معاصرین میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ سلطان مراد ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔

سُلطان مُرادِ ثانی

نام ونسب مرادِ ثانی ابن سلطان محمد چلپی بن سلطان بایزید یلدرم ۸۰۶ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت عثمانی شہزادوں کی طرح تعلیم وتربیت ہوئی مگر فنونِ حرب سے دلی تعلق تھا۔ کم عمری میں شجاعت و شہامت کے جوہر اکثر موقعوں پر دکھائے۔ چنانچہ سلطان محمد نے ایشیائے کوچک میں اپنا قائم مقام اس کو کر رکھا تھا جس نے اس علاقے میں حکمرانی بڑی لیاقت اور حسنِ انتظام سے کی۔ سب اولاد میں یہ بڑا تھا اس لئے

---

[1] علامہ سعد الدین تفتازانی علمائے زمانہ سے آپ کی مطول ومختصر متداول کتب علمیہ سے ہیں۔ مخبر الواصلین میں یہ قطعہ تاریخ ہے ؎

قلزم علم وجودی تمکیں	فاضل بے نظیر سعد الدین
گلشن چار باغ تفتازان	نور شمع وچراغ تفتازان
مختصر نکتۂ زتصنیفش	ہم مطول خطی زتالیفش
سال ترحیل نقل سعد الدین	بے گماں از کمال صدق ویقیں
مظہر اصحاب بہشت بجواں	باتو نور بہشت والادان
	۷۸۵ھ

یہی ولی عہد قرار پایا۔

تخت نشینی سلطان محمد کے انتقال کے بعد صدرِ اعظم نے اس کی موت کو مخفی رکھا۔ اکتالیس روز بعد جب ایشیائے کوچک سے آ گیا تو محمد چلپی کی وفات کا اعلان کیا گیا۔ مراد سریر آرائے تخت عثمانیہ ہوا مراسم تدفین محمد چلپی کے ادا کئے گئے۔ اس وقت مراد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

مُراد اور مصطفیٰ محمد چلپی نے اپنے مختصر زمانۂ حکومت میں تیموری حملہ کے تمام اثرات ایک حد تک مٹا دیئے تھے اور سلطنتِ عثمانیہ کو گویا ازسرِ نو قائم کرکے مستحکم کیا تھا۔ مراد کی نوعمری سے امرائے اناطولیہ اور شہنشاہِ قسطنطنیہ نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ شہنشاہ مذکور نے محمد چلپی کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر محسن کشی اور غداری کا مظاہرہ دکھانے کو تیار ہو کر مصطفیٰ کی سرکردگی میں فوجِ گراں مراد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ مراد اِن دنوں ایشیائے کوچک میں تھا اُس نے صدرِ اعظم بایزید پاشا کی سرکردگی میں ترکی فوج مصطفیٰ کے مقابلہ کے لئے بھیجی مگر ترکی فوج مصطفیٰ سے عین میدانِ جنگ میں مل گئی جس سے صدرِ اعظم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ اس معرکہ میں اپنی جان کو حکومت پر قربان کر دیا۔

مصطفیٰ کی ہمت بڑھ گئی اس نے شہنشاہِ قسطنطنیہ کے بحری بیڑے کو لے کر ایشیائے کوچک درد انیال کو عبور کرکے پہنچا۔ مراد نے خود ترکی فوج کی کمان ہاتھ میں لے اور مراد سے دو دو ہاتھ کئے۔ نصرانی فوج کہاں ٹِک سکتی تھی شکست کھا گئی مصطفیٰ بھاگ کر گیلی پولی میں محصور ہو گیا۔ مراد نے گیلی پولی کو فتح کرکے مصطفیٰ کو گرفتار کر لیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ یہ غدارِ وطن کا انجام تھا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ سلطان مراد نے شہنشاہِ قسطنطنیہ کی غدّاری کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ بیس ہزار ترکی فوج لے کر

۸۲۵ھ میں قسطنطنیہ کو آگھیرا۔ شہنشاہ نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ مگر مراد نے اپنی فوجی لیاقت کا ایسا ثبوت دیا کہ قسطنطنیہ فتح ہونے کے لئے قریب تھا کہ ایشیائے کوچک میں مراد کے بھائی مصطفےٰ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ورغلانے والوں میں شہنشاہ کے کارندے اور امرائے ترک ایشیائے کوچک میں تھے۔ سب میں پیش پیش محمد بک امیر قرہ مان (کرمانیہ) تھا۔ سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور غصّہ کی حالت میں بھائی کی گوشمالی کے لئے روانہ ہو گیا۔ مصطفےٰ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ گھر چکا تھا۔ آخرکار مصطفےٰ گرفتار ہُوا۔ فوجی افسروں نے بلا اجازت مراد کے اس کو سُولی پر چڑھا دیا۔ مُراد نے اس خانگی فتنہ کو ختم کرنے کے بعد امرائے اناطولیہ کی مزاج پرسی کی۔ پہلے معرکہ میں امیر کرمانیہ قتل ہُوا۔ مراد نے بجائے کرمانیہ پر قبضہ کرنے کے اپنی فراخ دلی سے اس کے بیٹے ابراہیم کو حکومت عطا کی اور اس کو باجگذار بنایا۔ اس کے بعد کرمیان، قسطمونی، منتشا، صاروخان اور حمید کے امراء کی خبر لی۔ وہ تابِ مقابلہ نہ لا کر اس کے مطیع بن گئے اور سلطنتِ عثمانیہ کے باجگذار ہو گئے۔

اس واقعہ سے امرائے اناطولیہ جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئے تھے وہ سب زیرِنگین سلطنتِ عثمانیہ آ گئے۔ آلِ عثمان کا وہی اقتدار پھر بحال ہو گیا جو جنگِ انگورہ سے پہلے تھا۔ امیر قسطمونی نے نصف ریاست بھی بطیب خاطر سلطان کے نذر کی اور اپنی دختر نیک اختر حبالۂ عقد میں پیش کی۔ امیر کرمیان ۸۳۱ھ میں فوت ہو گیا تو اس کی ریاست کا کوئی حقدار نہ تھا۔ اس بنا پر سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لی گئی۔

شہنشاہِ قسطنطنیہ شہنشاہِ قسطنطنیہ مینوئیل کا انتقال ہُوا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا جاں پلیولوگس تخت نشین ہوا۔

مراد ایشیائے کوچک کے فتنے ختم کر چکا تھا۔ جان کے لئے یہ اندیشہ لاحق تھا

کہ مراد اب قسطنطنیہ کی طرف توجہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے صلح کی استدعا کی۔ تیس ہزار دوکات سالانہ خراج دینے کا معاہدہ لکھا اور سیلمبریا اور دردکوس کے سوا زیتون اور دوسرے یونانی شہر جو دریائے اسٹرانیا اور بحر احمر کے ساحلی علاقے تھے وہ سب سلطان کی نذر کئے۔

سالونیکا اور سرویہ سلطان نے سالونیکا جہاں کا فرمانروا جان کا بھائی اینڈرونکس تھا وہ ۸۳۳ھ میں فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سرویا کی طرف توجہ منعطف کی۔ اسٹیفن لازادیوچ شاہ سرویا ۸۳۰ھ میں مرچکا تھا۔ اس کی جگہ جارج برنیکووچ تخت نشین ہوا۔ اس نے اسٹیفن کے طریقہ و عمل کے خلاف ترکوں کے اقتدار کی مخالفت شروع کر دی اور ہنگری سے معاہدہ کر لیا اور دریائے ڈینوب کے ساحل پر سمندریا میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرالیا۔ جارج کے معاندانہ ارادوں سے واقف ہو کر مراد نے اس قلعہ کا مطالبہ کیا۔ اس نے ہنگری کی معاونت کے زعم میں قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔ مراد نے حملہ کیا اور سرویا کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ پورے ملک پر ترکی فوج قابض ہو گئی اور سرویا کے علاقے پر مراد کا تسلّط ہو گیا۔

واقعاتِ ہونیاڈ سفاک جنگ انگورہ سے ہنگری کو بھی فائدہ پہنچا تھا اس نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت بڑھالی مگر سرویا کی تسخیر کے بعد اس کا علاقہ خطرہ میں پڑ گیا۔ اہل بوسنیا، البانیہ، دلاچیا، مراد سے اُلجھے مگر جلد ہی صلح کر کے جان بچا گئے ۸۴۳ھ میں لازسلاس شاہ پولینڈ ہنگری کے تخت پر بیٹھا تو مذکورالذکر ریاستوں کے امراء متحد ہو کر مراد سے دُودُو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گئے۔

اس اثنا میں یورپ سے سردار ہونیاڈ ہنگری آیا۔ یہ اپنی بہادری کا یورپ میں ڈنکا بجا چکا تھا۔ شاہ ہنگری نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے

ترکوں کے مقابلہ کے لئے بیڑہ اُٹھایا۔ چنانچہ ۸۴۲ھ میں بلغراد پر مراد نے حملہ کیا۔ ہونیاڈ سینہ سپر ہُوا۔ آخرش مُراد ناکام لوٹا۔

جنرل فرید پاشا اور ہونیاڈ

فرید پاشا نے ٹرانسلونیا میں نہرمان اسٹاٹ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہونیاڈ مراد سے نبٹ کر نہرمان اسٹاٹ پہنچا اور ترکوں کو شکست دی جس میں بیس ہزار ترک شہید ہوئے۔ ہونیاڈ نے فرید پاشا اور اس کے لڑکے کو جو گرفتار ہو گئے تھے اپنے سامنے تہ تیغ کرا دیا۔ اس فتح کے بعد ہونیاڈ نے جشن منایا اور ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تو اسی وقت ترک قیدیوں کو نہایت بے دردی سے اپنے سامنے قتل کرایا۔ کھانا کھاتا جاتا تھا اور ترکوں کو ذبح کراتا جاتا تھا۔ سلطان مراد کو فرید پاشا کی شکست کی خبر پہنچی تو اُس نے اسی ہزار ایک دوسری ترک فوج شہاب الدین پاشا کی سرکردگی میں روانہ کی مگر واز اگ پر ہونیاڈ کے مقابلہ میں شکست کھا گئی اور شہاب الدین گرفتار ہُوا۔

ہونیاڈ کی شاندار کامیابی اور ترکوں کی پسپائی اور ناکامی سے یورپ کی تمام حکومتوں میں ایک اُمید کی لہر دوڑ گئی۔ پوپ نے یہ رنگ دیکھ کر جنگ صلیبی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلانِ عام سے ہنگری، پروشیا، پولینڈ اور سربیا کے جنگ جُو لوگ جوق در جوق ہونیاڈ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس نے نیش پہنچ کر فوج سلطانی کو شکست فاش دی۔

ایشیائے کوچک میں امیر قرہ مان نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی اور بروصہ کا محاصرہ کر لیا۔ مراد نے خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے ہونیاڈ سے صلح کر لی جس میں فلاخ کی آزادی کو بحال کیا اور ترکوں نے اس پر سے اپنی سیادت اُٹھالی۔ سربیا کے مفتوحہ مقامات واپس کئے اور ہنگری سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد نامہ لکھا۔

شہزادہ علاءالدین کا انتقال مراد کا بڑا بیٹا علاءالدین تھا۔ یہ بڑا ہونہار تھا۔ سلطان بننے کے جملہ اوصاف سے متصف تھا۔ یکایک اس کا انتقال ہوگیا۔ مراد کو ولی عہد کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا۔

خلوت نشینی مُراد نے اس واقعہ کا اس قدر اثر لیا کہ اُس نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو جس کی عمر چودہ سال کی تھی خود اپنے سامنے تخت نشین کیا اور ولایت آیدین جا کر گوشہ نشین ہوگیا۔

شاہِ ہنگری شاہ ہنگری نے مُراد کے تخت سے ہٹ جانے سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ پوپ کا فرستادہ کارڈینال اس کے پاس آیا۔ اس نے اس سے کہا اگر مسلمانوں سے بدعہدی کرلو تو کوئی گناہ نہیں "۔ اور شاہِ ہنگری کے ایما پر فوجِ گراں لے کر بلا لحاظ پیمان کے بلغاریہ پر جو عثمانی سلطنت کے قبضہ میں تھا اس پر حملہ کر دیا۔ مراد کو خبر لگی۔ ادھر وزرائے عظام نے اصرار کیا ناچار مراد خلوت سے باہر آیا اور مثل شیر کے فوجِ عثمانی کی کمان لے کر بدعہدوں پر مقام وارنہ (بحر اسود کے کنارے) پر حملہ آور ہوا۔

صلیبی فوج تابِ مقابلہ نہ لاکر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے شاہِ ہنگری ایک ترک کی تلوار کے گھاٹ اُترا۔ ادھر دوسرے ترکوں نے اس فتنہ کی جڑ کارڈینال کو بھی تہ تیغ کیا۔ ہونیاڈ جو یورپ کا بڑا شجاع و بہادر تھا اپنی جان بچا کر ایسا بھاگا کہ میدانِ جنگ کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ صلیبی فوج و شاہِ ہنگری نے اپنے بھگوڑے جنرل کا ساتھ دیا۔ ترکوں نے نصرانیوں سے پورا انتقام لے لیا۔

اس فتح کے بعد مُراد نے سلطان محمد کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود گوشہ نشین ہوگیا۔

بغاوت انکشاریہ چند ماہ سلطان محمد کو عنان حکومت ہاتھ میں لئے نہ گزرے تھے کہ فوج انکشاریہ نے بغاوت کردی۔ مراد پھر خلوت سے باہر آیا اور اس فتنہ کو دبا کر یونان میں مورہ کی طرف رخ کیا۔ قلعہ کورنتھ کو محاصرہ میں لے لیا اور توپ سے گولہ باری کی اور قبضہ کرلیا۔

البانیہ میں اسکندر بک نے سرکشی کر رکھی تھی اس کی گوشمالی کردی اور اس کے دو شہر فتح کر لئے۔ ہونیاڈ ایک عظیم الشان صلیبیوں کا لشکر یورپ کے مختلف ملکوں سے لے کر ۸۵۲ھ میں قوصوہ کی طرف آیا۔ مراد نے پلٹ کر صلیبیوں پر بہت زبردست حملہ کیا۔ ہونیاڈ نے شکست کھائی اور ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان مراد نے البانیہ پر فوج کشی کی اور اسکندر بیہ بک کو محصور کرلیا۔ اس نے مجبور ہو کر سالانہ خراج دینا منظور کیا اور عہد نامہ اطاعت گزاری کا لکھ دیا۔ یہاں سے کامرانی کے بعد مراد ادرنہ کو لوٹا۔

وفات مراد ۵ محرم ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء کو مراد نے ادرنہ میں وفات پائی[1] تجہیز و تکفین قدیم پایۂ تخت بروصہ میں ہوئی۔

اوصاف مراد کے عدل و انصاف کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ سلطان مراد نے انچاس سال کی عمر پائی اور تیس سال چھ مہینے آٹھ روز حکومت کی۔ وہ ایک عادل اور شجاع فرماں روا تھا۔ نہایت کشادہ دل، مستقل مزاج، عالم، رحم دل، پابند مذہب اور فیاض۔ وہ اہل علم اور ان تمام لوگوں سے جو کسی علم یا فن میں کمال رکھتے محبت کرتا

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۷ صفحہ

اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ ایک نیک شہنشاہ اور ایک جلیل القدر سپہ سالار تھا۔[1]

مراد کے عہدِ حکومت میں سپاہی ہمیشہ فتح یاب تھا اور شہری خوش حال تھے جب وہ کسی ملک کو تسخیر کرتا تو سب سے پہلے وہاں مساجد، کاروان سرائے ہسپتال اور مدرسہ تعمیر کرا تا۔ ہر سال ایک ہزار طلائی سکّے سادات کرام کی نذر کرتا اور اڑھائی ہزار مکّہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے عباد و زہاد کو بھیجتا تھا۔

معاصر علماء باکوی عبدالرشید بن صالح بن نوری۔ یہ شہر باکو سے جو ساحل بحر خزر پر واقع ہے منسوب ہے۔ یہ علمائے عصر میں ممتاز تھا تلخیص الآثار و عجائب الملک القہار اس کی یادگار ہے۔ ۸۰۶ھ، ۱۴۰۳ء تک بقیدِ حیات تھا۔

علامہ تفتازانی ملا سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی مشاہیر علماء سے تھے منطق میں تہذیب المنطق اس کی کتاب مشہور ہے۔ ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔ (ان کا ذکر گذشتہ نوٹ میں بھی آچکا ہے)۔

علامہ صدرالدین شیرازی قوت ذکا اور تبحر علوم عقلیہ میں مشہور ہے۔ علمائے اعلام سے تھا اس نے شیراز میں اپنا مدرسہ قائم کیا جس میں خود ہی درس دیتا تھا۔ زائد اوقات میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتا۔ شرح تجرید، شرح مطالع، شرح شمسیہ پر حاشیہ لکھا۔ الحکمۃ المتعالیہ اس کی تصنیف معرکہ کی ہے۔ کتاب الاسفار الاربعہ فلسفہ کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ ۸۲۱ھ میں انتقال ہوا۔

⁂

---

[1] گبن جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۱۔

سلطان محمد ثانی

(فاتح قسطنطنیہ)

نام ونسب محمد[1] ثانی ابن سلطان مراد ثانی

ولادت ۲۶ رجب ۸۳۱ھ میں اس کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت شاہانہ طور طریق سے محمد ثانی کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ باپ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ تخت نشین کیا۔ آدابِ حکمرانی باپ کے زیرِ سایہ سیکھے۔

تخت نشینی شہزادہ محمد ثانی ایدرنہ میں مقیم تھا وہیں مراد کے انتقال کی خبر لگی۔ چنانچہ وہ دارالخلافہ آیا اور ۸۵۵ھ میں تیسری بار تختِ عثمانیہ پر بیٹھا۔ ہمسایہ سلطنتوں نے اپنے سفراء کے ذریعے مبارک باد کے پیغام بھیجے۔

معصوم بھائی کا قتل زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر اپنے شیر خوار بھائی کو جو سرو یا کی شہزادی کے بطن سے تھا حوض میں غرق کرادیا۔

ایشیائے کوچک میں طرابزون اور قرہ مان کی ریاست دونوں خلفشار کے موجب تھے۔ اس وجہ سے کرمانیہ (کرہ مان) کو سلطنت عثمانیہ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲، صفحہ ۲۴۴۔

میں داخل کر لیا اور رئیس کی لڑکی کو حبالۂ عقد میں لے آیا اور طرابزوں پہ سالانہ خراج لگایا گیا۔ ہونیاڈ سے تین سال کے لئے صلح کر لی اور ایک فوج موریا میں بھیج دی کہ قیصر کے بھائی کو گھیرے رکھے۔

قلعہ کی تعمیر آبنائے باسفورس کے ایشیائی ساحل پہ بایزید یلدرم نے قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اس کے مقابل قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پہ ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔

قسطنطنیہ پر حملہ شہنشاہ قسطنطنیہ ان دنوں قسطنطین یازدہم تھا۔ یہ سلطنتِ بازنطینی کا آخری فرماں روا تھا۔ اس کا پیش رو مینوئل تھا جس نے مراد سے جھگڑا کیا تھا قسطنطین محمد ثانی سے بیٹھے بٹھائے خود چھیڑ کی۔ سلطان سے کہلا بھیجا کہ تمہارے خاندان کا شہزادہ آورخاں نبیرۂ سلیمان اعظم جو قسطنطنیہ میں نظر بند تھا اور اس کے مصارف سلطان کی طرف سے ادا ہوتے تھے قسطنطین نے اس رقم کا معہ اضافہ کے مطالبہ کیا اور عدم منظوری کی صورت میں آورخان کو مقابل کھڑا کر دینے کی دھمکی دی۔

محمد ثانی شورشوں کے فرو کرنے میں مصروف تھا سفیر کو نرمی سے ساتھ جواب دے کر ٹال دیا۔ لیکن وزیر اعظم خلیل پاشا نے کہلا بھیجا کہ قسطنطنیہ سے نکلنے کی تمنا ہے گھبراؤ نہیں اور جلد حکومت سے سبکدوش کئے دیتے ہیں۔

فتح قسطنطنیہ سلطان محمد ثانی نے باپ کی وصیت کے مطابق فتح قسطنطنیہ کے لئے تیاری کرنا شروع کر دی۔ اس نے حصار کی تعمیر کے بعد ہنگری کے صناع اربان سے بڑی توپیں ڈھلوائیں جن کے کھینچنے کے لئے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ جب انتظام مکمل کر لیا خود سلطان بہ نفسِ نفیس نوّے ہزار فوج ادرنہ سے لے کر چلا اور امیر البطر اوغلی

کی قیادت میں جنگی کشتیاں روانہ کیں کہ سمندر کی طرف سے محاصرہ رکھے۔

ادھر حملہ کی تیاری تھی اُدھر قسطنطین نے مغربی یورپ کے فرمانرواؤں سے مدد کی درخواست کی اور یورپ کی ہمدردی کے لئے کلیسائے روما کے مطالبات منظور کر لئے۔ اس فیصلہ نے یونانی پادریوں کو برافروختہ کر دیا۔ گرانڈ ڈیوک نوٹارس جو تمام افواجِ قسطنطنیہ کا سپہ سالار تھا وہ بھی قسطنطین سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔

مغربی یورپ نے قسطنطین کی فریاد کو قابلِ سماعت نہ سمجھا۔ البتہ پوپ نے آزمودہ کار سپاہیوں کو معہ رقوم کثیر کے کارڈنیل اسیڈورس کے ساتھ روانہ کیا۔ اٹلی اور اسپین کے بعض شہروں سے فوجی دستے آئے۔ وینس نے بھی کچھ مدد کی۔ اہلِ جنیوا کی طرف سے مشہور جنیوی کمانڈر جان جسٹینانی دو جنگی جہازوں اور سات سو منتخب بہادروں کے ساتھ قسطنطنیہ آ گیا۔

غرضیکہ اپنی اور دوسروں کی فوج ملا کر قسطنطین کے پاس نوے ہزار تھی۔ فرانس، جرمنی، ہنگری اور پولینڈ ترکوں سے پٹ چکے تھے، ہمت نہ تھی کہ اس آگ میں کودتے۔

محاصرہ ۲۶ ربیع الاول ۸۵۷ھ کو سلطان نے قسطنطنیہ کا نوے ہزار فوج سے محاصرہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی بحری جنگ آبنائے باسفورس میں پیش آئی۔ ۱۴۰ عثمانی جہاز تھے۔ قیصر کی امداد کے لئے جنیوا کے جنگی جہاز آ گئے اور دشمن کے رسد کے جہاز قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ غرضیکہ ترکی بیڑہ نقصان اٹھا گیا۔ سلطان محمد نے یہ رنگ دیکھ کر خشکی میں باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل میں پہاڑی زمین پر لکڑی کے تختوں کی سڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرا دیا اور ایک رات کے اندر ستّر کشتیاں بیلوں سے کھچوا کر بندرگاہ کے اس حصہ میں پہنچا دیں۔ قسطنطنیہ کا یہ حصّہ بھی حملہ کی زد میں آ گیا۔ بری فوج نے مناسب

فاصلہ پر توپیں نصب کیں۔ سلطان بحر و بر نے ۲۹ مئی ۱۴۹۳ء کی صبح کو عام حملہ کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس رات تمام معسکر میں چراغاں رہا اور ساری فوج دعا اور عبادت میں مصروف رہی۔ صبح ہوتے ہی فصیل کی طرف بڑھی۔ رومیوں نے نہایت ہمت اور پامردی سے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ قیصر قسطنطین اس جنگ میں مارا گیا۔ آغا حسن جو پہلے فصیل پر چڑھا تھا وہ شہید ہوا اور سلطان محمد کے ہاتھوں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

غرضیکہ ناقابلِ تسخیر شہر کے فتح ہونے کا وقت آچکا تھا فصیل توپ کے گولوں سے ٹوٹی اور کشتیوں سے ترک نکل کر شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ سلطان انکشاری فوج کے ساتھ تھا۔ جس وقت مشہور کنیسہ ایا صوفیہ کے دروازے پر پہنچا اس میں اذان دلوائی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس وجہ سے یہ کنیسہ جامع مسجد بنا دیا گیا۔

سلطان معظم نے رومیوں، یونانیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کی بلکہ ان کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ ایک بطریق مقرر کیا جو اُن کے معاملاتِ دینی طے کیا کرتا۔ بجز چند کنیسوں کے جو مسجد بنائے گئے تھے باقی تمام کنیسے اُن کو دیدیئے گئے۔ راہبوں اور بشپوں کو ہر قسم کی خدمات اور محصولات سے مستثنیٰ کر دیا۔ اس مراحم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نصرانی قسطنطنیہ سے چلے گئے تھے وہ پھر لوٹ آئے اور اپنے مکانوں میں آباد ہو گئے۔ جن میں سے اکثر ترکوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر تمام عالم اسلامی میں مشتہر ہوئی جشن منائے گئے اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین و علماء و شعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجی۔

سلطان نے فتح کے بعد سب سے پہلے قسطنطنیہ میں حضرت ایوب انصاری کے مزار پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور قسطنطنیہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ جامع

مسجد میں سلاطینِ عثمانیہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جانے لگی[1]

فتوحات سربیا کا بادشاہ فوت ہُوا تو سلطان نے اس کے علاقہ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ پھر بلغراد کی طرف متوجّہ ہوا۔
جنرل ھونیاڈے سے سخت مقابلہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں چوبیس ہزار تُرک شہید ہوئے اور سلطان بھی مجروح ہوا۔ آخرش سلطان بے نیل و مرام واپس آیا۔
ہونیاڈ بھی اس قدر زخمی ہُوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور بیس روز بعد کیفر کردار کو پہنچا۔
مگر سلطان نے اس ناکامی کی پرواہ نہ کی اور ۸۶۳ھ میں مورہ پر چڑھائی کر دی۔ بعد کامیابی بوسینیا پر یلغار کی اور فتح کر لیا۔ ایشیا میں طرابزون اور اسفندیار دونوں ریاستیں سلطنت میں ملالیں۔

بحری بیڑہ سلطان نے فتوحات سے فارغ ہو کر بیڑۂ بحری کے تیار کرنے کی طرف توجہ کی اور اس قدر قوی بیڑہ بنایا کہ اس زمانے کے تمام بیڑوں جنیوا اور وینس سے یہ فائق تر تھا۔

فتنہ حسن اوزون حسن اوزون نے ۸۸۱ھ میں فرات سے اموداریا تک قابض ہو کر فتنہ بغاوت اُٹھا رکھا تھا۔ عثمانی سرحد خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ سلطان بہ نفس نفیس اس کی سرکوبی کے لئے آذربیجان کی طرف گیا۔ حسن اوزون مقابل آیا مگر شکست کھا گیا۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

وقائع ۸۸۳ھ میں البانیہ کے قلعہ جات کو دیا اور اشقودرہ کو سلطان نے لے لیا۔ پھر ہنگری کی طرف فوج بھیجی جس نے ٹرانسلوانیا کو فتح کر لیا۔ وہاں کاؤنٹ کیٹس نے پہنچ کر ترکوں کو شکست دی۔ ترک کثیر التعداد شہید ہوئے اور صدہا گرفتار ہو گئے۔ خون خوار ہنگریوں نے اسیروں

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیین صفحہ ۱۷۵۔

کو قتل کیا اور اُن کی نعشوں پر فرش بچھا کر کھانے کھائے۔ پوپ نے کاؤنٹ کیٹس کو ہونیاڈ کی جگہ پر حامی دین کا خطاب عطا کیا۔ یہ تھی نصرانیوں کی بربریت پھر بھی وہ مہذب اور شائستہ کہلائے جاتے تھے۔

جزائر بحر روم ۸۸۴ھ میں صدر اعظم کدک احمد پاشا کو سلطان نے جزائر بحر روم کے فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ صدر اعظم روما پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہُوا۔ مگر صرف اوترانت کو فتح کر کے آگے مصلحت سے نہ بڑھا۔

روڈس جزیرہ روڈس میں جماعت قدیس یوحنا اور شلمی کے راہبان جو اپنی بدکاری اور فتنہ گری کی بدولت ارضِ مقدس سے نکالے گئے تھے جمع ہو گئی تھی۔ یہ راہبان عیاش اور مہذب ڈاکو تھے۔ ہمیشہ اہلِ یورپ کو صلیبی جنگ کے لئے بھڑکاتے رہتے تھے۔ سلطان نے ان کی فتنہ پردازی کو ختم کرنے کے لئے ترکی بیڑے کو روڈس بھیجا جہاں تین مہینے تک اس نے محاصرہ کیا مگر ناکامی سے اس کو لوٹنا پڑا۔

وفات سلطان یکایک بیمار ہُوا۔ دن بدن حالت بگڑتی گئی۔ آخر ش ۴ ربیع الاول ۸۸۶ھ کو فوت ہُوا۔ قسطنطنیہ میں شاہی مقبرہ کے لئے جو زمین اس نے متعین کی تھی وہیں دفن کیا گیا۔

اوصاف سلطان محمد کے مکارم اخلاق اور شریفانہ اوصاف وہ تھے جو ایک مسلمان بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔ رحم دل تھا جس کا مظاہرہ قسطنطنیہ کی فتح میں نظر آتا ہے۔ ڈیوک نوٹاراس افواج قسطنطنیہ کا سپہ سالار اعظم گرفتار ہُوا تو اس کی خطا بخشی کے ساتھ اس کے اہلِ خاندان کی مدد کی۔ نوٹاراس کی بیوی علیل تھی تو اس کو عیادت کو سلطان خود گیا [1]

---

[1] نوٹاراس نے سلطان کو اسکا بدلہ یہ دیا کہ اٹلی سے خفیہ خط و کتابت کی کہ موقع ہے سلطان پر یلغار کر دے۔ سلطان کو اسکا علم ہو گیا تو اس نے نوٹاراس کو معہ اسکے لڑکوں کے قتل کرا دیا۔

یہ ضرور ہے کہ سلطان کی طبیعت میں سختی و درشتی تھی مگر معاصر عیسائی حکمرانوں سے اگر مقابلہ کیا جائے تو اس کی سختی و سخت گیری بہت کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ ولاچیا کا حکمران ولاد جو سلطان کا ہم عصر تھا وہ اپنے دشمن کے جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا کرتا تھا۔ قیدیوں اور دوسرے مظلوموں کو قتل کراتا تو مرتے وقت کی اذیت اور تڑپ کو خوشدلی و دلچسپی سے دیکھتا اور لطف اندوز ہوتا۔ مگر سلطان جس کو مغربی مورخین ظالم قرار دیتے ہیں وہ بھی کوئی ایسا واقعہ سلطان کی زندگی میں پیش نہ کر سکے۔ یہ ضرور ہے کہ سلطان نے اپنے بھائی کو قتل کرایا یا جو ارکانِ سلطنت باغیانہ سرگرمی میں دیکھے گئے ان کو سزائے موت دی[1]

فنونِ جنگ سلطان کو اوائل عمری سے جنگی فنون سے دلی لگاؤ تھا۔ خداداد شجاعت اور مردانگی کے ساتھ اس میں فوجی قابلیت بدرجہ اتم تھی۔ اس کا عہدِ حکومت جنگوں میں گزرا۔ خود فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر ملکوں کو فتح کرنے نکلتا۔ سوائے معرکہ بلغارد میں ناکامی کا منہ اس کو دیکھنا پڑا ورنہ ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سے فاتح کے خطاب سے مشہور ہوا۔

اس کی فوجی لیاقت نے احمد کدک پاشا اور محمود پاشا سے مشہور جنرلوں کو اس کا گرویدہ کر رکھا تھا اور وہ اس کی جنگی قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔

رازداری سلطان محمد اپنے ارادوں کو بالکل راز میں رکھتا حتیٰ کہ اُس کے امیر العسکر کو بھی پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ سلطان کس سمت حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی مہم کے لئے فوجیں جمع ہونے لگیں۔ ایک سپہ سالار نے سلطان سے عرض کیا حضور کون سا ملک پیشِ نظر ہے؟ تو اس نے سختی سے جواب دیا:-

---

[1] گبن جلد ۴ صفحہ ۵۰۱ -

"اگر میری داڑھی کے ایک بال کو بھی اس کی اطلاع ہو جائے تو میں اُسے توڑ کر آگ میں ڈال دوں"

علمی ترقی سلطان محمد کی عظمت فتوحاتِ مُلکی کے وسیع دائرہ تک محدود نہ تھی۔ سلطان جنگ جو طبیعت ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔

"اس کی خداداد قابلیت کے جوہر رزم و بزم دونوں جگہ یکساں طور پر نمایاں تھے"

خود سلطان جملہ علوم و فنون کا ماہر تھا اپنے معاصر علماء سے علم کی تحصیل کی تھی۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی زبانوں پر بھی قدرت رکھتا تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے اس کو دلی لگاؤ تھا۔ یونانی سوانح نگار پلوٹارک کی تالیف تذکرۂ مشاہیر یونان و روما اس کے لئے ترکی میں ترجمہ کی گئی۔

سلطان بلند پایہ شاعر اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ اُس کے علمی دربار سے تیس عثمانی شعراء وظیفہ پاتے تھے۔ ہر سال گراں قدر تحائف خواجہ جہاں اور مولانا جامی کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ اس کا علمی دربار لگتا جس میں مُلک کے مشاہیر علماء و شعراء شریک ہوا کرتے۔

مدارس سلطان نے قسطنطنیہ اور اپنے قلمرو کے مرکزی شہروں میں کثرت سے مکاتب اور مدارس جاری کئے۔ اس کے شغف علمی کا ہی اثر تھا کہ محمود پاشا نے کئی مدرسے قائم کئے اور اس کے اخراجات کا خود کفیل تھا۔

سلطان نے ایک کالج مفتیوں اور قاضیوں کی منتہی تعلیم کے لئے قائم کیا اور اس کا ضابطہ خود تیار کیا۔

اس کے عہد کے قاضی و مفتی علم و فضل میں یکتائے روزگار ہوتے تھے

ان کے احترام کا خاص لحاظ رہتا۔ قاضی یا مُفتی صرف عہدوں کے پُر کرنے کے لئے تیار نہیں کئے جاتے تھے بلکہ یہ حضرات میدانِ جنگ میں ایک سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر سلطان کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوتے تھے۔

نظمِ مملکت جو نظامِ حکومت سلاطینِ سلاجقہ کا تھا وہی نظام آدرخان اوران کے اخلاف نے کچھ ترمیم کے ساتھ قائم رکھا۔ مگر سلطان نے وقت کے تقاضے سے اس کی اصلاح کی اور خود آئینِ سلطنت مرتب کیا۔ اس آئین کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ایک واضع قانون کی حیثیت سے اپنے پیشروؤں سلاطینِ عثمانیہ سے ممتاز نظر آتا ہے۔

آئینِ سلطنت سلطان نے قانون نامہ جو سلطنتِ عثمانیہ کا بنیادی دستور ہے خود مرتب کیا۔

قانون نامہ میں سلطنت کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے:۔

(۱) وزرائے سلطنت

(۲) قضاۃِ عسکر

(۳) دفتر دار (خازن)

(۴) نشانجی (معتمدِ سلطنت)

اس شاہی خیمہ کا بلند دروازہ باب عالی کے نام سے موسوم کیا گیا جس سے مراد حکومتِ عثمانیہ تھی۔

صدرِ اعظم حکومتِ عثمانیہ کے سب سے بڑے عہدے دار چار وزیر ہوتے تھے۔ اس جماعت وزراء کا صدر وزیر اعظم سلطنت تھا جو تمام عہدے داروں کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس کے پاس حکومت کی مہر رہا کرتی تھی جو بلند ترین منصب کا نشان تھا۔ یہ بھی صدرِ اعظم کے لئے رعایت تھی

کہ حسبِ ضرورت مجلسِ وزراء کا اجلاس اپنے دولت کدہ پر منعقد کرے۔

قاضیِ عسکر | اعلیٰ فضیلتِ دینی کے علماء اس عہدہ پر سرفراز کئے جاتے۔ ایک "قاضیِ عسکر" ترکی علاقہ یورپ کی عدالتوں کا صدر ہوتا تین بڑے عہدیدار جماعتِ علماء سے منتخب کئے جاتے۔

خواجہ | ترکی سلطنت میں سلطان اور شہزادہ کے اتالیق کو خواجہ کہتے تھے۔ یہ بھی ایک عہدہ تھا۔

مفتی | ایک عہدہ مفتی کا تھا۔

نشانجی | نشانجی (قاضی قسطنطنیہ) کے سپرد سرکاری دستاویزوں کے تیار کرنے اور ان پر سلطان کا طغرا ثبت کرنے کی خدمت سپرد تھی۔

رئیس آفندی | چیف سیکرٹری کے جملہ فرائض رئیس آفندی کو ادا کرنے پڑتے تھے۔

دیوان | حکومت کی مجلس حل وعقد کا نام دیوان تھا۔ دیوان کا صدر سلطان معظم ہوتا۔ اگر سلطان رونق افروز نہ ہوتا تو وزیر اعظم صدارت دیوان کی انجام دیتا۔ دیوان کے انعقاد کے وقت دوسرے وزراء اور قضاۃِ عسکر صدر کے داہنے بازو کی طرف بیٹھتے تھے۔ دفتردار اور نشانجی کی جگہیں صدر کے بائیں جانب تھیں۔

آغا | خارجی آغا، داخلی آغا یہ عہدہ دار سلطنتِ عثمانیہ کے دست و بازو سمجھے جاتے تھے۔

داخلی آغا | داخلی آغا درباری عہدوں پر مامور ہوتے۔

خارجی آغا | خارجی آغا کی جماعت سے وہ فوجی حکام منتخب ہوتے تھے جن کے سپرد صوبوں کی حکومت ہوتی تھی۔ فوجی آغاؤں میں انکشاری (ینی چری) کے آغا اور سپاہی دوسرے سوار دستوں کے آغا

خاص طور پر ممتاز تھے۔

ینی چری کا آغا قسطنطنیہ کی پولیس کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔

قاپو آغا :۔ گورے خواجہ سراؤں کا افسر

قیزلر آغا :۔ حبشی خواجہ سراؤں کا افسر

بوستانجی باشی :۔ باغبانوں کا افسر

چاؤش باشی :۔ حکومت کے قاصدوں کا افسر

محکمہ دیوانی کے بہت سے عہدوں پر عموماً داخلی آغا مقرر کئے جاتے تھے۔

اور بھی عہدے تھے جن کا ذکر لاحاصل ہے۔

ہم عصر علماء سلطان الوغ بیگ مرزا تیموری خاندان کا ایک مشہور عالم و فاضل بادشاہ تھا۔

بقول مؤلف کشف الظنون ۸۲۳ھ میں اس نے اپنے دارالسلطنت سمرقند میں ایک مرصد کی تعمیر کی۔ غیاث الدین جمشید کے اہتمام سے تعمیر ہوئی۔ شریک کار علامہ قوشجی تھے۔

الوغ بیگ کی زیچ مشہور و معروف ہے۔ ۸۵۳ھ میں اس نے انتقال کیا۔

مولانا نورالدین عبدالرحمان بن احمد الجامی ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ میں فوت ہوئے [1]

---

[1] پرشین لٹریچر صفحہ ۵۲۸۔

سُلطان بایزید ثانی

نام ونسب بایزید ثانی بن سلطان محمد ثانی بن مراد ثانی ۔ ۸۶۶ھ میں بایزید پیدا ہوا ۔

تخت سلطنت سلطان محمد کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے بایزید کو ۸۸۶ھ میں تختِ سلطنت پر بٹھایا اور یہی ولی عہد تھا ۔

امیر جمم کی بغاوت مگر اس کے بھائی امیر جمم کو یہ تخت نشینی ناگوار گزری اُس نے بروصہ پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا ۔ بایزید نے انکشاری فوج امیر جمم کے مقابلہ پر بھیجی معرکہ کارزار گرم ہوا ۔ امیر جمم میدان چھوڑ گیا اور مصر پہنچا ۔ پھر روڈس صلیبی جماعت کے پاس چلا گیا ۔ ان لوگوں نے سلطان کو لکھا کہ امیر جمم کے اخراجات کے لئے ۴۵ ہزار دوک سالانہ مقرر کر دیئے جائیں ہم اس کو اپنی حفاظت میں رکھ لیں گے (سلطان نے ان کی استدعا کو منظور کیا ۔

کچھ عرصہ بعد پوپ نوسان ہشتم نے امیر جمم کو اپنے پاس بُلا لیا اور سلطان کو لکھا کہ تین لاکھ دوک میری نذر کرو تو امیر جمم کو ٹھکانے لگا دوں ۔ یہ تھا پوپ اعظم کا کیرکٹر ۔

اس دوران میں شارل ہشتم شاہِ فرانس قسطنطنیہ کے لینے کے ارادے سے اُٹھا ۔ پہلے اُس نے روما کا محاصرہ کیا اور امیر جمم کو لینا چاہا مگر پوپ نے اس کو زہر دے دیا اور اس کی لاش استانہ روانہ کر دی جو بروصہ میں دفن کی گئی ۔

فتوحات سلطان محمد کے عہد میں ترکوں کا قبضہ پورے بلقان پر ہو چکا تھا۔ صرف بلغراد رہ گیا تھا جو ہنگری کے قبضہ میں تھا۔ بایزید نے بلغار لینا چاہا مگر ناکام رہا۔

مصر مصریوں نے سرحدی شہر ترسوس اور ادرنہ لے لئے۔ سلطان نے ۸۹۳ھ میں فوجیں جمع کر کے شاہ مصر سے دو، دو ہاتھ کرنا چاہے مگر پائے تولش نے باہمی صلح کرادی۔

ایران حسن اُوزون کے انتقال کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران میں شیعی حکومت قائم کر لی۔ شاہ صفوی غالی شیعہ تھا اور جبریہ سنیوں کو اپنے مسلک پر لا رہا تھا۔ اس کے اعوان میں سے شاہ قول نامی نے اناطولیہ میں فتنہ رفض پھیلانا شروع کر دیا اور عوام کو بغاوت کے لئے بھڑکانے لگا۔ امیر اناطولیہ نے سرکوبی کر کے علاقہ سے نکلوادیا۔ شاہ قول کونا ہیہ پہنچا۔ وہاں بھی شیعیت کا فتنہ کھڑا کیا۔ صدر اعظم علی پاشا مع فوج کے اس کی سرکوبی کو گیا۔ سخت مقابلہ ہوا جس میں صدر اعظم اور شاہ قول ہر دو کام آئے۔

ممالک یورپ سے تعلقات دِول یورپ پر دولتِ عثمانیہ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ سلطان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۸۹۷ھ میں پہلا روسی سفیر ماسکو سے تحفے اور ہدیہ لے کر آیا اور مملکت عثمانیہ میں تجارتی امتیازات حاصل کئے۔ سلطنت پولونیا سے بھی اس سال بغدان (رومانیہ کا حصہ) کے متعلق عہد نامہ ہوا۔ اہلِ بغدان نے دولت عثمانیہ کی بخوشی دلی سیادت قبول کی۔ ہنگری کا قبضہ اُس پر سے جاتا رہا۔ ڈیوک میلانو، جمہوریہ فلارنسا نیز پوپ اسکندر سادس نے بھی دولتِ عثمانیہ سے تعلقات قائم کئے تاکہ سلطان کی بری و بحری قوتوں سے اپنے مخالفین کے لئے امداد حاصل کر سکے۔

یورپ میں فتوحات جمہوریہ وینس ترکوں کی مخالف تھی۔ اس وجہ سے بایزید نے اس پر فوج کشی کی۔ ترکی بیڑے کی مدد سے بعض یونانی جزائر جو وینس کے قبضہ و تصرف میں تھے سلطان نے فتح کر لئے اور اس فتح کے بعد بری افواج ترکیہ بوسنہ میں کامرانی کے ساتھ داخل ہو گئیں۔ اہلِ وینس نے شاہانِ یورپ کی اور پوپ اعظم کی معاونت سے جزیرہ مدللی کا محاصرہ کیا۔ لیکن ترکوں نے بہادری کا جوہر ایسا دکھایا کہ دشمن کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر وینس کی فوج نے منہ موڑا، ترکوں نے آگے بڑھ کر روڈسٹو کو فتح کر لیا۔ آخرش وینس نے صلح کی استدعا کی اور باب عالی نے منظور کر لی۔

سلطان فتوحات میں منہمک تھا کہ سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کر دی جس کی وجہ سے اندرونی اضطراب پیدا ہو گیا۔ یہ بڑا سبب تھا کہ وینس کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔

وقائع ترک مغرب میں فاتحانہ سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اندلس کے مسلمان باہم دست بگریباں ہو کر عیسائیوں کے ہاتھوں پٹ رہے تھے۔ آخری دولتِ غرناطہ شاہ عبداللہ دشمنوں کے نرغہ میں تھا اس نے بایزید سے مدد مانگی مگر سلطان نے زیادہ توجہ نہ دی۔ صرف ایک معمولی بیڑہ کمال امیرالبحر کی قیادت میں بھیج دیا۔ مگر یہ بے سود ثابت ہوا۔ مفصل حالات ہم خلافتِ ہسپانیہ میں لکھ چکے ہیں۔

گوشہ نشینی سلطان کا ارادہ گوشہ نشینی کا تھا اور اپنے بیٹے شہزادہ احمد کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن انکشاریہ راضی نہ تھے۔ انھوں نے شہزادہ سلیم کو، جو جنگ جُو، بہادر اور ہر دل عزیز تھا ۹۱۸ھ میں سلطان بنا دیا۔

بایزید نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سے دست برداری کر لی اور گوشہ نشینی کے ارادہ سے روانہ ہُوا۔

وفات راستہ میں سلطان یکایک مرگ ناگہانی میں ۹۱۸ھ میں انتقال کر گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کو زہر دیا گیا۔

اوصاف سلطان نیک مزاج، بہادر، علم دوست اور صوفی منش تھا عوام اس کو ولی سمجھتے تھے۔ اس کا وزیر داؤد پاشا تھا۔ وہ بھی نیک دل اور علم سے ذوق رکھنے والا تھا۔

علمائے عصر قاضی میر حسین بن معین الدین المیبندی الحسنی کمال الدین لقب تھا۔ نویں صدی کا متبحر عالم تھا۔ معقولات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ طوالع شمسیہ اور دوسری کتب درسیہ پر حاشیہ لکھے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی اس سے خفا ہو گیا اور اس کو ۹۰۶ھ میں قتل کرا دیا۔

علامہ محمد بن اسعد دوانی (نزد قصبہ گاذراں) شافعی المذہب تھے۔ حدیث، محدث شرف الدین عبدالحلیم بحرینی سے پڑھی اور شمس الدین محمد الجزری مصنف حصن حصین سے بھی تلمذ تھا۔ فقہ جمال الدین محمود بن ابی الفتح سے حاصل کی۔

عقلیات میں مفتی سید شریف جرجانی سے تلمذ تھا۔ شیخ آدم شہابی محدث گوپاموی کے معاصر تھے۔ شرح التجرید للقوشجی اور شرح مطالع کے حاشیے لکھے۔

صدر الدین شیرازی کی تحقیق پر تنقید کی۔ اور ۹۰۸ھ میں بعمر اسّی سال انتقال کیا۔ شرح عقائد عضدیہ، شرح ہیاکل النور، شرح تہذیب فی المنطق یادگار ہیں۔

سُلطان سلیم اوّل

نام ونسب سلطان سلیم ابن سلطان بایزید ثانی ۔

تخت نشینی سلطان سلیم بایزید کے انتقال کے بعد ادرنہ پہنچ کر تخت نشین ہُوا۔[1] دول یورپ کے سفراء نے سلطنت کی مبارکباد دی ۔

بھائیوں کی نزاع سلیم کے بھائی احمد اور کرکود ہمنوا جمعیتوں کو لے کر تختِ عثمانیہ سلیم سے چھیننے چلے۔ مگر سلیم نے ہر دو کو بُری طرح شکست دی اور گرفتار کرا کر تہ تیغ کرا دیا۔ اس طرح بھائیوں کا خرخشہ ختم ہُوا۔

وقائع شاہ اسمٰعیل صفوی ایران کے حکمران خاندان کو تباہ کر کے اسمٰعیل نے اپنے لئے جگہ کی تھی۔ شروان فتح کر کے تبریز لیا اور اس کو اپنا مرکز بنایا۔ خراسان، دیار بکر، عراق عرب پر بھی بقوت قابض ہو گیا۔ اس کے ارادے یہ تھے کہ عثمانیوں کی طاقت توڑ کر اپنے حدود مملکت کو وسیع کر لے۔ پہلے شہزادۂ ترکی احمد کی فوجی مدد سلطان کے مقابلہ میں دی۔ پھر مصریوں کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے معاہدہ کیا اور خود نے اناطولیہ میں شیعیت کی ترویج کے لئے اپنے گماشتے بھیجے۔ چنانچہ اس کا نفوذ و اثر اپنی کار فرمائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں مُتعہ اور تبرّا بازی عام کر رکھی تھی ۔

سلطان سلیم کو اسماعیل کی حرکات کا علم ہُوا اور اس کو یہ خبر لگی کہ اناطولیہ میں جبریہ شیعہ بنائے گئے اور ان سے سرِ راہ تبرّا کرایا جاتا ہے تو وہ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانائیکا جلد ۲۷ صفحہ ۲۲۴ ۔

آگ بگولہ ہوگیا اور اُس نے ترکی فوج بھیج کر چالیس ہزار کو ٹھکانے لگوا دیا اور اسمٰعیل صفوی کی گوشمالی کے لئے ایران پر لشکر کشی کر دی۔ شاہ ایران نے مقابلہ کیا مگر مقام چالدران میں گھونگٹ کھا گیا۔ سن ۹۲۰ھ میں ترک تبریز میں داخل ہو گئے۔

سلطان سلیم نے تین ماہ تبریز میں قیام کیا اور اپنے دربار کے رکن اعظم مشہور عالم مُلّا ادریس کو دیارِ بکر کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ ادریس نے وہاں کے قبائل کو رام کر لیا اور وہ سلطان کے اطاعت گزار بن گئے۔

امیر ریاست ذوالقدریہ نے افواج ترکیہ کو پریشان کیا تھا اس کو مقابلہ پر شکست دی۔ امیر گرفتار ہُوا۔ اس کا سر کاٹ کر اس کے آقا سلطان مصر قانصوہ غوری کے پاس بھیج دیا اور پھر سلطان سلیم کے نام کا خطبہ ذوالقدریہ میں پڑھوایا۔

فتح مصر سلطان نے پوری قوت سے مصر پر چڑھائی کر دی۔ مرج وابق پر مصری مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہُوئے۔ سلطان غوری گھوڑے سے گر کر ہلاک ہُوا۔ سلطان سلیم شام اور فلسطین کو فتح کرتا ہُوا صحرا کی راہ سے مصر پہنچا۔ سلطان طومان بائے نے جو غوری کے بعد مصر کا فرماں روا بنا تھا مدافعت کے لئے آمادہ ہُوا مگر ناکام رہا۔ سلیم قاہرہ میں داخل ہُوا۔ سلطان طومان بائے گرفتار ہُوا اس کو دار پر چڑھا دیا۔[1]

مملکت مصر عثمانی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔ سلطان ایک ماہ قاہرہ میں رہا علماء امراء و اعیانِ حکومت کو انعام و اکرام سے نوازا۔ غلاف خانۂ کعبہ کے محمل شریف کے جلوس میں پا پیادہ شریک ہُوا۔ اور خُدّامِ حرم کے لئے صرّہ ہمایونی بھیجا۔ شریف مکہ ابوالبرکات نے فتح مصر کی تہنیت اور کلید خانۂ کعبہ بھیجی۔ اس

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰۔

وقت سے سلیم نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا۔ ملک مصر کا انتظام کر کے خیر بک کو جو غوری کے اعزاء سے تھا وہاں کا والی بنایا اور ۲۰ رجب ۹۲۳ھ کو مراجعت کی۔

یونس پاشا کا حشر صحرائے عریش میں سلیم پہنچا۔ صدر اعظم یونس پاشا جو حملہ مصر کا مخالف تھا اسے طلب کیا اور کہا۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے کیسی کامیابی عطا کی۔ اس نے پھر ایسی بات کہی جس پر سلیم ناخوش ہوا اور اُس نے یونس پاشا کو قتل کرا دیا اور پیر محمد پاشا کو جس نے مصر کی فتح کے لئے سلطان کو آمادہ کیا تھا صدر اعظم مقرر کیا۔ سلطان ایک ماہ تک دمشق میں رونق افروز رہا۔ شیخ ابن عربی کے مقبرے پر جامع مسجد تعمیر کرائی اور پہلی نماز جمعہ وہاں ادا کی۔

خلافت پر فائز ہونا ۲۴ رجب ۹۲۴ھ کو آستانہ پہنچا۔ متوکل علی اللہ ثالث آخری خلیفہ بنی عباس مصر کو سلطان قاہرہ سے ساتھ لیتا گیا تھا۔ خلیفہ نے جامع ایا صوفیہ میں علماء و امراء و عمائد ملک کے سامنے سیف، عثمانی عَلَم اور ردائے نبوی سلطان سلیم کے سپرد کی اور منصب خلافت پر سلطان سلیم کو سرفراز کیا[1] اس طرح خلافت اسلامی آل عثمان کے ہاتھوں میں آگئی۔

نصرانیوں کو مراعات قدس شریف میں اسپین کے عیسائیوں کو حسب استدعا شاہ اسپین زیارت کی اجازت دی گئی۔

جمہوریہ وینس سے جزیرۂ قبرص کا جو دو سال کا خراج باقی تھا موصول ہوا۔

سلیم کا ارادہ روڈس کے اور ایران کے فتح کرنے کا تھا۔ بحری فوج کی تنظیم کر رہا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔

---

[1] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ صفحہ ۱۰۴۔

وفات ۸ رشوال ۹۲۶ھ ، ۱۵۲۰ء کو سلطان سلیم نے بعمر چوّن سال انتقال کیا۔

اوصاف سلطان سلیم بڑا مدبر اور شجاع و بہادر تھا۔ اس کی دلاوری ضرب المثل تھی۔ انصرام مہمات ملکی میں سلطان سلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

اس کے انتظام ملک اور رُعب کی وجہ سے کوئی بغاوت اس کے قلمرو میں رونما نہ ہوئی۔ سلطان سلیم کو ایرانی موّرخین نے خون ریز و سفاک لکھا ہے مگر درست نہیں۔

علمی ترقی سلطان سلیم جہاں بہادری کی صفت رکھتا تھا وہاں وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔ اس کے زمانے میں علمی درسگاہیں بہت کافی تھیں جس سے اس کا دورِ ادبی و علمی حیثیت سے بھی نہایت ہی کامیاب تھا۔

سلطان سلیم کے عہد میں ترکی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے زمانے میں کمال پاشا زادہ نے ترکی میں یوسف زلیخا تحریر کی اور گلستان کے جواب میں نگارستان لکھی۔

اس کمال پاشا کا ہم عصر ایک شاعر تھا جس نے ترکی میں بہاریہ نظمیں لکھ کر ایرانی شاعری کا رنگ اور اس کا رنگین ماحول پیدا کیا۔ خود سلطان سلیم تمام ترکی سلاطین پر شعر و سخن میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اس کے اشعار بلند ترین درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔

لہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۲۳۴۔

سلطان سلیمان اعظم قانونی

نام ونسب | سلیمان ابن سلطان سلیم عثمانی۔

ولادت | ولادت سلیمان کی ۹۰۰ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سلیم کی وفات کے وقت سلیمان صاروخان میں مقیم تھا۔ ۱۷ شوال ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ پہنچا اور اپنے عمائدین سلطنت کی موجودگی میں تخت خلافت پر متمکن ہوا[1]

شام میں بغاوت | امیر غزالی جو قانصوہ غوری کے امراء میں سے تھا جس کو سلطان سلیم نے شام کا والی مقرر کیا تھا اس نے خود مختاری کا اعلان کردیا اور خیر بک والیٔ مصر کو لکھا کہ قسطنطنیہ دور ہے تم بھی میرے شریک اور ہم خیال بن جاؤ۔ اس نے کہا حلب پر قبضہ کرلو تو تمہارے ساتھ ہوں۔ غزالی نے حلب کا محاصرہ کرلیا۔ سلیمان کو خبر پہنچی اس نے یکم صفر ۹۲۷ھ میں فرہاد پاشا کو نظامی فوج کے ساتھ غزالی کی سرکوبی کو بھیجا۔ اس نے جاتے ہی اس سے دو دو ہاتھ کئے۔ غزالی گرفتار ہو کر آیا اور اس کا سر کاٹ کر ۷ صفر ۹۲۷ھ کو قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔

فتوحات | سلطان سلیمان نے شاہ ہنگری کے پاس جزیہ کے مطالبہ کے لئے اپنا سفیر بھیجا۔ اس نے عثمانی سفیر کو قتل کرا ڈالا اس لئے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ ص ۲۳۴۔

سلطان نے اس پر چڑھائی کر دی۔ ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ میں بلغراد پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ سارے بلقان میں یہی ایک ایسا قطعہ رہ گیا تھا جو عثمانیوں کے قبضہ و تصرف سے باہر تھا اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے نہایت دقیع۔ اس لئے اس کی فتح کی خوشخبری ملکوں ملکوں بھیجی گئی۔ شہنشاہ روس اور رئیس جمہوریہ وینس نے سلطان کی کامیابی پر تہنیت کے پیام بھیجے۔

جزیرہ روڈس یوحنا اور شلیبی کی فتنہ پرور جماعت جو ارضِ مقدس سے بزدر نکالی گئی تھی۔ وہ روڈس میں آکر مقیم ہوئی اور ہمسایہ مسلمانوں کے خلاف آئے دن جنگ و غارت گری کرتی رہتی تھی۔ سلاطینِ عثمانیہ عرصہ سے خواہش رکھتے تھے کہ اس جزیرہ پر قبضہ کیا جائے تاکہ آئے دن کا ان کا خطرہ جاتا رہے اور غنیم کے جہازوں کو وہاں پناہ نہ مل سکے۔ فتح مصر کے بعد سے اس کی ضرورت مصر کے ساتھ بحری معاملات کی غرض سے اور بڑھ گئی تھی۔ سلیمان نے وہاں کے امراء کو لکھا کہ جزیرہ خالی کر کے چلے جاؤ۔ تمہارے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس لئے سلیمان خود عثمانی بیڑہ لے کر گیا۔ محاصرہ سے مجبور ہو کر انہوں نے نکلنا منظور کیا۔ سلیمان نے اپنی فوج وہاں سے ایک میل دور ہٹالی اور بارہ دن کی مہلت دے دی جس میں وہ اپنا مال و اسباب لئے ہوئے جزیرۂ مالٹہ چلے گئے۔

کریمیا کا الحاق ۹۲۹ھ میں محمد کرائی خاں والی کریمیا اپنے بیٹوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ جس سے وہاں فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطان نے کریمیا کو اپنی دولت میں شامل کر لیا جس سے تمام خرخشے ختم ہو گئے۔

ہنگری کے وقائع شاہ شارلکان دول یورپ میں سب سے بڑا تھا۔ اسپین، جرمنی، ہالینڈ اور جنوبی اطالیہ بھی زیرِ نگین تھا۔ جمہوریہ فلارنس اور جینوا اور جزائر منارکا اور سسلی بھی اس کے تابع تھے۔ فرانس

کا بادشاہ فرانسیس اول نے اطالیہ کے صوبہ میلان کے لئے شارلکان سے جنگ کی جس میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ مگر پوپ کی نگاہوں میں فرانسیس کی قدر زیادہ تھی۔ شارلکان سے اور بادشاہ فرانس سے چل گئی تو اُس نے ترکوں سے امداد چاہی۔ سلطان تیار ہوگیا۔ ایک لاکھ فوج اور تین سو توپیں لے کر سرکوبی کو چڑھ دوڑا اور شارلکان کو سخت شکست دے کر ہنگری پر قبضہ کر لیا اور سلطنتِ عثمانیہ میں یہ علاقہ شامل کر لیا گیا۔

ویانا پر حملہ شارلکان نے اپنے بھائی فرڈیننڈ کو آسٹریا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس نے ہنگری پر فوج کشی کر کے جابولائے کو جو سلطان کی طرف سے وہاں کا والی تھا شکست دیدی اور وہاں کے پائے تخت بودین (بوڈاپسٹ) پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر چڑھائی کی۔ بودین کو واپس لے کر پھر جابولائے کو وہاں کا والی بنا دیا اور آسٹریا میں بڑھ کر ویانا کا محاصرہ کیا۔ لیکن شدتِ سرما کی وجہ سے سلطان فتح نہ کر سکا اور اپنے دارالخلافہ واپس چلا آیا۔ یہی یورپ میں آخری نقطہ تھا جس پر ترک پہنچے۔ پھر رُخ نہ کر سکے۔

بغداد شاہ طہماسپ پسر اسمٰعیل صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگ میں مشغول پا کر عثمانی حدود میں دست درازی شروع کر دی اور تبریز پر بہ قوت قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ۹۴۰ھ میں لشکر کشی کی۔ وان اور ارعیش کے قلعے لیتا ہُوا تبریز میں سلطان بکر دفر آیا۔ پھر وہاں سے عراق عرب میں پہنچ کر بغداد کو فتح کیا اور شاہ طہماسپ کو سخت شکست دی۔ چند روز مقیم رہ کر سلطان کربلا گیا۔ پھر لوٹ کر مزارات ابوحنیفہؒ اور سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرمت کرائی۔

الجزائر کامرانی کے بعد سلطان آستانہ آیا۔ بار بروسہ خیرالدین پاشا جو جزائر کے ایک حصّہ پر متصرف تھا، آستانہ حاضر ہُوا اور اپنے

مقبوضات کو سلطنتِ عثمانی میں شامل کر لینے کی درخواست کی سلیمان نے منظور کر لیا اور بار بروسہ کو قپودان دریا کے نام سے عثمانی بیڑہ کا امیر بنا دیا۔ اس اثناء میں شارلکان مشہور امیر البحر آندرہ دوریا نے اپنے بیڑے کو لے کر تونس کو گھیر لیا اور تاخت تاراج کرنے لگا۔ مساجد و معابد بھی اس لپیٹ میں آ گئے۔ سلطان نے مطلع ہو کر بار بروسہ کی قیادت میں عثمانی اسطول روانہ کیا جس نے سواحل اطالیہ پر پہنچ کر آندرہ دوریا کے بیڑہ کو شکست دی اور اوترانت اور اس کے حوالی سے بے شمار مالِ غنیمت لے کر واپس آیا۔ بار بروسہ کی سلطان کی نگاہوں میں قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

دولت الموحدین کی طرف سے الجیریا میں خاندان زیانیہ کا جو نائب رہتا تھا اُس نے بھی اپنے ہمسایہ حفصہ کا طریقہ اختیار کیا کہ آقاؤں کو ضعیف دیکھ کر خود کو خود مختار اور ذی اقتدار سمجھ لیا۔ ان کا دارالسلطنت تلمسان تھا۔ ۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء میں مراکش کا مرینہ نے زیانیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

۱۵۱۹ء میں الجیریا اور طرابلس سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے اور پھر ۱۶۱۷ء میں الجزائر کے خود سر پرانے پیادہ سپاہی اپنے میں سے حاکم مقرر کرنے لگے جن کا لقب "دا" انہوں نے رکھا تھا جس سے پاشاؤں کی حکومت کو زوال آ گیا۔ پھر ۱۷۱۰ء میں "دا" دو عہدوں کا کام دینے لگا۔ ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے الجیریا پر قبضہ کر لیا۔[1]

ہندوستان ۹۴۲ھ میں دہلی کے بادشاہ نے مغلوں کے مقابلہ کے لئے سلطان سے اعانت چاہی۔ نیز بہادر شاہ گجراتی کی طرف سے سفیر پہنچے اور پرتگالیوں کے مقابلے میں جن کی غارت گری

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ایڈی ص ۲۵۔

سے سواحل ہند کے اسلامی علاقے ویران و تباہ ہو رہے تھے، فوجی امداد کے طالب ہوئے۔ سلطان کے حکم سے سلیمان پاشا والی مصر ۷۵ جنگی کشتیاں جن میں بیس ہزار سپاہی اور بڑی بڑی توپیں تھیں لے کر روانہ ہوا۔ بحر احمر سے نکل کر پہلے اُس نے عدن پر قبضہ جمایا۔ پھر سواحل گجرات پر آ کر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کئے۔ آخر میں ان کے سب سے بڑے مرکز دیول کا پاشا نے محاصرہ کیا۔ لیکن اس کو فتح کئے بغیر اموالِ غنیمت لے کر عدن واپس چلا گیا اور عدن سے آگے بڑھ کر مملکتِ یمن کو فتح کر کے عثمانی ولایت بنا لیا۔

جزائر بحر روم فرانس اور دولتِ عثمانیہ میں فتح اطالیہ کے لئے باہم یہ معاہدہ ہوا کہ عثمانی بیڑہ نیپل، سسلی اور اسپین کی طرف سے حملہ آور ہوا اور فرانس شمالی سمت سے۔ اس کے مطابق سلطان سلیمان نے اپنے بیڑے کو روانہ کیا اور خود ایک لاکھ فوج لے کر البانیہ کی طرف بڑھا۔ لیکن چونکہ عام مسیحی رائے فرانسیس اول کے خلاف ہو گئی کہ اُس نے اپنے ہم مذہبوں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کو حلیف بنایا۔ اس وجہ سے وہ میدانِ جنگ میں نہیں آیا اور جو منصوبہ تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔ دوسری طرف امیر البحر بربروسہ نے جزیرۂ کارفو کا محاصرہ کیا۔ مگر سفیرِ فرانس نے جس کو سلطانی دربار میں بہت درخور حاصل تھا۔ بیچ میں پڑ کر اُن کی طرف سے ضمانت دلا دی اس لئے محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ واپسی میں باربروسہ نے کریٹ وغیرہ اکثر جزائر فتح کر لئے۔ آندرہ دوریا۔ ۱۶۷ جہاز لے کر باربروسہ کے مقابلے میں آیا۔ مگر شکست کھا کر واپس گیا۔

سلطانی بیڑا ان پے در پے فتوحات سے اسپینی بیڑے کا بالکل اقتدار جاتا رہا اور بحری سیادت یورپ میں ترکی بیڑے نے لے لی۔ جس کی شہرت اقطارِ عالم میں پھیل گئی۔ اس وقت اس بیڑے کا مدِ مقابل کوئی دوسرا بیڑا نہ تھا۔

تجارتی عہد نامہ ۹۴۲ھ میں فرانس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس میں بوجہ حلیف ہونے کے فرنچ تجار کے لئے قلمرو عثمانیہ میں خاص مراعات منظور کی گئیں۔

اسی زمانہ میں شاہِ ایران شارلکان کے ساتھ معاہدے کی کوششیں کر رہا تھا جو پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

فرانس اور شارلکان ۹۵۲ھ میں فرانسیس اول اور شارلکان میں پھر جنگ شروع ہوئی۔ اس وقت فرانس کی طرف سے موسیو بولان نامی سفیر آستانہ میں آکر سلطان سے امداد کا طالب ہوا۔ سلیمان نے امیرالبحر باربروسہ کو ایک بیڑے کے ساتھ بھیج دیا جس نے پہنچ کر نیس کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ لیکن ترکی اور فرنچ افواج میں کچھ اختلاف ہو جانے کے باعث فتح کی تکمیل نہ ہو سکی۔ باربروسہ نے فرانس کی بندرگاہ طولون میں موسم سرما بسر کیا جس کا صرفہ آٹھ لاکھ ریال فرانسیسی حکومت نے ادا کیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ واپس چلا آیا۔ یہاں پہنچ کر ۹۵۳ھ میں باربروسہ نے انتقال کیا[1]۔ اس کی جگہ پر طورغود پاشا امیرالبحر مقرر ہوا۔

شارلکان اسی سال شارلکان نے بھی تحفے اور ہدیئے بھیج کر دولتِ عثمانیہ سے مصالحت کی درخواست کی۔ سلطان نے منظور کر لی۔ پانچ سال تک جنگ نہ کرنے کا فریقین میں معاہدہ ہوا۔ بشرطیکہ تیس ہزار اشرفی خراج آسٹریا کی طرف سے سالانہ ادا ہوتا رہے۔

شاہ طہماسپ شاہِ ایران نے ۹۶۵ھ میں حدودِ عثمانی میں پیش قدمی شروع کی۔ سلیمان نے فوج لے جا کر قرہ باغ کے متصل

---

[1] امیرالبحر باربروسہ جزیرۂ مدلی کا رہنے والا تھا، پیشہ بحری قزاقی تھا۔ اسپین کے مصیبت زدہ مسلمانوں کو الجزائر میں لا کر آباد کیا۔

طہماسپ کو شکست دی۔ آخر میں شاہ مذکور نے قلعہ قرص دولت عثمانیہ کے حوالے کر کے صلح کر لی۔

اس زمانے میں طور غود پاشا نے اسی اثناء میں جزیرہ مالٹہ کا محاصرہ کیا اسی میں اُس نے شہادت پائی۔ اس واقعہ کے بعد عثمانی بیڑہ بے نیل و مرام مالٹہ سے واپس آ گیا۔

وفات ۹۷۳ھ میں میکسیمین پسر فرڈینینڈ شاہ آسٹریا نے ہنگری کے مقام توکائے پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے باوجود درد نقرس کے فوج کشی کی اور آسٹریا کے قلعے سکتوار کا محاصرہ کیا۔ فتح سے چند روز پیشتر اس کا مرض بڑھ گیا اور ۲۰ صفر ۹۷۴ھ میں اُس نے وفات پائی۔ عمر ۷۲ سال تھی۔

اوصاف سلیمان میں جہاں شجاعت و مردانگی کے جوہر تھے وہاں وہ خلیق اور متواضع، علم و ہنر کا قدردان تھا۔ اپنے معاصر شہنشاہوں میں بعض خصوصیات کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتا تھا۔

شعراء و علمائے عصر سید علی جلبی شاعر و ادیب تھا۔ سلیمان نے ۱۳۵۲ھ میں ایک جہاز پرتگال بھیجا تھا اس کا یہ کپتان تھا۔ ترکی زبان کا عالم تھا۔ اس نے مرآت الممالک اپنے سفر کے حالات میں لکھی۔ ایک کتاب اس کی المحیط کے نام سے ہے جو مشرقی سمندروں کی جہازرانی کے موضوع پر ہے۔

محمد بن سلیمان فضولی، بغداد میں ہی نشوونما پائی۔ وہیں علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ عربی، فارسی کا متبحر عالم تھا اس نے ترکی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ اس کا شمار ترکی شعراء کے طبقۂ اول میں ہے۔ سلطان سلیمان کا ہمعصر تھا۔ اس کے متعلق ترکوں کے مایۂ ناز ادیب اسمٰعیل حسیب نے اپنی کتاب ترکی ادبیات کی جدید تاریخ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "وہ جذبات رنج و غم کا بہترین مصور ہے"۔ محمد بن سلیمان کا انتقال ۹۳۶ھ/۱۵۶۳ء میں ہوا۔

سلطان سلیم ثانی

نام ونسب سلیم ثانی ابن سلیمان بن سلطان سلیم اول ۔

ولادت سلیم ثانی ۲۴ ررجب ۹۳۰ھ میں پیدا ہوا ۔

تعلیم وتربیت سلیم کو بھی سلیمان نے مثل سلاطین زادوں کے تعلیم دلوائی اور حکمرانی کے آداب سکھانے کے لئے کوتاہیہ کی ولایت پر مامور کیا ۔

خلافت سلیمان کی وفات کے پچاس روز کے بعد قسطنطنیہ میں سلیم آیا اور سریر آرائے خلافت ہوا ۔ اس وقت تک امرائے سلطنت نے سلیمان کے مرنے کو چھپائے رکھا ۔

صدرِ اعظم صدرِ اعظم کے عہدہ پر محمد پاشا عاقل سرفراز تھا ۔ یہ لائق وزراء میں شمار کیا جاتا ہے ۔

سلیم حکمرانی کا اہل نہ تھا اس کے تمام بھائی باپ کی مرضی سے قتل کیے جا چکے تھے ۔ سلیمان کے کوئی اور اولاد اس کے سوا نہ تھی اس لئے یہی تخت نشین کیا گیا ۔ مگر مزید فتوحات تو کیا خود مفتوحہ علاقوں کی حفاظت بھی نہ کرسکا ۔ صدر اعظم کی لیاقت اور تجربہ نے سلطنت کی عظمت قائم وبرقرار رکھی ۔

معاہدات سب سے پہلے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ ہوا جس میں اس نے ٹرانسلوانیا اور رومانیہ پر باب عالی کی سیادت تسلیم کی ۔ آسٹریا کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ ہنگری میں اپنی املاک پر قابض رہے اور دولتِ علیہ کو حسبِ سابق سالانہ جزیہ دیا کرے ۔

فرانس کے ساتھ عہدِ سابق کی تجدید کی گئی اور اس کے سفیر کو حق دیا گیا کہ فرانسیسی قیدیوں کو جو ترکی کی غلامی میں ہو آزاد کرا سکتا ہے۔ نیز جملہ فرانسیسیوں سے جو عثمانی قلمرو میں بستے شخصی خراج اُٹھالیا گیا اور فرنچ کشتیاں محفوظ قرار دی گئیں جن کے نقصان کی تلافی دولت علیہ نے اپنے ذمہ لی۔

ان مراعات سے سواحل بحر روم پر فرانسیسی تجارت کو آزادی مل گئی جس کی وجہ سے ترکی مسیحی رعایا پر فرانسیسی سفیر نے اپنا اثر بڑھالیا جو آگے چل کر دولتِ علیہ کے لئے مصائب کا ذریعہ بن گیا۔

یمن امام زیدیہ مطہر بن شرف الدین یحییٰ نے ۹۷۶ھ میں بغاوت کر دی۔ صدر اعظم نے عثمان پاشا کو یمن کی ولایت کا فرمان دے کر ایک فوجِ گراں کے ساتھ روانہ کیا۔ سنان پاشا والیٔ مصر نے بھی بحکم بابِ عالی عثمان پاشا کی مساعدت کی جس کے اثر سے امراءِ یمن نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکی فوجیں قلعوں کو فتح کرتی ہوئی صنعاء تک پہنچ گئیں۔ امامِ یمن نے مجبور ہو کر دولتِ عثمانیہ کی سیادت تسلیم کی اور معاہدہ لکھ دیا۔

قبرص جزیرۂ قبرص جو جمہوریہ وینس کے ماتحت تھا اس کی فتح کے لئے لالہ مصطفیٰ کی ماتحتی میں جس نے سلطان کے بھائی بایزید کو قتل کرایا تھا ایک لاکھ بحری فوج ۹۷۸ھ میں بھیجی گئی جس نے اس کو فتح کر لیا۔ اس وقت سے برابر دولتِ عثمانیہ کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۲ھ میں اس کو انگریزوں نے بلطائف الحیل لے لیا۔

ترکی بیڑہ لالہ مصطفیٰ نے کریٹ اور سواحل بحر ایڈریاٹک پر حملے شروع کئے۔ جمہوریہ وینس نے اسپین اور پاپائے روم کے ساتھ مدافعت کے لئے معاہدہ کیا۔ ان سب کا بیڑا ایک ساتھ امیر دون جون کی قیادت میں جس نے اندلس کے علاقے سے مسلمانوں کو طرح طرح کی سختیوں اور ظلم و جور سے نکالا تھا، مقابلے کے لئے آیا۔ ۷۵ کشتیاں اسپین کی تھیں، ۱۰۵ وینس کی ۱۲ یورپ

کی اور ۹ مالٹہ کے راہبوں کی ۔ تین گھنٹے کی لڑائی میں ۲۵۵ ترکی کشتیوں میں سے ۱۳۵ غرق ہو گئیں بقیہ گرفتار ہوئیں ۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ترک شہید ہو گئے ۔ اور تیس ہزار گرفتار ہوئے ۔

ترکوں کی اس شکست پر تمام یورپ میں خوشی منائی گئی لیکن محمد پاشا صدر اعظم نے چھ مہینے کے اندر جس میں اہلِ یورپ اس کامیابی کے جشن میں مصروف تھے، نہایت کوشش اور ہمت کے ساتھ اڑھائی سو جدید جہاز تعمیر کرا لئے ۔ چنانچہ جاڑا گزرنے کے بعد نو بہار کے موسم میں یورپ نے دیکھا کہ بحیرۂ روم میں ترکوں کا وہی اقتدار پھر قائم ہے جو فتح سے پہلے تھا ۔ اس لئے جمہوریہ وینس کو مجبوراً ترکوں کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑا ۔ مزید براں اُس نے تاوان بھی ادا کیا ۔

ڈون جان نے اسپینی بیڑے سے جا کر تونس پر قبضہ کر لیا ۔ مگر ترکی بیڑے نے قلیج علی پاشا کی قیادت میں پہنچ کر اُس کو وہاں سے نکال دیا اور اُس کے ساتھیوں کی خوب پٹائی کی ۔

انتقال آٹھ سال سلطنت کرنے کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۹۸۲ھ میں سلیم نے انتقال کیا ۔

سلطان مُراد خان ثالث

نام ونسب | مراد خان ثالث بن سلطان سلیم ثانی

ولادت | ۹۵۳ھ میں مراد خاں کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت | سلیم نے اپنے چھ شہزادوں مراد، محمد، سلیمان، مصطفےٰ، جہانگیر اور عبداللہ کو رسمی طور پر تعلیم دلوائی۔ مراد سب سے بڑا تھا اور اس نے اپنے دلی شوق سے ترکی، فارسی، اور عربی میں اعلےٰ استعداد پیدا کی۔

تخت نشینی | سلیم کے مرنے کے بعد ۹۸۲ھ میں مراد سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس نے اولاً اپنے پانچوں بھائیوں کو تہ تیغ کیا۔

صدر اعظم | صدارتِ عظمیٰ پر محمد پاشا ممتاز تھا۔

وقائع | سلیم کے زمانے میں نصرانیوں کے تعلقات سے ترکوں میں شراب کثرت سے پھیل گئی تھی خاص کر انکشاریہ میں۔ مراد نے اس کی بابت امتناعی احکام جاری کئے۔ انکشاریہ نے شورش کی اور اس کو مجبور کر دیا کہ ان کے لئے اس مقدار میں جس سے نشہ نہ پیدا کر دے مباح کر دے۔

۹۸۳ھ میں شاہ بولونیا کے فرانس چلے جانے پر وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی سفیر متعینہ باب عالی کے مشورہ سے ٹرانسلوانیا کے فرماں روا کو جو دولتِ علیہ کا تابع تھا اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس طرح پر بولونیا خود بخود ترکی حمایت میں آگیا۔

معاہدات محمد پاشا صدر اعظم نے جملہ معاہدات کی جو سلطنتوں کے ساتھ تھے تجدید کی۔ فرانس کے ساتھ تعلقات اچھے تھے اس کے سفیر کو دول یورپ کے جملہ سفراء پر باب عالی میں تفوق حاصل تھا اور بجز جمہوریہ وینس کے دیگر یورپین سلطنتوں کے تمام تجارتی جہاز ترکی سمندروں میں صرف فرانسیسی جھنڈا لگا کر داخل ہو سکتے تھے۔ انگلینڈ کی ملکہ ایلزبتھ نے اپنے تجارتی معاہدہ میں یہ حق خاص طور پر حاصل کیا کہ اس کے جہاز انگریزی علم کے ساتھ آسکیں گے۔

مراقش ۹۸۶ھ میں مراقش کا سلطان شریف عبداللہ فوت ہو گیا اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد مستنصر تخت پر بیٹھا۔ اس کی بدلیاقتی کو دیکھ کر اس کا چچا شریف عبدالملک سلطنت کا دعویٰ لے کر اٹھا اور حکومت عثمانیہ سے امداد طلب کی۔ مستنصر نے پرتگالیوں سے اعانت چاہی۔ چنانچہ وہ ایک آبیرو دست بیڑہ تین سو توپوں کے ساتھ لے کر آ گئے۔ باب عالی نے رمضان پاشا والیٔ الجزائر کو مقابلہ کا حکم دیا۔ اس نے وادی سبیل میں پرتگالیوں کو شکست دی۔ جس میں شاہِ پرتگال اور مستنصر معہ بیس ہزار فوج کے مارے گئے۔ عبدالملک ثانی سیادتِ عثمانی میں تخت سلطنت پر آ گیا۔

دیگر فتوحات ایرانیوں کی دراز دستی کی وجہ سے پھر ان کے ساتھ جنگ شروع ہوئی اور ترکی فوجوں نے تفلس اور شماخی فتح کرتے ہوئے قفقاز تک قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں ایران میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ شاہ طہماسپ کو زہر دیا گیا اور اس کی جگہ اسمٰعیل مرزا تخت پر آیا جس نے اپنے آٹھوں بھائیوں کو قتل کرا دیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہ بھی مر گیا۔

اس فرصت میں لالہ مصطفےٰ کی تحریک سے عثمان پاشا نے جا کر گرجستان کو فتح کر لیا اور فرہاد پاشا نے ایرانی فوجوں سے تبریز اور شروان خالی کرا لیا۔

یورپ سے جنگ انکشاریہ کا نظام اس قدر ہو گیا کہ انہوں نے تمرد اور سرکشی اختیار کر لی اور جا بجا قتل و غارت کرنے لگے۔ بعض بعض حکام اور عمال کو بھی مار ڈالا۔ صدر اعظم نے ہنگری کے ساتھ اعلان جنگ کر کے ان کو اس لڑائی میں لگا دیا لیکن وہاں وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اسی اثناء میں رومانیہ اور ٹرانسلوانیا نے دولت شاہ اسٹریا اور قیصر جرمنی کی مدد سے اپنے استقلال کا دعویٰ کر دیا۔ صدر اعظم سنان پاشا خود مقابلے کے لئے گیا اور ان کو شکست دے کر بخارسٹ پر قبضہ کر لیا لیکن انہوں نے پھر مجتمع ہو کر اس کو وہاں سے نکال دیا اور دریائے ڈینیوب سے دھکیلتے ہوئے نیکوپولس تک آ گئے۔

وفات ۱۰۰۳ھ میں مراد نے وفات پائی۔

اوصاف سلطان شاعری میں مشہور تھا۔ ترکی، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ مگر نہایت عیاش جس کی وجہ سے اس کے عہد میں حرم سرا کی بیگمات امور حکومت میں دخل دینے لگی تھیں۔

اولاد ۱۵۳۔ اولاد میں سے مرتے وقت ستائیس بیٹیاں اور ۲۵ بیٹے چھوڑے۔

سُلطان مُحمد ثالث

نام و نسب محمد ثالث ابن سلطان مراد ابن سلطان سلیم۔

تعلیم و تربیت محمد ثالث کی تعلیم بھی رسمی ہوئی مگر طبیعت میں اُس کے شجاعت تھی اور حکمرانی کے اوصاف بھی تھے۔

تخت نشینی سنہ ۱۰۰۳ھ میں باپ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ حکومت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ۱۹ بھائیوں کو قتل کرا دیا اور ان سب کو باپ کے ساتھ ہی دفن کیا۔ مراد کی فضول خرچیوں سے سلطنت پر قرضے کا بار بہت پڑ گیا تھا۔ محمد نے وہ سب قرضے ادا کئے۔

مراد کے اسراف بے جا کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ سلطانی مطبخ کے لئے جو سبزی آتی تھی اس کی قیمت میں سے اسّی ہزار اشرفیاں باقی تھیں۔ اس پر اور دوسرے اخراجات کا اندازہ کیا جائے۔

انتظامِ مملکت محمد ثالث نے دیکھا کہ وزرائے عثمانیہ [illegible] مناصب و وزارت بدلتے ہیں اور جابجا بدانتظامی کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہو رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ ترکی فوج آزمودہ کار امراء کے نہ ہونے سے مسلسل شکستیں کھا رہی تھی اس لئے خود مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے میدانِ جنگ میں پہنچا جس سے فوج میں حمیت اور جرأت پیدا ہو گئی اور اس نے غنیم کا تختہ اُلٹ دیا۔ یہاں تک کہ قلعہ ارلو بھی فتح کر لیا جس کے لینے سے سلطان سلیمان بھی عاجز رہا تھا۔ دشمنوں کو مغلوب کرنے کے بعد ظفرمندی کے ساتھ آستانہ واپس آیا۔ پھر انا طولیہ میں

جو بغاوت پھیلی ہوئی تھی ایک عرصے کی جنگ وجدال کے بعد اس کو فرو کیا۔ اس داخلی شورش میں شاہ عباس نے موقع پا کر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کے مقابلہ کے لئے امیر طرابزون حسن پاشا متعین ہوا۔

وفات اسی حالت میں ۱۰۱۲ھ میں سلطان محمد اڑتیس ۳۸ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

سلطان احمد اوّل

نام ونسب احمد اوّل ابن محمد ثالث ابن سلطان مراد خاں ثالث۔

ولادت ۹۹۸ھ میں سلطان احمد پیدا ہوا۔

تخت نشینی سلطان احمد کی استعداد علمی رسمی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۰۱۲ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

وقائع جب سلطان تخت نشین ہوا اس وقت ملک کی حالت بیحد سقیم تھی۔ کیونکہ حدودِ عجم پر شاہ عباس صفوی اپنی پوری قوت کے ساتھ بڑھتا چلا آرہا تھا اور تبریز کے بعد شماخی، شروان، آقچہ قلعہ اور قارس لے چکا تھا اور مغربی سرحد پر آسٹریا کی فوجیں مصروفِ پیکار تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولایات شرقی میں جا بجا بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں جن کے سرغنہ جان پولاد اور فخر الدین دروزی وغیرہ تھے۔

صدر اعظم خوش قسمتی سے اس وقت دولتِ علیہ کی صدارت پر

مراد شاہ آگیا تھا جو نہایت تجربہ کار امیر تھا جس کی عمر پچاسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے اندرونی بغاوت کی طرف توجہ کی اور اس کے ایک بڑے سرگروہ قلندر اوغلی کو اپنے ساتھ ملا کر انگورہ کا والی مقرر کر دیا۔ جس کی وجہ سے باغیوں کا جتھا ٹوٹ گیا۔ فخر الدین بھاگ کر بادیۂ شام میں پہنچ گیا اور جان پولاد نے آستانہ میں داخل ہو کر معافی مانگ لی۔ سلطان نے اس کی جان بخشی اور تمسوار کی ولایت عطا فرمائی۔

آخر میں یوسف پاشا نے جو اقلیم صاروخاں، منتشا اور آیدین میں علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھا شکست کھائی اور مارا گیا جس سے امن و امان قائم ہو گیا۔

شاہ عباس صفوی سنان پاشا حدودِ عجم کی طرف بھیجا گیا۔ شاہ عباس نے مقابلے کی تاب نہ لا کر صلح کا پیغام بھیجا بشرطیکہ حدود وہی رکھے جائیں جو سلیمانِ اعظم کے زمانہ میں تھے۔ مراد پاشا نے منظور کیا۔ لیکن اسی درمیان میں وہ انتقال کر گیا اور نصوح پاشا صدارت پر آیا جس نے شاہ عباس کی شرطوں پر سنان پاشا کو مصالحت کی ہدایت کی اور یہ اضافہ کیا کہ دو صد خروار حریر ایران سالانہ بھیجا کرے۔

یہ پہلا معاہدہ تھا جس میں دولت علیہ نے خسارہ اٹھایا اور اُس کو اپنے بعض مفتوحہ قلعے اور علاقے چھوڑ دینے پڑے۔

ممالکِ مغرب آسٹریا کے مقابلے کے لئے یاور علی پاشا متعین ہوا تھا، وہ بلغراد پہنچ کر انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ لالہ محمد پاشا بھیجا گیا۔ متعدد معرکوں کے بعد آخر میں حکومت آسٹریا نے ہنگری سے دستبرداری لکھی اور کانیتا پر عثمانی قبضہ تسلیم کیا اور دولت علیہ نے تیس ہزار دوک سالانہ جزیے کی رقم جو آسٹریا سے اس کو وصول ہوتی تھی چھوڑ دی۔ ۱۰۱۵ھ میں ویانہ میں اس عہدنامہ کی تکمیل ہوئی۔ تاریخ میں یہ معاہدہ "ستوانوروک" کے

نام سے مشہور ہے۔

اب اگرچہ ہر طرف سے امن ہو گیا تھا لیکن مالطہ، اسپین اور اطالیہ کی جنگی کشتیاں بحیرۂ روم میں دولت علیہ کی کشتیوں پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ صدر اعظم نے جملہ ترکی کشتیوں کو بحیرۂ روم میں لا کر جمع کر دیا جس کی وجہ سے بحیرۂ اسود میں روسیوں نے غارت گری شروع کر دی۔ اس جرم پر سلطان نے صدر اعظم کو سنہ ١٠٢١ھ میں قتل کرا دیا۔

سنہ ١٠١٩ھ میں ہالینڈ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہوا اور جو مراعات فرنچ اور انگلش تجار کو دی گئی تھیں اس کے تاجروں کو بھی دی گئیں۔ نیز دیگر مغربی سلطنتوں کے ساتھ جو عہد نامے تھے ان کی تجدید ہوئی۔ فرانس کے حقوق میں کچھ اور بھی اضافہ کیا گیا۔

ولندیزی تاجروں کے ذریعے سے اسی زمانے میں ترکی میں تمباکو آیا اور اس کو لوگ استعمال کرنے لگے۔

مفتی اعظم نے اس کی حرمت کا فتویٰ صادر کیا لیکن خود سلطانی لوگوں کے خدام کی مخالفت کی وجہ سے مباح کرنا پڑا۔ برشد

وفات

٢٣ ذی قعدہ سنہ ١٠٢٦ھ مطابق ٢٢ نومبر سنہ ١٦١٧ء کو سلطان احمد نے وفات پائی۔

اس کا بیٹا عثمان اس وقت تیرہ سال کا تھا اس لئے وہ اپنے بھائی مصطفیٰ کے لئے سلطنت کی وصیت کر گیا۔

سُلطان مصطفیٰ اوّل

نام ونسب مصطفیٰ اوّل ابن محمد ثالث ابن مراد خاں ثالث ۔

تخت نشینی مصطفیٰ کو سلطان احمد اپنا جانشین کر گیا تھا۔ کیونکہ اس کا بیٹا عثمان کم عمر تھا۔ مصطفیٰ کی عمر زیادہ تر حرم میں گزری تھی اس وجہ سے ضعیف العقل اور امورِ سلطنت سے بے خبر تھا۔ امراء نے یہ حال دیکھ کر تین ماہ بعد تخت سے اُتار کر عثمان خاں کو بٹھا دیا۔ انکشاریہ کی سعی کو اس واقعہ میں زیادہ دخل تھا۔

سُلطان عُثمان خاں ثانی

نام ونسب عثمان خاں بن احمد اول ابن سلطان محمد ثالث ۔

ولادت عثمان خاں ۱۰۱۳ھ میں پیدا ہُوا۔

تخت نشینی سلطان عُثمان خاں صفر ۱۰۲۷ھ میں انکشاریہ اور امراء کے مشورہ سے تختِ سلطنت پر متمکن ہُوا۔

وقائع عثمان نے عنانِ حکومت کے ہاتھ میں لیتے ہی بولونیا (المستان) کے

امیر نے بغداد کے معاملہ میں دست اندازی شروع کی۔ عثمان نے لشکر کشی کی لیکن اس سے پہلے اپنے بھائی محمد کو قتل کرادیا تاکہ تخت کی طرف سے اطمینان رہے۔ نیز مفتی کے بھی اختیارات محدود کر دیئے تاکہ وہ اس کی معزولی کا فتوےٰ نہ دے سکے۔

بولونیا کی فوج سے پہلا مقابلہ شوک زم میں ہُوا۔ عثمانیوں نے شکست کھائی اور تیس ہزار ترک شہید ہُوئے۔ انکشاریہ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے عثمان مجبوراً صلح کر کے چلا آیا اور دل میں یہ ٹھان لیا کہ انکشاری فوج کو توڑ کر رہے گا۔ چنانچہ ایشیائی ولایت میں جدید فوجیں بھرتی کرائیں اور جب وہ منظم ہوگئیں تو انکشاریہ کو نکالنا شروع کیا۔ انہوں نے بغاوت کر دی اور ۹ رجب ۱۰۳۱ھ میں سلطان مصطفےٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ اور عثمان کو پکڑ کر گھسیٹتے، گالیاں دیتے ہوئے یدی قلعے کے سامنے جا کر قتل کر ڈالا۔ اب انکشاریہ کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ اور جس کو چاہتے منصب دیتے۔

داؤد پاشا صدر اعظم کو بھی جس نے بغاوت میں اُن کا ساتھ دیا تھا خفیف سی مخالفت پر قتل کر دیا۔ امراء ولایت نے یہ دیکھ کر جا بجا اپنے استقلال کے اعلان کر دیئے۔ یوسف پاشا والیٔ طرابلس شام خود مختار ہوگیا اور اباظا پاشا والیٔ ارضِ روم بھی، بلکہ اس نے بڑھ کر سیواس اور انگورہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتنہ و فساد خود دارالخلافہ میں اٹھارہ مہینے تک فتنہ اور فساد کا بازار گرم رہا اور لوٹ مار اور غارت گری جاری رہی۔ آخر میں کمانکش پاشا صدرِ اعظم ہُوا جس نے امن و امان قائم کیا اور مصطفےٰ کو تخت سے اُتار کر سلطان احمد کے تیسرے بیٹے مراد کو بٹھایا۔

٭

سُلطان مُراد رابع

نام و نسب | مراد رابع ابن سلطان احمد

ولادت | مراد ۲۲ رجمادی الاوّل ۱۰۱۸ھ کو پیدا ہُوا۔

تخت نشینی | ۱۲ ر ذی قعدہ ۱۰۳۲ھ کو بعمر چودہ سال سریر آرائے خلافت ہُوا۔

وقائع بغداد | بکیر آغا شحنۂ بغداد نے از راہ تمرد وہاں کے والی کو قتل کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ حافظ پاشا اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ بکیر آغا نے شاہ عباس کو مدد کے لئے بلایا اور وعدہ کیا کہ مَیں شہر کو آپ کے حوالے کر دوں گا بشرطیکہ یہاں کا والی مجھ کو بنا دیں۔
شاہ موصوف فوج لے کر ایران سے روانہ ہُوا۔ ادھر حافظ پاشا کے پہنچنے پر اس کو بھی لکھا کہ اگر تم مجھ کو یہاں کا والی تسلیم کرو تو مَیں دروازہ کھول دوں۔ اس نے منظور کر لیا اور ترکی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ عباس نے پہنچ کر محاصرہ کیا۔ بکیر آغا نے ترکوں سے بے وفائی کر کے ایرانی لشکر کو اندر بلا لیا۔ جس کی وجہ سے عثمانی فوج شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی لیکن شاہ موصوف نے اس جاہل غدار کو اس کی خیانت کی وجہ سے مجمع عام میں قتل کرا دیا۔
۱۰۳۸ھ میں جب عباس نے وفات پائی اور اس کا نوعمر بیٹا شاہ مرزا تخت نشین ہُوا خسرو پاشا ترکی سپاہ دار نے فوج کشی کی اور ہمدان میں داخل ہو گیا۔ جابجا ایرانی مقابلہ کے لئے آئے مگر ہزیمت اُٹھا کر بھاگے۔ خسرو پاشا نے موسم زمستان حلب میں گزار کر اوائل بہار میں بغداد کا محاصرہ کیا لیکن تھوڑے

ہی دنوں کے بعد انکشاریہ نے جنگ سے انکار کر دیا۔ اس لئے بلا فتح کئے واپس چلا گیا۔

انکشاریہ کا تمرد یہاں تک بڑھ گیا کہ اُنھوں نے سُلطان کے سامنے صدر اعظم کو قتل کر ڈالا۔ اس پر مراد کے دل میں ان کی طرف سے غیظ و غضب پیدا ہو گیا۔ اس نے مہاتِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے اور رفتہ رفتہ اُن کا زور توڑ کر اُن کو قابو میں لایا۔ ۱۰۴۵ھ میں ان کو خود لے جا کر اریوان اور تبریز کو فتح کیا اور دوسرے سال بغداد واپس لیا۔ ایرانیوں نے درخواست کی کہ اریوان ہم کو واپس دیدیا جائے۔ بغداد ہم دولت علیہ کے قبضہ میں چھوڑتے ہیں۔ سفراء کی آمد و رفت کے بعد اسی پر باہم مصالحت ہو گئی اور مدت ہائے دراز سے جو عداوت فریقین میں چلی آتی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بولونیا میں بھی بغاوت رونما ہوئی اس لئے اس طرف فوجیں لے کر گیا اور اس کو فرو کیا۔

۱۰۴۹ھ میں مراد نے وفات پائی۔ اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو تدبر اور فتوحات میں یہ دوسرا سلیمان قانونی ہوتا۔ مگر صرف تیس سال کی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔

علمائے عصر سید محمد باقر بن شمس الدین محمد الحسینی الملقب بداماد شاہ عباس اول کا منظورِ نظر تھا۔ وطن استرآباد کچھ عرصہ اصفہان رہا۔ علومِ حکمت کا بڑا ماہر اس کے ساتھ بے بدل ادیب، طبعیات اور الٰہیات میں الافق المبین، الایماضات والتشریقات، الصراط المستقیم، قبلیات تصانیف سے ہیں۔ ۱۰۴۰ھ میں فوت ہُوا۔

سلطان ابراہیم خان

نام ونسب | ابراہیم ابن سلطان احمد اول ابن سلطان محمد ثالث ۔

تخت نشینی | اپنے بھائی مراد خاں کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ چونکہ کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوا تھا اس لئے رسم شمشیر بندی کی غرض سے ہوادار پر سوار ہو کر جامع ایوب کو گیا اور آیا۔

صدر اعظم | قرہ مصطفیٰ جو ایک نامی مدبر تھا، صدر اعظم مقرر ہوا۔ لیکن جنبجی خوجہ کی دراندازیوں سے کچھ عرصہ بعد قتل کر دیا گیا۔

فتح کریٹ | ۱۰۵۱ھ میں یوسف پاشا نے جزیرۂ کریٹ کو فتح کیا۔ اسی زمانے میں بوسینیا میں سخت بغاوت ہوئی اور جمہوریہ وینس نے جزیرہ مدللی پر حملہ کیا۔ ابراہیم ایسا برہم ہوا کہ اس نے سفراء دول کو قید کر دیا اور حکم دیا کہ ممالک محروسہ میں جس قدر سفراء ہیں قتل کر دیئے جائیں مگر مفتی اسعد زادہ نے روکا اور کہا کہ یہ امر شرع مبین کے بالکل خلاف ہے ۔

ابراہیم دن رات بہیمی شہوات اور لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا۔ کبھی قسم قسم کے لباس تیار کراتا، کبھی عنبر جمع کرتا اور کبھی مشعل لے کر سڑکوں پر غلاموں کے ساتھ دوڑتا۔ انکشاریہ نے اس کے عہد میں پھر قوت پیدا کر لی تھی۔ اس نے چاہا کہ ان کے رؤسا کو قتل کرا دے مگر انہوں نے علماء کو اپنے ساتھ ملا کر اس کی معزولی کا فتویٰ لکھا لیا اور ۱۸ رجب ۱۰۵۲ھ میں اس کے بیٹے محمد کو جس کی عمر سات سال تھی تخت پر بٹھا دیا۔

لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ بچہ حکومت کے قابل نہیں ہے ابراہیم کو

واپس لانا چاہا۔ انکشاریہ نے اس خوف سے کہ وہ تخت پر آجائے گا تو ہم سے انتقام لے گا۔ کوشک میں جاکر اس کو قتل کر دیا۔

سلطان محمد رابع

نام ونسب محمد رابع ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد اوّل۔

تعلیم وتربیت محمد رابع کی تعلیم وتربیت سلاطین زادوں کی طرح کی جانے کو تھی کہ اس کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

وقائع محمد کی تخت نشینی کے بعد جنجی خوجہ کے اموال ضبط کر لئے گئے اور وہ قتل کر دیا گیا۔ سلطان کی کم سنی کی وجہ سے انکشاریہ کا تمرد بڑھ گیا۔ انہوں نے رعایا کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ملک کی ابتری کی وجہ سے بری اور بحری فوجوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے عثمانی بیڑے نے دشمنوں سے شکست کھائی۔ ادھر ایشیائے کوچک میں ایک رئیس قاطرچی اوغلی نے سرکشی اختیار کی اور وہاں کے ایک نامی سردار کورجی بنی کو اپنے ساتھ ملا کر احمد پاشا والئ اناطولیہ کو شکست دیدی۔

پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے۔ ان کی جمعیت اس قدر تھی کہ آستانہ پر ان کا قبضہ ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا مگر ان دونوں میں آپس میں ناچاقی ہو گئی جس کی وجہ سے قاطرچی اوغلی نے کورجی بنی کا سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ سلطان نے اس کو قرہ مان کا والی مقرر کر دیا جس سے اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

کوپریلی جمہوریہ وینس کے جنگی جہاز دردانیال کے دہانہ پر آگئے۔ انھوں نے جملہ تجارتی جہازوں کو اندر جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے آستانہ میں ہر چیز گراں ہوگئی اور لوٹ مار ہونے لگی۔ اس وقت محمد پاشا جو ترکی تاریخ میں کوپریلی کے لقب سے مشہور ہے صدارت پر بلایا گیا۔ ہر چند کہ اس کی عمر پچانوے سال کی ہوچکی تھی لیکن اُس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ سب سے پہلے انکشاریہ کو جو فساد کا سرچشمہ تھے بہت سے سرغنوں کو قتل کر کے قابو میں کیا۔ پھر رومی بطریک کو جس کے اغواء سے وینس کا بیڑہ حملہ آور ہوا تھا پھانسی دی۔ اس کے بعد جنگی کشتیاں ساز و سامان سے درست کر کے مقابلہ کے لئے بھیجیں جنہوں نے ایک سال کی کوشش کے بعد وینس کے جہازوں کو شکست دے کر بھگا دیا اور وہ جزائر اور مقامات واپس لے لئے جن پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

ٹرانسلوانیا اور رومانیہ میں بھی اضطرابات تھے۔ ان کو اطاعت کرنے پر مجبور کر کے عہد نامے لکھوائے اور اندرونِ ملک میں جو جو فتنے تھے سب فرو کئے۔ کوپریلی ۱۰۷۲ھ میں انتقال کر گیا۔ سلطان محمد نے اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد پاشا کوپریلی کو صدارت کا منصب عطا کیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح شجاع، صائب الرائے اور عالی ہمت تھا۔ اسی کے زمانے میں جنوبی روس کے باشندے قوازق دولتِ علیہ کی حمایت میں آ گئے۔ نیز بولونیا نے یوکرین پر حملہ کر دیا تھا وہاں کے والی نے سلطان سے مدد طلب کی۔ ۱۰۸۲ھ میں احمد پاشا فوج لے کر گیا۔ سلطان بھی ساتھ تھا۔ بولونیا نے شکست کھائی اور یوکرین نے دولتِ علیہ کی سیادت قبول کی۔

یہ ہوشمند وزیر پندرہ سال دیانت کے ساتھ سلطنت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۰۸۷ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد کوپریلی کا داماد قرہ مصطفےٰ پاشا صدارت پر آیا۔ اُس نے آسٹریا میں جا کر ویانا کا محاصرہ

کیا۔ قریب تھا کہ اس کو فتح کر لے کہ اہلِ بولونیا نے اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے شکست کھا گیا۔

مقدس عہد | ویانا پر ترکوں کی شکست سے یورپ بھر میں خوشی منائی گئی اور آسٹریا، بولونیا، جمہوریہ وینس، رہبان مالٹہ پاپائے روم اور سلطنت روس سب نے مل کر باہم "مقدس عہد" باندھا کہ عثمانیوں کو یورپ سے نکال دیں۔ متعدد مقامات پر انہوں نے فتوحات بھی حاصل کیں۔ آسٹریا نے ہنگری واپس لے لیا اور وینس نے جزیرہ نمائے مورہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے ابراہیم پاشا کو برطرف کر کے سلیمان پاشا کو صدارت پر بلایا۔ اس نے بوداپست پر لشکر کشی کی لیکن کامیاب نہ ہُوا۔ اس لئے اس کی جگہ سیاوش پاشا مقرر ہُوا مگر فوج اس سے خوش نہ تھی۔ چنانچہ مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر کے آستانہ کی طرف آئی۔

انکشاریہ نے اپنی دیگیں میدان میں لا کر ڈال دیں جو اُن کی بغاوت کی علامت تھی۔ محمد اپنے تفریحی مشاغل اور شکار میں مصروف تھا۔ سلطنت کے معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا اس وجہ سے ارکانِ دولت نے مفتی سے اُس کی معزولی کا فتویٰ لے کر تخت سے اُتار دیا اور اُس کے بھائی سلیمان کو سلطان بنا دیا۔

سلطان سلیمان ثانی

نام و نسب | سلیمان ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں۔

ولادت سلیمان کی ولادت ۱۰۵۲ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی اپنے بھائی محمد رابع کی معزولی کے بعد ۱۰۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔

وقائع انکشاریہ نے سیاوش پاشا کو قتل کر کے اس کا گھر لوٹ لیا اور بہت سے امیروں اور وزیروں کو مار ڈالا اور نکال دیا۔ نیز شہر کے تاجروں اور دولت مندوں کو لوٹنے لگے۔ ایک دوکاندار نے جھنڈا کھڑا کیا جس کے نیچے ہزاروں آدمی آکر جمع ہو گئے۔ ان سب لوگوں نے جا کر سلطان سے فوج کے مظالم پر فریاد کی۔ اس نے بڑی مشکلوں سے ان کی دست درازی کو روکا۔

آسٹریا دارالخلافہ کے اس خلفشار کی وجہ سے مخالفین کو موقع مل گیا چنانچہ آسٹریا کی فوجوں نے بلغراد فتح کر لیا اور نیش تک آگئیں سلطان نے مشہور وزیر کوپریلی کے پوتے مصطفٰے کو صدارت پر طلب کیا۔ اُس نے سب سے پہلے فوج کو ہاتھ میں لیا اور اُس کو لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ جا بجا دشمن کو شکست دی۔ روم ایلی کے جو مقامات نکل گئے تھے واپس لے لئے اور مصطفٰی کے ہاتھوں دولتِ عثمانیہ کا گیا ہوا وقار لوٹ آیا اور مملکت پر رُعب و داب پھر قائم ہو گیا۔

وفات سلطان سلیمان ثانی نے ۱۱۰۲ھ میں مرضِ استسقاء میں وفات پائی۔

اوصاف سُلیمان عابد و زاہد اور علم دوست تھا۔

سُلطان احمد ثانی

نام ونسب | احمد ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد۔

ولادت | احمد کی ولادت سنہ ۱۰۵۳ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سُلیمان کے مرنے پر سنہ ۱۱۰۲ھ میں سریر آرائے خلافت ہُوا۔ اس نے تمام مہاتِ ملکی کو وزیر کوپریلی کی رائے پر چھوڑ دیا مگر اس کی عمر نے دفا نہ کی۔ وہ سنہ ۱۱۰۳ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد عربہ جی پاشا اس کی جگہ صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہُوا۔

وقائع | جمہوریہ وینس نے جزیرۂ ساقز پر قبضہ کر لیا تھا اور روس بھی برسرِ پیکار تھا۔

وفات | ۲۱ ذی قعدہ سنہ ۱۱۰۶ھ میں احمد کا بھی انتقال ہوگیا۔

سُلطان مصطفیٰ ثانی

نام ونسب | مصطفیٰ ثانی ابن سلطان محمد رابع

ولادت | ۸ ذی قعدہ سنہ ۱۰۷۴ھ میں مصطفیٰ پیدا ہُوا۔

محاربات | پیٹر اعظم زار روس نے ازاق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو فتح کر کے بحیرۂ اسود میں روسی بندرگاہ بنالے۔

سلطان مصطفیٰ نے پہنچ کر اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر ہنگری پر حملہ کیا اور قلعہ لیپا فتح کرتے ہوئے مقام لوگوس میں جنرل فترانی ہنگری کے سپہ سالار کو سخت شکست دے کر مع چھ ہزار سپاہیوں کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

۱۱۰۷ھ میں اولاش میں آسٹریا پر فتح حاصل کی جس کے بعد وہاں کا مشہور سپہ سالار اوجین دی سافوا مقابلہ کے لئے آیا۔ اس نے ترکوں پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جبکہ وہ دریائے ونیس کو عبور کر رہے تھے۔ نہایت ابتری پھیلی۔ بہت سے ترک مقتول اور بہت سے غرق ہو گئے۔ صدر اعظم الماس پاشا بھی مارا گیا اور اگر سلطان دریا کے اس پار نہ ہوتا تو وہ بھی نہ بچتا۔ اس کے بعد اوجین نے بوسینیا پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر پیٹر اعظم نے ازاق پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانی دو طرف سے خطرہ میں پڑ گئی۔ اِدھر آسٹریا، اُدھر روس، لیکن حسین پاشا کوپریلی صدرِ اعظم نے آسٹریا کی پیش قدمی کو بقوت روک دیا۔ یہاں تک کہ بوسینیا بھی خالی کرا لیا۔ نیز امیر البحر ترکی نے جزیرۂ روڈس جمہوریہ وینس سے واپس لیا۔ آخر ۱۱۱۱ھ میں دولت علیہ کا روس، آسٹریا، وینس اور پولونیا کے ساتھ معاہدہ ہُوا جو عہد نامہ روفتش کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ترکوں، ہنگری اور ٹرانسلوانیا آسٹریا کے لئے، یوکرین پولونیا کے لئے، ازاق روس کے لئے اور جزیرہ نمائے مورہ اور اقلیم ڈلماسیا وینس کے لئے چھوڑنا پڑا۔ نیز یہ کہ آسٹریا آئندہ ترکی کو کوئی رقم بطور جزیہ کے نہیں دے گا۔

مسئلہ شرقیہ اس مسئلہ کا آغاز اگرچہ پہلے سے ہو چکا تھا لیکن اس معاہدے کے بعد دول یورپ کے مطامع ترکی املاک کی طرف بڑھ گئے اور دریا نے وینس کی شکست کے بعد ترکی فوجوں کا اہلِ مغرب پر جو رُعب تھا وہ جاتا رہا۔ اس لئے کہ ان دولتوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ نہ صرف یہ ترکوں کو آگے بڑھنے سے روکیں بلکہ رفتہ رفتہ یورپ سے خارج کر دیں تاکہ اسلام

مسیحیت کا حریف نہ ہو سکے۔

یہی وہ مسئلہ ہے جو مسئلہ شرقیہ کے نام سے موسوم ہے اور جو حقیقتاً بالکل مذہبی ہے۔ مگر کمزور مسیحی اقوام کی حمایت کے نام سے اس پر سیاسی پردہ ڈالا گیا۔

صدر اعظم حسین پاشا نے ملک کو خطرات سے گھِرا ہُوا دیکھ کر نہایت ہمت اور فرزانگی سے داخلی اصلاح کی طرف توجہ دی تاکہ اقتصادی حالت کی درستی سے فوجی قوت میں اضافہ ہو۔ اس نے خصوصیت کے ساتھ مسیحی رعایا کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مراعات برتیں تاکہ دشمنانِ دولت کو اپنے وسائس سے اُن میں بغاوت پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔

حسین پاشا حسین پاشا نے ملک کی انتظامی حالت بہت کچھ ٹھیک کر لی تھی اور سب کو اُمیدیں ہو گئی تھیں کہ وہ دولتِ علیہ کی قوت اور شوکت کو پھر تازہ کر دے گا۔ لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کی دراندازیوں سے جو سلطان کا استاد تھا، حسین پاشا کو صدارت چھوڑنا پڑی۔ اس کی جگہ مصطفےٰ پاشا آیا جو چاہتا تھا کہ معاہدہ کارلوفتش کو توڑ کر آسٹریا پر فوج کشی کرے۔

شیخ الاسلام نے اس کو بھی برطرف کر دیا اور اپنے ایک خاص دوست رامی پاشا کو صدارت دلوائی جس نے شیخ الاسلام کے چاروں بیٹوں کو بڑے بڑے مناصب پر مقرر کر دیا۔ انکشاریہ اور دیگر امراء نے رامی پاشا کی مخالفت کی اور سلطان سے اس کی معزولی کے خواہاں ہوئے۔ اس نے شیخ الاسلام کے دباؤ سے انکار کر دیا جس پر انہوں نے ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں سلطان کو معزول کر کے اس کے بھائی احمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

سُلطان احمد ثالث

نام ونسب | احمد ثالث بن سلطان رابع ثانی۔

ولادت | ۳ر رمضان ۱۰۸۳ھ میں احمد پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت | احمد ثالث کا طبعی رجحان عیش وعشرت کی طرف بچپن سے تھا۔ تحصیل علم میں کم توجہ رہی۔

اس کے تخت پر بیٹھتے ہی انکشاریہ نے شیخ فیض اللہ کو قتل کر ڈالا۔ سلطان نے اپنے داماد حسن پاشا کو صدرِ اعظم مقرر کیا۔ اس نے امن وامان قائم کیا۔

علمی ترقی | حسن پاشا نے بہت سے مدرسے کھولے اور علماء کی سرپرستی کی اور ترسانہ یعنی کارخانہ جہاز سازی کو ترقی دی۔

پیٹر اعظم | زارِ روس پیٹر اعظم نے اپنے ملک کے سامنے لائحہ عمل رکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جس قدر ممکن ہو ہم ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف قسطنطنیہ کے قریب تر ہوتے جائیں۔ کیونکہ ہندوستان کی دولت جس کے پاس ہو وہ تمام دُنیا سے بے نیاز ہے اور قسطنطنیہ پر جس کا قبضہ ہو وہ تمام عالم پر حکومت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے سویڈن کے بادشاہ شارل دوازدہم کے ساتھ جنگ شروع کی تاکہ درمیانی سلطنتوں کو کمزور کر کے قسطنطنیہ کے لئے اپنا راستہ صاف کرے۔ شارل نے ترکوں سے ہر چند اعانت طلب کی لیکن بابِ عالی نے کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ وہ اس قدر بہادر تھا کہ روسیوں نے متعدد شکستیں دی تھیں اور دولتِ علیہ نے اس کی مدد کی ہوتی تو غالبًا ماسکو پر قابض ہو جاتا

آخر میں بولتاوا پر شکست کھا جانے کے بعد بامید امداد وہ عرصہ تک ترکی علاقہ میں پڑا رہا مگر جب کوئی صورت نہ دیکھی تو چلا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد جب بلطجی محمد پاشا صدارت پر آیا تو روس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ محمد پاشا نے دو لاکھ فوج کے ساتھ پیٹر اعظم اور اس کی ملکہ کیتھرائن کو دریائے پروت کے متصل ایک قلعہ میں محصور کر گیا۔ لیکن ملکہ مذکور نے اپنے زیورات اور جواہر اس کی خدمت میں بھیج دیئے۔ جس کی وجہ سے اس نے ۹ رجمادی الثانی ۱۱۲۳ھ کو پیٹر سے صرف یہ معاہدہ لکھوا کر کہ وہ قوزاق کے معاملات میں دخل نہ دے گا محاصرہ اٹھا لیا۔

سلطان نے اس خیانت پر اُسے معزول کر دیا اور یوسف پاشا کو صدر بنایا جو صلح پسند تھا اُس نے روس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ فریقین میں ۲۵ سال تک جنگ نہ ہوگی۔ مگر چند ہی مہینوں کے اندر بوجہ اس کے کہ پیٹر نے معاہدہ مذکور کی بعض شرطوں کو پورا نہ کیا جنگ چھڑ گئی۔ ہالینڈ اور انگلینڈ نے اپنے تجارتی خطرے کی وجہ سے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور معاہدہ ہوا جس میں روس کو بحیرۂ اسود پر کوئی بندرگاہ نہ دی گئی۔

بغاوت ۱۱۲۷ھ میں جمہوریہ وینس کی حمایت سے مانٹی نیگرو نے بغاوت کی۔ صدر اعظم علی پاشا نے فوجیں لے کر جزیرہ مورہ اور اس کے سارے عثمانی علاقے پر قبضہ کر لیا جو اُس نے دبا رکھا تھا۔ وینس نے فرانس اور آسٹریا سے امداد چاہی پرنس اوجین فوج لے کر آیا۔ علی پاشا مقابلہ میں مارا گیا اور ترک شکست کھا گئے۔

پرنس مذکور تمسوار اور بلغراد لیتا ہوا نیش تک آ گیا۔ اُس وقت انگلینڈ اور فلمنگ نے مصالحت کرا دی جس میں بلغراد اور سرویا کے ایک بڑے حصے سے دولت علیہ کو دستبردار ہونا پڑا۔

علی پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا صدرِ اعظم ہوا جو سلطان کا رشتہ دار تھا۔

اُس نے باسفورس کے ساحل پر عالی شان محلات تعمیر کرائے اور ان میں باغات لگائے۔ روزانہ طرب ونشاط کی محفلیں کرتا تھا جس میں خود سلطان بھی شریک ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر ارکانِ سلطنت میں عیش پرستی کا مرض پھیل گیا تھا۔

وقائع ایران اس زمانے میں میراشرف کے تغلب سے شاہ ایران طہماسپ خراسان کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ترکی فوجوں نے یورپ کے نقصان کی تلافی کے لئے آرمینیہ اور گرجستان پر قبضہ کر لیا۔

شاہ طہماسپ نادرخاں کو ساتھ لے کر اصفہان کی طرف آیا اور میراشرف کو شکست دے کر اپنے آبائی تخت پر قابض ہو گیا۔ پھر بابِ عالی میں سفیر بھیجا کہ جو حصے ایران کے لے لئے گئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں۔

صدرِ اعظم اور سلطان دونوں اپنے عیش میں مصروف تھے کسی نے کوئی توجہ نہ کی، طہماسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ترکی فوجوں کو مار کر نکال دیا۔ اس وجہ سے امراء انکشاریہ نے صدر اعظم کو قتل کر کے اُس کے اموال لُوٹ لئے اور سلطان کو مخلوع کر کے اس کے بھتیجے محمود کو تخت نشین کر دیا۔

پہلا مطبع سُلطان احمد کے زمانے میں ترکی سلطنت میں پہلا مطبع قائم کیا گیا۔ اس کے کھولنے کی اجازت مفتی اعظم نے اُس وقت دی جب یہ شرط کر لی کہ اس میں قرآن شریف نہ چھپے کیونکہ موصوف کو تحریف کا خطرہ تھا۔

سُلطان محمود اوّل

نام ونسب محمود اوّل ابن سلطان مصطفیٰ ثانی۔

ولادت محمود کی ولادت ۳ محرم ۱۱۰۸ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت محمود اوّل نے شاہانہ طور وطریق سے تعلیم وتربیت پائی علمی استعداد معقول تھی۔ فنونِ حرب سے دلی لگاؤ تھا۔

تختِ سلطنت سلطان احمد کے مخلوع ہونے کے بعد محمود اوّل جو سلطان کا برادر زادہ تھا ۱۱۴۳ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

سلطان احمد کو بطرونہ خلیل حجام نے مخلوع کرایا تھا وہی مہماتِ سلطنت پر قابض ہوگیا۔ محمود نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے بطرونہ خلیل کو قتل کرادیا۔

صدرِ اعظم سلطان محمود اوّل نے طوبال عثمان پاشا کو صدرِ اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

فتنہ نادر شاہ ایران میں نادر شاہ افشار حکمران تھا۔ اس نے ملک گیری کی ہوس میں بغداد پر چڑھائی کردی۔ سلطان نے طوبال پاشا کو مقابلے پر بھیجا۔ مگر طوبال اس معرکہ میں کام آیا۔ نادر نے آگے بڑھ کر موصل پر ترکوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ترک گھونگھٹ کھا گئے۔ آخر ۱۸ جمادی الاوّل ۱۱۴۹ھ میں تفلس کے مقام پر باہمی عہدِ مصالحت ہوگیا جس میں دو سلطنتوں کے حدود وہ رکھے گئے تھے جو مراد رابع کے زمانے میں ۱۰۳۹ھ کے معاہدے میں طے ہوئے تھے۔

رُوس و آسٹریا نادر شاہ اور محمود کی معرکہ آرائی سے فائدہ اُٹھا کر رُوس نے حدودِ عثمانیہ میں فوج کشی کی۔ سلطان نے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیج دیں۔ روس نے آسٹریا کو بھی شریک کر لیا تھا۔ لیکن علی پاشا والی بوسنیا اور کر پریلی پاشا نے نیش میں رُوسیوں کی ایسی پٹائی کی کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ علی پاشا نے آگے بڑھ کر بلغراد پر قبضہ کیا۔ صدر اعظم یکن پاشا نے دوسری طرف سے رُوسیوں کو آگھیرا۔ سمندرہ مقام پر ان کی تیغ و تفنگ سے خوب طرح مدارات کر دی۔ خان کریمیا اور سر عسکر عثمان پاشا نے بھی روسیوں کو قتل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

غرضیکہ روسی اور اسٹریا والے پٹ چکے تو فرانسیسی سفیر کے توسط سے سلطان سے صُلح کی۔ ۱۴ر جمادی الثانی ۱۱۵۳ھ کو عہدِ مصالحت لکھا گیا جس میں اسٹریا نے بلغراد اور روس نے ازاق سے دست برداری لکھی۔ نیز یہ کہ روس کو بحیرۂ اسود میں کسی جنگی کشتی رکھنے کا حق نہ ہو گا۔

محاربات عجم نادر شاہ نے پھر دوبارہ ۱۱۵۶ھ میں بغداد پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ یکن پاشا اس کو شکست دے دیتا لیکن وہ یکا یک تپِ محرقہ میں مُبتلا ہُوا اور فوت ہو گیا جس کی وجہ سے نادر شاہ کے مقابلہ میں تُرکی فوج نے ہزیمت اُٹھائی اور دولتِ علیہ نے مصالحت کر کے نادر کی یلغار سے تُرکی علاقہ کو بچایا۔ نادر شاہ نے سلطان محمود کے پاس بوجہ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بار بار درخواست کی کہ مذہب جعفری پانچواں مذہب تسلیم کیا جائے اور خانہ کعبہ میں چار مصلّوں کے علاوہ پانچواں مصلّٰی جعفری بھی بڑھایا جائے۔ سلطان نے شیخ الاسلام سے مشورہ کیا۔ انھوں نے انکار کر دیا کہ یہ نادر نیا فتنہ خانہ کعبہ میں اُٹھانا چاہتا ہے۔

انتظامِ سلطنت سلطان محمود نے ان محاربات سے فراغت حاصل کر کے اپنی تمام توجہ ملک کے اندرونی انتظامات کی طرف

مبذول کی اور نو سال تک لگاتار علمی اور اقتصادی ترقی دینے میں مشغول رہا۔

قیام کتب خانہ سلطان علمی ذوق رکھتا تھا اس نے ایا صوفیہ اور جامع محمد فاتح میں عظیم الشان کتب خانے قائم کئے اور دور دور سے کتابیں منگوائیں۔ کتب خانہ کی طرف سلطان نے خاص توجہ کی تھی۔

جامع نورِ عثمانیہ مدارس و مکاتب سلطان نے اپنے قلمرو میں کثرت سے جاری کئے اور نورِ عثمانیہ نامی ایک جامع بھی تعمیر کرائی۔

وقائع فرانس ۱۱۵۴ھ میں اسٹریا کے بادشاہ کی وفات پر اس کی بیٹی تخت پر بیٹھی۔ شاہ فرانس نے اپنی پرانی عداوت کی بنا پر بعض دول مغرب کو ملا کر اسٹریا کے تقسیم کے ارادے سے اسٹریا پر فوج کشی کر دی اور سلطان محمود سے بھی استدعا کی کہ اس موقع پر اگر دولت علیہ بھی حملہ کر دے تو ہنگری اس کو مل جائیگا جس سے روسی پیش قدمی کا خرخشہ جاتا رہے گا۔ ورنہ روس سلطنت عثمانیہ کے لئے آگے چل کر خطرناک دشمن ثابت ہوگا۔ مگر سلطان نے کوئی توجہ نہ دی اور وہی ہوا جو شاہِ فرانس نے کہا تھا۔

وفات سلطان ۱۱۶۸ھ میں جمعہ کی نماز سے واپس آتے ہوئے راہ میں مرگِ ناگہانی کا شکار ہوا۔

اوصاف سلطان شجاع اور بہادر ہوتے ہوئے رحم دل بہت تھا۔ خلق اور سخاوت کی شہرت تھی۔

سلطان عثمان ثالث

نام ونسب | عثمان پسر سلطان مصطفیٰ ثانی

ولادت | عثمان کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی ۔

تعلیم و تربیت | معمولی درجہ تعلیم پائی اور اوائل عمر سے لہو ولعب میں مبتلا تھا۔ شطرنج سے دلی رغبت تھی ۔

تخت سلطنت | ۱۱۶۸ھ میں سریر آرائے سلطنت ہُوا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر رعایا کی فلاح کی طرف متوجہ ہُوا۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر دریافتِ حالات کے لئے نکلتا تھا۔ طبیعت میں تلون تھا۔ خفیف باتوں پر امراء سے بدگمان ہو جاتا تھا۔ اس کے عہد میں کوئی اہم بیرونی واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ آستانہ میں آتشزدگی کے واقعات کثرت سے رونما ہُوئے جس سے سخت نقصان ہُوا۔

سلطان کو گھوڑوں سے زیادہ دلچسپی تھی اس کا ایک گھوڑا مر گیا تو اُس نے اسکدار میں نہایت مکلف اس کی قبر بنوائی۔ جانوروں سے اُس کو بے حد دلچسپی تھی حتیٰ کہ اُن کا عاشقِ زار تھا۔

صدرِ اعظم | اس عہد سہ سالہ میں سات وزیر لائے گئے۔ آخری محمد راغب پاشا تھا جو علم دوست اور مدبر تھا۔ اُس نے اپنے زمانہ میں سلطنت کے انتظام کو سنبھالے رکھا ۔

وفات | سلطان عثمان ثالث نے ۱۶ صفر ۱۱۷۱ھ کو وفات پائی ۔

اوصاف | عثمان دنی الطبع، بدخلق اور وہمی تھا ۔

سلطان مصطفیٰ ثالث

نام ونسب مصطفیٰ ثالث ابن سلطان احمد ثالث۔

ولادت مصطفیٰ کی ولادت ۱۱۲۸ھ میں ہوئی۔

تخت سلطنت صدر اعظم راغب پاشا نے مصطفیٰ کو ۱۱۷۱ھ میں عثمان ثالث کے مرنے کے بعد تخت نشین کیا۔

وقائع راغب پاشا راغب پاشا نے عثمان کے زمانے سے انتظام سلطنت ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ ملک کے اندرونی انتظامات بہت کچھ درست کر لئے تھے۔ مدرسے اور کتب خانے جگہ جگہ قائم کئے مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ ۱۱۷۶ھ میں انتقال کر گیا۔

وقائع روس روس نے اس زمانے میں اپنے ملک میں بڑی اصلاحات کیں۔ ہر شعبہ میں ترکی کی فوج کو جدید آلات حرب سے آراستہ کیا جس سے اس کی قوت دوگنی ہوگئی۔ اُس نے ۱۱۸۳ھ میں آسٹریا اور ریوشیا کو متحد کر کے دولت عثمانیہ کے قلمرو پر دھاوا بول دیا اور فتوحات حاصل کرتا ہُوا رومانیہ تک آگیا۔ دوسری طرف اس کے فرستادوں نے جزیرہ مورہ میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ روسی بیڑے نے بحیرہ بالٹک سے مغربی سواحل کو قطع کرتے ہُوئے یونان کی بندرگاہ کرادن پر پہنچ کر لنگر ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورہ کے لوگ باغی ہوگئے مگر عثمانی فوج نے بقوت بغاوت کو فرو کیا۔

ترکی بیڑے کی تباہی روسی بیڑے نے ترکی بیڑے کو آلیا مگر شکست کھا

گیا۔ مگر اس کی دو تار پیڈو کشتیاں خلیج چشمہ میں پہنچ گئیں جنہوں نے ازمیر کے متصل عثمانی بیڑے کو ایک طرف سے غرق کر دیا۔

روسی امیر البحر الفنسٹن نے ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرے۔ اس سے پہلے اس نے جزیرہ لمنوس پر قبضہ کیا اور اسے بحری مرکز بنایا۔

اس فرصت میں ہنگری کے ایک سپہ سالار بیرن دی توت نے جو دولت علیہ کی ملازمت میں تھا۔ درد انیال کے قلعوں کو مستحکم کر کے بھاری توپوں سے قلعوں کو آراستہ کر دیا اور متعدد تجارتی جہازوں کو توپوں سے مسلح کر کے جنگی بنا لیا۔ اس کے علاوہ اس نے فوراً ایک کارخانہ توپ سازی قائم کیا جہاں توپیں ڈھلنے لگیں اور جہاز سازی کا کارخانہ بھی قائم کر دیا۔ اس کے ساتھ توپ کے استعمال اور جدید بحری فنونِ حرب کے لئے ایک مدرسہ کھول دیا جس میں ترک جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

اس مدرسہ سے تھوڑے عرصہ میں امرائے ترک کثیر التعداد بحری جنگ کے واقف کار ہو کر نکلے۔ انہی میں سے قبودان حسن بک تھا جس نے دوسرے سال روسیوں کے امیر البحر کو جزیرہ لمنوس سے نکال باہر کیا اور اس کو ایسی شکست دی کہ وہ اپنی امیر البحری بھول گیا۔

امیر سلیم کرائی خاں کی غداری

روسیوں نے دیکھا کہ ترک پورے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو امیر سلیم جو دولت علیہ کا ماتحت تھا اُس کو گانٹھا اور وعدہ کیا کہ ہم تم کو مستقل امیر تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ وہ فریب میں آ گیا اور اس نے اپنے دونوں لڑکوں کو سینٹ پیٹرسبرگ میں ملکہ کیتھرائن کے پاس بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا۔ مگر رُوسیوں نے کریمیا میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور وعدہ پورا نہیں کیا۔ اب سلیم کرائی کی آنکھ کھلی اور اپنی غلطی پر نادم ہو کر دولتِ علیہ کے پاس پناہ گیر ہوا۔ یہ تھا نصرانیوں کا کیریکٹر۔

غرضیکہ روسی فوجیں بڑھتی ہوئی بلقان تک آگئیں۔ اُس وقت اُنھوں نے شرائط صلح پیش کیں۔ لیکن وہ نہایت سخت تھیں اس لئے قبول نہیں کی گئیں۔ آخرش ترک جمع کر روس کے مقابل آئے۔

مصر میں بغاوت روسیوں نے علی بک والی مصر کو ورغلایا اور اس کو بھی آزادی کا سبز باغ دکھا کر دولت علیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اس نے شام کے شہر غزہ، نابلس، بیت المقدس یافا اور دمشق وغیرہ فتح کر لئے۔ چاہتا تھا کہ اناطولیہ پر حملہ آور ہو لیکن خود مصر میں ممالیک میں سے ایک امیر محمد بیک ابوذہب نے مقابلہ کیا۔ روسی علی بک کے ساتھ تھے۔ ابوذہب نے شکست دی اور غدار علی بک کا سر اُتارا اور روسی افسروں کو گھیر کر گرفتار کیا اور اُن کے سر کاٹ کر علی بک کے سر کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ بھیج دیئے۔

وفات سلطان پر پیہم شکستوں اور بغاوتوں کے تردداتکا بڑا اثر تھا ان ہی واقعات سے متاثر ہو کر ۹ ذیقعدہ شوال ۱۱۸۷ھ میں انتقال کر گیا۔

اوصاف سلطان سخت حریص اور خسیس تھا۔ لیکن جنگِ روس میں اپنا سارا جمع کردہ سرمایہ صرف کر دیا۔

یادگار ایک جامع اس کی یادگار ہے جو سلطان مصطفیٰ نے اپنی والدہ کی قبر پر بنوائی تھی اور جامع محمد فاتح کی مرمت کرائی۔

سُلطان عبدالحمید اوّل

نام ونسب عبدالحمید اوّل پسر سلطان احمد ثالث۔

ولادت عبدالحمید کی ولادت ۱۱۳۷ھ میں ہوئی۔

تخت سلطنت ۱۱۸۷ھ میں سلطان مصطفیٰ کے انتقال کر جانے پر عبدالحمید سریر آرائے سلطنت عثمانیہ ہُوا۔

سلطنت کی زبوں حالی عبدالحمید جب تخت نشین ہُوا تو ملک زوال کی طرف جا رہا تھا۔ اندرونی بغاوتیں رونما ہو رہی تھیں بیرونی جنگوں نے سلطنت کی حالت نہایت سقیم کر رکھی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ چنانچہ سلطان نے اپنے جلوس کے وقت فوج کو حسبِ دستور کوئی انعام نہیں دیا۔ روس پوری قوت سے جنگ میں مشغول تھا۔

صُلح صدر اعظم نے روسی فیلڈ مارشل رومانزوف سے مجبورًا بخارسٹ کی شرائط پر جن کو مصطفیٰ ثالث نے نامنظور کر دیا تھا صلح کر لی۔ ۱۴ر جولائی ۱۷۷۴ء میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی۔ اس کی رُو سے گرجستان و چرکس معہ قلعہ اذاق کے روس کو دیدیئے گئے اور کریمیا دولتِ عثمانیہ کی سیادت سے نکال کر ایک مستقل سلطنت بنا دیا گیا۔

وقائع ملک کی ابتری دیکھ کر صدر اعظم نے اس کے انتظام میں خاص توجہ کی۔ اس اثناء میں کریم خاں زند نے جو تختِ ایران پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر عراق پر حملہ کر بیٹھا اور بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان پاشا والی بغداد نے ہمتِ مردانہ سے کام لے کر کریم خاں سے

دو، دو ہاتھ کئے۔ چند معرکوں کے بعد بصرہ سے اُس کو مار بھگایا۔

فتنۂ رُوس رُوس نے محاربہ عجم و ترکی سے فائدہ اُٹھا کر ۱۱۹۸ھ میں کریمیا میں کردوں سے بغاوت کر کے اپنی فوج بھیج دی اور کریمیا کو قبضہ میں لے آیا۔ اس کے بعد روس اور آسٹریا نے ترکی مملکت کو آپس میں تقسیم کر لینے کا منصوبہ باندھا تو انگلستان کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور وہ بھی تقسیم میں حصّہ دار بن گیا۔

صدرِ اعظم خلیل پاشا نے روس اور آسٹریا کی سازش سے مطلع ہو کر فرح علی پاشا کو قفقاز بھیجا۔ اُنھوں نے دانش مندی سے وہاں کے مسلمانوں کی تنظیم کر کے ایک عظیم الشان جمعیت تیار کر لی اور کریمیا کو فتح کرنا چاہا مگر خودغرض امراء نے حسد سے اُس کے خلاف سلطان کو بھڑکا دیا۔ چنانچہ سلطان نے منصب سے اس کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

رُوس اور آسٹریا ۱۲۰۱ھ میں روس نے پھر ترکوں سے جنگ شروع کر دی اس کی ہمنوائی میں آسٹریا بھی حملہ آور ہُوا۔ ترکوں کو دونوں سے ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ آسٹریا کے محاذ پر صدرِ اعظم خواجہ یوسف پاشا خود فوجِ گراں کے ساتھ گیا اور شکست پر شکست دے کر پچاس ہزار آسٹریوں کو گرفتار کر لیا اور مقتولوں کے ڈھیر میدانِ جنگ میں لگا دیئے۔

اس معرکہ میں ترکوں نے بڑی دادِ شجاعت دی مگر روس کے مقابل جو ترکی فوج تھی وہ ہزیمت اُٹھا گئی۔ اس درمیان میں سویڈ کے ساتھ روسیوں کی جنگ چھڑ گئی۔

وفات جنگ کا فیصلہ ابھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۲۰۳ھ میں عبدالحمید اول کا انتقال ہو گیا۔

اوصاف یہ سلطان نیک دل تھا اور خوش عقیدہ تھا مگر سیاست اور اصولِ حکومت سے بے خبر تھا۔

سیاسی حالت | ترکوں کی سیاسی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لقمۂ تر سمجھ کر روس اور آسٹریا ترکی حکومت کے حصے بخرے کرنا چاہتے تھے۔ ادھر ترکوں میں پہلا سا مجاہدانہ جوش و خروش نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نصرانیوں سے ترکوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔ نصرانی لڑکیاں ترکوں کے حبالہ عقد میں کثرت سے آگئی تھیں جن سے ترکوں کی اخلاقی حالت پر بُرا اثر پڑا۔ اس سے بڑھ کر عیش و عشرت کے لئے رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ غرضیکہ ترک اپنے بلند درجہ سے گر گئے تھے۔

نام و نسب | سلیم ثالث ابن مصطفیٰ ثالث۔

ولادت | سلیم کی ولادت ۱۱۷۵ھ میں ہُوئی۔

تختِ سلطنت | سلطان سلیم ثالث اٹھائیس برس کی عمر میں ۱۲۰۳ھ میں سلیم تخت نشین ہُوا۔

دولتِ عثمانیہ | دولتِ عثمانیہ پر دول یورپ ہر طرف سے جنگ کی شورش بپا کئے ہوئے تھیں۔ ترکی لشکر مسلسل لڑائیوں سے تباہ حال اور خزانہ خالی تھا۔ [1]

رُوس اور آسٹریا | افواجِ روس، فلاخ، بغدان کو فتح کرتی ہوئی بسربیا

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۴۵۳۔

تک پہنچ گئیں۔ دوسری جانب سے آسٹریا فوجی یلغار کرتا ہوا بڑھ رہا تھا صدر اعظم شریف حسین پاشا عقیل و دانا اور سیاست عالم سے باخبر تھا۔ وہ اپنے پیچھے آسٹریا کی فوج کو بر کوئی تک لگالایا اور گھیر کر بُری طرح پیٹا۔ حسن اتفاق سے آسٹریا کا بادشاہ یوسف ثانی مر گیا اور اُس کی جگہ لیوپولڈ دوم تخت نشین ہُوا۔ چونکہ اس وقت لوئس شانزدہم شاہِ فرانس کے خلاف اُس کے ملک میں سخت بغاوت تھی اس وجہ سے لیوپولڈ نے کہ کہیں فرانس سے بغاوت کے شعلے آسٹریا کے علاقے کو بھی تباہ نہ کر دیں اس لئے دولتِ علیہ سے صلح کرنا چاہی۔ مقام رستو میں ۲۲ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو عہد نامہ مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا نے وہ سارا حصّہ جو فتح کر لیا تھا معہ بلغراد اور سربیا کے ترکوں کو واپس کر دیا۔ اور سابقہ حدود برقرار رہے۔ اس کے بعد انگلستان اور پروشیا کے توسط سے روس کے ساتھ بھی صلح ہو گئی اور ۱۰ جمادی الاول ۱۲۰۶ھ کو معاہدہ لکھا گیا جس میں ترکی سلطنت نے کریمیا، بسریبیا، اور وہ سارا علاقہ جو دریائے بوج اور وینسٹر کے درمیان ہے روس کے لئے چھوڑ دیا۔

اصلاحات سلطان کو کچھ دن ہر دو دول سے مُہلت کے مل گئے تو اُس نے فوج کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور کوچک حسین کو ناظم افواج مقرر کیا۔ اس نے جدید اصول پر بارہ ہزار فوج تیار کر لی۔ توپ سازی اور جہاز سازی کے کارخانے بڑے پیمانے پر قائم کئے۔ فنِ حرب اور استحکاماتِ جنگی پر جو کتابیں فرنچ زبان میں ہیں ان کا ترجمہ کرایا اور حربیہ کالج کے نصاب میں ان کو داخل کیا۔

فوجی تنظیم بارہ ہزار ترکی فوج کی قیادت ایک نو مسلم انگریز انگلیز مصطفیٰ نامی کے سپرد کی گئی۔

نپولین سے دُو دُو ہاتھ مصر پر ابراہیم بک اور مراد بک امرائے ممالیک دولتِ علیہ سے باغی ہو کر بالاستقلال

قابض ہو گئے تھے۔ نپولین بوناپارٹ کو جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں چھتیس ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر فتح کرنے بھیجا تاکہ ہندوستان کے ساتھ انگریزی تجارت کا سلسلہ روک دیا جائے۔ نپولین نے بلا اعلانِ جنگ پہلے مقام مالطہ پر قبضہ کیا، پھر سکندریہ میں لا کر فوجیں اُتار دیں۔ یہاں ابراہیم بک اور مراد بک نے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

آخر شش نپولین قاہرہ پر قابض ہو گیا اور شہرت یہ دی کہ دولتِ علیہ کی معاونت کی غرض سے مصر پر قبضہ کیا ہے تاکہ باغیوں کی سرکوبی کر دوں سلطان کو اطلاع ملی اس نے فوج نپولین سے لڑنے کے لئے تیار کرنا شروع کی۔ انگریز ترکوں کے ساتھ ہو گئے۔ روس نے بحر اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کی درخواست کی۔

باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں افواج ترک لا ڈالیں۔ بحری حملے کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ رُوسی اور انگریزی آہن پوش بحیرۂ روم میں آ جمع ہوئے۔

نپولین ترکوں کے مقابلہ کے لئے تیرہ ہزار فوج فرانسیسی لے کر العریش سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ غزہ، رملہ اور یافہ کو تسخیر کرتا ہوا عکا کا محاصرہ کر لیا مگر والیٔ عطا احمد پاشا جزار نے نپولین کے چھکے چھڑا دیئے۔ ترکوں کی بہادری کا لوہا مان گیا اور محاصرہ اُٹھا کر قاہرہ کی راہ لی۔ ترکی افواج جو دمشق میں مجتمع ہوئی تھیں وہ آگے بڑھیں اور ترکی جہازوں نے روڈس سے اٹھارہ ہزار فوجیں لا کر ابو قیر میں اُتار دیں۔

نپولین نے ترکوں کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر ان کو شکست دے دی۔ اور دھوکہ سے سپہ سالار مصطفےٰ پاشا معہ فوجِ گراں کے گرفتار ہو گیا۔

ترک مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے کہ فرانس میں آسٹریا سے پے در پے شکست کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی۔ نپولین رات کو خفیہ اسکندریہ

سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج سے ترکوں نے دو دو ہاتھ کئے۔ آخر ش ۲۸ صفر ۱۲۱۶ھ کو فرانس نے مجبور ہو کر صلح کی اور ساز و سامان مصر میں چھوڑتے ہوئے فوج چلتی بنی۔

نپولین فرانس پہنچا اور رئیس جمہوریہ منتخب ہو گیا۔ اس نے دولتِ عثمانیہ کے سفیر اسعد آفندی کے توسط سے باب عالی کو لکھا کہ روس جزائر یونان پر قابض ہو چکا اور انگریز مصر میں قدم جما چکے۔ اگر فرانس سے پھر دوستانہ تعلقات استوار کر لئے جائیں تو ترکی سلطنت ان دونوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے بچ جائے گی۔ چنانچہ باب عالی اور فرانس میں جمادی الثانی ۱۲۱۶ھ میں جدید عہد نامہ لکھا گیا جس میں فرانس نے مصر سے جزائر یونان پر دولتِ عثمانیہ کے مکمل حقوق تسلیم کئے۔ اس پر باب عالی نے فرانس کے سابقہ امتیازات عطا کئے۔ چنانچہ انگریز مصر کو خالی کر گئے اور جزائر یونان کی ایک مستقل جمہوریت اس کے مشورہ سے دولت عثمانیہ کے تابع قائم ہوئی۔

نپولین سے اور سلطان سے تعلقات بہت بڑھ گئے۔ سفیر فرانس کے کہنے پر فلاخ اور بغدان کے امراء جو روس کے ہمنوا تھے وہ موقوف کئے گئے اس پر روس چراغ پا ہو گیا اور اس نے بلا اعلانِ جنگ ترکی علاقہ میں فوجیں بھیج دیں۔ انگریز بھی روس کے ساتھ مل گئے اور بیڑہ درِ دانیال کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ انگریزی سفیر ادتھناٹ نے باب عالی میں یہ مطالبات پیش کئے کہ انگلستان کے ساتھ حلیف ہونے کا عہد کیا جائے اور ترکی بیڑہ اور درِ دانیال کے قلعے اس کے حوالے کر دیئے جائیں اور فلاخ و بغدان روس کو دیا جائے ورنہ انگریزی بیڑہ آبنائے سے گزر کر آستانہ پر گولہ باری کرے گا۔ مگر فرانسیسی سفیر نے یہ مطالبات ترکوں سے نامنظور کرا دیئے۔ جس پر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر عثمانی جہازوں پر گولہ باری کی لیکن آگے قدم نہ بڑھے۔ ترکوں نے پوری سرکوبی کا انتظام کر لیا تھا جس

بنا پر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر اسکندریہ کو محصور کیا۔ لیکن مصر کے والی محمد علی پاشا کی بیدار مغزی سے کچھ نہ کر سکا اور ذلت اُٹھا کر بیڑہ واپس ہوا۔

سلطان کی معزولی سلطان سلیم نے جو جدید فوج تیار کی تھی اس کی وجہ سے انکشاری اور غیر منتظم فوج کی وقعت گھٹ گئی اس لئے ان فوجیوں نے اصلاح کی مخالفت کی۔ علماء اور امراء کو فوجیوں نے ہمنوا بنا کر قباقچی مصطفےٰ کی سرکردگی میں سلطان کے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور پہلا مطالبہ وزراء کے قتل کا تھا۔ سلطان نے تسکینِ فتنہ کی خاطر مطالبہ منظور کیا لیکن قباقچی نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی سے سلطان کے خلع کا فتویٰ لے کر اس کو تخت سے اُتار دیا اور اس کے بجائے مصطفیٰ رابع کو سلطان بنایا۔

اوصاف سلطان نیک دل اور بہادر اور علم دوست تھا مگر طبیعت کمزور پائی تھی۔

سُلطان مصطفیٰ رابع

نام ونسب مصطفیٰ رابع ابن سلطان عبدالحمید اول۔

ولادت ولادت مصطفیٰ کی ۱۱۹۳ھ میں ہوئی۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۵۵۔

تخت نشینی مصطفیٰ اُنتیس سال کی عمر میں ۱۲۲۲ھ میں تخت نشین ہُوا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر وہ تمام اصلاحات جو سلطان سلیم کے وقت میں نافذ کی گئی تھیں یک قلم منسوخ کر دی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ ترکوں اور روسیوں میں دریائے طونہ کے کنارے جنگ چھڑی ہوئی تھی، وہاں جب خبر پہنچی انکشاریہ بہت خوش ہوُئے مگر صدرِ اعظم حلمی ابراہیم پاشا کو رنج ہُوا اور اس نے اس کا اظہار امرائے فوج کے سامنے کیا۔ انکشاریہ صدرِ اعظم سے بگڑ بیٹھے اور اس کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے فوج میں ابتری پھیل گئی۔ حسنِ اتفاق کہ اس وقت نپولین روس پر آ پڑا اور ہر دو جنگ میں مشغول ہو گئے جس سے فوجیں رُوس لوٹ گئیں اور ترکوں کی جان بچ گئی۔ ادھر روس نے نپولین سے شکست کھائی تو اُس نے ترکوں سے صُلح کر لی۔

زار اور نپولین کا معاہدہ ، رجون ۱۸۰۷ء میں ایک خفیہ معاہدہ زارِ روس اسکندر اوّل اور دولت عثمانیہ کے خیر خواہ نپولین[1] بونا پارٹ کے درمیان ہُوا جس کی ایک دفعہ کی رُو سے فرانس کے توسط سے اگر روس کے مطالبات بابِ عالی نے منظور نہ کئے تو دونوں متحد ہو کر بجز آستانہ کے اور اس کے حوالی کے جملہ عثمانی مغربی مقبوضات آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ بوسینیا، البانیا، یونان اور مقدونیا فرانس لے گا

---

[1] نپولین بونا پارٹ :۔ فرانس کے نزدیک ایک جزیرہ کارسیکا ہے جو اٹلی اور فرانس کی سیاسی رقابت کا جولان گاہ بنا رہا۔ یہاں چارلس بونا پارٹ اپنی ملنساری اور فراخدلی و پیشہ وکالت کے ذریعے ہر دلعزیز تھے۔ ۱۷۶۹ء میں فرانس نے اس جزیرہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ عوام کو ساتھ لے کر اپنے وطن کے بچانے کے لئے مثل ایک بہادر سپاہی کے میدان جنگ میں تر آئے۔ مگر فرانس کی فوجی طاقت سے یہ مٹھی بھر اہلِ کارسیکا کیا بازی لے جاتے۔ آخر کار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چارلس بونا پارٹ اور اس کی بیوی لٹشیا روپوش ہو گئے۔ ایک دن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۴۹ پر)

اور رومانیہ اور بلغاریہ روس، سربیا آسٹریا کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔

ان حالات نے ترکوں میں ایک اضطراب کی لہر پیدا کر دی تحسین آفندی یمیح آفندی، رامزآفندی، رفیق آفندی اور غالب آفندی نے یہ طے کیا کہ

(بقیہ حاشیہ صف ۱۴۸ سے آگے) لٹشیا گرجا گھر میں عبادت کر رہی تھی، طبیعت بے چین ہو گئی گھر آکر لیٹ گئی کہ اس کے بطن سے نپولین ۱۵ راگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اس کے اور بھی بھائی تھے مگر نپولین کی نگہداشت لٹیشیا نے کی۔ کیونکہ شوہر تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ لٹیشیا شہر کی سکونت ترک کر کے گاؤں میں آٹھہری۔ ان دنوں کارسیکا پر جو گورنر ہو کر آیا اس سے لٹیشیا ملی اور نپولین ساتھ تھا۔ وہ بچے اور اس کے خاندان سے واقف ہو کر مہربان ہو گیا اور گاہ بگاہ ان کی امداد کرتا۔

جب نپولین چھ برس کا ہوا تو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ چار سال وہاں تعلیم پائی، دس سال کا ہوا، گورنر اس کے بشرے سے سمجھتا تھا کہ یہ ہونہار ہے۔ اس نے اپنے خرچ سے ۱۷۷۹ء کو برائن کے ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ یہ بڑا شرمیلا اور خلوت پسند تھا۔ پانچ سال یہاں تعلیم پائی۔ جب اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو فوجی مدرسہ میں داخل کیا گیا، وہاں ایک سال بعد امتحان ہوا، یہ پاس ہو گیا۔ ممتحن نے اس کے لئے لکھا:۔

"یہ نوجوان اپنے اعلیٰ اور بلند اخلاق کی اور عمدہ اوصاف کی بدولت کارسیکا کا باشندہ ہونے کے باوجود بھی دنیا میں شہرت حاصل کرے گا"

۱۷۸۵ء میں گولہ انداز فوج کا سیکنڈ لیفٹیننٹ مقرر کر دیا گیا۔ اس کے کچھ دن بعد نپولین کو بیلنز میں بدامنی روکنے حکومت نے بھیجا۔ اس نے اپنی حسن تدبیر سے بلا خون خرابہ کے امن قائم کر دیا۔ یہیں اس کا ایک عورت سے تعلق ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ امن کے لئے جانا پڑا۔ یہ عورت اس سے چھٹ گئی۔ اس کی تنخواہ کم تھی اپنی ماں کی خدمت نہ کر سکا اور اس کا خود حال خستہ تھا۔ جنیوا کی ایک امیرزادی نے اس کی مالی مدد کی۔ اس زمانہ میں شاہ پارٹی سے انقلابی پارٹی ری پبلکن پارٹی کا مقابلہ ہوا۔ نپولین انقلابی جماعت میں شریک ہو گیا۔ ۱۷۹۱ء میں چھٹی لیکر

(بقیہ حاشیہ اگلے صف ۱۵۰ پر)

سلیم کو دوبارہ تخت پر لایا جائے اور پھر اصلاحات جاری کی جائیں۔ چنانچہ علمدار مصطفےٰ اعاقل باحمیت امیر تھا۔ اس نے مقام روسچق سے امراء کے نام آستانہ خط بھیج کر متحد کر لیا اور اپنی فوج کو لے کر آستانہ پر حملہ کر دیا۔ سلطانی کوشک کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹ سے آگے) اپنے گاؤں چلا گیا۔ یہاں لکھنے پڑھنے میں مشغول رہا اور اس کو بڑا بننے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے کارسیکا کے بہادر اور نامور لوگوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی اور اپنے اہلِ وطن کو بتایا کہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

نپولین نے اپنی قوت تقریر کو بڑھانے کے لئے ایک انجمن بنائی۔ اس کے ممبر تقریریں کیا کرتے تھوڑے عرصہ میں اس کی تقریر ولولہ انگیز اور جوشیلے الفاظ پر مشتمل ہونے لگی۔ ایک دن فرانس کے خلاف اس نے تقریر کی اور اہلِ کارسیکا پر ظلم کرنے کا الزام لگایا۔ ایک شخص نے جو اس سے حسد کرتا تھا مخبری کر دی، نپولین پکڑا گیا۔ مقدمہ چلا مگر پورا ثبوت نہ مل سکا با عزت بری کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے دو تین ہفتہ بعد نپولین پیرس میں رہا۔ اس جگہ فرانس کے بڑے لوگوں سے ملا اور اہلِ علم کی صحبت اُٹھائی اور لائبریریوں میں وقت گزارا جس سے اس کی علمیت اور قابلیت میں اضافہ ہی ہوا۔ اس زمانہ (۲۰ جون ۱۷۹۲ء) میں فرانس میں گڑبڑ مچ گئی۔ عوام نے شاہی محل پر ہلّہ بول دیا اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بری طرح بے عزت کر کے نکال دیا اور ان کے حمایتیوں کو قتل کر دیا۔ نپولین کو یہ طریقہ پسند نہ ہوا اس نے مخالفت کی مگر اس کا کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں نپولین کارسیکا چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد سارڈینیا جانا پڑا۔ اس وقت فرانس میں حکومت کے خلاف آگ زوروں پر تھی۔ بادشاہ اور ملکہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ پاؤلی جو کہ گورنر سارڈینیا کا تھا اس نے نپولین کو بلا بھیجا اور کہا اس موقعہ پر سارڈینیا انگریزوں کے حوالہ کر دیا جائے تم میری مدد کرو۔ نپولین نے صاف انکار کر دیا مگر گورنر کامیاب ہوا۔ انگریز قابض ہو گئے۔ مگر قبضہ زیادہ دن نہ رہ سکا۔ فرانسیسیوں نے مار بھگایا ابھی اس واقعہ کو کچھ دن گزرے تھے کہ پھر فرانس میں بغاوت ہو گئی۔ برطانیہ اور اسپین نے مل کر فرانس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا چاہا، بندرگاہ طولان لے لی۔ حکومت فرانس نے جنرل کارٹو کو بھیجا وہ نااہل نکلا۔ پھر ڈگامیر گیا۔ اُس نے بھی مُنہ کی کھائی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۱ پر)

محاصرہ کر کے جب اندر داخل ہوئے، اہلِ قصر نے سلیم کو قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے مجبوری درجہ مصطفےٰ کو معزول کر کے اس کے بھائی محمود کو تخت پر بٹھایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ سے آگے) نپولین ٹُوان کو فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۷۹۳ء کو اس نے ہلّہ بول دیا۔ مقابلہ زبردست ہُوا۔ دشمنوں کے جہاز فرانسیسیوں نے ڈبو دیئے۔ انگریز بھاگ نکلے نپولین کامیاب رہا۔

۱۷۹۴ء میں نپولین بریگیڈیر جنرل بنا دیا گیا۔ اس نے اٹلی آسٹریا اور سارڈینا کی متفقہ فوج سے مقابلہ کیا اس میں بھی جیت اس کی رہی مگر حکومت نے انعام دینے کے بجائے جھوٹی شکایتوں پر اس کو جیل بھیج دیا۔

آخر کار وہ اپنے ایک دوست جیونی کی مدد سے رہا ہُوا۔ اس نے یہ رنگ دیکھ کر حکومت سے قطع تعلق رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ماں بیٹے بھوکے مرنے لگے۔ حکومت میں پھر گڑبڑ مچی۔ پھر نپولین بلائے گئے اور اعزاز بڑھا۔ پھر آسٹریا پر حملہ کرنے کے لئے اس کو کمانڈر مقرر کیا گیا۔ پھر حالت درست ہوگئے زندگی آرام سے گزرنے لگی۔ اس زمانے میں فرانس میں قحط پڑا، اس نے گھر گھر پھر کر چندہ کیا اور لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ سے بچایا۔

۱۷۹۶ء میں جوزیفائن سے نپولین کے تعلقات ہو گئے اور اس سے شادی کر لی۔ غرضیکہ اس نے اٹلی، آسٹریا، سارڈینا پر دھاک بٹھا دی۔ انگریز بھی اس سے خوف کھانے لگے۔ نپولین کی مسلسل کامیابیوں اور فتوحات سے متاثر ہو کر عوام کی خواہش ہُوئی کہ نپولین کو شہنشاہِ فرانس بنایا جائے مگر اربابِ حکومت اس سے جلنے لگے اور اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اس کو مصر فتح کرنے بھیج دیا۔

۹ مئی ۱۷۹۸ء کو مصر پر اپنا بحری بیڑہ لے کر پہنچا۔ راہ میں مالٹا پر بھی قبضہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۲ پر)

قباقچی اور اُس کے ساتھیوں کو جنہوں نے بغاوت کی تھی، تہ تیغ کر دیا گیا۔ سلطان مصطفیٰ کا قتل آگے جا کر ہوا، جس کی تفصیلات

(بقیہ حاشیہ صـ۱۵۱ سے آگے) اس کے بعد اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر قاہرہ گیا۔ وہاں کی فوج تاب مقابلہ نہ لا سکی، شہر فتح ہو گیا۔ مگر انگریز بیڑہ بھی وہاں پہنچا۔ امیر البحر نلسن سے اور جنرل بریتو سے دو دو ہاتھ ہوئے جس میں فرانس کو شکست ہوئی۔ میدان نلسن کے ہاتھ رہا۔ نپولین کو اس واقعہ سے بہت افسوس ہوا۔

۱۷۹۵ء میں سیریا کی فوجوں نے مصر کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ ان سے جا کر مقابلہ کیا وہ شکست کھا گئے۔ پھر قاہرہ لوٹ کر ۲۲ اگست ۱۷۹۹ء کو فرانس روانہ ہو گیا اور ۱۷ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو پیرس پہنچ گیا۔ اہلِ فرانس نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ فرانس میں کچھ دن آرام کرنے کے بعد نپولین نے حکومت کے منتشر شیرازہ کو یکجا کیا اور انتظامات درست کرنے لگا۔ پھر یورپ کی دوسری سلطنتیں اس کے مقابلہ کے لئے آئیں مگر شکست کھا گئیں۔

آخرش حکومت فرانس نے ۱۸ مئی ۱۸۰۲ء کو نپولین کو شہنشاہ بنانے کا فیصلہ کیا اور ۲ دسمبر ۱۸۰۲ء کو پوپ نے اٹلی سے آکر نپولین کے سر پر شاہی تاج پہنایا۔ نپولین کی انتہائی کوشش رہی کہ یورپ میں جنگ نہ ہو صلح و امن رہے مگر مغربی دول باہم ٹکراتی رہیں۔

نپولین کو پے درپے فتوحات سے یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ہر ملک پر چڑھائی کر سکتا ہے۔ وہ ترکوں کے مقابلے میں روس سے ساز باز کر رہا تھا کہ باہم ترکی علاقہ تقسیم کر لیں مگر یہ نوبت نہ آئی اور روس سے خود بھڑ بیٹھا۔ روسی فوجیں اس کے آگے آگے بھاگتی چلی گئیں اور یہ اُن کے پیچھے فاتحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔ روسی جس شہر کو چھوڑتے آگ لگا دیتے، آخرش وہ اپنے خوب صورت شہر ماسکو کو بھی نذرِ آتش

(بقیہ حاشیہ اگلے صـ۱۵۳ پر)

محمود کے حال میں آتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۱۵۲ سے آگے) کر چکے۔ نپولین کی فوجیں بہت دُور نکل آئی تھیں۔ ان کے پاس سامانِ رسد کی کمی ہونے لگی۔ منزلوں کے طے کرنے سے تھکاوٹ اور خوراک کی کمی کی وجہ سے جی چھوڑ بیٹھی۔ سردی کا موسم سر پر آگیا تو اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اکتوبر آیا تو نپولین نے فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔

یہاں کے حالات سے فرانس میں اس کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔ یہ رنگ دیکھ کر یورپ کے بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ نپولین کو تخت سے اتار کر جزیرۂ ایلبا میں نظر بند کر دیا جائے۔ اور فرانس کے تخت پر ایک اور بادشاہ بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر دس مہینے نہیں گزرے تھے کہ نپولین تھوڑی سی فوج لے کر چپکے سے پھر فرانس آگیا۔ پھر اہلِ فرانس نے اس کو بادشاہ بنا لیا۔ مگر انگریز اور جرمن نے اور بلجیم کی فوجوں نے مل کر واٹرلو کے میدان پر ۱۸۱۵ء میں نپولین کو شکست دی۔ یہ لوٹا تو اسے جلا وطن کر کے سینٹ ہلینا کے جزیرے میں بھیج دیا گیا جہاں وہ بیمار ہو گیا اور آخر ۱۸۲۱ء میں انتقال کر گیا۔ نعش فرانس میں لا کر دفن کی گئی۔

نپولین عزم و ارادے کا پکا اور بلند ہمت فاتح تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسان ہمت کرے تو دُنیا میں کوئی کام مشکل نہیں، "ناممکن کا لفظ احمقوں کی لغت میں پایا جاتا ہے۔ بہادر مصیبتوں سے نہیں گھبراتے"۔

سلطان محمود ثانی

نام ونسب محمود ثانی ابن سلطان عبدالحمید اول۔

ولادت محمود ثانی کی ولادت ۱۲۰۰ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی سلطان محمود ثانی ۱۲۲۳ھ میں سریر آرائے سلطنتِ عثمانیہ ہوا۔

صدر اعظم علمدار مصطفےٰ کو، سلطان محمود ثانی نے صدرِ اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

وقائع سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کرنا چاہا کہ سلطان سلیم کی فوجی اصلاحات کو دوبارہ جاری کرے۔ انکشاریہ نے بغاوت کر کے صدرِ اعظم کو قتل کر دیا اور چاہا کہ محمود کو معزول کر کے پھر مصطفےٰ کو تخت پر لایا جائے لیکن سلطان محمود نے مصطفےٰ کو قتل کرا دیا۔ جب انکشاریہ کو علم ہوا تو اس شرط پر محمود کو باقی رکھا کہ اصلاحات نافذ نہ کرے۔ ان واقعات سے فائدہ اُٹھا کر خرس روس نے عہدنامہ کی تجدید کرنی چاہی لیکن شرائط وہ تھیں جن کو باب عالی نے منظور نہیں کیا۔ اس بناء پر روس نے لشکر کشی کی اور اس کی فوجیں حدودِ عثمانیہ میں بلغاریہ تک آگئیں۔ ترکوں نے وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے قلعہائے بندر، کیلی، خوتین اور آق کرمان وغیرہ روس کو دے کر صلح کر لی اور دریائے پروت دونوں سلطنتوں کے درمیان حدِ فاصل قرار پائی۔

خانہ جنگی ترکوں سے نصرانی حکومتیں برسرِ پیکار تھیں کہ نجد سے ایک قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ترکوں نے عرب میں کوئی اصلاح کا کام نہیں کیا۔

نہ اُن کی تعلیم کا انتظام تھا اور نہ ان کی اقتصادی حالت درست کی۔ البتہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ایک معقول رقم بھیج دیا کرتے جو قبائل میں تقسیم ہوجایا کرتی عرب میں سب سے بدتر حالت نجد کی تھی۔ یہاں تو دورِ جاہلیت پھر تازہ ہوگیا تھا اور وہاں کے رہنے والے بالعموم شرک و بدعت اور دین کے نام سے خرافات میں مُبتلا تھے۔ بارھویں صدی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نجد میں دینی اصلاح کی کوشش کی اور باشندوں کو قرآن وسُنت کا تابع اور سلف صالح کا پیرو بنانا چاہا اور اُن میں علومِ دینیہ کی اشاعت کی۔ جس کی وجہ سے اہلِ نجد نے اپنی حالت درست کرکے ترقی شروع کی۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

۱۶۹۱ء میں مقام آیہ قریب نجد ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نامی پیدا ہُوا۔ جس نے اوّل اپنے باپ سے علومِ عربیہ کی تحصیل کی۔ پھر مدینہ جا کر تحصیل علوم منقولات شیخ عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے کی۔ دینی فضیلت حاصل کرکے مراجعت وطن کی اور عُیَینہ میں پہنچ کر سلسلہ درس و تدریس اور تبلیغ کا شروع کردیا۔[1] گرد و نواح کے لوگ عقیدت مند ہو گئے۔ کچھ عرصہ میں ایک وسیع حلقہ قائم ہوگیا۔ اس شخص کی تعلیم توحید باری کی تھی۔ رفتہ رفتہ امیر محمد ابن مسعود رئیس درعیہ جو عرب قبائل کے سب سے بڑے امیر بھی تھے اس کے حلقۂ اثر میں آگئے اور اس کے اس راسخ العقیدہ مرید نے ۱۷۶۵ء تک علاقہ ریاض کے گرد و نواح میں تمام عرب قبائل کو اپنا اور اپنے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مطیع و منقاد بنا لیا۔ تمام بادیہ نشینانِ نجد اس کی قوت و شوکت، اوصافِ حمیدہ اور حمیتِ اسلامی کا دم بھرنے لگے۔[2] چنانچہ شیخ کا اور سعود کا ۱۷۶۵ء میں انتقال ہُوا تو اس کا لڑکا عبدالعزیز جانشین ہُوا۔ وہ بہادر تھا، اُس نے جب کثرت

---

[1] عنوان المجد فی تاریخ نجد صفحہ ۱   [2] روضۃ الافکار صفحہ ۲۲۔

سے عرب اُس کے ساتھ ہو گئے تو بلادِ عراق پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کا ولی عہد امیر مسعود تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ تُرکی حکومت کو فتح کر لے۔ چنانچہ امیر مسعود ایک زبردست لشکر تیس ہزار کا لے کر نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طرف ۱۲۱۶ھ میں بڑھا اور مقامی حکومت کی خفیف مزاحمت کو شکست دے کر عتباتِ عالیات کے خزانہ کو لوٹ لیا۔ ۱۸۰۳ء میں غازی عبدالعزیز کو ایک ایرانی نے قتل کر دیا۔

حملۂ مکّہ معظمہ ۱۸۰۴ء میں امیر مسعود نے مکّہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی اور مُٹھی بھر ترکی فوج کو خطرے میں نہ لا کر مکّہ معظمہ پر حملہ کر دیا اور بزورِ شمشیر مکّہ میں داخل ہو گیا۔[1]

اس وقت شریف یہاں کا غالب پاشا تھا اُس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر یہ نجدی لشکر مدینہ پہنچا اور اس کو بھی فتح کر لیا اور تمام خزانہ لُوٹا اور روضۂ مبارک پر جو طلائی پتر چڑھا تھا وہ بھی اُتروا لیا۔ یہ سب کام کتاب و سنت کے نام سے انجام دیئے گئے۔

غرضیکہ یہ امرائے نجد بجز حضر موت اور یمن کے ایک قلیل عرصہ میں سارے عرب پر قابض ہو گئے۔ ان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر بابِ عالی کے حکم سے سلیمان پاشا والئ عراق نے ۱۲۱۳ھ میں لشکر کشی کی لیکن احساء سے پہلے ہی معرکہ میں اس کو واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد مسعود بن عبدالعزیز نے کربلا سے لے کر حلب تک زیرِ نگین کر لیا۔ پھر ۱۲۲۴ھ میں چھ ہزار فوج لے کر شام پر حملہ آور ہوا اور حوران وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا دمشق پہنچ گیا۔ وہاں کے والی یوسف پاشا گنج نے وعدہ کیا کہ اس کی خاندان کی عورت سے شادی کر لوں گا۔ اس لئے مسعود اس کو چھوڑ کر واپس ہو گیا۔

---

[1] حاضر العالم الاسلامی و ڈکشنری آف اسلام ص ۶۶۰

سلطان محمود نے نجدیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علی پاشا والیٔ عراق، عبداللہ پاشا والیٔ شام اور شریف پاشا سیاہ دار جدّہ تینوں کو حکم دیا کہ عربوں اور کردوں کا لشکر ہمراہ لے کر نجد پر حملہ کر دیں۔ لیکن اس درمیان میں کردستان میں بغاوت ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا۔ ادھر سے ناکامیابی دیکھ کر باب عالی نے محمد علی پاشا والیٔ مصر کو حرمین شریفین کی ولایت کا فرمان دے کر نجدیوں کے استیصال کے لئے مامور کیا۔

مصری و نجدی آویزش

۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے پہلے اپنے بیٹے طوسون پاشا کو نجد کی مہم پر بھیجا۔[1] پھر خود بھی فوجیں لے کر آیا مگر جب تک امیر سعود بن عبدالعزیز زندہ رہا اُس وقت تک کوئی کامیابی نہ ہوسکی۔ ۱۲۲۹ھ میں جب سعود[2] مر گیا اور اس کا بیٹا عبداللہ اس کی جگہ امیر نجد ہوا اس وقت بعض امرائے قبائل محمد علی پاشا کی زر پاشی سے امیر نجد سے کٹ گئے اور مصریوں سے میل کر لیا۔ محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو پوری قوت کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔

مقام مادیہ میں نجدیوں نے مصری توپوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور عبداللہ بن سعود اپنے مرکز درعیہ میں آکر قلعہ گیر ہوگیا۔ ابراہیم پاشا نے محاصرہ کیا سخت مقابلوں کے بعد آخر کار نجدیوں کو شہر کا دروازہ کھولنا پڑا۔ ابراہیم پاشا نے عبداللہ اور اس کے کاتب و خزینہ دار کو مصر بھیج دیا جہاں سے وہ قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے۔ سلطان محمود نے ان کو ایا صوفیہ کے میدان میں ۱۲۳۴ھ میں قتل کرا دیا۔ اس سال ابراہیم پاشا نے محمد علی پاشا کے حکم سے شہر درعیہ کو ۱۲۳۳ھ میں تباہ و برباد کر دیا۔ ہزارہا مسلمان وہاں

---

[1] خلاصۃ الکلام صـ۲۹۶ [2] البدر الطالع ۱ : ۲۶۳ و عنوان المجد صـ۱۲۶

کے خانہ ویران ہو گئے [1]

یُونان یونان کا والی علی پاشا پُرسطوت اور با اثر حاکم تھا جس سے سارا یونان لرزتا تھا۔ یونانی استقلال کے متمنی تھے۔ مگر اس کے جبروت سے آواز بلند نہ کر سکتے تھے۔ روس جو یونان کا پشت پناہ تھا، وہ علی پاشا کا مخالف تھا اس نے بہکا کر سلطان کو اس سے بدظن کر دیا۔ اس نے اس کو معزول کرنا چاہا، علی پاشا نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے خورشید پاشا کو مع فوج کے بھیجا۔ دو سال مقابلہ رہا جس میں علی پاشا کام آیا۔ یونانی اپنے استقلال کا دعوےٰ لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چند قلعوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ باب عالی نے ابراہیم پاشا مصری کو فوج دے کر بھیجا اُس نے جا کر یونانیوں کی اچھی طرح گوشمالی کر دی۔

انکشاریہ کا خاتمہ نجد و یونان کی مہمات سے فارغ ہو کر سلطان محمود نے جدید اصلاحات کرنا چاہیں۔ انکشاریہ خودسر تھے۔ انھوں نے بغاوت کر دی۔ باب عالی اور وزرا کے دولت کدوں کو گھیر لیا۔ محمود نے مجبور ہو کر لوائے نبوی خزانۂ شاہی سے نکالا۔ مسلمان جوق در جوق اس کے سایہ میں آکر جمع ہوئے اور انکشاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ محمد پاشا اور آغا حسین انکشاریہ کی قیادت کر رہے تھے اور حوالی کے میدان میں انکشاریہ کو جمع کئے ہوئے تھے۔ سب گھِر کر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس کے بعد جملہ صوبہ جات عثمانی میں ان کے الغاد کے احکام بھیج دیئے گئے۔ تین سو برس بعد انکشاریہ اپنے کرتوتوں سے تباہی کی راہ لگے۔

یُونان کی آزادی فرانس کے انقلاب کے اثر سے یورپ کے ہر حصہ میں آزادی کے خیالات پیدا ہوئے۔ یونانیوں نے

---

[1] عنوان المجد ۱ : ۲۱۳ ۔

بھی جو دولتِ عثمانیہ کے تابع تھے، اپنی آزادی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ترکی حکام کے ڈر سے روس اور آسٹریا میں اس کے مرکز قائم کئے گئے اور وہاں سے یونان میں آزادی کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے۔ ہر یونانی آزادی کے لئے بے تاب ہو گیا۔ سلطان محمود نے ملک میں اصلاحات شروع کیں۔ اس وقت یونانیوں نے انگلستان، فرانس اور روس کی امداد سے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا۔ باب عالی نے منظور نہ کیا جس پر یونانی سربکف میدانِ عمل میں آ گئے اور انہوں نے جزیرہ "ساقر" کے متصل سارے ترکی جہاز جو لنگر انداز تھے غرق کر دیئے جن میں تین ہزار ترک تھے وہ سب شہید ہوئے۔ پھر روس نے یونان کے استقلال کی معاونت کے لئے حدودِ عثمانی میں لشکر کشی کر دی۔ دوسری طرف سے فرانس کی فوجیں مورہ میں آ کر قلعوں میں داخل ہو گئیں۔ اب ترکی حکومت کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ یونان کے استقلال کو قبول کرے۔ مگر شرط یہ تھی کہ یونان پانچ لاکھ قرش سالانہ خراج دولتِ عثمانیہ کو ادا کرتا رہے گا۔ یونانیوں نے اسے منظور کر لیا۔ اس طرح روس کی دست اندازی سے ترکوں نے مجبوری درجہ یونان کو آزاد کیا۔

الجزائر پر فرانس کا قبضہ فرانس کی نگاہ عرصہ سے ترکی مقبوضہ الجزائر پر تھی۔ اس وقت ترک بہت کمزور ہو چکے تھے۔ دول یورپ سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ ۱۲۴۶ھ میں الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ دولتِ عثمانیہ کچھ نہ کر سکی۔ البتہ حزبِ وطنی کے قائد سید عبدالقادر کی قیادت میں جزائری سترہ سال تک فرانس سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر مجبور ہو گئے اور غلامی کا حلقہ آویزۂ گوش لیا۔

سربیا ۱۸۲۸ھ میں روس نے سربیا کی حمایت میں ترکوں سے پھر جنگ چھیڑ دی اور اس کی افواج بخارسٹ سے گزرتی ہوئی ادرنہ تک پہنچ گئیں۔ جس کے بعد قسطنطنیہ خطرہ میں تھا۔ روس کے بڑھتے ہوئے

اقتدار کو دیکھ کر دول یورپ نے ہر دو میں صلح کرا دی۔ سربیا کی حکومت کے لئے بارہ مندوبین کی ایک جماعت منتخب کر دی گئی اور بلاد جوکس معہ اس پار کے قلعوں کے روس کو مل گئے۔

مصر کی آزادی محمد علی پاشا مصر کا مستقل حکمران بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جدید طریقہ سے نظامی افواج مرتب کیں اور بحری قوت بھی بڑھالی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فتح شام کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ہر جگہ ترکی افواج کو شکست دی اور عکا تک پہنچ گیا۔ اس کو بھی فتح کر لیا۔ سلطان محمود نے آغا حسین کی قیادت میں تیس ہزار فوج بھیجی۔ ابراہیم پاشا نے آغا کو مقابلہ پر شکست فاش دی اور ابراہیم بڑھتا ہوا کوتاہیہ تک پہنچ گیا وہاں رشید پاشا نے آگے بڑھ کر کوتاہیہ پر قبضہ جمایا۔ دولت علیہ نے اپنے دشمن روس سے امداد طلب کی اور اس کے عوض میں بر وقت ضرورت اس کے جہازوں کو دردانیال سے گزرنے کا حق دیا۔ چنانچہ روسی افواج ترکوں کے دوش بدوش ابراہیم پاشا سے معرکہ آرا ہوئیں جس میں ابراہیم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر میں اس بات پر صلح ہوئی کہ مصر، صیدا، شام اور حلب پر محمد علی پاشا والی رہے اور جزیرۂ کریٹ کی ولایت ابراہیم پاشا کو عطا کی گئی۔

وفات ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے آستانہ میں وفات پائی۔

کارگزاری سلطان محمود اپنے پیش رووں سے زیادہ ترقی کا دلدادہ تھا۔ نیک کردار اور ہمدردی طبیعت میں بہت تھی اور اس میں بڑی مردانگی تھی مگر وزراء اس کی مرضی کے موافق نہ تھے مگر حتی الوسع اس نے سلطنت کو بچانے کی ان تھک سعی کی۔

عدل و انصاف کی وجہ سے اس کا لقب عدلی تھا۔ مغربی لباس اور طربوش کا رواج بھی سلطان نے جاری کیا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ ایک سا

لباس پہننے لگے۔ کوئی امتیاز نہ تھا، مسجد اور گرجے میں داخلہ کے وقت پتہ چلتا تھا۔ اور بڑا فتنہ انکشاریہ کا تھا، ان کا خاتمہ کر کے سلاطین کے وقار کو بچا لیا۔ سلاطینِ عثمانیہ میں وقت کے تقاضے سے اُس نے یورپین لباس جاری کیا اور ترکوں کے اخلاقِ معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصباتِ مذہبی کو اس نے ختم کیا۔ مختلف مذاہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے، اپنی اپنی رسوماتِ مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اس کے ملک میں تھے مرمت کرا دی۔

رفاہِ عام سلطان نے رفاہِ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاسٹر بانٹے۔ تو یونان اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر کا حصہ دیا۔

تعلیم کی ترقی قلمروِ عثمانیہ میں مدارس کھولے اور کل مذہب کے لوگوں، یہودی، عیسائی، مسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی۔ اس شہنشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا جو ۵ نومبر ۱۸۳۹ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام "تقویم وقائع" رکھا گیا۔ شفاخانہ قائم کیا جہاں ٹیکے کا رواج جاری کیا۔ میڈیکل کالج قائم کیا جہاں سرجری کی تعلیم پر زیادہ توجہ تھی۔

غلامی کے رواج کا انسداد ۱۸۳۰ء میں سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلافِ شرع جاری تھا موقوف کیا اور حکماً بردہ فروشی ممنوع قرار دی۔

سُلطان عبدالمجید اوّل

نام و نسب | عبدالمجید ابن سلطان محمود ثانی ۔

تخت سلطنت | سلطان کے انتقال کے بعد عبدالمجید ۱۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوا ۔

وقائع | سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر کے معاملات کی طرف توجہ کی ۔ کیونکہ محمد علی پاشا مستقل مصر کا حکمران ہونے کے بعد بھی برابر اپنی فوجی قوت بڑھا رہا تھا ۔ سلطان نے حافظ پاشا کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی کہ اس کی جنگی تیاریوں کو روکے ۔ مگر ابراہیم پاشا نے مقابلہ پر آکر اس کو شکست دے دی ۔

سُلطان نے یہ رنگ دیکھ کر اپنے سفیر رشید پاشا کے ذریعے انگلستان، پروشیا اور روس کو ملا لیا جس سے ترکی قوت بڑھ گئی اور محمد علی پاشا کی ولایت مصر پر محدود کر دی گئی ۔ مگر یہ فرمان جاری کیا کہ محمد علی پاشا خدیو کے لقب سے ملقب کئے جائیں اور یہ خطاب نسلاً بعد نسلاً رہے گا ۔

اصلاحات | سلطان نے قلمروِ عثمانی میں اعلان کیا کہ جملہ رعایا خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت اور کسی قوم کی ہو، ہر قسم کے قانونی حقوق اس کے محفوظ ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس کی تنفیذ کی اور زبردستوں اور جابروں کے ظلم و تعدی کو کمزوروں پر روک دیا ۔ اس کے ساتھ بری اور بحری فوجوں کی تنظیم شروع کی ۔ سلطان نے عدالتوں کے لئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظامِ سلطنت قائم کیا ۔

غرض روس جس کا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ دولت علیہ کو اصلاح کی مہلت نہ لینے دے۔ چنانچہ اس دشمنِ اسلام نے بلا اعلانِ جنگ اپنی فوجیں رومانیہ بھیج دیں اور سینوپ میں عثمانی جہازوں کو غرق کر دیا۔ دولتِ علیہ نے فرانس اور اطالیہ کو شریک کر کے روس سے دو دو ہاتھ کئے اور روس کے جنگی جہازوں کو جلا دیا اور پھر سباسٹوپول میں روس کو شکستِ فاش دی جس کے بعد پیرس میں مجلسِ معاہدہ منعقد ہوئی اور دول یورپ نے سباسٹوپول روس کو اور اناطولیہ میں قلعہ قرص روس سے لے کر دولتِ عثمانیہ کو دیا گیا اور باتفاق دول اربعہ دریِ دانیال جملہ اقوام کے جنگی جہازوں کے لئے بند کر دیا گیا حسنِ اتفاق سے اس معاہدہ میں دولتِ عثمانیہ ایک متمدن مغربی سلطنت تسلیم کی گئی۔

دروز جبلِ لبنان میں دروزیوں اور عیسائیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ یورپ حمایت نصاریٰ میں آکود ے۔ فرانس کی فوجیں حدودِ عثمانیہ میں آگئیں۔ مگر فواد پاشا کو بھیج کر اس فتنہ کو فرو کیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ ایک دروزی اور ایک مارونی اپنی اپنی جماعتوں کی نمائندگی کے لئے نامزد کئے جائیں۔

وفات سلطان عبدالمجید نے بعمر چالیس سال ۱۲۷۷ھ میں قضا کی۔ دین دار اور باحمیت سلطان تھا۔

آثار مدینہ منورہ میں سلطان کی اکثر یادگاریں ہیں۔

صدرِ اعظم سلطان عبدالمجید کو خوش قسمتی سے رشید پاشا نہایت لائق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان کے حسبِ منشا ترکوں کے تمام لغو اور بیہودہ تعصبات کو جن کو انہوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا ان کی تردید کی اور اہلِ یورپ سے جو اچھی باتیں تھیں وہ اخذ کیں اور ان کو مروج کیا۔ اس نے "ہیئت شریف" کے نام سے قوم کے لئے دستور العمل بنایا اور اس کو تمام قلمروِ عثمانیہ میں شائع کیا۔ ۳۰ نومبر ۱۸۴۱ء کو سلطان کے دربار میں جس میں علما و عمائدِ ملک شریک تھے ہیئت شریف پڑھا گیا اور اہلِ دربار سے منظور کرایا۔

سُلطان عبدالعزیز

نام ونسب | عبدالعزیز ابن سلطان محمود ثانی۔

ولادت | سلطان کی ولادت ۱۲۴۵ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سلطان عبدالمجید کے انتقال پر عبدالعزیز جس کی عمر بتیس سال کی تھی تخت نشین ہُوا۔

نظمِ مملکت | سلطان نے عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر سب سے پہلے داخلی اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ملک کو جدید صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی۔ فوج کی تنظیم کی اور اس کو باقاعدہ بنایا اور بحری بیڑہ کو اس قدر ترقی دی کہ وہ دُنیا میں دوسرے درجہ کی بحری طاقت سمجھا جانے لگا۔ دول یورپ کی نگاہیں بھی اس کی طرف اُٹھنے لگیں۔

صدرِ اعظم | عالی پاشا عالی دماغ اور بڑا سیاست دان تھا۔ کریٹ اور قرع طاغ میں اجانب کی بغاوتیں رونما ہوئیں مگر صدرِ اعظم کی حسنِ تدبیر سے آگے نہ بڑھیں بہت دَب گئیں۔ صدرِ اعظم نے انگریزی تعلیم انگلستان میں پائی تھی۔ دول یورپ سے سلطان کے تعلقات اس نے قائم کرائے۔

سفرِ یورپ | سلطان روشن خیال تھا۔ اپنے ملک کو یورپین ممالک کی مانند بنانا چاہتا تھا۔ اس نے خود یورپ کی سیر کا ارادہ کیا۔ پہلے مصر تشریف لے گیا وہاں خدیو نے سلطان کے شایانِ شان استقبال کیا۔ پھر فرانس ۱۸۶۷ء میں سلطان تشریف لے گئے۔ پیرس میں امپرر نپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہے وہاں سے لندن گئے۔ ملکہ

وکٹوریہ سے ملاقات ہوئی۔ ملکہ نے سلطان کی بے حد مدارات کی۔ دورانِ قیام لندن میں سلطان بیوہ لارڈ پالمرسٹن کے گھر تشریف لے گئے۔ لارڈ موصوف نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کی حمایت کی تھی اور انگلستان سے فوجی امداد پہنچائی تھی۔ چنانچہ لارڈ مر چکے تھے اس لئے سلطان اس کے شوہر کا شکریہ ادا کرنے اس سے گئے تھے یہ تھا سلطان کا اخلاق۔

وزیر ہندوستان سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ نے انڈیا آفس میں سلطان کی دعوت کی۔ وہاں بھی تشریف لے گئے اور انڈیا آفس کو عزت بخشی۔ یہاں سے رخصت ہو کر ویانا گئے۔ پھر آستانہ لوٹ آئے۔ امرائے سلطنت اور شہزادے بھی ہم سفر تھے۔

۱۸۶۸ء میں پرنس آف ویلز ولی عہد ملکہ وکٹوریہ معہ اپنی بیگم کے قسطنطنیہ آئے سلطان کے مہمان ہوئے۔ اس کے بعد امپرس آف فرانس سلطان کے یہاں آئیں۔ پھر امپرر جوزف شہنشاہ اسٹریا سلطان کے مہمان ہوئے۔ سلطان نے اپنے خاص محل میں شہنشاہ کو ٹھہرایا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا، مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا۔ اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا۔

دولِ یورپ کے تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان زیادہ اسراف بے جا کرنے لگا۔ اس کی اس فضول خرچی کا اثر ملک کے خزانے پر پڑا۔ ادھر سلطان نے دول سے قرضہ لے لیا۔ یہ حکومت پر بڑا بار تھا۔ اس کے سوا مغربی تمدن کی ہوا لگی تو بجائے ملک کی طرف توجہ کرنے کے عیش و عشرت کی طرف راغب ہو گئے۔ صدر اعظم کی یکایک وفات نے اور محمود ندیم پاشا کے صدرِ اعظم ہونے سے بدنظمی ممالک میں دوبالا ہو گئی۔

پھر کیا تھی رشوت اور غبن کی گرم بازاری شروع ہو گئی عہدے اور مناصب قیمتاً فروخت ہونے لگے۔ اس سے بڑھ کر جابجا فتنے اور ہنگامے برپا ہو گئے۔

چنانچہ بوسینیا اور ہرزی گوینا میں نصرانیوں نے ہزارہا مسلمان شہید کر دیئے۔ مگر سلطان سے کچھ بنائے نہیں بنتی تھی۔

سلطان اس درمیان میں روسی سفیر اگناتیف کے ساتھ ایک معاہدہ کی فکر میں تھا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ روس کا اتحاد بہ نسبت دیگر دول یورپ کے دولت علیہ کے لئے زیادہ مفید ہے۔ اس لئے سفیر مذکور کی باتوں میں آکر سلطان نے بغاوت کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ جبل استودسر بیا اور بلغاریہ تک بغاوت کی آگ پھیل گئی اور لاکھوں مسلمان سلطان کی غفلت سے شہید کر دیئے گئے۔ سلانیک میں ایک بلغاری لڑکی مسلمان ہو گئی جس کو جرمن سفیر نے بہکا دیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے سفیر مذکور کو قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ پر جرمنی اور اس کے حمایتی فرانس نے اپنے جنگی جہاز حدودِ سلطنتِ عثمانیہ میں بھیج دیئے اور سلطان سے قاتلوں اور ذمہ دار حکام کی معزولی کے طالب ہوئے۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر اُن کے مطالبات پُورے کر دیئے۔

معزولیٔ سلطان آستانہ میں اس خبر سے ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء و طلباء نے میدانِ فاتح میں مجتمع ہو کر اجنبی حکومتوں کی مداخلت کے خلاف آواز بلند کی اور محمود ندیم پاشا کی برطرفی کے طالب ہُوئے۔ سلطان نے منظور کر لیا۔ مگر اس سے بھی عوام کے جوشں ٹھنڈے نہ ہُوئے تو صدرِ اعظم رشدی پاشا، سرعسکر حسین عوفی پاشا اور شیخ الاسلام حسن خیر اللہ آفندی نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ اب مُلک میں امن جب ہی ہو سکتا ہے کہ سلطان عبدالعزیز کو معزول کیا جائے اور مراد خامس کو سلطان بنایا جائے۔ چنانچہ سلیمان پاشا ناظرِ کتب حربی نے اپنے طلباء کو لے جا کر قصر کا احاطہ کر لیا اسکے بعد جلوس کی توپیں سر کرنی شروع کیں سلطان متفکر ہُوا اور اس نے تختِ سلطنت سے علیحدگی منظور کی اور قصرِ چراغاں چلے گئے۔

وفات سلطان کو اس واقعہ کا صدمہ بہت ہُوا۔ اس نے محل کی لونڈی سے قینچی منگا کر اپنی رگِ اکحل کاٹ لی۔ خون اس قدر بہا کہ مر گیا۔

سُلطان مُراد خامس

نام ونسب مراد پسر سلطان عبدالمجید ابن سلطان محمود عثمانی۔

ولادت مراد ۲۵ رجب ۱۲۵۶ھ میں پیدا ہُوا۔

تختِ خلافت ۷ رجمادی الاوّل ۱۲۹۳ھ کو مُراد سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد سریر آرائے تختِ خلافت ہُوا۔

وقائع سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر بلقان میں نصرانیوں نے جو فتنے برپا کر رکھے تھے اُن کے استیصال کے لئے ایک فوج بسرکردگی امیرالعسکر بھیجی جس نے پہنچ کر سرکشوں کی گوشمالی کی اور سرویا کے حکمران پرنس میلان کو میدانِ جنگ میں شکست دے کر اس کے سب سے محفوظ مقام کسناخ کو لے لیا۔ جب ترکوں کی فاتحانہ روش کو پرنس میلان نے دیکھا اس کو اپنی موت دکھائی دینے لگی تو اس نے دول یورپ کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کی۔ مراد جس روز تخت نشین ہُوا، اس کے دوسرے دن سلطان عبدالعزیز کے حاجب حسن بک چرکس نے اپنے آقا کے انتقام کے لئے مجلسِ وکلاء میں آکر تپنچہ سے سرعسکر حسین پاشا اور صدرِ اعظم رشدی پاشا کو گولی کا نشانہ بنایا۔ احمد پاشا وزیر بھی لپیٹ میں تھا مگر اس کی جان تو بچ گئی لیکن زخمی ہو گیا۔

سلطان مراد کو مالیخولیا کا عارضہ تھا، وزراء نے تین ماہ تک علاج کرایا مگر حالت نہ سدھری شیخ الاسلام کی منظوری سے اس کو تخت سے اُتار کر عبدالحمید کو بٹھایا۔

وفات | معزولی کے بعد مراد قصرِ چراغاں میں مقیم رہا۔ وہیں ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی [1]

سُلطان عبدالحمید ثانی

نام ونسب | عبدالحمید ابن سلطان عبدالمجید۔

تختِ سلطنت | عبدالحمید اپنے بھائی سلطان مراد کے خلع کے بعد ۱۲۹۳ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

ملک کی حالت | قلمروئے عثمانیہ، دول یورپ کی دسیسہ کاریوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا جس سے ملک کی حالت نہایت مضطرب تھی۔ کیونکہ دول یورپ نصاریٰ کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کر رہی تھیں۔ انگلستان اور روس بلقان کی ریاستوں کے بعض معاملات کو سُلجھانے کے لئے اپنے سفراء کے ذریعے آستانہ میں مؤتمر منعقد کئے ہوئے تھے۔

دستور کا اعلان | مدحت پاشا اپنے زمانہ میں اعلیٰ سیاسی دماغ رکھتا تھا۔ اس نے وقت کے تقاضے سے حکومت کے لئے دستور بنایا اور سلطان عبدالحمید کو اس کے اعلان کے لئے رضامند کر لیا۔ چنانچہ سلطان نے دربارِ عام کر کے دستوری حکومت کا اعلان کیا تاکہ مساوات اور حریت عام عطا کرنے سے اجنبی مداخلتوں سے نجات مل سکے۔ اس اعلان سے سلطنتِ ترکیہ

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیین از حسین بعیب مصری صفحہ ۱۰۵۔

میں جوش ومسرت کی لہر دوڑ گئی مگر اس کا اثر مؤتمر مذکور پر بُرا پڑا۔

جنگ پلونا

دول یورپ جو مداخلت کر رہی تھیں بلقانی ریاستوں کی آڑ لے کر اُس نے اپنے اغراض پورے کرنا چاہے۔ چنانچہ مؤتمر منعقدہ آستانہ نے ایسی سخت شرطیں پیش کیں جن کا قبول کرنا دولت علیہ کے لئے ممکن نہ تھا۔ اگر منظور کرتے ہیں تباہ ہو جاتے ہیں اس لئے باب عالی نے انکار کر دیا۔ روس نے جل کر لشکر کشی کی اور فوجیں اس کی دریائے طونہ سے گزر کر پلونا تک آگئیں اور غازی عثمان پاشا کو چاروں طرف سے محصور کر لیا۔ جب سامانِ رسد نہ پہنچ سکا اس وقت بجائے ہتھیار ڈال دینے کے غازی موصوف اپنی ترکی فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے اور اس بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے چلے کہ قریب تھا کہ روسی فوجوں کو چیرتے ہوئے باہر آجائیں۔ لیکن اسی حالت میں بولونیا کی ایک لاکھ تازہ دم فوجیں آگئیں اور غازی موصوف کے پاؤں میں گولی لگی۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر گیا جس کی وجہ سے غازی موصوف گرفتار ہو گئے۔

غرضیکہ روسی فوجیں سین، اسٹی فانو تک جو آستانہ کے متصل ایک مقام ہے، آگئیں۔ اس وقت دول یورپ کو خطرہ لاحق ہوا اُس نے روس کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور وہاں ایک معاہدہ فریقین میں لکھوا دیا جو معاہدہ سینٹ اسٹیفانو کے نام سے مشہور ہے۔

اس عہد نامہ میں دریائے طونہ سے لے کر بحیرۂ مرمرہ تک کا علاقہ بلغاریہ کو دیا گیا تھا جس پر انگلستان اور آسٹریا بگڑ بیٹھے۔ اس وجہ سے برلن میں پرنس بسمارک کی صدارت میں پھر سفراء دول کی ایک مؤتمر منعقد ہوئی جس میں یہ طے پایا۔ اردہان باطوم اور قلعہ قارص روس کے حوالے کئے گئے۔ بلغاریہ ایک جداگانہ ریاست بنا کر باب عالی کے تابع کر دی گئی۔ رومانیا، سربیا اور قراطاغ مستقل ریاستیں قرار دی گئیں اور تسالیا یونان کو دیا گیا۔

یہ تھی معاہدۂ برلن کی حقیقت، سلطان عبدالحمید نے اس معاہدہ کے بعد

دستوری حکومت توڑ دی اور اصلاح پسندوں کو جو دستوری حکومت کے حامی تھے، ملک بدر ہونے کا حکم دے دیا۔

انگلستان کے مدبرین نے دیکھا کہ ترکی کے علاقہ سے کچھ اپنے لئے بھی تو ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ترکوں کو روس کا ہوا دکھا کر کہ وہ روز بروز ایک طرف آستانہ سے، دوسری طرف دریائے دجلہ و فرات کے منبعوں پر قبضہ کر کے بغداد اور بصرہ سے قریب ہوتا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے لئے خطرۂ عظیم ہے۔ چنانچہ باب عالی میں انگلستان نے اپنے سفیر مسٹر لیرڈ کے توسط سے ایک دفاعی معاہدہ کی خواہش ظاہر کی تاکہ روس کے مشرقی مطامع کو کسی عنوان روک دیا جائے۔ اور اس کے عوض میں جزیرہ قبرص کی درخواست کی تاکہ وہاں انگریزی فوجیں رہیں جو بوقتِ ضرورت روس کی پیش قدمی روکنے کے لئے محاذ پر پہنچ سکیں۔

یہ سلسلۂ گفتگو جاری تھا کہ اس درمیان میں صفوت پاشا صدارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا۔ وہ انگلستان سے مل گیا اور اس نے ۴ جون ۱۸۷۸ء میں اس معاہدہ کی سلطان سے تکمیل کرادی۔ انگریز نے اس چال سے بلا لڑے بھڑے قبرص ہتھیا لیا۔

انگلستان کے اس کارنامہ سے آگے رہنے کے لئے فرانس نے ٹونس پر قبضہ کرنا چاہا اور بہانہ یہ کیا کہ الجزائر کے قریب کے کسی قبیلے نے حدود فرانس میں دست درازی کی۔ لہٰذا یہ بڑا جرم تھا اس لئے ضروری ہوا کہ تونس پر الجزائر کے بعد قبضہ کر کے ہر دو خطہ شامل کر لئے جائیں۔ چنانچہ تونس اس طرح ترکوں کے قبضہ سے نکال لیا گیا اور اہل تونس فرانس کے غلامی میں آگئے۔

کوائفِ مصر انگریز کی نگاہیں مصر پر عرصۂ دراز سے لگی ہوئی تھیں صرف موقع کی تلاش تھی۔ محمد علی پاشا خدیو مصر کے جانشینوں نے مصر میں دول اجنبیہ سے قرض لے کر نہر سویز کھدوائی اور اپنے ملک میں بہت سی اصلاحات بھی کیں جس کی وجہ سے ملک ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ مگر

قرضہ ادا نہ ہو سکا اور نہ اس کی ادائیگی کی سبیل کی گئی۔ آخرش مغربی دول نے صیغہ مال پر اپنی نگرانی جبریہ شروع کر دی۔ اس واقعہ سے نوجوانانِ مصر میں بیداری کے لہر پیدا ہو گئی اور انہوں نے ایک وطنی جماعت کی تشکیل کر لی۔ جس کی قیادت زعیمِ ملت اعرابی پاشا نے کی۔ اس جماعت نے دول یورپ کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے۔ فرانس اور انگلستان نے اس وطنی تحریک کو کچلنے اور دبانے کے لئے اپنے جنگی بیڑے مصر بھیج دیئے۔ اس سے وطنی جماعت میں شورش اور بڑھ گئی۔ انہوں نے مصر میں جو مغربی اقوام رہتی تھیں ان کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کیونکہ انہی لوگوں نے ان ہر دو دول سے سازش کر رکھی تھی۔

غرضیکہ انگریز نے اسکندریہ پر جہاز کی توپوں کے سایہ میں قبضہ کر لیا اور ایک فوجِ گراں نہر سویز کے متصل اتاری جو تل کبیر کے نیچے اعرابی پاشا کی جماعت سے دو دو ہاتھ کرتی ہوئی قاہرہ میں کامرانی سے داخل ہوئی۔ غرضیکہ مصر انگریزوں کے قبضہ و تصرف میں ہو گیا اور بری طرح انتقاماً مصریوں کو ذبح کیا گیا۔ بچے بوڑھے، عورت، مرد سب تہ تیغ کئے گئے۔

اس واقعہ نے سوڈانیوں میں اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ وہ بھی انگریزوں کے ظلم و ستم سے واقف ہو کر اُن کے خون کے پیاسے ہو گئے اور سوڈانیوں میں بھی ایک محبانِ وطن کی جماعت تیار ہو گئی اور اس کی قیادت ایک عظیم المرتبت شخصیت احمد نامی نے کی۔ عبادت گزاری سے وہ مہدی سوڈانی مشہور تھا۔ جوق در جوق انگریز سے جہاد کے لئے اس کے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ انگریز نے مصر پر اکتفا نہ کیا بلکہ سوڈان پر بھی قبضہ کرنا چاہا اور آگے بڑھے۔ مہدی کی جماعت نے بری طرح انگریزی فوج کی پٹائی کی اور خرطوم میں پہنچ کر گارڈن پاشا اور اس کے سارے لشکر کو قتل کر ڈالا۔

انگریزوں نے دوسری فوج لارڈ کچز کی سرکردگی میں بھیجی اُس نے سوڈانیوں میں روپیہ پیسہ کی بارش کر کے بہت سے اُمرائے سوڈان کو جھانسے میں لالایا۔ تین

سال تک وطنی جماعت نے جنگ کی، مگر غداروں کی بدولت مہدی سوڈانی کی جماعت کو شکست ہوئی اور کچنر نے خرطوم پر قبضہ کیا۔ مہدی کا وصال ہو چکا تھا۔ اس کی لاش قبر سے نکال کر پائمال کی گئی اور اس کی ہڈی بطور نشانی لارڈ نے اپنی گھڑی میں آویزاں کی - یہ ایک مہذب ملک کے لارڈ کا کارنامہ ہے۔ سوڈان کے بعد فشودہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔

شرقی روم ایلی کی بغاوت

برلن کانفرنس میں دول مغرب نے یہ طے کیا تھا کہ شرقی روم ایلی کا والی عیسائی ہوا کرے۔ ۱۸۸۵ء میں اہل شرقی روم ایلی نے دول یورپ کے بھڑکانے سے یہ آواز اٹھائی کہ ہمارا علاقہ بلغاریہ سے ملحق کر دیا جائے اور بغاوت کر دی۔ غاوریل پاشا والی کو گرفتار کر لیا اور آستانہ بھیج دیا اور پرنس باٹمبرگ کو اپنا حکمران بنا کر بلغاریہ سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ ترکوں میں کچھ جان نہ تھی سو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

اب اہلِ مغرب کی نگاہ آرمینیہ پر اٹھی۔ کیونکہ نام نہاد برلن کانفرنس میں ایک شرط آرمینیہ کی اصلاحات کے متعلق بھی تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید نے وعدہ ایفا نہ کیا۔ ارمنیوں نے ظلم وستم کی داستانیں گڑھ کر دول یورپ کو بھیجیں اور پھر ملک میں بغاوت کر دی۔ اس میں سخت خونریزی ہوئی اور ۱۸۹۵ء میں خود آستانہ میں ان آرمینیوں نے شورش کھڑی کر دی جس میں صدہا قتل ہوئے۔ اہل یورپ کو موقع ہاتھ لگا۔ ان کی حمایت کے لئے آواز اٹھائی لیکن سلطان نے کوئی توجہ نہ کی۔ صبر کر کے رہ گئے اور موقعہ کے منتظر رہے۔

کریٹ

۱۳۱۳ھ میں کریٹ والوں کی طلب پر دول یورپ نے اپنے جنگی جہاز اس جزیرہ پر بھیج دیئے اور باب عالی سے مطالبہ کیا کہ اس کا والی مقرر کیا جائے۔ اس زمانے میں یانیہ پر یونان کے ولی عہد قسطنطین نے لشکر کشی کی۔ ادھم پاشا نے اس پر نمایاں فتح حاصل کی۔ مگر دول یورپ نے ترکوں کو اس کے ثمرہ سے متمتع نہ ہونے دیا۔ بلکہ کریٹ

سے بھی عثمانی فوجوں کو نکال دیا اور روس اور انگلستان، فرانس اور اطالیہ نے اپنی حمایت میں لے لیا۔

ترکوں میں سیاسی بیداری

سلطان سیاست میں کامل تھا مگر اس میں استبداد بہت تھا اور وہ بعض اوقات دول یورپ کے دباؤ میں آجاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کے عہد میں حکومت کی ساری قوت خود اس کی ذات میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ باب عالی بے دست و پا ہو گیا تھا اس وجہ سے ملک میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ سلطان نے جاسوسی کا نظام پھیلا رکھا تھا۔ ان کی جھوٹی سچی رپورٹوں نے سلطنت کا سارا انتظام مختل کر دیا تھا۔

دول یورپ جن کی طاقتیں عظیم الشان تھیں وہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے میں دن رات لگی ہوئی تھیں اور وزراء سلطنت عثمانیہ کو انہوں نے دولت کی چاٹ لگا کر گانٹھ رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حامیانِ اصلاح اور بہی خواہانِ ملک نے ایک مخفی انجمن "جوان ترک" کے نام سے قائم کی یہ مخفی اس لئے اس کو رکھا کہ مدحت پاشا کے ساتھیوں کو سلطان نے ملک بدر کر دیا تھا۔ نوجوان ترکوں میں نیازی بک اور انور بک اور کمال پاشا پیش پیش تھے۔ شاہِ انگلستان ایڈورڈ ہفتم اور زار روس نے مل کر دولتِ عثمانیہ کی تقسیم کی تجویز پختہ کر لی۔ اس وقت نیازی بک اور انور بک نے جو سنا تو ترکی افواج کو ملا کر دستور کے مطالبہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید نے اس بغاوت کے انجام کے خطرے سے جو اس کی ذات کے خلاف تھی ۱۳۲۴ھ میں پھر دستور کا اعلان کر دیا۔ آگے اس کی تفصیل کمال پاشا کے بیان میں آتی ہے۔

سلطان کی مساعی یہ رہیں کہ اپنے اقتدار کی خاطر عالمِ اسلامی سے تعلق قائم کیا اور خلافت کی آڑ لے کر مسلمانانِ عالم کو اپنا ہوا خواہ بنا لیا۔ علامہ سید جمال الدین افغانی

کی خدمات حاصل کیں۔ انھوں نے عبدالحمید کے اقتدار کے لئے پان اسلام ازم کا شغلہ چھوڑا۔ علامہ نیک نیت رکھتا تھا۔ وہ خلافت مآب کے پردہ میں عالمِ اسلامی کو ایک مرکز سے منسلک کرنا چاہتا تھا۔ مگر سلطان نے دیکھا کہ علامہ اس کے لئے زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے تو ان کو نظر انداز کر دیا۔

سلطان کا کارنامہ حجاز ریلوے اور علمی ترقی ہے۔ اس نے مغربی علوم و فنون سے بڑی دلچسپی لی۔ اس کے عہد میں صدہا کتابیں ترکی زبان میں منتقل ہوئیں۔

بطلِ حُرّیت مدحت پاشا

مدحت پاشا ابن حاجی علی آفندی ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ رسمی تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ صدارتِ عظمیٰ کے محکمہ کے سیکرٹری رہے۔ پھر سامی بکر پاشا نے اپنے پاس بُلا لیا۔ یہاں سے وزیر اعظم رشید پاشا کی طلبی پر گئے۔ اس نے مجلسِ عالی کے سیکرٹری کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ عالی پاشا جب صدرِ اعظم ہوئے، مدحت پاشا کو یورپ بھیجا اور جب مسئلہ بلقان چھیڑا تو اُن سے مشورہ لیا گیا۔ بغداد میں اصلاحات کیں۔ بغداد و کاظمیہ کے درمیان ٹریموے جاری کرائی۔

کپڑا بُننے کے کارخانے کھولے، قصبات میں مدارس، شفاخانے اور بنک کھولے۔ ایک مطبع کھولا جس میں اخبار الزوراء چھپتا تھا۔ اس زمانے میں پٹرول کی کانیں دریافت ہُوئیں۔ سلطان عبدالعزیز کے عہد میں وزارت کے عہدے پر سرفراز ہُوئے۔ عبدالحمید خاں کے زمانے میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ثمرہ یہ دیا گیا کہ مئی ۱۸۸۳ء کو گلا گھونٹ دیا گیا۔ مدحت پاشا کے فرزند رشید علی حیدر نے سوانحعمری لکھی ہے۔

علاّمہ جمال الدین افغانی

علامہ سیّد جمال الدین افغانی اسعد آباد میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہُوئے۔ آپ

کے والد سید صفدر نبیرۂ سید علی ترمذی محدث متوفی ۱۳۷۹ھ تھے۔

اٹھارہ برس کی عمر میں علومِ عربیہ کی تحصیل سے فراغت پائی۔ اس کے بعد ہندوستان آئے۔ ڈیڑھ سال یہاں رہے ۱۲۵۵ھ میں مکہ معظمہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد افغانستان گئے امیر دوست محمد خاں کے مصاحب ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکوں محمد اعظم اور شیر علی میں جنگ چھڑ گئی۔ محمد اعظم کے ساتھ آپ ہو گئے۔ کامیابی پر اُس نے ان کو معتمد علیہ وزیر بنا دیا۔ انگریزوں نے شیر علی کی مدد کی، محمد اعظم مقابلہ پر شکست کھا گیا۔

علامہ نے یہ رنگ دیکھ کر حج کا ارادہ کیا۔ ۱۸۶۹ء میں ہندوستان آئے۔ یہاں سے مصر گئے۔ قاہرہ میں قیام کیا، پھر آستانہ روانہ ہو گئے۔ سلطان عبدالحمید نے آپ کا شاندار خیر مقدم کیا۔ شیخ الاسلام آپ کا مخالف ہو گیا۔ ۱۸۷۰ء کے آخر میں مدیر جامعہ ترکیہ نے آپ کو دعوت دی کہ طلباء کو ترغیب دینے کے لئے صناعات پر تقریر کریں۔ علامہ نے نہایت احتیاط سے تقریر کی۔ مگر شیخ الاسلام نے تقریر کے بعض جملوں کو گرفت کر لیا۔ الزام دھرنا شروع کیا۔ ملک میں اس سے اضطراب پیدا ہو گیا۔ حکومت نے ملک چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا تو ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو قاہرہ آ گئے۔ یہاں وزیر اعظم ریاض پاشا نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر طلباء میں علمی لیاقت کے ساتھ سیاسی بیداری کی روح پیدا ہونے لگی۔ انگریز کھٹک گیا۔[1] ادھر اہل ملک نے خدیو اسمٰعیل کو معزول کرنے پر مجبور کیا[2] اس کے بعد توفیق پاشاہ ۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو تختِ مصر پر رونق افروز ہوا۔ پہلے وہ علامہ کا معتقد تھا پھر وہ آپ سے برگشتہ ہو گیا۔ اس نے ستمبر ۱۸۷۹ء کو حکم صادر کیا کہ علامہ

---

[1] انقلاب ایران صفحہ ۸ از براؤن۔

[2] مصر کی پر اسرار تاریخ۔ از مسٹر بلنٹ صفحہ ۱۰۱۔

مصر سے نکل جائیں [1]

اس کے بعد پھر ہندوستان آئے، حیدرآباد مقیم ہوئے۔ مگر مصری نوجوانوں میں انقلابی تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر مصر پر انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا اس نے حیدرآباد سے علامہ کو بلا کر کلکتہ میں نظر بند کر دیا۔ آپ نے اجازت لے کر لندن کا سفر اختیار کیا۔ چند دن رہ کر پیرس گئے۔ یہاں تین سال رہے۔ ان کے شاگرد محمد عبدہ مصری بھی پہنچ گئے۔ "العروۃ الوثقیٰ" رسالہ یہاں سے جاری کیا جس میں انگریزوں کے استبداد پر مضمون ہوتے تھے۔ پہلا نمبر ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ اٹھارہ نمبر نکلے۔ ۱۶ راکتوبر ۱۸۸۳ء میں آخری پرچہ نکلا۔ برطانیہ نے ہندوستان اور مصر میں ممنوع قرار دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی میں وطنیت اور اتحاد کی روح اس رسالہ سے بیدار ہو گئی [2]

یہاں سے روس گئے چار سال رہے۔ پھر ایران گئے۔ شاہ نصیر الدین نے یورپ میں دورانِ سیاحت میں دعوت دی تھی۔ جب ایران پہنچے، شاہ نے وزیر جنگ مقرر کر دیا۔ مگر عوام کی رجوعات سے گھبرا کر شاہ نے نظریں پھیر لیں تو اس سے اجازت لے کر روس چلے گئے۔ پھر ۱۸۸۹ء میں ایران آئے اور شاہ عبدالعظیم میں مقیم ہوئے۔ بادشاہ سے اور آپ سے تعلقات بہت بگڑ چکے تھے۔ آپ نے مجتہدین ایران کو نامہ و پیام سے اپنا لیا اور علانیہ بادشاہ کو معزول کرنے کی دعوت دینی شروع کر دی۔ آپ کا نفوذ و اثر تمام جماعتوں میں ترقی پا گیا۔ اندرونی انقلاب میں جو بعد میں ایران میں برپا ہوا، علامہ کے بارہ شاگردوں کا کافی حصہ تھا۔ ایک شخص مرزا رضا کرمانی نے آپ کے مخالف بادشاہ کا ۱۸۹۶ء میں کام تمام کر دیا۔ [3]

حکومت نے آپ کو سلطنتِ عثمانیہ کے حدود سے نکال دیا۔ اب بصرہ

---

[1] المنار جلد ۸ صفحہ ۴۰۲ [2] ایضاً صفحہ ۴۰۵ [3] انقلاب ایران صفحہ ۶۷۔

میں رہے، پھر لندن گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۳ء میں آستانہ پہنچ گئے۔ یہاں سلطان عبدالحمید کی زیرِ حمایت تکریم و تعظیم کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر سلطان بھی ان سے کھٹکتا ہی رہا۔ وہیں مہلک مرض سرطان میں مبتلا ہوئے اور ۹ رمارچ ۱۸۹۷ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

عبدالقادر الجزائری

بحیرۂ روم کے جنوبی ساحل ممالک البحریہ میں شہر معسکرہ میں ۱۸۰۸ء میں عبدالقادر پیدا ہوا جو مرابطین کی نسل سے تھا۔ جید عالم تھا۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ عبدالقادر نے ۱۸۳۲ء میں آوازِ مخالفت اٹھائی۔ دس ہزار مجاہد جمع ہوئے۔ آخرش ۱۸۳۴ء میں معاہدہ ہو گیا۔ پہلے مفتی تھا پھر حکمران بن گیا، معسکر اور اوران کا۔ پھر ۱۸۴۷ء میں فرانس نے حملہ کر دیا۔ جس میں گرفتار ہو گیا اور جلا وطن کر کے طولون کے قلعہ میں قید کر دیا۔ چار سال قید رہا۔ پھر شاہِ فرانس لوئی نپولین نے آزاد کر دیا اور وہاں سے بروسہ، پھر قسطنطنیہ چلا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں حج کیا۔ ۱۸۶۲ء میں فرانس گیا۔ پھر آخر عمر میں مکہ جا کر ۱۸۷۳ء میں فوت ہو گیا۔

بطلِ حریت مصطفےٰ کمال پاشا

مصطفیٰ کمال کے والد کا نام علی رضا تھا جو ایک عرصہ تک سالونیکا میں چنگی کے محرر رہے۔ پھر لکڑی کی تجارت کرنے لگے۔ اس کی بیوی زبیدہ ترک خاتون تھی جس کے بطن سے ۱۵ رمارچ ۱۸۸۱ء میں مصطفیٰ کمال پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت مصطفیٰ کو تعلیم دینی حاصل کرنے کے لئے مسجد کے مکتب میں بٹھایا۔ ایک سال میں مصطفیٰ سے ہونہار بچے نے اچھی خاصی دینی تعلیم پائی۔ پھر مدرسہ شمس آفندی میں داخل کر دیا۔ اسی زمانے

میں علی رضا کا انتقال ہو گیا تو زبیدہ کے بھائی نے اپنی بہن اور مصطفیٰ کی کفالت کا ذمہ لے لیا اور سالونیکا کے بڑے مدرسہ میں بٹھا دیا۔ مگر مصطفےٰ کا جی نہ لگا۔ طبیعت میں سپاہی بننے کا ولولہ تھا۔ اپنے والد کے ملنے والے کے ذریعہ فوجی مدرسہ کا امتحان پاس کر کے وہاں داخل ہو گیا۔ یہاں مصطفیٰ کی توجہ کا خاص مرکز علم حساب تھا۔ حساب میں وہ اتنا طاق ہو گیا کہ اُستاد کی عدم موجودگی میں اپنی جماعت کے طلباء کو حساب سکھایا کرتا۔ ایک دن مصطفیٰ نے ایک ادق سوال حل کیا۔ اُستاد اس کی ذہانت پر بے حد خوش ہُوا اور کمال محبت سے کہا کہ مصطفیٰ اس علم میں کمال حاصل کرے گا۔ اس دن سے وہ مصطفےٰ کمال کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہاں سے حربی کالج میں داخل ہو کر مصطفےٰ مناستر چلا گیا۔

سالونیکا کے قیام میں ترک نوجوان فتحی بے سے تعلقات ہو گئے وہ وطن پرست تھا جس کی صحبت سے مصطفےٰ پر بھی وطنیت کا رنگ چڑھنے لگا۔

مناستر میں ریاضی اور فرانسیسی زبان پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی حساب دانی یہاں بہت کام آئی، وہ طلباء پر فائق رہا۔ فرانسیسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل کر لیا۔ جب چھٹیوں میں وطن سالونیکا آیا تو اس نے فرانسیسی ادب کے مطالعہ کے خیال سے مشہور انقلابی والٹیر، روسو، جان جیک اور وکٹر ہیگو کی جذبات انگیز کتابیں منتخب کیں اور ایامِ رخصت میں دیکھ ڈالیں جس کا اثر یہ ہُوا کہ وہ خود انقلابی مصنف بننے کا ارادہ کرنے لگا۔

تعطیلات گزرنے کے بعد جب وہ مناستر واپس آیا تو اس کی ملاقات ترکی کے ایک مشہور شاعر عمر آفندی ناجی سے ہوئی جس کی وجہ سے وہ ترکی ادبیات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ترکی کے شاعرِ انقلاب نامق کمال کی نظموں کا مطالعہ کیا جس نے اتاترک میں انقلابی رنگ بہت زیادہ پیدا کر دیا اور وہ خود انقلابی شعر گو ہو گیا۔ اس نے سلطان عبدالحمید کے استبداد اور مظالم کے خلاف ایک نظم لکھی جس نے

بڑی قبولیت حاصل کی۔

شعر گوئی کی وجہ سے اس کو جلسوں میں بلایا جانے لگا جہاں وہ نظمیں پڑھتا اور تقریریں کرتا جس سے حضار مجلس اس سے مانوس ہونے لگے اور اس کے جذبۂ حریت کی قدر کرنے لگے۔ پھر تو ہر بڑے اجتماع میں اس کی پرسش ہونے لگی۔

اتاترک مغربی دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو چکا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ غیر ملکی طاقتیں کس طرح ترکی کی اندرونی سیاست پر حاوی ہو کر اُسے کچل دینا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں خارجی طاقتوں کے خلاف زبردست نعرہ لگایا کہ :-

"ترکی ترکوں کے لئے ہے"

عامۃ الناس نے اس جوان العمر طالب علم کی اس جذبۂ حریت خود اختیاری کو سراہا اور اس کو اپنانا چاہا۔ یہی وہ وقت تھا کہ سلطان عبدالحمید کی خود سرانہ پالیسی کی وجہ سے دول یورپ فائدہ اُٹھا رہی تھیں۔ اُن کی شہ پر یونانی ترکوں کو کمزور و نحیف سمجھ کر جزیرہ کریٹ کے الحاق کا مطالبہ کر بیٹھے اور اس پر غاصبانہ قبضہ جمانے کے لئے اپنی عسکری قوت کو کریٹ کی طرف دھکیل دیا۔ کمال پاشا ان دنوں مناستر کے فوجی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ نام نہاد ترکی حکومت دول یورپ کے متعلق اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ یہ متمدن ممالک یونان کے اس وحشیانہ اقدام کی مذمت کریں گے۔ مگر اہل یورپ کے ضمیر میں رواداری کا عنصر یکسر مفقود ہے۔ یہ شریف صورت حکمراں قطاع الطریق سے بھی بڑھ کر تھے۔ چنانچہ اس حکمران جرگہ (دول یورپ) نے یونان کے اس انسانیت سوز فعل کی مذمت کرنے کی بجائے اس کی تائید وحمایت کی۔ دول مغرب خود اس بہانہ سے ترکی کے حصے بخرے کرنے پر تیار تھے اور ترکی کے خرمن نظم کو تباہ کرنے کے لئے انہیں ایک چنگاری اس موقعہ پر ہاتھ لگی تھی۔

یونان اپنی پوری قوت سے ترکی علاقہ میں آکودا اور کشت وخون کے دریا بہانے لگا۔ بوڑھے، بچے عورتیں تہ تیغ کرتے ہوئے قلمرو عثمانیہ میں یونان بڑھ رہا تھا۔ سلطان عبدالحمید بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اور اس نے ایک مسلح فوج یونانی سپاہ کے مقابلہ پر روانہ کی۔ مناستر کے فوجی کالج کے طلباء محاذِ جنگ پر خود جانے کو آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ طلباء بھی بھیج دیئے گئے۔ ان میں سب کا سرگروہ مصطفےٰ کمال تھا۔ یہ جماعت کریٹ پہنچی۔ کمال نے میدانِ حرب کا نقشہ دیکھا اور یونانی سپاہ پر ترکی فوج کو لے کر آپڑا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے کمال مناستر لوٹ آیا۔ حربی کالج کے ذمہ دار ارکان نے مصطفےٰ کی سفارش کی اور اس کو قسطنطنیہ کے جامعہ حربیہ میں داخل کرا دیا گیا۔

کمال کی شہرت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ سلطان نے بھی اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ مگر کمال اپنے انقلابی خیال میں محو تھا۔ اتفاقیہ اس زمانہ میں ترکی کے آتش قلم مصنف نامق کمال کی کتاب "وطن" مصطفےٰ کمال کو مل گئی۔ یہ کتاب حریت و آزادی کے موضوع پر دل سوز ڈرامہ تھا۔ نامق "وطن" کی وجہ سے مورد قہر سلطانی ہوا اور جان بچا کر لندن چلتا ہوا۔ "وطن" ضبط کر لی گئی اور جس شخص پر اس کے مطالعہ کا شبہ ہوتا وہ قتل کیا جاتا یا غرق بحر باسفورس کر دیا جاتا۔

کمال نے "وطن" کا غائر مطالعہ کیا جس سے سلطانی حکومت کے خلاف شدید جذبۂ تنفر پیدا ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے جامعہ حربیہ کو خیرباد کہا اور فوجی افسروں کے کالج میں داخل ہو گیا۔ یہاں کمال لفٹننٹ کے عہدہ پر فائز ہوا۔ مگر جہاں فنونِ حرب سے واقف ہو رہا تھا اپنے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ طلباء خلیفہ کی مطلق العنانی اور شاہانہ اختیارات پر باہمی کڑی نکتہ چینی کیا کرتے۔ باب عالی کو خبر لگی جس پر کمال اور ان کے ساتھی سیاسی شکنجہ میں کس دیئے گئے۔ جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا

کمال نے اپنا مقدمہ خود لڑا اور جو بحث کی اور دورانِ تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا، جج اور جیوری نے بے حد اثر لیا اور اُن کو چھوڑنا پڑا۔

مصطفےٰ نے انقلابی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ہم خیال صدہا بن گئے۔

انجمن وطن مصطفےٰ کے ہم جماعت فوجی افسر تھے اور ان پر انقلابی رنگ چڑھ چکا تھا۔ باہمی مشورہ سے انجمنِ وطن کی تشکیل بروئے عمل آئی۔ اس انجمن کا قائد خود مصطفےٰ کمال تھا۔

انجمن وطن کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ سلطان عبدالحمید کے وسیع اختیارات محدود کر کے پارلیمنٹ قائم کی جائے جو ملک کا نظم ونسق چلائے۔

انجمن کے زیرِاہتمام جلسے کئے جانے لگے اور انجمن کی کارگذاری کی اشاعت کے لئے "حریت" نامی اخبار نکالا گیا جس کا چیف ایڈیٹر کمال پاشا تھا۔ یہ اخبار ہاتھ سے لکھا جاتا اور بارسوخ حضرات کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔

حریت کے مقالات نے ایک زبردست تحریک انقلاب ترکی میں پیدا کر دی۔ اور بے شمار ترک خفیہ خفیہ ہی انجمن وطن کے ممبر بن گئے۔

سلطان کے جاسوسوں نے خلیفہ عبدالحمید کے پاس حریت کی کارگزاری مفصل رپورٹ کی صورت سے پیش کی۔ سلطان گھبرا گئے۔ فوجی کالج کے افسرِاعلیٰ پرنسپل رضا پاشا تھے اور ڈائرکٹر اسمٰعیل حقی پاشا ان کو باغیانہ خیالات کا پتہ لگ چکا تھا۔ سلطان کی طلبی پر ہر دو حاضر ہوئے۔ اسمٰعیل پاشا نے رضا پاشا سے کہا کہ سلطان معظم نے پرنسپل حربیہ کالج کو اس لئے طلب کیا ہے کہ افسرانِ فوج میں سلطان کے خلاف بغاوت پھیلائی جارہی ہے۔

رضا پاشا نے اسمٰعیل حقی کو منہ توڑ جواب دیا کہ وہ خاموش ہو گیا۔ سلطان بھی مطمئن ہو گیا مگر حقی پاشا خود کالج میں گیا اور حریت کے ایڈیٹر کی تلاش میں لگا رہا مگر پتہ نہ لگ سکا۔ کچھ عرصہ بعد رضا پاشا ایسے وقت پہنچا کہ کمال اور

اس کے ساتھی حریت کے لکھنے میں مشغول تھے مگر رضا نے کچھ نہ کہا۔ البتہ کمال اور اس کے ساتھیوں پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ فوجی سرحد سے باہر نہ جائیں۔ مگر کچھ دن بعد یہ پابندی ان سے اٹھا لی گئی۔

مصطفےٰ کمال کی فوجی کالج کی تعلیم ختم ہوئی اور ان کو "یوزباشی" کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اب اس کی رہائش قسطنطنیہ کے ایک محلہ اسلام بول میں تھی۔

جمعیت حریت

انجمن وطن کا نام جمعیت حریت رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں کمال کی فتحی بے سے ملاقات ہوئی جو پرانا رفیق تھا۔ انور بے اور روسی سفیر کو وجاف کی لڑکی سے ملنا ہوا۔ تبادلۂ خیال ہوا۔ باب عالی نے مصطفےٰ کمال کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ جمعیت وطن کے دیگر ارکان بھی معہ کمال کے گرفتار کر لئے گئے۔

انجمن وطن ایک طرف سیاسی سرگرمی کا مرکز بنی ہوئی تھی، دوسری طرف نوجوان ترک نے ایک انجمن کی تشکیل کی جس کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا۔ اس کے رکن انور بے جمال پاشا، طلعت بے نیازی بے تھا، اس کا مرکز سالونیکا[1] تھا۔ انور بے اس جماعت کا قائد تھا۔ کمال نے بھی اس سے تعلق پیدا کر لیا۔ کیونکہ یہ جماعت بھی وہی کام انجام دینا چاہتی تھی جس میں کمال سرگرم سعی تھا۔ مگر کمال نے جو اپنی ہمنوا جماعت میں انقلابی روح پھونک دی تھی کمال کی گرفتاری سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس کی شاخیں تمام مملکت میں قائم ہو گئیں۔

انجمن اتحاد ترقی کے لوگ اب تک گرفتاری سے بچے ہوئے تھے انہوں نے اپنے دائرے کو بھی وسیع کرنا شروع کر دیا۔

سلطان نے انجمن وطن کو خلافِ قانون قرار دے کر بے شمار فوجی افسروں کو بلا مقدمہ چلائے جیلوں میں قید کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور سے سلطان

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۲۶۴۔

کے خلاف منچلے نوجوان میدانِ سیاست میں نکل کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید باجبروت بادشاہ تھا۔ رجعت پسندوں کی قوت کے زور پر عوام کے جذبات کو ٹھکرا دیتا تھا۔ باوجودیکہ حکومت کے شیرازہ نظم ونسق میں پراگندگی بڑھ رہی تھی اور عمالِ حکومت ظلم وجور عوام پر کر رہے تھے۔ مگر بابِ عالی کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ وہ اپنی استبدادی طاقت سے انقلابیوں کے کچلنے میں منہمک تھا۔ ان واقعات نے انجمن اتحاد وترقی کی سرگرمی کو دوبالا کر دیا۔ اس جگہ ہم مختصر تاریخ انجمن کی بیان کیئے دیتے ہیں۔

عثمانیہ انجمن اتحاد ترقی

سلطان عبدالحمید نے مدحت پاشا کو قتل کرا کر اپنے زعم باطل میں دستوری حکومت کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا تھا۔ ادھر محب وطن ترک مدحت پاشا کے ہمنوا یورپین ممالک میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں سلطان نے دستور اساسی کو معطل کیا۔ بارہ[۱۲] برس بعد ۱۸۹۱ء میں جنیوا میں نوجوان ترک جو یہاں جلاوطن ہوئے پڑے تھے حکومتِ ترکیہ کے استبداد سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جو آگے چل کر عثمانی انجمن اتحاد وترقی کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔

اس انجمن کا اس وقت یہ مقصد تھا کہ ترکی حکومت اور سلطان پر دباؤ ڈال کر ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ جب اس انجمن کے ممبران کی تعداد بڑھ گئی اور جلاوطن ترک دور دراز سے آکر شامل ہونے لگے تو اس کا دفتر پیرس منتقل کر دیا گیا اور اس کی شاخیں لندن اور دوسرے یورپین دارالحکومتوں میں قائم کر دی گئیں۔

سلطان نے نوجوان ترکوں کی سیاسی سرگرمی سے مطلع ہو کر عثمانی سفیر مقیم پیرس کو ہدایت کی کہ وہ انجمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھے۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ سے جاسوس روانہ کیئے گئے اور مقامی نوجوانوں پر کڑی نگرانی جو ہوئی تو وہ ترک وطن کر کے پیرس پہنچ گئے۔

انجمن نے اخبار "مشورت" جاری کیا اور متعدد رسائل پیرس سے شائع کئے۔ ان میں دورِ حمیدی کے مظالم بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے اور سلطان کے معزول کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ اخبار و رسائل خفیہ طور سے دارالخلافہ پہنچتے اور تقسیم ہوتے۔ باغیانہ پوسٹر قصر یلدیز پر لگائے جاتے۔

غیر اسلامی انجمنوں سے تعاون

نوجوان ترکوں نے ارمنی، بلغاری اور دوسرے غیر مسلم انقلابی انجمنوں سے جو پیرس میں تھیں اتحادِ عمل کیا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کو بھی ہمنوا بنا لیا۔ دسمبر ۱۹۰۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے انقلابیوں کی ایک کانگرس احمد رضا بے کی زیرِ صدارت پیرس میں منعقد ہوئی جس میں عثمانی انجمن اتحاد و ترقی ارمنی، بلغاری، یہودی عرب، البانی اور دوسری کمیٹیاں شریک ہوئیں۔ تمام مندوبین نے ذیل کے امور کو باتفاق رائے قبول کیا۔

۱۔ سلطان کو معزول کیا جائے۔

۲۔ سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کا تحفظ کیا جائے۔

۳۔ قانون کی نگاہ میں تمام نسلوں اور مذہبوں کو کامل مساوات حاصل ہو۔

۴۔ مدحت پاشا مرحوم کے دستورِ اساسی کی بنیاد پر دستوری حکومت قائم کی جائے۔

یہ شخصی حکومت کے خلاف انقلابی تحریک تھی۔ حقیقتاً نوجوان ترکوں کا یہ بڑا کارنامہ تھا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ غرضیکہ اس تحریک میں بڑے بڑے فوجی افسر شریک ہو گئے۔ یہ انجمن کچھ عرصہ تک مصر میں بھی رہی تھی۔ پھر ۱۹۰۴ء میں مقدونیہ کے مرکزی مقام سالونیکا میں اس کا دفتر منتقل کر دیا گیا تھا۔ ابتدائی دور میں اس کے ممبر ہوٹلوں، قہوہ خانوں میں بیٹھ کر اپنے خیالات کی اشاعت کیا کرتے۔ جو شخص شریک ہوتا اس کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر رات کی تاریکی میں ایسی جگہ لے جاتے جہاں چند نقاب پوش تلوار اور پستول سے مسلح ہوتے۔

وہاں پر اس ممبر سے قرآن مجید ہاتھ میں دے کر مندرجہ ذیل حلف لیا جاتا :-

"میں آج سے خداوند کریم کی عبودیت، اس کے عدل، رحم اور قوانین اخوت و مساوات کے احترام و تقلید میں بنی نوع انسان کے حقوق آزادی کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آج سے میری جان، مال اور زندگی کی مختار انجمن اتحاد و ترقی ہے۔ انجمن مذکور ملک کو ظلم و استبداد سے نجات دلانے کے لئے جو تحریک چلائے گی میں اس میں بصدقِ دل شریک ہوں گا اور ہر قسم کی قربانی کروں گا۔

اگر میں اس جماعت کے پروگرام سے انحراف کروں تو مجھ پر قدرت کی بھیانک لعنتیں وارد ہوں۔ نیز اس صورت میں انجمن کو میرے قتل کا اختیار ہوگا۔" [1]

نئے ممبر سے کہہ دیا جاتا کہ انکشافِ راز پر اس کی جان خطرہ میں ہے اور اگر وہ سلطان کے پہلو میں بھی ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی ممبر عہد کے خلاف کرتا تو اس کو ممبر کرنے والا گولی سے ہلاک کر دیتا۔

انجمن وطن کے ارکان نے اس انجمن کے کاموں کو بھی سراہا اور ہر قسم کی امداد دینی شروع کر دی۔

انجمن کے ارکان میں حسبِ ذیل حضرات نمایاں نظر آتے ہیں :-

نیازی بے۔ نورالدین پاشا۔ غازی محمود شوکت پاشا۔ انور بے۔ طلعت بے۔ حقی بے۔ دید بے۔ عزیز بے۔ فتحی بے۔ حاجی عادل بے جمال۔ سعید بک۔ رؤف بے۔

دستور اِن تربیت نوازوں نے مدحت پاشا کے دستور کو پھر سلطان سے منوانا چاہا۔ مگر سلطان اپنے جبروت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مدحت پاشا

---

[1] تاریخ انقلاب ترکی ص۱۰۔

نے جیل میں ایک وصیت نامہ قوم کے نام لکھا تھا وہ سعید بک اُٹھا لایا اور انجمن کے جلسہ میں وہ پڑھا گیا جس نے نوجوان ترکوں میں خونخواری پیدا کر دی۔ سلطان کیخلاف ہر ایک کے دل میں جذبات موجزن ہونے لگے۔

صدر مجلس چاہتا تھا کہ بغیر خون خرابے کے دستوری حکومت قائم ہو اور خلیفہ کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ جدید اصلاحات نافذ کرے مگر انور بے نے مجلس کو مخاطب کر کے کہا:-

"دستور صلح صفائی سے کبھی نہیں مل سکتا اور نہ ہم کو سلطان عبدالحمید پر اعتبار رہے۔ ہمارا مطالبہ اب تلوار کی طاقت کا کھیل دیکھ کر رہے گا۔ کیونکہ زمانہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ بغیر قتل و خون کے آج تک کسی حکومت میں بھی انقلاب رونما نہیں ہو سکا۔ اس لئے ہمیں سلطانی ظالمانہ حکومت کے خلاف اپنی ہر طاقت کو میدانِ جنگ میں دھکیل دینا چاہیئے اور آج سے انجمن کے قوانین میں اس قانون کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ جو شخص خواہ کتنا ہی بڑا سرکاری افسر ہو کر انجمن کے خلاف اظہار رائے کرے اس کو فوراً تہ تیغ کر دیا جائے۔"

دستور کی طلبی آخر کار بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ تین سال بعد موسمِ بہار میں دستور طلب کیا جائے اور اگر سلطان بخوشی رضامند نہ ہو تو طاقت کے زور سے سلطان کو معزول کر دیا جائے۔ اس جلسہ کے بعد سے اس کی ممبران سرگرمی سے دستور جاری کرانے کے لئے اشتہارات اور تقریروں کے ذریعے فکر جمہور کو بیدار کرنے لگے۔ خلیفہ کو جاسوسوں کے ذریعے انجمن کی سرگرمی کا علم ہوا اُس نے ناظم پاشا سپہ سالار سالونیکا کو حکم بھیجا کہ ممبران انجمن کو گرفتار کر کے سخت سزا دو۔ یہ خبر انجمن کے ارکان کو ملی۔ انور بے کے ایماء پر ایک شخص ناظم پاشا کے قتل پر مقرر کر دیا گیا۔ مصطفےٰ کمال بھی گرفتاری سے آزاد ہو کر انجمن کے کاموں میں عملی حصہ لینے لگا مگر خفیہ طور سے، کیونکہ وہ پھر حکومت کا فوجی عہدیدار بنا دیا گیا تھا

قیام حکومت دستوریہ ۱۹۰۷ء کے اخیر میں مرکزی حکومت کے انتشار اور ملک کی باغیانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر سرحد کے بلغاری اور البانی قبائل نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لئے میجر نیازی بے کو مقرر کیا۔ نیازی بے نے اپنی حکمتِ عملی سے شورش کو دبا دیا۔ اسی دوران میں دول یورپ نے مقدونیہ کو حکومتِ ترکی سے علیحدہ کرنے کی سازش کی تو نیازی بے نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور مصطفےٰ کمال اور انور بے کو کہلا بھیجا کہ اس وقت انجمن دستور کا مطالبہ فوراً کرایا جائے۔ کامیابی یقینی ہے اگر سلطان نے قیام دستور میں حیل حجت کی تو سرحدی قبائل کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

یہی رائے مناستر کی مرکزی کمیٹی کو بھیج دی گئی۔ ۲۸ر جون ۱۹۰۸ء کو جمال پاشا کے ایماء پر انجمن کا خفیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں نیازی بے کے مشورہ کے مطابق انجمن نے فیصلہ کیا کہ ۱۹۱۰ء کے بجائے ابھی حصولِ دستور کے لئے اعلانِ بغاوت کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ سالونیکا کے صدر دفتر بھیج دیا گیا۔

انور بے اور سالونیکا کی مرکزی انجمن نے عام بغاوت کا فیصلہ کر دیا۔ نیازی بے اور مصطفےٰ کمال کو مطلع کر دیا گیا۔ آخر ش نیازی بے نے علَم بغاوت بلند کر دیا اور مختلف زبانوں میں یہ اشتہار شائع کیا اور سلطان اور کمانڈر انچیف، جنرل انسپکٹر اور میجر فوج کو بھی باضابطہ اطلاع بھیج دی گئی۔

اشتہار

"انجمن اتحاد و ترقی کے فیصلہ کے مطابق ہم خلیفۃ المسلمین سے دستوری نظام حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر آئینی حکومت قائم ہو گئی تو بیشمار شکایات کے باوجود سلطان المعظم کی ذات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا جائے گا ورنہ قوم اپنے حقوق کی خاطر اپنی ہر قوت سے کام لے گی۔"

ادھر نیازی بے نے قبائل کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور جب بے شمار لوگ اس باغیانہ جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو حکومت کو خبر لگی۔ اُس نے اُن کے مقابلہ پر فوج ترکی روانہ کی۔ خلیفہ کی فوج جب نیازی بے سے معرکہ آرا ہوئی تو بے شمار سپاہی ہلاک ہوئے اور سلطانی عسکر کے بے شمار فوجی نیازی بے کے ساتھ شامل ہو گئے جو بھاگے انہوں نے سلطان عبدالحمید کو بتایا کہ باغی کسی معمولی طاقت سے مغلوب نہیں ہو سکتے وہ بے حد طاقتور ہیں۔

ادھر کامرانی کے بعد نیازی بے نے سرحدی قبائل میں دورہ کیا۔ رستہ کے تمام علاقہ کو ہمنوا بنا لیا اور اپنا سلسلہ خبر رسانی قائم کر لیا۔

انور بے نے اپنے حلقۂ اثر میں سلطانی حکومت کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ مصطفےٰ کمال گو سرکاری آدمی اس وقت تھا مگر وہ ایک طرف سلطان کو سمجھاتا کہ دستوری حکومت کے مطالبہ کو مان لے۔ دوسری طرف انجمن کو مشورہ دیتا رہتا کہ اب سلطان کمزور پڑتا جا رہا ہے، سرگرمی کو اور تیز کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ روپیہ، سامان حرب، رضا کار خفیہ انجمن کو بھیج رہا تھا۔

سلطان نے سپہ سالار شمسی پاشا کو مناستر بھیجا کہ وہ حکومت کے باغیوں کو ٹھکانے لگا دے۔ شمسی پاشا نے مناستر میں آ کر ۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو انور بے کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے بتا دیا کہ تم کیونکر حکومت کی پشت گیری کر رہے ہو اس لئے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لو۔ اور انور بے یہ کہہ کر چلا آیا اور ایک شخص شمسی پاشا کے قتل پر مقرر کر دیا گیا۔

چنانچہ شمسی پاشا مناستر کے تار گھر سے لوٹ رہا تھا کہ ایک گولی کے نشانہ سے ختم ہو گیا۔ خلیفہ کو خبر ہو گئی وفادار حکومت ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اس نے عثمان پاشا کو مناستر بھیجا۔ نیازی بے کو انجمن کا حکم پہنچا کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا خیمہ میں پڑے سو رہے تھے، نیازی بے نے خیمہ میں آ کر تلوار کی نوک سے اسے جگایا اور مناستر کمیٹی کا خط اس کے ہاتھ میں دے دیا

جس میں درج تھا :-

"آپ کا کام آپ کے پاکیزہ خیالات کے برعکس ہے۔ اگر آپ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں تو ملک کے مفاد کو عظیم نقصان ہوگا۔ عنقریب ملک میں جمہوری حکومت قائم ہونے والی ہے جس کے نظم ونسق کے لئے آپ کے مفید مشوروں کی ضرورت ہے۔ اس لئے انجمن آپ کو حکومت سے علیحدہ کر کے چند روز کے لئے بطور مہمان اپنے پاس رکھے گی۔"

سلطان کو ان دو حادثوں نے بوکھلا دیا تو انور بے کو مشورہ کے لئے بلوایا مگر وہ اس چال کو سمجھ گیا اور مناستر کے پہاڑی علاقے میں جا کر تحریک بغاوت میں لگ گیا۔

غرضیکہ سالونیکا، ایڈریا نوپل، بحرس، مناستر، رسنہ، سرحدی مقامات بغاوت کی لپیٹ میں تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ سکنڈ آرمی کور اور سمرنا کی افواج نے انور بے اور دیگر ارکانِ انجمن کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر قصر یلدیز میں وزراء اور اعیانِ سلطنت کی مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ مصطفےٰ کمال بھی فوجی عہدیدار کی حیثیت سے شاملِ مجلس تھے۔

مصطفےٰ نے علانیہ مجلس میں کہا کہ موجودہ بغاوت فرو کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صرف "اعلانِ جمہوریت کر دیا جائے۔" لیکن وزراء اور اعیانِ سلطنت اعلانِ دستور سے ہچکچا رہے تھے۔

مصطفےٰ کمال نے یہاں کا رنگ دیکھ کر انجمن کو اطلاع کر دی کہ "تم فوراً جمہوریت کا اعلان کر دو۔"

قیامِ جمہوریت انجمن کے تمام سرکردہ افراد سالونیکا میں جمع ہوئے اور پارلیمان کے قیام کے لئے سلطان کو مراسلہ روانہ کیا۔

اس کے بعد مصطفےٰ کمال کے ایماء پر مناستر کی انجمن نے نیازی بے کی قیادت

میں اعلانِ جمہوریت کر دیا۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۰۸ء کو جدید نظام حکومت پر عمل شروع ہو گیا حلمی پاشا کو جو حکومت کی طرف سے مناستر کا حاکم تھا، مناستر کا گورنر مقرر کیا گیا مگر وہ تیار نہ ہوا تو اس کو موت کا پیغام دیا گیا کہ گورنر بنے یا موت قبول کرے۔ حلمی پاشا نے قسطنطنیہ تار بھیجا۔ چنانچہ سلطان نے ۲۴ر جولائی کو بعد مجبوری جمہوریت کے نفاذ کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ابھی نئے نظام کی رسم حلف باقی تھی۔

سالونیکا جمہوریت کا صدر مقام تھا۔ تمام انقلابی ملک کے گوشہ گوشہ سے نکل کر مقدونیہ میں جمع ہو گئے اور سلطان کے ہمنوا گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ سلطان اس پر بھی وقت گذاری کر رہا تھا۔ باغیوں کی سپاہ نے قصر یلدیز کا محاصرہ کر لیا اور اراکینِ انجمن نے شیخ الاسلام کے ہمراہ فرمانِ شاہی پر سلطان کے دستخط کرائے اور ملک میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہو گئی۔ سعد پاشا نے جدید وزارت مرتب کی۔

اس انقلابِ حکومت کے ساتھ انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔ نیازی بے مستعفی ہو گیا۔ انور بے فوجی سفیر کی حیثیت سے برلن چلا گیا۔ حقی بے وائنا میں اقامت پذیر ہوا۔ اب صرف کمال رہ گیا تھا۔

دولِ مغرب کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا منظور تھا۔ چنانچہ آسٹریا اور ہنگری نے بوسینا اور ہرزیگونیا اور مانٹی نیگرو نے سربیا کے الحاق کا مطالبہ کر دیا۔ یونان جزیرہ کریٹ پر ظلم و جور کے ساتھ قبضہ کر بیٹھا۔ شہزادہ فرڈی نینڈ نے بلغاریہ میں بغاوت کر دی۔ سرویہ خودمختاری کا دعویٰ کرنے لگا۔ غرضیکہ ترکی حکومت کے خلاف ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ ادھر اربابِ جمہوریت اور سلطان ایک دوسرے کو زیر کرنے کے درپے تھے۔

آخرش سلطان نے رجعت پسند عنصر سے ساز باز کر کے پارلیمان کو اپاہج کر دیا اور تمام شورشوں کا ذمہ دار انجمن اتحاد و ترقی کو ٹھہرایا۔ پھر تو شاہ پسند جمہوریت کو کچل دینے پر پوری طرح تیار ہو گئے اور مذہب کی آڑ لے کر نوجوان

ترکوں کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔

ابھی بلقانی جھگڑا طے نہ ہوا تھا مغربی شاطر نے اٹلی کا سیاسی مُہرا آگے بڑھا دیا۔ اُس نے طرابلس پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی۔ دولتِ عثمانیہ نے بلقانی ریاستوں سے نذرِ نقد لے کر ان کے دعوے تسلیم کر لئے۔

معزولیِ سلطان سلطان مجلس مبعوثان قائم کرنے کے بعد پھر ملک میں شورش برپا کر کے اس کو توڑنے کی مخفی تدبیریں کرنے لگا۔ چنانچہ اس کے اشارے سے فوج کے بعض حصے ۱۳۲۸ھ میں شریعت کے نام سے دستور کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آستانہ میں انجمن اتحاد و ترقی کے چند ارکان کو قتل کر ڈالا۔

مصطفےٰ کمال نے طرابلس کا رُخ کیا۔ کیونکہ یہ حکومتِ ترکیہ کے زیرِ فرمان تھا۔ اطالوی سیاست داں نے عربوں اور ترکوں کے درمیان منافرت پھیلانے کے لئے روپیہ اور پروپیگنڈہ سے کام لیا۔ مصطفےٰ نے طرابلس میں پہنچ کر عربوں کے رہنما شیخ احمد بن سید محمد شریف سنوسی الخطابی سے ملاقات کی۔ بدوی عربوں کی فوجی تنظیم کے لئے کالج کھولے اور اطالوی پراپیگنڈے کو ہوا میں اُڑا دیا۔

ادھر سلطان اوچھے ہتھیار سے کام لینے لگا۔ انجمن کے ارکان میدان سے ہٹ گئے تھے۔

شخصیت و جمہوریت کی کشمکش لیبر یونین اور جمعیت محمدیہ کے نام بدل کر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئے۔ جمعیت محمدیہ نے مذہب کی آڑ میں انجمن اتحاد و ترقی کے افراد پر منافرت کا فتویٰ صادر کرا دیا۔

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو بیس ہزار شاہ پسندوں نے انجمن کے خلاف مظاہرہ کیا کہ دستوری حکومت توڑ دی جائے۔ مختار پاشا نے اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی۔ مگر وہ سلطانی سازش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ آخر شخص جمہوریت کے بجائے

پھر شخصی حکومت قائم ہو گئی۔ ناظم پاشا وزیر حرب نے قسطنطنیہ میں کرفیو آرڈر جاری کر دیا۔ انجمن کے ارکان اس واقعہ سے چلتے بنے۔

سعد پاشا کی جگہ یہودی النسل کامل پاشا وزارتِ عظمٰی پر سرفراز کیا گیا۔ مصطفٰے کمال کو طرابلس میں جمہوریت کے خاتمہ کی خبر لگی۔ وہ قسطنطنیہ خفیہ طور سے آیا۔ یہاں نظام بگڑا ہوا تھا۔ انجمن کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مگر مصطفٰے کمال ہاری ہوئی بازی کو پھر جیتنا چاہتا تھا۔ چنانچہ تقریروں سے نوجوانوں میں انقلابی اُمنگ پھر پیدا کر دی۔ تھوڑے عرصہ میں یہ جماعت عوام کے توجہات کا مرکز بن گئی۔ یہ ینگ ٹرکش پارٹی کے نام سے پکاری جانے لگی۔ اس کا قائد خود مصطفٰی کمال تھا۔

اس پارٹی نے ناظم پاشا وزیر جنگ کی برطرفی کا مطالبہ کیا لیکن وزارتِ عظمٰی خاموش رہی۔ اس رنگ کو دیکھ کر ایک فوجی دستہ ایوانِ وزارت کے سامنے نمودار ہوا "کامل پاشا مردہ باد" اور "وزیر اعظم کو برطرف کرو" کے نعرے لگانے لگا۔ یہ کامل پاشا برطانیہ کا ہوا خواہ تھا۔[1] آخرش اس کو وزارت سے ہٹنا پڑا۔ اس کی جگہ مصطفٰی کمال کا دوست حسین حلمی پاشا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

سلطان کو خیال گزرا شہزادہ یوسف عزالدین کو انقلابی جماعت سلطان بنانا چاہتی ہے۔ اس کو محل میں مروا ڈالا اور فوج کو بلا کر اس کا جلوس نکلوایا۔ جس نے حلمی پاشا کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگا دیئے۔ آخرش حلمی پاشا نے وزارت چھوڑ دی۔ مشہور شاہ پرست ادہم پاشا وزیر مقرر ہوا۔ ینگ ٹرکش پارٹی کو شکست ہوئی۔ بے شمار ترک گرفتار ہوئے۔ حکومت پر تنقید کرنا ایک سیاسی جرم قرار پایا۔ اور مشہور انقلابی ایڈیٹر "طنین" کو برسر عام تختہ دار پر لٹکا دیا۔ کیونکہ اس نے دستور کی حمایت میں مضامین لکھے تھے۔

ان واقعات سے مصطفٰے کمال نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا اور سالونیکا پہنچا۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۳۶۴۔

وہاں نیازی بے بھی آ گئے اور منتشر افرادِ انجمن یہاں مجتمع ہوئے اور قسطنطنیہ کے حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ سلطان کو یہاں کے حالات کا علم ہُوا تو خوف زدہ ہو گیا اور سالونیکا برقیہ بھیجا کہ حکومت دستوری نظام پسند کرتی ہے اور اس کے قوانین کی پابندی کی جائے گی مگر ارکانِ انجمن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ :۔

"شاہ پرستوں کو پہلے ختم کیا جائے گا پھر سلطان سے دو دو ہاتھ ہوں گے۔"

غرضیکہ سلطان پر حملہ کا پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔ تھرڈ آرمی کور محمود شوکت پاشا کے زیر کمان دی گئی جس کا قائد عسکر خود مصطفےٰ کمال تھا۔ غازی طلعت پاشا اور عزیز بے محمود شوکت کے ماتحت تھے۔ نیازی بے مناستر کی افواج کا سپہ سالار بنایا گیا۔ انور بے نیازی کے ہمدوش تھے۔

۱۲ر اپریل ۱۹۰۹ء کو سامان حرب و رسد کے ساتھ مصطفےٰ کمال سالونیکا کی فوج کو لے کر دارالخلافت کی طرف روانہ ہُوا۔ نیازی بے بھی مناستر سے روانہ ہو گئے۔

مصطفےٰ کمال اور محمود شوکت نے ایک دن میں اسّی میل مسافت طے کی۔ شتلجہ کے مقام پر سلطانی سپاہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ مگر گھونگھٹ کھا گئی۔ مصطفےٰ اشتلجہ پر متصرف ہو گیا۔ غرضیکہ اب قسطنطنیہ چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۹ء کو مقدونیہ کی فوج شہر میں داخل ہوئی۔ شاخِ نذریں کے قریب سلطانی فوج سے جھڑپ ہو گئی۔

آخر ش طاش، قشلا بت تک پہنچ گئے تو بقیہ سلطانی فوج نے گولے برسانے شروع کئے۔ انور بے نے بھی حکم دے دیا کہ انقلابی فوج گولے کا جواب گولے سے دے۔ چنانچہ سلطانی فوج نے نقصان اُٹھا کر صلح کا جھنڈا لہرا دیا۔ پھر بابِ عالی تک پہنچ کر قصرِ یلدیز کا محاصرہ کر لیا۔

مصطفےٰ کمال نے شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کیا کہ

"ظالم سلطان جو بے گناہ رعایا کا قاتل ہو اور اُنہیں جلاوطنی، غرقابی"

اور قید کی سخت سزائیں دے۔ ملک کو تباہی کے غار کی طرف دھکیلے
شریعت کی رُو سے اس کے لئے کیا حکم ہے ؟"

شیخ الاسلام نے حکم دیا کہ :-

"شریعت کی رُو سے ایسے سلطان کو معزول کر دینا چاہیئے۔"

۲۷ را اپریل کو سعید حلیم پاشا کی صدارت میں تمام انقلابی جمع ہوئے اور ۲۸ را اپریل کو نصف شب کے قریب اسد پاشا، عارف پاشا، اہرن آفندی، کراسو آفندی اور چند خواجہ سراؤں اور فوجی افسروں کی معیت میں انقلابی محل میں گئے۔ سلطان کے فرزند عبدالرحیم نے آنے والوں کا خیر مقدم کیا۔ سلطان شب خوابی کے لباس میں ظاہر ہُوا۔ دبے لہجہ میں بولا "امید ہے آپ سب بخیریت ہوں گے۔"

اسد پاشا نے کہا۔ خدا کا فضل شاملِ حال ہے۔ سلطان بولا۔ قوم نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟ مَیں نے تو جمہوریت کی پابندی کے لئے یقین دلایا تھا۔ اُسے کیوں منظور نہیں کیا گیا۔ کیا اب کوئی اور نظام پسند آگیا ہے۔ بہرحال مَیں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

قائد حریت بولا۔ ہم قوم کا فیصلہ اور شیخ الاسلام کا فتویٰ لے کر آئے ہیں۔" سلطان نے کہا کیا فیصلہ ہے ؟ اسد پاشا نے کاغذ سلطان کے ہاتھ میں دیدیا۔ سلطان نے اس کو پڑھا، متحیر رہ گیا۔ بولا۔ میری زندگی۔ جواب ملا محفوظ ہے۔ سلطان نے کہا میری خواہش ہے کہ مع ملکہ کے قصر چراغاں میں مقیم رہوں۔ مگر ممبرانِ انجمن نے حکم نافذ کر دیا کہ عبدالحمید سالونیکا میں جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ وہیں قصر الجیش میں نو برس تک زندہ رہ کر ۱۱ر فروری ۱۹۱۸ء میں فوت ہُوا۔

سلطان محمد خامس

نام ونسب محمد رشاد بن عبدالمجید۔

سلطان عبدالحمید کے معزول کئے جانے کے بعد اُن کے بھائی محمد رشاد کو سلطان محمد خامس کے لقب سے ۲۰ر اپریل ۱۹۰۹ء، مطابق ۱۳۲۸ھ میں تخت پر بٹھلایا۔

خزانہ خالی، ملکی نظام ابتر، فوج بے سروسامان، گویا پارلیمان قائم ہوگئی۔ اور دستور کا اعلان کردیا گیا۔ انجمن اتحاد و ترقی برسر اقتدار آگئی۔ مگر اس میں ہنوز اتنی قوت نہ تھی کہ خارجی طاقتوں کا مقابلہ کرسکتی۔ صوبائی نظام پراگندہ تھا اور اس پر دول یورپ کی ناپاک سازشیں جو ترکی کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

کوائف طرابلس ترکوں کی زبوں حالی دیکھ کر دول یورپ کی شہ پر اطالیہ نے ۱۳۲۹ھ میں بلاکسی وجہ کے طرابلس غرب پر حملہ کردیا۔ ۲۳ ہزار اطالوی فوج بحیرۂ روم کے جنوبی ساحل پر لنگر انداز ہوئی۔ اس وقت طرابلس میں نشاط بک ترکی گورنر تھا اور اس کے پاس صرف دس ہزار ترک تھے۔ اِدھر برطانیہ اور فرانس نے غیر جانبداری کا اعلان کر کے مصر اور افریقہ کے راستے ترکی امداد کے لئے مسدود کر دیئے۔

انور بے نے انجمن کے تمام ارکان کو جمع کیا اور یہ طے پایا کہ کسی نہ کسی صورت سے سپہ سالار اور ماہر حرب طرابلس پہنچ جائیں۔ چنانچہ انور بے وغیرہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد مصطفےٰ کمال بھی طرابلس آگئے۔ عربوں کو ساتھ

لے کر اطالیہ کی اچھی طرح مرمت کر دی [1] مصطفٰے کمال چاہتا تھا کہ جنگ کو طول دے کر اطالیہ کو مزہ چکھایا جائے۔

آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ بلقان میں ۷ راکتوبر ۱۹۱۲ء میں جنگ شروع ہو گئی۔ انور بے وغیرہ کو طرابلس چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا پڑا۔ عرب بے یار و مددگار رہ گئے اپنی بساط بھر اطالیوں سے لڑتے رہے اور آخر میں طرابلس اطالیہ کے قبضہ میں آگیا۔

مجاہد طرابلس امیر علی پاشا

امیر عبدالقادر الجزائری کے خلف امیر علی پاشا تھے۔ اٹلی کے اعلانِ جنگ پر امیر موصوف شام میں مقیم تھے۔ انہوں نے سلطان المعظم سے طرابلس جانے کی اجازت چاہی اور درخواست میں لکھا :-

"میرے والد مرحوم امیر عبدالقادر نے فرانس کا تیس سال تک مقابلہ کیا تھا۔ یقین فرمائیے کہ کم از کم پندرہ سال تک تو میں طرابلس کی خاک کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا"

غرضیکہ سلطان نے استدعا قبول کی۔ یہ طرابلس پہنچے۔ مجاہدین میں ہمت و شجاعت کی حیات تازہ ہو گئی اور مجاہدین کے ساتھ معرکہ بن غازی میں شجاعت

---

[1] تفصیل یہ ہے کہ مصطفٰے کمال نے ۳۰ راپریل ۱۹۱۲ء کو بنغازی جہاں اطالوی قابض تھے حملہ کر دیا۔ شیخ سنوسی کا فرزند اپنی عربی فوج لئے ہوئے کمال کے ساتھ تھا۔ سب سے قبل قلعہ "لٹ مہ" پر آتشباری کی اور جواب میں اطالیہ نے کوہ پیکر جہازوں سے گولہ باری کی۔ آخرش دشمن کو شکست ہوئی۔ پھر طبروق کو واپس لیا۔ واحۃ کفرہ، بیومار، قادر، واحۃ، طرابلس ہر جگہ اطالیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آخری جنگ کمال کرنا چاہتا تھا کہ انور بے نے روک دیا۔ ورنہ مراطالوی کامیاب رہے۔ (انقلاب ترکی صـ ۱۲۱)

ونمونہ کا ثبوت پیش کیا، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ امیر علی کے ساتھ اس معرکہ میں صرف تین سو مجاہدین تھے اور اٹلی کے سپاہی تین ہزار، جو تمام جدید آلاتِ حرب سے مسلح تھے۔

امیر علی اپنی مختصر سی طرابلسی جماعت سے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے اس کے تین حصّے کر دیئے اور ان کو موقعہ پر لگا دیا۔ ابھی دشمن دور تھا اور آرہا تھا کہ یکایک نماز کا وقت آگیا تو پچاس مجاہدین کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، پچاس نگران رہے۔ اٹیلین سپاہ آگئی اس نے جو دیکھا کہ پچاس نہتے نماز میں مشغول ہیں، وہ خوش ہو کر آگے بڑھے۔ فوراً پچاس مسلح مجاہد پہلے ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں خشوع وخضوع سے نماز پڑھی گئی۔ بعد کو یہ بھی جا پڑے ان کی آوازوں سے دو سو کمین گاہوں سے نکل کر دشمنوں پر آپڑے۔ پھر اور بھی مجاہد شامل ہو گئے۔ یہ بارہ سو تھے اور وہ تین ہزار، ان کے نصف سے زیادہ کاٹ دیئے۔ آخرش متمنّی شہادت اس معرکہ میں شہید ہو گیا۔

پندرہ ۱۵ سالہ مجاہدِ طرابلس

علی نظمی بے مکتبِ عربیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ یکایک حکومتِ اطالیہ نے ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ عمر پندرہ سال کی تھی، اس خبر سے بے چین ہو گئے۔ انجمن ہلال احمر کے دفتر میں پہنچے اور کہا کہ مجھے میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دینے کا موقع دیا جائے۔ عثمانی کیمپ کے افسر نے پوچھا، تو بتایا کہ والدین فوت ہو چکے ہیں، صرف ایک چچا باقی ہے اور آٹھ پونڈ کی رقم دو جوڑے کپڑے مہیا کر لئے ہیں۔

جب طرابلس جانے کا مقصد پوچھا گیا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ دفاعِ وطن اور خدمتِ ملت پیشِ نظر ہے۔ ان کے چچا اور سب نے ان کی کم عمری کا خیال کر کے روکا، مگر یہ مکتب حربیہ سے پُراسرار طریقہ پر غائب

ہو گئے اور کئی ماہ جہاد طرابلس میں شریک رہ کر شہید ہو گئے۔ عارف پاشا نے ان الفاظ کو نشر کیا :۔

"پندرہ برس کے نظمی کو اگر ہلالِ احمر کا دفتر کا بھولا ہو تو براہِ عنایت اس کے چچا کو یہ خبر دے دیجئے کہ وہ اپنے ماں باپ اور خدا کے پاس پہنچ گیا جن کے لئے وہ بہت بیقرار تھا۔"

فاطمہ بنت عبداللہ طرابلسی

فاطمہ کا باپ شیخ عبداللہ قبیلہ ابراعصہ کا سردار تھا۔ اس نے غزوہ طرابلس میں بڑے کام کئے۔ کمال پاشا اور انور بے نے اہلِ طرابلس میں ظالم اطالیوں کے مقابلہ کے لئے مجاہدانہ روح عمل پیدا کی۔ شیخ عبداللہ نے اپنے وطن کے بچاؤ کے لئے اپنے قبیلے اور تمام افرادِ خاندان کو اطالوی افواج کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اس فدائے اسلام نے اپنے قبیلہ کو ابھارا اور اطراف و نواح کے دوسرے قبائل کو آمادۂ جہاد کیا۔ اپنا تمام مال و متاع ترک افسر اسماعیل ثباتی بک کو دے دیا۔ حکومتِ ترکیہ کی طرف سے تمام عربوں کو بطور نفقۂ جنگ کے روزینہ دیا جاتا تھا، اس کے لینے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ غرضیکہ میدانِ جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اور ۱۹۱۲ء میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے تمام خاندان کے لوگ اٹلی کی فوج کے ہاتھوں کام آئے۔

ایک لڑکی فاطمہ نامی بچی تھی جس کی عمر گیارہ سال کی تھی مگر وہ مجاہدانہ سرگرمی میں باپ سے سبقت لے گئی۔ زوارہ مقام پر مجاہدین کی جماعت اٹلی کی فوج سے مقابلہ کر رہی تھی، یہ بچی پیش پیش تھی، مشک کاندھے پر رکھے میدانِ جنگ میں گولے برس رہے ہیں مگر وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہے اور بندوق ہاتھ میں رہتی، موقعہ ملتا دشمن کو ٹھکانے لگا دیتی۔ تمام عربوں اور ترکوں میں نمایاں نظر آتی تھی۔ اسمٰعیل ثباتی بک نے ایک دن اس بچی کو گولوں کی بارش

میں جانے سے روکا۔ فاطمہ نے کہا۔

"چھوڑ دو کیا تم بھول گئے کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند یہاں پیاسے دَم توڑ رہے ہیں"۔

یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

۱۲ ر رجب ۱۳۳۱ھ کو زوادہ میں اطالیوں نے زبردست حملہ کیا۔ عربوں اور ترکوں کی متحدہ فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔ مگر ان کو شکست ہوئی۔ بارہ سو لاشیں چھوڑ کر ساحل کی طرف پسپا ہو گئے مگر عرب اور ترک بڑھے اور اُن کو جا لیا اور مقابلہ میں اچھی طرح مزاج پُرسی کر دی۔ فاطمہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ ایک اطالوی نے زخمی ترک کو پانی پلاتے دیکھا اس کو پکڑ لیا اس نے ترک کی تلوار لے کر اس کا کام تمام کیا۔ چار اطالویوں نے گھیر لیا اور گولی کا نشانہ اس معصومہ کو بنا لیا۔ احمد نوری بک نے اس کی لاش ڈھونڈی اور سپردِ خاک کی۔

بلقانی شورش تمام بلقانی ریاستوں نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ بلغاریہ نے ایڈریانوپل کو گھیرا۔ یونانی مقدونیہ کے بیشتر حصّہ پر قابض ہو گئے۔ سروی البانیہ کو فتح کرتے ہوئے مناستر کے فوجی اڈے میں داخل ہو گئے۔ یونانی سالونیکا میں بڑھتے ہوئے در آئے۔ غرضیکہ اس طرح مغربی دول نے ترکی مقبوضات پر بلقانی بھیڑیئے چھوڑ دیئے کہ یہ اس کی تکا بوٹی کر دیں تاکہ ترکی خرخشہ یورپ سے جاتا رہے۔

طرابلس کے بارے میں غیر ملکی حکومتوں نے ترکوں پر یہ زور دینا شروع کیا کہ اطالیہ سے صُلح کی جائے۔ ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ترکی اور اطالیہ کے مابین صلحنامہ تیار ہُوا۔ جس میں ترکی نے طرابلس کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا تو اطالیہ اپنی فوج جزیرہ رودس سے واپس بُلا لے گا۔ اس پر دستخط ہو گئے۔ ترک افسر واپس بلا لئے گئے۔ مگر اطالوی فوجیں اہم مورچوں پر ڈٹی رہیں اور عربوں سے

برسرِ پرخاش رہیں۔

انور بے طرابلس کے محاذ سے واپس آئے۔ انجمن اتحاد و ترقی اور سلطانی حکومت نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سلطان کی بھتیجی ان سے منسوب ہوئی۔

انور بے نے دیکھا کہ شکری پاشا ایڈریانوپل کے محاذ میں گھر گیا ہے اور یہ خطرہ سامنے ہے کہ دشمن دار السلطنت پر ہر وقت حملہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ شتلجہ میں فوجیں اور سامانِ حرب فراہم کیا جانے لگا۔

ہنگامی طور پر فوج کی قیادت محمود شوکت پاشا کے سپرد کی گئی۔ مصطفٰے کمال اس کے ماتحت رکھے گئے۔ کمال نے یہ رنگ دیکھ کر محاذِ جنگ اور فوج کو ہاتھ میں لیا اور ایڈریانوپل کے قرب و جوار میں مصطفٰے کمال نے اپنی فوج کو اس طرح سے پسپا کرا دیا کہ دشمن نے اس کو شکست پر محمول کیا۔ آخر ایک مقام پر ترک ڈٹ گئے اور حریف کو مُنہ کی کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ گیلی پولی کے محاذ پر اناطولیہ سے ترکوں کو مزید مدد پہنچ گئی۔

بلقانی باہم لڑ پڑے

اس دوران میں سرویا، بلغاریہ، یونان اور مانٹی نیگرو میں باہمی آویزش شروع ہوگئی۔ اور نصرانی، نصرانی کا خون بہانے لگا۔ ادھر ترکوں نے ان کو شکست دی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یونان اور سرویا کی فوجیں مالِ غنیمت کو سمیٹتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنے مرکزی مورچوں کی طرف پسپا ہونے لگیں۔ صرف بلغاروی میدان میں لڑتے رہے۔

کامل پاشا نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر انجمن کے ارکان پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

یورپی ممالک جو دراصل بلقان میں شورش کا سبب تھے خیال یہ تھا کہ بلقانی ترکوں کے حصے بخرے کرلیں گے۔ مگر وہ خود آپس میں مثل کتوں کے لڑ بیٹھے۔ یہ پانسہ دزدانِ مغرب کا اُلٹ پڑا۔ چنانچہ ترکی کی طرف صُلح کا ہاتھ بڑھایا۔ برطانیہ

نے داماد فرید پاشا کے ذریعے ترکی حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ کامل پاشا اور ناظم پاشا کو یہ غلط فہمی برطانیہ کی طرف سے تھی کہ یہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھے گا۔

غرضیکہ لندن میں عہد نامہ مرتب ہُوا جس کی رو سے ترکی کو یورپ کے سارے علاقے سے بے دخل قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اہم فوجی اڈے ایڈریانوپل کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ املاک بلقانیہ خود مختار تسلیم کی گئیں۔ لیکن ابھی اس صلح نامہ پر حکومتِ ترکیہ کے دستخط ہونا باقی تھے۔ صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے ۲۲ر جنوری ۱۹۱۳ء کی تاریخ مقرر تھی۔ کامل پاشا کی دلی خواہش تھی کہ صلح نامہ پر دستخط ہو جائیں۔

مصطفےٰ کمال کو یہ حال معلوم ہُوا تو وہ قسطنطنیہ پہنچا اور کامل پاشا کو آگاہ کر دیا کہ صلح نامہ پر دستخط نہ کئے جائیں۔ مگر کامل پاشا نے ۲۲ر جنوری کو قصر دولمہ باغچہ میں وزراء کی مجلس منعقد کی جس میں دول یورپ کی قصیدہ خوانی کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ دُہرایا گیا۔

انور بے گیلی پولی سے انجمن اتحاد و ترقی کے تار پر ۲۳ر جنوری کو صبح سات بجے قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ غازی محمود شوکت کو وزارت کے لئے آمادہ کر لیا۔ کامل پاشا کو بے دخل کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے۔ گیارہ بجے طلعت پاشا وزیر اعظم سے ملا اور اُس سے کہا کہ وزارت اپنا فیصلہ بدل دے یا مستعفی ہو جائے۔ کامل پاشا نے انکار کر دیا۔ طلعت نے کہا، تو پھر خون ریزی اور انقلاب کا تماشا دیکھنا۔ یہ کہہ کر طلعت واپس آ گیا۔

سہ پہر کے وقت اسّی ارکانِ حکومت قصرِ وزارت میں صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے اکٹھے ہُوئے۔ انور بے اپنے انصار عمر فوزی، مصطفےٰ، نجیب خلیل بے جمال بے، طلعت بے، نیازی بے وغیرہ کے ہمراہ قصرِ وزارت میں داخل ہُوا۔ لطیف بے نے انور بے کا راستہ دفترِ وزارت کا روک لیا لیکن ایک ہی گولی سے ٹھنڈا ہو گیا۔ توفیق بے آگے بڑھا مگر پستولوں کی نالیوں کو دیکھ

کر پیچھے ہٹ گیا۔ ناظم پاشا چیخا یہ کیا گستاخی ہے ؟ نکل جاؤ۔ مصطفیٰ نجیب نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلائیں اور ناظم پاشا اوندھے منہ آ رہا۔ توفیق پھر انور پر پستول لے کر جھپٹا کہ نجیب درمیان میں آ کر قربان ہو گیا اور اپنی گولی سے توفیق کا بھی کام تمام کرتا گیا۔

انور بے نے پستول تھام کر گرج کر مجلس کو مخاطب کیا۔ خبردار اب کوئی گولی چلانے کی ہمت نہ کرے اور میں قوم کا نمائندہ ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ جنگ جاری رکھنے کا حلف اٹھاؤ یا وزارت کی کرسی خالی کر دو۔ کامل نے فوراً استعفیٰ پیش کر دیا اور اس کے ساتھی بھی مستعفی ہو گئے۔ انور بے نے دوسرا حکم دیا، تم سب نظر بند ہو۔

پھر محمود پاشا کو وزارت سپرد کر کے انورؔ سلطان محمد خامس کے پاس گیا اور نئی وزارت کی یہ تشکیل کی :۔

محمود شوکت پاشا وزیر اعظم ، طلعت پاشا وزیر خارجہ، عزت پاشا وزیر جنگ، انور پاشا حاکم قسطنطنیہ۔

دول یورپ کے مسودۂ صلح کو پرزے پرزے کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور اعلان کر دیا کہ جنگ جاری رہے گی اور ایڈریانوپل بلقانیوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

یہ رنگ دیکھ کر اتحادی خاموش ہو گئے۔

جنگ عمومی | ۱۹۱۴ء / ۱۳۳۳ھ میں یورپ میں جنگِ عظیم شروع ہو گئی جس میں ایک طرف اتحادی (انگلستان، فرانس اور اٹلی وغیرہ) اور دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا تھا۔ انگلستان نے اپنی ہمنواؤں کو آمادہ کر لیا تھا کہ روس کو قسطنطنیہ اور دردانیال دیا جائے گا۔ اس بناء پر وہ اتحادیوں کا ہمنوا بن گیا۔

باوجودیکہ دولتِ عثمانیہ اتحادیوں سے تعلقات رکھنا چاہتی تھی مگر ترکوں

کی کمزوری اور بے سروسامانی کا حال دیکھ کر اس کے حصے کرنے کے درپے تھے۔ بلکہ انگلستان نے یہ بے ایمانی کی کہ اس کے یہاں کے کارخانے میں دو جہاز بننے گئے تھے ان کو ضبط کر لیا اور ان کی قیمت کی واپسی سے بھی منکر ہو گئے۔

آخرش پرنس سعید حلیم صدر اعظم نے ۲ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر کے جنگ میں شرکت اختیار کر لی۔

انگریز اپنی طاقت کے بھروسہ پر جنگی جہاز لے کر دردانیال پر حملہ آور ہوئے مگر ترک بہادروں نے ساحلی قلعوں پر سے ایسی بے مثال گولہ باری کی کہ انگریزی جہاز سخت نقصان اٹھا کر واپس چلے گئے۔ ادھر بصرہ میں انگریزوں نے فوجیں اتار کر عراق عرب میں پیش قدمی کی۔ ترکی فوج نے یہاں پر بھی خوب دل کھول کر پٹائی کی۔

آخر کار ذلت و خواری سے انگریزی سورما ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور جنرل ٹاؤنشینڈ اور بقیہ فوج قط العمارہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ ترکوں نے انگریزوں کے جو حمایتی غلام ہند کے کئے گئے تھے ان کی سرکوبی بھی ایسی کر دی کہ نمک خواری ناک کے راستے سے نکل گئی۔

شریف مکہ کی بغاوت

عربوں میں کچھ عرصہ سے یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ہم کو ترکوں نے اپنا دست نگر بنا رکھا ہے مگر کوئی موقعہ انہیں نہیں مل رہا تھا کہ وہ ہاتھ پیر نکال لیتے۔ حسن اتفاق سے ۱۹۱۶ء میں انور پاشا کی رائے سے جو اس وقت وزیر جنگ تھے، جمال پاشا کی قیادت میں ترکی فوج نے نہر سویز پر حملے شروع کر دیئے۔ مکہ کے شریف حسین نے جمال پاشا سے لاکھوں روپیہ اور اسلحہ اس غرض سے منگوائے کہ پندرہ ہزار عربوں کا لشکر تیار کر کے مصر کی مہم کے لئے دے گا۔ مگر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر درپردہ اس نے انگریزوں سے بھی سازباز کیا، وہ اس امر کے منتظر تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے پوری مدد دی۔ پھر تو شریف نے کھل کر

ترکوں کی مخالفت کی اور ترکی سپاہ کو جو حجاز میں تھی مقابلہ کر کے نکال دیا اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۶ء کو اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔

اس زمانے میں روسی محاذ پر ترکوں نے ہزیمت اٹھائی جس کے باعث عراق عرب سے فوجیں وہاں بھیجنی پڑیں۔ انگریزوں نے شریف حسین کی کمزوری کو پیشِ نظر رکھ کر سیاسی دسیسہ کاری سے ایک طرف بغداد اور دوسری طرف شام و لبنان اور فلسطین سے موصل تک سارا علاقہ ترکوں سے چھین لیا جس کے بعد اگست ۱۹۱۷ء میں اتحادی نمائندوں نے پیرس میں باہم یہ سمجھوتہ کیا کہ آرمینیہ شرقی اناطولیہ، آستانہ اور دردانیال روس کو دیا جائے۔ حیفہ اور بغداد انگلستان کو، اسکندرونہ اور موصل فرانس کو، مغربی اناطولیہ، اطالیہ کو اور فلسطین، حلیفوں کی مشترکہ حمایت میں رہے۔

شریف حسین تمام عرب کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر پہلو میں اس کے اسلام دشمنی سے فرنگیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا بلکہ اس کی حکمرانی انگلستان کے رحم و کرم پر باقی تھی۔

وفات

اسی زمانے میں یعنی ۱۳۳۶ھ میں سلطان محمد خامس نے وفات پائی۔

سُلطان عبدالوحید خان

تخت نشینی سلطان محمد خامس کے بعد ۱۳۳۶ھ میں عبدالوحید کی تخت نشینی عمل میں آئی جبکہ اتحادی خبث باطنی سے ترکی سلطنت کو نقشے میں باہم تقسیم کر چکے تھے لیکن اسی دوران میں روس، جس کو ترکی کا بڑا حصّہ خاص کر اس کا مرکز قسطنطنیہ ملنے والا تھا اندرونی انقلابی بغاوت کی وجہ سے جنگ سے الگ اور اتحادیوں سے خارج ہو گیا۔ اتحادیوں نے کوشش کر کے ولسن صدر امریکہ کو اپنے ساتھ ملا لیا جس کی شرکتِ جنگ کی وجہ سے اتحادی فتحیاب ہو گئے اور ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کو لڑائی ختم ہو گئی۔

اس وقت زعماء جمعیتہ اتحاد و ترقی طلعت پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا، جن کی متفقہ رائے سے دولتِ ترکیہ نے اس جنگ میں شرکت کی تھی روپوش ہو کر برلن چلے گئے۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو عزت پاشا صدرِ اعظم نے جدید وزارت مرتب کر کے اپنی افتتاحی تقریر میں سیاسی مجرموں کو معافی دی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم امریکہ کے پریذیڈنٹ ولسن کی چودہ شرائط کے مطابق اتحادیوں کے ساتھ مصالحت کے لئے تیار ہیں لیکن اتحادیوں نے معاہدۂ سیورے میں جو اسی مہینے میں ہوا ترکی کی مجوزہ تقسیم ہی کو بحال رکھا۔

روس کے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ اور آبنائے کا مسئلہ حل طلب ہو گیا تھا جس کی نسبت غالب خیال یہ تھا کہ دول فاتح کی مشترکہ ملکیت قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء میں اتحادی فوجیں قسطنطنیہ میں آگئیں اور انہوں نے رفتہ رفتہ حکومت کے انتظامی صیغے اپنے ہاتھ میں لینے شروع کئے۔

ترکوں نے جنرل ٹاؤنشینڈ کے توسط سے جو اُن کے یہاں گرفتار تھا، انگریزوں

کے ساتھ صُلح کی سلسلہ جنبانی کی اور پیرس کانفرنس جو جون ۱۹۱۹ء میں ہوئی، اپنا ایک وفد بھیجا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اس کانفرنس نے بھی جس میں دس سلطنتوں کے نمائندے شریک تھے ترکی سلطنت کے لئے موت ہی کا فتوی صادر کر دیا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ کے جملہ شعبہ ہائے حکومت اتحادیوں نے بظلم وتشدد اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ترکی مجلس معبوثین کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے چھیاسٹھ زعمائِ احرار کو مالطہ میں لے جا کر نظر بند کیا اور اپنے آوردہ داماد فرید پاشا کی صدارت میں ایک نام نہاد ترکی وزارت مرتب کرا دی جو اتحادی نمائندوں کے ہاتھ میں مثل کٹھ پتلی کے تھی۔

یُونانی یونانیوں سے انگریز نے ساز باز کیا اور وہاں کے وزیر مسٹر وینزیلوس کے دعوٰی کے مطابق جنوبی البانیا، تھریس، قسطنطنیہ اور مغربی اناطولیہ پر یونان کے حقوقِ ملکیت تسلیم کر لئے۔ ۱۵ جون ۱۹۱۸ء کو انگریزوں کی پوری معاونت (اسلحہ حتیٰ کہ فوج تک) سے یونانی فوجوں نے بندرگاہ سمرنا پہنچ کر قبضہ کر لیا اور اندرونِ ملک میں بڑھنا شروع کیا اور جس قدر بھی ظلم یونانی کر سکتے تھے اُنھوں نے ترکوں پر روا رکھے۔

ترکوں نے دیکھا کہ اتحادی اُن کو فنا کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں اور ردول یورپ یونانی مظالم کو ٹھنڈے دل سے دیکھ رہے ہیں اور اتحادیوں کا منشاء ظاہر ہے کہ وہ ترکوں کو ان اقوام کا محکوم بنا دیں جو صدیوں تک اُن کے زیرِ حکومت رہی ہیں۔

مُصطفٰے کمال کا کارنامہ مصطفٰے کمال سا غیور ترک اتحادیوں کا یہ رنگ دیکھ کر جوش میں آگیا اور اس نے ترکوں میں قومی حمیت بیدار کر دی۔ قوم کے بکھرے ہُوئے شیرازے کو ایک نظام میں لا کر ملک کو دشمنوں سے بچانے کی سعی کی۔

حزب وطنی مصطفیٰ کمال اپنے پرانے رفیقوں کو ساتھ لے کر اناطولیہ پہنچا اور جون ۱۹۱۹ء میں ایک مؤتمر ملی منعقد کی جس میں ارضِ روم اور اناطولیہ کے اسی نمائندے شریک ہوئے۔ اس کا نام حزب وطنی رکھا گیا اور تمام علاقہ میں کمال نے ہنگامی دورہ کیا اور ترکوں کی رگوں میں قومی حمیت کا جوش تازہ کر دیا۔

صدارت ۲۹ راپریل ۱۹۲۰ء کو ارضِ روم اور سیواس میں جمعیتہ وطنی نے مصطفیٰ کمال کو اپنا صدر منتخب کیا۔ ادھر قسطنطنیہ میں جس قدر احرار گرفتاری سے اتحادیوں کے ہاتھوں بچ رہے تھے وہ بھاگ کر اناطولیہ آگئے اور جمعیتہ وطنی میں شامل ہو گئے۔

ترکوں کی زبوں حالی ترک متواتر گیارہ سال سے جنگ میں الجھ کر خستہ حال ہو گئے تھے۔ ان کے پاس اسلحہ و ذخائر جنگی کی بہت کمی تھی جو باقی بچے تھے وہ ظالم اتحادیوں نے قسطنطنیہ کے قبضہ کے وقت ترکوں سے لے لئے تھے اور ان کو بے دست و پا بنا دیا تھا۔ مگر ترک دنیا کی وہ ممتاز قوم ہے جو کہ بغیر ہتھیار کے ہی اپنی شجاعت و بہادری کے بھروسہ پر ظالم یونانیوں سے دو، دو ہاتھ کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ چنانچہ ترکوں نے ٹوٹے پھوٹے اسلحہ سنبھال لئے اور یونانیوں کا مقابلہ شروع کیا جو باشندوں کو قتل کرتے، بچوں کو ذبح کرتے، عورتوں کی تذلیل کرتے ہوئے بڑھتے چلے آتے تھے۔

اُدھر دوسری طرف فرانسیسیوں کو جو اناطولیہ کے جنوب مشرق اور شام کے شمال میں سلیشیا پر قابض ہو گئے تھے۔ ان ترکوں نے کمال کی امداد ملتے ہی فرانسیسیوں پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست فاش دی جس سے اُس نے صلح کر کے سلیشیا خالی کر دیا اور جان بچالے گیا۔

خلافت مآب خلیفہ عبدالوحید اور اس کا وزیر داماد فرید پاشا انگریزوں

کے دام میں پھنس چکا تھا اور اُس نے ترکی سلطنت پر انگریزوں کا انتداب قبول کر لینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

انگریزوں نے حزب وطنی کی سرگرمیٔ عمل دیکھ کر صدرِ اعظم کو آمادہ کیا کہ وہ سرگروہِ احرار کے خلاف قدم اُٹھائے۔ چنانچہ خلیفہ اور فرید پاشا نے ۱۱ رجون ۱۹۲۰ء کو شیخ الاسلام دری زادہ آفندی سے فتویٰ لے کر حامیانِ وطن و ملت کو باغی قرار دیا اور انگریزوں سے قرضہ لے کر مصطفیٰ پاشا کرد کی ماتحتی میں ان کے استیصال کے لئے ایک فوج بھیجی۔ اس پر بس نہیں کیا بلکہ مصطفیٰ کمال پاشا، فواد پاشا، ڈاکٹر عدنان بک اور رؤف پاشا وغیرہ جو وطنی تحریک کے علمبردار تھے غائبانہ موت کا حکم صادر کیا اور ان کے اموال، ہر قسم کے فوجی امتیازات اور شہری حقوق ضبط کر لئے۔ اس مضحکہ خیز عمل سے ملک میں خلیفہ اور صدر اعظم کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔

مصطفیٰ کمال کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ:-

"میں آستانہ کی ترکی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وہ اجنبی دول کے زیر اثر ہے"

بالشویکوں سے معاہدہ روس میں انقلاب کے بعد بالشویک حکومت قائم ہو گئی تھی جو مشرق میں انگریزوں کے خلاف اپنا نفوذ بڑھانا اور انگریزوں کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بکر سامی کو حزب وطنی نے ماسکو بھیجا۔ جمال پاشا بھی برلن سے وہاں آ گئے۔ ان ہر دو نے ترکوں اور بالشویک حکومت میں ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء معاہدہ اتحاد لکھوایا۔

مصطفیٰ کمال کا بڑا کارنامہ مصطفیٰ کمال نے دو لاکھ فوج مرتب کر کے انگریز کے پٹھو یونانیوں پر جو ملک کے بڑے

لہ تاریخ دولت العلیۃ العثمانیہ العلامہ محمد فرید بک مصری۔

حصے پر ظلم و جور کے ساتھ قبضہ کئے بیٹھے تھے۔ ۲۹ر اگست ۱۹۲۱ء کو حملہ کر دیا۔ اس کی شہر بروصہ اور ازمیر سے ان کی پٹائی کر کے نکال باہر کیا۔

پھر سمرنا پر یونانیوں کی ایسی سرکوبی کی کہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگے۔ باوجودیکہ یونانی فوجیں تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھیں۔ بیشتر حصہ فنا کے گھاٹ اترا۔ بہت سے گرفتار ہوئے بہت تھوڑے ترکوں کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ سکے۔ اگلا پچھلا انتقام بہادروں نے ظالم یونانیوں سے لے لیا۔ مال غنیمت ترکوں کے ہاتھ خوب لگا۔ انگریز اور اُن کے ہمنوا دیکھتے رہ گئے۔ تمام یورپ ترکوں کی بہادری سے دنگ ہو کر رہ گیا۔ اور مجبوری درجہ اتحادیوں نے جو قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے تھے۔ اس زبردست قوت کو دیکھ کر امرائے فوج کے ساتھ مدانیہ میں گفتگو کی اور قسطنطنیہ کو خالی کر دینے کا وعدہ کیا۔ سمجھتے تھے کہ اگر یہ ترک قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے تو اتحادی فوج جو وہاں مقیم ہے وہ بچ نہ سکے گی اور اگر ہم مقابل آئے تو روس ضرور اُن کا معاون ہو گا۔

لوزان کانفرنس ترکوں کی شجاعانہ سرگرمی دیکھ کر اتحادی جھکے اور وطنی جماعت کے ساتھ مساویانہ مصالحت کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ چنانچہ سوئٹزرلینڈ کے مقام لوزان میں ۲۰ر نومبر ۱۹۲۲ء کو کانفرنس شروع ہوئی۔ ترکی نمائندہ عصمت پاشا تھے۔ عصمت نے اتحادی نمائندوں کی وہ خبر لی کہ لارڈ کرزن جو انگلستان کا نمائندہ تھا مُنہ کی کھا کے رہ گیا۔

آخر ش اتحادی مجبور ہو گئے اور عصمت پاشا کے مطالبے منظور کئے اور ۴ر جون ۱۹۲۳ء کو کانفرنس ختم ہوئی۔ قسطنطنیہ، تھریس، اناطولیہ اور ایشیائے کوچک کا کل علاقہ ترکوں کا تسلیم کر لیا گیا اور وہ جملہ مراعات جو دول یورپ کو ترکی میں حاصل تھیں وہ یک قلم منسوخ کی گئیں۔ یہ کارنامہ عصمت پاشا کے تدبر کا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ترک ایسے آزاد ہو گئے جیسے اپنے عروج کے زمانہ میں تھے۔

انخلائے قسطنطنیہ ۲؍اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو خالی کر دیا۔ سلطان عبدالوحید خاں بھی انگریزی جہاز پر سوار ہو کر مالٹہ چلتے ہوئے۔

قیامِ جمہوریت ترکیہ مصطفٰے کمال اس عظیم الشان کارنامہ کا ہیرو ہے۔ کیونکہ ترکوں کا گیا ہوا ملک اور مٹا ہوا وقار پھر واپس مل گیا۔ چنانچہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمعیت وطنی نے ترکی سلطنت کو جو دستوری تھی، جمہوری کر کے مصطفٰے کمال پاشا کو صدر منتخب کیا اور اتاترک کے خطاب سے نوازا۔

پایۂ تخت قسطنطنیہ سے دارالسلطنت ہٹا کر انگورہ کو مستقر حکومت قرار دیا۔

سلطان عبدالمجید خاں

آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید ثانی کو عبدالوحید کے فرار ہونے کے بعد جو ولی عہد بھی تھا ترکوں نے خلیفہ بنا لیا۔ مگر اصولاً دو متصادم اختیارات ایک ملک میں نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسرے سال سلطان کو معزول کر دیا۔ یہ آخری خلیفہ بنی عثمان فرانس کے شہر میئس میں قیام پذیر ہوئے۔ نظام حیدر آباد میر عثمان علی خاں نے گراں قدر رقم سالانہ مقرر کر دی اور مولانا شوکت علی مرحوم کے ذریعے سلطان کی دو شہزادیاں نظام کے دو بیٹوں سے منسوب کرا دیں۔

خاتمہ خلافت ترکی جمہوریہ نے خلیفہ کے ساتھ خلافت کا منصب بھی ختم کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

عہدِ اتاترک

کمال اتاترک ۱۹۲۳ء میں برسرِ اقتدار ہوئے تو اُن کی توجہ زیادہ تر مغربی معاشرت و تمدن کے اختیار کرنے اور پھیلانے کی طرف تھی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو ٹھکانے لگا کر آمریت کی شان پیدا کرلی۔ جمہوریت برائے نام رہ گئی۔ مذہب پسِ پُشت پڑ گیا۔ پندرہ برس تک صدرِ جمہوریہ ترکیہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انگورہ کو مغربی رنگ میں رنگ دیا۔ مگر شہروں سے متصل جو دیہات تھے اُن کی وہی پسماندہ حالت رہی اور وہ پرانی ڈگر سے نہیں ہٹے۔ یہ درست ہے کہ ترکیہ کا کسان مشرق کے دوسرے ممالک کے کسان کی طرح جاگیرداروں کا غلام نہیں۔ کیونکہ کمال اتاترک نے کسانوں کی دو تہائی آبادی کو زمین عطا کی مگر پھر بھی کمالی اصلاحات سے کسانوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

صنعت و حرفت اتاترک نے صنعتوں کے قیام کی اپنے عہد میں زبردست کوشش کی صنعتی ادارے قائم کئے مگر یہ سعی سطحی ہے مثل یورپی ممالک کے ترکی علاقہ نہ بن سکا۔

تعلیمی ترقی کمال اتاترک نے ترکوں کو رومن حروف کو تہجی بنانے اور مغربی وضع قطع اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اسکول کالج کثرت سے کھولے۔ اس لاطینی رسمِ خط میں کثرت سے کتابیں نقل کی گئیں۔ مگر ابھی ترکی زبان مغربی و مشرقی جملہ علوم و فنون سے مالا مال نہ ہوسکی مگر جو کچھ تعلیمی ترقی ہوئی وہ بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔

جمہوریہ ترکیہ پر نظر اتاترک کے ساتھیوں کے ہاتھ میں سارا

نظم ونسق تھا۔ یہ پیپلز پارٹی کہلاتی تھی۔ شروع چند سال تک تو اس جماعت نے بہتر کام کیا۔ آخر میں اس پارٹی نے بہت سخت گیری اختیار کرلی۔ عوام میں اگلی سی محبت ان سے نہ رہی۔ چنانچہ عمالِ حکومت کے جبر وظلم کا ایک واقعہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ ایک شخص کی لاش باسفورس سے نکالی گئی جسے بڑی تکلیف دے کر مارا گیا تھا تو استنبول کے ایک راہ گیر نے طنزاً لاش سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"بے چارہ شدید بازپرس کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

مصطفےٰ کمال کا انتقال | ۱۹۳۸ء میں مصطفےٰ کمال کا انتقال ہو گیا۔

عصمت پاشا

اتاترک کے بعد پیپلز پارٹی نے عصمت پاشا کو صدر جمہوریہ ترکیہ منتخب کیا اور انونو خطاب دیا۔ اولاً ان کا عہد اسی طرز پر تھا جیسا کہ کمال اتاترک کے زمانے میں تھا مگر ان کو قدرے مذہب سے لگاؤ ضرور تھا۔ سب سے بڑا کارنامہ اُن کا یہ ہے کہ دول مغرب کے بموقعہ جنگ عظیم جھانسے میں نہیں آئے۔ قوم کو اس جنگ سے الگ تھلگ رکھا۔

مگر ترکوں میں پھر ایک لہر اُٹھی۔ وہ مذہب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور وہ موجودہ طرزِ زندگی سے گھبرا سے گئے ہیں۔ گو عصمت انونو کے دورِ حکومت میں پرانی روایات کا چرچا ہونے لگا تھا، مساجد تعمیر ہوئیں، مذہبی لٹریچر پر سے پابندی اُٹھالی گئی مگر ملک کچھ اور بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جلال بائر جو ایک عرصہ تک وزیر رہ چکے تھے، انہوں نے ڈیموکریٹک پارٹی سے تعلق پیدا کر لیا۔ عوام اس جماعت کی طرف جھکنے لگے اور عصمت انونو کی جماعت سے منحرف ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں انتخاب صدر

کے موقعہ پر پیپلز پارٹی کا ایک قافلہ ساحلی گاؤں "تشوجو" میں رُکا۔ وہاں کے باشندوں سے پانی مانگا۔ لیکن اُنھوں نے بڑی بے رُخی سے جواب دیا جاؤ اور اپنے لئے سمندر سے پانی بھرو۔ عوام پیپلز پارٹی سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے۔

جلال بائر صدر جمہوریہ جلال بائر ایک مرتبہ پیپلز پارٹی کی حکومت میں وزیر اعظم بھی رہ چکے تھے اور یہ مارشل فوزی چقماق نیشن پارٹی (حزب مخالف) کے قائد بھی رہ چکے ہیں۔

۱۹۵۰ء کے انتخاب صدر جمہوریہ میں ڈیموکریٹک پارٹی نے عصمت انونو کو بالکلی نظر انداز کر دیا اور جلال بایار کو بہت زیادہ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب بنایا۔

اس پارٹی نے وعدہ کیا کہ حکومتِ ترکیہ کو اب سے بہت زیادہ ترقی کی راہ پر لگایا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اس جماعت کا یہ دعوےٰ ہے کہ انفرادی سرمایہ اور قومی ملکیت کے بہتر عناصر کو یکجا کر دیا جائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ اس جماعت کے بیشتر رہنما تاجر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ ضرور انفرادی سرمایہ اور انفرادی مساعی کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

ادھر جلال بائر نے عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور مذہب سے دلی لگاؤ بھی ہے۔ امید ہے کہ پرانی خرابیوں کی اصلاح موجودہ صدر کے ہاتھوں ہو سکے گی۔ اس جگہ ہم دست بدعا ہیں کہ جمہوریہ ترکیہ کا مستقبل روشن و تابناک ہو اور ان میں اسلامی روح جاگزیں ہو۔

دولتِ عثمانیہ کا پس منظر

خلفائے عباسیہ کے شروع عہد سے ہی ترکوں کے اکثر قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر جوہر بہادری دکھاتے ہوئے ترقی کے میدان میں گامزن ہوئے۔ عثمانی ترکوں کا اقبال چمکا تو خلافت بنی عباس ادبار کی گھٹاؤں میں گھر چکی تھی۔ عظیم الشان سلطنت جو ایک خلیفہ کے تابع تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف خاندانوں میں بٹی جو آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان ترکوں کے ہاتھوں سے شیرازۂ سلطنت اسلامیہ کو پھر یکجا کرادیا اور اس میں نئے سرے سے ایسی جان پڑ گئی کہ روشن ماضی کی یاد تازہ ہو گئی۔

گو یہ لوگ خانہ بدوش صحرا نورد تھے مگر بہادر اور مہذب تھے۔ اسلام نے ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا کر دی جس نے اسلامی حکومت کو حیاتِ تازہ بخشی اور مسلمانوں کا عزم جو مُردہ ہو چلا تھا اس کو ایسا زندہ کیا کہ ان کی فتوحات کا دائرہ ممالک ایشیا سے یورپ کے حدود کے اندر دُور تک وسیع ہو گیا تھا۔ غرضیکہ تاریخ سلطنت اسلامیہ کے تاج کا ایک گوہرِ بے بہا یہ عثمانی ترک کہے جا سکتے ہیں۔

ترکی قبائل میں سے اغزیا یوغور قبیلہ تھا جس کا چشم و چراغ امیر عثمان خان تھا جس نے دولتِ عثمانیہ کی تاسیس کی اور اس کی اولاد میں ۱۹۲۴ء تک سینتیس ۳۷ سلطان ہوئے اور اس کے اخلاف سے تین ترکی جمہوریہ کے صدر ہوئے۔

امیر عثمان خاں نے حکومت بازنطائن کے علاقے لے لئے۔ سلطان آورخاں نے بروصہ اور نکائیہ کا الحاق کیا۔ ہمسایہ ریاست قراسی بھی زیر نگین آ گئی۔ اور ینگ چری (انکشاریہ) فوج قائم کی جو صدیوں تک عثمانیہ فتوحات کے سر کا سہرا ثابت ہوئی۔ ۷۵۵ھ میں ہلسپانڈ عبور کر کے قلعہ گیلی پولی کو مرکز بنا کر

سلطنت بازنطائن کے یورپین مقبوضات کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ چند سال کے بعد ایڈریانوپل اور فلپو پولس مسخر ہوئے، مرٹزرہ کسارو بھی لے لئے۔ ان مہمات سے قسطنطنیہ کے نواحی ضلعے کے سوا تمام جزیرہ نمائے بلقان پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر تیمور کی آویزش سے قسطنطنیہ ترکوں سے کچھ عرصہ کے لئے بچا رہا۔ بایزید اور تیمور باہم برسرپیکار ہوئے۔ بایزید ناکام رہ کر اسیر ہو کر عدم کو روانہ ہوا مگر محمد اول کی بیدار مغزانہ پالیسی سے اس سلطنت کا پھر اپنے سابقہ دم خم پر عود کر آنا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔

مراد ثانی نے ہونی ایڈی (ولاچی کے سفید نائٹ) کے حملوں کو پامردی سے روکا اور صلیبی مجاہدوں کی گوشمالی کی، جس سے شمال سے پھر کسی دشمن کو مقبوضات ترکی پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور آئندہ دو صدیوں کی تاریخ میں ترکی کی فتوحات کی طول طویل فہرست کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ۱۴۵۳ء، ۸۵۵ھ میں سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت بازنطائن کا چراغ گل ہو گیا۔

۸۸۰ھ، ۱۴۷۵ء میں کریمیا کا الحاق ہوا۔ جزائر ایجین عثمانیہ قلمرو میں داخل ہوئے حتیٰ کہ اٹلی میں ترکی جھنڈا قلعہ اٹرنٹو پر لہرانے لگا۔ سلطان سلیم اول نے اپنے آٹھ سالہ قلیل دورِ حکومت میں ایران کو شکست دے کر خراسان و دیار بکر کو ترکی قلمرو میں ملا لیا۔ ۱۵۱۷ء میں شام، مصر اور عرب کے صوبجات مملوکوں سے چھینے گئے اور دائرہ حکومت قلمرو عثمانیہ کا بڑھ گیا۔ سلیمان اعظم نے اپنی مہتمم بالشان فتوحات سے سلیم کے کارناموں کو بھی دلوں سے بھلا دیا۔ ۱۵۲۲ء میں سلطان نے رہوڈس کے نائٹوں کو ان کے مضبوط مورچوں سے نکال دیا۔ شمال میں بلگراڈ (بلغریہ) مسخر ہوا۔ ۱۵۲۶ء میں سلیمان اعظم نے میدان مہاکس میں فی الواقعہ ہنگرین سپاہ کو کچل ڈالا۔

اس جنگ میں بیس ہزار عیسائی تلوار کے گھاٹ اترے اور شاہِ ہنگری

لوئیس ثانی بھی مقتول ہوا۔ ڈیڑھ صدی تک ہنگری ٹرکی کا ایک صوبہ رہا۔ سلطان سلیمان نے ۱۵۲۹ء میں وائنا کا محاصرہ کر لیا۔ گو اسے فتح نہ کر سکا تاہم اس نے ارچ ڈیوک فرڈیننڈ کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تاریخ "شجرات فرمانروایان اسلام" میں لکھتا ہے:۔

"سلیمان اعظم کہلانے کا دعویٰ صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ وہ بڑا لائق و قابل اور روشن خیال حکمران تھا یا اُسے عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ اُسے اس لحاظ سے اعظم کہنا بجا ہے کہ اس نے چارلس اول، فرانسس اول، الزبتھ اور لیوڈہم جیسے جلیل القدر بادشاہوں اور کلمبس کورٹس اور ایلبہ جیسے نامور مدبرین کے زمانہ میں اپنی بزرگی کو قائم و برقرار رکھا۔ چارلس اعظم کی آنکھوں کے سامنے اس نے ہنگری کا الحاق کر لیا اور وائنا کو جا گھیرا اور بحری طاقت کے عروج کے زمانہ میں جبکہ ڈوریا اور ڈریک جیسے یورپ کے امیر البحر موجود تھے، سلیمان کے جنگی جہازوں نے ہسپانیہ تک بحری راستہ کو خس و خاشاک سے پاک و صاف کر دیا اور سلطان کے امیر البحر باربروسہ، پیال اور ڈراگ کے نام سے بحر روم کے کنارے کی سلطنتیں کانپتی تھیں۔ انھوں نے اہلِ ہسپانیہ کو بربری ریاستوں سے نکال دیا تھا۔ ۱۵۳۸ء میں بحری لڑائی میں پوپ روما اور شہنشاہ کو شکست فاش دی۔ سلیمان کی سلطنت بوڈاپسٹ (واقع ڈینوب) سے اسوان (واقع آبشار نیل) اور فرات سے آبنائے جبرالٹر تک پھیل گئی تھی۔ ترکی کی تاریخ میں سلیمان اعظم کا عہد گویا اس کی منتہائے ترقی کا زمانہ تھا۔"

دورِ تنزل سلطان سلیمان کے بعد سے گو کچھ فتوحات ہوئیں مگر اس کے ساتھ ناکامیاں زیادہ تھیں۔ ۱۵۷۱ء میں لیپانٹو میں منہزم ہوتے

ہی ٹرکی کے بحری عروج کا تنزل شروع ہوگیا۔ باوجودیکہ بری جنگوں میں ترکوں نے متعدد فتوحات حاصل کیں ۱۵۷۰ء میں قبرص کا الحاق کر لیا۔ ۱۵۹۶ء میں افواج اسٹریا کو بمقام کرمزرٹر شکست دی مگر ترک بحری طاقت کے لحاظ سے یورپ کے خوف و خطر کا موجب نہ رہے! اور ان کی عظمت و شوکت و سطوت اہلِ یورپ کے دلوں میں پہلے بیٹھی ہوئی تھی وہ باقی نہ رہی۔ سلطان مراد چہارم نے ۱۶۳۸ء میں بغداد لیا اور ۱۶۴۵ء میں اہل وی نیشیا سے کینڈیا اور جزیرے لے لئے۔ مگر یورپ میں شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

۱۶۶۴ء میں سینٹ گوتھرڈ میں ۱۶۷۳ء میں چوک زم میں ۱۶۷۵ء میں لیمبرگ میں جان سوبیکی کے مقابلہ پر ترک گھونگھٹ کھا گئے اور تابِ مقابلہ نہ لا سکے۔ اور بوسینیا، یونان پر اہلِ اسٹریا اور اہلِ وی نیشا نے کئی حملے کئے ۱۶۹۷ء میں زنٹا کی لڑائی میں شہزادہ یوجین نے صدمۂ عظیم ترکوں کو پہنچایا اور ۱۶۹۹ء میں صلحنامہ کارلووٹز اور ۱۷۱۸ء کے پاس سردوٹز کے عہد نامہ نے ہنگری، پوڑولیا، ٹرینسلوینیا میں ترکوں کا تسلط کچھ باقی نہ رہا۔

۱۷۳۶ء میں روس نے اوک زے کوؤ اور ازدو کو ترکوں سے لے لیا۔ ۱۷۸۳ء میں کریمیا کو قبضہ میں لایا اور دریائے ڈنیوب کی مملکتوں پر کئی حملے کئے افریقہ میں مصر کو محمد علی نے ترکی سلطنت سے عملاً آزاد کر لیا۔ الجیریا ۱۶۵۶ء ٹیونس ۱۷۰۵ء میں آزاد ہوئے تھے۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجیریا پر قبضہ کیا اور ٹیونس پر ۱۸۸۱ء میں متصرف ہوگیا۔ سلطان مراد چہارم نے اپنے مقبوضہ بغداد کو ایران سے واپس لیا۔

۱۸۷۸ء میں برلن کے عہدنامہ کے موافق باطوم روس کے ہاتھ لگا اور برطانیہ نے جزیرۂ قبرص ہتھا لیا۔ روس کے دباؤ سے رومینیا، سرویا میں سلطنتیں قائم ہوئیں اور مونٹی نیگرو آزاد ہوا۔ یونان کو تھسلی ملا۔ بوسینیا، ہرزی گوینا، آسٹریا کے سپرد ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں ایک نئی باجگذار ریاست مشرقی رومیلیا قائم

ہوئی جس کے سبب سے کوہ بالکین کے شمال میں ترکی سلطنت باقی نہ رہی۔ عبدالحمید کے عہد میں ترکی کا رہا سہا بھرم جاتا رہا۔ طرابلس اٹلی نے لے لیا۔ تمام بلقان میں آتشِ بغاوت روشن ہوئی۔ اتحادیوں کی ریشہ دوانیوں سے ترکی کے حصے بخرے کر دیئے۔

محمد خامس کے زمانے میں عرب بھی نکل گیا۔ وہ وقت آگیا کہ یونانیوں نے تھریس پر قبضہ جمایا۔ قسطنطنیہ پر اتحادی قابض ہوئے۔ مگر نوجوان ترکوں نے یونان کو پیٹا۔ اتحادی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطنت عثمانیہ کی کشتی ڈوبتے دیکھ کر کمال پاشا نے انگورہ میں جمہوریہ ترکیہ کی تشکیل کی اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ ترکی جمہوریہ تنزل کے بعد پہلا زینہ ترقی کا ہے۔ تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

سیاسی بیداری

ترکوں میں بجز ذاتِ شاہانی کے کوئی ادارہ سیاسی نہ تھا حتیٰ کہ انقلابِ فرانس سے عثمانی عیسائی رعایا اثر پذیر ہو کر آزادی کی جدوجہد میں لگ کر کامیاب ہوئے۔ مگر ترکی طبائع پر اس انقلاب کا بہت کم اثر پڑا۔ سب سے پہلے جس شخص نے ترکوں میں حریت کا احساس پیدا کیا وہ مدحت پاشا تھا جس نے سلطان عبدالحمید کے شروع عہد میں دستوری حکومت کا اعلان کرایا۔ مگر سلطان کے استبداد کی بدولت دستور نہ چلا اور مدحت پاشا طائف میں نظر بند ہوا۔ اور اس کے ہمنوا شہر بدر کئے گئے۔ مگر اس واقعہ نے نوجوانوں میں حریت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

ادھر سید جمال الدین افغانی نے عبدالحمید کو اتحادِ ملت کی طرف متوجہ کیا۔ اور حجاز ریلوے کو اُمت کی مشترکہ ملکیت قرار دے کر عالمِ اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ اس کے بعد ہی سلطان نے سید صاحب کو ٹھکانے لگوا دیا۔ انہی دنوں شیخ عبدالرحمٰن الکواکبی نے ترکوں میں اصلاحِ دینی

کی تحریک پیش کی۔ دو کتابیں طبائع الاستبداد اور جمعیۃ ام القریٰ لکھ کر شائع کیں۔ ترکوں میں ان کی مقبولیت بہت ہوئی۔ سلطان و اشرار یلدز نے استبداد سیاسی سے الکواکبی کو دینی اصلاح سے روک دیا۔ بلکہ دونوں مذکورہ کتابوں کو مملکت عثمانیہ میں ممنوع الاشاعت قرار دے دیا۔

ملک میں اس کا اثر پڑا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی وطنی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی نیازی بک، انور بک، محمود شوکت پاشا وغیرہ نے انجمن اتحاد ترقی کی تشکیل کی اور کارہائے نمایاں کئے۔ سلطان کو معزول کر دیا۔ کمال پاشا نے آگے چل کر خلافت ہی کا الغاء کر دیا اور اس کے بجائے جمہوریہ ترکیہ قائم ہو گئی۔ پہلے صدر جمہوریہ کمال پاشا رہے۔ پھر عصمت انونو اور ۱۹۵۰ء میں جلال بائر صدر جمہوریہ ترکیہ ہیں۔

اس جمہوریہ کے تحت میں صرف ایشیائے کوچک اور یورپ میں تھوڑا سا علاقہ ہے۔ آبادی زیادہ تر مسلمان ہیں۔ پہلے سرکاری مذہب اسلام تھا۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں سرکاری مذہب کی حیثیت اڑا دی گئی اور ترکی کو صحیح معنی میں ایک جمہوریہ قرار دیا گیا۔ ترکی کا رقبہ اب ۷۶۱، ۳۸۰ مربع کلومیٹر ہے جس میں زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے۔ دریاؤں کی وادیاں اور ساحلی علاقے زرخیز ہیں۔ انقرہ، ازمیر، استنبول بڑے شہر ہیں۔

نظامِ مملکت

سلاطینِ عثمانیہ میں سے پہلے جو سلاطین تھے ان کے یہاں نظم مملکت سلجوقی فرماں رواؤں کے طرز پر تھا۔ آگے چل کر اضافہ کر لیا۔ سلجوقیوں کی طرح مہمات سلطنت میں سلطان فرمانروائے مطلق تھا جس کی اطاعت لازمی تھی اور بشرط رعایت نصوص قرآن مجید سلطان رعایا کے جان و مال اور ملک و فوج وغیرہ پر سیاہ و سفید کا کلی اختیار رکھتا تھا۔ دولت عثمانیہ کے

سب سے بڑے دو عہدہ دار تھے۔ ایک صدرِ اعظم جو امورِ ملکی و فوجی کا کفیل ہوتا تھا۔ دوسرا شیخ الاسلام جو شرع شریف کا حامل ہوتا تھا۔ صدر اعظم کے ماتحت جملہ وزراء اور ملکی دفاتر تھے اور شیخ الاسلام کی نگرانی میں محکمہ جات شرع و قضاۃ۔ شیخ الاسلام علاوہ مذہبی امور کے مہماتِ سلطنت میں اعلانِ جنگ معاہدۂ صلح عزل و نصب سلطان وغیرہ میں دخیل تھا۔

شیخ الاسلام کے بعد قاضی عسکر روم ایلی اور قاضی عسکر اناطولیہ کا درجہ تھا ان میں سے ہی شیخ الاسلام بنایا جاتا۔ سلطان شیخ الاسلام کے علیحدہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ مگر حرمتِ شرع کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا تھا اور نہ سلطان ان کے فتوٰی کی مخالفت کا اختیار رکھتا تھا بلکہ شیخ الاسلام کی عظمت اور بزرگی ملحوظ رکھنی پڑتی تھی۔ چنانچہ سلاطینِ عثمانیہ میں سلطان سلیم خاں بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک موقع پر اُس کو ملازمینِ خزانہ پر غصہ آگیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ مولانا علاء الدین جمالی ان دنوں قسطنطنیہ میں مفتی تھے، اُنھوں نے جو یہ سخت حکم سُنا تو ان بیکس ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کو سمجھانے کے لئے بابِ عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صدر بدوں کسی حادثۂ عظیم کے بابِ عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزراء میں داخل ہوئے تو سارے اہلِ دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے مفتی صاحب کیسے تشریف لائے۔ حضور سلطانی میں ان کی اطلاع ہوئی اور یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد سلسلۂ تقریر یوں شروع کیا:-

"جو علماء منصب فتوٰی رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ سلطانِ وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں۔ میں نے سُنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے۔ لہٰذا میں عفوِ سلطانی کی استدعا کرتا ہوں۔"

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہو کر کہا کہ تم کو اپنے حدِ اختیار سے بڑھنا اور امورِ سلطنت میں دخل دینا نہیں چاہیئے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مَیں معاملات سلطنت میں دخل نہیں دیتا بلکہ عاقبت سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا فرض ہے۔

ان عفوت فلک النجاۃ وان فلک عقابٌ عظیمٌ۔

سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں۔

جب مفتی ممدوح نے اُٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ مَیں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرضِ منصبی ادا کر چکا، اب ایک بات شانِ سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے پُوچھا، وہ کیا؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں؟ کیا یہ مناسب ہو گا کہ غلام شاہی ہو کر در بدر مانگتے پھریں؟

سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے کہا، تو ان کی جگہ پھر انھی کو عطا فرمائی جائے۔ سلطان نے از راہ مراحمِ خسروانہ اس کو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائے گی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ تعزیری سزا رائے سلطانی پر منحصر ہے۔ اتنا کہہ کر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے [1]

ایک دن سلیم نے اُن سے پوچھا کہ دُنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ جمالی نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے۔

سلطان نے صدرِ اعظم کو حکم بھیجا کہ ہر گوشہ میں اعلان کر دیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا۔"

---

[1] علمائے سلف از نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر یار جنگ بہادر ص ۱۱۳۔

شیخ کو خبر لگی تو بطریق کو لے کر سلطان سلیم کے پاس پہنچے اور وہ عہد نامے دکھائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاریٰ کے ساتھ کئے تھے۔ پھر قرآن مجید کا حکم سنایا کہ اہلِ کتاب سے جزیہ لے کر مذہب میں آزاد چھوڑ دینا چاہیئے سلیم کو شیخ کے ارشاد پر پابند ہونا پڑا اور حکم واپس لے لیا۔

داخلی نظم ونسق کے دفتر کو دیوانِ دولت سے خطاب کرتے تھے۔

وزراء

تین وزراء مقرر کئے جاتے تھے۔ سلطان احمد ثالث نے آٹھ کی تعداد وزراء کی مقرر کی اور ان کا رئیس صدر اعظم کو بنایا۔ انہی کی مشاورت سے امورِ سلطنت طے پاتے اور ماتحت دفاتر نیز سلطنت کے صوبوں اور ریاستوں کے حکام وعمال کے بھی وزراء نگراں تھے۔

قپودان دریا کا وہ عہدہ تھا جس کے تحت میں بحری افواج تھیں اور بری فوج صدر اعظم کے تحت میں تھے۔

رعایا کے ساتھ سلوک

سلاطینِ عثمانیہ جہاں شجاعت میں سب سے نمایاں وصف رکھتے تھے اس کے ساتھ ہی رواداری میں بھی اقوام عالم میں بے نظیر تھے۔

ترکوں نے ہمیشہ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا۔ عیسائی اور یہودی سب ہی خوش اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یورپ میں یہودیوں پر بڑے ظلم روا رکھے جاتے مگر ترک اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے مگر اس پر بھی وہ فتنہ اُٹھاتے۔ نصرانیوں سے میل کر لیتے پھر بھی ان پر ظلم نہ کیا جاتا بلکہ تادیب ضرور کر دی جاتی۔ غیر مسلموں کو مذہبی آزادی تھی قسطنطنیہ میں بطریق کے عہدہ کو قائم رکھا اور اس کے حقوق محفوظ کر دیئے۔

مذہب

ترک اسلام میں داخل ہونے کے بعد سے اسلام کے سچے فدائی ہو گئے اور شعائر اسلام کا ہمیشہ احترام رکھا۔ یہ اُن کے بے ریا اور مخلصانہ اسلام کا ہی اثر تھا کہ ایک طرف اپنی آبائی شجاعت کے جوہر دکھاتے، دوسری طرف اپنے اخلاق اور بلند سیرت اور رواداری سے اپنی زیر اثر قوموں کو گرویدہ کر لیتے۔ چنانچہ سربیا، بلغاریہ، رومانیہ اور یونان، البانیہ کے بے شمار افراد بلا جبر و اکراہ عیسائیت کی خرافات سے بے زار ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

انکشاریہ فوج میں وہ نصرانی نوجوان لئے جاتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ ان نوجوانوں کی اسلامی طور طریق سے تعلیم و تربیت کی جاتی کہ ان کے اخلاق اعلیٰ ہوتے اور ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا ہو جاتی۔

نماز روزے کے بڑے پابند اوراد و وظائف کے عادی، قرآن مجید بڑے خوش الحانی سے پڑھتے۔ نیک چلن ایسے ہو جاتے کہ پاکیزگی ان کے چہروں سے عیاں ہوتی۔ ان کی اعلیٰ سیرت کے چرچے دُور دُور تک تھے۔ بلقان کے عیسائی رؤسا اپنے بیٹوں کو خوشی سے لا کر خود انکشاریہ فوج میں بھرتی کراتے تھے۔

ترک بالعموم مجاہد اور سرفروش ہونے کے ساتھ دینی عقائد کے پکے، عبادت کے پابند اور خانگی زندگی، روزمرہ کے معاملات اور اخلاق میں خالص مسلمان اور باہمی اخوت رکھنے والے غیر متعصب، نیک اوصاف سے متصف۔ ان خوبیوں کی وجہ سے ان کی سیرت بلند تھی۔ سلاطینِ عثمانیہ اور رعایا حنفی مذہب کے پابند اس وجہ سے اختلافی جھگڑے بہت کم پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام کی پوری اطاعت کرتے۔ جو وہ حکم دیتا اس کو دل سے مانتے۔

ترکوں کو تصوف سے بھی دلی لگاؤ تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رائج تھا۔ خانقاہیں، تکیے اُن کے مرکز تھے۔ البتہ نام نہاد صوفیوں کی وجہ سے فتنوں کا ظہور ہوتا رہتا جس کا اثر ترکوں کی باہمی اخوت اور اُن کی سیاست ملکی پر پڑتا تھا۔ جمہوریہ ترکیہ نے تمام زوایا اور تکیے بند کرا دیئے۔ علماءِ سو بھی اپنے وقار کی خاطر بعض ایسی حرکتیں کرنے لگے تھے جس کا اثر نقصان رساں تھا۔ یہ حکومت کے آلہ کار بن کر حریت نواز قوم کو غلط راستہ پر لگانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان علماء میں قدامت پسندی زیادہ تھی وسعتِ نظر کم۔ اس وجہ سے ہی مذہب کے نام سے مفید دنیاوی علوم و فنون کے پڑھنے سے روکتے۔ ملک کی فلاح کے لئے جدید اصلاحات پیش کی جاتیں تو اُن کی مخالفت کرتے۔

نوجوان ترکوں نے ان کے اقتدار پر ایسی سیاسی کاری ضرب لگائی کہ یہ حضرات لاچار ہو کر رہ گئے۔ پھر ان کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ البتہ علمائے حق کی ہر زمانہ میں توقیر و منزلت رہی۔ تمام سلاطین عثمانیہ ان کے سامنے جھکتے رہے اور ان کی قدر و منزلت شایان شان کرتے رہے۔ ان علماء احناف کا ہی اثر تھا کہ سلطان سلیم اول مذہب حنفی کا سب سے بڑا علمبردار تھا جس کی یہ خواہش تھی کہ اس کے قلمرو میں بجز حنفیت کے کوئی دوسرا مذہب نہ رہنے پائے اور اس کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابی بھی ہوئی اور اس کے اخلاف بھی سرگرم سعی رہے۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں اسلام سے ہی اگلا سا شغف نہ رہا تو حنفیت کی پُرسش کیا ہوتی۔ مگر ترک حنفی ہی کہلاتے ہیں۔

عثمانی ترکوں کا عہد

ترک ہمیشہ علم کے شیدائی اور دوسرے علمی اقوام کے ہونہار شاگرد رہے ہیں۔ ترکی علماء عجمی عربی تمدن پر گہری نظر رکھتے تھے اور چونکہ ازمنہ وسطیٰ میں علم کا مطلب ہی علم دین تھا اس لئے اسلامی دینیات کے مطالعہ کا شوق بہت جلد ترکوں میں پیدا ہو گیا۔

شروع عہد میں ترکی علماء میں مشہور شخصیت شیخ اودے بلی کی تھی جس کی دامادی کا فخر عثمان خاں کو تھا۔ ان کے ہم عصر علماء میں درسوں فاقی، چندرالی، قراغلیلی یگانۂ روزگار تھے۔

سلطان آورخاں نے مدرسہ ازنک قائم کیا جہاں سے علوم عربیہ کے بڑے بڑے صاحب فضل وکمال نکلے۔ سلطان سلیم نے ادرنہ میں عظیم الشان درسگاہ قائم کی اور قسطنطنیہ کا دارالعلوم سلیمانی خاص شہرت رکھتے ہیں، جہاں دور دور سے طلباء نے آکر علم کی تحصیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں عسکر بے لی جمال الدین اور علامہ سعدالدین تفتازانی کی خاص شہرت ہے۔

شیخ بدرالدین نے تصوف کے متعلق قابلِ قدر کتابیں لکھیں سلطان محمد فاتح کے عہد میں ملا خسرو نے کتب فقہ کے مصنف کی حیثیت سے خاص نام پایا اور ان کی کتاب "غرر" اور اس کی شرح "درر" بہت شہرت پذیر ہیں۔ زمبلی، علی جمالی اور مفتی اعظم کمال پاشا زادہ نے سلطان سلیم اوّل کے عہد میں اپنے فضل وکمال کے ڈنکے بجوا دیئے۔ ان کے تبحر علمی کی تمام عالم اسلامی میں شہرت تھی۔

تفسیر سلطان سلیمان کے زمانہ میں مفسر قرآن علامہ ابوسعود آفندی نامور عالم تھے۔ ابن کمال نے تفسیر اور کمالیات میں بڑی شہرت پائی۔ انہوں نے تاریخ پر بھی قلم اٹھایا۔ شاعر بھی تھے۔ غرضیکہ جامع العلوم اپنے زمانے کے تھے۔

طب ترکی علماء نے طب یونانی کو نوازا اور اپنی زبان میں اس کی کتب کو منتقل کر لیا۔ مشاہیر اطباء میں حکیم اسحاق اور حاجی پاشا تھے۔ یہ بایزید کے معاصر تھے۔ التجی زادہ، خاوبنجی زادہ محمد فاتح کے ہمعصر تھے۔ علی احمد چلپی وسیم عباس کی بھی بڑی شہرت ہے۔ فنِ جراحی میں خصوصاً کمال کی حیثیت سے ان کی شہرت وسطی یورپ تک پہنچی ہوئی تھی۔

شفاخانہ سلطان بایزید نے ۱۴۰۱ء میں بروصہ میں شفاخانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے ساتھ مطب بھی حاذق اطباء کا تھا۔ مدرسہ سلیمانی اور مدرسہ محمد فاتح میں درسیات کے ساتھ طب یونانی کا بھی درس لازمی تھا۔

تاریخ عاشق پاشا زادہ سب سے پہلا ترکی مؤرخ تھا۔ وہ بایزید ثانی کے عہد میں گزرا ہے اور اپنے ہمعصر نشری کی جہاں نما کی طرح اس کی تصنیف میں ترکوں کی لڑائیوں کا حال نہایت سلیس اور صاف زبان میں ہے۔

سعد الدین مراد ثانی متوفی ۱۵۹۹ء نے عثمانی خاندان کی ایک مفصل تاریخ ترکی نثر میں تحریر کی جس میں ابتدا سے لے کر سلیم اول تک کے تاریخی حالات مندرج تھے۔ اس کا نام "تاج التواریخ" تھا۔ اس تاریخی تصنیف سے ترکی ادب میں عمدہ سوانح نگاری کا آغاز ہوا جس کی بڑی حد تک کمی تھی۔ نعیمات نے تاریخ عثمانی کے نام سے ایک تاریخی کتاب لکھی۔ اس کا زمانہ ۱۵۹۲ء تا ۱۲۵۹ء تھا۔ محمد رابع کے زمانے میں ایک مشہور ترکی سیاح اولیا نے اپنی سیر و سیاحت کا حال ایک سفرنامہ میں تحریر کیا ہے۔

طاش کبری زادہ بھی ترکی زبان کا مشہور عالم و فاضل تھا۔ اس نے فقہاء و مشائخ کی سوانح حیات تحریر کیں۔ ایک دوسرے عالم عطاء اللہ نے بھی اس قسم کی کتاب لکھی۔

ترکی قوم میں حاجی خلیفہ نامور شخصیت ہے جو عربی، فارسی، ترکی کا زبردست عالم تھا۔ اس نے کشف الظنون کے نام سے عربی، ترکی، فارسی کے مصنفین اور ان کی تصنیفات پر مبسوط کتاب لکھی جو محققین کے لئے شمع راہ ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے۔ اس کا ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۵ء میں انتقال ہوا۔

ترکی تاریخوں میں نائمہ کی کتاب سب سے زیادہ مستند ہے۔ دوسرے مؤرخین راشد محمد، اسمٰعیل عاصم، غزی سلیمان، واصف احمد یحیوی، سلانیک لی مصطفٰی علی آفندی، ان سب نے تاریخ ترکی کے انقلاب آفریں واقعات پر نظر ڈالی

ہے مصطفیٰ پاشا کی نتائج الوقوعات اور عطا بے کی اندرونی تاریخ، علی آفندی کی مناقب ہنرو راں، نتائج الوقوعات میں صرف واقعہ نگاری پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ سلطنت کے نظم ونسق کی تصویریں کھینچی گئی ہیں۔

جغرافیہ سپاہ زادہ محمد کا جغرافیہ مشہور ہے اور امیر محمد ابن حسن نے سولہویں صدی میں امریکہ کے حالات پہلی مرتبہ ترکی زبان میں لکھے۔ حاجی خلیفہ نے بھی جہاں نما تصنیف کی۔ اطلاس خورد کا ترکی ترجمہ بھی اسی نے کیا۔ نیز بحری جنگ پر کئی تالیفوں کا سہرا بھی اس کے ہی سر ہے۔ رئیف احمد نے عہد سلیم میں جغرافیہ پر انگریزی میں مقالہ لکھا اور ایک اطلس مرتب کی سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں مغربی علوم کے تراجم کثرت سے ہوئے اور اس عہد میں ترقی کے بڑے بڑے مصنف و مؤلف تھے۔ بلیشتر کے حالات ترکی زبان کی قاموس الاعلام میں تحریر ہیں۔

ترکی نظم ونثر

ترکی زبان اپنے وطن سے دُور جا کر غیر ملکوں میں بار آور ہوئی۔ ترکوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی تو وہاں کے ایک حاکم امیر قراماں نے جو قونیہ کا حاکم اور شیخ نورالدین صوفی کا خلف ارشد تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں ترکی زبان کو پہلی پہل سرکاری زبان بنایا اور عربی علمی و دینی زبان تھی۔ سرکاری زبان بنتے ہی اس علاقہ میں جسے آج کل مملکت ترکیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے ترکی زبان پھیلنی شروع ہوئی۔ اس کے بعد خاندانِ عثمانیہ کے زیرِ سایہ ترکی زبان نے علمی و ادبی زبان بننے کا [illegible] اختیار کرنا شروع کیا۔ ورنہ اپنے وطن ترکستان میں بول چال سے زیادہ حیثیت اس کی نہ تھی۔

ادب قدیم قدیم ترکی ادب میں کچھ نظمیں ہیں جو چند بزرگوں نے تصوّف اور اخلاق پر تحریر کی تھیں۔ یہ پہلے مجموعے ترکی زبان کے ہیں۔

احمد یسوی جو یسوی طریقے کے بانی تھے انہوں نے لہجہ خاقانیہ میں اپنی نظمیں ترکی زبان میں لکھی تھیں۔ ان کے بعد سلطان ولد بہاؤالدین کی نظمیں ہیں جو لہجہ اغوزیہ میں ہیں۔ یہ بزرگ مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے تھے۔

غرضیکہ ترکی شاعری کی بنیاد ایسے بزرگ ہاتھوں سے تصوف پر قائم ہوئی۔ اس کے بعد شعراء نے یہی رنگ اختیار کیا اور فارسی عربی کے وسیع سرمایہ سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے ترکی زبان میں سلاست و روانی، پاکیزگی اور بلند خیالی پیدا کی۔ قدیم یونس شاعر نے عوام کی بول چال میں چند نظمیں اس ذہنیت کے مطابق لکھیں جو ترکی ادب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔

قدیم شعراء میں عاشق پاشا مشہور شاعر تھا۔ ایک اور شاعر غازی فاضل نے سلیمان بن آورخاں کے معرکہ گیلی پولی اور دیگر کارناموں پر رزمیہ نظمیں لکھ کر ترکی زبان میں رزمیہ شاعری کی بنیاد ڈالی۔ شیخ کرمیان نے فارسی کی عاشقانہ مثنویوں کی طرز پر محمد اوّل اور مراد کے زمانے میں مثنوی شیریں خسرو لکھی۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد یحیٰی اوغلو نے محمدیہ کے عنوان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور تاریخی حالات پر ایک تاریخی مثنوی لکھی۔ اس طرح مختلف مثنویوں کے ذریعے ترکی شاعری کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ لیکن غزل گوئی معراج کمال تک نہ پہنچی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایک تاتاری شیر نوائی شہزادہ علی نے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ نہایت عمدہ غزل گو شاعر تھا مگر جس شخص نے ترکی غزل گوئی کا بہترین طریقہ نکالا وہ محمد ثانی کا وزیر احمد پاشا تھا۔ وزیر کی وجہ سے ترکی شاعری سلطانی دربار تک پہنچ گئی اور امراء و سلاطین کی تفریح طبع کا ذریعہ بن گئی۔ چنانچہ تمام خلفائے عثمانیہ شعر و ادب کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور عام طور پر سلاطین خود بھی شعر کہتے تھے اور شعراء کی قدردانی کرتے تھے۔

سلیمان اعظم کے زمانہ میں محمد بن سلیمان فضولی مشہور شاعر تھا۔ اس کے بعد باقی کیفی نابی، شیخ غالب مولوی، نیفی، ندیم، یہ سب قدیم دور کے شعراء تھے۔

کیفی ارضِ روم کا باشندہ تھا۔ قصیدہ گوئی میں اُس نے نمایاں شہرت حاصل کی۔ یہ سلطان احمد اول کے عہد میں تھا۔ اپنی قدرت زبان و بیان کا ثبوت اُس نے اپنے کلام میں دیا ہے۔ اہلِ ذوق شعرا نے کرام میں اُسے دوسرے درجے کا شاعر مانتے ہیں۔

نابی ترکی زبان کا مشہور غزل گو شاعر تھا جس نے فارسی شاعر صائب کے تمثیلی رنگ میں غزل گوئی اختیار کی۔ اسی وجہ سے اُس کے کلام میں صائب کا رنگ صاف نمایاں ہے۔ اس نے سلطان ابراہیم اور سلطان محمد رابع دونوں کا زمانہ دیکھا تھا۔

ندیمؔ احمد اول کے زمانہ سے احمد ثالث کے زمانہ تک تھا۔ یہ مقبول عام شاعر تھا۔ ترکی شاعری میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اسمٰعیل حبیب اس کے متعلق لکھتا ہے:-

"اس کی شاعری میں نشاط و طرب کی روح حالتِ وجد تک پہنچ گئی تھی"

شیخ غالبؔ مولوی سلطان سلیم ثالث کے عہد کا شاعر تھا۔ ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ حسن و عشق اس کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ترکی نقادوں نے اُسے قدیم شعراء میں چوتھے درجہ کا قرار دیا ہے۔ اس کے اشعار میں رنگا رنگ خیالات و جذبات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

قدیم شعراء میں ایک شاعرہ نیفی بھی بلند درجہ رکھتی تھی۔ سلطان مراد رابع کی مصاحبہ تھی اور قدیم شاعرات میں وہی ایسی خاتون ہے جس نے ترکی ادب میں لافانی شہرت حاصل کی۔ نقاد مذکور اس کے متعلق لکھتا ہے:-

"وہ ایسی آبشار تھی جس میں شان و شوکت اور عظمت کی لہریں متلاطم رہتی تھیں"

مذکورہ بالا ممتاز شعراء میں رومی، لامعی، یحیٰی بیگ، نوائی، ہفتی، ابوسعود، باقی، نورس، حشمت، حنبلی زادہ، وہبی، پرتو اور نصیحت کے نام بھی قدیم شعراء میں نظر آتے ہیں لیکن ان کا ترکی ادبیات میں کوئی مستقل مقام نہیں ہے۔

ان ترکی شعراء کی یہ شاعری نہ صرف وزن و بحر بلکہ معنی و روح کے لحاظ سے بھی قدیم فارسی شاعری کے مشابہ تھی جس کے تمام رشتے حیات اور عمل سے منقطع ہو چکے تھے۔ آن دور میں جب مغربی خیالات کے اثر سے ترکی میں نئی ذہنیت پیدا ہوئی تو اُن کی شاعری نے بھی نیا رنگ بدلا جس کے علمبردار نامق، کمال، حامد، توفیق بک اور محمد عاکف وغیرہ ہیں۔ ان شعراء نے حُسن و عشق اور ہجر و وصل کے افسانے چھوڑ کر اثباتِ زندگی اور ذوقِ عمل کے نغمے گائے اور عقل و تدبیر کی تحقیر اور توکل و تقدیر کی غلط تعبیر جو گوشہ گیر اور زاویہ نشین متصوفین کے اثر سے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی دُور کر کے ارتقائے فکر اور سعی پیہم کے جذبات اُبھارے۔ ترکی کے انقلاب میں بھی ان شعراء کی سعی مشکور رہی ہے۔

ترکی نثر ترکی نثر کا آغاز نظم کے عرصہ بعد ہُوا۔ پہلے قصّے کہانی لکھے گئے۔ شیخ زادہ اور سنان پاشا کی تصانیف اسی پر مبنی ہیں۔ شیخ زادہ نے ترکی میں "چالیس وزیروں کی کہانی" تحریر کی اور اس کتاب کو مراد ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ سنان پاشا جو محمد فاتح کا وزیر تھا، نثر میں ایک کتاب لکھی جو نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۴۳۱ء میں ہُوا۔

علی چلپی نے انوارِ سہیلی کا ترجمہ کر کے ہمایوں کے نام سے سلیمان اوّل کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ترکی ترجمہ بہت مقبول ہُوا۔ اس کے بعد سے بہت سی کتابیں ترکی زبان میں لکھی گئیں اور بڑے بڑے مصنف پیدا ہوئے۔ دینیات، تاریخ اور ادب میں زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ دیگر علوم و فنون میں خلفائے عثمانیہ کے عہد میں کم لکھی گئیں۔ کمال پاشا کے عہد میں اس کی بڑی تلافی ہوئی مگر وہ سب ذخیرہ لاطینی رسم الخط میں ہے۔ کمال پاشا نے تعلیم عام کر دی۔ ۱۹۳۱ء میں یہ قانون منظور ہُوا جو تعلیم یافتہ نہیں ہے وہ شہری حق نہیں رکھتا جس سے جہالت ختم ہو گئی۔

صنعت و حرفت ترکوں نے اپنے عہدِ ترقی میں صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ کی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ یورپین ممالک کی مانند

نہ ترقی دے سکے۔ بعض صنعتوں کو ضرور فروغ دیا۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں کارخانے بڑے پیمانے پر قائم ہوئے جس سے اقتصادی حالت سدھر گئی اور زراعت کو بھی شہروں میں جدید طریقے پر ترقی دی۔ مگر زیادہ کامیابی دیہات میں ابھی نہیں ہوئی۔ مگر افلاس و غربت بمشکل ہی کہیں نظر آتی ہے۔

تجارت خاندانِ عثمانی کے زمانے میں ترکیہ کی تجارت زیادہ تر یونانیوں اور دوسری اقلیتوں کے ہاتھ میں تھی۔ ترک تجارت کے لئے موزوں نہ تھے وہ تجارت کو اپنے لئے ناموزوں خیال کرتے تھے۔ وہ دشمن سے لڑنا اور حکومت کے امور میں شرکت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ مگر جمہوریہ ترکیہ نے ان ترکوں میں بھی تجارت سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اور اب وہ تجارت پر متوجہ ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اب ترک تاجر کا دفتر نہایت قرینہ سے سجایا ہوا ملتا ہے۔

انقرہ اور استنبول میں ترکوں کی زندگی کے آثار بھیر آتے ہیں۔ ہزاروں مرد و عورت ٹراموں، بسوں، ریلوں میں علی الصبح کام کاج کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ گاڑیاں ان سے کھچا کھچ بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے رنگ، لباس اور اداب سے یہ اندازہ لگانا محال ہے کہ وہ مغربی یورپ کے باشندوں سے مختلف ہیں۔

استنبول جہاں آٹھ لاکھ کی آبادی ہے۔ یہاں کثرت سے باغات ہیں۔ باغوں میں جو بچے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ ان میں اور انگریز امریکن بچوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔

ترک مغربی معاشرت اختیار کر چکے ہیں۔ مرد اور عورت لباس کے متعلق سخت محتاط ہیں۔ ان کی ہر بات سے سلیقہ اور قرینہ ہے۔ ترک خواتین فیشن میں اپنی فرانسیسی بہنوں کی تقلید کرتی ہیں۔ مگر چال چلن میں دور کا واسطہ نہیں رکھتیں نیکی اور پاکبازی ان کا قومی شعار ہے۔

ترک خواتین

ترکی خواتین کا ہر زمانہ میں یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ عفت وعصمت مآب مثل عرب خواتین کے رہی ہیں۔ عام طلاق وخلع نے کسی غلط راستہ پر انہیں نہیں لگنے دیا۔ ان میں بھی اپنے مردوں کی طرح بہادری کے جذبات ہیں۔ انگورہ میں پہلی کانفرنس کمال پاشا نے منعقد کی تھی اس میں خواتین بھی شریک ہوئی تھیں۔ کمال پاشا نے ان کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اب سوال گھر میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ مردوں کے پہلو بہ پہلو خلوتوں سے نکل کر دشمن سے ملک ووطن کو آزاد کرانا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہر جنگ میں ترک عورتوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ توپیں گھسیٹ کر لاتیں۔ دشمن پر مردوں کے ساتھ حملہ آور ہوتیں۔ نرسنگ کا کام انجام دیتیں۔ ترکوں کی کامیابی میں عورتوں کا بھی برابر کا ہاتھ ہے۔ خالدہ ادیب خانم کی زندگی شاہد ہے۔

قیامِ جمہوریت کے بعد بھی کمال پاشا کی توجہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت زیادہ رہی۔ چنانچہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ترک عورتیں ترقی کے میدان میں گامزن ہیں۔ ترکیہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے ایک رسالہ کادین دایو" عورتیں اور خانہ داری کے نام سے نکلتا ہے جس میں عورتوں کو لباس اور قومی شعار اپنانے کی ترغیب دی جاتی ہے عصمت انونو نے صنعت کے زنانے ادارے کثرت سے کھولے جہاں ہزاروں ترک لڑکیاں لباس بنانے، لباس مرمت کرنے، کپڑے دھونے اور نئے فیشن کے مطابق قطع وبرید کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ کھانا پکانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ترکوں کا نظریۂ خلافت

خلافتِ راشدہ کے عہد میں مذہب اور سیاست جُدا جُدا نہ تھے، خلیفہ مذہبی

اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا مظہر ہوتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے اربعہ نے حدودِ شرع میں رہ کر حکومت کے فرائض بھی بہترین طور سے انجام دیئے۔ ان کی فرمانروائی کی بنیاد شرعی دستورِ حکومت کے مطابق تھی اور وہ اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح خلافت جو تمام شروط اور قدیم روایاتِ عرب کی حامل تھی وہ مجموعی حیثیت سے صرف خلفائے اربعہ کی خلافت حقہ تھی۔ امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظام سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس جگہ ان بزرگوار نے موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشین عالم اسلامی پر اس حکمتِ عملی کے زیرِ اثر حکومت کرتے رہے۔

امیر معاویہؓ کی وجہ سے خلافت موروثی و خاندانی بن کے رہ گئی اور یہی طریقہ بنی عباس کے یہاں رہا۔ البتہ خلفائے راشدین کی طرح بیعت اور امامت کا سلسلہ ضرور قائم رکھا گیا۔ گو خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تھی۔ مگر یہ سب بادشاہ یا شہنشاہ کے بجائے خلیفہ ہی کہلائے گئے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی پھر جبر و استبداد کی حکومت ہو جائے گی، حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت حسنؓ تک تیس سال پورے ہوتے ہیں، اس کے بعد جبر و استبداد کی ملوکیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزین تھا کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاح عالم اور دنیا کے نظام کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس نظامِ خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔

اسی بنا پر بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی سمجھا جاتا تھا اور عوام تو عوام، بڑے سے بڑے بادشاہ سلطان محمود

جیسے اپنے معاصر خلیفہ مقتدی باللہ عباسی سے سند حکومت و خطاب حاصل کرتے اور اپنے خطاب کو طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے :۔

"یوسف بن تاشفین نے سبتہ و مراکش کے حاکم کو مقتدی کی خدمت میں بھیجا تاکہ جن ممالک پر اس نے قبضہ کیا ہے ان پر حکومت کرنے کی اجازت اس کے لئے خلیفہ سے حاصل کرے اور اس کے سلطان ہونے کا اعلان کرائے۔ خلیفہ نے اس کی اس فرمائش پر شرفِ قبول بخشا اور اس کے پاس خلعت، نشان اور فرمان بھیجا اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے انتہائی خوشی ہوئی اور فقہاء مغرب بھی بے حد مسرور ہوئے"[1]

سلطان صلاح الدین ایوبی، شمس الدین التمش یہ سب خلفائے عباسیہ کی سند نیابت پائے ہوئے تھے۔ چوتھی صدی میں آخری خلفائے عباسیہ کا اقتدار بالکل کم ہوگیا اور مرکز خلافت میں ترک جنرلوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا اور خود مختار مملکتیں بن گئیں۔ فارس میں علی بن بویہ، بنو حمدان موصل میں، مصر و شام میں محمد بن طغج اخشید کی آزاد مملکت، خراسان میں نصر بن احمد سامانی کی خود مختار سلطنت قائم تھی[2] اس کے ساتھ ہی عالم اسلامی میں تین خلافتیں قائم ہوگئیں۔ اندلس میں اموی خلافت، بغداد میں خلافتِ عباسیہ، بلادِ مغرب میں خلافت فاطمیہ، ۵۵۵ھ میں خلافت فاطمیہ ختم ہوئی اور ۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ کا لاشہ تڑپ کر سرد ہوگیا اور اس کے ساتھ خلافت کے قدیم نظام کا خاتمہ ہوگیا۔ اب ہر طاقتور حاکم خود خلیفہ بن بیٹھا تھا اور اپنی حکومت کے شرعی جواز کے لئے خلفاء سے فرمان یا سندِ حکومت حاصل کرنا ضروری نہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں نے مسلمان ہونے کے بعد قاہرہ میں خلفائے عباسیہ کی کوئی پرواہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۱ [2] الفخری صفحہ ۲۴۹۔

نہ کی۔ فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رُخ اور تونس کا حاکم ابو عبداللہ محمد حفصی نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابو عنان فارس مراکش کے خانوادۂ مرینہ کے ایک فرد اور سلطان علاؤالدین خلجی اور اوزن حسن کرکمانی بھی خلافت کے مدعی تھی [۱]

بلاد ماوراء النہر میں محمد شیبانی اور مصر کے بعض مملوک سلاطین قاتیبائی اور قانصوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

سقوط بغداد کے بعد خلیفہ کے مفہوم کا دائرہ عالم اسلامی کے روحانی اور مذہبی فرمانروا تک محدود نہ رہا تھا بلکہ اب اس کا اطلاق ہر طاقتور فرمانروا پر کیا جانے لگا تھا۔ مگر مملوک فرمانروا مصر بیبرس نے اپنے اقتدار کے لئے پھر خلافت بنی عباس کے ڈھانچہ میں زندگی پیدا کرنا چاہی۔ کیونکہ اہلِ مصر مملوکوں کے استحقاقِ حکومت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس نے استحکامِ حکومت کے لئے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ عباسیہ خاندان کے ایک رکن کو خلیفہ بنایا اور ان کا نام خطبہ میں اپنے نام سے پہلے پڑھوایا۔ اور دربارِ عام کرکے خلافتِ مآب سے شرعی نیابت کی سند لی [۲] اور وہ چاہتا تھا کہ بغداد میں پھر نئے سرے سے خلافت کی بنیاد کو مستحکم کرے۔

خلیفہ کو لے کر روانہ ہوا مگر یہ دمشق سے لوٹ آیا۔ خلیفہ پر تاتاری ٹوٹ پڑے اور وہ شہید ہوگئے، تو عباسی خاندان کے دوسرے فرد ابوالعباس احمد جو تاتاریوں کے ہاتھ سے بچ رہا تھا اس کو خلیفہ بنایا اور بیعت معہ ارکانِ سلطنت کے کرلی۔ حاکم بامراللہ لقب دیا گیا۔ مگر عباسی خلیفہ کا دائرۂ عمل مذہبی اجارہ داری تک محدود رکھا گیا۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق دخل نہ تھا۔ بقول مقریزی خلیفہ کی حیثیت صرف ایک نظر بند کی تھی جو عزلت نشینی کی زندگی گزارے۔

---

[۱] مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص ۱۱۵ [۲] النجوم الزہری جلد ۱ ص ۱۸۰

بیبرس کو اپنی اس سیاسی چال سے بڑا فائدہ پہنچا۔ ملک کو وسعت ہوئی اور اس کا دائرۂ اقتدار حامی دین کے پردے میں بہت وسیع ہو گیا۔ مصر میں خلافت کا یہ نظام سلطان سلیم اول کی تسخیر تک قائم رہا۔ سلطان سلیم مصر پر تسلط قائم کرنے کے بعد خلیفہ عباس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سلطان مملوکوں کے ملک پر جس میں حرمین شریفین بھی داخل تھے اس کے قبضہ میں آئے اور خلیفہ نے تبرکات خلافت بھی سلطان کو تفویض کئے[1] مگر اس کی نگاہ میں خلیفہ کی کوئی قیمت نہ تھی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا اضافہ کرتا بلکہ اس نے بہت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے لئے خادم الحرمین کا لقب استعمال کیا اور ہمیشہ اپنے لئے باعث عزت خیال کرتا رہا۔ گو فتح مصر سے قبل وہ خود دوسرے سلاطینِ اسلام کی طرح خلیفہ کے لقب سے انتساب رکھتا تھا اور اس کے آباؤ اجداد ڈیڑھ سو برس سے اس لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر فتح مصر کے بعد یہ لقب اس کے نام کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ البتہ الخاقان الاعظم، ملک ملوک العرب والعجم اس کے القاب تھے۔ ہاں وابستگانِ دولتِ عثمانیہ قصائد وغیرہ میں خلیفہ کے لقب سے سلطان کو یاد کرتے مگر سرکاری طور سے تاریخ خاموش ہے۔

سلطان سلیم کے جانشینوں میں بھی کسی سلطان نے خلیفہ، امام یا امیر المؤمنین کا لقب اختیار نہیں کیا۔

سلاطینِ عثمانیہ نے اٹھارہویں صدی میں سب سے پہلے خلیفہ کا لقب سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا اور تبرکاتِ خلافت کے استعمال کا سلطان محمود کو ۱۲۴۱ھ میں انکشاریہ کی بغاوت پر موقع پیش آیا۔ سلطان نے عَلَمِ نبوی کو نکالا اور اس کی روحانی قوت سے انکشاریہ کے خاتمہ میں کام لیا۔[3]

---

[1] تاریخ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۶ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۴۲

[3] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ۔

ورنہ سلیم اوّل کے بعد جملہ سلاطین عثمانیہ آخر تک بجز حرمین شریفین کے خادم اور جزیرۂ عرب کے محافظ ہونے کے جو اُن کی سلطنت کا ایک جزو تھا، فرائض خلافت کا خیال نہ رکھتے تھے اور نہ ان سلاطین نے عالم اسلامی کی کوئی دینی یا دماغی راہبری کی، نہ اُن کی وحدت کا کوئی ذریعہ پیدا کیا۔ حتیٰ کہ خلفائے بنی عباس حج کو جاتے تھے مگر کوئی عثمانی سلطان حج سے شرف اندوز نہ ہوا۔ البتہ سیّد جمال الدین افغانی نے سلطان عبدالحمید کو اتحادِ ملت کے لئے آمادہ کیا اور حجاز ریلوے کی تعمیر سے عالم اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ ہندوستان کے علماء و سیاسی رہنماؤں نے ترکوں کی خلافت کی اہمیت ظاہر کی اور اس کے ذریعے دولِ یورپ کو مرعوب کرنا چاہا اور دُولِ یورپ بھی ترکی خلافت کو خطرہ سمجھتے تھے اور اس کے خاتمہ کے درپے تھے۔ مگر کمال پاشا نے ۱۳۴۲ھ میں جمہوریہ ترکیہ قائم کر کے خلافت کا الغا کر دیا اور شخصی خلفاء کو اُٹھا کر قوم کے ہر فرد کو انتخاب کے ذریعہ صدر جمہوریہ بننے کا موقع دیا۔

مگر یہ جمہوریہ دول مغرب کے طرز پر قائم کی گئی ہے۔ کمال پاشا کے بعد صدر عصمت انونو منتخب ہُوئے۔ جدید انتخاب کے موقع پر جلال بائر کو صدارت کا عہدہ کثرت رائے سے انونو کے مقابلے پر ملا ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ موجودہ صدر خلفائے راشدین کے طریقہ پر فرائض صدارت جمہوریہ ترکیہ انجام دیں۔ آمین

خدیو

سلیمان سلیم اوّل کے فتح مصر ۹۲۲ھ، ۱۵۱۷ء جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، تین صدیوں تک مصر ترکی سلطنت کا صوبہ رہا۔ یہاں گورنر مقرر ہوتے رہے مگر مملوکوں کی کونسل کے سامنے جس میں بے شمار لوگ شامل تھے ان گورنروں کا اقتدار برائے نام تھا۔ ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر میں وارد ہو کر اس

دو عملی کو موقوف کیا۔

نپولین جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں نپولین بونا پارٹ کو چھتیس ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر کے فتح کے لئے بھیجا۔ تاکہ انگریز جو تجارتی تعلقات ہندوستان سے رکھ رہے تھے وہ منقطع ہو جائے۔ نپولین نے بلا اعلانِ جنگ کئے ہوئے پہلے مالطہ پر قبضہ کیا۔ پھر اسکندریہ میں فوجیں لاکر اُتار دیں۔

ابراہیم بک اور مراد بک امراء ممالیک جو دولتِ عثمانیہ سے باغی ہو کر مصر پر بالاستقلال قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ نپولین کے مقابلہ میں شکست کھا گئے۔ نپولین فاتحانہ طور سے قاہرہ میں داخل ہُوا اور مصر پر تسلط حاصل کر لیا۔ دولتِ عثمانیہ کو اطلاع پہنچی، اس نے نپولین سے لڑنے کی تیاری کر دی۔ انگریز بھی مصر سے نپولین کو نکالنے میں ترکوں کے معاون بننے کو تیار ہو گئے اور روس نے بھی بحیرۂ اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے درخواست کی۔

بابِ عالی نے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں فوجیں جمع کیں۔ بحری حملہ کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرۂ روم میں آ جمع ہوئے۔

نپولین ترکوں کے مقابلے کے لئے تیرہ ہزار فوج لے کر عریش سے شام کی طرف بڑھا۔ غزہ، رملہ، یافا فتح کرتا ہُوا عکا کا محاصرہ کیا۔

والیٔ عکا احمد پاشا جزار نے مدافعت کا معقول انتظام کر رکھا تھا۔ نپولین بمجبوری محاصرہ اُٹھا کر قاہرہ لوٹ آیا۔ ترکی فوجیں دمشق سے بڑھیں اور اِدھر ترکی جہازوں سے روڈس سے اٹھارہ ہزار فوجیں اُتریں۔ نپولین فوج لیکر مقابل ہُوا۔ ترکی فوج گھونگھٹ کھا گئی۔ سپہ سالار فوج مصطفےٰ پاشا معہ بہت سی فوج کے گرفتار ہو گئے۔ مگر نپولین کو خبر لگی کہ فرانس میں اسٹریا سے شکستیں کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی ہے، اس لئے انگریزی جہازوں کے خوف

سے نپولین خفیہ طور سے اسکندریہ سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج بھی چلتی بنی۔ اسکندریہ کا والی ان دنوں محمد علی پاشا تھا۔ مگر انگریزی اقتدار مصر پر ہو گیا اور باب عالی کے دباؤ سے دوسرے سال انگریز بھی مصر سے چلتے بنے۔ میدان خالی پاکر محمد علی پاشا نے ۱۸۰۵ء میں مصر پر اپنا اقتدار جمایا۔ اس نے مملوکی افسروں کو تہ تیغ کیا اور خود مصر کا حکمران بن گیا۔

محمد علی پاشا

محمد علی مقام قوالہ کا رہنے والا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا۔ نپولین کے اختلال مصر پر جو فوج ترکی نپولین کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس میں یہ بھی شریک تھا۔ خسرو پاشا نے جو مصر کا والی مقرر ہوا تھا اس نے چار ہزار فوج کا امیر محمد علی کو کر دیا۔ رفتہ رفتہ مصر کی ولایت کو قبضہ میں لایا۔ ۱۸۱۱ء میں بقیہ مملوکی افسر بھی ختم کر دیئے گئے اور پورے طور سے مصر کا حکمران بن گیا اور برائے نام دولت عثمانیہ سے تعلق رکھا۔

محمد علی کے بعد عباس اول (۱۸۴۸ء) حکمران ہوا۔ اس کے بعد اسمٰعیل (۱۸۶۳ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا خطاب خدیو اختیار کیا۔ اس نے سوڈان کو مسخر کر لیا۔ مگر ۱۸۸۵ء میں جنرل گارڈن کے مارے جانے پر یہ ملک چھوڑ دیا گیا۔ لارڈ کچنر نے دوبارہ سوڈان فتح کر کے جنرل گارڈن کا انتقام لے لیا۔

۱۸۸۳ء سے انگریزوں نے اعرابی پاشا کی فوجی بغاوت فرو کر کے مصر پر اپنا اقتدار جما لیا جس کے کچھ اثرات تاحال موجود ہیں۔

اسماعیل کے بعد ابراہیم (۱۸۴۸ء) سعید (۱۸۵۴ء) توفیق (۱۸۸۲ء) عباس (۱۸۹۲ء) یکے بعد دیگرے مصر کے حکمران ہوئے۔ آج کل خدیو فاروق پاشا ہیں۔

شاہانِ ایران

۹۰۷ھ، ۱۵۰۲ء سے ۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۱ء تک صفوی، افغان، افشار، زند قاچار مختلف خاندان حکمران رہے۔

سلاطین صفویہ :۔ اسمٰعیل صفوی (۹۰۷) طہماسپ (۹۳۰) اسمٰعیل ثانی (۹۸۴) محمد خدابندہ (۹۸۵) عباس اول (۹۸۵) صفی اول (۱۰۳۸) عباس ثانی (۱۰۵۰) سلمان اول (۱۰۷۷) حسین اول (۱۱۰۵) طہماسپ ثانی (۱۱۳۵) عباس ثالث (۱۱۴۴ - ۱۱۴۸)۔

افغان :۔ محمود (۱۱۳۵) اشرف (۱۱۳۷ - ۱۱۴۲)

افشاریہ :۔ نادر (۱۱۴۸) عادل (۱۱۶۰) شاہ رخ (۱۱۶۱ - ۱۲۱۰)

زندیہ :۔ کریم خاں (۱۱۶۳) ابوالفتح (۱۱۹۳) علی مراد (۱۱۹۲) محمد علی (۱۱۹۳) صادق (۱۱۹۳) علی مراد مکرر (۱۱۹۶) جعفر (۱۱۹۹) لطف علی (۱۲۰۳ - ۱۲۰۹)۔

قاچاریہ :۔ آقا محمد خاں بن محمد حسین قاچاریہ (۱۱۹۳) فتح علی (۱۲۱۱) محمد شاہ (۱۲۵۰) ناصر الدین (۱۲۶۴) مظفر الدین (۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۱ء)۔

مختصراً تاریخ ایران کی جلد ششم "تاریخ ملت" میں لکھ آئے ہیں۔ اس جگہ دولت عثمانیہ کی معاصر ہونے کی وجہ سے قاچاریوں کے ضروری حالات اور لکھے دیتے ہیں۔

لطف علی زندیہ سے آقا محمد خاں قاچار نے حکومت ایران بقوت حاصل کی۔ فتح علی اس کا برادر زادہ تھا اس کے پوتے ناصر الدین کے زمانے میں حکومتِ ایران دورِ استبداد سے گزر رہی تھی۔ ناصر کو علم اور ترقی سے بیر تھا۔ نااہل اس کے مشیر تھے۔ یورپ کی سیاحت سے شاہ سبق لیتا مگر غیر ملکیوں

سے قرضہ لے کر حکومت پر اس کا بار ڈالا اور تجارتی مراعات سے اہلِ یورپ کے لئے ایران میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولا۔ تجارِ مغرب نے جا و بیجا طریقے لوٹ کھسوٹ کے ایران میں جاری کر دیئے جس سے عوام میں بے چینی رونمائی ہوئی۔ اسی زمانے میں علامہ سید جمال الدین افغانی ایران وارد ہوئے۔ ایرانیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بڑا اثر لیا۔ مجتہدین کرام سے مشورہ کیئے۔ بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوئے، دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔ اسی زمانہ میں بابیت اور بہائیت کا مذہبی فتنہ پھل پھول رہا تھا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں تحریک مشروطہ کے رکن نے ناصر الدین کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد مظفر الدین شاہ تخت نشین ہوا مگر جو خرابیاں ناصر کے عہد میں پیدا ہو چکی تھیں کمی ہونے کے بجائے ان میں اور اضافہ ہوا۔ آخر عوام میں صبر کا کوئی یارا نہ رہا۔ ۱۳ دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء میں طہران میں طلبہ اور تجار نے مظاہرہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ کو عوام کے مطالبات ماننے پڑے۔ مگر شاہ نے بعد میں وعدہ خلافی کی جس پر ہنگامہ ہوا اور شاہ نے وطن پرستوں پر گولیاں چلوائیں مگر یہ وطنی سب مظالم بہ خندہ پیشانی جھیل گئے۔ آخر شاہ کو مجبور ہو کر جھکنا پڑا اور ایران میں دستور کا نفاذ کیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد شاہ نے محب وطن لوگوں کو کچلنے کی کوشش کی اور ایران کے دشمن روس سے فوجی مدد لی۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں طہران پر قبضہ کیا۔ ایرانی پارلیمنٹ پر گولے برسائے اور مشاہیر کو پھانسی دی مگر وطن پرست کل ایران پر چھائے ہوئے تھے۔ قوم ان کی ہمنوا تھی، شاہ کے خلاف جہاد بول رکھا تھا۔ آخر شاہ کو تخت چھوڑنا ہی پڑا۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں عالمگیر جنگ کا آغاز ہوا۔ روس اور برطانیہ کے وطن پرستوں پر دباؤ ڈال کر بڑھتی ہوئی تحریک کو خاموش کرا دیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب آیا جس سے روسی فوجیں ایران سے چلتی ہوئیں۔ انگریز اس موقعہ سے فائدہ اٹھا گیا۔ مگر ایرانیوں نے ہر جگہ ان کی مدارات اچھی طرح کی۔ اس وقت ایران کے نجات دہندہ رضا شاہ پہلوی کا

ظہور ہوا۔ شاہ نے فوج کی مدد سے طہران پر قبضہ کیا اور سید ضیاء الدین کو وزیر اعظم بنا کر خود وزیر جنگ بن کر نئی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ زمانہ ۱۹۲۱ء کا تھا۔ کچھ عرصہ بعد سید ضیاء الدین ایران سے بھاگ گیا تو رضا خاں نے وزارت کو سنبھالا۔ اہلِ ایران کے اصرار پر رضا شاہ لقب سے تخت و تاراج منظور کیا۔

رضا شاہ پہلوی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایران کو ظالم انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا اور ایران کو ایک منظم حکومت آشنا کیا۔ طوائف الملوکی کو ختم کیا اور سب علاقوں کو مرکز کے ماتحت رکھا۔ رضا شاہ نے ایران کو سیاسی وحدت بخشی۔ جدید اصلاحات نافذ کر کے اسے متمدن ملک بنانے کی سعی کی اور بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔

تھوڑے عرصہ میں ایران کچھ سے کچھ ہو گیا کہ دوسری جنگ جرمنی و روس چھڑ گئی۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے جس کی وجہ سے رضا شاہ تخت ایران سے ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو اپنے خلف الرشید اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہوئے۔ شہنشاہِ ایران محمد رضا شاہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ملک کی حالت کچھ سے کچھ کر دی۔ ایران ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے اسلاف کے وقار اور عظمت کو قائم کئے ہوئے ہے۔

ایران کا رقبہ چھ لاکھ اٹھائیس ہزار مربع میل ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔ مغربی تہذیب کا زیادہ چلن ہے۔ جاگیرداری نظام کے باعث عوام کا بڑا طبقہ محکوم ہے۔ تعلیم کم ہے اور شہنشاہ خاص طور پر اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔

(۹)

تاریخِ صقلیہ

جغرافیۂ صقلیہ

بحیرۂ روم میں بہت سے جزائر واقع ہیں، جیسے کورسکا، سارڈینیا، سسلی، (صقلیہ) وغیرہ۔ جزیرۂ صقلیہ ایک مثلث کی شکل میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور ان تمام جزیروں میں جو آج کل اٹلی کے ماتحت ہیں، سب سے بڑا اور بالکل اسی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

محققین علم الارض کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں وہ خشکی کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ متواتر زلزلوں سے سسلی کی سرزمین سر سے پا تک ہل گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی سطح زمین سے جدا ہوگئی اور اس کی شکل جزیرہ کی سی بن گئی۔

تقسیم ملکی اور رقبہ سطح و طول و عرض

اس جزیرہ کی مساحت تقریباً دس ہزار میل مربع ہوگی۔ آج کل اس جزیرہ کی تقسیم اقضیہ و نواحی میں کی گئی ہے۔

صوبہ صقلیہ

اسماء قسمت	مساحت	اقضیہ (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
کلتانیسا	۱۳۵۵	۳	۲۸
قطانیہ (کاتانیا)	۱۹۷۰	۴	۶۴
گرجنتی (جرجنتی)	۱۴۹۱	۳	۴۱
مستینا	۱۷۶۸	۴	۹۹

اسماء قسمت	مساحت	اقضیہ (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
پلرمو (بلرم)	۱۹۶۴	۴	۷۶
سرقوسا (سیراکیوسا)	۱۴۲۹	۳	۳۲
ترابانی	۱۲۱۴	۳	۲۰ [1]
	۱۱۲۹۱		

صقلیہ کی آب و ہوا پاکیزہ ہے۔ زمین کی زرخیزی میں مثل اٹلی کے ہے متواتر زلزلوں سے کچھ حالت میں فرق آگیا ہے مگر بہت کچھ زرخیزی اب بھی پائی جاتی ہے۔

صقلیہ کی وجہ تسمیہ

سسلی کے قدیم باشندے جنہوں نے اس کو آباد کیا وہ سیکان اور سیکل قومیں تھیں جو یونانی تلفظ میں سیکانی اور سیکلی کہی جاتی تھیں۔ امتدادِ زمانہ سے زبان کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ان کے رہنے کی جگہ کو سیکیلیہ پھر سسلا اور سسلی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عربوں کے زیر علم آکر سسلی صقلی کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ غرضیکہ سکیلیہ کا معرّب صَقَلیّہ ہے۔ مسلم جغرافیہ نویس اصطخری، بلاذری کی تصانیف میں ص کے بجائے س سے سَقَلیہ مذکور ہے [2] مگر یاقوت حموی صَقلیہ ہی لکھتا ہے مگر ص کو کسرہ یعنی زیر کے ساتھ تحریر کرتا ہے یعنی صِقِلّیہ۔ [3]

صقلیہ کی قدیم تاریخ

صقلیہ کی قدیم تاریخ پر جو کچھ اب تک تحقیق ہوا ہے اس کا خلاصہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے:-

---

[1] دائرۃ المعارف صـ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۳۵

[3] معجم البلدان۔ جلد ۵ صفحہ ۳۸۳۔

مسٹر نیبور نے جو زمانہ قریب کا ایک مشہور جرمن مؤرخ ہے اٹلی کی قدیم تاریخ کی نسبت بہت کچھ تحقیقات کی اور بڑی دقتوں کے بعد کچھ کچھ پتہ لگایا ہے۔ اس تمام تحقیق کا نتیجہ جو ہمارے سامنے ہے صرف اسی قدر ہے کہ دوسرے ممالک کی طرح سرزمین اٹلی میں بھی قدیم زمانے میں مختلف قومیں آباد تھیں جو ایک دوسرے سے مغائر تھیں اور ان کے باہم اغراض بھی اس قدر مختلف و متباین تھیں کہ ان میں بہت کم صلح قائم رہ سکتی تھی۔

سیکل یعنی سیکائی قوم

سسلی (صقلیہ) میں سیکائی نام کی ایک قوم رہا کرتی تھی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اسپینی الاصل تھے۔ اس زمانے کے واقعات نامعلوم ہیں اور ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ اُس زمانے کے باشندگانِ ہند کی۔

محققینِ سرگزشت انسانی نے اس بات کو بڑے شد و مد کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ وہ تمام قوی سے قوی تمدن جو اب تک دُنیا میں پیدا ہُوئے ہیں اور وہ عظیم الشان ترقی جو انسان نے زمانہ حجریہ سے لے کر حال کے زمانہ ایجاد و اختراع تک کی ہے۔ وہ سب ضرورت کی بناء پر متفرع ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ کے وقت اس اصول کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایک قوم میں سے چند روز کے بعد چند اشخاص کا ہجرت کر جانا اور اپنے لئے نئی جگہ بود و باش کی غرض سے تلاش کرنا اور ان موانع کو دُور کرنا جو اس کے راستے میں حائل ہوں، پھر رفتہ رفتہ ایک تمدن قائم کرنا ان سب باتوں کی وجہ سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اس مقام پر ہم کو اس اصول پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں ہے اور ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ اس ضرورت کے قاعدہ نے ۱۲۹۳ سنہ قبل مسیح میں، ایک قوم جو تاریخ میں ایتروسکیون کے نام سے مشہور ہے سسلی میں آنے کے لئے مجبور کیا۔

ایتروسکی قوم

اس نئی قوم کے بارے میں بھی جو اب سسلی میں آئی تھی بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے اور جس طرح موسیو لیبان نے قدیم زمانے کے عربوں کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ یمن میں اس قسم کے آباد و آراستہ شہر موجود تھے جیسے مصرِ قدیم میں تھے اور ان کا تمدن اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ان کی عماراتِ دیرینہ گردِ روزگار کے نیچے دبی ہوئی پڑی ہیں اور جس طرح کہ بابل و نینوا کے ویرانوں نے برسوں انتظار کیا۔ یہ بھی آثارِ قدیمہ کے کسی محقق کا انتظار کر رہی ہیں۔"

اسی طرح سے تاریخِ قدیم کا مصنف ان ایتروسکیوں کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے کہ وہ محققین جنہوں نے دنیا کے قدیم سے قدیم لغات کے بارے میں نقاب ہٹا دیا (چنانچہ مصری ہیرگرلیفی اور اشوریوں کا خط پیکانی جس کے جاننے والے بھی اسی طرح مٹی کا ڈھیر ہو چکے تھے جس طرح وہ اقوام۔ ان علماء کی کوششوں کی بدولت پڑھ لیا جانے لگا) ابھی تک ان بے شمار آثارِ قدیمہ سے جو ایتروسکیوں نے چھوڑے ہیں اور ان کی زبان سے جو اٹلی کی کسی اور قوم کی زبان سے مطلق مشابہت نہیں رکھتی بالکل بے خبر ہیں۔"

غرض کہ کہا جا سکتا ہے کہ ایتروسکیوں کی زبان میں ایک عظیم الشان بھید ہے جو اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ کوئی میسر آثارِ قدیمہ ان کے اصلی گزرے ہوئے واقعات کو کھنڈروں کی زبانِ حال سے سن کر ہمارے سامنے پیش کرے گا۔ جو کچھ ہم کو اب تک صحیح طور پر معلوم ہوا ہے اور جو مؤرخین نے تسلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس قوم کی اصل غالباً کوہ الپس میں دریائے راین کے منبع کے قریب شمالی جانب تھی اس کا پہلا نام راس یا راسینی قوم بھی تھا کسی ضرورت سے راسینی قوم اپنا اصلی وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی اور اس نے الپس کے کنارے کنارے چلتے ہوئے نہر "پو" کی وادی کے قریب اپنے ڈیرے ڈالے اور ایک زمانہ تک یہیں مقیم رہی۔ چند روز

کے بعد ایک اور قوم یعنی گال والوں نے ان پر حملہ کیا۔ "راسینی" مجبور ہوئے کہ یہاں سے بھی اپنا ڈیرہ اُٹھالیں۔ اب وہ جنوب کی طرف بڑھے اور چلتے چلتے اس مقام پر پہنچے جو انہی کی یادگار میں آج تک جغرافیہ میں ایترریا کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس قوم کو جو پہلے یہاں بستی تھی اور تربینین کے نام سے مشہور ہے مغلوب کر کے دیا اور خود ان کی جگہ لی۔ سرزمین ایتردریا جو جزیرہ نمائے اٹلی کا شمال مغربی حصّہ ہے اور کوہ اپینین اور سمندر کے کنارے کنارے جنوب میں نہر ٹائبر تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ اب اپنے نئے فاتحوں کے زیرِ قدم ان تمام بزرگیوں کا سرچشمہ بن گئی جن کی ایک ایسی نئی مہاجر قوم سے امید کی جا سکتی ہے جس نے ابھی ابھی فتح مندی حاصل کی ہو اور ان کا جوش ابھی سرد نہ ہوا ہو۔ چند ہی دنوں میں ایتردریا میں بجائے راسینی خانہ بدوش قوم کے ایک ایسی قوم نظر آنے لگی جس نے ایک حد تک تمدن کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس قوم نے بہت سے شہر بسائے تھے، جن میں سے بارہ شہر بہت ہی مشہور تھے۔ ان کے مٹے مٹائے آثارِ قدیمہ اب تک دنیا کو اپنے بانیوں کی یاد دلا رہے ہیں[1]۔

قدرت نے بہت جلد ایترسکیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اور آگے اپنا قدم بڑھائیں اور اپنی نئی نسل جس کے لئے "ایتردریا" کی سرزمین اب تنگ ہونے لگی تھی اور کوئی جگہ ڈھونڈ نکالیں۔ چنانچہ وہ سسلی میں جو اُن کے ملک کے قریب تھا پہنچ گئے اور چونکہ سسلی کی وسیع زرخیز زمین میں ابھی تک انسان کا وہ خلفشار پیدا نہ ہوا تھا جو جنگ و جدال کا باعث ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا بہت جلد یہاں ان کے قدم جم گئے۔ اس زمانہ میں سسلی کی حالت وہی سادہ حالت تھی جو تمام گذشتہ قدیم فرقوں کی ہوا کی ہے اور جس کی وجہ سے انسان کی زندگی میں ان تکلفات کی ضرورت نہیں پڑتی جو تمدن کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔

---

[1] سسلی کے حالات معارف ۱۹۹۱ئہ صفحہ ۲۵۲۔

فنیقین

چند روز کے بعد سسلی میں ایک نئی قوم آباد ہوئی جو ان قوموں سے جو اَب تک سسلی میں تھیں بالکل جُدا اور سسلی سے بہت دُور ملک شام کے رہنے والی تھی۔ یہ قوم جس کو فنیقین کے نام سے پکارا جاتا ہے، ان مختلف قبائل میں سے جو ملک شام میں بستے تھے، کنعانیوں کی قوم اور بنی کوش میں سے تھی۔ اس قوم کا اصلی وطن خلیج عجم کے کناروں پر تھا جہاں پر بنی کوش نے سکونت اختیار کی تھی اور غالباً بحرین ان کا مستقر تھا۔ سمندر کے کنارے رہتے ہوئے جہازرانی ان کی طبیعت کا جزو ہو کر رہ گئی تھی اور اسی سے آئندہ چل کر سارے عالم میں ان کی دھاک بندھ گئی تھی۔

غالباً ۳۰۰۲ء قبل مسیح میں جبکہ ایک اور قبیلہ نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا یہ لوگ اپنے اصلی وطن سے سوریہ میں آئے اور اس بحرپسندی کی وجہ سے جو اُن کے سرشت میں داخل ہو گئی تھی۔ یہاں کے سواحل کی سکونت اختیار کی۔ وہ رقبہ جو اُن کے قبضہ میں تھا اس کی مقدار بہت ہی کم تھی اور وہ صرف یافہ سے لاذقیہ تک ہی محدود تھا۔ بجز ان سواحل کے جو پہاڑوں اور سمندر کے مابین واقع ہے اور کوئی سرزمین نہ تھی۔ اس رقبہ کے کم ہونے کی وجہ سے وہ انتظامی امور میں مشہور نہ ہوئے۔ ہر شہر کی حکومت جدا جدا تھی جن میں سے مشہور صور، صیدا بیروت وغیرہ ہیں، ان کی جو کچھ شہرت ہے وہ اُن کے بحری سفروں اور بحری تجارت کی وجہ سے ہے جس کے ذریعہ تمام دنیا میں ان کا ڈنکا بج گیا اور ساری دنیا کی تجارت ان کے ہاتھ میں آگئی۔ گو وہ اب ان اقوام کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں جن کو موت کے زبردست ہاتھ نے دنیا سے فنا کر دیا ہے مگر اُن کی بحری طاقت، ان کی مشہور تجارت اور ان کی تمدن کی ترقی اب بھی تاریخ کے صفحات پر آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہے۔ چونکہ ان کی تجارت سارے عالم میں پھیلی ہوئی تھی لہٰذا ان کا اثر بھی بہت جلد دوسری اقوام میں پھیل

گیا اور بہت جلد ان کی نوآبادیاں بھی قائم ہوگئیں جس کی ضرورت کو ملک کے رقبہ کے کم ہونے نے اور زیادہ کر دیا تھا۔ ان نوآبادیوں میں سے قرطاجنہ (کارتھیج) کے سوا سب میں زیادہ مشہور ہے اور جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ قرس فنیقیا وغیرہ بھی مشہور ہیں۔

سسلی میں بھی انہوں نے چند شہر بسائے جیسا کہ ابتروسکیوں کو اس نے بہت خوشی سے اپنی سرزمین میں آنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح فنیقین سے بھی اس نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ اس متمدن قوم کے زیر سایہ سسلی نے بھی بہت جلد ترقی شروع کی۔ قدیم سادہ حالتیں ضرورتوں سے مبدل ہوگئیں اور مختلف اقوام مل ملا کر ایک قوم بن گئیں اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سسلی نے اب دوسرا جنم لیا اور وہ بھی اسی رفتارِ ترقی میں شامل ہوگئی جس پر تمام دنیا کے اقوام و ممالک کاربند ہوتے چلے آئے ہیں۔

یونانی

قدرت کے مضبوط قاعدوں کے مطابق جب فنیقیہ کا زوال شروع ہوگیا تو اس کی جگہ دوسری اقوام نے لے لی جن میں سے یونانی زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے بحری طاقت میں فنیقین کا مقابلہ کرنا شروع کیا اور بہت جلد عظیم الشان ترقی کر لی۔ ایسی صورت میں ممکن نہ تھا کہ وہ تمام ضرورتیں جو اقوام دنیا کو پیش آتی رہتی ہیں یونانیوں کو پیش نہ آتیں۔ چنانچہ یونانی بھی مجبور ہوگئے کہ اپنی نوآبادیاں بسائیں۔ سسلی کی شہرت اس وقت میں اسقدر ہو چکی تھی کہ ممکن نہ تھا کہ یونانی مبصروں کی آنکھ اس پر نہ پڑے۔ چنانچہ ۷۳۶ قبل مسیح میں باشندگان نکسوس اور خلخس نے سسلی کے مشرقی کناروں اور کوہ اٹنا کے قریب جو اب تک ہر نوواردکا خوشی سے خیر مقدم کیا کرتے تھے اپنے جہاز اتارے اور اسی مقام پر ایک شہر بسایا جو یونانیوں کا سسلی میں سب سے پہلا شہر تھا۔ اس شہر کا

نام اُنھوں نے اپنے اصلی وطن کی یادگار میں نکوس رکھا۔ اب یونانیوں کا رستہ کھل گیا۔ دوسرے سال اور نئے لوگ آئے جنھوں نے سرقوسا (سرقوسہ) بسایا۔ اس شہر نے آئندہ چل کر سسلی کی تاریخ میں بہت شہرت حاصل کی۔

چالیس سال کے بعد ایک نئی یونانی قوم آئی جس نے جنوب مغربی حصے میں اپنے قدم جمائے اور شہر جیلا بسایا۔ غرضیکہ یونانی مہاجرین کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی اور اُن کے بسائے ہوئے شہر بھی سسلی میں بڑھنے لگے۔ ان سب شہروں میں سب سے بڑا شہر قوسا تھا۔ اس کو یونانیانِ سسلی کا صدر مقام کہنا بجا ہے۔

سرقوسا کی ریاست

سرقوسا والوں نے بہت کچھ ترقیاں کیں اور جیسا کہ قاعدہ ہے بہت جلد اُنھوں نے یونان کا جُوا اپنے کاندھے پر سے اُتار دیا۔ ۵۲۳ قبل مسیح میں وہاں خود مختار حکومت بن گئی۔ سسلی کی سرزمین میں یہ خود مختار ریاست تھی جو قائم ہوئی۔ گویا تمدن کے پہلے زینہ پر اس نے قدم رکھا۔ اس حکومت نے بہت جلد ان تمام یونانیوں کے شہروں پر جو سسلی میں بسائے گئے تھے، قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ۴۸۶ قبل مسیح تمام مخالف شہروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگر کسی نے ذرا بھی مخالفت کی تو اُس کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ یہ گویا سسلی کی پاک وصاف زمین میں پہلی خون ریزی تھی۔ انسانی ضرورتوں کی بدولت یہ ملک گیری کے خیال سے عمل میں آئی اور بت پرستوں کے خیال کے مطابق انسانوں کی بھینٹ دے کر سسلی کی زمین کو آئندہ کے قابل بنایا گیا۔ اس زمانے میں سسلی روز افزوں ترقی پر تھی۔ زمین کی زرخیزی کی انتہا نہ تھی۔ چونکہ ابھی ابھی زراعت شروع کی گئی تھی لہٰذا بغیر کسی سخت محنت کے بہت آسانی کے ساتھ زمین کی پیداوار ہو جایا کرتی تھی[1]۔

---

[1] تاریخ سسلی صفحہ ۱۴۔

سرقوسہ کی بندرگاہ تجارت کے لحاظ سے یورپ کی منڈی تھی۔ ممالکِ مشرقیہ سے جو اس زمانے میں تمدن کے مرکز تھے، یہاں ہر قسم کا سامان آیا کرتا تھا اور یہیں سے بلادِ مغرب میں اس کی فروخت ہُوا کرتی تھی۔ ملک کا انتظام اُنہی جمہوری اصول پر تھا جن پر یونانی عمل کرتے تھے۔ ملک کے مختلف فرقے بنائے گئے تھے۔ ایک فرقہ خاص بھی تھا جو بہ منزلہ امراء کے تھا، ان کے علاوہ صناع، تجار اور مزارعین کے طبقے تھے۔ باعتبار آمدنی کے الگ طبقے تھے جن میں سے فوج کے لئے لوگ منتخب کئے جاتے تھے۔ مگر ملک کا انتظام درحقیقت خاص لوگوں کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا اور بڑے بڑے عُہدوں پر وہی مامور ہوتے تھے۔

جس وقت یونان میں امراء اور عوام کے درمیان فسادات ہوئے ہیں اس کے چند روز بعد ۴۹۵ ق م میں سسلی میں بھی یہی فسادات ان دونوں فرقوں میں رونما ہوئے۔ عوام نے ایکا کرکے امراء کو شکست دیدی اور ان لوگوں نے بھاگ کر جیلو کے پاس پناہ لی جو شہر جیلا کا حاکم تھا۔ جیلو جو ایسے موقعے کو تاک ہی رہا تھا بہت خوشی سے ان کی درخواست منظور کی۔ سرقوسہ پر حملہ کیا گیا اور امراء پھر ملک میں آ گئے۔ مگر جیلو نے خود مختار ریاست قائم کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ملک میں اس تغیر سے جو آب ہُوا تھا اور ترقی بڑھ گئی۔ سرقوسا تمام یونانی شہروں کا پھر صدر مقام بن گیا اور جن شہروں نے بغاوت کی تھی وہ از سرِ نو مطیع کر لئے گئے اور سرقوسا کی عظمت و شوکت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

جیلو جو اب فرماں روائے سرقوسا بن گیا تھا ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم و مدبر شخص تھا اس کی بیدار مغزی کی شہرت اب یونان میں بھی پہنچنے لگی اور اس کی شہرت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت ۴۸۰ ق م میں ایرانیوں نے یونان پر حملہ کرنا چاہا تو یونانیوں نے جیلو سے مدد مانگی۔ جیلو نے اس درخواست کے جواب میں یہ لکھا:

"اگر مجھے یونانی فوج یا یونانی بیڑہ جہازات پر کمانڈر بنایا جائے تو

میں تمہاری درخواست قبول کر سکتا ہوں۔"

چنانچہ یونانیوں نے اس کو کمانڈر بنانے سے انکار کیا۔ لہٰذا جیلو نے بھی یونانیوں کو کوئی مدد نہ دی۔ مگر چند روز کے بعد اس کو ایک اور زبردست غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ غنیم قرطاجنی تھا۔

قرطاجنہ

کارتھیج یا قرطاجنہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے فنیقیں ہی کی نوآبادی تھی جس کو انھوں نے سنہ ۸۶۰ ق م میں موجودہ ٹیونس کے قرب و جوار میں بسایا تھا۔ قانونِ قدرت کے مطابق بہت جلد وہ فنیقیہ والوں سے جُدا ہو گیا اور جُداگانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تاریخِ عالم میں ایک ممتاز رتبہ رکھتی ہے۔ کارتھیج والوں نے نہ صرف سواحلِ افریقہ پر قبضہ کر لیا بلکہ بحیرۂ روم کے جزیروں پر بھی وہ اپنا دستِ طمع بڑھانے لگے۔ چنانچہ بہت سے مقامات اُن کے قبضہ میں آ گئے۔ اسپین اور کورسیکا اُن کی تجارتی منڈیاں تھیں جن کے ذریعہ سے یورپ کی تجارت اُن کے قبضہ میں تھی۔

یونانیوں اور قرطاجنوں کے محاربات

چھٹی صدی قبل مسیح میں قرطاجنوں کی طاقت کمال کو پہنچ گئی تھی اور بحیرۂ روم کے بہت سے جزیروں پر قبضہ کرتے ہوئے وہ اب سسلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت سسلی کی حالت کیسی عمدہ تھی، اس کا عمدہ موقع پر ہونا، اس کی زرخیزی ایسی چیزیں تھیں جنھوں نے قرطاجنوں کو بھی اس میں اپنے قدم جمانے کے لئے آمادہ کیا۔ مگر اب وہ سسلی نہ رہی تھی جو ہر نووارد کو خوشی کے ساتھ اپنے آغوشِ عاطفت میں لے لیا کرتی تھی۔ اس میں تمدن قائم ہو گیا تھا اور ایک مستقل حکومت قائم تھی جس پر ایک زبردست شخص بیدار مغز حکمران تھا۔ اس لئے قرطاجنی آسانی سے اس میں قدم نہ جما سکے۔

بلکہ ان کو بزورِ شمشیر اس میں داخل ہونے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ سنہ ۴۰۸ ق م قرطاجنی سپہ سالار ہملکار تین لاکھ فوج کے ساتھ نیورتس میں آ پڑا جو جزیرہ کے شمالی جانب واقع تھا۔ نیورتس میں اپنا قبضہ جمانے کے بعد وہ آگے بڑھا اور ہمرا کا محاصرہ کر لیا جو یونانیوں کے ماتحت تھا۔ فرمانروائے سرقوسا جیلو بھی ہمرا کو بچانے کے لئے اپنی پچاس ہزار فوج لے کر قرطاجنوں کے سامنے آ پڑا۔ اس وقت کارتھیج والوں کی فوج شمار میں تین لاکھ تھی۔ جیلو کی شہرت میں یکایک عظیم الشان اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اس زبردست فوج کو شکستِ فاش دے دی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کارتھیج والوں کو اپنے بے شمار مقتولین جن میں ان کا کمانڈر ہملکار بھی شامل تھا، ہمرا کے میدان میں چھوڑ کر سسلی خالی کر دینی پڑی۔ پھر ایک مدت تک اُن کا حوصلہ نہ ہُوا کہ سسلی کا رُخ کریں۔ بلکہ وہ اپنے افریقہ کے مہمات میں مصروف ہو گئے جہاں یونانیوں کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہوتی رہی۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد جیلو نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی۔ اس کی ملک گیری کے ارادے جو اس زمانے میں انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا بلند رتبہ خیال کئے جاتے تھے اب بہت کچھ بہار دکھاتے اور وہ بھی ان مشہور فاتحوں میں سے ہو جاتا جن کی شہرت صفحاتِ تاریخ پر آج تک نظر آ رہی ہے مگر افسوس ہے کہ موت نے اس کو مہلت نہ دی اور اس فتح کے تین سال بعد موت کے زبردست ہاتھوں نے اس پر اپنا قبضہ کر لیا جس کے پنجہ سے رہائی پانا بڑے سے بڑے بہادر کے لئے بھی محال و ناممکن ہے۔

جیلو کے جانشین

سنہ ۴۷۸ ق م میں جیلو کے مرنے کے بعد اس کا بھائی ہیرو اس کا جانشین ہُوا۔ اور دس سال تک ریاست کی۔ جیلو کے بعد ایسے جانشین کی ضرورت تھی جو اس کی قائم کی ہوئی ریاست پر بزور قبضہ رکھ سکے اور ان مختلف اجزاء کو بکھرنے

نہ دے جنہیں جیلو نے مدتوں کے بعد ایک شیرازہ میں جمع کر دیا تھا۔ ہیرو ایسا ہی شخص تھا اور اسی لئے اس کے مرتے دم تک کوئی فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوا۔ ملک میں ترقی کی رفتار اسی طور سے جاری رہی جیسی کہ اس با امن زمانہ میں اُمید کی جا سکتی ہے۔ مگر ۴۶۷ ق م میں ہیرو کے مرجانے پر ایک ایسا شخص جانشین ہوا جو مطلق صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس لئے باہمی فتنہ و فساد کی بنیاد پڑ گئی اور چونکہ اس وقت تک سسلی تمدن کے ان مدارج تک نہ پہنچا تھا جن میں شاہی عظمت و شوکت حد سے بڑھ جاتی ہے اس لئے یہ ہیرو کا جانشین جو تھراسیوس نام سے مشہور ہے بہت جلد بغیر زیادہ وقت کے ملک سے خارج کر دیا گیا۔ وہ باہمی فتنہ و فساد جو پیدا ہو گیا تھا ۴۶۱ ق م میں مختلف شہروں کے نامور و پختہ کار شخصوں نے ایک مجلس منعقد کی اور قوانین و نظام آئندہ کے لئے مرتب کیا۔ اس کے اجراء کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی ختم ہو گئی اور ملک ترقی کی راہ پر لگ گیا اور مثل سرقوسہ کے جزیرہ کے جنوبی ساحل پر شہر اغرجنتم نے بڑی ترقی کی۔

اہلِ سرقوسہ کو اس کا عروج بُرا لگا اور ۴۴۶ ق م میں اغرجنتم، نکسوس کتنا، لیونیتنی شہروں کو بزور اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مگر یہاں کے باشندوں نے اہل یونان سے مدد چاہی۔ ایتھنس والوں نے ۴۲۷ھ میں بقوت سرقوسا کو مغلوب کر لیا۔ اب بظاہر صقلیہ اہل ایتھنس کی حکومت میں داخل ہو گیا۔ مگر سرقوسہ والوں نے بغاوت کر دی۔ غرضیکہ ۴۱۳ ق میں یونانیوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور اہل سرقوسہ سے مقابلہ نہ کر سکے اور اپنی فوجوں کو سسلی سے ہٹا لے گئے۔

قرطاجنہ موقعہ کے منتظر تھے۔ ۴۰۹ ق م دوبارہ صقلیہ پر حملہ آور ہوئے اور اپنی پچھلی شکست کا ستر برس بعد بدلہ لے لیا اور کامیابی حاصل کی۔ بعض مقامات پر قابض و متصرف ہو گئے۔ اب گویا صقلیہ میں دو حکومتیں تھیں، ایک سرقوسہ کی ریاست، دوسری قرطاجنہ کے زیر حکم علاقہ جات۔ ان دونوں میں ہمیشہ خانہ جنگی برپا رہتی جو ۲۶۷ ق م تک قائم رہی۔

صقلیہ کی حالت رُومیوں کے زمانہ میں

جبکہ صقلیہ کی سرزمین ان دو مختلف قوموں (قرطاجنی، یونانی) میں منقسم تھی جو باری باری سے اپنا ڈنکا بجاتی رہتی تھیں تو اُس وقت تماشا گاہ عالم کے پردوں کے اندر ہی اندر کچھ اور سامان ہو رہا تھا۔ ایک نئی زبردست طاقت جو اب تک بالکل ضعیف خیال کی جاتی تھی، دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئی جس نے بہت جلد اُن تمام اقوام کو جو اس وقت دُنیا میں اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہی تھیں، اسٹیج پر سے ہٹا دیا اور تاریخِ عالم میں ایک ایسی عظیم الشان یادگار قائم کی جس سے تاریخ نے ایک نیا جنم لیا اور اب بجائے قرونِ قدیمہ کے تاریخ قرونِ متوسطہ میں آگئی۔ یہ نئی قوم جو اب پیدا ہوئی رومن قوم تھی۔

رومن قوم کی ابتدائی حالت

رومن قوم کے قدیم حالات کے بارے میں وہی بے ہودہ اور دور از کار روایتیں بیان کی گئی ہیں جو قریب قریب ہر قوم کی ابتدائی حالت کی نسبت لکھی گئی ہیں اور جن کو زمانۂ حال کی تحقیق نے بالکل لغو قرار دیدیا ہے۔

غرضیکہ جو کچھ اب تک ثابت ہوا ہے اس کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس موقع پر جہاں اب روما آباد ہے۔ پہلے مختلف قبائل بستے تھے، جنہوں نے رفتہ رفتہ امتدادِ زمانہ کے باعث آخر ایک قوم کی صورت اختیار کر لی اور جیسا کہ قدیم اقوام میں دیکھا گیا ہے۔ اُن میں بھی چند ایسے عالی دماغ اور مدبر حاکم روما کے نام سے مشہور ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد روما کی سلطنت نے ۵۰۹ قبل مسیح میں جمہوری صورت اختیار کر لی اور اس نے ان تمام مختلف قبائل

کو جو جزیرہ نمائے اٹلی میں بستے تھے، ایک ایک کر کے زیر کرنا شروع کر دیا اور آخر بہت نزاعوں اور خون ریزیوں کے ۲۶۵ سنہ قبل مسیح میں سارے ملک اٹلی پر رومیوں کی جمہوری سلطنت کا پھریرا اُڑنے لگا اور گمنامی کے پردہ سے نکل کر اس کا شمار بھی دنیا کی مشہور طاقتوں میں ہونے لگا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بطلیموس فلاڈلفیوس فرمانروائے مصر نے جو اس وقت دنیا کے مشہور حکمرانوں میں سے تھا، اپنے سفیر رومن قوم کے پاس بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ رومن قوم اس سے دوستانہ تعلقات رکھے[1]

جبکہ کل جزیرہ نمائے اٹلی پر رومن قوم کا قبضہ ہو گیا اور اب جزیرہ نما میں کوئی ایسی قوم باقی نہ رہی جس سے لڑ کر رومن فاتح قوم جس کے دل میں تخیلات و جذبات کا دریا پورے جوش کے ساتھ موجزن تھا۔ اپنے دل کے حوصلے پورے کرے تو زبردست قانونِ قدرت کے اصول کے بموجب بہت ہی ضروری ہو گیا کہ وہ اٹلی سے اپنا قدم باہر نکالے اور اُن اقوام سے اس کی مڈھ بھیڑ ہو جو دنیا میں اپنا ڈنکا بجا رہی تھی۔ اور چونکہ سسلی بالکل اٹلی ہی کے قریب تھا اور اٹلی کی ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے اب اس پر قبضہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ لہٰذا بہت جلد رومن قوم کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی اور اس نے سسلی کا رُخ کر دیا۔

۲۶۵ سنہ قبل مسیح میں یونانی اور قرطاجنی مختلف مقامات پر اپنی اپنی حکومت کر رہے تھے اور ان میں وہ باہمی نزاعات اور خانہ جنگیاں آئے دن برپا رہتی تھیں جو ہمیشہ غیر قوم کے ملک میں داخل ہونے کا بہت بڑا سبب ہوا کی ہیں۔

ان باہمی نزاعوں اور خانہ جنگیوں سے رومن قوم کو اس بات کا پورا موقع مل گیا کہ وہ اپنی خواہشوں کو ہمدردی کے پیرایہ میں ظاہر کرے۔ چنانچہ جس

---

[1] تاریخ مصر

وقت مسّانا والوں نے سرقوسا والوں اور قرطاجینیوں کے متواتر حملوں سے تنگ آکر جن میں سے ہر ایک اس پر اپنے دندانِ آز تیز کئے ہوئے تھا رومن قوم سے مدد کی درخواست کی تو اُس نے فوراً ایک قوی اور مستعد فوج بظاہر (مسینہ) مسّانا والوں کی تائید اور اصل میں سسلی پر قبضہ جمانے کے لئے بھیج دی ۔ سرقوسا والے اور قرطاجینی دونوں اب خوابِ غفلت سے چونکے اور اپنے اس نئے زبردست دشمن کے دفعیہ کے لئے اپنی باہمی خانہ جنگیاں چند روز کے لئے ختم کر دیں۔

سرقوسا والوں نے قرطاجینیوں سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ممالک مقبوضہ پر حملہ نہ کریں گے اور قرطاجینیوں نے اس کے معاوضہ میں رومیوں سے مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا۔ رومیوں نے قرطاجینیوں کو اطلاع آخر بھیجی کہ بہتر ہے تم مسّانا کو چھوڑ دو اور اس طرح ہم چلے جائیں گے۔ قرطاجینیوں نے انکار کیا اور اب ان دونوں دنیا کی مشہور طاقتوں میں مڈبھیڑ ہوتی شروع ہو گئی ۔

رومیوں اور قرطاجینیوں کے محاربات

رومن قوم نے دشمن کی جمعیت توڑ دینے اور اس میں نفاق پھیلانے کے ضروری قاعدے پر عمل کیا جس سے عموماً فاتحین کی فتح ہوا کی ہے۔ چنانچہ اس نے حکمران سرقوسا ہیرو ثانی سے جو ایک دور اندیش اور بیدار مغز حاکم تھا، معاہدہ کر لیا جس کے عمدہ نتائج آئندہ چل کر ظاہر ہوئے اور یہ بات چاہی کہ وہ قرطاجینیوں اور رومیوں کے باہمی مقابلہ میں بالکل الگ تھلگ رہے اور اس کے معاوضہ میں رومن قوم اس کے حقوق کو برقرار رکھے گی۔ مگر اس سے قرطاجینیوں پر جو اس وقت میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت شمار کی جاتی تھی اور اس لحاظ سے سمندر کی مالک بھی کوئی اثر نہ ہُوا ۔

رومن قوم کو قرطاجینیوں پر فتح پانے کے لئے پہلے بحری طاقت پیدا کرنی ضروری تھی اور جس کے بغیر اُن کا مقابلہ ہو ہی نہیں

سکتا تھا[1]۔

امیر البحر دوبلیوس کی عجیب اور ان تھک کوششوں کی بدولت یہ مشکل بھی دفع ہو گئی اور ۲۶۲ قبل مسیح میں رومیوں نے قرطاجنیوں کو اس بحری طاقت میں جس پر انہیں ناز تھا فاش شکست دی۔ اب قرطاجنیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی تیزی اور مستعدی کے ساتھ رومیوں کا حملہ روکنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ یہ زمانہ جبکہ یہ دونوں دنیا کی مشہور قوتیں بڑے زور شور سے ٹکرا رہی تھیں ایک مدت تک رہا اور اس مدت میں بڑے بڑے معرکے اور جانبازیاں جنہیں انسانی شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے، واقع ہوئیں۔ قرطاجنیوں کے اقبال کا دور ختم ہو چکا تھا اور ان میں وہ برائیاں جو ایک زبردست طاقت کی جڑ کو کھوکھلی کر دیا کرتی ہیں پیدا ہو چکی تھیں۔ چنانچہ خود ان کی فوج میں جو اجرت پر نوکر رکھی جاتی تھی سخت جھگڑا برپا ہو گیا۔

ان سب باتوں نے رومن قوم کے لئے راستہ صاف کر دیا اور اس نے جزیرۂ سارڈینیا پر جو صقلیہ سے قریب ہی واقع ہے فتح حاصل کر لی۔ یہ پہلا جزیرہ تھا جس پر رومن قوم نے فتح پائی۔ قرطاجنی، رومیوں کی اس فتح پر بہت ہی بگڑے مگر مجبور تھے اور دانت پیس کر رہ گئے۔ رومیوں نے بڑھ کر جزیرۂ کورسیکا پر بھی قبضہ کر لیا اور اب صقلیہ کی باری آئی۔

قرطاجنیوں نے یقین کر لیا کہ اب رومیوں سے مقابلہ بے سود ہے اور موجودہ حالت میں مقابلہ سے بجز نقصان کے اور کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کے لئے درخواست کی اور شرائط ذیل پر ۲۴۱ قبل مسیح میں صلح منعقد ہو گئی۔

---

[1] رومن قوم کے بیان میں ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام پہلے بیان کر دیئے ہیں نبذۃ الصحائف فی سیاحۃ المعارف (مؤلفہ نوفل آفندی طرابلسی) سے بھی مدد لی گئی ہے۔

۱۔ قرطاجینی صقلیہ اور اُن تمام چھوٹے جزیروں کو جو صقلیہ سے قریب واقع ہیں اور جن پر اب تک انہی کا قبضہ تھا خالی کر دیں گے۔
۲۔ قرطاجینی رومن قوم کو ایک بیش قرار تاوانِ جنگ دیں گے۔
۳۔ قرطاجینی اعتراف کرتے ہیں کہ ہیرو حاکم سرقوسا ہے اور اس سے اور اُس کے جانشینوں سے آئندہ قرطاجینیوں کو لڑائی کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔
۴۔ اس کے معاوضہ میں رومن قوم قرطاجینیوں پر حملہ نہ کرے گی اور اس کو قرطاجینیوں کے دوسرے مقبوضات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

صقلیہ پر رومن قوم کا قبضہ

اس صلح سے چند روز کے لئے رومیوں اور قرطاجینیوں کے محاربات ختم گئے اور صقلیہ باستثنائے ریاست سرقوسا، سارڈینیا اور کارسیکا رومن قوم کے قبضہ میں آئے جس کا انتظام کرنا اب ان کو ضروری تھا۔ رومیوں نے سارڈینیا اور کارسیکا کو ایک صوبہ اور صقلیہ کو ایک صوبہ قرار دیا۔ (یہ رومیوں کے سب سے پہلے صوبے تھے) ہر ایک صوبے کا ایک والی ہوا کرتا تھا جس کو پرتیوریا پروقنصل کا لقب دیا جاتا تھا۔ پرتیوریا پروقنصل کو باستثنائے ان رومن نژادوں کے جو ان صوبوں میں مقیم ہو جائیں، باقی تمام باتوں میں پورا اختیار حاصل تھا اور اس کو اپنے احکام کے نافذ کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

سرقوسا کا خاتمہ اور کل صقلیہ پر رومیوں کا تصرف

۲۱۵ء قبل مسیح میں ہیرو ثانی حاکم سرقوسا مر گیا جس نے آخری وقت میں اپنی بیدار مغزی اور دور اندیشی سے سرقوسا کی حفاظت کی تھی جیسا کہ چراغ گل ہونے کے وقت ایک غیر معمولی روشنی میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہی غیر معمولی روشنی اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اب اس کا خاتمہ کا وقت قریب ہے۔ اسی طرح ہیرو ثانی

کا زمانہ بھی اس بات کی خبر دے رہا تھا کہ اب اس کے نزع کا وقت قریب آ پہنچا۔ چنانچہ اس کے مرجانے کے بعد کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو اس کی جانشینی کے لئے صلاحیت رکھتا ہو اور ملک کی روز افزوں بدنظمی اور تباہی کا انسداد کرسکے۔ بدنظمی بڑھتی گئی اور قرطاجنیوں نے بھی خلاف معاہدہ سرقوسا کے معاملات میں دست اندازی شروع کی۔

اب کوئی وجہ نہ تھی کہ رومی سلطنت بھی اس میں مداخلت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے قنصل مرسلوس کو بھیجا تاکہ وہ سرقوسا کی ریاست پر رومی سلطنت کی طرف سے قبضہ کرلے۔ اب سرقوسا کے خاتمہ کا وقت آ پہنچا اور باشندگانِ سرقوسا نے بھی جب تک دم میں دم رہا اپنی آزادی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ تمام کوششیں بے کار گئیں اور آخر کار انہیں اپنی آزادی جس کے بچانے کے لئے انہوں نے یونان اور قرطاجنہ سے مقابلہ کیا تھا اور انہیں سخت شکستیں دی تھیں، رومن قوم کے سپرد کر دینی پڑی اور اس طرح پر سسلی کی خودمختاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور سارے جزیرہ پر سنہ ۲۱۲ قبل مسیح میں بلاشرکت غیرے رومی سلطنت جمہوری ہی کا قبضہ نظر آنے لگا۔

رُومیوں کا اقوامِ مفتوحہ سے سلوک

وہ عظیم الشان ترقی جس کی بدولت رومیوں نے اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان کا کارتھیج (قرطاجنہ) مقدونیہ، یونان، فرانس و نیز دیگر اس زمانہ کی قوی سے قوی طاقتوں کو مغلوب کرنا اپنی خاص نو آبادیوں بسانا اور وہاں جا کر بسنے والوں کو خاص خاص حقوق کا عطا کرنا جس کے مفید نتائج کو یورپ آج تک تسلیم کرتا بلکہ اس پر مضبوطی سے عمل کرتا رہا ہے۔ اُن بے نظیر قوانین اور نظامات کا مرتب کرنا جو اپنے بنانے والوں کی عالی دماغی کے شاہد ہیں اور جن پر آج سارے یورپ کے انتظامات و قوانین کی بنیاد رکھی گئی

ہے۔" یہ سب باتیں گو فی الواقع نہایت ہی دلکش ہیں مگر رومیوں میں بھی غریبی اور امیری کا مسئلہ تھا، مساوات نہ تھی۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ ان کے ساتھ بے انصافی کی جاتی اور ان پر ظلم توڑے جاتے۔ رومن قوم کا سلوک اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ مختلف قسم کا رہا ہے اور جو سلوک ایک قوم کے ساتھ کیا گیا ہے اس کو دوسری قوم کے سلوک سے ساتھ ذرا بھی مناسبت نہیں۔ کہیں اس نے مفتوح قوم کا بالکل قلع قمع اور دنیا سے نابود کر دیا۔ جیسے کارتھج والوں کے ساتھ کیا گیا اور کہیں انہیں غلام بنا لیا گیا۔ بعض کو ایک حد تک آزادی دی گئی اور شاذ و نادر کسی قوم کو خود رومن قوم کے حقوق دے دیئے گئے۔

غرضیکہ اس نے بالکل مختلف طریقے برتے جس کی نسبت ایک مؤرخ (مصنف تاریخ قدیم) یہ لکھتا ہے:۔

"مفتوحہ قوموں کے ساتھ رومیوں کے اس مختلف طور کے طرزِ عمل کی نسبت پورے پورے وجوہات اب تک درست طور پر معلوم نہیں ہوئے ہیں۔ ظنی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن قوموں نے اُس سے سخت مقابلہ کیا تھا اور اطاعت قبول کر لینے کے بعد پھر بغاوت کی تھی اور اس کے مخالفین سے ساز باز کر لی تھی، اُن سے اُس نے سخت برتاؤ کیا اور اُن کے لئے سخت قوانین مقرر کئے۔"

گو یہ رائے ایک حد تک بہت ہی درست ہے مگر اصل یہ ہے کہ رومن قوم کے مدبر اس امر کو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ رومن سلطنت کا قیام اُسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ اقوامِ مفتوحہ اُبھرنے نہ پائیں۔ مگر ساتھ ہی رومن قوم سے راضی بھی رہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اس نے مقتضائے وقت اور قومِ مفتوح کے مناسب عمل کیا۔ قرطاجنی چونکہ روم کے سخت دشمن تھے اور اس کے زندہ باقی رہنے سے ہر وقت کا خطرہ لگا رہتا تھا اس لئے وہ بالکل تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یونانیوں سے چونکہ اس بات کی تسلی تھی کہ اُن کی باہمی رقابتیں

انہیں اس قدر ابھرنے ہی نہیں دیں گی کہ وہ رومن قوم کے سامنے آئیں۔ لہٰذا انہیں آزادی دے دی گئی جس سے خود رومیوں کا ذاتی نفع تھا۔ فرانس کی قومیں چونکہ بالکل وحشیانہ حالت میں تھیں، لہٰذا وہ غلام بنالی گئیں۔ غرضیکہ اُس نے انہی اصولوں کو مدنظر رکھ کر جن پر ان کی سلطنت کی زندگی منحصر تھی قوم مفتوح کے ساتھ سلوک کیا اور یہی وجہ رومیوں کی دیرینہ کامیابی کی بھی ہوئی۔

صقلیہ کی حالت رومن قوم کے زمانے میں

اب ہم کو صقلیہ کی حالت پر غور کرنا ہے۔ جب معاہدہ کے مطابق قرطاجینیوں نے صقلیہ کو خالی کر دیا اور اس کا انتظام اس طرح پر کر دیا گیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے تو اس میں بہت سے رومن نژاد باشندے آکر مقیم ہو گئے جنہیں اپنے پہلے حقوق و امتیازات حاصل رہتے تھے۔ اُن لوگوں کی یہاں زمینداریاں قائم ہو گئیں اور اس طرح پر بہت جلد صقلیہ میں ہر طرف رومی ہی رومی نظر آنے لگے۔

رومن قوم کے غلام اور ان کی حالت

ان رومیوں نے اپنی ماتحت زراعت وغیرہ کے کام ان قابلِ رحم اور مظلوم انسانوں سے لئے جو رومن قوم کے طفیل سے ذلیل طور پر غلام بنا لئے گئے تھے۔ رومن قوم نے اس نفرت انگیز غلامی کے اصول کو پہلی پہل دنیا میں رائج کیا۔ یہی غلامی کا مسئلہ ہے جس پر مسلمانوں کی نسبت یورپ نے بہت کچھ واویلا مچایا ہے اور بڑے بڑے الزام لگائے ہیں۔ مسلمانوں کی غلامی جس پر غلامی کا اطلاق کیا جاتا ہے ایسی نہیں تھی۔ کیونکہ جس عمدہ حالت میں مسلمانوں کے غلام رہتے تھے اور جس طرح پر وہ بہت جلد غلامی کی قید سے آزاد ہو جاتے اور ان کا وہی رتبہ ہو جاتا تھا جو اُن کے مالکوں کا تھا اس کا اعتراف خود یورپ کے محققین بھی کرنے لگے ہیں اور اس کا ثبوت اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ

میں غلامی کی وجہ سے کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ غلامی کی جو خراب تصویر یورپ نے اپنے ذہن میں کھینچ لی ہے (کہ غلام وہ ہیں جو زنجیروں میں جکڑے ہوں۔ غذا کی جگہ چابک کھا رہے ہوں۔ مکان کے عوض تہہ خانوں میں محبوس ہوں۔ اتنی بھی ان کی وقعت نہ کی جاتی ہو جو ایک بلی اور کتے کی، کی جاتی ہے اور اسی طرح کے وہ سارے تصورات جو نہایت ہی رنگ آمیزیوں، حد درجہ کے مشرقی مبالغوں کے ساتھ یورپ کے خیال میں متمکن ہیں۔ یہ تصویر مسلمانوں کی غلامی کی نہیں بلکہ وہ بغیر کسی مبالغہ کے رومن قوم کی غلامی پر صادق آتی ہے جو خود یورپ کے رہنے والے ہیں اور جن کے قوانین کا ہر وقت راگ گایا جاتا ہے اور اُن کے بعد ہر ترقی کرنے والی قوم کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر انہی کا مقلد اور ان ہی کے خیالات سے مستفید بتایا جاتا ہے۔ بیشک وہ سارے الزامات جو غلامی کی نسبت ہو سکتے ہیں رومن قوم کی غلامی پر کئے جا سکتے ہیں۔ یہ غریب بالکل حیوانات کی طرح رکھے جاتے تھے اور ان کو کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نفرت انگیز و ذلت بار غلامی سے نکلنے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا نہیں گیا تھا۔

ساڈینیا اور کورسیکا کی بغاوت فرو کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں سے جس قسم کا برتاؤ کیا گیا ایک وحشی سے وحشی قوم بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ کا عیسائی مصنف اس کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

> "جزیرے لوٹ لئے گئے، جس قدر مال تھا وہ سب چھین لیا گیا، تمام باشندے غلام بنا کر بیچ دیئے گئے، جس کی وجہ سے روما میں غلاموں کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ وہ ساری چیزوں سے حقیر ترین چیز خیال کئے جاتے تھے۔"

چنانچہ یہ مقولہ ضرب المثل ہو گیا تھا۔ "ساڈینی سے زیادہ حقیر" یہی غلامی کا طریقہ تھا جس کی بدولت رومی سلطنت کو آئندہ چل کر بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مسلمانوں کی تاریخ کے برخلاف رومیوں کی تاریخ میں جو ہر وقت اور

ہر مقام پر غلاموں کی شورش و بغاوت کی بیسیوں نظیریں ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رومیوں کا طرزِ عمل غلاموں کے ساتھ نہایت بُرا اور نفرت انگیز تھا۔ چنانچہ صقلیہ میں بھی یہی حالت نظر آئے گی۔

غلاموں کی صقلیہ میں پہلی بغاوت

جب رومی صقلیہ میں غلاموں سے نفرت انگیز کام نفرت انگیز طریقہ سے لینے لگے اور وہ ہولناک مظالم اُن پر توڑے گئے جن سے تہذیب شرماتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ ایک آتش فشاں مادہ کی صورت میں نمودار ہو۔ چنانچہ ۱۳۴ء قبل مسیح میں جبکہ جزیرہ میں غلاموں کی تعداد حد سے بڑھ گئی تو اب اس مادہ کے مشتعل ہونے کا وقت آگیا اور یونس نامی ایک غلام نے جو سوریا (شام) سے گرفتار ہو کر آیا تھا، اس آتش فشاں مادہ کو چھیڑ دیا اور رومی سلطنت کے برخلاف بغاوت شروع ہو گئی۔

یونس کے اُٹھ کھڑے ہونے کی دیر تھی کہ ہزاروں غلام جو مرنے مارنے پر مستعد تھے اور صرف سہارا ڈھونڈھ رہے تھے، یونس کے جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو گئے۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ان غلاموں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی جو بلاشبہ درست ہو گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یونس نے اپنی کامیابی کی غرض سے نبوت کا بھی دعوٰی کیا تھا۔ جو کچھ ہو یہ خوفناک بغاوت کچھ اس زور سے مشتعل ہوئی کہ رومی سلطنت کو بھی بہت کچھ اپنی طاقت اس کے فرو کرنے میں صرف کرنی پڑی۔ سب سے پہلے ایک رومی قواعد دان فوج بھیجی گئی۔ مگر ان غلاموں نے جو زندگی سے بیزار تھے کچھ ایسی بہادری دکھائی کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور رومن سلطنت کو اور بہت سی فوج بھیجنی پڑی۔ جب غلاموں نے اس نئی مدد کو آتی ہوئی فوج کو بھی مشکل میں ڈال دیا تو پھر تیسری دفعہ بہت ہی جرّار فوج روما سے روانہ ہوئی۔ اس دفعہ کسی قدر رومیوں نے کامیابی حاصل کی اور دس ہزار کے قریب غلام

رومیوں کی تہذیب وتمدن پر قربان ہو گئے۔ مگر غلاموں کی پُرجوش طاقتیں ابھی سرد نہیں ہوئی تھیں۔ اب چوتھی دفعہ رومی سلطنت کا مشہور جنرل روپلیوس بھیجا گیا جس نے حد درجہ کی خونریزی کے بعد فتح حاصل کی۔ غلاموں کی ثابت قدمی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب تک دو لاکھ غلاموں کی جماعت میں سے پورے ایک لاکھ نوے ہزار کی قربانی نہ ہو چکی۔ اس وقت تک مقابلہ سے مُنہ نہ موڑا اور آخرکار جب رومیوں کی جابر فوج کے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے تو مجبور ہو کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ یہ بچے ہوئے ایک ہزار غلام بھی آخر اس دنیا سے جس میں اب اُن کے لئے کوئی آسائش باقی نہ رہی تھی رخصت کر دیئے گئے اور اس طرح سخت سے سخت خونریزیوں کے بعد جس میں دو لاکھ غلام رومیوں کی تیغِ ستم سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ غلاموں کی طرف سے یہ جائز بغاوت فرو ہو سکی اور اس طرح سے رومی سلطنت کو پہلی پہل مضبوط اور سچے قانونِ قدرت کے توڑنے کا ثمرہ دیکھنا پڑا۔ مگر کیا اسی قدر سزا اس کو بھگتنی پڑی؟ نہیں بلکہ بہت ہی جلد اس کو اس سے بھی زیادہ سخت آفت میں مبتلا ہونا تھا۔

غلاموں کی دوسری بغاوت صقلیہ میں

گذشتہ بغاوت فرو کرنے کے وقت ان چند رومیوں کو بھی جنہوں نے غلاموں کی تائید کی تھی تعزیرًا غلام بنا لیا گیا تھا اور جب سنٹ (رومیوں کی پارلیمنٹ) نے ان کا مرافعہ نامنظور کر دیا تو اس کا نتیجہ یہی ہُوا جو ہونا چاہیئے تھا کہ انہوں نے بغاوت کر دی اور اس طرح اٹلی سے بہت جلد صقلیہ میں یہ بغاوت پھیل گئی۔ اس دفعہ ان کے سپہ سالار دو شخص تھے۔ ایک تو اثینیوں تھا جس نے یونس کی طرح عام لوگوں پر لوگوں کو اپنا معتقد بنانے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے وحی آنے کا دعویٰ کیا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ مجھے الہام ہو چکا ہے جس سے ضرور مجھے سلطنت مل کر رہے گی۔ دوسرا سپہ سالار تریفوّن تھا جو شام کا رہنے والا تھا۔

اب کی دفعہ ان کی بغاوت پہلی بغاوت سے زیادہ سخت تھی اور جزیرہ کے ایک بڑے حصہ پر اُن کا قبضہ بھی ہو گیا اور انہوں نے غلّہ اور میوہ جات کو جس کی پیداوار کے لئے صقلیہ اُس زمانے میں بہت ہی مشہور تھا باہر لیجانا موقوف کر دیا۔ رومی سلطنت کے لئے یہ بہت ہی نازک وقت تھا خود رومیوں میں خاصہ اور عامہ کے دو فرقے ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے روما میں فقیروں کی بغاوت ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وحشی قوموں سے سخت مقابلہ اس کو درپیش تھا۔ باایں ہمہ اُس نے بغاوت فرو کرنے کے لئے ۱۰۴ سنہ قبل مسیح میں چودہ ہزار فوج بھیجی۔ اس فوج کو بھی وہی پہلی بغاوت کی سی حالت پیش آئی اور بالآخر ۹۹ سنہ قبل مسیح میں متعدد فوجوں کے ناکام رہنے اور پانچ سال کی متواتر خونریزیوں سے بعد جب ماریوس رومیوں کا مشہور جنرل جس نے وحشی اقوام کو شکست دی تھی اور رومیوں کی حالت کو سنبھال لیا تھا اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا تو اس بغاوت کا خاتمہ ہُوا۔

اس بغاوت کے بعد پھر کوئی بغاوت صقلیہ میں نہیں ہوئی اور اس طرح صقلیہ اب بغیر کسی خرخشہ کے ایک رومن کالونی (نو آبادی) تھی جس کو زراعت کے لحاظ سے ایک عمدہ رتبہ حاصل تھا اور یہی حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ رومن قوم کا ستارہ غروب نہ ہو گیا۔ وہ تمام واقعات جو رومن سلطنت پر گزرے یعنی جمہوری سلطنت کا شہنشاہی ہو جانا، اس کا دارالسلطنت روما سے قسطنطنیہ کو بدل جانا، عیسوی مذہب قبول کرنا۔ یہ سب تفصیلات ہمارے مضمون سے خارج ہیں مگر سلسلۂ بیان کے لحاظ سے ایک اجمالی خاکہ کھینچ دینا ضروری ہے۔

رومن سلطنت کی بربادی

۱۰۰ سنہ قبل مسیح میں وہ مشہور شخص سیزر پیدا ہوا جس نے آخر کار رومن جمہوری

سلطنت کے عوض رومن شہنشاہی کی بنیاد ڈالی اور اس کے مار ڈالے جانے کے بعد جو کچھ کسر اس میں باقی رہ گئی تھی اس کو اغسطس نے پورا کر دیا اور اس طرح رومن شہنشاہی قائم ہو گئی۔ مگر بہت جلد اس میں زوال آنا شروع ہو گیا تھا جس کی اصلاح قسطنطین نے سنہ ۳۳۰ء میں کی۔ اس شہنشاہ نے عیسوی مذہب قبول کیا اور اس طرح ایک عظیم الشان تغیر رومیوں کی حالت میں پیدا ہو گیا۔ اُسی نے روما کے عوض قسطنطنیہ کو جو اُسی کا بسایا ہوا تھا بلحاظ موقع کے عمدہ ہونے کے دارالسلطنت بنایا۔

قاعدے کے مطابق اب پھر زوال آنا شروع ہو گیا تھا مگر تھیوڈوشیس کی سرگرمی و مستعدی سے جو سنہ ۳۷۹ء میں تخت نشین ہوا، چند روز کے لئے پھر حالت سنبھل گئی۔ تھیوڈوشیس کے اس خیال سے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت کے لئے ایک شہنشاہ کافی نہیں ہو سکتا اور ایک شخص واحد سے پوری نگرانی نہیں ہو سکتی۔ رومن سلطنت کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک مملکتِ شرقیہ جس کا مستقر قسطنطنیہ تھا اس پر اس نے اپنے لڑکے ارکادیوس کو والی بنایا اور دوسری مملکت غربیہ جس کا دارالسلطنت روم قرار دیا گیا اور اس کی عنانِ حکومت اپنے دوسرے لڑکے ہنوریس کو دی۔ مگر اس تقسیم سے اس عظیم الشان انحطاط کا جواب دن بدن ہو رہا تھا کچھ بھی انسداد نہ ہوا بلکہ اس سے اور بھی جلد جلد تنزل ہونے لگا۔ اقوامِ وحشیہ کو جو اپنے متواتر حملوں سے رومن سلطنت کی ہڈی پسلی توڑ رہے تھے اپنے مقاصد میں اور زیادہ کامیابی ہو گئی۔

شرقی مملکت تو خیر جوں توں سنبھلی رہی مگر غربی سلطنت کا بہت ہی جلد یعنی تھیوڈوشیس کے مرنے کے اکیاسی سال بعد اس سبب سے کہ وحشی اقوام کے پے در پے حملوں کے باعث سلطنت دن بدن ضعیف ہو رہی تھی خاتمہ ہو گیا اور وحشی اقوام نے (ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ تاتاری سیلاب نے بغداد کی اسلامی خلافت کو دُنیا سے ناپید کر دیا) سنہ ۴۷۶ء میں اس رومن سلطنت کو بھی جس نے

نہایت حیرت انگیز اور عظیم الشان ترقی کی تھی۔ اُسی فنا کے تاریک غار میں دھکیل دیا جس میں اس نے اپنے عروج اور اقبال کے دور میں بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں غارت کی تھیں[۱]۔

اہلِ صقلیہ پر رومیوں کے زوال کا یہ اثر پڑا کہ وہ بھی مضمحل ہوگئے اور اُن پر گاتھک قوم نے حملہ کیا مگر حملہ آور مغربی گال کا فرمانروا ایلیدک سنہ ۴۱۱ء میں مرگیا تو ٹیوٹانکس کے قبضہ میں آگیا۔ غرضیکہ صقلیہ گاتھک حکومت کا ایک جزو بن گیا۔ پھر رومیوں نے سنہ ۵۳۵ء میں صقلیہ پر حملہ کیا اور سنہ ۵۵۱ء میں گاتھک اقتدار صقلیہ سے اُٹھ گیا اور اُن کے زمانے میں عرب و روم کی معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں سنہ ۶۶۵ء میں شہنشاہ قسطنطین دوم صقلیہ آیا اور سنہ ۶۶۸ء میں غسل خانہ میں قتل کردیا گیا۔

اس کی وفات پر اس کا بیٹا مرٹیس صقلیہ کا بادشاہ بنا۔ مگر اس کے بھائی قسطنطین چہارم نے حکومت چھین لی اور صقلیہ کا بادشاہ بن گیا۔ اسی زمانہ میں عرب حملہ آور ہوئے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[۱] تاریخ سسلی صفحہ ۶۱۔

عربوں کی یلغار صقلیہ پر

افریقہ کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تو افریقہ کے بقیہ حصہ اور اردگرد کے جزائر پر مسلمانوں نے توجہ کی۔ جزیرۂ صقلیہ کی ان دنوں بڑی اہمیت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے عموماً افریقہ کے مقبوضات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے اس جزیرے کو اپنی جنگی چھاؤنی بنا لیا تھا۔ حکومت بیزنطینی کا صقلیہ پر کامل اقتدار تھا۔ شام اور مصر زیرِ نگین اسلام ہوئے تو مفرور عیسائی صقلیہ میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ۱۹ھ میں قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تو یہاں کا رومی گورنر بھاگ کر صقلیہ میں پناہ گیر ہوا۔

۵۳۱ء میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے جواب میں قیصرِ روم قسطنطین دوم (۲۳-۴۸ء) عظیم الشان بیڑا لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ سے ہزیمت کھا کر قسطنطنیہ واپس جاتے ہوئے صقلیہ پہنچا اور یہاں قیام کر کے شام، مصر اور افریقہ کے اسلامی مقبوضات میں بغاوت کرانے اور ان علاقوں پر حملہ کرنے کے لئے اہلِ صقلیہ پر آمادہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ یہی بیزنطینی مقبوضہ اسلامی ملکوں سے بہت نزدیک تھا یہیں سے خفیہ ریشہ دوانیوں کی جایا کرتی تھیں[1]۔

امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ ان کو پہلے پہل یہ خیال آیا کہ اس جزیرہ کو زیرِ اسلام لانے کے بعد سے رومیوں کی آئے دن کی یلغار اور ظالمانہ ڈاکہ زنی سے مقبوضات اسلامی کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل کر کے امیر معاویہؓ نے ۳۳ھ میں ایک جنگی بیڑا جس میں تین سو

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۹۲، ۹۳ مطبوعہ مصر۔

جہاز تھے، صقلیہ بھیجا۔ گورنر صقلیہ نے والیٔ قیساریہ سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے عربوں کی شجاعت اور مردانگی سے اس کو آگاہ کیا اور کہا کہ ان عربوں کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دو تو جان بچ جائے گی۔ مگر گورنر کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اتمامِ حجت کے لئے اسلامی نمائندہ اولاً گورنر نے جو سفیر اسلامی امیر البحر کے پاس بھیجا تھا، اس کے ساتھ روانہ کیا اس نے اپنے عمومی مطالبہ کو پیش کیا:

"تم لوگ دین اسلام قبول کر و اور ہماری ذمہ داری میں آجاؤ اور اس کے معاوضہ میں جزیہ دیا کرو جیسا کہ ذمی ممالک میں لیا جاتا ہے، ورنہ پھر آخری فیصلہ تلوار سے ہو گا۔"

گورنر صقلیہ نے جواباً کہا کہ صقلیہ روم کے شہر نہیں جو آسانی سے تمہارے قبضہ میں آگئے۔ صقلیہ ایک محفوظ اور مامون قلعہ ہے اور ہمارے پاس بڑی تربیت یافتہ فوج ہے، اس کو اگر دیکھو گے تو پشیمان ہو کر چلے جاؤ گے اور بحیرہ روم کے عبور کی زحمت کا افسوس کرو گے اور تبدیلِ مذہب کے متعلق کیا خام خیالی ہے اور جزیہ تم کو خود ادا کرنا ہے کہ ہم تم پر حملہ نہ کریں۔

اتنے میں ایک بطریق ننگی تلوار لے کر اسلامی فوج کے سامنے نکلا اور دعوتِ مبازرت دی۔ ایک نومسلم مقابلہ کے لئے نکلا اور چشم زدن میں بطریق کے سر کو لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ گورنر نے یہ رنگ دیکھا تو پوچھا کیا یہ جوان عرب ہے؟ جواب ملا نہیں یہ افریقہ کا ایک معمولی باشندہ ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے اور اس کی مردانگی قبولِ اسلام کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ گورنر ہیبت زدہ ہو گیا اور محل کو لوٹ گیا۔

مگر مسلمانوں نے عام حملہ کا انتظام کیا۔ مقابل رومی فوج صف آرا ہو گئی۔ طبلِ جنگ بجتے ہی جنگی مقابلہ شروع ہو گیا۔ ہر دو طرف سے دادِ شجاعت کے جوہر دکھائے گئے۔ ایک عرصہ تک معرکہ آرائی رہی۔ گورنر نے قسطنطنیہ سے امداد طلب

کی۔ وہاں سے چھ سو جنگی جہازوں کا بیڑا اہلِ صقلیہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوا۔ اسلامی فوج نے مالِ غنیمت کافی جمع کر لیا تھا۔ ادھر افریقیہ، مصر و شام سے کسی امداد کی فوری توقع نہ تھی، انھوں نے راتوں رات ساحلِ صقلیہ کو خیر باد کہا۔ امیر لشکر معہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کے خیریت سے دمشق پہنچ گیا اور امیر معاویہؓ سے مفصل حالات بیان کئے۔ انھوں نے تمام تفصیلی حالات حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تحریر کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے امیر لشکر کے اس طرزِ عمل کو پسند فرمایا۔[1]

اس واقعہ کے بعد مدینہ میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ امیرِ شام خلیفۂ وقت حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور رُومیوں سے صلح کر لی۔ مگر رومیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر صقلیہ کو مضبوط کر لیا اور اس کو مستقل فوجی چھاؤنی بنا لیا۔

حضرت علیؓ ایک خارجی کے ہاتھوں زخمی ہو کر واصل بحق ہوئے اور حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ مگر انھوں نے امیر معاویہ کے حق میں خلعِ خلافت فرمایا اور امیر امیر معاویہؓ کل ممالک اسلامی کے بادشاہ بن گئے تو اُن کے والئ افریقہ نے پھر صقلیہ کی تسخیر کی طرف توجہ کی۔ والی افریقہ امیر معاویہؓ کی طرف سے معاویہ بن خدیج الکندی تھے۔ انھوں نے سنہ ۴۶ھ میں عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں دو سو جنگی جہاز کا بیڑا صقلیہ روانہ کیا۔

عبداللہ مذکور کو بحر روم کی جنگوں کا کافی تجربہ تھا، چنانچہ صقلیہ پر حملہ کیا اور باوجودیکہ قسطنطین بذاتِ خود صقلیہ میں تھا۔ مگر ابن قیس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ افریقہ لوٹ آئے اور غنیمت کا پانچواں حصہ حکومت کے بیت المال کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ زر و جواہر کافی تھے، مرصع سونے چاندی کے مجسمے بھی تھے۔ امیر نے ان کو فروخت کرنے کے لئے

---

[1] فتوح الشام و مصر از واقدی۔

ہندوستان بھیج دیا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے اختلاف کیا۔ مگر انھوں نے کوئی شنوائی نہیں کی [1]

امیر معاویہؓ کے بعد یزید اُن کا جانشین ہُوا جس کے ظلم وستم کی تصویر کربلا کے واقعات میں پوری طرح نظر آتی ہے۔ اس کے بعد واقعہ حرّہ میں کئی سو صحابہ کا قتل آخرش موت کے شکنجہ نے اس کے ظلم وعدوان کا خاتمہ کیا۔ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ وہ چالیس یوم بادشاہ رہ کر واصل بحق ہُوا تو مروان بن حکم جو حضرت عثمانؓ کا چچازاد بھائی اور ان کا امیر منشی تھا جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے شہید کیا۔ اس نے شام پہنچ کر اپنی بیعت لی اور سریر آرائے حکومتِ اسلامیہ ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عبدالملک تخت نشین ہُوا۔ اس کے زمانہ میں افریقہ میں باغیوں کے ہاتھ سے عقبہ بن نافع شہید ہوئے تو اُن کی سرکوبی کے لئے زہیر بن قیس بلوی کو ۶۲ھ میں افریقہ کی ولایت پر بھیجا۔ برقہ میں قیام کیا، پھر قیروان معہ لشکر روانہ ہُوا اور کامیابی حاصل کی۔ ۶۹ھ میں مصر لوٹے۔ شاہ قسطنطنیہ کا رومی لشکر صقلیہ سے برقہ آیا اور اُس کو تاراج کر ڈالا۔ زہیر بھی رومیوں میں گھر گئے اور معہ ساتھیوں کے شہید ہُوئے [2] عبدالملک کو معلوم ہُوا تو اُس نے حسان بن نعمان کو والی مقرر کیا اور چالیس ہزار سپاہی اور مصر کی کنجی اس کے ہاتھ میں دے دی اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا۔

حسان نے افریقہ آکر یہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ حکومتِ قرطاجنہ کا وجود اسلامی مملکت کے لئے سخت خطرہ تھا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں سب سے بڑی طاقت یہی تھی۔ حکومت بیزنطینی، قسطنطنیہ کی طرف سے قرطاجنہ پر گورنر رہا کرتا تھا۔ چنانچہ حسان نے اس حکومت کا ایک معرکہ میں خاتمہ کر دیا۔ یہاں کے لوگ حسان سے اجازت لے کر صقلیہ اور اندلس چلے گئے۔ اس فتح کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بربری زیرِ علمِ اسلامی

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۳۵ [2] ابن اثیر جلد ۴ صد ۹۲

آگئے اور ان کو عربوں کے مساوی حقوق عطا ہوئے۔ قرطاجنہ کی جنگ میں صقلیہ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب ضرورت اشد تھی کہ ان کی معقول گوشمالی کی جائے۔ چنانچہ ٹیونس میں دارالصناعہ قائم کیا گیا جہاں جہاز تیار ہونے اور آلاتِ حرب بننے لگے۔ قرطاجنہ کے زوال کے بعد افریقہ کی اسلامی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اب حسان کا دورِ ولایت ختم ہو گیا اور وہ دمشق چلا گیا۔

فاتحِ یورپ موسیٰ بن نصیر لخمی والیٔ افریقہ مقرر ہوا۔ موسیٰ نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی کارخانہ جہاز سازی کی طرف زیادہ توجہ کی۔ سنہ ۸۴ھ میں کثیر التعداد جنگی جہاز تیار ہو گئے تو موسیٰ نے سنہ ۸۵ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا جو ساحلی شہر کو تاراج کر کے واپس آ گیا۔ چند ماہ بعد سنہ ۸۶ھ میں عیاش بن اخیل نے صقلیہ پر حملہ کیا۔ سرقوسہ پر معرکہ آرائی ہوئی۔ بعد کامیابی مالِ غنیمت لے کر ابن اخیل واپس چلا آیا۔ موسیٰ معزول کئے گئے۔

یزید بن ابی مسلم کاتب حجاج ثقفی والی مقرر ہوا۔ اس نے سنہ ۱۰۲ھ میں محمد بن اوس انصاری کی قیادت میں جنگی بیڑا روانہ کیا۔ اہلِ صقلیہ سے معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں والی قتل کر دیا گیا اس لئے محمد بن اوس واپس آ گیا اور زمامِ حکومت کو سنبھالا۔ کچھ عرصہ میں بشیر بن صفوان کلبی والی ہو کر آیا۔ اُس نے سنہ ۱۰۳ھ میں صقلیہ کی مہم خود ہاتھ میں لی۔ سنہ ۱۰۹ھ میں بذاتِ خود صقلیہ پر حملہ آور ہوا اور کثیر مالِ غنیمت لے کر قیروان واپس آ گیا[1]۔

غرضیکہ جو والی افریقہ کا مقرر ہوتا تھا اس کی طرف سے حملہ ہوتا۔ آخرش ہشام بن عبدالملک کا زمانہ آیا۔ اُس نے بحرِ روم کی طرف توجہ کی اور یہاں کے جزائر پر حملہ آوری کے لئے ایک تجربہ کار قائد عبدالملک بن قطن کو مامور کیا وہ افریقہ آیا اور سنہ ۱۱۴ھ میں صقلیہ روانہ ہوا مگر ساحلی مقامات کو تاراج کر کے

---

[1] البیان المغرب اردو ص ۵۶۔

لوٹ آیا۔ ۱۱۵ھ میں بکر بن سوید بیڑہ لے کر صقلیہ گیا اور ناکام واپس لوٹا۔ ۱۱۶ھ میں عبیدہ بن عبدالرحمٰن کے بجائے عبیداللہ بن الحجاب عہدۂ ولایت پر سرفراز ہُوا۔ اس نے دارالصناعہ ٹیونس پر توجہ کی۔ کثیر التعداد جنگی جہازوں کا بیڑہ تیار کر کے اسی سنہ میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ لشکر راہ میں تھا کہ رومی بیڑے سے مقابلہ پڑ گیا۔ رُومیوں کو مُنہ کی کھانی پڑی [1]

عبیداللہ نے مشہور قائد حبیب بن ابی عبیدہ جو عقبہ بن نافع فہری کے خاندان کا تھا، اس کی سرکردگی میں لشکرِ جرار صقلیہ روانہ کیا۔ حبیب کا لڑکا عبدالرحمٰن بحری فوج کے ساتھ ۱۲۲ھ میں صقلیہ کے دارالحکومت سرقوسہ پر حملہ آور ہُوا۔ اور اس کو فتح کر لیا۔ اہلِ صقلیہ نے صُلح کر لی اور جزیہ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حبیب نے آگے بڑھنا چاہا۔ مگر افریقہ میں بغاوت رونما ہوئی تو ابن الحجاب نے حبیب کو بلا لیا۔ پھر بھی بغاوت فرو نہ ہوئی تو ۱۲۴ھ میں حنظلہ بن صفوان الکلبی ولایت افریقہ پر مامور ہُوا۔ ادھر اموی حکمرانی آخری دَور سے گزر رہی تھی۔ ابومسلم خراسانی نے بنی عباس کی حکومت کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں فاتح سرقوسہ عبدالرحمٰن بن حبیب بن ابی عبیدہ نے افریقہ پر چڑھائی کر دی۔ اور ابن صفوان کو معزول کر کے خود مختار حکمران بن گیا۔

سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اُس نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سفاح کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی تمام افریقہ پر غلبہ حاصل کر کے توجہ صقلیہ کی طرف منعطف کی۔ جزیہ ایک عرصہ سے وصول نہیں ہُوا تھا اس لئے اُس نے حملہ کر دیا۔ اور مالِ غنیمت وافر لے کر واپس آیا اور ادائے جزیہ کے لئے نیا معاہدہ کر آیا۔ پھر ۱۳۵ھ میں عبدالرحمٰن نے سروانیہ پر حملہ کیا اور جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت ہو گئی [2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۷

[2] ۔۔

منصور عباسی سفاح کے بعد سریر آرائے خلافت ہُوا۔ اس نے عبدالرحمٰن کو بدستور ولایتِ افریقہ پر قائم رکھا۔ مگر کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سنہ [illegible] تک اس کے خاندان میں حکمرانی رہی۔ ۱۴۳ھ میں محمد بن اشعث خزاعی افریقہ آیا۔ اس نے افریقہ کی ولایت اپنے قبضہ میں کی۔ مگر ۱۴۷ھ میں دمشق واپس ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن موسیٰ الخراسانی نے ولایت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے بعد ربیع الاوّل ۱۴۸ھ میں اغلب التمیمی ولایت افریقہ پر منجانب خلیفہ والی مقرر ہُوا۔ مگر بغاوت کو فرو کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اغلب کے خاندان نے یہیں اقامت اختیار کی۔ شاہ دمشق اموی کی طرف سے آلِ مہلب کو یہاں کی حکومت سپرد ہوئی۔

۱۵۱ھ سے ۱۸۳ھ تک اس خاندان سے سات وُلاۃ مقرر ہوئے۔ آخر والی محمد بن مقاتل العکی تھا۔ اس کے ایک باغی سردار تمام بن تمیم التمیمی نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ ابن مقاتل نے اس کی امارت قبول کر لی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ پورے افریقہ میں ابتری پھیل گئی۔ اس زمانہ میں اغلب کا بڑا لڑکا ابراہیم جو زاب کا حاکم تھا وہ فوج لے کر قیروان پر حملہ آور ہُوا اور قبضہ کر لیا اور پھر پورے صوبہ کو زیرِ نگین کیا اور محمد بن مقاتل کو زمامِ حکومت سپرد کی۔ اس کی دانائی اور فرزانگی سے تمام افریقہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد ولایت ابن مقاتل سے سنبھل نہ سکی تو بارگاہِ خلافت نے اس کو طلب کر لیا۔ اس وقت سریر آرائے خلافت خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کے حسنِ خدمات کے صلہ میں افریقہ کی زمامِ حکومت اس کو عطا کی۔ ابراہیم نے ملکی نظم و نسق سنبھالا اور کچھ عرصہ میں افریقہ کے کل اسلامی علاقہ کی حالت بہترین ہو گئی اور اس نے سالانہ چالیس ہزار دینار خلیفہ کی خدمت میں بھیجنے شروع کر دیئے۔

ابراہیم کی دانائی اور خوش تدبیری نے مستقل اور خود مختار حکمران کی صُورت

اختیار کی ۔ ۱۹۶ھ میں اس نے وفات پائی اور اس کا جانشین ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم ہوا ۔ خلافتِ عباسیہ نے ابراہیم کی خدماتِ جلیلہ کے صلہ میں افریقہ کی حکمرانی اس کے خاندان میں موروثی قرار دے دی ۔

عبداللہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر حکومت کے نظم و نسق میں لگ گیا ۔ اہلِ صقلیہ نے دس برس کے لئے صلح کا معاہدہ اس سے کیا ۔ مگر ابوالعباس کی زندگی نے وفا نہ کی ۔ ۲۰۱ھ میں راہیِ ملکِ بقا ہو گیا ۔ اس کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم سریر آرائے حکومتِ افریقہ ہوا ۔ یہ نہایت بیدار مغز فرمانروا تھا ۔ اس نے تمام اندرونی بغاوتوں کا استیصال کر کے بحری طاقت بڑھانے کی طرف توجہ کی ۔ کچھ عرصہ میں عظیم الشان بیڑا تیار ہو گیا ۔

صقلیہ کے عیسائیوں نے معاہدہ شکنی پر کمر باندھی اور ۲۱۱ھ میں میکائیل دوم شہنشاہِ قسطنطنیہ نے ان کی معاونت کے لئے ایک شریر النفس بطریق کو گورنر بنا کر صقلیہ بھیجا ۔ اس نے آتے ہی جنگی بیڑا مرتب کیا اور صقلیہ کے ایک تجربہ کار فیمی نامی کی سرکردگی میں افریقہ کے ساحلی مقامات کو غارت کرنے کے لئے بھیجا ۔ اس نے ایک مدت تک ڈاکہ زنی اختیار کی اور اسلامی جہازوں پر چھاپے مارنے لگا ۔ مسافروں کو قتل کر دیتا یا اُن کو صقلیہ لے کر فروخت کر دیتا ۔ اس زمانے میں یزید بن محمد الجمحی جو افریقہ کے جیّد عالم اور محدّث تھے ۔ ۲۱۲ھ میں افریقہ سے شہر مصیصہ کی طرف ایک لشکر کے ساتھ جا رہے تھے ۔ صقلیہ کے رومی بیڑے نکل پڑے اور ان جہازوں پر حملہ آور ہوئے ۔ مسافر فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ان میں یزید بن محمد بھی تھے ۔ ان کا خونِ ناحق رنگ لائے بغیر نہ رہا ۔

امیر البحر فیمی جو سواحل پر تاخت تاراج کر رہا تھا وہ ایک نوجوان نن کو اڑا لایا تھا ۔ میکائیل نے حکم دیدیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے فیمی کو خبر لگی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر صقلیہ پر حملہ آور ہو کر اس پر متصرف ہو گیا اور شاہِ صقلیہ لقب

اختیار کیا۔ میکائل کے اشارہ سے گورنر بلاط نامی نے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فیمی پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے اس کے چچا زاد بھائی نے جو بلرم کا گورنر تھا آ گھیرا۔ سرقوسہ پر خونریز جنگ ہوئی۔ فیمی شکست کھا گیا اور راہِ فرار اختیار کی اور افریقہ چلا آیا اور قیروان پہنچ کر زیادۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پچھلی پیش قدمی کی معافی چاہی اور پھر صقلیہ کے تمام حالات گوش گزار کئے اور اسلامی فوج کشی کی خواہش ظاہر کی۔

زیادۃ اللہ نے فرمایا اکابر و اعیانِ سلطنت کے مشورہ کے بعد جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے اربابِ حل وعقد سے گفتگو کی اور خود اس کے سامنے اہلِ صقلیہ کی خودسری کے واقعات تھے اور معاہدہ کے خلاف عمل تھا۔ آخرش یہ طے ہُوا کہ قاضی القضاۃ اسد بن فرات کی جو رائے ہو وہ فائق ہے۔ ایک گروہِ فقہاء معاہدہ کا مؤید تھا۔ اسد بن فرات کی دلیل یہ تھی کہ میعاد ختم ہو گئی ہے اور اہلِ صقلیہ نے تمام شرائطِ صلح کو نظر انداز کیا لہٰذا ان پر حملہ کرنا چاہیئے۔ قیروان کے اعیان و امراء اور اکثر فقہاء نے قاضی اسد کی تائید کی۔ اس کے بعد سے زیادۃ اللہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور فیمی کو کہلا بھیجا کہ سوسہ میں اسلامی بیڑے کا انتظار کرے۔

صقلیہ سے جو سفیر آئے تھے ان کو صاف جواب دے دیا گیا۔ جب بحری لشکر کا انتظام ہو چکا اور مجاہدین سرفروشی کے لئے جوق در جوق فوج میں شریک ہونے لگے تو سپہ سالاری کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا۔ زیادۃ اللہ کی نظرِ انتخاب قاضی القضاۃ ابوعبداللہ اسد بن فرات بن سنان پر پڑی۔ عمائدینِ سلطنت نے بھی زیادۃ اللہ کی رائے کی تائید کی۔ جب قاضی اسد کو اپنے عہدۂ امارت (امیرالبحر) کی خبر لگی تو اُنھوں نے یہ عہدہ ناپسند کیا اور منصب قضاء کو چھوڑنا نہیں چاہا اور زیادۃ اللہ سے مل کر فرمایا کہ دینی منصب سے مجھ کو جدا کر کے فوج کی قیادت دی جاتی ہے۔ اس پر زیادۃ اللہ نے کہا، قاضی صاحب آپ کو

قاضی کے عہدہ پر قائم و برقرار رکھ کر لشکر کی امارت سپرد کرتا ہوں جو قضاء سے زیادہ اُونچا ہے۔ آئندہ سے آپ قاضی امیر کے نام سے مخاطب کئے جائیں گے۔

اس کے بعد زیادۃ اللہ نے عہدۂ امارتِ فوج و منصب قضاء کی سند لکھ کر قاضی اسد کے حوالہ کی۔ قاضی صاحب سند لے کر مکان واپس آئے اور صقلیہ کی روانگی کا انتظام کرنے لگے۔ علمائے قیروان بھی قاضی صاحب کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لئے فوج میں شریک ہو گئے۔

زیادۃ اللہ نے افریقہ کے ساحلی شہر سوسہ کی طرف لشکر کشی کی۔ روانگی کا حکم دیا اور اعلان کرا دیا گیا کہ تمام ارکانِ سلطنت اور عمائد شہر اور ارباب علم و فضل بلکہ قیروان کا ہر شخص امیر فوج قاضی اسد کی مشایعت کے لئے لشکرِ اسلامی کے ہمراہ سوسہ تک پہنچے۔ غرضیکہ یہ عظیم الشان لشکر بڑے ساز و سامان سے قیروان سے سوسہ روانہ ہُوا۔ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت فوج کے ساتھ تھی۔ اہل قیروان بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ اس موقعہ پر کر رہے تھے۔

غرضیکہ یہ لشکری جلوس سوسہ پہنچا۔ جہاز تیار تھے۔ مجاہدین اس میں سوار ہوئے اور پھر یرے کھول دیئے گئے۔ دس ہزار سر بکف جانباز مجاہدین عرشہ جہاز پر کھڑے اپنی آبدار تلواروں کو جوشِ شجاعت میں بار بار جنبش دیتے تھے۔

قاضی اسد بن فرات، فاتح صقلیہ

قاضی صاحب نے عرشہ جہاز پر رونق افروز ہو کر الوداعی تقریر کی جو ایسی پُراثر تھی کہ ہر شخص آبدیدہ ہو گیا اور فتح صقلیہ کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس عالم میں جہازوں نے لنگر اٹھا دیئے، زیادۃ اللہ اس کامرانی پر مسرور تھا۔ یہ بیڑہ سو جنگی جہازوں کا تھا، اسمیں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ اس بیڑے کے پیچھے فینی اپنے جہاز لئے ہوئے صقلیہ روانہ ہوا[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷ (بخلاصہ)

چنانچہ یہ بیڑا تین دن سفر طے کرنے کے بعد یوم سہ شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۲۱۲ھ کو صقلیہ کے شہر مازر میں لنگر انداز ہو گیا۔ لشکرِ اسلام جہازوں سے اُترا اور بغیر کسی سعی کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قاضی اسد نے مازر میں اپنی مورچہ بندی کی۔ تین یوم رومیوں کی فوج کا انتظار مجاہدین جوش و خروش سے کرتے رہے۔ آخرش قاضی اسد نے شہر کے قلعہ پر اسلامی پرچم بلند کر دیا اور ابوذر کنانی کو مازر کا حاکم مقرر کیا۔ پہلی اسلامی حکومتِ صقلیہ کی داغ بیل تھی۔ اسلامی لشکر کو لے کر قاضی اسد مقام مرج پہنچے۔ یہاں پہلے سے رومی فوج مقابلہ کے لئے تیار تھی۔ مجاہدینِ کرام نے بھی وہاں خیمے نصب کرا دیئے۔ بلاط گورنر صقلیہ نے قاضی اسد کے حالاتِ حملہ کے حکومت بیزنطینی کو مطلع کیا۔

شہنشاہ مائیکل نے صقلیہ کی طرف فوری توجہ کی اور ایک رومی بیڑا قسطنطنیہ سے صقلیہ روانہ کیا اور حکومت وینس سے بھی امداد چاہی۔ اس نے بھی جہاز معہ لشکر کے بھیج دیئے۔ چنانچہ یہ مشترک بیڑا ۲۱۳ھ میں صقلیہ پہنچا۔ غرضیکہ تین طاقتیں اسلامی لشکر سے مقابلہ کے لئے مرج پر آ جمع ہوئیں۔ ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار زیر کمان بلاطہ تھی۔ قاضی اسد کے پاس صرف دس ہزار نفوس تھے۔ البتہ کچھ فوج فیمی کی اسلامی لشکر کے ہمرکاب تھی۔ مگر قاضی اسد نے اس سے کہہ دیا کہ ہمیں تمہاری معاونت کی ضرورت نہیں، تم ہم سے جدا رہ سکتے ہو۔

میدانِ جنگ

قاضی اسد رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لے کر صف بندی کی۔ ایک جماعت علماء کی ساتھ تھی وہ بھی سپاہیوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے تھے۔ قاضی اسد نے لوائے جنگ خود اپنے دستِ مبارک میں لیا اور آگے بڑھے اور مجاہدانہ جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سے سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمائی۔ پھر سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ایسی پُر زور تقریر کی کہ ہر مجاہد سر فروشی کے لئے تیار ہو گیا اور

خود اسد رجز خوانی کرتے ہوئے رومی فوج پر تیغ بکف ٹوٹ پڑے۔ پرے کے پرے کاٹ کر رکھ دیئے۔ فوج قاضی اسد پر زیادہ متوجہ تھی، مگر اس مجاہدِ اعظم اور آیات اللہ کے مقابلہ سے عاجز تھی۔ مجاہدین نے اپنے امیر اور امام کا یہ رنگِ شجاعت اور بہادری کا دیکھا تو انہوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور دادِ شجاعت دی۔ آخر بزدل نصرانیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور ڈیڑھ لاکھ فوج دس ہزار کے مقابلے پر درہم برہم ہونے لگی اور فوجیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ ہزار ہا رومی قتل ہوئے مالِ غنیمت بہت سا قاضی اسد کے ہاتھ لگا۔

اس پہلی معرکہ آرائی کی اطلاع زیادۃ اللہ کو روانہ کی گئی۔ اس نے قاضی اسد کی کارگزاری کا مژدہ خلیفہ مامون الرشید کو بھیجا۔ اس جنگ میں بلوط گورنر صقلیہ نے شکست کھائی اور سرزمینِ صقلیہ چھوڑ کر قلوریہ جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ سرقوسہ کی زمامِ حکمرانی یہاں کے پیشوا بطارقہ کے ہاتھ میں آ گئی اور اہلِ صقلیہ بے یار و مددگار رہ گئے۔ قاضی اسد مرج کا انتظام کر کے لیکہ فیمی پہنچے۔ مگر کوئی جماعت مقابلہ کے لئے نہیں نکلی تو آگے بڑھ کر کنیسۂ مسلقین میں آکر لشکرِ اسلامیہ خیمہ زن ہوا۔ قاضی اسد کے فاتحانہ اقدام کا قرب و جوار پر بڑا اثر پڑا۔ قلعہ کراث کے لوگ اپنے بطارقہ کو لے کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان طلب کی اور برضا و رغبت جزیہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ قاضی صاحب نے ان کو مطمئن کر دیا جس کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔

فیمی نے قاضی اسد کی کامرانی دیکھی تو خفیہ طور سے اہلِ صقلیہ کو ورغلایا اور قلعہ کراث کے لوگ بھی اس کے دامِ تزویر میں آ گئے، قلعہ کو مستحکم کیا اور قرب و جوار کے گرجوں کا زر و جواہر سمیٹ کر اس قلعہ میں جمع کر کے قلعہ بندی کر لی۔

قاضی اسد اہلِ جزیرہ کی عہد شکنی اور جنگی تیاریوں سے باخبر تھے۔ فیمی کو نظرانداز کر کے فوج کو اطراف و جوانب میں پھیلا دیا اور سرقوسہ کو گھیر لیا۔ اہلِ جزیرہ قلعہ بند ہو چکے تھے۔ شہر پناہ کے نیچے لشکر نے پڑاؤ کیا۔ سرقوسہ کے تین طرف سمندر

تھا، ایک طرف خشکی، اسد نے جہاز متعین کر دیئے۔ اتنے میں افریقیہ سے اسلامی فوج آگئی۔ ادھر بلرم سے رومی لشکر آگیا جس نے اسد کی فوج کو گھیر لیا۔ اسد نے اپنے اردگرد خندق کھدوا دی اور رومیوں کے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ محاصرہ کی سختی سے آب ودانہ محصورین کا بند ہو گیا تو گھبرا کر طالبِ امان ہوئے۔ مگر قاضی صاحب کو ان کی پہلی غداری کا تجربہ ہو چکا تھا آخر کار زیادہ عرصہ گزرنے سے دونوں طرف مصیبت کا سامنا تھا۔ محصورین فاقوں مرنے لگے۔

ادھر اسلامی لشکر کو بھی رومی لشکر کی وجہ سے رسد پہنچنے میں دقت ہونے لگی۔ کچھ لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ افریقیہ جانا چاہتے تھے۔ ابن قادم اس جماعت کا سرگروہ تھا۔ قاضی صاحب نے ہمتِ مردانہ سے کام لیا۔ ابن قادم جو بہت بڑھ گیا تھا اس کے دُرّے لگوا دیئے۔ اس طرح تمام فوج پر قاضی کی ہیبت چھا گئی۔ مگر معمولی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، اس میں امیر لشکر بھی زخمی ہو گئے تھے۔ چنانچہ زخم آگے چل کر مرض الموت میں تبدیل ہو گئے۔

ربیع الآخر ۲۱۳ھ میں فاتح صقلیہ واصل بحق ہو گیا اور اسی سرزمین میں سپردِ خاک ہُوا۔ جس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ قاضی اسد افریقیہ میں ہردلعزیز تھے۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ خود زیادۃ اللہ کو بے حد صدمہ ہُوا اور قیروان میں بھی ان کے نام کی مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔

قاضی اسد کے انتقال کے بعد لشکریوں نے امیر محمد بن ابی الجواری کو جو اسلامی لشکر کا امیر تھا اپنا امیر منتخب کر لیا جس نے حکومت مفتوحہ علاقہ کی اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

محمد بن ابی الجواری

قاضی اسد کے بعد امیر منتخب ہُوا۔ اس نے بھی سرقوسہ کا محاصرہ قائم رکھا۔ مگر بزنطینی امداد پہنچ جانے سے ہمت ہار گیا۔ ادھر اسلامی لشکر میں وبا

پھیل گئی تھی۔ آخر کار سرقوسہ کا محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور جہازوں پر بیٹھ کر معہ بقیہ لشکر کے افریقہ روانہ ہُوا۔ مگر بنر بطینی جہازیکا یک نمودار ہو گئے اور انہوں نے راستہ روک لیا۔ مسلمانوں میں ایک دم شجاعت عود کر آئی اور وہ ساحل کی طرف لوٹے اور جہازوں سے اُتر کر اپنے تمام جہاز جلا دیئے اور دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس واقعہ کے اثر رومیوں پر زبردست پڑا۔ مجاہدین نے جوش وخروش سے شہر میناؤ پر حملہ کر دیا۔ تین دن بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر جرجنت فتح کر لیا۔ ان دونوں کو مسلمانوں سے آباد کیا۔

اب تین شہر صقلیہ کے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اس کے بعد قصر یانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں فیمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ قسطنطنیہ سے میکائل ثانی نے بطریق تھیوڈوٹس کی سرکردگی میں ایک فوج قصر یانہ بھیجی۔ مجاہدوں نے اس کو شکست دیدی۔ بقیہ لشکر قصر یانہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مجاہدین نے قصر یانہ کی پہاڑی کے دامن میں پختہ مکان بنائے اور اردگرد کے علاقہ پر فوج کے دستے بھیج دیئے۔ اس دوران میں ۲۱۳ھ کو ابی الجواری نے وفات پائی۔ ان کا جانشین مجاہدین کا ایک رکن زہیر بن غوث منتخب کیا گیا۔ یہ آزمودہ افسر تھا اور عنانِ امارت سنبھال کر قصر یانہ کی فتح کی تدبیر میں لگ گیا۔ مگر رومیوں نے پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخرش قصر یانہ سے ہٹ کر میناؤ پہنچے۔ رومی یہاں بھی پہنچ گئے۔ رسد کا سلسلہ بند ہو گیا مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور خدا سے لو لگائے بیٹھے رہے۔ یکایک اندلس سے ۲۱۴ھ میں اسلامی بیڑا بحرہ روم کا چکر لگاتا ہُوا صقلیہ کے ساحل پر ٹھہرا۔ ابن عذاری کہتا ہے کہ تین سو جہاز تھے اور یہ بیڑا عبدالرحمٰن ثانی اموی کا تھا۔

امیر زیادۃ اللہ اندرونی بغاوتوں میں ایسا اُلجھا تھا کہ وہ مجاہدین صقلیہ کو اس زمانے میں کوئی مدد نہ دے سکا۔ جب افریقہ کے علاقہ میں امن وامان قائم کر

چکا تو اس نے ایک کمک سلیمان بن طرطوسی کی سرکردگی میں صقلیہ بھیجی۔ یہ تین سو جہاز تھے جس میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ یہ بیڑا صقلیہ پہنچا۔ اندلس کا بیڑا موجود تھا سپہ سالار اندلس نے اس بیڑے کی فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور میناؤ کے مجاہدین کی معاونت کے لئے روانہ ہو گئے۔

رومیوں نے مقابلہ کیا مگر ان کو سخت شکست ہوئی۔ رومی بہت کام آئے اس کے بعد بلرم پر حملہ کر دیا۔ یہ صقلیہ کا مشرقی دارالحکومت تھا۔ گورنر بلرم نے مقابلہ کیا مگر اس کو محصور ہونا پڑا۔ فرغوش سپہ سالار اندلس نے ایسا گھیرا کہ رسد اہلِ قلعہ کی بند ہو گئی۔ صدہا آدمی یومیہ بھوک کے مرنے لگے۔ مجبور ہو کر گورنر نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور فرغوش سے آکر ملا اور امان کا طالب ہوا۔ فرغوش نے اس کو امان دی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ آبادی کا بڑا حصہ بھوکوں مر چکا تھا۔ ستر ہزار میں سے صرف تین ہزار باقی رہ گئے تھے۔ گورنر بلرم قسطنطنیہ چلتا بنا۔ مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ کر کے پہلے شہر کا انتظام کیا۔ کاروبار تجارت نئے سرے سے شروع ہوا۔ غرضیکہ مسلمانوں کی روزافزوں ترقی ہونے لگی۔ اندلسی اور افریقی مجاہدین میں مسلمان گورنر کے انتخاب میں جھگڑا شروع گیا۔ اس اثنا میں زیادۃ اللہ نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن عبداللہ بن الاغلب کو صقلیہ کے لئے نائب السلطان مقرر کیا جس نے صقلیہ جا کر زمامِ ولایت اپنے ہاتھ میں لے لی[1] جس سے اندلسی اور افریقی مجاہدین کی باہمی بدمزگی رفع ہو گئی۔

محمد بن عبداللہ بن الاغلب

محمد بن عبداللہ، ابراہیم بانی دولتِ اغلبیہ کا پوتا تھا اور زیادۃ اللہ کا بھتیجا تھا۔ اُس نے صحیح معنی میں حکمرانی کرنا شروع کی۔ اسلامی حکومت کا نظم ونسق

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۳، ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

جاری کیا۔ سول اور فوجی نظام کے دو صیغے قائم کئے۔ سول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور فوج کا ایک امیر مقرر کیا جس کو اپنے تحت میں رکھا۔ بلرم کو پایۂ تخت قرار دیا۔ مضافات کو قائدین فوج کو عطا کیا جو زمیندار اس علاقہ کے بن گئے۔ اس کے علاوہ اس پہلے والی نے تمدنی ترقی کی طرف توجہ کی۔

رومی معاشرت بے ڈھنگی تھی، ان کے اخلاق خراب تھے۔ عیسویت نے اپنے طریقۂ عمل سے بت پرستی کو مات کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی سادہ زندگی اور ان کی عبادت گذاری و پاک بازی کا اہلِ بلرم پر بڑا اثر پڑا اور وہ بھی مسلمانوں کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ والی کو تعلیم سے دلچسپی تھی۔ اس کے سوا جو علماء قاضی اسد کے ساتھ آئے تھے اُن کی خبر گیری کرنے لگا۔

جب حکومت کا معقول انتظام کر چکا تو ۲۱۹ھ میں لشکر تیار کر کے قصر یانہ روانہ کیا۔ مگر رومی مقابلہ کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ فوج بلرم لوٹ آئی اور دوسرے سال عظیم الشان لشکر قصر یانہ روانہ ہُوا۔ کمان خود والی محمد بن عبداللہ نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اہلِ قصر یانہ نے زبردست مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ والی مالِ غنیمت لے کر بلرام لوٹ آیا اور اس نے فوجی دستے قصر یانہ کے ارد گرد علاقوں پر روانہ کئے جنھوں نے جزیہ پر فیصلہ کیا اور باشندوں کو امان دی۔ محمد بن عبداللہ اغلبی نے ۲۲۰ھ میں شہر طبریہ پر حملہ کے لئے محمد بن سالم کو بھیجا۔ اس نے بلرم سے لے کر طبر (صقلیہ کے مشرقی ساحل پر تھا) تک کے زرخیز علاقہ کی تاخت کی اور کامیابی حاصل کر کے مالِ غنیمت کا وافر حصہ لشکر میں جمع کر لیا۔ ایک جماعت محمد بن سالم سے بگڑ گئی اور اس کو قتل کر دیا۔

زیادۃ اللہ کو خبر ہوئی۔ اس نے فضل بن یعقوب کو اس عہدہ پر سرفراز کر کے ایک لشکر کے ساتھ صقلیہ روانہ کیا۔ اس کے بلرم آتے ہی والی نے نواحی سرقوسہ کی مہم سپرد کر دی۔ اس نے تمام علاقہ کو تاراج کر ڈالا اور کثیر مالِ غنیمت لے کر بلرم لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد خود والی لشکر کو لے کر گیا اور کامیابی تو ہوئی نہیں لیکن رومیوں

کا مالِ غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جن لوگوں نے سپہ سالار کو قتل کیا تھا وہ والی سے بھی بگڑ گئے تھے۔ زیادۃ اللہ نے محمد کو معزول کر کے اس کے بڑے بھائی ابوالاغلب جو کہ تجربہ کار شہزادہ تھا اس کو بلرم کے انتظام حکومت کے لئے بھیج دیا[1]

ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ

رمضان سنہ ۲۲۰ھ کو افریقیہ سے ابوالاغلب روانہ ہوا اور صقلیہ پہنچا۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں لی۔ یہ نہایت ہوشمند تھا۔ اس کو خود مختار بنا کر زیادۃ اللہ نے یہاں بھیجا تھا۔ راستہ میں رومی قزاقوں نے اس کو پریشان کیا تھا۔ اس نے پہلے ان کی بحری طاقت کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے عظیم الشان بیڑہ تیار کیا اور ڈاکوؤں کے بیڑے کو جا لیا اور ایسی آتش باری کی کہ رومی بیڑہ تابِ مقاومت نہ لا سکا اور ڈاکو مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اسلامی بیڑہ منظفر و فتحیاب بلرم لوٹا۔ ابوالاغلب نے اسیر قزاقوں کو قتل کرا دیا۔

افریقیہ اور صقلیہ کے درمیان میں جو جزائر تھے ابوالاغلب نے ان کی تسخیر کی طرف توجہ کی اور خود جنگی بیڑا لے جا کر قرب و جوار صقلیہ کے جزائر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی کوہ آتش فشاں اٹنا کے نواح میں ایک فوج بھیجی جس نے متعدد قلعے فتح کئے اور علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا اور ایک لشکر قسطلیانیہ زیر سرکردگی عبدالسلام بن عبدالوہاب روانہ کیا جہاں ان کو کامیابی ہوئی۔ رومی بہت سے کام آئے۔ مگر دھوکہ سے بہ امیرِ لشکر گرفتار ہو گئے تھے، فدیہ دے کر رہا ہوئے۔

سنہ ۲۲۲ھ میں اسلامی لشکر بلرم سے قصریانہ گیا۔ رومیوں سے مقابلہ ہوا مگر رومی قلعہ بند ہو گئے۔ رات میں بعض شہر پر مسلمان قابض ہو گئے۔ رومی فوج شہر میں محصور تھی۔ آخرش اہلِ شہر نے امان طلب کی۔ امیر لشکر نے امان دی اور معاوضہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۹۔

لے کر اسلامی لشکر بلرم چلا آیا۔ مہم قصریانہ کے بعد ساحلی شہر جفلوذی پر مسلمانوں نے حملہ بول دیا۔ مگر کشت وخون سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اسی زمانہ میں ۱۴ ر رجب ۲۲۳ھ کو افریقہ اور صقلیہ کا بیدار مغز فرمانروا زیادۃ اللہ قیروان میں فوت ہو گیا اور اس کا جانشین ابو عقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب ہوا۔ جو کچھ عرصہ افریقہ کے انتظام میں لگا رہا۔ پھر اس نے صقلیہ کی طرف توجہ کی اور کمک صقلیہ روانہ کی۔

ابوالاغلب نے جنوبی اٹلی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے تعلقات قائم کرنا چاہے۔ نیپلس نے صلح کر لی اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا معاہدہ طے پا گیا۔ جس کے بعد ہی مسلمانوں نے اٹلی کے مشرقی ساحل کے مشہور شہر برینڈزی پر بحری حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور پھر بندرگاہ باری پر متصرف ہو گئے۔ اب مسلمان اٹلی کے علاقہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے اور اٹلی کی ریاستوں پر اسلامی طاقت کا سکہ جم گیا۔ ابوالاغلب کے عہد میں جزیرہ کے تہائی حصہ پر عرب قابض ہو گئے۔ [1]

ابو عقال اغلب ۲۳ ربیع الآخر ۲۲۶ھ کو فوت ہو گیا تو ابوالاغلب کا چچا زاد بھائی ابوالعباس محمد بن اغلب جانشین ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لیکر اُس نے ایک لشکر فضل بن جعفر ہمدانی کی سرکردگی میں مسینا فتح کرنے کے لئے بھیجا جس نے مقابلہ کی فوج کو قلعہ بندی پر مجبور کر دیا۔ یہ بھی محاصرہ کر بیٹھے۔ کبھی کبھی ہر دو میں جنگی مقابلہ ہو جایا کرتا۔ فضل نے آخرش مسینا کو فتح کر لیا۔ اب صقلیہ میں دو حکومتیں بن گئیں۔ مسینا کا والی فضل بنا دیا گیا۔ ابوالاغلب اور فضل نے جو قلعے فتح کرنے ضروری تھے وہ تسخیر کر لئے۔ غرضیکہ فتح مسینا کے بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ کی۔

غرضیکہ فضل نے مسینا کے نظم ونسق کے بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۔ تاریخ عرب موسیو سیدیو اردو صہ ۲۴۴۔

توجہ کی۔ سنہ ۲۳۰ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اٹلی روانہ ہوا اور طارنت پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کر لیا اور اسلامی آبادی قائم کر دی گئی [۱]

اٹلی میں خلفون اور مفرج کی سرگرمیاں

ایک جنگجو بہادر خلفون بربری جو قبیلہ ربیعہ کے موالی میں سے تھا، ملک گیری کے خیال سے افریقہ سے ایک جماعت کو لے کر نکلا اور شہر باری پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی مفرج بن سالم اپنے ساتھیوں کو لے کر اٹلی پہنچا اور چوبیس قلعے فتح کر لیے۔ ہر دو جماعتیں مل گئیں اور مفرج سردار مان لیا گیا جس نے باری کو صدر مقام بنا کر ایک مختصر سی اسلامی اسٹیٹ قائم کر لی اور والی مصر کے ذریعہ بارگاہِ خلافت سے سندِ حکومت حاصل کر لی اور سب سے پہلے اٹلی میں جامع مسجد اسی نے تعمیر کرائی۔

اٹلی کی اس اسلامی حکومت نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنا شروع کیا۔ اٹلی کے شہروں، قصبوں پر تاختیں شروع کر دیں۔ ان کی فاتحانہ سرگرمی نے صقلیہ اور افریقہ کے لوگوں کو معاونت پر آمادہ کر دیا۔ اسلامی بیڑا مدد دیتا رہا غیطہ، ملفی بھی اس حکومت کے قبضہ میں آ گئے اور دریائے جارلیون پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے دریائے ٹائبر کے ذریعہ اندرون ملک میں داخل ہونا چاہا لیکن اہلِ اٹلی کی طرف سے سخت مزاحمت ہوئی۔ پوپ کے حکم سے شہر استیہ کے حصار زیادہ اونچے کر دیئے گئے مگر مجاہدینِ اسلام شہر روم پر حملہ آور ہوئے، سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے مشہور گرجوں کو لوٹ لیا اور اسی طرح چند اور بھی شہر برباد کر دیئے گئے۔ فاتح اٹلی فضل بن جعفر نے سنہ ۲۳۲ھ میں میسنا کے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۷ صہ؟ ۔

مضافات میں پیش قدمی کی لنتینی شہر پر حملہ کیا، یہ سرقوسہ سے پچیس میل تھا۔ بالآخر فضل نے بزور شمشیر لنتینی کو فتح کر لیا۔

بلرم سے ایک اسلامی لشکر رغوس (سمندر سے سات میل) پہنچا۔ ۲۳۴ھ میں اس کا محاصرہ کیا۔ اہل رغوس تاب مقاومت نہ لا سکے اور شہر کو خود تباہ کر دیا اور خالی کر گئے۔ غرضیکہ ۲۳۴ھ تک صقلیہ کے مرکزی شہر مسلمانوں کے اقتدار میں آگئے۔ جس سے ایک طرف پورا جنوبی علاقہ اب اسلام کے زیر نگین تھا۔

گورنر صقلیہ جو بیزنطینی حکومت کی طرف سے تھا اس نے سرقوسہ سے قصریانہ دارالحکومت منتقل کر دیا جس سے بلرم اور قصریانہ قریب ہو گئے۔ ابوالاغلب نے ۲۳۵ھ میں قصریانہ کو لینا چاہا مگر ناکام لوٹا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ۲ رجب کو مجاہد اعظم ابوالاغلب ابراہیم عبداللہ نے وفات پائی۔ سولہ[16] سال حکمرانی کی۔ اس کا عہد بہترین تھا کیونکہ اقتصادی حیثیت سے نمایاں ترقیاں ہوئیں۔ اس نے خود مختارانہ حکمرانی کی۔ اس کے عہد کی خصوصیت اسلامی علوم کی ترقی تھی۔ قاضی اسد کے عہد سے یہاں علمی مشاغل شروع ہو گئے تھے۔ مسجدیں دینی علوم کی درس گاہیں تھیں۔

عباس بن فضل

ابوالاغلب کی وفات کے بعد مسلمانان صقلیہ نے امیر لشکر عباس بن فضل کو اپنا والی منتخب کر لیا اور ابوالعباس اغلبی سے سند ولایت کی خواہش کی۔ ادھر عباس نے زمام حکومت سنبھالی۔ ۲۳۷ھ میں ابوالعباس نے سند ولایت لکھ کر بھیج دی۔ اس فرمان کے بعد عباس نے فوج کی تنظیم کی طرف توجہ مبذول کی۔ بری و بحری حصوں میں تقسیم کیا۔ بری فوج اپنے چچا رباح بن یعقوب کی سپہ سالاری میں دی اور بحری فوج کا افسر اعلیٰ اپنے بھائی علی بن فضل کو مقرر کیا جنھوں نے رومی علاقہ کو اپنے حملوں سے پائمال کر دیا۔ قلعہ ابی ثور قبضہ میں آگیا۔ والئ افریقہ

ابوالعباس محمد بن اغلب نے ۱۰ محرم ۲۴۲ھ کو وفات پائی اور ابو ابراہیم احمد بن محمد والی مقرر ہوا جس نے عباس کو ولایت صقلیہ پر برقرار رکھا۔ عباس نے بقیہ حصہ صقلیہ پر متواتر حملے کئے۔ آخر کار ۲۴۴ھ میں قصر یانہ کو اپنے حسنِ تدبیر سے فتح کر لیا۔ امرائے بزنطینی اس معرکہ میں کام آئے۔ مسلمانوں کو بڑی دولت ہاتھ لگی۔ فتح قصر یانہ کے بعد عباس نے یہاں جامع مسجد تعمیر کرائی[۱] عیسائی مورخ کہتے ہیں گرجے کو مسجد بنایا۔ مگر ان کی یہ روایت کذب پر مبنی ہے۔ یہاں جس قدر مالِ غنیمت ملا پانچواں حصہ حکومتِ اغلبیہ کے نذر کیا اور تحائف بطور نذرِ عقیدت خلیفہ عباسی المتوکل باللہ کے حضور میں بغداد ارسال کئے گئے۔ ان تحائف میں نوجوان شہزادیاں بھی تھیں۔

قسطنطنیہ سے بحری بیڑا انتقام میں آیا شکست کھا کر لوٹ گیا۔ عباس نے قصر یانہ کو مستحکم کر کے رومیوں کے مقابلہ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ جب لشکرِ اسلامی منظم ہو گیا تو ۲۴۶ھ میں رومی قلعوں پر حملہ کر دیا۔ شطرابلا، ابلاطنو، بلّوط قلعہ عبدالمومن فتح ہو گئے۔ اس کے بعد رومی بیڑا پھر مقابلہ کے لئے آیا اور وہ بھی جفلودی میں شکست کھا گیا اور سرقوسہ میں رومی پناہ گزین ہو گئے۔

عباس بعد کامرانی قصر یانہ واپس آ گیا اور قصر یانہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ خاص خاص مقامات کی قلعہ بندی کی۔ ۲۴۷ھ میں عباس نے پھر سرقوسہ پر حملے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی نواحِ سرقوسہ غیران قرقنہ کو تاخت و تاراج کیا ہی تھا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تین یوم بیمار رہ کر ۲ جمادی الآخر ۲۴۷ھ میں یوم جمعہ کو جنت الفردوس سدھارا۔ مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر وہیں سپردِ خاک کیا اور اسلامی لشکر بلرم واپس لوٹ آیا۔ رومی عباس کے نام سے تھراتے تھے، زندگی میں کچھ نہ بگاڑ سکے، بعد کو قبر سے لاش نکال کر آگ میں جلا ڈالی۔[۲]

---

[۱] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۲ [۲] ایضاً

احمد بن یعقوب والی صقلیہ

عباس کے بعد ابوابراہیم احمد بن محمد بن اغلب نے مسلمانوں کی منشاء پر احمد بن یعقوب کو والی مقرر کر دیا۔ یہ عباس کا چچا تھا اور عباس کا لڑکا عبداللہ، وہ متمنی ولایت کا تھا۔ اس سے اور ان سے باہمی رنجش ہو گئی۔ آخرش ابن یعقوب نے ابن عباس کو ولایتِ صقلیہ سپرد کر دی اور واقعہ کی اطلاع ابوابراہیم اغلبی کو افریقہ بھیج دی۔ عبداللہ بن عباس پانچ ماہ والی رہا۔ قلعہ انہنین اور قلعہ مشارعہ اس نے فتح کئے کہ اغلبیہ خاندان کا ممتاز رکن خفاجہ بن سفیان کو والیٔ افریقہ نے عبداللہ بن عباس کے بجائے والی صقلیہ کر دیا۔

خفاجہ بن سفیان

خفاجہ ابن سفیان بن سوادہ بن سفیان برادر اغلب بن سالم نے جمادی الاولی ۲۴۸ھ میں افریقہ سے صقلیہ آکر عنانِ حکومت سنبھال لی۔ اپنے بیٹے محمود کو سپہ سالار کیا اور اس کی کمان میں لشکر دے کر سرقوسہ بھیجا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مالِ غنیمت لے کر محمود بلرم چلا آیا۔ ابھی ایک سال خفاجہ کو حکمرانی کرتے گزرا تھا کہ والی افریقہ ابوابراہیم احمد بن محمد بن اغلب اٹھائیس سال کی عمر میں بماہ ذیقعدہ ۲۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کا جانشین ابو محمد زیادۃ اللہ ثانی بن محمد بن اغلب ہوا۔ اس کی طرف سے بھی خفاجہ ہی والی رہا۔[1]

خفاجہ نے محرم ۲۵۰ھ میں شہر نوطس کو جو سرقوسہ سے ایک مرحلہ پر واقع تھا بلا خون بہائے فتح کر لیا۔ شہر پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ مالِ غنیمت بہت ہاتھ آیا۔[2] پھر خفاجہ نے لشکر شکلہ کی طرف روانہ کیا۔ اس نے اس پر بھی قبضہ کیا۔ ادھر یہ واقعات گزر

---

[1] البیان المغرب ترجمہ اردو ص۵۳ [2] ابن اثیر جلد ۷ ص۶۹۔

رہے تھے کہ ابو محمد زیادۃ اللہ نے ایک سال چھ دن حکمرانی کر کے ۹ ذیقعدہ ۲۵۰ھ کو انتقال کیا۔ اس کا جانشین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب ہوا۔ اس والی نے بھی خفاجہ کو صقلیہ کی ولایت پر برقرار رکھا۔ خفاجہ نے سرقوسہ کی طرف اپنے لڑکے محمود کو معہ لشکرِ اسلام کے بھیجا، رومی مقابل آئے۔ ایک ہزار لشکری ان کے کام آئے۔ یہ واقعہ ۲۵۲ھ کا ہے۔

اس کے دوسرے سال طبرین کی طرف اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ مگر اہلِ شہر نے خفاجہ سے امان طلب کی اور خود شہر سپرد کر دیا۔ یہاں کے انتظام کے بعد خفاجہ دوسری طرف متوجہ ہوا۔ بیزنطینی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہونے کے اسباب پیدا ہو چکے تھے۔ قیصرِ روم باسل کو اس خطرے نے چونکا دیا اور اس نے خفیہ ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال مقبوضاتِ اسلامی میں پھیلا دیا۔ یہاں کے عیسائی باشندے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ شہر طبرین میں بغاوت رونما ہوئی۔ خفاجہ نے محمود کو بھیج کر غداری اور بدعہدی کا مزہ عمائدِ شہر کو چکھا دیا۔ ۲۵۳ھ میں بغاوت کا استیصال ہو گیا۔ اسی طرح رغوس نے بھی سر اٹھایا۔ خفاجہ نے اس کی بھی گوشمالی کر دی۔ ایک شخص کو جلاوطن کر دیا اور تمام شہر پر کامل تصرف ہو گیا۔

دوسرے مقامات پر بھی باسل کے اُٹھائے ہوئے فتنے تھے وہ سب ملیا میٹ کر دیئے گئے۔ مگر باسل مقدونی نے ایک جنگی بیڑا صقلیہ بھیجا، خفاجہ کو اطلاع ملی تو اس نے بھی ایک بیڑے کا محمد کو امیر البحر مقرر کر کے دشمن کے بیڑے کی نگرانی سپرد کی اور خود خفاجہ بلرم سے ۲۵۴ھ میں روانہ ہو کر ایک جگہ مقیم ہوا اور ایک دستہ فوج سرقوسہ روانہ کی۔ بیزنطینی بیڑہ بطریق کی سرکردگی میں صقلیہ پہنچا۔ جہاز سے فوج ساحل پر اُتری۔ خفاجہ موقعہ پر معہ لشکر کے پہنچا۔ رومیوں سے سخت مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے ہزارہا عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ رومی شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ فتحیابی کے بعد خفاجہ سرقوسہ گیا مگر ناکام بلرم لوٹ آیا اور ماہ رجب ۲۵۴ھ میں ایک عظیم الشان بیڑا محمد کی سرکردگی میں اٹلی روانہ کیا

جو شہر غیطہ پہنچا اور محاصرہ کر لیا مگر ناکام رہا۔ مضافات سے مالِ غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جہاز بھر کے محمد، بلرم واپس آ گیا۔

اٹلی میں اسلامی مقبوضات مفرج بن سالم کی نگرانی میں تھے۔ مگر مسلمانوں کی باہمی مخالفت میں کشت وخون کی نوبت پہنچی۔ مفرج اس کی نذر ہو گیا تو یہ تمام مقبوضات صقلیہ کی اسلامی حکومت کی نگرانی میں آ گئے [1]

خفاجہ نے سرقوسہ پر ربیع الاوّل ۲۵۵ھ میں چڑھائی کی۔ رومی مقابلہ پر آئے ہمت ومردانگی کے وہ جوہر دکھلائے کہ اسلامی لشکر کو بلرم واپس آنا پڑا۔ خفاجہ کا یہ سفر سفرِ آخرت تھا۔ چنانچہ خفاجہ کو یکم رجب ۲۵۵ھ کو وادیٔ بطن میں خلفون بن ابن زیاد نے قتل کر دیا، لاش بلرم لائی گئی اور دفن کی گئی [2] اس کا جانشین مسلمانانِ صقلیہ نے اس کے لڑکے محمد کو کر دیا۔

محمد بن خفاجہ والیٔ صقلیہ

والیٔ افریقہ نے اس انتخاب کو بہ نظرِ استحسان دیکھا اور فرمانِ ولایت اور خلعت محمد کے نام بھیجا۔ محمد نے اپنے چچا عبداللہ بن سفیان کو امیرِ لشکر کیا جس نے نواحِ سرقوسہ پر فوج کشی کی مگر ناکام لوٹا۔

حکومت بیزنطینی نے مالٹا جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا حملہ کر دیا۔ محمد بن خفاجہ نے یہ خبر سنتے ہی اسلامی لشکر بھیج دیا جس نے رومیوں کو مار بھگایا اور مالٹا میں اسلامی حکومت برقرار رہی [3]

محمد بن خفاجہ کو انتظامِ حکومت سنبھالے دو برس ہوئے تھے کہ اس کے خواجہ سرا نے ۳ رجب ۲۵۷ھ کو اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانانِ صقلیہ نے محمد بن ابی الحسین کو عارضی اپنا والی مقرر کر لیا۔ مگر والی افریقہ نے ابن ابی الحسین کے بجائے رباح بن

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳۰۰ [2] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱ [3] ایضاً۔

یعقوب کو ولایتِ صقلیہ پر مقرر کیا۔

رباح بن یعقوب

رباح کے بھائی عبداللہ بن یعقوب کو مقبوضاتِ ایطالیہ کا والی بنا کر اٹلی روانہ کیا تاکہ اسلامی مقبوضات حکومتِ صقلیہ سے الگ ایک جدید حکومت کے ماتحت رہے۔ مگر ہر دو بھائی کچھ روز بھی حکمرانی نہ کر سکے۔ محرم ۲۵۵ھ کو رباح فوت ہوا اور صفر میں عبداللہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رباح کا جانشین حسین بن رباح ہوا اور ابوالعباس بن یعقوب بن عبداللہ نے جنوبی اٹلی کی حکومت ہاتھ میں لی مگر اس کی عمر نے بھی وفا نہ کی۔ ربیع الاول ۲۵۶ھ میں وہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی تخت نشین ہوا مگر حکومت سنبھال نہ سکا۔

لیو ثانی شاہ اٹلی کی فوج تین سال سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آخرش شہر باری مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد شہر سلرنو بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ مرکزی شہر مسلمانوں کے لئے شہر طارنت قرار پایا۔[1]

حسین بن رباح

حسین کی ولایت کی تصدیق والی افریقہ نے بھیج دی۔ اس نے بھی سرقوسہ پر حملہ کیا۔ رومیوں نے صلح کر کے مسلمان قیدی رہا کر دیئے۔ یکایک والی افریقہ نے حسین کو معزول کر کے عبداللہ بن محمد کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

عبداللہ بن محمد

عبداللہ سابق والی صقلیہ محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب کا فرزند تھا۔ کچھ

---

[1] تاریخ عرب موسیو سیدیو۔

عرصہ صقلیہ میں رہا۔ پھر والی افریقیہ نے طرابلس الغرب کا والی کر دیا اور اس کے بجائے ابو ملک احمد بن عمر بن عبداللہ بن ابراہیم المعروف بہ حبشی والی صقلیہ مقرر ہوا۔ اس نے زمامِ حکمرانی ہاتھ میں لی۔ اس اثناء میں ابو عبداللہ محمد بن احمد والی افریقیہ نے دس سال پانچ ماہ ولایت افریقیہ پر سرفراز رہ کر ۶ رجمادی الاولیٰ ۲۶۱ھ کو وفات پائی۔ وفات سے چند دن پیشتر اپنے نابالغ لڑکے ابو عقال کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر اس کے بھائی نے اس کی زندگی میں ابو عقال کی تصدیق کر دی تھی۔ بعد کو ابو عقال کو رد کر کے خود تختِ حکومت پہ بیٹھ گیا۔ یہ بیدار مغز فرمانروا ثابت ہوا۔ خود صاحبِ علم و فضل تھا۔ نظامِ حکومت کو قابلیت سے چلایا۔ اس نے صقلیہ پر ابو ملک احمد حبشی مذکور والی صقلیہ کو برقرار رکھا۔ مگر حبشی کی فوج کشیاں ناکام رہیں۔ ابراہیم نے اس کو معزول کیا اور امیر جعفر بن محمد کو والیٔ صقلیہ کر دیا[1]

جعفر بن محمد والیٔ صقلیہ

جعفر ابراہیم والیِ افریقیہ کا مصاحب تھا۔ ایک لشکر کے ساتھ ۲۶۴ھ میں صقلیہ پہنچا۔ لشکر میں زیادہ تر موالی اغالبہ تھے۔ یہ موالی بڑے شورہ پست اور حکومت کے سیاسی مجرم بھی رہ چکے تھے۔

ابراہیم نے ہم خاندان افراد کو جو مخالف تھے ان کو بھی صقلیہ بھیج دیا۔ جس میں اغلب بن محمد، اغلب بن احمد، ابو عقال بن احمد، یہ شہزادے محل میں نظر بند رکھے گئے۔

زمامِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر جعفر نے سرقوسہ کی فتح کی طرف توجہ کی۔ عظیم الشان لشکر مرتب کیا جو ہر قسم کے آلاتِ جنگ منجنیق وغیرہ سے مسلح تھا۔ یہ لشکر بلرم روانہ ہوا۔ رومی مقبوضات کے اہم شہروں قطانیہ، طبرمین اور رمطہ کے گرد گشت لگایا۔ ہر جگہ سے سامانِ رسد فراہم کیا اور سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ بحری لشکر بھی بلرم

---

[1] صقلیہ جلد ا صفحہ ۲۳۳۔

سے پہنچ گیا۔ اہلِ سرقوسہ نے بھی مقابلہ کی تیاری کر لی تھی۔ پہلے ابعض ہرقوسہ پر اسلامی لشکر نے قبضہ کیا۔ سربفلک محل، خوشنما مکانات، مقدس عبادت گاہیں مل گئیں۔ یہیں مقیم ہو کر محاصرہ کی بہ اطمینان کارروائیاں کی جانے لگیں۔

قسطنطنیہ سے سرقوسہ کی مدد کے لئے بحری بیڑا آیا مگر جعفر کے بیڑے نے مقابلہ کر کے رومیوں کو تہ تیغ کیا اور کل جہازوں پر قبضہ کر لیا۔[1]

جعفر سرقوسہ کے محاصرہ کا مکمل انتظام کر کے بلرم آیا۔ اغلبی شہزادوں نے اس کے غلاموں کو مال و زر کی طمع دے کر تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ جعفر نماز کے لئے محل سے نکلا ہی تھا کہ غلام ٹوٹ پڑے اور ایک ہی حملہ میں قتل کر ڈالا اور ابراہیم کا چچا اغلب بن محمد جو نظر بند تھا اُس نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اغلب بن محمد متغلب صقلیہ

اغلب نے اپنے ہواخواہوں کو جمع کیا اور ایک لشکر مرتب کر کے اپنے لڑکے احمد کی سرکردگی میں سرقوسہ روانہ کیا۔ احمد نے پہنچ کر محاصرہ کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔ ۱۴ رمضان ۲۶۴ھ کو سرقوسہ فتح ہو گیا۔ رومیوں نے بھی داد شجاعت دی مگر مجاہدین کی جانبازی کے سامنے انہیں اسلحہ ڈالنے پڑے۔ دولتمند شہر تھا، مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ دس لاکھ بیزنطینی سکہ کی مالیت تھی۔

فتح کے بعد لشکر دو مہینے مقیم رہا۔ شہر کے قدیم باشندے جنگ سے پہلے بہت کچھ ترکِ وطن کر گئے تھے، جو جنگ میں شریک تھے وہ تیغِ اجل کا شکار ہوئے۔ یہاں بجز مسلمان فاتحوں کے شہر میں کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اغلب نے بلرم سے احمد فاتح سرقوسہ کو لکھ بھیجا کہ سرقوسہ کو منہدم کرا دیا جائے۔ چنانچہ اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۷، صفحہ ۲۲۲ [2] اعمال الاعلام

پُرعظمت تاریخی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

حکومت بیزنطینی قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ سرقوسہ کی بازیافت کے لئے آیا۔ اسلامی بیڑا تیار کھڑا تھا اس نے مقابلہ کیا۔ رومی ہزار ہا کھیت رہے۔ چار جہاز مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، عیسائی بھگوڑے راہ فرار اختیار کر گئے، سلسلۂ محاربات کی یہ آخری کڑی تھی۔[1]

اسلامی لشکر بعد کامرانی ذیقعدہ ۲۶۴ھ میں بلرم واپس آیا۔ کچھ زمانہ بعد سرقوسہ پھر مسلمانوں نے آباد کرنا شروع کیا۔ دیگر اقوام کے لوگ بھی آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اچھے خاصے شہر کی حیثیت اختیار کر لی۔

فتح سرقوسہ کو دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ باشندگانِ صقلیہ نے ماہ محرم ۲۶۵ھ میں غالب بن محمد، ابوعقال کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیا جہاں جعفر کے قتل کے سلسلہ میں ان کو سزائے موت دیدی گئی۔[2]

ابراہیم اغلبی نے اپنے بیٹے ابوالاغلب کو ۲۶۵ھ میں صقلیہ کا والی بنا کر بھیجا۔ مگر اہلِ صقلیہ نے اس کے خلاف شورش پھیلا دی۔ مجبوراً ابوالاغلب افریقہ واپس گیا اور حسین بن رباح صقلیہ کا والی مقرر ہوا۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کا بیڑا ایک سو چالیس جہازوں کا حملہ آور ہوا۔ خونریز جنگ کے بعد مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسلامی بیڑے کے جہاز بھی گرفتار کر کے قسطنطنیہ لے جائے گئے۔

والی افریقہ نے اس کو ولایت سے معزول کر کے حسن بن عباس کو والی مقرر کیا، مگر اس کے عہد میں بھی مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں ناکام رہے۔

آخرش ابوالحسین محمد بن فضل کو صقلیہ کا والی مقرر کیا اور حسن کو معزول کر دیا۔ ابوالحسین ۲۶۸ھ میں صقلیہ پہنچا۔ اس نے طبرمین پر حملہ کیا اور قطانیہ کو تاخت و

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۲۲۲   [2] البیان المغرب ترجمہ اردو صفحہ ۱۵۹۔

تاراج کر ڈالا۔ اس اثناء میں قسطنطنیہ سے بیڑا آیا اس سے معرکہ ہُوا۔ رومی شکست یاب ہوئے۔ بیزنطینی ایک نیا دارالحکومت صقلیہ میں بنا رہے تھے اس کو بھی محمد بن فضل نے فتح کر لیا۔ مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ محمد بن فضل دوسری مہم کا آغاز نہ کرنے پایا تھا کہ ربیع الاوّل ۲۷۰ھ میں محمد بن فضل معزول کر دیا گیا اور قیروان سے علی بن محمد بن ابی الفوارس صقلیہ کا والی مقرر ہو کر آیا۔ مگر چند روزہ اس کی حکومت کا دور رہا۔ یہ بھی دربارِ قیروان سے معزول کر دیا گیا۔ اس کی بجائے حسین بن احمد مقرر ہُوا جس نے رمطہ پر فوج کشی کی۔ لیکن یکایک بیمار ہو گیا اور ماہ شعبان ۲۷۱ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

اس کے بعد سوادہ بن محمد ولایت صقلیہ پر بھیجا گیا۔ اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر طبرمین پر حملہ کیا۔ حاکم طبرمین نے صلح چند ماہ کے لئے کر لی۔ میعاد گزرنے پر فوج کشی کی۔ مال اور قیدی لے کر بلرم لوٹ آیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جنوبی اٹلی کے دو اسلامی شہر بیزنطینی حکومت کے قبضہ میں چلے گئے۔ یہ امیر البحر نجفور کی کارگزاری تھی۔ شہر سیرینہ اور شہر منیتہ پر بیزنطینی عَلم لہرانے لگے۔ مسلمان شہروں سے نکل کر صقلیہ آ گئے۔ یہاں شورش پسندوں نے والی کے خلاف بغاوت کر دی۔ امرائے صقلیہ میں سے یعقوب بن بکر اور والی کو گرفتار کر کے افریقیہ روانہ کر دیا۔

ابو العباس بن علی نے نظم و نسق عارضی طور سے سنبھالا۔ ابو مالک احمد بن عمر المعروف بہ حبشی ۲۷۲ھ میں والی مقرر ہُوا جس نے طبرمین، قطانیہ اور رمطہ پر فوج کشی کی مگر ناکامیاب رہا۔ جنوبی اٹلی پر توجہ کی یہاں بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہُوا۔ اس اثناء میں ابراہیم فرمانروائے افریقیہ نے نصر بن صمصامہ حاجب کو معہ اہلِ خاندان کے قتل کر دیا اور اس کے بجائے حسن بن نافذ حاجب مقرر ہُوا۔ اس نے ابو ملک کو معزول کر کے ابو الحسن احمد بن فضل کو دوبارہ والی صقلیہ مقرر کیا۔ اس نے بھی رومی علاقہ کو تاراج کیا۔

۲۷۹ھ سے ۲۸۲ھ تک یہ والی رہا۔ احمد بن نافذ نے اس کو معزول کر کے

اپنے لڑکے حسن کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ ایک سال بعد ابراہیم نے اس کو معزول کر کے ابو ملک کو مقرر کر دیا۔ مگر صقلیہ میں باغی زور پکڑ چکے تھے۔ اُنھوں نے بلرم پر قبضہ کیا۔ ابو ملک فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ آخر ش ابراہیم نے اپنے شہزادہ ابوالعباس کو افریقہ سے صقلیہ بھیجا [1]

ابوالعباس بن ابراہیم اغلبی

ابوالعباس ۲۸۷ھ میں صقلیہ آیا اور آتے ہی ولایت کو سنبھالا۔ اپنے ساتھ کافی لشکر بری و بحری افریقہ سے لایا تھا۔ پہلے طرابنش پر قبضہ کیا۔ بلرم کے عمائد و اکابر قاضی صقلیہ کی سرکردگی میں ابوالعباس کی خدمت میں حاضر ہو کر کامل اطاعت و انقیاد اور وفاداری کا یقین دلایا مگر ابوالعباس نے وفد سے کہا "چند روز بعد جواب دوں گا"

جرجنت کا وفد آیا جو حکومت کا موافق تھا اور باغیوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے ساکنانِ بلرم کے مکر وکید سے آگاہ کر دیا۔ ابوالعباس نے جو سرغنہ تھا ان کو گرفتار کر لیا اور قاضی کو بھیجا کہ دوسرے لوگوں کو اطاعت پر آمادہ کرے۔ مگر شورش پسند بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ابوالعباس نے افریقی لشکر سے باغیوں کی سرکوبی کرا دی۔ ممتاز افراد مع اہل و عیال کے بلرم چھوڑ گئے۔ رکمونیہ جو سرگروہ تھا وہ بھی اسی جماعت کے ساتھ قسطنطنیہ چلا گیا۔ شہر بلرم میں امن و امان ہو گیا تو ابوالعباس رمضان ۲۸۷ھ کو بلرم میں داخل ہوا۔ غرضیکہ ابوالعباس نے فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے بعد ملک کا نظم ونسق سنبھالا [2]

اس کے بعد جنوبی اٹلی کے وہ مقبوضات جو زیرِ نگین اسلام تھے وہ رومیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ ان کے واپس لینے کی طرف متوجہ ہوا۔ ربیع الآخر ۲۸۸ھ میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صد ۳۴۹ [2] ایضاً

ایک عظیم الشان بیڑا بندرگاہ بلرم سے روانہ کیا۔ صقلیہ کے ایک رومی شہر دیمونی پہنچا۔ کہ ابوالعباس خود آموجود ہوا۔ وہ بیڑے کو لے کر مسینا آیا اور یہاں سے ریو جا کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ خونریز جنگ کے بعد فاتحانہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں مالِ غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ پھر نیپلس، املفی، سالرنو کی طرف توجہ کی۔ رومیوں نے صلح کر لی۔ غرضیکہ پاپائے روما کے حدودِ حکومت میں مسلمان پہنچ گئے۔ ابوالعباس نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا۔ شہر روما کی شہر پناہ کا دروازہ سامنے تھا کہ پوپ کی استدعا کو قبول کیا۔ پوپ یوحنا نے جزیہ دینے کی شرط کو خوشی سے منظور کیا کہ پچیس ہزار رطل چاندی سالانہ والی صقلیہ کی خدمت میں بھیجا کرے گا۔ اس طرح ابوالعباس فاتح سلطنت کلیسا یورپ کو باجگزار بنا کر مسینا لوٹ گیا۔ یہاں رومی بیڑا منڈلا رہا تھا اس سے بھی مقابلہ کیا اور شکست دے کر بلرم پہنچا کہ ۲۸۹ھ میں ابراہیم کا فرمان پہنچا کہ افریقہ واپس چلا آئے۔

چنانچہ شہزادہ ابوالعباس صقلیہ کی حکومت اپنے دونوں لڑکوں ابومضر اور ابو معد کے سپرد کر کے افریقہ روانہ ہو گیا۔ ماہ ربیع الاول ۲۸۹ھ میں ٹیونس پہنچا اور ابراہیم اغلبی اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا۔

ابراہیم نے اپنے ابتدائی عہد میں اپنی مملکت کا بہترین انتظام کیا تھا مگر پھر اس میں مراقی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ذرا سے قصور پر ذمہ دار ارکان حکومت کا قتل کرانا شروع کر دیا۔ تمام ملک میں اس کے ظلم سے بدامنی شروع ہو گئی۔ صوبہ دار اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کے طریق کار سے تعلقات منقطع کرنے شروع کر دیئے۔ اس زمانہ میں بربریوں میں تحریکِ اسمٰعیلی شروع ہو گئی۔ ابوعبداللہ یمنی نے شیعیت کی اشاعت کی اور عوام کو دولتِ اغالبہ سے بھڑکا دیا۔

المعتضد باللہ عباسی خلیفہ کو اس تحریک کا علم ہوا تو اس نے ابراہیم کو حکومت سے دستبردار ہونے کا حکم بھیجا۔ یہ علیحدہ ہو کر حج کے ارادہ سے قیروان

سے رخصت ہُوا اور سوسہ میں صوفیہ لباس میں آیا وہاں سے صقلیہ چلا آیا۔ ابراہیم نے اپنے ذاتی خزانہ کو ساتھ لے لیا تھا۔ پہلے طرابنیش میں قیام کیا۔ یہاں مختصر سی فوج تیار کی جو آلاتِ حرب سے آراستہ تھی۔ ۲۸ رجب ۲۸۹ھ کو بلرم میں شان وشوکت سے داخل ہُوا۔ شاہی انعام واکرام سے عُمّالِ حکومت کو مالا مال کر دیا۔ تمام باشندگانِ صقلیہ کے قلوب تھوڑے ہی دنوں میں مسخر کر لئے۔ داد ودہش سے ہرکس و ناکس ابراہیم کے اشاروں پر چلنے لگا۔

صقلیہ کی اسلامی فوج ابو مضر کی قیادت میں پہلے سے تیار تھی۔ چنانچہ صقلیہ کے رومی مقبوضات کے چپہ چپہ کو زیرنگین کرنے کے لئے اسلامی لشکر کو اپنی سرکردگی میں لیا اور رجب ۲۸۹ھ میں بلرم سے روانہ ہو گیا۔ شہر برطنیق کا محاصرہ کر لیا اور بزورِ شمشیر شہر میں داخل ہُوا۔ اور اہلِ شہر کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا۔ یہاں کا انتظام کر کے طبرمین کی سمت بڑھا۔ اس کو سرقوسہ کے بھگوڑے رومیوں نے جمع ہو کر اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ لشکر صف در صف مورچہ جمائے مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ملا۔ ابراہیم نے فوراً اسلامی لشکر کو حملہ کا حکم دیا۔ مجاہدین نے اپنی سرفروشی کا وہ مظاہرہ کیا کہ رومی کھیرے ککڑی کی طرح کٹنے لگے۔

آخرش رومی شہر کی طرف پسپا ہو کر بھاگے۔ ابراہیم بھی تعاقب کرتا ہُوا پھاٹک تک پہنچ گیا اور پھر تمام مجاہدین طبرمین میں داخل ہو گئے۔ باشندوں نے پہلے سے راہِ فرار اختیار کر لی تھی۔ ساحل پر کشتیاں کھڑی تھیں، موقع پاتے ہی اس میں سوار ہو کر جزیرہ کو خیرباد کہہ گئے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ معمولی مقابلہ کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ ان میں سے بہت سے تہ تیغ کر دیئے گئے اور جو بچ رہے ان کی بار بار کی شورا پشتی پر طوقِ غلامی ان کی گردنوں میں ڈال دیا۔ شہر اور قلعہ کی دولت وثروت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ طبرمین سرزمینِ صقلیہ میں حکومت بزنطینی قسطنطنیہ کا سب سے آخری باجگذار شہر تھا۔ اسکے سقوط کے ساتھ ہی صقلیہ سے حکومت بزنطینی کا جنازہ نکل گیا۔

قسطنطنیہ میں سقوطِ طبرمین کی خبر سے صفِ ماتم بچھ گئی۔ قیصر سوم نے سر سے تاج اُتار کر پھینک دیا اور مسلمانانِ صقلیہ سے انتقام لینے کے لئے فوج کی تیاری شروع کر دی۔ ابراہیم کو خبر لگی اُس نے خبر اڑا دی کہ اسلامی لشکر قسطنطنیہ پر حملہ کرتے آرہا ہے۔ قیصر نے اپنے مورچوں کی حفاظت پر فوج کو مامور کر دیا اور شب و روز عربوں کے بیڑے کا انتظار کرنے لگا۔

ابراہیم نے چھوٹے چھوٹے قلعوں کی تسخیر کے لئے اپنے پوتے ابو مضر زیادۃ اللہ کو بھیجا شہر میقش پر بلامزاحمت کے ابو مضر نے قبضہ کیا اور اپنے دوسرے لڑکے ابوالاغلب کو ونیش بھیجا۔ اُس نے بھی بلا دقت کے شہر پر قبضہ جمایا۔ اسی طرح رمطہ، لیاج پر ابو محجر سعدون الجلوی کو بھیجا۔ اہلِ شہر نے جزیہ کی شرط پر صلح کرنا چاہی مگر ابراہیم نے قبول نہ کی اور ان کو قلعوں سے باہر نکال دیا اور قلعے مسمار کرا دیئے گئے۔ لیاج رومیوں کا آخری مامن تھا۔ اب حکومت بیزنطینی کا نام و نشان نہ رہا۔ صقلیہ کے چپّہ چپّہ پر اسلامی رائت لہرانے لگا۔ قاضی اسد بن فرات کے ہاتھوں سے فتح صقلیہ کی اصل مہم شروع ہوئی اور ابراہیم بن احمد اغلبی والی افریقہ کے ہاتھوں پورے اٹھہتر برس میں اتمام کو پہنچی۔

اب ابراہیم نے جنوبی اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ منعطف کی۔ طبرمین سے مسینا پہنچا اور صوبہ قلوریہ (کلیبریہ) روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کے دستے جابجا پھیلا دیئے۔ جہاں جہاں نصرانی فوجیں مقابلہ میں آئیں پسپا ہوئیں۔ کسنتہ پر معرکہ کا بازار گرم ہوا کہ ابراہیم مرض اسہال میں مبتلا ہو گیا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور زندگی سے مایوس ہو گیا تو ابو مضر زیادۃ اللہ کو فوج کی قیادت سپرد کی اور والی صقلیہ مقرر کیا۔ شب شنبہ ۱۹ ذی قعدہ ۲۸۹ھ کو ابراہیم کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ابو مضر نے کسنتہ کے محاصرہ کو یکسو کرنا چاہا۔ محصورین نے دوبارہ صلح کا پیغام دیا۔ جزیہ کی شرط پر درخواست منظور کر لی گئی اور محاصرہ اٹھا لیا گیا اور اسلامی لشکر کو اطراف و جوانب سے جمع کر کے جدِّ امجد کی لاش کو لے کر ابو مضر بلرم چلا آیا اور ابراہیم کی

تجہیز و تکفین کے مراسم ادا کئے اور عالی شان مقبرہ اس کی قبر پر تعمیر کرا دیا۔[1]

ابو مضر نے قصرِ حکومت میں رنگ رلیاں منانا شروع کر دیں۔ شب و روز شراب میں دُھت رہتا۔ اس کے عیش و عشرت کی خبر ابو العباس فرمانروائے افریقہ کو پہنچی۔ اس نے ابو مضر کو افریقہ بلا کر قید خانہ میں ڈال دیا اور اس کے بجائے محمد بن سرقوسی کو صقلیہ کی ولایت سپرد کی۔

محمد بن سرقوسی

محمد بن سرقوسی نے ۲۹۰ھ میں صقلیہ کی حکومت سنبھالی۔ چند ماہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ابو مضر نے قید خانہ میں اپنے باپ ابو العباس کے خلاف سازش کر کے تین صقلبی غلاموں کے ذریعے شب چہار شنبہ شعبان ۲۹۰ھ میں قتل کرا ڈالا اور خود تختِ حکومت پر قابض ہو گیا اور سب سے پہلے ابن سرقوسی کو معزول کیا اور اس کے بجائے علی بن محمد بن ابی الفوارس کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ چند روز یہ والی رہا۔ ابو مضر نے احمد بن ابی الحسین بن رباح کو ولایتِ صقلیہ سپرد کی[2] لیکن احمد آخری اغلبی والی ثابت ہُوا۔

احمد بن ابی الحسین بن رباح

ابو مضر نے برسرِ حکومت آتے ہی افریقہ میں کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ ملک اس کے خلاف ہو گیا۔ اس نے اپنے خیر خواہ اقارب تک کو قتل کر دیا۔ نظم و نسق بگڑنے لگا۔ یہ لہو و لعب میں مُبتلا تھا۔ ارکانِ حکومت اس سے بیزار تھے۔ ادھر دعوتِ اسماعیلی شباب پر پہنچ چکی تھی۔ اغالبہ کا دستِ راست احول جو اس تحریک کو دبائے ہوئے تھا، اس کو بھی مروا چکا تھا۔ اب اس سیلاب کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اس زمانہ میں داعیِ دعاۃ ابو عبداللہ شیعی نے فرقہ اسماعیلی شیعی کے

---

[1] البیان المغرب صہ ۱۸۱ [2] نہایت الارب صہ ۲۳۳

امام ابو عبید اللہ المہدی کو افریقہ بلا لیا اور اس کو بادشاہ بنا کر بربریوں کا لشکر لے کر دولتِ اغلبیہ کے ملک فتح کر لئے۔ ابو مضر میں مقابلہ کی طاقت ہوتے ہوئے وہ بزدلی دکھا گیا اور تاج و تخت چھوڑ کر ۲۶ جمادی الآخر ۲۹۶ھ کو اغالبہ کا یہ آخری تاجدار قصرِ شاہی سے جس قدر دولت و ثروت کا انبار ساتھ لے جا سکتا تھا اونٹوں پر لاد کر اہل و عیال کو چھوڑ کر رقادہ سے فرار ہوا۔

ابو مضر کے جانے کے بعد ابراہیم بن ابی اغلب نے باشندگانِ قیروان سے حلفِ اطاعت لیا اور اسمٰعیلی فوج کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ مگر وہ لوگ جلد منحرف ہو گئے۔ ابراہیم نے بھی قیروان سے ترکِ وطن کیا اور ابو مضر سے جا ملا۔

آخری اغلبی تاجدار کا انجام

ابو مضر طرابلس ہوتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں بھی چین نہ ملا، رملہ گیا۔ یہاں ۲۹۷ھ میں آغوشِ لحد میں جا کر سو رہا۔ دولتِ اغالبہ کا آفتابِ کامل جو ایک سو گیارہ سال اور چند مہینے تک سرزمینِ افریقہ کو اپنی تابانی و درخشانی سے منور کرتا رہا۔ جمادی الاخریٰ ۲۹۶ھ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا [1]

صقلیہ پر بھی ان حادثات اور انقلاب کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ والی صقلیہ احمد بن ابی الحسین بن رباح نے بہت کچھ حالت صقلیہ کی سنبھالنا چاہی مگر ابی الفوارس جو اس سے پہلے والی تھا اس نے عبید اللہ مہدی سے سازباز کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر والی کے گھر کو گھیر لیا اور دھوکے سے گرفتار کر لیا اور اس کا مال و متاع سب لوٹ لیا۔

یہ واقعہ ۱۱ رجب ۲۹۶ھ کا ہے۔ احمد بن ابی الحسین کو پابہ زنجیر افریقہ بھیج دیا۔

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۲۔

علی بن محمد بن ابی الفوارس

علی بن محمد نے اہلِ صقلیہ سے اپنی ولایت کے لئے محضر تیار کرا کر عبیداللہ مہدی کے پاس بھجوا دیا۔ عبیداللہ نے درخواست منظور کر لی اور دولتِ فاطمی افریقہ کا صقلیہ میں سب سے پہلا والی علی بن محمد مقرر ہوا اور سندِ ولایت کے ساتھ بری و بحری حملہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔[1] مگر کچھ عرصہ بعد ہی علی اپنی استدعا پر افریقہ پہنچا تو قید کر لیا گیا[2] اور عبیداللہ مہدی نے اپنے خاص معتمد حسن بن احمد بن ابی الخنزیر کو صقلیہ کی ولایت پر روانہ کیا۔

دولتِ اغالبہ

خلفائے بنو عباس نے اپنی سیاسی توجہ صرف مشرق ہی کی طرف رکھی جہاں اُن کی فتوحات کافی ہوئیں اور مغرب، اندلس، صقلیہ وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ بلکہ شمالی افریقہ کی حد تک سیادت پر اکتفا کیا جس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اندلس میں ہشام بن عبدالملک اموی دسویں خلیفۂ دمشق کے پوتے عبدالرحمٰن الداخل نے اپنی عظیم حکومت قائم کر کے دمشقی بنی اُمیہ کی تلافی ہی نہیں بلکہ وقار اور عظمت میں اضافہ کیا اور ان کی یاد تازہ کرا دی۔ اس لئے بنو عباس نے معمولی ناکام کوشش کے بعد ہسپانیہ کی سیادت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور افریقہ کو حسبِ حال اپنے ماتحت صوبہ رکھا لیکن فی الحقیقت بنی عباس کی حکومت کا دائرہ شرقاً غرباً اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اس کی سنبھال بہت دشوار تھی۔ پھر بھی جتنے عرصہ تک اس وسیع حکومت کو ایک نظام کے تحت پُر امن رکھا گیا وہ کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے۔ در حالیکہ آمد و رفت اور معلومات اطلاعات کے ذرائع میں جو دشواریاں تھیں وہ محتاجِ

---

[1] نہایت الارب صفحہ ۳۳ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۸۔

بیان نہیں ہیں۔

چونکہ بنو عباس نے مشرق میں مزید فتوحات کی تھیں اس لئے وسیع حکومت وسیع تر ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ صوبوں کے حکمرانوں نے خود مختاری کا طریقہ اختیار کرنا شروع کیا۔ البتہ سکہ و خطبہ خلیفہ کے نام کا ہوتا تھا۔ یعنی سیادت تسلیم کرتے ہوئے اندرونی طور پر سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

یہی صورت افریقہ کے صوبہ کی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھی اس لئے خلیفہ ہارون الرشید نے بہترین سیاست سے کام لے کر افریقہ کے صوبہ کو ۱۸۴ھ مطابق ۸۰۰ء میں حکومت خود اختیاری دے کر ابراہیم بن اغلب کو اس کی امارت سپرد کر دی جس کی تفصیل خلافت بنی عباس اور تاریخ مصر میں لکھی جا چکی ہے۔

چنانچہ اغلبی گھرانے کے کل گیارہ امیر اس پر حکمران ہوئے جنہوں نے پورے ایک سو بارہ سال حکمرانی کی۔ یہی وہ حکومت تھی جس نے اسلامی بحری سیادت کو خاص طور پر بحیرۂ روم میں عروج پر پہنچایا اور جس نے جزائر سرڈانیہ، صقلیہ (سسلی) اور مالٹا پر قبضہ کر لیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے بحری قوت کے اعتبار سے کسی زمانے میں وہ شہرت نہیں حاصل کی جو اُن کو اغلبیوں کے زمانے میں ہوئی۔ اس عہد میں غلام زرافہ نے جس کو مغربی مؤرخین لیون طرابلسی لکھتے ہیں مشرقی بحیرۂ روم اور بحر الجزائر میں شجاعانہ اور مدبرانہ حملہ کر کے حقیقی امیر البحری کا لقب حاصل کیا۔ اسی عہد میں ابو حفص عمر اندلسی بلوطی نے مغربی بحیرۂ روم کو اپنے قبضہ میں کر کے بحری جنگ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

افریقہ میں بنو اغلب کی خود مختار یا آزاد حکومت ایک سو بارہ سال سے زائد نہ رہی۔ اس کے بعد ۲۹۶ھ مطابق ۹۰۸ء میں بنو اغلب کے آخری حکمران ابو النصر زیادۃ اللہ کی شراب خوری اور زیادتیوں نے اغلبیوں کے عہد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ ابو الفداء نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ ابو النصر عیاشی کے

ساتھ ظلم و زیادتیاں بھی کر رہا تھا ۔

ابو عبداللہ یعنی مغرب میں بنو فاطمہ کی طرف سے نہ صرف لوگوں کو دعوتِ شیعیت دے رہا تھا بلکہ ان کو حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار بھی کر رہا تھا۔ ابوالنصر کی مخمور آنکھیں اس وقت کھلیں جب ابو عبداللہ داعی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تمام ملک اس کے لہو و لعب اور زیادتیوں سے عاجز، دوسری طرف بنو فاطمہ کا داعی مقابلہ کے لئے تیار۔ ابوالنصر کی فوجی کارروائی مضر ثابت ہوئی اور اس کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ دربدر مارا مارا پھرا مقتدر عباسی سے مدد مانگی جو ملی، لیکن وائے بر شراب و عیاشی جس نے غربت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ لہٰذا وہ مدد بھی مفید نہ ہوئی اور اس کو مجبوراً ہمیشہ کے لئے نہ صرف اپنے ملک کو خیرباد کہنا پڑا بلکہ فلسطین کے قصبہ رملہ میں پہنچ کر دنیا بھی چھوڑنی پڑی۔ اس وقت سے افریقیہ یا تیونس کی حکومت بنو فاطمہ کی طرف منتقل ہوئی ۔

اغلبی خاندان جب تک صقلیہ پر صاحبِ اقتدار رہا مسلمانوں میں جہاد کا شوق رہا اور جو شہزادے یہاں والی ہو کر آتے اُن میں ہر ایک فتوحات کا شائق ہوتا اور اسلام پھیلانے کی کوشش کرتا۔ صقلیہ میں حنفیت اور مالکی مذہب کو فروغ تھا، جس کی ترویج فاتح صقلیہ قاضی اسد بن فرات کے ذریعے زیادہ ہوئی۔ قاضی اور اُن کے متبعین کلام و عقائد میں سلف صالحین کے پیرو تھے[1]

دولتِ اغالبۂ افریقیہ

۱۔ ابراہیم بن اغلب ۱۸۴ تا ۲۹۶ھ

۲۔ عبداللہ بن ابراہیم

---

[1] معالم الایمان جلد ۲ صـ۱۲ ۔

۳۔ زیادۃ اللہ بن ابراہیم	۲۰۱ تا	۲۲۳ھ
۴۔ ابوعقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب	۲۲۳ تا	۲۲۶
۵۔ ابوالعباس محمد بن اغلب	۲۲۶ تا	۲۴۲
۶۔ ابوابراہیم احمد بن محمد	۲۴۲ تا	۲۴۹
۷۔ ابومحمد زیادۃ اللہ ثانی بن محمد بن اغلب	۲۴۹ تا	۲۵۰
۸۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب	۲۵۰ تا	۲۶۱
۹۔ ابراہیم ثانی بن احمد بن محمد بن اغلب	۲۶۱ تا	۲۸۹
۱۰۔ ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم بن احمد ثانی	۲۸۹	
۱۱۔ ابومضر زیادۃ اللہ بن ابی العباس	۲۹۰ تا	۲۹۶

ولاۃ صقلیہ

قاضی اسد بن فرات	۲۱۲ تا ۲۱۳	بانی حکومت صقلیہ
محمد بن ابی الجواری	۲۱۳ تا ۲۱۴	جانشین
زہیر بن غوث	۲۱۴ تا ۲۱۷	//
محمد بن عبداللہ بن اغلب	۲۱۷ تا ۲۲۱	والی اول
ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ بن الاغلب	۲۲۱ تا ۲۳۶	والی
عباس بن فضل	۲۳۷ تا ۲۴۷	//
احمد بن یعقوب	۲۴۷	//
خفاجہ بن سفیان	۲۴۸ تا ۲۵۵	//
محمد بن خفاجہ	۲۵۵ تا ۲۵۷	//
رباح بن یعقوب		//
حسین بن رباح		//

۱۲۔ عبداللہ بن محمد

۱۳۔ جعفر بن محمد

۱۴۔ اغلب بن محمد

۱۵۔ ابو العباس بن ابراہیم

۱۶۔ محمد بن سرقوسی

۱۷۔ احمد بن ابی الحسین بن رباح

حسن بن احمد بن ابی الخنزیر

حسن بن احمد بنو فاطمہ کے محسن قبیلہ کتامہ کا رکن رکین تھا، افریقہ سے روانہ ہو کر ۱۰ ذی الحجہ ۲۹۷ھ کو مازر پہنچا، پھر بلرم آیا۔ یہ پہلا شیعی والی تھا۔ اس نے حکومت صقلیہ کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا۔ بلرم، جرجنت، قصریانہ اور مسینا وغیرہ صوبے قرار پائے۔ جس سے وحدت قومی وملکی کا خاتمہ ہو گیا۔ جرجنت کا عامل ابی الخنزیر کا بھائی تھا۔ ہر صوبہ کا جدا جدا والی مقرر کیا اور سرکاری مذہب شیعی قرار دیا۔ سابق قاضی صقلیہ کو معزول کر کے ایک شخص اسحٰق بن منہال کے محکمۂ قضاۃ سپرد کیا[1] ابی الخنزیر کے اس انداز کی حکمرانی سے عوام میں اس والی سے نفرت کی لہر دوڑ گئی بلکہ ۲۹۸ھ میں مشرقی صقلیہ میں اہل ونش نے بغاوت کر دی۔

ابن ابی الخنزیر نے فوجی طاقت سے بغاوت فرو کی اور بہت سے حق پرست باشندوں کو قید کر لیا جس سے نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان صقلیہ اس کو بری نگاہ سے دیکھنے لگے بلکہ ایک مرتبہ عوام غلط فہمی سے اس پر حملہ آور ہوئے۔ یہ محل سے کودا جس سے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور گرفتار ہو گیا۔ یہ تمام حالات مہدی کو بھیج دیئے گئے۔ اس نے اس کو معزول کر دیا۔ علی بن عمر بن البلوی کو والی مقرر کیا۔ یہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صـ۳۸۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۹۹ھ کو صقلیہ پہنچا۔ مگر سنی شیعہ کا جھگڑا ابن ابی الخنزیر یہاں اٹھا چکا تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ دولتِ فاطمی کے خلاف علانیہ علمِ بغاوت بلند ہو گیا اور ابن عمر البلوی روپوش ہو کر جان بچا لے گیا۔ مسلمانانِ صقلیہ نے فاطمی علم کو سرنگوں کر کے صقلیہ سے اپنے زعم میں دولتِ فاطمی کا خاتمہ کر دیا اور اپنا والی صقلیہ کے ایک رئیس احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب کو مقرر کر لیا۔ یہ خاندانِ اغالبہ سے تھا۔

احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب

احمد نے ایک آزاد و خودمختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت ہاتھ میں لی۔ صقلیہ کا چپہ چپہ اس کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ خلیفۂ وقت المقتدر باللہ عباسی سے ولایتِ صقلیہ کی اجازت منگا لی اور مساجد میں خلیفہ کا خطبہ میں نام لیا جانے لگا۔ ابن قرہب نے اپنے بیٹے محمد کو بحری بیڑا دے کر افریقہ روانہ کیا۔ محمد ابن قرہب نے صقلیہ کے بیڑے سے (ساحل لمطہ پر پہلے سے عبیداللہ مہدی کا بیڑا موجود تھا) اس پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی۔ فاطمی بیڑا تباہ ہو گیا۔ ابن ابی الخنزیر قتل ہوا۔ پھر طرابلس الغرب کی جانب امیر البحر محمد بن احمد زیادۃ اللہ گیا۔ وہاں القائم مع بیڑہ جہازوں کے موجود تھا۔ اس لئے محمد جہاز لے کر صقلیہ واپس چلا آیا۔ ابن قرہب نے جنوبی اٹلی پر تاخت کی۔ قلوریہ پر کامیابی ہوئی اور مالِ غنیمت لے کر لوٹا۔

ان فتوحات سے ابن قرہب کی ہمت بڑھ گئی اور وہ افریقہ کی فتح کے خواب دیکھنے لگا۔ ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے افریقہ روانہ ہوا۔ افریقہ میں اغالبہ کا بیڑا جو دنیا میں عظیم الشان تھا مہدی کے قبضہ میں تھا۔ اس سے صقلیہ کا بیڑا کیا مقابلہ کرتا، گرفتار ہو گیا۔

ادھر صقلیہ میں ابن قرہب سے عوام باغی ہو گئے۔ ابو الغفار کو امیر بنا لیا۔ پھر ہر دو میں جنگ ہوئی۔ آخرش ابن قرہب کو گرفتار کر کے مہدی کے پاس

بھیج دیا۔ قاضی ابن حامی ساتھ تھا۔ عبیداللہ مہدی نے ابن ابی الخنزیر کی قبر باب سلم پر لے جاکر ہاتھ پیر کاٹ کر مصلوب کرادیا۔ ابن قرہب صقلیہ پر تین برس گیارہ ماہ حکمران رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ نے ابن قرہب کے استیصال کے بعد ابوالغفار کی اطاعت قبول کی اور اس کے تقرر کی درخواست افریقہ بھیجی۔ عبیداللہ مہدی نے درخواست مسترد کردی اور ابوسعید موسیٰ بن احمد کو مع زبردست لشکر کے ولایتِ صقلیہ پر مامور کیا۔

ابوسعید موسیٰ بن احمد

ابوسعید قبیلۂ کتامہ کے جرار سپاہیوں کا لشکر لے کر طرابنش پہنچا۔ مگر باشندگانِ صقلیہ نے خیر مقدم نہیں کیا۔ البتہ جرجنت سے ایک وفد آیا اس کو خلعت و انعام و اکرام سے نوازا۔ اہلِ صقلیہ اپنی حرکت پر نادم ہوئے۔ ایک دن ابوالغفار گرفتار کرلیا گیا۔ اس واقعہ سے سارے جزیرہ میں آگ سی لگ گئی۔ اس کا بھائی احمد جرجنت پہنچا اور فوج کی کمان لے کر والیِ صقلیہ سے معرکہ آرا ہوا خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اہل بلرم نے بھی بغاوت کردی۔

جنگ کا سلسلہ طول پکڑتا گیا۔ ابوسعید نے قبیلہ کتامہ کے وحشی جاہل درندوں کو طرابنش کے مضافات میں بھیج دیا اور صقلیہ کی شریف آبادیوں میں سے عورتوں اور بچوں کو پکڑ بلوایا۔ عورتوں کی عصمت دری کرائی [۱] اس سے اور منافرت بڑھ گئی۔ مگر باغیوں کی قوت کمزور ہوتی گئی، مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دیئے۔ احمد اور ابن علی داد السقادینی جو سرغنہ تھے گرفتار کرا دیئے گئے۔ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ طرابنش کی آبادی کو تہ تیغ کرا کر گرفتار باغیوں کو جہاز میں سوار

---

[۱] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۶۔

کرا کر افریقہ روانہ کیا جو راہ میں ڈبو دیا گیا۔

قیامِ امن و امان کے بعد ابو سعید قیروان چلا گیا اور اپنی جگہ سالم بن ابی راشد کو والی مقرر کر گیا۔[1] اس نے کامل آٹھ سال امن و امان کے ساتھ حکمرانی کی۔ پھر جنوبی اٹلی کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ افریقہ سے ایک بیڑا قائد قوارب کی سرکردگی میں آیا اور اس نے ریو میں اسلامی اقتدار قائم کیا۔ اس کے بعد ۳۱۰ھ میں فوجی بیڑا امیر العسکر مسعود کی سرکردگی میں آیا اس میں بیس جہاز تھے۔ اٹلی کے شہر اغاثی پر حملہ آور ہوا اور کامیاب ہوا۔ فتح مندی کے بعد مہدیہ چلا گیا۔

عبید اللہ مہدی نے اپنے حاجب ابو احمد جعفر بن عبید کی سرکردگی میں زبردست بیڑا روانہ کیا۔ سالم والی صقلیہ بھی اس کا شریک ہو گیا۔

ہر دو نے بریانہ اور شہر واری فتح کر لئے۔ دس ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ بے حد و حساب دولت جعفر کے ہاتھ آئی جو عبید اللہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ۳۱۵ھ میں نوجوان صقلبی صاحب چوالیس جہازوں کا بیڑا لے کر صقلیہ پہنچا۔ یہاں سے اٹلی گیا۔ صوبہ انکبردو کے ایک شہر ترنتیو پر لنگر انداز ہوا۔ متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں، مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مہدیہ چلا گیا۔ دو بار صاحب ۳۱۶ھ میں طارنت کا محاصرہ کیا اور دوبارہ فتح کر لیا۔ قلعہ غیران اور حسب مفتوح کر لئے۔ قلعہ کی املاک پر قبضہ کیا۔ پھر اورنت کا محاصرہ کیا، ناکام لوٹنا پڑا۔ پھر حکومتِ قلوریہ سے ایک سال کے لئے معاہدہ کر لیا۔

تیسری مرتبہ رومی افسر سرغوس سے مقابلہ ہوا اور اس پر فتح پائی۔ اس کے بعد ترمولہ کو تسخیر کیا۔ غرضیکہ ۳۱۰ھ سے ۳۱۸ھ کی ان مسلسل پیش قدمیوں سے اٹلی میں تہلکہ مچ گیا۔ بالآخر حکومتِ قلوریہ نے سپر ڈال دی اور جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہو گئی۔ ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ کو عبید اللہ مہدی انتقال کر گیا۔ ابو القاسم

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۵۵۔

القائم بامراللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں یعقوب بن اسحٰق کی سرکردگی میں بحری مہم جنودا کے قصد سے روانہ ہوئی۔ سردانیہ کو فتح کیا اور پھر کورسیکا پہنچے یہاں رومی جہاز لنگرانداز تھے ان کو نذرِ آتش کیا اور جنووا پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ آخر شہر یہ بھی اسلامی اقتدار میں آگیا۔ ایک ہزار حسین لونڈیاں اور دولت کا انبار جہازوں میں بار کر کے یعقوب مہدیہ چلا آیا۔ صقلیہ میں سالم نے جبر و تشدد کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اس کے خلاف ملک میں عام بغاوت پھیل گئے۔ جرجنت کے گورنر ابی احمد کو باغیوں نے نکال دیا۔ قلعہ بلوط کا حاکم ابن عمران بھی بے دخل کر دیا گیا۔

سالم فوج لے کر گیا مگر باغیوں سے شکست کھائی۔ پھر خود فوج مرتب کر کے پہنچا۔ اہلِ جرجنت جنگ میں پسپا ہو گئے یہاں کا انتظام مکمل ہونے بھی نہ پایا تھا کہ بلرم میں اسحاق بستانی اور محمد بن حمودو نے سالم کے خلاف بغاوت پھیلا دی۔ سالم کو خبر لگی وہ اس طرف آیا مگر سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے تمام حالات کی اطلاع افریقہ روانہ کی

قائم نے خلیل بن اسحاق کی سرکردگی میں اہلِ صقلیہ کی گوشمالی کے لئے لشکر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ادھر اسحاق بستانی نے ایک وفد مع عرضداشت کے قائم کے پاس بھیجا جس میں سالم کی شکایات اور قائم کی اطاعت کا ذکر تھا۔ چنانچہ قائم نے خلیل کو سالم کی معزولی کا پروانہ دیا اور خلیل ہی کو ولایتِ صقلیہ سپرد کی۔

ابوالعباس خلیل بن اسحاق طرابلسی

ابوالعباس افریقہ کے ذی اثر ممتاز علماء میں تھا۔ علم ادب اور تصوف کا بڑا ماہر تھا۔ القائم کے ساتھ مصر کے حملہ میں شریک رہا۔ محکمہ خراج کا افسر ہو گیا۔ پھر افریقہ اور مصر کی بحری فوج کا افسر اعلیٰ ہو گیا۔ عبیداللہ مہدی کا مقرب بن گیا۔ اس کی شان میں قصائد بھی لکھے۔ پھر مہدی اُس کا دشمن ہو گیا۔ قائم کی وجہ سے جان بچی کہ خود قائم حکمراں ہو گیا تو اس نے صقلیہ کا اس کو والی مقرر کر دیا۔ یہ افریقہ سے

۳۲۵ھ میں روانہ ہُوا اور ایک ماہ بعد ساحلِ بلرم پر جہاز سے اُترا۔ اہلِ بلرم نے خیر مقدم کیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ دکھایا۔ پھر جرجنت سے بھی وفد آیا اور خلیل کے مطیع و منقاد رہنے کے حلف اٹھائے[1]

خلیل نے تمام عمال سالم کو معزول کیا اور نئے عامل مشورہ سے مقرر کئے۔ سالم نے یہ رنگ دیکھ کر خلیل کے خلاف افواہیں پھیلانی شروع کیں۔ لوگ خلیل کے مخالف ہو گئے۔ خلیل نے بجائے باغیوں کو سرزنش کرنے کے بلرم کے قریب ایک نیا شہر تعمیر کرانے لگا۔ اپنا محل اور اُمراء کے مکانات، ایوانِ حکومت، قید خانہ اور سرکاری دفاتر، دارالصناعہ یہاں تعمیر کئے اور فصیل بلرم کو منہدم کرا کے اس کے ملبہ سے اس شہر کے اردگرد مضبوط دیوار بنوا دی۔ داخلہ کے چار پھاٹک چاروں طرف لگائے گئے۔ چند ماہ میں یہ سلسلہ تعمیر اختتام کو پہنچ گیا۔ یہ جدید شہر ساحل سمندر پر واقع تھا۔[2] یہ خالصہ کہلاتا تھا۔ اہلِ جرجنت نے بغاوت کر دی۔ سرغنہ سالم تھا۔ خلیل فوج لے کر گیا مگر ناکام لوٹا۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ صقلیہ کے اکثر ممتاز شہر اور قلعے مازر، ابلاطنو، بلوط اور قلعہ ابی ثورہ وغیرہ باغی ہو گئے۔ ان مقامات سے حکومت کے تمام عمال اور فوج باہر نکال دی گئی۔ خلیل نے ہر ایک مقام پر فوج روانہ کی مگر ہر جگہ ناکام رہی۔ ادھر ملک میں قحط پڑ گیا۔ صقلیہ کے مسلمانوں نے اسلامی حکومت کے خلاف حکومت بزنطینی قسطنطنیہ سے امداد طلب کی۔ باوجودیکہ اب کلی بزنطینی حکومت کا تعلق صقلیہ سے باقی نہ تھا۔ یہ جو کچھ ہُوا وہ سالم شیعی کی قوم و ملک فروشی تھی۔ غرضیکہ قسطنطنیہ سے رومی بیڑا کثیر فوج اور غلہ کے ساتھ آیا۔

خلیل نے قائم کو یہاں کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس نے عظیم الشان لشکر صقلیہ بھیجا۔ یہاں سالم لقمۂ اجل ہُوا۔ خلیل کو اپنے ہم مسلک کے مرنے سے مسرت

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۲۰۹ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۵۳

ہوئی۔ ادھر افریقہ سے لشکر آگیا تو خلیل ھٰ نے منظم طریقے سے باغی شہروں اور قلعوں پر تاخت شروع کی۔ یہ فوج کشی کامیاب رہی۔ بیزنطینی لشکر بھی پٹ پٹا کر چلتا بنا۔ یکے بعد دیگرے تمام باغی شہر اور قلعے خلیل نے سر کر لئے۔

آخر میں جرجنت کی طرف توجہ کی، سخت محاصرہ کیا اور کمان فوج کی ابوخلف بن ہارون کو دے کر خود بلرم چلا آیا۔ جب جرجنت کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو امراء و معززین نے خفیہ راستوں سے نکل کر عیسائی ملکوں کی راہ لی اور وہاں جاکر عیسائیت قبول کر لی۔ یہ لوگ پہلے شیعہ ہوئے پھر عیسائی ہوئے۔ جو غرباء بچ رہے اُنھوں نے فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابوخلف نے جنگجو عنصر کو گرفتار کر کے خالصہ روانہ کر دیا۔ جرجنت کی اطاعت کے بعد پھر صقلیہ کے دوسرے شہروں میں حکومت کا اقتدار خود بخود قائم ہو گیا۔ یہ بغاوت چار برس رہی، ہزاروں آدمی طرفین سے کام آئے۔

افریقہ میں بھی قبیلۂ زناتہ نے بغاوت کر دی۔ ابویزید خارجی سرگروہ تھا۔ قائم نے خلیل کو افریقہ طلب کر لیا۔ زمام حکومت ابوعطاف محمد بن اشعث کے سپرد کر دی۔ خلیل کا عہد کا بھی ظالمانہ رہا۔ جب افریقہ جانے لگا مسلمان قیدیوں کو ساتھ لیتا گیا۔ جس جہاز میں وہ سوار تھے راہ میں اُن کو تہِ آب کرا دیا[1]

ابوعطاف محمد بن اشعث الازدی

ابوعطاف نے عنان حکومت ۳۲۹ھ میں سنبھالی۔ القائم بامر اللہ نے خلیل کی نامزدگی کو برقرار رکھا۔ گو پیشرو والی نے یہاں کا سیاسی مطلع ظلم و عدوان سے صاف کر دیا تھا۔ مگر چوری، ڈاکہ، رہزنی کا بازار گرم ہو گیا جس سے ملک میں ہر طرف ہراس طاری ہو گیا۔ ابوعطاف نے حسنِ تدبیر سے ان حالات پر قابو

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۵۳

حاصل کر لیا۔ جب اس طرف سے سکون ملا ملک کا نظم ونسق درست کیا جس سے ملک میں امن وامان قائم ہو گیا۔

اس اثناء میں ۱۳ شوال ۳۳۴ھ کو قائم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کا جانشین اسماعیل ہوا جو المنصور من اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر صقلیہ میں عیسائی رعایا نے سالانہ خراج دینا بند کر دیا جس کا اثر خزانہ پر پڑا۔ ابو عطاف سے اور قبیلۂ طبری کے چند معززین سے اَن بن ہو گئی تو تمام قبیلہ نے عید الفطر کے دن ابو عطاف پر حملہ کر دیا۔ اس کے اردگرد جو محافظ دستہ تھا اس کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ یہ جان بچا کر قلعہ بند ہو گیا اہلِ بلرم بھی باغیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ ابو عطاف نے المنصور کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ اس نے ایک آزمودہ کار قائد حسن بن علی کلبی کو صقلیہ کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔[1]

ابو الغنائم حسن بن علی بن ابی الحسن کلبی

حسن بن علی افریقہ کے معزز قبیلہ بنو کلب کا ممتاز رکن تھا اور نہایت شجاع اور ذی فہم، اس نے ابو یزید خارجی کے قصہ کو ختم کیا تھا۔ المنصور اس کی بڑی قدر کرنے لگا تھا۔ حسن افریقہ سے روانہ ہو کر ۳۳۶ھ میں صقلیہ پہنچا۔ پہلا قیام بندرگاہ مازر پر تھا۔ کوئی شخص پیشوائی کو نہ آیا۔ شب میں حکومت کے چند وفادار پوشیدہ حسن کے پاس آئے اور قبیلۂ طبری کے فتنہ سے آگاہ کیا اور مقامی سیاسیات کے رازہائے سربستہ اس کے سامنے کھولے۔ ان کے جانے کے بعد سرکش قبیلہ کے چند لوگ مع سرخیل جماعت اسمٰعیل بن طبری حسن سے آکر ملے۔ یہ اُن سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا۔ اسماعیل نے علی بن طبری اور محمد بن عبدون کو افریقہ بھیجا تھا کہ منصور حسن کو واپس بلا لے۔ چنانچہ یہ خبر بھی حسن کو مل چکی تھی۔ پھر بھی وہ مدارات سے پیش

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۳۱۔

آیا اور اُن کو رخصت کر کے بلرم پہنچا۔ ان سب نے خیر مقدم کیا۔ اسمٰعیل نے یہ حالت دیکھی تو پیش پیش ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسمٰعیل نے ایک فتنہ اور کھڑا کیا۔ حسن کے غلام کو متہم کر کے شہرت دی۔ فریادی حسن کے پاس پہنچے۔ حسن کو غلام کی نیک چلنی کا علم تھا پر اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے عدل وانصاف کی شہرت تمام صقلیہ میں پھیل گئی۔ ادھر منصور نے حسن کو اطلاع دی کہ صقلیہ سے جو وفد آیا ہے اس کو قید میں ڈال دیا گیا وہاں اُن کے ساتھیوں کا جلد خاتمہ کر دو۔ چنانچہ فتنہ پردازوں سے روابط بڑھا کر ایک دن سب کو بُلا کر جیل میں ٹھونس دیا اور ان کا مال واسباب بحقِ حکومت ضبط کر لیا گیا۔ تمام اہلِ صقلیان کے استیصال پر اطاعت گزار ہو گئے۔

بیزنطینی بحری بیڑہ حملہ آور ہوا حسن نے اپنے بحری بیڑے سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور بعض مقامات اٹلی کے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ ان میں ریو کے علاقہ کے خوب صورت شہر جراجہ بھی تھا۔ اہلِ جراجہ نے جزیہ پر اطاعت قبول کر لی۔ دوبارہ قلوریہ پر سنہ ۳۴۰ھ میں منصور کے حکم سے حملہ کیا۔ شہنشاہ قسطنطین ہفتم پارفیز وجنٹس نے منصور سے عارضی صلح کر لی جس کی وجہ سے حسن رک گیا۔ البتہ ریو میں مسجد تعمیر کی گئی جو مسلمانانِ صقلیہ کی فتوحات کی ایک شان دار یادگار اٹلی میں قائم ہو گئی۔

سنہ ۳۴۱ھ میں المنصور بھی انتقال کر گیا۔ اس کا لڑکا معدالمعز لدین اللہ کے لقب سے تختِ حکومت پر بیٹھا۔ حسن اپنے لڑکے ابوالحسن احمد کو اپنا قائم مقام والی صقلیہ کر کے اٹلی کی فتوحات کا مالِ غنیمت اور امدادی فوج کے سپہ سالار فرج صقلبی کو لے کر سنہ ۳۴۲ھ میں افریقیہ پہنچا۔ المعز نے حسن کی بڑی قدر دانی کی اور ابوالحسن احمد کو والی صقلیہ مقرر کر کے فرمانِ ولایت لکھ کر بھیج دیا[1] حسن کو افریقیہ میں حکومت

---

[1] ابوالفدا جلد ۲ ص ۹۶۔

کی خدمات سپرد کر دی گئیں ۔ اسی زمانے میں خلافتِ ہسپانیہ سے اور المعز سے چھڑ گئی، ہسپانیہ کا بیڑا آیا۔ حسن کی سرکردگی میں المعز کا بیڑا برسرِ پیکار ہوا۔ ہر دو میں خونریز جنگ ہوئی۔ اس کی تفصیل تاریخ مصر میں بیان ہو چکی ہے۔

حسن نے افریقہ سے اٹلی پر پھر تاخت کی۔ دوسرا بیڑا افریقہ سے گیا۔ حسن کا بھائی عمار امیر البحر تھا۔ راہ میں طوفان آیا، بیڑہ تباہ ہو گیا۔

حسن کا ارادہ یہ تھا کہ صقلیہ کی حکومت موروثی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے احمد کو بلایا۔ صقلیہ کے تیس عمائد بھی اس کے ساتھ تھے۔ احمد مع جماعت کے حسن کے توسل سے المعز کی خدمت میں باریاب ہوا اور خلافتِ فاطمی کی بیعت کی۔

اس کے بعد احمد لوٹ آیا۔ حالات امن وسکون سے گزر رہے تھے۔ اوتھو اعظم نے صقلیہ کے بعض قلعوں کو لینا چاہا مگر مقابلہ میں اس کو ناکامی ہوئی۔ طبرمین میں سے عیسائی خارج کر دیئے گئے اور وہاں اسلامی آبادی قائم کر دی گئی۔ حکومت بیزنطینی نے عظیم الشان بیڑا بھیجا۔ حسن اور ابن عمار اپنے بیڑے کو لے کر مقابل ہوئے۔ رومیوں کی پوری قوت اس معرکہ میں ٹوٹ گئی اور اس طرح صقلیہ کا کل علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد حسن کلبی کا انتقال ہو گیا۔

ایک سو اڑتیس سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد جو ۲۱۲ھ سے شروع ہو کر ۳۵۴ھ پر ختم ہوئی اور صقلیہ کی تسخیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے :-

"اب پورا جزیرہ ایک عربی جزیرہ تھا جس نے ایک خالص اسلامی حیثیت اختیار کر لی۔" [1]

حکومت بیزنطینی میں مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی تو قیصر روم نقفور (فوکس) نے المعز سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی استدعا کی۔ المعز نے فراخ دلی سے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۵ صفحہ ۳۲ ۔

پائیدار صلح نامہ کر لیا۔ باہم تحائف کے تبادلے ہوتے تھے۔ طبرمین اور رمطہ جہاں سے عیسائی نکال دیئے گئے تھے۔ المعز نے ان شہروں کو عیسائیوں کے سپرد کرنا چاہا اور احمد کو حکم دیا۔ اس نے دونوں شہروں کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا، ناگوار گزرا اور اُس نے اپنے بھائی ابوالقاسم کو بھیج کر شہر مسلمانوں سے خالی کرائے اور مسمار کرا کر آگ لگوا دی۔ المعز نے احمد کو معزول کر کے افریقیہ بلا کر دوسرے اعلیٰ عہدے پر سرفراز کیا اور کلبی خاندان کے مولیٰ یعیش کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ یعیش حسن کا غلام تھا مگر صاحبِ اقتدار۔ لیکن اہلِ صقلیہ نے اس کی مخالفت کرنی شروع کر دی۔ امن و امان خطرہ میں پڑ گیا۔ المعز کو خبر ہوئی، یعیش کو معزول کر کے احمد کو اس کی جگہ پر فائز کیا مگر احمد مصر کی فتح پر لگا ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس کے بھائی ابوالقاسم کو صقلیہ بھیج دینا چاہا۔ احمد مصر سے لوٹا، طرابلس الشام کے ساحل پر ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ المعز نے ابوالقاسم کو فرمانِ تقرر بھیج دیا اور وہ ۳۶۰ھ میں صقلیہ پہنچا۔

المعز کے قائد جوہر صقلی نے مصر کو فتح کرنے کے بعد قاہرہ کو تعمیر کیا اور المعز کو وہیں بُلا لیا تو المعز نے افریقیہ کی ولایت سے صقلیہ اور طرابلس الغرب وغیرہ کو الگ کر دیا اور ایک مساوی درجہ حکومت تسلیم کر کے اس کو مستقل طور پر آلِ حسن یعنی کلبین کے سپرد کر دیا اور اپنی نگرانی میں صقلیہ کا ایک خود مختار فرمانروا تسلیم کیا۔[۱] المعز نے ار ربیع الآخر ۳۶۵ھ میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حسن کلبی فرمانروائے صقلیہ

ابوالقاسم نے مستقل فرمانروائی کا آغاز کیا۔ خلافتِ مصر سے صرف اس قدر تعلق تھا جیسا اغالبہ کا خلفائے بنو عباس سے۔ ابوالقاسم کا عہد المعز کے زمانے میں سکون و اطمینان سے گزرا۔ معز کا جانشین نزار العزیز باللہ ہوا۔ ادھر دوم

---

[۱] تاریخ صقلیہ جلد ۱ ص ۳۰۶۔

ینے پھر حماقتیں کرنا شروع کر دیں اور لشکر صقلیہ بھیجا۔ اہلِ مسینا کے عیسائی اس کے دام میں پھنسے اور لشکر کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ مگر ابوالقاسم نے یہ رنگ دیکھ کر جہاد کا اعلان کیا۔ مسلمان جوق در جوق جہاد کی شرکت کے لئے فوج میں داخل ہو گئے۔

جب یہ مجاہدین کا مقدس لشکر رمضان میں مسینا پہنچا، سورما رومی اور فتنہ جُو عیسائی مسلمانوں کی آمد کی خبر سُن کر آبنائے مسینا عبور کر کے اٹلی چلتے ہوئے۔ مگر ابوالقاسم نے مسینا پہنچ کر عنانِ توجہ اٹلی کی طرف کی اور کسنتہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ کسنتہ نے زرِ نقد ادا کر کے صلح کر لی۔ ابوالقاسم نے دوسرے قلعہ جلوا کو بھی اسی طرح زیرِ نگیں کیا۔ برلولہ اور قلوریہ میں دستے بھیجے جنہوں نے کافی مالِ غنیمت حاصل کیا اور عیسائیوں کو پکڑ لائے۔

غرضیکہ کامیابی کے بعد ابوالقاسم بلرم واپس آ گیا اور رمطہ کو ۳۱۶ھ میں نئے سرے سے تعمیر کیا اور ایک فوج یہاں متعین کی۔ پھر ابوالقاسم جہاد کے لئے روانہ ہُوا۔ شنت اغاثہ کا قلعہ ہاتھ لگا۔ اس کے بعد طارنٹو کو قبضہ میں لایا اور شہر کو برباد کر کے عیسائیوں کے فوجی گڑھ کا خاتمہ کر دیا۔ پھر شہر اورنت اور شہر غرنیلہ کو تاراج کر ڈالا اور باشندے اطاعت گذار بن گئے۔ پھر بلرم لوٹ آیا۔

اوتھودوم نے عظیم الشان لشکر لے کر ملیطو پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ مسلمان مقابلہ نہ کر سکے۔ ادھر ابوالقاسم کے سر پر قضا منڈلا رہی تھی، وہ ایک موقعہ پر رومی فوج کے ہاتھوں گھِر کر شہید ہو گیا۔ مگر اس کے ساتھی مسلمانوں نے رومیوں سے انتقام لے لیا۔ اور اس قدر عیسائی تہ تیغ کئے کہ یہ رنگ دیکھ کر اوتھودوم نے راہِ فرار اختیار کی اور اس صدمہ میں ۹۸۳ء میں مر گیا۔

ابوالقاسم نے بارہ سال پانچ ماہ شاندار حکمرانی کی۔ وہ نیک سیرت، حلیم و بردبار، عادل، منصف مزاج، امن پسند فرمانروا تھا۔ ذاتی فضائل میں یگانہ تھا۔ علماء اور اہلِ علم کا قدردان۔ وفات کے بعد درہم و دینار پسماندوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا اور نہ کوئی ذاتی ملکیت تھی، جو تھی وہ زندگی میں غرباء و

مساکین کے لئے وقف کر دی۔ اس کے انتقال کا اہلِ صقلیہ کو بڑا صدمہ پہنچا۔

جابر بن ابوالقاسم کلبی

جابر اپنے باپ کا جانشین اٹلی ہی میں ہو گیا تھا مگر تدبر و دور اندیشی اس میں نہ تھی، ملک کو نہ سنبھال سکا۔ فوج میں بغاوت اس کے خلاف پھیل گئی۔ دربارِ مصر کو شکایات پہنچیں۔ العزیز نے اس کو معزول کر دیا۔ ۳۷۲ھ سے ۳۷۳ھ تک صقلیہ کی حکمرانی کی۔ اس کے بجائے اس کا چچا زاد بھائی جعفر بن محمد کلبی مقرر ہوا ہوا۔ جعفر مصر میں شعبۂ وزارت کے کسی عہدہ پر فائز تھا، صقلیہ پہنچ کر جابر سے حکومت کا جائزہ لے لیا۔

جعفر بن محمّد کلبی

جعفر ہوشمند مدبر تھا حکومت کی تمام بد انتظامیوں کی اصلاح کی۔ انتظام مملکت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے زمانہ میں صقلیہ میں امن و امان رہا۔ خود یہ اہلِ علم میں سے تھا، علماء و فضلاء کا قدر دان تھا۔ اہلِ علم و شعراء سے اس کا دربار بھرا رہتا تھا۔ انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کرتا۔ اس کے عہد میں علمی فضاء پیدا ہو گئی[2]۔ ۳۷۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بھائی عبداللہ بن محمد کلبی تختِ حکومت پر بیٹھا۔ گو حسنِ تدبیر اور مآل اندیشی میں یگانہ تھا۔ لیکن چار برس حکمرانی کر کے ۳۷۹ھ میں فوت ہو گیا۔ مگر اس نے اپنے حینِ حیات میں اپنے لڑکے ابوالفتوح کو اپنا جانشین بنایا۔

ﷺ

---

[1] ابوالفدا ج ۲ ص ۹۷ [2] ابن خلدون ج ۴ ص ۲۱۰

ثقۃ الدولہ ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ کلبی

العزیز باللہ نے تخت نشینی کی توثیق کردی اور ثقۃ الدولہ لقب عطا کیا۔ حکومت کے نظم ونسق کو درست کر کے اٹلی کے مقبوضات پر متوجہ ہوا۔ ایک ایک ریاست سے نبرد آزما ہو کر سب کو زیر کر لیا۔ اٹلی کی تمام عیسائی حکومتیں اس کے سامنے سرِ نیاز جھکانے لگیں جس سے مسلمان ایطالیہ میں امن وامان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ ہونے لگا۔ ابوالفتوح اربابِ علم وفضل کا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں علم وفن اور شعروادب کا مرکز صقلیہ بن گیا تھا۔ العزیز نے ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔

العزیز کے جانشین الحاکم فاطمی نے ثقۃ الدولہ کی ولایت کی تصدیق کا فرمان بھیج دیا۔ یکایک اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ اُس نے اپنے بیٹے جعفر کو حکومتِ صقلیہ پر سرفراز کیا اور خود گوشہ گیر ہو گیا۔

تاج الدولہ سیف الملۃ جعفر بن ابوالفتوح کلبی

الحاکم عبیدی نے تاج الدولہ جعفر کی ولایت کی تصدیق کے ساتھ لوائے فاطمی اور تاج الدولہ سیف الملۃ کے لقب سے مفتخر کیا۔ ۳۸۸ھ میں عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر کروفر وشان وشوکت کے ساتھ ولایتِ صقلیہ کے فرائض ادا کرنے لگا۔ ابوالفتح تمام صقلیہ میں امن وامان کی بنیادیں قائم کر گیا تھا۔ اس کے عہد میں مرفہ الحالی کا دور تھا۔ ۳۹۵ھ کو افریقہ میں شدید قحط پڑ گیا جس کا اثر یہ پڑا کہ ہزارہا مسلمان لقمۂ اجل ہو گئے۔ دیہات ویران ہو گئے، مساجد سنسان ہو گئیں اور کثرت سے علماء وصالحین نے اس دارِ فانی سے رحلت کی۔ باشندوں نے گھبرا کر صقلیہ کی طرف رخ کیا۔ یہاں تاج الدولہ نے ان کی پذیرائی کی۔

کلبیوں کا عہد صقلیہ کے لئے زرّیں عہد تھا۔ یہاں زراعت اور صنعت

کو مسلمانوں نے معراجِ کمال تک پہنچا دیا تھا جس سے دولت و ثروت کی بہتات ہوگئی۔ گھر گھر علمی چرچے ہونے لگے۔ علم و ادب کی روزافزوں ترقی تھی۔ اس کے سوا حکمران طبقہ کے جود و کرم اور داد و دہش نے علماء و فضلاء کو کھینچ بلایا تھا۔

تاج الدولہ کی تخت نشینی کے سولہ سال بعد ۴۰۵ھ میں اس کے بھائی علی نے بربریوں اور موالیوں کو ہمنوا بنا کر صقلیہ کے تاج و تخت کا دعویٰ کیا اور میدانِ جنگ میں اُتر آیا۔ تاج الدولہ نے بھی فوج بھیج دی۔ بلرم کے قریب معرکہ کارزار گرم ہُوا۔ علی گرفتار کر لیا گیا اور تاج الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے فوراً اس کو قتل کرا دیا۔ ثقۃ الدولہ بیٹے کا قتل دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بربریوں اور موالی جو فوج میں تھے اُن کی طرف متوجہ ہُوا۔ بربریوں کو مع اہل و عیال کے جلاوطن کر دیا اور موالیوں کو چُن چُن کر قتل کرا دیا۔ بربری افریقہ چلے گئے۔ فوج میں وطنی داخل کر لئے گئے۔ اس کا اثر ملک پر بُرا پڑا۔ فتوحات کا دارومدار بربریوں اور موالیوں پر تھا ان کی ہیبت تمام عیسائیوں پر تھی۔

اس کے علاوہ عہدے دار افریقی رہے جس سے اس میں کشمکش شروع ہوگئی۔ وزارتِ عظمیٰ پر حسن بن محمد باغائی تھا۔ یہ بد دماغ اور مغرور انسان تھا۔ تمام لوگ اس کے سلوک سے بددل ہو گئے۔ اس پر اس سے یہ غلطی ہوئی کہ رواجی قانونِ محاصل میں ترمیم کر دی۔ حکومت سے عوام پہلے سے بیزار تھے۔ اس سے ان میں باغیانہ لہر دوڑ گئی اور مجتمع ہو کر قصرِ حکومت کو گھیر لیا۔ فوج پہلے سے بے قابو تھی اور مشتعل مجمع کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

ثقۃ الدولہ یوسف جو صاحبِ فراش تھا، وہ فینس میں سوار ہو کر بلوائیوں کے سامنے آیا۔ اس سے ہر ایک کو محبت اور عقیدت تھی۔ چنانچہ سب نے اس کو گھیر لیا اور شفقت و محبت سے بلوائیوں کو خطاب کر کے مطالبات دریافت کئے۔ انہوں نے متفقہ جعفر کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ یوسف نے منظور کر لیا۔ ان لوگوں نے باغائی کو طلب کیا۔ اس کو بھی بلا کر پیش کر دیا۔ وہ جوشِ انتقام میں اس پر ٹوٹ پڑے

اور قتل کر کے لاش جلا ڈالی۔

ان لوگوں نے ثقۃ الدولہ کے لڑکے احمد معروف بہ اکحل کو اپنا امیر نامزد کر لیا۔ ثقۃ الدولہ نے اہلِ صقلیہ کی حالت دیکھ کر تاج الدولہ کو پوشیدہ طور سے افریقہ روانہ کر دیا اور خود بھی مصر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

تائید الدولہ احمد الاکحل کلبی

۴۱۰ھ میں سریر آرائے تخت امارت صقلیہ ہُوا۔ عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی اصلاح و درستی میں مصروف ہو گیا۔ الحاکم کی طرف سے ضابطہ کا فرمانِ ولایت معہ القاب کے عطا ہُوا۔ ثقۃ الدولہ مع دولت و ثروت جس میں چھ لاکھ ستر ہزار دینار نقد تھے لے کر مصر روانہ ہو گیا۔ احمد نے عوام کی توجہ لگانے کو اٹلی کے مقبوضات کی فتح کے لئے فوج کو روانہ کیا جس نے کامیاب فتوحات حاصل کیں اور مالِ غنیمت لے کر لوٹی۔

تائید الدولہ مہموں پر گیا تو انصرامِ حکومت اپنے لڑکے جعفر کے سپرد کر گیا مگر اس کی نوعمری اور ناتجربہ کاری نے ملک کی حالت دگرگوں کر دی۔ جب آخری مرتبہ اکحل اٹلی سے واپس آیا تو دیکھا کہ یہاں کا تمام بنا بنایا کھیل بگڑ چکا تھا۔ ابھی اکحل یہاں کی سیاسی گتھیاں سلجھا رہا تھا کہ ایک نئی وحشی قوم نارمن نے صوبہ قلوریہ کی اسلامی آبادی کو تباہ و برباد کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا تائید الدولہ ان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

نارمن قوم کا وطن نارمنڈی تھا۔ یہ پیشۂ قزاقی کرتے تھے۔ یہ اٹلی کی عیسائی حکومتوں کی فوج میں ملازم ہوئے اور جب ان کی جماعت کافی ہو گئی تو انہوں نے اسلامی آبادی کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور ان کو بہت سا مال ہاتھ لگا۔ پھر تو انہوں نے چند اہم مقامات لے کر ایک کو مرکز قرار دیا اور نارمن حکومت کی تشکیل کر لی۔ ان نارمنوں کے ظلم و جور اور قلوریہ کے نکل جانے کا اثر مسلمانانِ

افریقہ پر پڑا حکومتِ صقلیہ سے تو بن نہ پڑا۔ مغرب کی اسلامی حکومتوں میں سے حکومت صنہاجیہ کے بیدار مغز اور غیور فرمانروا المعز نے چار سو جہازوں کا ایک بیڑا نارمنوں کے استیصال اور قلوریہ میں اسلامی اقتدار کو پھر دوبارہ قائم کرنے کے لئے بھیجا مگر جزیرۂ قوصرہ کے قریب سمندر میں سخت طوفان آیا اور بیڑا غرقاب ہو گیا۔ صرف گنتی کے لوگ جان بچا کر افریقہ واپس آسکے۔ چنانچہ اُسی وقت سے قلوریہ کے حرمان نصیب مسلمانوں کا آفتابِ اقبال ۴۲۶ھ میں غروب ہو گیا۔

صوبہ انکیردہ کی منظم اسلامی حکومت کا خاتمہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔

غرضیکہ قلوریہ جہاں مسلمانوں کا تجارتی کاروبار ترقی پذیر حالت میں تھا اور اُن کا شمار صنعت و حرفت میں ترقی یافتہ قوموں میں ہوتا تھا۔ نارمنوں کے وحشیانہ سلوک نے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جس میں علماء اور صالحین اور اہلِ علم بھی تھے قلوریہ سے ہجرت کر کے صقلیہ چلے آئے اور صوبہ انکیردہ کی بعض اسلامی آبادیوں میں چلے گئے۔ جو ستم زدہ رہ گئے کچھ عرصہ بعد ان کی نسلیں اسلام سے بیگانہ ہو گئیں۔ تائیدالدولہ نے اپنی حکمرانی کو قائم رکھنے کے لئے وطنی اور غیر وطنی کا سوال اُٹھا کر افریقہ کے مسلمانوں کو ہمنوا کر کے تمام عہدے اُن میں تقسیم کر دیئے۔

وطنیوں کو یہ طریقۂ عمل ناگوار گزرا اور تائیدالدولہ کلبی کی حکومت سے گلوخلاصی کرنے کے لئے اہلِ صقلیہ کا ایک وفد المعز والئ صنہاجیہ جو شیعیت سے تائب ہو گیا تھا اور علیدین کے مکر و خداع سے بیزار تھا، پہنچا اور المعز کو صقلیہ کی صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور تہدید آمیز درخواست کی کہ یا تو حکومتِ افریقہ جزیرہ صقلیہ کو کلبیوں سے آزاد کرا کر اپنے ممالک محروسہ میں داخل کر لے، ورنہ ہم عیسائیوں کو بلا کر اس جزیرہ کو ان کے سپرد کر دیں گے[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۰ ۔

المعزنے وفد کی درخواست پر اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں چھ سونفوس کا ایک دستہ افریقہ سے صقلیہ بھیج دیا۔ اہلِ صقلیہ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ بلرم کے قریب خالصہ پر تائیدالدولہ سے مقابلہ ہوا۔ تائیدالدولہ کو شکست ہوئی، قلعہ بند ہو گیا۔ مگر پھر بھی جان نہ بچا سکا اور افریقی مسلمانوں کے ہاتھ سے ۴۲۷ھ میں قتل کر دیا گیا۔ مگر اس واقعہ سے اہلِ صقلیہ بھی بگڑ بیٹھے اور عبداللہ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ رنگ دیکھ کر بقیہ تین سو اپنے ساتھیوں کو لے کر عبداللہ افریقہ واپس چلا گیا[1] اس زمانہ میں الظاہر لاعزاز دین اللہ فاطمی نے شعبان ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔ اس کا لڑکا ابوتمیم معد دولتِ عبیدیہ کا فرمانروا بنا۔

تائیدالدولہ کے قتل سے دولتِ کلبیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ ملک میں عام بدامنی شروع ہو گئی۔ حکومت کا رُعب وادب جاتا رہا اور شورہ پشت عنصر نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کر کے تائیدالدولہ کے چھوٹے بھائی حسین کو صمصام الدولہ کا لقب دیکر رسمی طور پر برائے نام حکومت اس کے سپرد کر دی۔

صمصام الدولہ حسین بن ثقۃ الدولہ کلبی

صمصام الدولہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر انتظامِ ملک کی طرف متوجہ ہونا چاہا مگر شورش پسند عنصر اپنی جماعت کو برسرِاقتدار کر کے سیاہ وسپید کے مالک بن گئے اور سابقہ عمال کو معزول کر دیا۔ اس سے ہنگامہ دار وگیر برپا ہو گیا۔ مرکز کی زبوں حالی دیکھ کر ہر صوبہ کا حاکم خود مختار بن گیا۔ صقلیہ کے اضطراب انگیز حالات نے قیصرِ روم میکائیل چہارم (۴۲۹ھ) کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے پیشرو بیزنطینی فرمانروا باسل دوم کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کرے۔ چنانچہ مذہب کے نام پر علیسائی عوام کو اُبھار کر ایک فوج جمع کر لی اور ایک بیڑا تیار کر کے اپنے سب سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۰۔

بڑے جنرل کپتان جارج مینکس کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ بیڑا ۴۲۹ھ میں مسینا پہنچا اور معمولی مزاحمت کے بعد مسینا پر قبضہ کر لیا[1]

اس واقعہ کا اثر دولتِ کلبیہ پر بُرا پڑا اور ۴۳۱ھ میں یہ آخری کلبی تاجدار بھی تختِ حکومت سے معزول کر دیا گیا اور اس پر دولتِ کلبیہ کا صقلیہ سے خاتمہ ہو گیا۔ مگر شورش پسندوں نے صمصام الدولہ کی بھی جان لے لی اور اس کو قتل کر ڈالا حسن کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خانوادۂ کلبیہ کا چراغ گل ہو گیا۔ حسن بن علی دولتِ کلبیہ کا بانی ہُوا اور صمصام الدولہ نے تختِ حکومت چھوڑا حسن کی اولاد میں سے چھیانوے برس تک صقلیہ کے فرمانروا رہے۔ ان کا عہد صقلیہ میں عہدِ زریں تھا۔ اس عہد کی تہذیب و تمدن و علمی ترقی کا اثر یورپ کے بڑے حصہ پر پڑا۔ اسپین کے بعد یہاں کے علمی ذخائر سے اہلِ یورپ نے استفادہ حاصل کیا۔ اس حقیقت سے انکار سفاہت ہے۔

صقلیہ میں طوائف الملوکی

دولتِ کلبیہ کے خاتمہ کے بعد ہر صوبہ کا حاکم کھل کر میدان میں آ گیا۔ ادھر بیزنطینی جنرل منکس کے حملے شمالی صقلیہ میں جاری تھے۔ صرف مضافاتِ سرقوسہ اس کے تصرف میں آ گئے۔ لُطف یہ ہے کہ صوبے کے حاکموں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی اور اُنھوں نے بھی بیزنطینی جنرل کی معاونت کی۔

بلرم میں صمصام الدولہ کے قتل کے بعد شہریوں نے ایک مجلسِ شوریٰ حکومت کی قائم کی۔ مگر صوبہ داروں نے ان کی اطاعت نہیں کی۔

صُوبوں کے حکمران

حکمران	دائرۂ حکومت
قائد عبداللہ بن منکوت	مازر، طربنس، شاقہ، مرسی علی

علی بن نعمۃ (یا ابن حواس)	قصریانہ۔ جرجنت۔ قصرنوبو
محمد بن ابراہیم بن ثمنہ	سرقوسہ
ابن کلابی	قطانیہ
مجلسِ شوریٰ بلرم	بلرم اور اُس کے مضافات

ان پانچوں خود مختار دول میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ حاکم سرقوسہ ابن ثمنہ نے بلرم کی طرف پیش قدمی کی۔ فتنہ پرداز جماعت نے اس کا خیر مقدم کیا اور سب اہلِ بلرم نے اس کو جائز فرمانروا مان لیا۔ ابن ثمنہ نے بلرم کی حکومت ہاتھ میں لے کر قطانیہ کے حاکم ابن کلابی سے دو دو ہاتھ کئے۔ وہ جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے کام آیا اور صوبۂ قطانیہ کا الحاق بھی مرکزی حکومت سے ہوگیا۔ ابن حواس اور ابن منکوت کمزور نہ تھے تو اُن سے مساویانہ تعلقات قائم کر لئے۔ ابن الکلابی کی بیوہ ابن حواس کی بہن تھی جس کا نام میمونہ تھا، زمانۂ عدت ختم ہوتے ہی اس سے نکاح کر لیا[1]

ابن ثمنہ اور ابن حواس کے اس رشتہ سے ابن ثمنہ کا وقار بڑھ گیا۔ بلرم کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور پھر سے امن وامان کی لہر صقلیہ میں دوڑ گئی۔ یہ صوبہ دار شیعہ تھے۔ انہوں نے خلافتِ فاطمی سے بھی انتساب قائم کر لیا۔ مگر ۴۴۴ھ میں میمونہ اور ابن ثمنہ میں کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی اور یہاں تک بڑھی کہ ابن ثمنہ شراب کے نشہ میں میمونہ کو بہت بُرا کہنے لگا جس کا جواب اس نے بھی ویسا ہی دیا۔ اس نے طیش میں آکر اس کے دونوں ہاتھ کی فصد کھلوا دی۔ خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ابن ثمنہ کے لڑکے کو خبر لگی اس نے اطباء کو بلا کر علاج کرایا اور وہ تندرست ہوگئی۔ دوسرے دن میمونہ سے معذرت خواہ ہوا مگر اس کا دل صاف نہیں ہوا۔ موقعہ پاکر

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۲۱۰۔

اپنے بھائی کے پاس چلی گئی اور اس سے تمام حالات کہے۔ وہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے میمونہ کو بلایا۔ ابن حواس نے جانے نہ دیا۔ ابن ثمنہ جوش غضب میں اپنی فوجیں لے کر قصریانہ پہنچا، ابن حواس مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابن ثمنہ کو شکست ہوئی وہ قطانیہ کی طرف فرار ہوا۔ قصریانی لشکر تعاقب کرتا رہا۔ ابن ثمنہ کی فوج بہت کام آئی۔ آخرش ابن ثمنہ جان بچا کر مسینا میں داخل ہو گیا۔ یہاں عیسائی حکومت تھی۔ اس کی پناہ لی۔

صقلیہ سے اسلامی حکومت کا خاتمہ

مسینا کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو دیکھ کر نارمنوں کو دعوت دی۔ اس کے بعد ہی ابن ثمنہ مسینا سے کلبریہ (علاقہ اٹلی) روانہ ہوا اور ملیطو پہنچ کر حاکم کلبریہ رابرٹ گوسکارڈ کو صقلیہ پر حملہ کی استدعا پیش کی۔ اس نے راجر کو صقلیہ کے معاملات سپرد کر دیئے۔

تاریخ نارمن

نارمن جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے قزاق پیشہ لوگ تھے، ناروے کے رہنے والے تھے۔ شارلمین کے عہد میں فرانس پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ پیرس کو نرغہ میں لے لیا تو برگنڈی ان کو دے دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد ان کا سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا۔ ایک باجگذار ریاست نارمن یا نارمنڈی قائم ہو گئی۔

رئیس نارمن رد الف قدیم بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گیا اور شاہی خاندان کی لڑکی اس کے عقد میں آگئی۔

غرضیکہ ان نارمنوں نے اٹلی کا رخ کیا اور اسلامی علاقہ کو تاراج کر کے اپنی ریاست قائم کر لی۔ ان میں رابرٹ گوسکارڈ اولوالعزم شخص تھا اس کا بھائی راجر تھا جس سے اور ابن ثمنہ سے صقلیہ پر حملہ کرنے کے معاملات

ملے ہوئے اور رجب ۴۴۴ھ میں دشمن ملک وملت ابن ثمنہ کی رہبری میں راجر کلبریہ سے فوج لے کر صقلیہ روانہ ہوا[1] اور مسینا پہنچا۔ عیسائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور مسینا راجر کے قبضہ میں آگیا اور ابن ثمنہ غدار کے ذریعہ قطانیہ بلا مزاحمت کے راجر کے ہاتھ آگیا۔ پھر قصریانہ کی طرف رُخ کیا اور رشاٹک تک پہنچ گیا۔ غرضیکہ ایک بڑا حصہ صقلیہ کے شمالی علاقہ کا اس کے زیرِ اقتدار آگیا۔ ابن حواس نے قصریانہ پر نارمنوں سے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا، قلعہ بند ہوگیا۔ راجر نے محاصرہ میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اکثر قلعے اور شہر جو نگہبانوں سے خالی تھے ان پر قبضہ کر کے صلیبی عَلَم لہرا دیئے۔

صلحاء و علماء نے مدافعت کی صورت نہیں دیکھی تو وہ اسلامی ملکوں کو ہجرت کر گئے۔ اہلِ صقلیہ نے پھر المعز سے امداد چاہی۔ اُس نے پھر بحری بیڑا بھیجا مگر قوصرہ کے قریب وہ بھی غرقاب ہوگیا۔ ابن اثیر اور نویری اس بیڑے کی بربادی کا ذکر حسبِ ذیل کرتے ہیں :۔

> "اس بیڑے کی بربادی سے المعز بہت کمزور ہوگیا اور عرب جو عبیدیین کے فرستادہ تھے صنہاجہ کے شہروں پر قابض ہونے لگے اور اسی کے بعد اس وقت فرنگی صقلیہ کے اکثر شہروں پر بغیر کسی روک ٹوک کے قابض ہونے لگے جن کو روکنے والا کوئی موجود نہ تھا کیونکہ فرمانروائے افریقہ عربوں سے برسرِ پیکار ہوگیا اور پھر وہ ۴۵۳ھ میں وفات پاگیا۔"

نارمن شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے صقلیہ میں آگے بڑھ رہے تھے۔ نیز عجلت کار کے لئے اٹلی سے مزید کمک طلب کی اور رابرٹ خود اپنی قیادت میں فوج لے کر ۴۵۳ھ میں صقلیہ پہنچا اور چھوٹے بڑے قلعوں پر قابض ہوگیا۔ اب مسلمانوں کے

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صـ۲۱۱ ۔

قبضہ میں جرجنت، قصریانہ، بلرم، سرقوسہ، مازر، طرابنش، ارغوس، نوطس وغیرہ باقی رہ گئے تھے اور بلرم میں نام نہاد مرکزی حکومت قائم تھی۔ اٹلی میں شہر اطرانہ میں مسلم ریاست تھی وہ بھی اس سنہ میں نارمنوں کے قبضہ میں آگئی اور یہاں سے دولتِ اسلامی کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا۔ مسلمان ہجرت کرکے صقلیہ کے شہروں میں آگئے جو رہ گئے وہ اسلام کے دائرہ سے نکل گئے۔

تمیم بن المعز بادشاہ صنہاجہ نے مسلمانانِ صقلیہ کی مدد کے لئے اپنے لڑکوں ایوب اور علی کو مع فوج اسلامی کے بھیجا۔ ایوب بلرم ٹھہرا۔ علی نارمنوں کا راستہ روکنے کے لئے جرجنت چلا گیا۔ ابن حواس نے محل میں ٹھہرایا اور بڑی خاطر کی۔ ایوب بھی یہیں آگیا۔ دونوں بھائیوں کی آمد سے اہلِ صقلیہ ان کے گرویدہ ہوگئے انہوں نے ملک کی شیرازہ بندی کرنی شروع کی اور نارمنوں سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگے کہ ابن حواس نے وطن اور ملک سے غداری کی۔ مہمانوں سے مڈبھیڑ کر بیٹھا۔ ہر دو طرف کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں جس میں ابن حواس کام آیا۔

اب افریقی اور صقلوی مسلمانوں میں چل گئی۔ ہر دو شہزادے افریقہ جاتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ گئے۔ اعیان و امرائے وقت نے یہ رنگ دیکھ ہجرت پر کمر باندھی۔ انبوہِ کثیر صقلیہ کو چھوڑ کر افریقہ آگیا۔[1]

ابن البعباع آخری تاجدارِ صقلیہ

مسلمانانِ صقلیہ نے اپنا امیر ابن البعباع کو بنا لیا۔ اس نے نارمنوں سے خوب خوب مقابلے کئے۔ دولتِ فاطمیہ مصر نے سنہ ۴۶۳ھ میں ایک قاصد ابن البعباع سے خراج کی رقم طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ صقلیہ بطور ایک ماتحت صوبہ کے حکومتِ مصر کو خراج ادا کرتا تھا۔ ابن البعباع نے قاصد سے معذرت چاہی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰۔ صہ ۱۳۳۔

قاصد نے دربارِ مصر کو پیغام پہنچا دیا۔ فاطمی خلیفہ نے ابن البعاع کے خلاف نارمنوں کو لکھ بھیجا کہ صقلیہ کا کل علاقہ تم کو دیا جاتا ہے۔ تم ہمارے باغی کو نکال باہر کرو۔ یہ تھا عبیدین کا کارنامہ۔

غرضیکہ فاطمی خلیفہ کے حکم پر غیر مسلم نارمن جنگی بیڑا لے کر ابن البعاع کو نکالنے بلرم کے ساحل پر پہنچ گئے۔ بلرم کے محاصرہ کی خبر تمام یورپ میں پھیل گئی۔ چنانچہ بقول مسٹر اسکاٹ یورپ کے ہر ملک سے جوق در جوق عیسائی سمندر اور خشکی کی طرف سے بلرم پہنچے اور مسلمانوں کے اس دار السلطنت کو گھیر لیا۔

ادھر بلرم کے عیسائی نمک حرامی پر آمادہ ہو گئے اور تمام پرانے احسانات کو بھلا کر نارمنوں کے معاون بن گئے۔ اس کے علاوہ فرقہ وارانہ عقائد کو اس موقعہ پر ہوا دی جا رہی تھی۔ مگر ایک جماعت پرستارانِ توحید کی ایسی تھی جو اسلام کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے سربکف تیار تھی۔ چنانچہ ان مسلمانوں نے نارمنوں کا جان توڑ کر مقابلہ کیا جس کی وجہ سے بلرم کے محاصرہ کو پانچ ماہ گزر گئے۔ نارمنوں کی ہمت پست ہونے لگی اور محاصرہ سے دست بردار ہونے کو تھے کہ غدار عیسائیوں نے نارمنوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ فلاں فصیل کا رخ کمزور ہے۔ چنانچہ پوری قوت سے نارمن اس طرف جھک پڑے۔ مسلمانوں کے لئے بچاؤ کا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انھوں نے بہ مجبوری صلح کی درخواست شرائطِ ذیل کے ساتھ نارمنوں کو پیش کر دی۔ تاریخ صقلیہ سے شرائط نقل ہیں:۔

۱۔ عیسائی حکومت مسلمانوں کو کامل مذہبی آزادی دے گی۔
۲۔ بلرم کی تمام مسجدیں اپنی جگہ برقرار رکھی جائیں گی۔
۳۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی قانون نافذ رہے گا۔
۴۔ مسلمانوں کے مقدمات مسلمان قاضی فیصل کرے گا۔[1]

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۴

نارمنوں نے شرائط منظور کئے مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ دے دیا۔ عیسائیوں نے برجوں، فصیل اور پھاٹکوں پر پرچم اسلامی کے بجائے صلیبی جھنڈا نصب کر دیا[1]۔ بلرم کی تسخیر کے بعد مازرو طرابنش کا رُخ کیا۔ عبداللہ بن منکوت نے اہل بلرم کی طرح نارمنوں سے معاملہ کیا اور خود بادیدۂ نم معہ اہل وعیال کے افریقہ صنہاجی فرمانروا کے پاس چلا گیا جہاں فوجی عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ یہ واقعہ ۴۶۴ھ کا ہے۔

غرضیکہ صقلیہ سے اسلامی حکمرانی کا خاتمہ اس طرح ہوا۔ ابن ثمنہ کا خاتمہ ابن حواس نے کیا تھا اور ابن حواس جرجنت میں تیر کا نشانہ بنا۔ ابن البعباع نے بلرم کو نارمنوں کے سپرد کیا۔ اب ابن منکوت نے حکومت سے دستبرداری دے دی۔ نارمنوں کی باہمی تقسیم کی رو سے صقلیہ راجر ظالم کے قبضہ میں گیا اور رابرٹ بلرم اور مسینا میں نصف حصہ کا شریک رہا۔

راجر نے خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کا نظم ونسق درست کیا اور چار برس بعد شمالی صقلیہ کے اہم شہر طبرمین، سرقوسہ پر متصرف ہو گیا[2]۔ اس کے بعد جرجنت (۴۸۱ھ) اور قصریانہ (۴۸۲ھ) سے لے لئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے خوب خوب مقابلہ کیا۔ مگر قسمت سے لاچار رہے۔ راجر نے زغوس اور نوطس پر پوری قوت سے حملہ کر کے فتح کر لئے مگر یہ فتح شرائط کی صورت میں تھی جیسی بلرم میں کی گئی۔ بحر روم کے وسیع ترین جزیرۂ صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری فرمانروائی کا ۴۸۴ھ میں خاتمہ ہو گیا اور صقلیہ کے مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا قرار پائے[3]۔

صقلیہ وجزائر سے مسلمانوں کا اخراج

راجر اول نے پورے صقلیہ پر قبضہ کر لیا اور وہ تنہا فرمانروائے صقلیہ

---

[1] ابن الاثیر، جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳   [2] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۵۹۔

[3] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳۔

تسلیم کر لیا گیا تو مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے جنوبی اٹلی و نارو سے رومیوں اور عیسائیوں کو صقلیہ لا لا کر مسلمانوں کے پہلو میں آباد کیا۔ اس کے ساتھ ہی مذہب اسلام کی اشاعت قانوناً ممنوع کر دی اور تمام صنعت و حرفت و تجارت اور معاش کے عام شعبوں سے مسلمانوں کو علیحدہ کر کے عیسائیوں کو سپرد کر دیئے[1] اور زمینداریاں جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں، راجر ظالم نے اُن سے چھین کر نو آباد عیسائیوں کو سپرد کر دیں۔ مسلمان مزدور پیشہ کاشت کار کی حیثیت سے رہ گئے۔ ذی اثر و معزز مسلمانوں نے جزیرہ صقلیہ کو خیر باد کہا اور افریقہ، مصر اندلس میں جا کر اقامت پذیر ہو گئے۔ بہت سے کمزور مسلمان آغوشِ علیسویت میں جا کر بظاہر مصائب سے بچ گئے اور عقبیٰ کو برباد کر لیا۔

بلرم، نوطس، جرجنت میں مسلمانوں کو کچھ آزادی تھی اور وہ ارکانِ مذہب ادا کر سکتے تھے اور مقدمات بھی اسلامی قانون کی رو سے طے ہوتے تھے۔ قصریانہ سرقوسہ، مسینا، وغیرہ میں مسلمان بدتر حالت سے زندگی گزار رہے تھے۔ بلکہ مسینا معزز مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ صرف قلیوں کی حیثیت سے رہ گئے تھے۔ یہ راجر اوّل نے معاہدہ کا صلہ مسلمانوں کو دیا تھا۔ آخرش وہ ۲۲ رجون ۱۱۰۱ء، ۴۹۴ھ کو مر گیا اور اس کا بڑا لڑکا سائمن جانشین ہوا جو دو برس سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ اس کے بھائی راجر دوم نے تخت سنبھالا۔ یہ ۴۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر زمامِ حکومت ۵۰۶ھ میں ہاتھ میں لی۔ اس کی توجہ جنوبی اٹلی کی فتوحات کی طرف زیادہ تھی۔ فرانس اور انگلستان سے معرکہ آرا رہا جس کی وجہ سے بالآخر اُس نے سلطنت کلیسا سے اپنی حکمرانی تسلیم کرا لی جس کے بعد سے یہ نارمن فرمانروائے صقلیہ شاہ کے لقب سے متصف ہوا اور یورپ کے ممتاز بادشاہوں میں شمار کیا گیا۔

---

[1] ابوالفداء

راجر نے راجر اول کے ظالمانہ طریقہ کو روا ، نہ رکھا بلکہ ملک کی حالت کا جائزہ لیا تو اُس نے اندازہ کر لیا کہ اہلِ صقلیہ یا رومی ملک کو خوشحال رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو لوگ نئے لاکر بسائے گئے تھے وہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی سے معرا تھے۔ اس نے مسلمانوں کو نوازا اور نظام حکومت میں شریک کیا۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں پھر مسلمان در آئے۔ اب مسلمان معزز شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ راجر نے وہی سب مراسم ولوازم بادشاہی اختیار کئے جو سابق مسلمان فرمانروائے صقلیہ کے یہاں جاری تھا۔

مسلمانوں نے حکومت سے کامل اشتراکِ عمل کیا۔ غرضیکہ مسلمانانِ صقلیہ نے ملکی نظم و نسق میں برابر کا حصہ لیا بلکہ فوج میں معزز عہدے قبول کرکے نارمن قوت کو دوبالا کر دیا۔ ان دنوں نارمنوں کا بیڑا بحر روم کے تمام بیڑوں میں مضبوط بیڑا بن گیا اور اٹلی کے صوبوں پر تاخت شروع کر دی۔ دوسری طرف بحر روم کے اسلامی مقبوضات کو مسلمانوں سے چھین چھین کر نارمنوں کے زیرِ علم لانے لگے۔ غرضیکہ اسلامی جزائر اور شمالی افریقہ کے زرخیز علاقے نارمنوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں کے اشتراکِ عمل سے راجر دوم نے ۱۱۳۰ء، ۵۲۴ھ میں شاہ صقلیہ و ایطالیہ کا لقب حاصل کر لیا اور سلطنتِ کلیسا کی جانب سے اس کی تاجپوشی ہوئی اور راجر دوم کی حکومت نے یورپ کی ممتاز ترین اور مستحکم ترین حکمرانوں پر تفوق حاصل کر لیا۔ [1]

راجر دوم ۱۱۵۱ء میں اپنے لڑکے ولیم کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا اور تین برس بعد ۱۱۵۴ء میں فوت ہو گیا۔

ولیم اوّل کچھ عرصہ باپ کے قدم قدم چلا۔ مسلمانوں سے حسنِ سلوک روا رکھا مگر پوپ ایڈرین چہارم کو ولیم کی یہ زندگی پسند نہ تھی، اس نے بغاوت کرا دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰، صہ ۱۳۳۔

ولیم نے واقعات کو سمجھ کر پوپ سے صلح کر لی اور مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لیئے۔ آخر کار اس نے ۱۱۶۶ء میں وفات پائی اور اس کا لڑکا ولیم دوم برسرِ حکومت آیا۔ اس کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں سے مانوس تھا اس نے اپنی حکمرانی میں مسلمانوں کو بہت بڑھایا چڑھایا۔ اس کی زندگی ایک مسلم فرمانروا کے مشابہ تھی۔

ابن جُبَیر اسی کے عہد ۱۱۸۳ء، ۵۸۰ھ میں صقلیہ آیا اور چار ماہ مقیم رہا۔ اس جگہ ہم ابن جُبَیر کے سفر نامہ سے اس وقت کے حالات نقل کرتے ہیں:۔

"صقلیہ کا فرمانروا علیام (ولیم) ہے جو مسلمانوں کو نوکر رکھتا ہے اور خواجہ سراؤں کو اپنی خدمت میں رکھنا پسند کرتا ہے۔ یہاں کے تمام مسلمان خوف سے اپنے عقیدہ کو چھپاتے ہیں۔ ولیم کو مسلمانوں پر بہت اعتماد ہے وہ اُن سے تمام ضروری کاموں میں مدد لیتا ہے، یہاں تک کہ اس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی مسلمان ہے۔ بہت سے حبشی مسلمان غلام اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ان پر انہی میں سے ایک افسر ہے۔ خواجہ سرا ہی اس کے صاحب اور وزیر ہیں اور وہی اس کے درباری اور ارکانِ دولت ہیں۔ اس کی سلطنت کا جاہ و جلال اور زیب وزینت انہی سے ہے۔ وہ نہایت فاخرہ لباس پہنتے اور اصیل گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ عیسائی فرمانرواؤں میں حکومت اور جاہ و ثروت کے لحاظ سے ولیم کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔"

مگر مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت نہیں کر سکتے اور یہ سب عیش و عشرت ان کے لئے مصیبت ہے مسلمان خواجہ سرا عبدالمسیح سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ تم کھلم کھلا مسلمان ہو اور جو کام کرنا چاہو آزادی سے کر سکتے ہو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدہ کو چھپاتے اور اپنی جان کا خوف کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے فرائض چھُپ کر

بجالاتے ہیں۔ غلامی کا طوق ہماری گردن میں ہے۔ جزیرہ صقلیہ کے مسلمانوں کا یہ حال سن کر ہم پر رقت طاری ہوتی"۔

مسلمانوں کے قدیم تمدن کا اثر یہاں تک صقلیہ کے عیسائیوں پر تھا کہ عیسائی عورتیں مسلمان عورتوں کا لباس اور زیور پہنتی تھیں۔

ایک افسوس ناک حال یہ بھی ہے کہ جو ابن جبیر نے لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمان اب عیسائی ہونے کو مسلمان رہنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

ولیم ثانی کے مرنے کے بعد ٹانکرڈ صقلیہ کا حکمران بنا۔ ۱۱۹۰ء ؍ ۵۸۶ھ میں تاجپوشی ہوئی۔ شہنشاہ ہنری ششم سے اس کی جنگ چھڑ گئی، فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ۱۱۹۴ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا ولیم ثالث جانشین ہوا تو اس کو بھی ہنری ششم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ہنری راجر اول کا داماد تھا۔ چنانچہ وہ اٹلی میں داخل ہوا۔ نارمنوں کے مقبوضات ایطالیہ و صقلیہ کا بآسانی مالک بن بیٹھا۔ ولیم ثالث نے اپنا تاج اس کے سپرد کر دیا مگر پھر بھی ہنری نے اس کو اندھا کر دیا۔ اس پر صقلیہ سے نارمن حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہنری ششم شہنشاہ جرمنی فریڈرک اول کا لڑکا تھا۔ اس نے صقلیہ کی عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی حالت کو سدھار دیا۔ کچھ عرصہ رہ کر جرمنی چلا گیا اور اپنی بیوی کو انتظام ملک سپرد کر گیا۔ مگر پاپائے اعظم اور مقدس راہبوں نے صقلیہ کے نصرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ ہر دو میں جنگ چھڑ گئی۔ کئی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ حکومت نے عیسائیوں کی معاونت کی۔ مسلمان یہ رنگ دیکھ کر بلرم وغیرہ سے نکل کر جنگلوں میں جا بسے اور اپنی منتشر قوت کو یکجا کیا اور پہاڑوں پر قلعہ بنائے اور شہر کے نصرانیوں اور حکومت کی فوجوں پر موقع پا کر جارحانہ حملے کرتے رہے۔ بیس سال تک یہ عمل رہا۔

اس اثناء میں ہنری ۱۱۹۷ء میں مر گیا۔ اس کا لڑکا فریڈرک جانشین ہوا۔ اس

نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی اور ان کو بلرم اور سیرا میں آباد کیا۔

ادھر دولتِ حفصیہ افریقہ کے حکمران سلطان ابو زکریا یحییٰ کے فریڈرک دوم سے دوستانہ مراسم ہو گئے جس کی وجہ سے مسلمانانِ صقلیہ کے ساتھ حکومت کا سلوک پہلے سے کچھ غنیمت رہا۔ سلطان ۶۴۷ھ میں راہی ملک بقا ہوا تو نصرانیوں نے بلرم کے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا تو مسلمان جان بچا کر پھر جنگلوں میں چلے گئے۔ مگر فریڈرک کی فوج نے گھیرا ڈال کر اُن کی راہیں مسدود کر دیں۔ آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فریڈرک نے تمام بقیہ صقلوی مسلمانوں کو سرزمینِ صقلیہ سے جلاوطن کر دیا۔ یہ لوگ (بوجارہ) نوسیرا جا کر آباد ہو گئے۔[1]

فریڈرک ظالم نے صقلیہ سے مسلمانوں کو نکال کر مالٹا کے مسلمانوں کو بھی جلاوطن کر دیا۔ وہ بھی نوسیرا آ گئے۔

"ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ" میں ہے:۔

"فریڈرک دوم کی پالیسی سے ساٹھ ہزار عرب پولیا کے شہر نوسیرا میں منتقل کر دیئے گئے۔"[2]

نوسیرا اٹلی کا علاقہ تھا اور یہ مسلمانانِ صقلیہ کا سب سے آخری خواب گاہ رہا۔

غرضیکہ چارلس دوم نے سابقہ حکومت سے بڑھ کر ظلم مسلمانوں پر توڑے۔ نوسیرا کے مسلمان جبریہ عیسائی بنائے گئے۔ ۷۰۰ھ، ۱۳۰۰ء میں اس علاقہ سے بھی اسلام رخصت ہو گیا۔

بہرحال مسلمانانِ صقلیہ کا حسرت ناک انجام یہ ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے اسلاف نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی اشاعت کی۔ ان کے جہل کو دور کیا۔ مگر اس احسان کا بدلہ ان کے اخلاف سے ننگِ انسانیت

---

[1] ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۸۰ [2] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۸۰۵۔

علمبردارانِ انسانیت نے یہ لیا کہ اہلِ صقلیہ پر طرح طرح کے ظلم توڑے اور ان کو گھر سے بے گھر کیا۔ ان کے علمی آثار مٹائے، حتیٰ کہ قبریں تک کھدوا دیں تاکہ نام و نشان بھی ارضِ صقلیہ پر مسلمانوں کا نہ رہے۔

نوٹ :۔ چارلس دوم شاہ فرانس لوئی نہم کا بھائی تھا۔ پوپ اربن چہارم نے ۱۲۶۱ء میں صقلیہ کا تاج و تخت مینفرڈ جرمنی سے چھین کر چارلس کو عطا کیا۔

فریڈرک نے کانرڈ چہارم کے لئے وصیت نامہ لکھ دیا تھا کہ جرمنی اور صقلیہ کا بادشاہ میرے بعد ہو۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ حکمرانی کر کے وہ ۱۲۵۴ء میں مر گیا۔ اس کا جانشین دو سالہ بچہ کانرڈین ہوا۔

مگر اس کے سوتیلے چچا مینفرڈ نے حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی، جس نے مسلمانوں کی معاونت سے پوپ اربن کو شکست دی۔ یہی وجہ تھی کہ پوپ نے چارلس پر عنایت مبذول کی۔

دولتِ فاطمیہ پر ایک نظر

دولت فاطمی کا سب سے پہلا حکمران ابو محمد عبیداللہ مہدی بن محمد ہُوا۔ اس حکومت کے قیام میں صرف ابو عبداللہ یمنی اور ابوالعباس شیعی کی جان توڑ مساعی کو زیادہ دخل ہے، ورنہ محمد عبیداللہ مہدی اور اس کے بیٹوں کی زندگی کا خاتمہ سجلماسہ (افریقہ) کے قید خانہ میں ہو چکا تھا۔ جہاں امیر سجلماسہ لیسوع نامی نے ابونصر زیادۃ اللہ اغلبی کے اشارہ سے بحکم خلیفہ عباسی ان کو قید کر دیا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی کہئے یا دنیائے سیاست کا ظالمانہ اور تباہ کن اصول کہ اس مہدی نے اپنے ان دونوں محسنوں کو اقتدار ملنے کے بعد بقول ابن اثیر و ابن خلکان اس شبہ میں کہ وہ مہدی کے خلاف پراپگنڈا کر رہے تھے ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء میں قتل کر دیا۔ غرضیکہ مہدی نے ابتداءً اپنا پائے تخت "رقادہ" قرار دیا۔

عبیداللہ مہدی نے اپنی حکمرانی کے سات سال بعد بقول ابوالفدا ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ء میں اپنے پائے تخت کو ساحل کے متصل ایک چھوٹے سے جزیرہ میں منتقل کر کے اس کا نام "مہدیہ" رکھا اور اس کو ہر طرح سے مکمل اور مستحکم کیا۔ اسی عرصہ میں مہدی نے ۳۰۲ھ مطابق ۹۱۴ء میں اسکندریہ پر اپنے لشکر سے حملہ کیا لیکن مقتدر باللہ کی فوجوں نے جو اس کے مشہور خادم مونس کے زیر قیادت تھیں، شدید نقصان سے اس کو پسپا کیا۔ اس حملہ کے چار سال بعد ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۸ء میں مہدی نے پھر مصر پر حملہ کیا اور اپنے بیٹے قائم کی قیادت میں ایک زبردست فوج سمندر کے راستے سے روانہ کی۔ جس نے ابتداءً اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں مقتدر باللہ کی کمک پہنچنے کے بعد مونس خادم نے قائم کو شکستِ فاش دی۔ اس شکست کے بعد پھر مہدی نے مصر پر حملہ

کی جرأت نہ کی اور مہدیہ میں رہ کر بحیرۂ روم کے جزائر صقلیہ وغیرہ پر حکمرانی کرتا رہا۔ چوبیس سال حکمرانی کے بعد ۳۲۲ھ میں بعمر تریسٹھ سال بعہدِ راضی باللہ عباسی اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد الملقب بہ قائم بامر اللہ اس کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔

قائم نے تخت نشینی کے ایک سال بعد بحری راستہ سے اٹلی کے مشہور ساحل جنیوا پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد مراکو کے قبیلہ "زناتہ" کے ایک شخص ابو یزید خارجی نے قیروان میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ جملہ مسلمان کا فر اور ان کا مال اور خون حلال۔ مرکزیت کے فناء ہو جانے کی وجہ سے چونکہ افریقہ اس وقت ایک حد تک طوائف الملوکی کے دور سے گزر رہا تھا اس لئے ابو یزید خارجی کو اپنے مسلک میں کامیابی ہوئی۔ اور اس نے ایک بڑی جماعت منظم کر کے قائم پر حملہ کر دیا اور ٹیونس، قیروان اور رقادہ پر قبضہ کر لیا اور قائم "مہدیہ" میں محصور ہو گیا۔ اسی زمانہ جنگ وجدال اور حصار میں قائم کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا اسماعیل منصور باللہ ۳۳۴ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اُس نے ابو یزید کا پیچھا کر کے آخر کار ۳۳۶ھ میں اس کا خاتمہ کیا اور ملک کو اس کی لعنت سے بچایا۔

منصور باللہ کا بعمر انتالیس سال ۳۴۱ھ میں سات سال حکمرانی کے بعد انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بعمر چوبیس سال ابو تمیم محمد الملقب بہ معزالدین باللہ تخت نشین ہوا۔ بنو فاطمہ کا یہ پہلا حکمران تھا جس نے خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔ بنو عباس کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر معزالدین نے اپنے صقلی غلام جوہر کی قیادت میں لشکر اور بیڑا تیار کر کے اپنے پردادا کی ڈالی ہوئی داغ بیل کی تکمیل کی اور ۳۵۸ھ و ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء میں نہ صرف پورے مصر پر قبضہ کیا بلکہ شام بھی فتح کر لیا۔ اور جس طرح قاہرہ کی مسجد جامع ابن طولون میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔ اسی طرح جامع مسجد دمشق میں بھی کیا۔ اب ان دونوں صوبوں سے بنو عباس کا گویا نام بھی گیا۔

علویہ حکومت میں گویا یہ پہلا شخص تھا جس نے توسیعِ حکومت کے بعد ہی نہ صرف خلیفہ کا لقب اختیار کیا بلکہ مہدیہ کو چھوڑ کر مصر چلا آیا اور قاہرہ کو پایۂ تخت قرار دیا جہاں بقول ابو الفداء بتاریخ ۵ رمضان ۳۶۵ھ مطابق ۹۷۵ء داخل ہوا اور افریقہ (ٹیونس) طرابلس الغرب اور صقلیہ کو صوبجات قرار دے کر ان پر علی الترتیب بربری قبیلہ صنہاجہ کے مشہور اشخاص بلکین بن زبیری، عبداللہ بن بخلف کتامی اور ابو القاسم بن الحسن کو صوبہ دار مقرر کر دیا۔

اس کے بعد سے یکے بعد دیگرے دس خلیفہ عزیزؒ، حاکمؒ، ظاہرؒ، مستنصرؒ، مستعلیؒ، عامرؒ، حافظؒ، ظافرؒ، فائزؒ، عاضدؒ تختِ خلافت مصر پر بیٹھے۔

اس طرح بنو فاطمہ کے چودہ حکمران ہوئے جنہوں نے ۲۹۶ھ تا ۵۶۷ھ تک دو سو بہتر سال حکمرانی کی۔ ابتدائی محض امیر کہلائے۔ البتہ چوتھے حکمران معزالدین باللہ سے خلافت کا سلسلہ چلا جو ۵۶۷ھ میں عاضدالدین باللہ کے خاتمہ سے چند روز پہلے ہی سے ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ بقول ابو الفداء صلاح الدینؒ نے مصر کی وزارت کے بعد سلطان نورالدین والیِ دمشق کے حکم سے محرم ۵۶۷ھ سے پہلے جمعہ کو تمام ہی مساجدِ مصر میں خلیفہ مستضی باللہ عباسی کے نام کا پڑھوایا پڑھوایا اور عبیدیہ یا بنو فاطمہ کا خطبہ مسدود کیا۔ بنو فاطمہ کے آخری خلیفہ عاضدالدین باللہ کے حالاتِ زندگی کا مختصراً ذکر کرتے ہوئے ابن خلکان راوی ہے:۔

> "بنو فاطمہ کے ابتدائی حکمران نے علمائے وقت سے درخواست کی کہ وہ خلفائے بنو فاطمہ کے لئے چند موزوں القاب لکھ دیں۔ تاکہ ہر خلیفہ ان القاب میں سے کسی ایک لقب کو اختیار کرتا رہے۔ چنانچہ انہوں نے چند القاب لکھ دیئے۔ انہی میں عاضد بھی تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ لقب آخری خلیفہ نے اختیار کیا۔ لغت میں اس کے معنی توڑنے والے کے ہیں۔ گویا حکومت کو توڑنے والا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حکومت پاش پاش ہو گئی۔"

خلفائے فاطمیہ

۲۹۷ - ۵۶۷ھ

عبید اللہ مہدی	۲۹۷ھ	مستنصر	۴۲۷ھ
قائم	۳۲۲ھ	مستعلی	۴۸۷ھ
منصور	۳۳۴ھ	آمر	۴۹۵ھ
معز باللہ	۳۴۱ھ	حافظ	۵۲۴ھ
عزیز	۳۶۵ھ	ظافر	۵۴۴ھ
حاکم	۳۸۶ھ	فائز	۵۴۹ھ
ظاہر	۴۱۱ھ	عاضد الدین باللہ	۵۵۵ - ۵۶۷ھ

بقول ابن خلکان عاضد الدین باللہ کا دوشنبہ ۱۰ محرم ۵۶۰ھ کو انقطاعِ خطبہ کے تیسرے روز انتقال ہوگیا اور صلاح الدین، سلطان نور الدین والئ دمشق کی طرف سے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ اس کے دو سال بعد ۵۶۹ھ میں جب سلطان نور الدین کا انتقال ہو گیا تو صلاح الدین دمشق وغیرہ کا بھی حکمران ہو گیا اور اس طرح سلطان صلاح الدین کے لقب سے ملقب ہُوا۔

بقول ابن خلکان سلطان صلاح الدین کے جنگی کارناموں کے ساتھ ساتھ علمی کارنامے بھی بے شمار ہیں۔ علاوہ ان مدارس اور اوقاف کے جو سلطان نور الدین نے دمشق وغیرہ میں جاری کئے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے مصر کو جامع العلوم بنا دیا تھا۔ بنو فاطمہ کے حکمرانوں نے جتنی زیادہ اس طرف سے غفلت برتی تھی اسی قدر اس نے اس طرف توجہ کی اور بہت سے مدارس اور اوقاف اور شفاخانہ جات مختلف ناموں سے مصر و نیز بیت المقدس میں قائم کئے۔ لیکن کسی کو اپنے نام سے منسوب نہیں کیا۔ فی الحقیقت خفیہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنی ذاتی شہرت کا خیال مطلقاً نہیں تھا۔ بلکہ خدمتِ اسلام وانسان اس کا مسلک تھا۔

اپنے عروج اور اپنی خود مختاری کے بعد وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن بقول ابن خلکان :-

"مرنے کے بعد اس سلطان کے ذاتی خزانے میں سوائے سینتالیس درہم کے نہ سونا تھا نہ چاندی تھی۔ بوقتِ موت اپنے وارثوں کے لئے نہ کوئی مکان چھوڑا، نہ باغ، نہ زمین، نہ جاگیر"

مفصل حالات "تاریخ ملت" حصہ دوم (تاریخ مصر) میں لکھے جا چکے ہیں۔

عہدِ کلبیہ

اغالبہ کے زوال کے بعد فاطمیوں کا دور صقلیہ پر آیا جس میں اشاعتِ اسلام اور فتوحات کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا۔ افریقہ میں فاطمیوں نے جو ظلم و جور دوسرے فرقِ اسلامیہ پر روا رکھے تھے انہی کا اعادہ صقلیہ میں بھی روا رکھا۔ شیعیت کو بہت کچھ پھیلانا چاہا مگر عوام میں مقبولیت نہیں ہوئی۔ البتہ قاضی، مفتی معزول کر دیئے گئے۔ مذہبی تشدد خوفناک طریقہ پر تھا۔ افریقہ میں خلفائے بنی فاطمہ کے ولاۃِ صقلیہ نے علماء، واصحابِ فضل ابو القاسم طرزی، قاضی صقلیہ اور ابو العباس بن بطریق کو کوڑے لگوائے۔ ابنِ ہذیل اور ابراہیم بن بردوم کو تہ تیغ کیا گیا۔ قلعوں اور مسجدوں میں جو بانیوں کے نام کندہ تھے ان کو مٹا کر خلفائے فاطمی کے نام لکھے گئے۔ مگر شیعیت صرف حکام اور ولاۃ تک محدود تھی۔ عوام سب حنفی و مالکی مذہب کے ماننے والے تھے۔ البتہ یہ ہوا کہ اسلامی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور پہلا سا شغف باقی نہ رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ

صقلیہ میں اہلِ عرب اور بربر قوم کا ورود ۳۲ھ سے شروع ہوا۔ جب صقلیہ کا علاقہ زیرِ نگین آتا گیا قبائل عرب، قریش، بنو کندہ، بنو فہر، بنو حنظلہ، اوس و خزرج اور افریقہ کے بربر آ کر مقیم ہوتے رہے۔ بنو تمیم، بنو کلب فرمانروا

خاندان کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ انہی میں اکابر علماء بھی تھے۔ عرب کے دیگر قبائل ربیعی بکری، ودانی، سہمی، معافری، کنانی، لخمی، قیسی یہاں آکر آباد ہوتے گئے۔ بربر میں بنو کتامہ، بنو طرزی۔ ان کے علاوہ موالی اور نومسلم صقلین تھے۔

عربوں کی تہذیب و تمدن کا اثر نومسلم صقلین پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ بھی اسلامی خوبیوں سے متصف ہو گئے۔ اسلامی آبادی زیادہ تر بلرم دارالحکومت میں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بلرم صقلیہ میں مثل قرطبہ و غرناطہ کے تھا۔ کثرت سے مساجد، حمام، مدارس، محلات یہاں مسلمانوں نے تعمیر کئے تھے۔ یہ پُر رونق شہر بن گیا تھا۔

دارالحکومت

بلرم صقلیہ کا شیراز تھا۔ شہر کی محلہ وار تقسیم تھی۔ سرکاری عمارتیں، جداگانہ دفاتر امراء کے عالی شان محل، مکانوں کے ارد گرد چمن بندیاں، نزہت بخش فوارے، مرمریں و سنگِ رخام کی سڑکیں، پُر رونق بازار، کثرت سے نہریں تھیں جو بڑی عمارت کے خانہ باغ میں سے گزرتی تھیں۔ ہوٹل، حمام جابجا، کثرت سے مساجد جن میں سے تین سو مشہور تھیں۔ جامع مسجد بڑی شاندار تھی۔ قصر سعد، قصر جعفر خوبصورتی کے اعتبار سے لاجواب محلات تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے امراء کے اور وُلاۃ کے محلات تھے۔

بلادِ صقلیہ

بلرم :۔ یہ دارالحکومت تھا اور مثل قرطبہ کے تھا۔

شہرملہ :۔ بلرم سے ۲۵ میل جانب جنوب تھا، زرعی و تجارتی حیثیت تھی۔

شغادی :۔ شرمہ سے ۲۵ میل پر آباد تھا اور گرد پہاڑ سے محیط ہے۔

مسینا :۔ بلرم کے بعد دوسرا مرکزی شہر تھا۔ یہ بڑی بندرگاہ تھی۔

طبرمین :۔ کوہِ آتش فشاں کے دامن میں تھا، یہاں سونے کی کان تھی۔

قطانیہ :- یہ تجارت کی بڑی منڈی تھی۔

لیاج :- کوہِ آتش فشاں کے مشرق میں تھا۔

لینتنی :- سمندر سے چھ میل تھا۔

سرقوسہ :- جنگی قلعہ تھا یہ علماء کی بستی تھی۔

شکلہ :- ساحلِ سمندر سے تین میل تھا۔ تجارتی جگہ تھی۔

المموض :- شکلہ سے ۱۲ میل پر واقع تھا۔

بثیرہ :-

لنباذہ :-

شاقہ :- جرجنت سے ۲۵ میل ساحل پر آباد تھا۔

مازرہ :- صقلیہ کا سب سے پہلا اسلامی شہر ہے۔ یہ تجارتی حیثیت سے افریقہ اور صقلیہ کا نقطۂ اتصال تھا۔

طرابنس :

قلعہ اوبی :- ساحل کا اوسط درجہ کا شہر تھا۔

جرجنت :- ساحل سے تین میل پر یہ شہر تھا۔ جو آباد اور پُررونق تھا۔

نوطن :- سمندر سے آٹھ میل پر آباد تھا، یہاں زراعت اور صنعت وحرفت ترقی پر تھی۔

قصریانہ :- یہ رومیوں کی یادگار سے ہے۔

علقمہ :- بلرم اور طرابنس کے راستہ پر تھا۔

علمائے صقلیہ

صقلیہ کا علمی دور

صقلیہ یونان اور رومیوں کے عہد میں بھی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے مگر مسلمانوں کے ورودِ مسعود سے پہلے ہی تمام آثارِ علمیہ مٹ چکے تھے۔ جہالت کا عمل دخل تھا عیسائی علماء اور اساقفہ اپنے اقتدار کی خاطر عوام کو جاہل بنائے رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے قدم پہنچتے ہی علم کی روشنی پھیلنے لگی۔ بڑے بڑے علماء عالمِ اسلامی سے یہاں آ گئے۔ انہوں نے علومِ قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، کلام مناظرہ، مغازی، تاریخ و رجال، صرف و نحو، ادب و لغت اور طب کی عام اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ صقلیہ میں اصحابِ فضل و کمال کثرت سے پیدا ہوئے۔ اس جگہ انہی اساطینِ علم کے حالات مختصراً تحریر کئے جاتے ہیں۔

تذکرۂ اربابِ فضل و کمال

ابن الحکار شیخ ابوحفص بن عبدالنور المعروف با بن الحکار: اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ قاضی عیاض کو ان کے علم و فضل کا اعتراف ہے اور ابنِ قطان نے ایک قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے۔ شرح المدونہ، انتقاد علی التونسی فی الف مسئلہ، مختصر کتاب التمامات آپ کی یادگار سے ہیں

ابن صاحب الخمس ابومحمد: مختلف علوم میں دستگاہ تھی۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد معافری جو قاضی عیاض کے اُستاذ تھے ان سے تلمذ رکھتے تھے۔ علمِ حدیث کی اشاعت آپ سے صقلیہ میں خوب ہوئی۔

اس کے علاوہ اصولِ فقہ و فرائض میں ملکۂ خاص تھا، امام سمجھے جاتے تھے مگر فتویٰ دینے میں محتاط تھے۔

ابن ابی الفرج ذکی مازری :۔ پورا نام شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی الفرج ذکی تھا۔ فقہ علماءِ مازر سے حاصل کی۔ قیروان جا کر قلعہ بنی حماد میں قیام کیا۔ ابوالقاسم سیوری اور علامہ عرقی سے بقیہ علوم کی تحصیل کی۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ابوالفضل ابن لغوی قاضی ابوعبداللہ بن داؤد تلامذہ میں سے تھے۔ علومِ ادب و کلام میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ کتاب تعلیق و رسالہ اعتراضات بر فتاوی سیوری یادگار سے ہیں۔

ابن حجر :۔ ابوزید عبدالرحمٰن بن علی بن محمد قرشی معروف بابن حجر، ساتویں صدی کے فقہائے صقلیہ سے تھے۔ قیام بجایہ میں تھا۔ ابتدائی علوم تحصیل کر کے افریقہ گئے۔ ابوزید عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل بن حداد تونسی رہ سے علم فقہ حاصل کیا۔ نحو و لغت میں بڑے ماہر مشہور تھے۔ بجایہ میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طبعی عمر پا کر وصال ہوا۔

ابن حیون شکلی :۔ ان کا پورا نام الحاج الخطیب ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن حسن بن حیون شکلی، فنِ فقہ کی تحصیل کے بعد مراکش گئے۔ شیخ الاسلام کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ صقلیہ میں آپ کی ذات سے علومِ اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ فقہ کو بڑا فروغ ہوا۔ ۹۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

ابن المودب عبداللہ بن ابراہیم بن مثنیٰ طوسی :۔ اصل وطن قیروان تھا۔ علم ادب حاصل کر کے والیِ صقلیہ ثقۃ الدولہ کی علماء پروری سن کر وطن سے صقلیہ آیا اور ثقۃ الدولہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ مگر اس کی قدردانی کچھ نہ ہوئی جس پر اس نے اس کی ہجو لکھ ڈالی۔ آخر خارج البلد کر دیا گیا۔

ابن کلاعی ابوالعباس احمد بن کلاعی :۔ فقیہ، علم و ادب کا متبحر عالم تھا۔ اور اس کے ساتھ ذوقِ شاعری رکھتا تھا۔ بقیہ احوال میسر نہ آسکے۔

ابن فہام مقری :۔ علمِ نحو کا بڑا ماہر تھا۔ ابن ناشاد نحوی سے تلمذ اختیار کیا تھا، اس کی تالیفات نحو میں تھیں۔ علمائے نحو میں خاص شہرت تھی۔

ابن رشیق ابوعلی حسن بن رشیق :۔ وطن اصلی قیروان تھا مگر تمام عمر صقلیہ

میں گزار دی، کتاب العمدہ آپ کی بہترین یادگار ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الشذوذ فی اللغۃ، میزان العمل، الروضۃ الموشیۃ، کتاب المساوی، مختصر الموطا، الموذج اللغۃ، تاریخ قیروان، دیوان ابن رشیق۔ یہ کتابیں اس کی تالیفات سے ہیں۔ ابن رشیق نے مازر میں ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔[1]

ابن القطاع :۔ ابوالقاسم محمد بن علی معروف با بن القطاع۔ یہ زیادۃ اللہ بن محمد الاغلب والی افریقہ کی اولاد سے تھا۔ جب اس کے اسلاف سے حکمرانی گئی تو ابن القطاع کے جدا فریقہ سے اسپین چلے گئے۔ پھر یہ خاندان صقلیہ منتقل ہو گیا۔ اغلبی خاندان فرمانروائی کے ساتھ علم وفضل سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔

ابن القطاع ۱۰ صفر ۴۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ صقلیہ میں علم وادب کا چرچا تھا۔ ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر لغوی سے تمام اصنافِ ادب کی تحصیل کی اور خود ذاتی مطالعہ سے لغت ونحو میں صاحبِ کمال ہوئے۔ جوہری کی مشہور کتاب صحاح اپنے استاذ سے پڑھی تھی اور اس کی ترویج میں سرگرم سعی کی۔

ابن خلکان کہتا ہے :۔

"وہ مشہور علماء میں سے تھا، ادب میں یدطولی رکھتا تھا۔ ائمہ ادب خصوصاً اہلِ لغت میں سے ایک تھا اور علمِ نحو میں غایت درجہ بلند رتبہ رکھتا تھا۔"

نارمنی غلبہ سے وطن سے نکل کر مصر گیا۔ الآمر باحکام اللہ فاطمی (۴۹۵ - ۵۲۴) کا زمانہ تھا۔ اس کے وزیر افضل بن امیر الجیوش بدر الجمالی نے اپنے لڑکے کی اتالیقی پر مامور کیا۔ حواشی صحاح جوہری، کتاب الافعال، کتاب الاسماء، کتاب الابنیہ، کتاب السیف، کتاب القصائد واسمائہم وصفاتہم، کتاب العروض۔ یہ کتب اس کی یادگار سے ہیں، ماہ صفر ۵۱۵ھ میں انتقال کیا۔[2]

---

[1] طبقات الشعراء [2] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔

ابن السوسی :- اصل نام عثمان بن عبدالرحمٰن تھا۔ عبدالرحمٰن مالٹا میں قیام پذیر تھے۔ وہیں ابن السوسی پیدا ہوئے۔ وہیں علوم کی تحصیل کی، ادب اپنے والد سے حاصل کیا۔ پھر بلرم آگئے اور ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ شعر و ادب شاعری میں معقول درک تھا۔

ابن حمدیس سرقوسی :- نام ابو محمد عبدالجبار بن ابوبکر بن حمدیس ازدی تھا۔ سنہ ۴۴۷ھ میں پیدا ہوا۔ تعلیم و تربیت صقلیہ میں پائی۔ بچپن سے شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس کے کلام کی شہرت صقلیہ سے نکل کر مصر اور اندلس تک پہنچی۔ یہاں نارمنوں کا اقتدار تھا۔ اپنے باپ کو صقلیہ میں چھوڑ کر سنہ ۴۷۱ھ میں افریقہ چلا گیا۔ یہاں عربی علم ادب میں کامل مہارت پیدا کی اور اندلس چلا گیا اور المعتمد شاہ اشبیلیہ کے دربار سے منسلک ہو گیا اور اس کی شان میں مدحیہ قصائد وائیہ، ذائیہ، لامیہ مشہور ہیں۔ پھر سنہ ۴۸۳ھ میں افریقہ چلا آیا۔ پھر مورقہ میں قیام کیا۔ یہیں سنہ ۵۲۵ھ میں انتقال کیا۔

ابن بشرون صقلی :- علم ادب و انشاء میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ یہ نارمنوں کے زمانہ میں دیوان الرسائل والانشاء کا افسر اعلیٰ تھا۔ راجر دوم کی شان میں مدحیہ شعر کہے۔ راجر اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ یہیں وفات پائی۔

ابن قلاقس :- نام ابوالفتوح نصراللہ بن عبداللہ بن مخلوف۔ اصل رہنے والا مصر کا تھا۔ ابن قلاقس عربی علم ادب کا بڑا ماہر اور شعر و سخن میں نامور تھا۔ سنہ ۵۶۲ھ میں صقلیہ آیا۔ قائد ابوالقاسم بن الحجر کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گیا یہیں عمر گزار دی۔

ابن البحری :- قریہ بجایہ میں قیام تھا۔ فقہائے صقلیہ میں شمار ہے۔ علم نحو و لغت کے ماہر، حکومت کی طرف سے بجایہ میں عہدے دار تھے۔ یہیں وصال ہوا۔

ابن الکوفی :- نام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الجبار تھا۔ علمائے عصر سے اکتسابِ علم کیا۔ فقیہ تھے، ان کا ذکر قاضی عیاض نے کیا ہے۔ صاحبِ فتویٰ تھے اور حال معلوم نہ ہو سکا۔

ابن القابلہ :۔ صقلیہ کے متقدمین فقہاء سے تھے۔ دیگر حالاتِ زندگی پر پردہ پڑا ہے۔

ابن المعلم :۔ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن علی۔ علم نحو و لغت کا عالم تھا۔ تعبیر رؤیا میں اس کی شہرت تھی ۵۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

ابن یونس :۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن یونس تمیمی علمِ فرائض کے امام مشہور ہیں۔ ان کے اساتذہ میں قاضی ابوالحسن الحصائری، عتیق بن الفرضی، ابن ابی العباس ہیں۔ فقہائے صقلیہ میں ممتاز گنے جاتے تھے۔ ابن فرحون کا بیان ہے۔ "فقیہ امام اور علم فرائض کے ماہر تھے"

علمی خدمت کے سوا فوجی خدمات میں بھی پیش پیش تھے۔ علمِ فقہ میں کتاب شرح مدونہ پر مفید اضافہ کیا ہے۔ دوسری کتاب فرائض میں تھی۔ ۲۰ ربیع الاول ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

ابن ظفر :۔ علم ادب و نحو و لغت میں ماہر کامل، شعر و سخن میں صاحب کمال تھے۔ ان کی متعدد کتب سلوان المطاع فی عدوان الطباع، ملیح اللغۃ، کتاب السفریۃ، کتاب التنقیب، کتاب اوہام الغواص فی اتہام الخواص، کتاب الاشتراک اللغوی والاستنباط المعنوی، کتاب الاشارہ الی علم العبارہ، کتاب القواعد والبیان، کتاب نصائح الذکریٰ، کتاب ریاض الذکریٰ، کتاب الخوذ الواقیہ والفوذ الراقیہ، کتاب الجود والعواقب، کتاب سالک الادکار فی مسالک الافکار وغیرہ یادگار سے ہیں۔ ۵۶۵ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر بن عقال صقلی محدث :۔ اساتذۂ حدیث میں شیخ ابوبکر محمد النعالی متوفی ۳۸۰ھ، شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد (۳۹۲ھ) تھے۔ ابوبکر صقلی ابوالقاسم کے معاصر تھے۔ ابوعبداللہ محمد بن عباس انصاری نے ان سے علمِ حدیث بھی حاصل کیا۔

ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر تمیمی لغوی :۔ علم حدیث کے لئے مصر وغیرہ

کا سفر کیا۔ ابوذر عبد بن احمد ہروی صالح بن رشدین مصری وغیرہ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ وطن لوٹ کر درس جاری کیا۔ ابن القطاع کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ ۵۰۰ھ تک بقید حیات تھے[1]

ابوبکر عتیق بن علی بن داؤد سمنطاری :۔ عالم اسلامی کی سیاحت کی علم حدیث سے شغف تھا۔ علماء اور صوفیاء کی صحبتیں اُٹھائیں۔ واپسی پر تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ فقہ و حدیث میں عمدہ تالیفات کیں۔ ۲۲ ربیع الآخر ۴۶۴ھ میں وصال ہوا۔

ابوبکر بن محمد سابق :۔ مکہ گئے، ایک محدثہ کریمہ بنت احمد مروزی سے بھی حدیث کی تحصیل کی۔ پھر اندلس گئے، غرناطہ میں اقامت اختیار کر کے وہاں درس جاری کیا۔ ابوبکر بن عطیہ اور ابوالحسن علی بن احمد مقری وغیرہ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۴۹۳ھ میں مصر میں انتقال کیا۔ امام مالکؒ کی مؤطا کی شرح المسالک کے نام سے اُن کی یادگار ہے۔

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن موسیٰ تمیمی :۔ حدیث کی تحصیل کے لئے عراق کا سفر کیا۔ عبداللہ بن محمد مبارکی اور حفص بن عمر سے تلمذ اختیار کیا۔ تلامذہ ابوعلی حسین اور ابوالحسن القتی اور تصوف شیخ الطائفہ جنید بغدادی اور شیخ ابوالحسن نوری سے حاصل کیا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

ابوبکر صقلی فرضی :۔ مالکی شیخ الحدیث تھے۔ قابسی ان کے شیخ الحدیث ہیں۔ سمنطاری اور ابن یونس متوفی ۴۵۱ھ تلامذہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ علم فرائض میں بڑا درک رکھتے تھے۔

ابوبکر ابن العباس :۔ علوم کی تحصیل ابومحمد بن ابی زید سے کی۔ صقلیہ کے فقیہ اعظم تھے۔ ان کے شاگرد فقہ میں ابوبکر بن یونس متوفی ۴۵۱ھ تھے۔

---

[1] اخبار الحکماء قفطی [2] ریاض النفوس ص ۱۸۸۔

ابوبکر بن محمد بن حسن بن علی ربعی فقہائے قریہ جرجنت سے تھے، فن فقہ علمائے عصر سے تحصیل کرکے افریقہ گئے۔ اسکندریہ میں قیام کیا۔ وہیں ۵۲۷ھ میں انتقال کیا۔

ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم المعلم صوفی شیخ ابو یونس نصیر المتعبد (۴۰۳ھ) کے حلقے کے تھے۔ تمام عمر عبادت اور مجاہدہ میں گزار دی۔

ابوبکر احمد بن محمد بن ابی یحییٰ قرشی المتعبد کے لقب سے ملقب تھے۔ شیخ ابو ہارون اندلسی سے فیوض حاصل کئے۔ زیادہ حال ان کا نہ میسر آیا۔

ابوالحسن علی بن مفرج بن عبدالرحمٰن:۔ وطن سے حجاز گئے مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہوئے، حکومت نے عہدۂ قضاء پر ممتاز کیا۔ اس کے ساتھ درس و تدریس تھا۔ محمد بن ابی سعید اسفرائنی اور حافظ ابو ذر عبد بن احمد مالکی، ان کے شیوخ خدمت اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالوارث شیرازی وغیرہ تلامذہ سے تھے۔ ان کی وفات ۴۷۲ھ میں ہوئی۔

ابوالحسن احمد بن عبدالرحمٰن ابن الحصائری۔ کبار فقہاء میں شمار تھا اور حدیث میں بھی درک تھا۔ ابو محمد بن ابی زید و ابوالحسن بن بکرون سے تلمذ تھے۔ اصحاب درس سے تھے ۴۱۵ھ تک زندہ رہے۔

ابوالحسن علی شیخ بن حمزہ صقلی:۔ شیخ ابو طاہر محمد بن علی بن محمد شافعی بغدادی سے تلمذ تھا، تصوف سے لگاؤ تھا۔ ۴۹۴ھ میں اندلس گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن علی معروف بابن الخیاط ربعی:۔ ممتاز شعراء میں سے تھا دولت کلبیہ کا درباری شاعر تھا۔ اکثر والیانِ صقلیہ کی شان میں قصیدے لکھے۔ تاج الدولہ اس کا بڑا قدردان تھا۔ تائید الدولہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا اس کا یہ شعر نمونہ کے طور سے پیش ہے۔

لا تفرحن ولا تحزن لنائبۃ　　علیک بالخیر او بالشر لم یدم

۱؎ تاریخ صقلیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۸۔

ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن ابن ابی البشاء بلنوبوی (بلنوبہ) علم نحو و عروض کا عالم تھا۔ اصنافِ ادب پہ کامل عبور تھا۔ صقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ جہاں امامِ نحو مشہور ہُوا۔ شاعری میں بھی اس کی شہرت تھی۔ عمر بن یعیش اس کا شاگرد تھا۔ ۵۱۳ھ تک زندہ تھا۔ خزرجی نے اس کا مجموعۂ اشعار مرتب کیا۔

ابوالحسن علی بن حسن بن حبیب لغوی:۔ علمائے لغت وادب سے تھا۔ یاقوت نے معجم الادباء میں اشعار نقل کئے ہیں۔

ابوالحسین بن حبان مہدوی:۔ یہ نارمنوں کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

متطلع لذوی السری من کاسہ　　　　بنجم یکون الی الصباح دلیلا

(ترجمہ) اس کے جام سے رات کے مسافر کے لئے ایسا ستارہ طلوع ہُوا جو صبح کی دلیل تھا)

ابوحفص صقلی:۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ جزقی شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ آپ کے ذریعہ صقلیہ میں حدیث کی اشاعت ہوئی[1]

ابوحفص عمر بن خلف بن مکّی شیخ الحدیث تھے۔ فن لغت میں تبحر کا درجہ رکھتے تھے۔ ۴۶۰ھ میں ٹیونس چلے گئے اور محکمہ قضا اُن کی سپردگی میں ہُوا اور امامِ جمعہ بھی تھے، وہیں آپ کا وصال ہُوا۔

ابوالعباس قلوری محمد بن عمرو بن عباس اکابر محدثین میں شمار کئے گئے یہ تحصیلِ علم کے لئے بصرہ آئے۔ امام حدیث علی بن مدائنی کے جوار میں اقامت اختیار کی یعقوب بن اسحاق خوفی سعید بن عاجز ضبعی محدثین سے حدیث حاصل کی۔ ان کے تلامذہ میں امام ابوداؤد، مورخ محمد بن جریر طبری، ابوبکر بزار، ابوبکر بن صدقہ، سعید بن عبداللہ مہرانی، محمد بن سلیمان باغندی محمد بن عباس، ابن الحزم، ابوعروبہ ابن صاعد سے جلیل القدر محدثین تھے۔

---

[1] ترتیب المدارک جلد ا صفحہ ۳۸۰۔

ابولیث صقلی مہندسین میں صاحبِ کمال تھے۔ وطن سے اندلس چلا گیا۔ اشبیلیہ پہنچا۔ یہاں کی جامع اس کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی۔ اس عمارت کی تعریف اسکاٹ بھی کرتا ہے [۱]

ابوالقاسم عتیق محمد بن حکیم تمیمی محدثین میں شمار تھا، تصوف میں غلو رکھتے تھے۔ کتاب الانساب سمعانی میں ان کا ذکر ہے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بکر، علمائے عصر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے علمِ حدیث وفقہ میں درک حاصل تھا۔ قیروان کا سفر کیا۔ ابوالحسن علی بن محمد بن مسرور دباغ، حبیب بن نصر جزری وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی، پھر مصر گئے۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم بلخی، ابن زکریا رازی ہاشمی سے احادیث کی سماعت کی۔ ۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ ۳۶۸ھ سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

ابوالقاسم صقلی علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی، قیروان جاکر درسِ حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ ابوعبداللہ محمد بن عباس انصاری متوفی ۴۳۲ھ اور ابواصبع بن موسیٰ ان کے ارشدِ تلامذہ سے تھے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ زجزفی ابن ابی الفرج مدلجی قاسم سرقوسی اور ابوالحفص صقلی جیسے اکابر حدیث سے حدیث کی تحصیل کی۔ درس وتدریس شغل قرار دیا۔ عمر طبعی پاکر انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حداد:۔ ابن الحکار کے معاصر تھے۔ فقہائے صقلیہ میں شمار تھا۔ اپنے معاصرین میں توقیر ومنزلت سے دیکھے جاتے۔ صاحبِ فتویٰ تھے۔ ان کی فقہی تالیف کا پتہ نہ چلا اور تاریخِ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

اسمٰعیل بن خلف صقلی کا نام ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف بن سعید بن عمران ہے، تذکرہ نویس ابن خلکان ان کے متعلق لکھتا ہے: "کان اماماً فی علوم الادب و

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔

متفننالفن القرأت :-
دینی علوم کی تحصیل کے لئے مصر گئے۔ مفسر قرآن علی بن ابراھیم الحوفی سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر وطن لوٹ کر درس و تدریس میں لگ گئے مگر آخر میں اندلس گئے پھر مصر گئے اور وہیں ۴۵۵ھ میں انتقال کیا۔ کتاب العنوان فی القرأت، کتاب الاکتفافی القرأۃ، کتاب اعراب القرآن وغیرہ۔ یہ کتابیں یادگار سے ہیں۔

ابو الفتح زیان صقلیہ کا رہنے والا تھا۔ علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ ۳۴۵ھ میں والی طرابلس کے پاس چلا گیا جہاں طرابلس الغرب کی فصیل اس کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی۔

ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ الصقلی الفقیہ کے متعلق قفطی متوفی ۶۴۶ھ لکھتا ہے:
"صقلیہ کے اربابِ علم میں تھے۔ علومِ ہندسہ و نجوم میں ماہر تھے" [۱]

ابو الفضل بن احمد وابق علمِ ہندسہ کا ماہر تھا۔ اپنے فضل و کمال سے عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا۔

قاضی اسد بن فرات شہید :۔ قاضی اسد کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ والد کا نام فرات تھا۔ دادا سنان کے نام سے مخاطب تھے۔ ان کا خاندان بنو سلم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ آبائی وطن نیشاپور تھا۔ فرات ترکِ وطن کر کے حران آئے۔ یہیں قاضی اسد ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ فرات ۱۴۴ھ میں محمد بن اشعث کی فوج کے ساتھ افریقہ آئے۔ قیروان میں اقامت اختیار کی۔ پھر یہ گھرانا ٹیونس چلا گیا۔ وہاں اسد نے علومِ عربیہ کی تحصیل شروع کی۔ علی ابن زیاد سے علمِ حدیث و فنِ فقہ حاصل کیا اور مؤطا امام مالک ان ہی سے پڑھی۔

۱۷۲ھ میں مدینہ پہنچ کر امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور مؤطا پڑھ کر عراق گئے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی اور اسد بن عمرو کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ امام محمد اُن کے ساتھ خصوصیت برتتے تھے۔ ان کی سفارش سے

---

[۱] اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۱۸۹۔

ولی عہد ابن الرشید تک رسائی ہوئی اور اُس نے اسد کو زادِ راہ قیروان کے سفر کرنے کے لئے عطا فرمایا۔ مصر روانہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن قاسم کی فیوض سے مستفید ہوئے اور اسدیہ کی تدوین شروع کر دی۔ ابن قاسم سے روزانہ مسائل فقہ کے سوالات کرتے۔ وہ جو جوابات دیتے اسد سوال وجواب دونوں کو بہ ترتیب لکھ لیتے۔ ابن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے اُن پر احادیث سے استدلال لاتے، قیاس و رائے سے جوابات کی صحت کے ثبوت فراہم کرتے۔ غرضیکہ ساٹھ جزوں میں سوال وجواب مدون ہو گئے۔ یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے پہلی ہے۔ اسد ۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان واپس آئے اور درس و تدریس کا آغاز کیا۔ موطا اور اپنی تالیف اسدیہ کا درس دیتے۔ صدہا علماء فیض یاب ہوئے۔ امام سحنون اور اسد میں چشمک علمی تھی۔ انھوں نے ترکیب سے اس کی نقل حاصل کی اور ابن قاسم سے مل کر کچھ مسائل میں صحت کرالی اور اس کو المدونۃ الکبریٰ کے نام سے شہرت دی۔

ایک زمانہ تک اسد قیروان کے عہدۂ قضاء پر ممتاز رہے۔ پھر صقلیہ فتح کرنے تشریف لے گئے۔ تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے ۲۱۲ھ میں قاضی اسد نے صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا اور صقلیہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی ۲۱۳ھ میں ایک معرکہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا[1]۔

امام مازری:۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی معروف بہ امام مازری، صقلیہ کے شہر مازر میں ان کا خاندان تھا۔ یہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی علوم کی تکمیل کے لئے مہدیہ (افریقہ) گئے۔ ابومحمد بن عبدالحمید سوسی اور علامہ لخمی سے علوم کی تحصیل کی۔ ابن خلکان لکھتا ہے "یہ اُن اکابرین میں ہیں جن کی طرف حدیث کے حافظہ اور علم کلام میں ماہر ہونے کی وجہ سے انگلیاں اٹھائی جاتی تھیں[2]" وہ ارباب فضل میں سے تھے۔

---

[1] معالم الایمان جلد ۲ صد ۲ تا صد ۱۳ و دیباج المذہب صد ۹۸۔ احسن التقاسیم مقدسی صد ۲۳۷۔

[2] ابن خلکان جلد ۲ صد ۲۱۶۔

مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ امام کی بہ کثرت بلند پایہ کتابیں مختلف علوم میں ہیں۔ مسلم کی شرح کتاب المعلم ان کی مشہور ہے۔ دوسری تعلیقات بر روایت جوزقی ہے۔ المعلم کے شائع ہوتے ہی قاضی عیاض صاحب شفا متوفی ۵۴۴ھ نے امام سے اس کی روایت بالاجازہ کی سند منگائی۔ ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی شرح لکھی ہیں۔ ان کا مفصل حال تاریخ صقلیہ جلد دوم میں ہے۔ محمد بن تومرت مہدی آپ سے شرف تلمذ رکھتا تھا۔ ۳ ربیع الاول ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

ابو محمد عبدالکریم صقلی: علم ہندسہ کا بڑا ماہر تھا۔ مصر پہنچا، مصر کے وزیر المامون متوفی ۵۱۹ھ قاہرہ میں رصدگاہ تعمیر کر رہا تھا۔ دیگر مہندسین کے ساتھ یہ بھی شریک کیا گیا۔ مگر الآمر باحکام اللہ فاطمی نے یہ سلسلہ مامون کے مرنے کے بعد ختم کرا دیا[1]

ابو محمد صاحب الخمیس: ان کا شمار محدثین میں ہے۔ اصول فقہ و فرائض کے بڑے ماہر تھے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے:

"یہ فقیہ، متکلم، اصولی، فاضل اور اپنے وطن میں شہرت رکھتے تھے"

بقیہ زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

ابو محمد عبدالجلیل بن مخلوف: محدثین صقلیہ سے تھے۔ ان کے شیخ حدیث عبدالملک بن حسن صقلی اور شاگردوں میں شیخ ابو محمد عبدالقادر قروی مشہور ہیں۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ۵۵۹ھ میں فوت ہوئے۔

ابو محمد بن محمد صقلی: کنیت ابوبکر تھی۔ پورا نام محمد بن محمد بن ابی الفضل مغیث بن عبدالرحمٰن بن مجاہد تھا۔ علم حدیث اور فقہ کے بڑے عالم تھے۔ برع فی الفقہ کہے جاتے تھے۔ صقلیہ میں آپ کے ذریعہ حدیث و فقہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تاریخ وفات کا پتہ نہ چلا۔

ابو محمد بن صمنہ: صقلیہ کے مشہور شاعر تھے اور فقہ میں ید طولیٰ تھا۔ ہمعصر

---

[1] خطط مصر مقریزی جلد ا صفحہ ۲۰۶۔

شعراء سے چشمک رہتی تھی۔ فقیہ عیسیٰ بن عبد المنعم سے شاعرانہ نوک جھونک رہتی۔ ابن صمنہ نظم کا جواب نظم میں دیتے۔ آپ کے علم و فضل کے علماء معاصرین معترف تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

ابو محمد عبد اللہ بن مبارک:۔ شیوخ وقت سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ تصوف سے دلی لگاؤ تھا۔ عابد و زاہد، قائم اللیل و صائم النہار مشہور تھے۔ رشد و ہدایت آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ کی صحبت میں اصحاب حال و قال شریک ہوا کرتے۔

ابو محمد عمار بن منصور کلبی:۔ صقلیہ کے وُلاۃِ کلبیہ کے خاندان سے امیر کبیر تھے۔ مختلف علوم کے ماہر، شعر گوئی میں صاحب کمال تھے۔

تقول لقد رأیت جبال نجد   وما ابصرت مثلك من یمان

ابو محمد عبد المعطی بن محمد:۔ وطن سرقوسہ تھا۔ علمائے عصر سے اکتساب علم کیا، علوم معقول بالخصوص منطق میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فن منطق میں ان کے کثیر التعداد شاگرد تھے۔ صقلیہ میں معقولات کی ترویج آپ کی ذات سے ہوئی۔

ابو محمد عبد اللہ بن محمد تنوخی معروف بابن قاضی میلہ:۔ باکمال شاعر تھے۔ ثقۃ الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ ابن خلکان نے ثقۃ الدولہ کی شان میں جو قصیدہ اُن کا ہے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، فصیح و بلیغ کلام ہے۔

ابو محمد عبد السلام بن ابراہیم:۔ اصلی وطن صقلیہ تھا۔ ان کے بزرگ مراکش میں مقیم ہو گئے۔ والی ابو الفارس عبد العزیز بن ابو الحسن کے دربار سے یہ منسلک تھے۔ دیگر علوم کے ساتھ فن طب میں بڑی شہرت تھی۔ فن جراحت میں ان کا ایک رسالہ ہے۔ ۵ رجمادی الاولیٰ ۷۲۲ھ میں وفات پائی۔

ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ بن عبد المنعم مہندس:۔ شعر و شاعری سے ذوق رکھتا تھا۔ انشاء پردازی کی شہرت تھی۔ امرائے صقلیہ کی عمارات کی تعمیر میں آپ کی کارفرمائی کو دخل ہے۔

حجۃ الدین ابن ظفر:۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی محمد بن ظفر صقلی، علوم قرآن و ادب

میں امتیاز رکھتے تھے۔ حجۃ الدین لقب تھا۔ اسلاف مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ ۵۶۵ھ میں حماۃ میں وفات پائی۔ التفسیر الکبیر، کتاب ینبوع الحیات فی تفسیر الذکر الحکیم وغیرہ کثیر التعداد کتب یادگار رہے ہیں۔

خلف بن عبداللہ صقلوی: چھٹی صدی کے علماء میں سے ہیں۔ درس تدریس شغل تھا۔ شمالی افریقہ میں مزار ہے۔ سال وفات ۵۲۲ھ ہے۔ علم نحو میں انکی شہرت ہے۔

دعامہ بن محمد: علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ امام سحنون کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ افریقہ کے فقہاء میں شمار تھا۔ اغالبہ کے دورِ حکومت میں صقلیہ کے عہدہ قضاء پر سرفراز ہوئے۔ داد و انصاف کی شہرت تھی۔ عبادت گذار تھے۔ ۲۹۷ھ میں وطن میں واصل بحق ہوئے[1]

قاضی رشید بن احمد قاسم: وطن اصلی صقلیہ تھا۔ علمائے عصر سے علوم کا اکتساب کیا۔ افضل کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ انہیں شعر و سخن سے دلی لگاؤ تھا۔ فی البدیہہ کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ افضل کے دربار سے تعلق تھا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی۔

سعد بن فتحون بن مکرم: قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ منصور عامری کے عتاب میں آگیا۔ کچھ عرصہ قید میں رہ کر صقلیہ چلا آیا۔ علومِ لسانیہ میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ علم عروض میں مختصر و مطول کتابیں تصنیف سے ہیں۔ صقلیہ ہی میں انتقال کیا۔

شرف الدین صقلی: ابو عبداللہ کنیت، محمد بن ابی بکر عبدالرزاق شرف الدین نام تھا۔ ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ علومِ قرآن کی تحصیل الکمال ابوالحسن علی بن شجاع العباسی، المعین ابوالعباس احمد بن ابی الفضائل جعفر بن محمد بن عبدالحق المالکی سے مصر میں کی۔ بیشتر وقت درس و تدریس میں گزرا۔ نورالدین علی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ فنِ قرأت کے ماہر تھے۔ تمام عمر زہد و تقویٰ میں گزاری۔ مستجاب الدعوات تھے۔ آخر عمر میں قاہرہ چلے گئے تھے وہیں وصال ہوا۔

---

[1] تاریخ مغرب ابن عذاری صفحہ ۲۲۲ ۔

شریف ادریسی: ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبداللہ معروف بہ شریف افریقہ کے سادات کے شاہی خاندانِ ادریسی سے تعلق تھا۔ ۴۹۳ھ میں سبتہ میں پیدا ہوئے۔ قرطبہ جا کر علوم کی تحصیل کی۔ ادب اور علومِ عقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ پھر سیاحت پر کمر باندھی۔ ان کی علمی شہرت دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ راجر دوم نے صقلیہ مدعو کیا۔ یہ وہاں پہنچے۔ راجر نے بڑی تعظیم و توقیر کی اور ان سے فرمائش کی کہ ایک کرۂ ایسا تیار کر دیں کہ زمین کی ہیئت و صورت کا صحیح اندازہ ہو سکے اور چار لاکھ درہم وزن کی ایک نقرئی اینٹ ان کے حوالے کی۔

ادریسی نے قدیم اصول ہیئت کے مطابق آسمان کی شکل کے چند دائرے چاندی کے بنائے اور انہیں طبق در طبق پیوست کر کے کرہ کی شکل میں تیار کرایا جو مختلف طبق افلاک کے مثل تھے۔ پھر زمین کے لئے ایک دوسرا مدور کرہ تیار کیا۔ اس کے بعد آسمان کے دوائر میں مختلف افلاک ستارے اور سیارے دکھائے گئے اور زمین کے عظیم الشان سانچہ پر دنیا کے تمام شہروں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں وادیوں اور ان کے نشیب و فراز کی تصویریں اتاری گئیں۔ اس کا قطر تقریباً چھ فٹ اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ من تھا[1]

راجر نے ادریسی کو بہت کچھ انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے بعد مستقل طور سے ادریسی صقلیہ میں رہنے لگے۔ پھر راجر کے کہنے سے ایک صاحبِ علم جغرافیہ دانوں اور مصوروں کی جماعت لے کر سیاحت کے لئے روانہ ہوئے۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کی سیر کی، مقامات کی تفصیل لکھی۔ اہم عمارات وغیرہ کی تصاویر بنوائیں۔

پندرہ برس میں یہ علمی سفر طے کر کے صقلیہ لوٹے۔ انہی جغرافی معلومات سے "نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق"، کتاب لکھ کر راجر دوم کے نام معنون کی۔[2]

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ [2] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۰ وغیرہ۔

اس کتاب کے بعد روض الانس ونزہتہ النفس یا کتاب الممالک والمسالک لکھی۔[1]
صقلیہ میں ۵۶۰ھ میں ادریسی نے وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

شہاب الدین بن عبدالحق:۔ معاصر علماء سے اکتساب علم کیا۔ بالخصوص علم نحو میں مشہور تھے۔ [2] شغل درس وتدریس تھا۔

طاہر بن محمد بن رقبانی:۔ اسلامی عہد میں ان کے ادب کی شہرت تھی علم لغت کے ماہر تھے۔ ان کی شعر وشاعری کی عام شہرت تھی۔ اہلِ علم دور ونزدیک سے آکر استفادۂ علمی کیا کرتے تھے قفطی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن محمد بلیشری:۔ صقلیہ کے شہر بلیشر کے رہنے والے تھے علوم قرآن میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ علمائے معاصرین میں قدر ومنزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ درسِ تفسیر بھی دیا۔ ان کی وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

عبداللہ بن حمدون کلبی:۔ صقلیہ کے قدیم اہل علم سے تھے۔ امام سحنون کے شاگرد تھے۔ انہی سے حدیثیں روایت کیں۔ ان کا مذہب مالکی تھا۔ ۳۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن رمضان:۔ صقلیہ کے قاضیوں کے خاندان سے تھے۔ ذی علم شعراء میں شمار تھا۔ راجر دوم کے دربار سے تعلق تھا۔ قصیدہ گوئی ان کا مشغلہ تھا۔ آخر ش صقلیہ کی خاک کے سپرد ہوئے۔

عثمان بن علی بن عمر خزرجی انصاری السرقوسی:۔ ابن فحام اور ابن بلیمہ سے قرآن مجید پڑھا۔ پھر مصر گئے مسجد جامع عمرو بن العاصؓ میں وسیع حلقۂ درس قائم کیا۔ اس کے ساتھ علماءِ مصر سے استفادۂ علمی کیا۔ حافظ سلفی ہمعصر تھے۔ ابو محمد بن بر النحوی اور ابوالبقیٰ صالح بن عادی العذری الانماطی تلامذہ سے تھے۔ کتاب مخارج الحروف یادگار سے ہے۔ تاریخ وفات کا پتہ نہ لگا۔

عمر بن خلف بن مکی:۔ ابوحفص کنیت تھی، فقہائے صقلیہ سے تھے۔ فنِ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ترجمہ ادریسی [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ۱ صفحہ ۱۰۹۔

انشا و خطابت میں ملکہ تھا۔ ٹیونس کے عہدۂ قضاۃ پر فائز رہے۔ شاعری سے بھی ذوق تھا۔ فنِ لغت میں ان کی کتاب تثقیف اللسان ہے[1]

عمر بن علی بن عمر سرقوسی کو علم نحو و لغت میں بڑی مہارت تھی۔ صاحب تالیفات ہیں۔

عمر بن صقلی :۔ قیروان میں عمر گزاری۔ علم ادب کا ماہر تھا۔ ابوالفضل یوسف معروف با بن نحوی کا ہمعصر تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

علی بن عبد الرحمٰن کو علم نحو و عروض میں کمال حاصل تھا۔ اصنافِ ادب و شعر و شاعری سے بھی مناسبت رکھتا تھا۔ آخر عمر میں صقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ وہیں پیوند خاک ہوا۔

فخر الدین محمد بن محمد کنیت شیخ ابو عبد اللہ تھی۔ شافعی مذہب رکھتے تھے۔ علم فقہ کی تحصیل شیخ قطب الدین سنباطی سے کی۔ زہد و ورع اور صلاح و تقوے میں شہرت رکھتے تھے۔ دمیاط (مصر) کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ کچھ عرصہ مصر کے قائم مقام والی رہے۔ التنجیز فی تصحیح التعجیز آپ کی یادگار ہے۔ ۱۷ ذیقعدہ ۷۲۰ھ کو مصر میں وفات پائی۔[2]

قاسم سرقوسی :۔ قدیم محدثین میں شمار ہے۔ ان کے تلامذہ میں ابوالقاسم عبد الرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ جزقی کا نام تذکروں میں آتا ہے۔ مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔

قاضی ابو عمرو میمون کا نام صقلیہ کے محدثین میں آتا ہے۔ ابو مصعب زہری اور امام سحنون کی روایات ان کے واسطہ سے صقلیہ پہنچیں۔ ابوالعرب ان کے تلامذہ سے تھے۔

قرشی صقلی :۔ ابوالعرب مصعب بن محمد بن ابوالفرات قرشی صقلیہ کا نامور صاحبِ دیوان شاعر تھا۔ ۴۲۳ھ میں بلرم میں پیدا ہوا۔ علمائے عصر کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس میں کمال حاصل کیا۔ صقلیہ سے باہر اندلس تک اس کے شعر و سخن کی شہرت تھی۔ امیر المعتمد فرماں روائے اشبیلیہ نے

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ صہ ۲۸ [2] طبقات الشافعیہ سبکی جلد ۲ صہ ۲۱ ۔

تا زادِ راہ بھیج کر مدعو کیا مگر وطن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب نارمن ظالموں کا تغلب و استیلاء ہوا تو گھر بار چھوڑ کر اشبیلیہ پہنچا اور امیر المعتمد کے دامن دولت سے وابستہ ہوگیا۔ ۵۰۸ھ تک زندہ رہا۔ دیوان مصعب کے نام سے اس کے کلام کا مجموعہ ہے۔[1]

محمد بن عبدون سوسی :۔ مغرب کے نامور شعراء میں سے تھا۔ ثقۃ الدولہ کے عہد میں صقلیہ آیا اور ایک مدحیہ قصیدہ اس کی شان میں پیش کیا۔ اس نے قدردانی کی اور اپنے لڑکے تاج الدولہ کے مصاحبین میں داخل کیا۔ ابن عبدون ادبِ مجلسی سے واقف تھا۔ تاج الدولہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ جب وہ صاحبِ اقتدار ہوا تو اس کا بھی اعزاز بڑھا۔ صقلیہ میں ہی انتقال ہوا۔

محمد بن خراسان :۔ ابو عبداللہ محمد بن خراسان مقری کے لقب سے ملقب تھے۔ نشوونما صقلیہ میں ہوئی۔ علم کی تحصیل کی خاطر مصر گئے۔ وہاں امام المقرئین ابو جعفر النحاس متوفی ۳۳۸ھ اور ابن منظفر بن احمد بن حنبل بن ہمدان سے علومِ قرآن اور حدیث کا درس لیا اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں لگ گئے۔ چھہتر سال کی عمر میں ۳۸۶ھ میں فوت ہوئے۔[2]

محمد بن علی ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر محدّث :۔ علم نحو و لغت میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن القطاع ان کا شاگرد تھا۔ باقی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

نصرون بن حسین خزری :۔ تلمذ ابن القطاع سے تھا۔ علمِ لغت کے ماہر تھے۔ زیادہ حال ان کا میسر نہ آیا۔

---

[1] تاریخ صقلیہ حصہ دوم [2] احسن التقادیم مقدسی صفحہ ۲۳۸۔

(۱۰)

سلاطینِ ہند

(جلد اوّل)

جس میں سندھ کی پہلی مُہم، سلاطینِ لنگا اور سلطان محمود غزنوی کے عہد سے لے کر سلطان سکندر لودھی کے زمانے تک کے حالات و واقعات جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخ ہندو

شط العرب کی وادی سے ہی بابل و نینوا متعلق تھے۔ یہیں اوّل تہذیب و تمدن کے آئین مرتب ہوئے اور پہلی شہنشاہی قائم ہوئی۔ اس کے بعد مصر و ہند کی تہذیب و تمدن کی تہذیب پڑی۔ تاریخی حیثیت سے نمایاں حقیقت ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ رہی ہے جو اپنی تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے ایک درجہ اُمم قدیمہ میں رہتی ہوگی۔ چنانچہ حالات کا بڑا حصہ پردۂ خفا میں رہا ہے مسلمانوں نے گو اپنے دور میں بہت کچھ قدیم حالات جمع کر دیئے۔ مگر یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ مغرب جسے عہدِ حاضر میں اپنی ترقی علم و حکمت پر ناز ہے اور جو اپنی تحقیق و تنقید کے زعم باطل پر ہر غیر معلوم شئے کو احاطۂ علم میں لے آنے کا مدعی ہے۔ اس وقت تک ہندوستان کو اس سے زیادہ نہ سمجھ سکا کہ وہ ایک غیر شائستہ آبادی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام مشرق جہل و تاریکی کا گھوارہ ہے۔

اہلِ مغرب کو یہاں سوائے عجوبہ پرستی کے کچھ نظر نہ آیا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ لکھی بھی تو اپنے ملک کے ناول نویس اور افسانہ نگاروں اور بے تکے سفر ناموں کی وساطت سے لکھی۔ یہاں کی تاریخوں سے جو کچھ اخذ کیا وہ مصائب تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ پر جو نظر ڈالی وہ صحت سے دُور اور مسلمانوں کے عہد کو پیش کیا تو بھیانک صورت میں۔

یہاں کی ہندو مسلم تہذیب پر تمسخر کیا گیا۔ یہاں کے حکمران طبقہ کو خونخوار ثابت کیا کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے جذبات سفاکی و بے رحمی سے لبریز تھے۔ ان کے چاروں طرف تملق و خوشامد کرنے والے درباری تھے۔ رعایا کو تباہ کرتے خزانہ بھرتے تھے۔ لہو و لعب، سیر و تفریح یا حرم کی اندرونی زندگی پر بے دریغ

دولت صرف کرتے تھے۔ درباریوں سے اپنی زمین بوسی اور جبہ سائی کراتے تھے۔ وہ اگر شراب کے نشہ سے چونک پڑتے تھے تو سوائے جور و ظلم کے ان کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ نہ ان کے پاس دماغ تھا نہ دل، نہ وہ سوچ سکتے تھے۔ اس کے سوا روحانیت سے انہیں سروکار ہی نہ تھا۔ غرضیکہ سلاطین ارتقاءِ ذہنی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھتے تھے کہ علوم و فنون کی طرف توجہ دیتے۔ نہ ان کو ملک کی فلاح و بہبود کا خیال تھا۔ الغرض وہ جہل و غرور، بے دردی و بے رحمی کے زبردست مجسمہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن کیا وہ شخص جس نے صحیح معنیٰ میں ہندوستان کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے اس خاکہ میں کسی جگہ اصلی خط و خال کی جھلک پا سکتا ہے اور کیا یورپ کا عدم علم یا اس کا تعصب ایک حقیقت اور صداقت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ صداقت شعاری کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں کے سلاطین اگرچہ اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ نہ تھے۔ نہ ان کی خلفائے راشدین کی سی زندگی تھی اور ان میں بعض جفا پیشہ بھی تھے۔ تاہم وہ مجموعی طور پر اصولِ معدلت پر کاربند ضرور تھے اور کلیتہً مطلق العنان نہ تھے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ

"حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی"

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت جوتش مشہور ہیں۔ رشی منی اپنی راہبانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو اُن سے کچھ باتیں حاصل کیں۔ مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصور، دختر کشی، ستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم اور اخلاقی قدریں، عام تعلیم، مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے رہنے سہنے، کھانے پینے، لباس، تواضع و مدارات اور تہذیب کے دوسرے پہلوؤں میں تکلف و تجمل اور آسائش کی نئی نئی ایجادوں کی بدولت یہاں کے تمدن کی سادہ تصویر میں نہایت دلکش اور دیرپا

رنگ بھرے۔ سیاح ابن حقل اور شاہ بربر کی تحریرات سامنے ہیں۔
سلاطین ہند کی تاریخ کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ انھوں نے ہند پر قبضہ کیا۔ فتوحات کے دور میں یہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچی۔ مگر اس کی تلافی ان میں رہ کر بس کر بہت کچھ کی۔ مقامی حکمرانوں میں انتشار تھا جس کو اپنے زیر نگین لاکر ملکی وحدت قائم کی۔ تہذیبی معیار بلند کیا اس بداہت سے انکار سفاہت ہے۔
ہمارا موضوع اس جگہ صرف سلاطینِ ہند کے تاریخی واقعات پیش کرنا ہیں۔ اور سلاطین کی سیرت اور اُن کی ملکی خدمات اور رواداری تہذیبی و علمی ترقی میں ان کے مساعی کیا تھے وہ دکھانا ہیں۔ فتوحات کے ساتھ مفتوحہ قوم اور رعایا سے کیسا ان کا سلوک رہا اور ان کو کس ادنیٰ درجہ کا پایا تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ ہندوستان میں تعلیم صرف برہمن طبقہ کے لئے محدود تھی۔ مگر سلاطین نے ہی عوام میں چاہے چھتری ہو یا راج پوت یا شودر ہر ایک کے لئے تعلیم پانے کی راہیں کھول دیں جس کی نظیر کائستوں کا وجود ہے۔ جنہوں نے فارسی میں وہ قابلیت کے جوہر دکھلائے جس کی مثال کم ملے گی۔ جو ہند کے باشندے فاتحین کے ہاتھ لگے وہ اسلامی ممالک میں پہنچے۔ اُن کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی کہ وہ علومِ دینی کے امام کہلائے۔ آگے یہ تمام تفصیلات ملاحظہ سے گزریں گی۔

انتظام اللہ شہابی
اکبرآبادی

عربوں کی آمد کی برکات

اسلام کے دورِ اوّل میں عہدِ حضرت عمرؓ میں ایک مہم آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد عرب تاجروں کے قافلے اور مبلغ ہندوستان آئے۔ مالابار اور کالی کٹ، سراندیپ وغیرہ کی سرزمین نے خیر مقدم کیا، یہاں بس گئے۔ ان کی سادگی، خلوص اور بلند اخلاقی نے ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ دیانت اور عمل و کردار کی عمدگی کا شہرہ ہندو راجاؤں تک پہنچا۔ ایک راجہ نے بھی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرا کر سنا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان علاقوں میں اسلامی خیالات اور تہذیب و دیانت کی بنا پڑی۔ اس سے بڑھ کر یہاں کی اقوام میں فہم و ادراک کی وسعت اور علوم و فنون سے لگاؤ پیدا ہونے لگا۔

مسلمانوں سے پہلے علم کی ٹھیکیدار برہمن تھے۔ عربوں نے بلا امتیاز ذات پات تحصیلِ علم اور ترقی فنون کا ذوق پیدا کر دیا۔ جو لوگ یہاں کے مسلمان ہوئے وہ علم کے ایسے متوالے ہوئے کہ وطن کو چھوڑ کر علمی مرکزوں میں پہنچے۔ بہت سے وہ تھے جو عرب وطن جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تعلیم و تربیت مثل اولاد کے کی۔ مؤرخین کوتاہ بین ان کو غلام قرار دیتے ہیں' یہ غلط ہے بلکہ عربوں نے نئی پود کو لے جا کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہاں بے نام و نشان رہتے تھے مگر آج وہ تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ رجال کے کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں۔

ابو معشر نجیح السندھی گو سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ عربوں کے ساتھ سندھ سے عرب گئے اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ فن مغازی و سیر میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الفن کہلائے۔ صدہا شاگرد بنا ڈالے۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی تو خلیفہ ہارون الرشید

نے اس نومسلم سندھی کی نمازِ جنازہ پڑھی [۱]

ان کے صاحبزادے ابوعبدالملک محمد تھے۔ ممتاز اہلِ علم میں شمار تھا۔ خلیفہ مہدی نے مدینہ سے بغداد بلا لیا ۔ ۱۷۶ھ میں فوت ہوئے۔

امام اوزاعی جو ائمہ اسلام سے ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

"ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا۔ ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔"

ابومحمد خلف بن سالم سندھی متوفی ۲۳۱ھ ابوالعباس فضل بن سکین بن سمت سندھی، ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، ابوالعطا سندھی ادیب' ایسے کثیر التعداد سندھی تھے جو عربوں میں رہ کر ممتاز علماء میں شمار کئے گئے۔ ایسے ہی یہاں کے لوگ فنِ ادب میں بھی صاحبِ کمال تھے۔ شاعری میں بھی اپنے اُستادوں کے ہم پایہ بن گئے۔

چنانچہ ابوتمام نے ابوعطا کے حماسہ میں عربی اشعار نقل کئے ہیں۔ سندھی بن شاہک بغداد پہنچے اور وہاں رہ پڑے۔ ان کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا جو عربی کا مشہور شاعر تھا۔ ابونصر فتح بن عبداللہ السندھی، ایک سندھی غلام تھے۔ تعلیم پاکر "الفصیح المتکلم" مشہور ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ملکی مذہب ترک کرکے آغوشِ اسلام میں آکر صاحبِ فضل و کمال بن گئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عربوں کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر بھی بڑا اثر پڑا کہ دیکھا دیکھی علم سے ذوق رکھنے لگے اور سندھ سے بغداد گئے اور خلفاء بنی عباس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جو علمی سرمایہ لے کر گئے تھے اس کی قدردانی کی۔ فہرست ابن ندیم میں ہند کی ان علمی یادگاروں کا ذکر محفوظ ہے۔

غرضیکہ عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی روایات کو برقرار رکھا۔ اب ہم عربوں کی مہموں کی تفصیلی بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ [۲] کتاب الانساب سمعانی صہ ۳۱۲۔

عہدِ فاروقی میں سندھ پر پہلی مہم

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ۱۵ھ میں خلیفہ راشد عمرؓ بن الخطاب نے عثمان بن ابوالعاص ثقفی کو بحرین وعمان کا والی بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا۔ عمان پہنچ کر ایک لشکر تانہ کی جانب بھیجا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لکھا۔

"اے ثقیف کے ناتجربکار نوجوان تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا۔ بیشک میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔"

اور عثمان نے حکم کو بروص کی جانب بھی روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن العاص کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا۔ دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے فتح حاصل کی اور کامرانی سے واپس آیا [۱]

عہدِ عثمانی میں سندھ پر مہم

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا اور اس کے پاس یہ حکم لکھا کہ وہ سرحدِ ہند کی جانب کسی ایسے شخص کو بھیجے جو وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور واپس آکر خلیفہ کو خبر دے تو عبداللہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا۔ جب حکیم ہند سے واپس گیا تو اسے حضرت عثمانؓ کے پاس عبداللہ نے بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے ہندوستان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو حکیم نے عرض کیا کہ یا امیرالمؤمنین! میں نے وہاں کے حالات سے بہت اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہے اور خوب تحقیقات کی اور وہاں کے لوگوں

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۲۔

کو آزمایا ہے۔ آپ نے فرمایا تفصیلی حالات بیان کرو حکیم نے کہا۔ ہندوستان میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں ردّی ہیں اور وہاں کے لٹیرے دلیر ہیں۔ اگر لشکر کم ہو تو تباہ ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے فرمایا تُو حالات بیان کرتا ہے یا تُک بندی کرتا ہے۔ کہا نہیں حضور صحیح حالات بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہاں کسی کو لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا۔

عہدِ علی مرتضیٰؓ میں سندھ پر مہم

جب ۳۸ھ کا آخر اور ۳۹ھ کا آغاز ہوا تو حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں حارث بن مرہ عبدی بہ نیت ثواب رضا کارانہ طور پر حضرت علیؓ کی اجازت سے سرحد کی جانب سے روانہ ہوا۔ چنانچہ اس نے فتح وظفر حاصل کی اور بہت کچھ مالِ غنیمت اور قیدی اُس کے ہاتھ لگے۔ چنانچہ اُس نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے۔ پھر علاقہ قیقان (قلات) کی طرف بڑھا۔ وہاں مقابلہ سخت رہا۔ اس میں حارث اور اس کے تمام ساتھی بجز چند آدمیوں کے قتل ہو گئے۔ ۴۲ھ میں یہ واقعہ ہوا۔ قیقان خراسان کے متصل سندھ کے مشہور شہروں میں سے ہے اب پاکستان میں ہے۔

عہدِ امیر معاویہؓ میں سندھ پر مہم

حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۴۴ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کیا اور بنہ اور الاہور تک آیا۔ یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں دشمن اس کے مقابل ہوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی مگر وہ ناکام رہے۔ بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دُم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انھوں نے مہلب سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے ؎

(ترجمہ) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں ازدیوں پر شبخون

مارا گیا وہ مہلب کے لشکر کے بہترین سپاہی تھے۔"
عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا اور کہا جاتا ہے کہ خود امیر معاویہؓ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر عبداللہ امیر معاویہؓ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے اور کچھ عرصہ اُن کے پاس قیام کیا۔ پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے ؎

"ابن سوار بہرحال مہمانی کی آگ کو روشن کرنے والا اور بھوک پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔"

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا۔ اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مطبخ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتا اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی۔ ایک رات اُس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔
زیاد ابن ابی سفیان نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی۔ یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدانِ جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی پر طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور مکران کو بزورِ شمشیر فتح کیا اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنا دیا اور وہیں قیام اختیار کیا اور تمام بلادِ سندھ کا نظم و نسق قائم کیا۔ اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔ ؎

"میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی ہے جن کو وہ مہر بھی نہیں پہنچاتے یقیناً آسان ہوگئی مجھ پر ابن محبق کی قسم جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے سنہری زیورات کو بلند کیا، نمایاں کیا۔"

یعنی ان عورتوں کی حسین گردنوں اور زیورات کو دیکھ کر آخردم تک لڑنا اور قسم کو پورا کرنا ہمارے لئے آسان ہوگیا کہ اگر ہم بھاگ گئے تو یہ دشمن کے ہاتھ پڑیں گی۔ عرب عورتوں کو میدانِ جنگ میں ہمراہ رکھتے تھے جس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس شخص نے مکران فتح کیا وہ حکیم ابن جبلہ عبدی تھا۔ پھر زیاد نے سرحد سندھ پر قبیلہ ازدمن سے راشد بن عمرو کو گورنر بنایا۔ چنانچہ راشد مکران آیا۔ پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح پائی۔ پھر قوم مید سندھ کے بحری قزاقوں پہ حملہ کیا۔ اسی حملہ میں قتل ہوگیا اور سنان بن سلمہ نے فوج کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر زیاد نے اس کو سرحد ہند کا گورنر بنا دیا۔ دو سال تک یہاں قیام کیا۔ اعشیٰ ہمدان نے مکران کے بارے میں کہا ہے تو مکران جاتا ہے بے شک وہاں جانا اور آنا بہت بعید یعنی دشوار ہے۔ مکران میرا مقصد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی لڑائی ہے اور نہ تجارت، مجھ سے وہاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں مگر میں وہاں گیا نہیں۔ تاہم اس کے ذکر سے خوف زدہ رہتا ہوں۔ حالات یہ ہیں کہ زیادہ آدمی وہاں بھوک سے مرجائیں اور تھوڑے آدمی وہاں مصیبت میں مبتلا ہوجائیں۔

عباد بن زیاد نے سرحد سندھ پر سجستان کی جانب سے حملہ کیا۔ چنانچہ سناروز آیا پھر وہاں سے جوی کھر پر روز بار تک اور علاقہ میستان میں ہندمند تک قبضہ کرلیا۔ پھر کش میں اترا اور وہاں سے ریگستان کو طے کرکے قندھار آیا۔ اہلِ قندھار سے لڑا اور ان کو شکست دی اور میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد قندھار فتح کرلیا۔ عباد نے اہلِ قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اس نے اسی جیسی ٹوپیاں پہنیں۔ اس وجہ سے ان کا نام

عبادیہ رکھا گیا۔ ابن مضرغ نے کہا ؎

"گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے پیروں کے نشان ہیں یا
اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں پڑی ہیں۔ کاش کہ وہ دفن کیے جاتے،
قندھار میں' اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہو گی اس کی خبریں اٹکل سے
بیان کی جائیں گی۔ یعنی اتنی دور جا کہ زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا
بہت دشوار ہے"

پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابوالاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا۔ اس نے بوقان اور رقیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، مالِ غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے ان کے شہروں میں پھیلا دیئے اور قصدار کو فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہلِ قصدار نے عہد شکنی کی تھی اس لئے دوبارہ فتح کیا۔ قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی۔ اس پر شاعر کہتا ہے ؎

"منذر قصدار میں اُترا اور وہیں قبر میں رہ گیا۔ واپس جانے والوں کے
ساتھ واپس نہیں گیا۔ قصدار اور اس کے انگوروں کے باغ بھی کس قدر
خوش نصیب ہیں۔ دین و دُنیا کے کیسے اچھے نوجوانوں کو انھوں نے
اپنے آغوش میں چھپا لیا"

پھر عبیداللہ بن زیاد نے ابن حری باہلی کو والی بنایا اور سرحد ہند پر روانہ کیا۔ اللہ پاک نے بلادِ سندھ اس کے ہاتھ پر فتح کئے اور اس نے وہاں بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح و ظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالا مال ہوا۔ مؤرخین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حری اس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ ابن حری کے بارے میں شاعر کہتا ہے ؎

"اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حری کی فوجیں لُوٹ کا
مال لے کر واپس نہ آتیں"

عہدِ عبدالملک

جب حجاج بن الحکم ابن ابی عقیل ثقفی عبدالملک کی جانب سے عراق کا والی ہُوا تو اُس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس کی سرحد ہند کا گورنر بنایا جب سعید مکران پہنچا تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عاف بن قضاعہ ہے۔ قضاعہ قبیلۂ جرم کا جدِّ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تمیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے یہاں آکر جنگ کی اور مالِ غنیمت حاصل کیا اور قندابیل کے بہت سے گروہوں، حصّوں کو بھی فتح کیا۔ پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی۔ مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پا گیا۔ شاعر کہتا ہے

"جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہُوا اسی کا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہے
کیونکہ تُو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔

پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرہ یاقوت سرندیپ کے بادشاہ نے حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بطور تحفہ بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئی تھیں اور ان کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا تھا اور اس نے اُن کے ذریعہ حجاج سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں سفر کر رہی تھیں اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا اور کشتی کو معہ سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا۔ ان میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا حجاج کہہ کر آواز دی۔ حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو اُس نے بے ساختہ کہا یا لبیک! ہاں میں آیا۔ اور فوراً سندھ کے راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو تو دریائی ڈاکوؤں نے پکڑا ہے

جن پر میرا قابو نہیں، آپ ہی ان کی خبر لیں۔ حجاج یہ سُن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے عبید اللہ بن نبہان کو معہ مختصر سپاہ کے دیبل پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ عبید اللہ اس مہم میں قتل ہو گیا۔ پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو جو حاکم عمان تھا حکم لکھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے۔ لیکن جب وہ جزیرۂ یاقوت[1] پہنچا اور دشمن سے مقابلہ ہُوا تو اس کا گھوڑا بدکا اور اس کو گرا دیا۔ دشمن نے اس کو گھیر لیا اور مار ڈالا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا۔ ادھر عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہُوا اور ولید بیٹھا۔

عہدِ ولید بن عبد الملک

حجاج نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لے کر اپنے چچازاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت شیراز میں تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ "رے" چلا جائے اور فوج لے کر سندھ پر حملہ آور ہو۔ محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی کو سردار کیا۔ چھ ہزار سپاہی شام کے لشکر سے اور ان کے علاوہ بہت سے کار آزمودہ لوگ اس کے لشکر کے ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کہ سُتلی اور سُوئی بھی اس کے لئے مہیا کی گئی اور دھنی ہوئی روئی لی اور پُرانے انگوری سرکہ میں اسے ڈبو دیا اور پھر سایہ میں خشک کیا اور محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے تو اس رُوئی کو پانی میں بھگو لینا۔ پھر اس سے روٹی لگا کر کھانا سرکہ کا کام دے گا۔ عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے۔

محمد بن قاسم شیراز سے چل کر مکران پہنچا۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر فنز پور آیا اس کو فتح کیا۔ پھر ارمائیل پہنچا اسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہارون بن ذراع محمد بن قاسم

---

[1] جزیرہ یاقوت اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں کی عورتیں خوبصورت ہوتی تھیں (فتوح البلدان)

سے آملا اور لشکر میں شامل ہو گیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہُوا۔ مگرار مائیل کے قریب ہی اس کا انتقال ہو گیا اور قنبل میں دفن کر دیا گیا۔ پھر محمد بن قاسم ار مائیل سے روانہ ہُوا۔ جہم بن زخر جعفی اس کے ہمراہ تھا۔ جمعہ کے روز دیبل پہنچے اور وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر براہ سمندر فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیبل پر اُترتے ہی لشکر گاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی۔ خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیئے اور ان پر پھریرے اُڑا دیئے اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا۔ عروس (عروسک) نامی منجنیق نصب کی گئی۔ اس منجنیق میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔

دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس بدھ کے مندر کے برج پر ایک لمبی بلی لگی ہوئی تھی۔ اس بلی پر ایک سرخ جھنڈا تھا۔ یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تو تمام شہر کو گھیر لیتا اور گھومنے لگتا۔

انتظام بریدِ تیسرے روز حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے[1] اور محمد بن قاسم کے خطوط اس جانب کے حالات اور طریق کار کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ :۔

"جہاں اترو وہاں گرد خندق کھود لیا کرو اور اکثر شب بیدار رہو۔ ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعا کرو اور ذکرِ حق کرتے رہو۔ عروس نامی منجنیق کو مندر کی سیدھ میں نصب کرو اور اس کا ایک پایہ جو شرقی جانب ہے چھوٹا کر دو تاکہ دوسری جانب بڑا ہو جائے اور پتھر بہت اونچا پھینکا جا سکے اور عروس کے چلانے والے کو بلاؤ اور حکم دو کہ اس بلی کو تاک کر نشانہ لگائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے"۔

---

[1] تاریخ ہندوستان پہلی جلد ص۳۸۲۔

چنانچہ منجنیق کے چلانے والے نے بلّی پر نشانہ مارا اور اس کو توڑ دیا۔ کفار اس سے بھڑک اُٹھے۔ پھر محمد بن قاسم نے اُن پر چڑھائی کر دی۔ وہ بھی جوش میں آ کر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مقابلہ ہُوا محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ میدان سے بھگا دیا اور اُنھوں نے قلعہ میں جا کر دم لیا۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیوں کے لگا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا دی گئیں اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ سب سے پہلے چڑھنے والا اہلِ کوفہ میں سے قبیلہ مراد کا ایک شخص تھا۔

سنہ ۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزورِ شمشیر فتح ہو گیا۔ تین روز تک برابر محمد بن قاسم مسلح اور جنگجو اہلِ قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے بھاگ گیا۔

محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم کیں۔ ایک مسجد تعمیر کی۔ چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور دیبل کو عساکر اسلامیہ کے لئے ایک فوجی مرکز بنا دیا اور اس کے بعد ہارون ابن ابو خالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ قتل کر دیا گیا۔

مورخین نے بیان کیا کہ محمد بن قاسم دیبل سے نیرون آیا۔ اہلِ نیرون نے اس سے قبل اپنے دو سادھو حجاج کے پاس بھیجے تھے اور صلح کر لی تھی۔ لہٰذا انھوں نے محمد بن قاسم کے لئے رسد مہیا کی اور اس کو شہر میں لے گئے۔ سالانہ زرِ صلح بھی ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس شہر سے گزرتا تھا اسی کو فتح کر لیتا تھا حتیٰ کہ دریائے سندھ کے درے جو نہر تھی اسے عبور کیا۔ یہاں پہنچ کر سریبدس کے سادھو آئے اور باشندگانِ سریبدس کی جانب سے صلح کر لی اور ان پر خراج مقرر کیا اور وہاں سے سہبان کی جانب روانہ ہُوا اور اس کو فتح کیا۔ پھر دریائے سندھ کی جانب رُخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اُترا۔ داہر کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کیں۔

محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب ثقفی کو سوار فوجی دستوں کے ساتھ سدوسان

(سیوستان) بھیجا۔ اہلِ سدوسان نے امن اور صلح طلب کی۔ سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کی خدمت انجام دی۔ چنانچہ محمد بن مصعب نے ان کو امن و امان دی اور ان پر خراج مقرر کیا اور بغرضِ اطمینان ان سے کچھ معزز آدمی بطورِ ضمانت طلب کئے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے ساتھ فوج میں شامل ہو گئے اور سدوستان پر ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیر کی۔ کیونکہ داہر نے سارے پُل اُٹھا لئے تھے۔ چنانچہ راسل کے علاقہ کے پاس خود پُل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ راسل ہندوستان کے علاقہ قصہ کچھ کا بادشاہ تھا۔

داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل بے پرواہ تھا۔ آخر کار محمد بن قاسم اور عساکرِ اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا۔ داہر ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ اس کے چاروں طرف تھا۔ ٹھاکر راجپوت بھی بہت بڑی تعداد میں اس کے ہمراہ تھے۔ دونوں فریق ایسی سخت لڑائی لڑے کہ اس سے پہلے ایسی لڑائی کبھی نہیں سنی گئی تھی۔ یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہو گیا اور خوب جان توڑ کر لڑا۔ لڑتے لڑتے شام کے وقت ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ کو قتل ہو گیا۔ مدائنی کی روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک شخص تھا۔ اس نے اس موقع پر یہ شعر کہے:

"فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں کہ بے شک میں نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں دشمنوں کی صفوں کے پرے کے پرے توڑ دیئے حتیٰ کہ تلوار لے کر خاص ان کے بادشاہ کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ بغیر تکیے کے رخساروں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیا۔"

داہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروص بھڑوج میں بنا ہوا تھا اور بدیل بن طہفہ کا مجسمہ قندبیل میں ہے اور اس کی قبر دیبل میں ہے۔ علی بن محمد مدائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو الفرج نے بیان کیا کہ جب داہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام

تمام بلادِ سندھ پر غالب آگیا۔ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حصن طائی ہے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راور کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ قلعہ راور میں داہر کی بیوی پناہ گزین تھی اس کو خوف ہُوا کہ وہ پکڑا نہ جائے لہٰذا اُس نے خود کو مع اپنی لونڈیوں اور تمام مال و متاع کے جلا کر ستی ہوگئی[1] پھر محمد بن قاسم پرلنے برہمن آباد آیا۔ یہ منصورہ سے دو فرسخ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی جگہ جھاڑیاں تھیں۔ داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمن آباد میں تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم سے سخت جنگ کی۔ بالآخر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کو بزورِ شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار فوجی سپاہیوں کو قتل کیا اور کہا جاتا ہے کہ چھبیس ہزار۔ پھر اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا۔ محمد بن قاسم برہمن آباد سے راور اور بغرور کے قصد سے روانہ ہُوا۔ راستہ میں اہلِ ساوندری آکر ملے۔ انہوں نے امان کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے ان کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور رہبری کی ان سے شرط کی یعنی جس وقت عساکرِ اسلامیہ اس طرف سے گزریں تو ان کی رسد کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی رہبری کرنا ان کے ذمہ ہے۔

اہلِ ساوندری آج کل مسلمان ہیں۔ پھر بسمد کی طرف بڑھا۔ اہل بسمد نے بھی اہلِ ساوندری کی طرح ان ہی شرائط پر صلح کی۔ محمد بن قاسم بڑھتے بڑھتے راور تک پہنچ گیا۔ یہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے اور ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ چند ماہ تک اہلِ راور کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار اس شرط پر بطورِ صلح فتح کیا کہ محمد بن قاسم نہ تو ان کو قتل کرے گا اور نہ ان کے مندر سے تعرض کرے گا۔

مصنف کہتا ہے کہ یہ بدھ مذہب کا عبادت خانہ ہے بالکل اسی طرح جیسے عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے کنیسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے۔ اہلِ راور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص۴۴۴۔

خراج مقرر کیا اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکہ سکھر کی جانب روانہ ہُوا۔ یہ دریائے بیاس کے ورے ایک شہر ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ اہلِ ملتان نے اس سے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ مشرکین کو میدانِ جنگ میں شکست ہوئی تو بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔

محمد بن قاسم نے اہلِ ملتان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ مسلمانوں کے توشے سامانِ خورد و نوش ختم ہو گئے۔ جب کچھ نہ رہا تو گدھے ذبح کر کے کھا گئے۔ آخر کار ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہلِ ملتان جو پانی پیتے تھے اس کے داخل ہونے کی جگہ راستہ سے آگاہ کیا۔ یہ نہر نہر بسمد سے آتا ہے اور شہر کے اندر بڑے حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کو تلاح تلاؤ کہتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستے کو پاٹ کر بند کر دیا۔ جب وہ پیاسے مرنے لگے تو اُنہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا اور بدھ مندر کے پجاری جو چھ ہزار تھے گرفتار کر لئے اور بہت سے سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہ تمام اموالِ غنیمت ایک کوٹھڑی میں جمع کئے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی۔ اس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہُوا تھا۔ تمام اموال جو اس میں امانت رکھے جاتے سب اسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے۔ اسی لئے ملتان کا نام فرج بیت الذہب سونے کی کوٹھڑی کی سرحد پڑ گیا۔ فرج بمعنی سرحد۔ ملتان کا بدھ مندر اتنا بڑا مندر تھا کہ اس کے لئے اموال کے تحفے لائے جاتے تھے۔ منتیں مانی جاتی تھیں۔ اہلِ سندھ اس کے حج کے لئے آتے تھے طواف کرتے تھے۔ سر اور ڈاڑھیاں اس کے پاس منڈاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بُت اس کے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مؤرخین نے کہا ہے کہ حجاج نے اس جنگ کے آمد و خرچ کا حساب لگایا تو

معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ ہزار چھ کروڑ درہم محمد بن قاسم پر خرچ کئے اور بیس اور سو ہزار دو ہزار بارہ کروڑ اس کو وصول ہوئے، تو اس نے کہا ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا۔ یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا اور ساٹھ ہزار چھ کروڑ اور داہر کا سر نفع میں رہا۔

۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا تو محمد بن قاسم کے پاس اس کی وفات کی خبر آئی۔ لہٰذا ملتان ہی سے ادر اور بغرور کی جانب واپس چلا۔ ان دونوں مقاموں کو پہلے فتح کر لیا تھا۔ یہاں آ کر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا۔ انہوں نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی۔ یہ سرست آج کل بصرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے۔ یہاں کے باشندے میدا بحری قزاق ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا تو دوہر پسر داہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی اور دوہر بھاگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا۔ اہلِ شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ محمد بن قاسم نے حسبِ دستور مقاتلین کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

"ہم نے داہر اور دوہر دونوں کو قتل کر ڈالا۔ درانحالیکہ سواروں کے گروہ کے گروہ ہلاک ہو رہے تھے"

۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور سلیمان بن عبدالملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اُس نے صالح بن عبدالرحمٰن کو عراق کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید ابن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ پر تو یزید نے محمد بن قاسم کو معاویہ بن مہلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا [1] تو اس وقت محمد بن قاسم نے یہ شعر اپنے حسبِ حال پڑھا ؎

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

دو لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا، مگر افسوس انہوں نے لڑائی کے دن اور سرحد کے استحکام کے لئے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو ضائع کیا۔"

اہلِ ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اس کا مجسمہ بنایا۔

صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت محمد نے یہ شعر پڑھے ؎

"اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل دست بزنجیر طوق در گلو ہوں تو اس پر افسوس نہیں کیونکہ میں نے بہت سے نوجوان سواروں کو اپنی ہیبت سے خوف زدہ کر دیا ہے اور کتنے ہی اپنے ہمسروں کو میدانِ جنگ میں مقتول چھوڑ دیا ہے۔"

اور یہ اشعار پڑھے ؎

"اگر میں مقابلہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتا تو بہت سی عورتیں اور مرد جو لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے تھے وہ پامال کر دیئے جاتے اور نہ سکسکی گھوڑے ہمارے علاقے میں داخل ہوتے اور نہ کوئی عکی مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں مزونی غلام کا تابع ہوتا اے شرفاء کو تباہ کرنے والے زمانہ تیرا بُرا ہو۔"

صالح بن عبدالرحمٰن نے خاندانِ ابوعقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا۔ اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا۔[1] آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا۔ خارجی المذہب تھا۔[2] حمزہ بن بیض حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات

---

[1] محمد بن قاسم کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو جانشین کرنا چاہا۔ قتیبہ بن مسلم اور حجاج نے ولید کی رائے کی تائید کی۔ اس سلسلہ میں حجاج نے قاسم کو خط لکھا۔ یہ تجویز پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج مر گیا اس کے سات ماہ بعد ولید فوت ہوا سلیمان نے جو ولید کے ہمنوا تھے ان کو قتل کرا دیا، اس لپیٹ میں قاسم بھی آیا۔ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۲۷ میں تفصیل ہے۔

[2] الکامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۵۹ و تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۳۸۲۔

پھر یہ شعر پڑھا ہے ؎

"بے شک مروت، رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے لئے مخصوص تھیں سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی تعجب ہے یہ سرداری پیدائش سے کسقدر قریب ہے۔"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

"سترہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی جبکہ اس کے ہم سن اس سرداری سے غافل کھیل کود میں مصروف تھے"[1]

فاتح سندھ کی رواداری

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فاتحانہ سرگرمی اور مجاہدانہ کارنامے تفصیلی بیان کئے جا چکے۔ اس جگہ اس کے کردار اور اس کی رواداری کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

بج رائے حاکم سیوستان پر ابن قاسم حملہ کرنے بڑھا۔ بج رائے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ اہل شہر نے کہا:۔

"مسلمانوں کا مقابلہ مناسب نہیں، صلح و آشتی سے کام لیجئے۔ مسلمان صلح کی درخواست کو رد نہیں کریں گے اور وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ لہٰذا کشت و خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے۔"

چنانچہ راجہ داہر کے برادر زادہ بج رائے نے اپنا خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ اس وقت مسلمان باجماعت نماز میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر جاسوس واپس آیا اور راجہ سے کہا یہ لوگ اس قدر متحد اور متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ بج رائے مرعوب ہو کر رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔

جس روز راجہ داہر مارا گیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام کئے گئے مگر دوسرے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صہ۴۴۴۔

ی روز فاتح سندھ نے اعلان کرایا:۔

"جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا"

برہمن آباد جب فتح ہُوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے لگے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کرا دیا اور اس کا یہ سلوک رہا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگانِ شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر، دوکاندار اور اہلِ حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے ان کو رہا کر دیا اور کہہ دیا کہ جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، نہ جان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے بت خانے نودھار میں بُت کے آگے سجدہ میں پڑے ہیں۔ اس کو پوچھنے پر معلوم ہُوا کہ یہ مندر ہے۔ اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہُوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہ بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد اعلانِ عام کر دیا :۔

"اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں"

ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا۔ مؤرخ کا بیان ہے :۔

مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہلِ شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لُوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے روکا۔ مندروں کی مُورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوتی تھیں، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بنا کر حجاج بن یوسف

نے بھیجا تھا۔ تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم وجور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلے میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتح دیبل کی خوشخبری سُن کر حجاج نے لکھا تھا۔

جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو بہبودِ رعایا اور رفاہِ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشت کاروں، کاریگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوشحالی وفارغ البالی سے ملک آباد وسرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں، کہیں یہ لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے؟ ملک اور رعایا کے ساتھ رفق وملاطفت کی کیسی دل نشین تاکید ہے "

محمد بن قاسم جب نیرون میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

"اہلِ نیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کس مقام کے اکابر تمہاری ملاقات کو آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل وقول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو۔"

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں جو ایک ذمہ دار کا فریضہ ہوتا ہے۔ ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک وقوم کی فلاح وبہبودی سے متعلق ہیں یا ان میں ملک اور قوم کا جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے۔ اخلاق واعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم وجور اور بربریت کی طرف۔

سیوستان کی فتح کی خوشخبری معلوم کرکے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے یہ ہدایت پہنچی کہ:۔

"جو کوئی تم سے جاگیر وریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو

قبول کرو۔ امان وعفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں اول مدارا ودرگذر اور محبت، دوم سخاوت وانعام، سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت وشہامت' تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی امداد واعانت کرو۔"

محمد بن قاسم دریا پار ہو کر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہُوا تو حجاج بن یوسف کا ہدایت نامہ ملا :۔

"پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر وقرأت، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکرِ الٰہی جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہوگے۔ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ، گورنر جنرل اور وزیر اعظم تمہارا انتظام واہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو۔ جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو۔ لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد وپیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو۔"

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"برہمن آباد کی فتح کے بعد پجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور یہ شکوہ پیش کیا کہ مسلمان سپاہیوں کے خوف سے ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں۔ ہماری آمدنی کم پڑ گئی ہے۔ ایامِ محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہنچا ہے اس کی مرمت اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ لہٰذا آپ ان مندروں کی اپنے

اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ بے خوف وخطر مندروں میں آکر پوجا کریں۔"

محمد بن قاسم نے جواب دیا :-

"تمہارے مندر کا تعلق شہر الور سے ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں ہے میں کیسے دخل دوں؟"

پجاریوں نے کہا۔

"اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔"

محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزادی حاصل ہے۔

غرضیکہ یہ تھی محمد بن قاسم کی رواداری کی مختصر داستان۔ اب محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

یزید بن ابی کبشہ سکسکی والئ سندھ کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے امن وامان کو نقصان پہنچا۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں ابن مہلب کو معزول کرکے عمرو بن مسلم باہلی کو امارت سندھ پر بھیجا اور یہاں کے اصلی باشندوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے بھیجے جس سے سمجھدار لوگ بے حد متاثر ہو کر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔

اس کے بعد آل مہلب نے خلافت سے بغاوت کی۔ اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھا کر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ وداغ ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا مگر ہلال بن احوذ تمیمی کی سرکردگی میں خلیفہ کا لشکر آیا جس نے آل مہلب سے مقابلہ

کر کے اُن کا خاتمہ کیا۔

سنہ ۱۰۷ھ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بجائے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو یہاں کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے امان طلب کر کے اور اجازتِ حکمرانی لے کر برہمن آباد کو اپنا پایۂ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا۔ جنید سے اس کے تعلقات بگڑ گئے جس کی وجہ سے دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ مارواڑ گجرات گیا۔ پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا۔

سنہ ۱۱۱ھ میں بابِ خلافت کی طرف سے جنید صوبہ خراسان کا والی بنا دیا گیا اور سندھ کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے ہاتھ میں آئی۔ مشہور شاعر فرزدق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔

تمیم کامیاب حکمران ثابت نہ ہو سکا۔ جلد فوت ہو گیا جس سے ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی تو سندھ کی عنانِ حکومت عارضی طور پر دوبارہ جنید کے سپرد کر دی گئی۔ وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر انتظامی حالت سندھ کی روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ آخرش والیٔ عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلبی امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر محفوظہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کو سندھ میں اسلامی حکومت کا پایۂ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا۔ امن و امان قائم کرنے کے لئے مہمیں بھیجیں جس سے ملک میں نئے سرے سے امن و امان قائم ہو گیا۔ فتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے شہر منصورہ کی بنا ڈالی جو آخر میں اسلامی حکومت کا پایۂ تخت بنا۔

سنہ ۱۲۱ھ، سنہ ۷۳۸ء یا سنہ ۱۲۲ھ، سنہ ۷۳۹ء میں حکم ایک لڑائی میں کام آیا۔ عراق کی حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ سندھ کی حکومت محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس کے دَور میں بغاوتوں کو فروغ حاصل ہوا مگر وہ اپنی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ باغیوں کو شکست دی۔ اسی اثناء میں آلِ مہلب نے مروان بن یزید بن مہلب کی سرکردگی میں پھر سر اُٹھایا۔

مروان قتل کیا گیا جس کے بعد یہ فتنہ بھی رفع ہوا۔ اس اثناء میں خلافتِ دمشق پر ہشام کی جگہ ولید آیا۔ اس نے ہشام کے والیوں کو معزول کیا اور ۱۲۵ھ، ۷۶۲ء میں عمرو بن ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ ڈور یزید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس دَور میں دارالخلافت انقلابات کی آماجگاہ رہا۔ یہاں تک کہ اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دُور دُور کے صوبوں میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گل ہوا۔

منصور بن جمہور کلبی جو دارالخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آپہنچا تھا، ۱۳۰ھ میں ابن عرار کے مقابلہ کرکے اس کو قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت سندھ میں قائم کرلی۔

عہدِ بنی عباس

منصور بن جمہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ منصور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابیل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں معروف ہو گیا۔ اس زمانہ میں خلافتِ عباسیہ کی طرف سے ابومسلم خراسانی مشرقی ممالک کا نگران تھا۔ اس نے سندھ کی ولایت کے لئے ابومسلم عبدالرحمٰن بن مسلم مغلس عبدی کو مامور کیا۔ وہ فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منصور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ یہ سُن کر منصور خود آگے بڑھا۔ منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ مغلس عبدی کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہوکر ۱۳۴ھ میں قتل کیا گیا۔ ابومسلم خراسانی نے یہ روداد سُن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے منصور کو شکست دی۔ وہ فرار ہوا اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دے دی۔ اسطرح ۱۳۶ھ میں سندھ کی حکومت خلافتِ عباسیہ کے زیرِاقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیرِ سندھ تھا۔ کچھ دنوں یہاں مقیم رہا۔ فاتحانہ سرگرمی دکھائی اور اپنے بیٹے عینیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عینیہ کامیاب حکمران ثابت نہیں

ہُوا۔ ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہوگئی۔ قحطانی و نزاری قبیلے اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اس نے سب کو قتل کرا دیا۔ پھر اس کے خلاف بعض سازشیں بھی ہوئیں۔ بالآخر خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۳ھ میں عمر بن عتکی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عیینہ بغاوت پر آمادہ ہوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیشقدمی کی اور امان دے کر منصورہ پر قبضہ کیا اور عیینہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دورِ حکومت کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اسی کے عہدِ حکومت میں شیعی اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ ۷۵۹ء میں خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہوا۔ مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا، خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لئے یہ مبلغین موصل واپس چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر ابن النفس الذاکیہ مدعی خلافت سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی۔ اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون بنا۔ حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذاکیہ کی عقیدت سے پذیرائی کی اور رازداری کے ساتھ ان کو راجہ کے حدودِ حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے طریقہ کی تبلیغ میں مصروف رہے اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ میں خلیفہ المنصور عباسی کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے اس نے ان کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں سے دارالخلافت بھیجا گیا جو وہاں قتل کر دیا گیا۔

المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہو گئی مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جُرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس کے تدبر و

دانائی کا قائل تھا اس لئے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا اور سندھ کی ولایت کا پروانہ ہشام بن عمرو ثعلبی کو دیا جس نے ۱۵۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

منصور عباسی نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر در پردہ یہ بھی سادات کا ہمنوا تھا۔ اس نے ان کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ مگر اس کے بھائی سفیح بن عمرو ثعلبی نے اچانک اُن کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام نے ان کے اہل وعیال اور محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الاشتر کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہشام ثعلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور بہروچ، ملتان اور گندھار کو قبضہ میں لایا۔ پھر وہ ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر وطن گیا اور وہیں فوت ہوا۔ سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا۔ اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رہی۔ چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحل گجرات سے آکر ٹکرائے۔ خلیفہ مہدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی نزاع کے سبب سے آیا تھا۔ اس بیڑے میں حضرت مولانا ابو حفص ربیع بن صبیح سعدی محدث بھی تھے جو سندھ آئے اور امامت پر مامور ہوئے جو ہند کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔

"از تبع تابعین و کملائے محدثین است از حسن بصری و عطار روایت می کند عابد و مجاہد بود ۱۶۰ھ ملک سندھ رحلت فرمود۔" [۱]

سندھ کی ولایت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ چنانچہ ۱۵۹ھ میں روح بن

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۔

حاتم جو والی مقرر ہو کر آیا اسی سال واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ بسطام بن عمر کو دی گئی مگر سنہ ۱۶۰ھ یا سنہ ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی ظاہر ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی والیٔ سندھ ہو کر آیا مگر وہ بھی اسی سال واپس بُلا لیا گیا اور سندھ کی زمامِ سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دی گئی جس نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا جو اس سے پہلے بھی بحری حملہ میں آچکا تھا مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا۔

پھر زہیر بن عباس اس عہدہ پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد مصبح بن عمر ثعلبی کے ہاتھوں میں سندھ کی ولایت سپرد کی گئی۔ اس دور میں یہاں تمیمی و حجازی نزاع شباب پر پہنچ گیا تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں والی ہو کر آیا اور سنہ ۱۶۱ھ سے سنہ ۱۶۴ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے فوت ہُوا۔

خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی بدامنی کا دَور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی۔ خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی۔ سنہ ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کی خلافت کا دَور آیا۔ اس نے سنہ ۱۷۰ھ میں سالم یونسی کو والی بنا کر بھیجا۔ اس نے چار سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد سنہ ۱۷۴ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی آیا۔ وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحاق اس کا قائم مقام بنا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے طیفور بن عبداللہ بن منصور کو والی بنا کر بھیج دیا اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر بن اشعث طائی آیا۔ اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تو مزید بدامنی پیدا ہوئی۔ اس لئے عیسٰی بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی مہم سپرد ہوئی۔ اس نے محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا

قائم مقام بنایا۔ اس نے سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رُخ کیا۔ وہاں بھی ناکام رہا تو عبدالرحمٰن یہاں کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ پھر ایوب بن جعفر بن سلیمان آیا۔ ان پے در پے ناکامیوں کے بعد ہارون الرشید کی نگاہِ انتخاب آلِ مہلب پر اُٹھی اور اس نے ۱۸۴ھ، ۸۰۰ء میں داؤد بن یزید بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی عنانِ حکومت دی۔

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی سخت گیریوں سے سندھ سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا۔ وہ تقریباً بیس سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا۔

۲۰۵ھ، ۸۲۰ء میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشیر کو یہاں کی سندِ ولایت بھیجی اور دس لاکھ درہم و اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا، مگر پھر خراج کا بھیجنا بند کر دیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ، ۸۲۶ء میں حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۳ھ، ۸۲۸ء میں عنان بن عباد ضلبی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے آکر ۲۱۳ھ، ۸۲۸ء میں سندھ کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ یہاں کے معاملات کو یکسو کرکے وہ بشیر کو ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمک کو والی بنا کر بھیجا جو ۲۱۸ھ تک رہا۔ اس کے بعد عمران بن موسیٰ معتصم کے عہد میں آیا۔ واثق باللہ نے ۲۲۷ھ میں ایتاخ ترکی کو والی مقرر کیا۔ متوکل کے عہد میں ہارون بن ابی خالد مروزی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا مگر حجازیوں کے سرگروہ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر اقتدار حاصل کر لیا[1] اور

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۶۴ و عہدِ اسلامی کا ہندوستان صفحہ ۷۔

خالد کو قتل کرادیا اور متوکل کو درخواست اپنی ولایت کے لئے دی۔ خلیفہ نے منظور کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ مگر حالات بگڑتے گئے۔ جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہمی دست و گریبان ہو گئے، حکومت کمزور ہو گئی۔ ہندو راجاؤں نے بہت سے علاقہ پر قبضہ جمایا۔ اب صرف دو حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ایک کا دارالسلطنت منصورہ تھا دوسری کا ملتان۔

حکومت ہباریہ

اس حکومت کے حالات بیان کرنے سے پہلے عربی قبائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب خاندان سندھ میں آباد ہو گئے۔ جیسے بنو بنہ (ملتان میں) ہباری قریشی منصورہ میں بنو ثقیف (بھکر الور میں) ان کے علاوہ بنی تمیم آل مغیرہ۔ عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، اشعری، بنو اسد، بنو علتبہ سادات وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ صدیوں سندھ میں رہنے سہنے، شادی بیاہ کرنے سے ان کی اصل عربی معاشرت میں فرق آگیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہو گئے اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہو گئی۔ مثلاً مغیرہ مہے موریہ۔

ابتدائے عہد میں ولاۃ سندھ کی طرف سے زمین کے بڑے بڑے قطعات مثلاً صوبہ، تحصیل وغیرہ ان خاندانوں کو ٹیکس وصول کرنے اور انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے سپرد کئے گئے جس پر وہ نسلاً بعد نسل بطور وراثت قابض رہے۔ سندھ کی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے قریش کے ایک خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز ہباری مذکور الذکر ہوا جو ۲۴۰ھ میں سندھ کا خود مختار حاکم بنا اور تیس برس حکومت کر کے وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ تخت نشین ہوا۔

۲۷۹ھ میں ایک عام بلوہ ہوا جس میں صمہ جو بنو کندہ کا غلام تھا سندھ پر قابض ہو گیا۔ گو منصورہ پر عبداللہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس کے اقتدار سے باہر رہا۔ کیونکہ بنو سامہ کا خاندان جو عمان میں آباد تھا اس

کی ایک شاخ بنو بنہ ملتان میں بس گئی تھی۔ اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور ۲۹۰ھ میں بلا شرکت غیرے وہ ایک بڑی طاقت ور اور وسیع سلطنت ہو گئی۔ غرض سندھ کے دونوں حصّوں پر دو قبیلے عرصۂ دراز تک حکمران رہے۔

۲۷۰ھ میں جب فاطمی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو عبد اللہ المہدی کی طرف سے داعی ابوالقاسم بن فرخ کا بھائی ہیثم نامی سندھ میں ان کا پہلا داعی بن کر آیا اور فاطمی حکومت کی دعوت میں مصروف ہو گیا[1]

عزیز باللہ خلیفہ (متوفی ۳۸۶ھ) کے عہد میں حلیم بن شعبان یا سیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے اچانک ۳۶۳ھ کے بعد ملتان پر قبضہ کر لیا[2]

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سندھ بلوچستان کے علاقے چونکہ بحرین و عمان اور یمن کے سواحل سے آمد و رفت اور تجارت کے ذریعے پیوستہ تھے۔ اس لئے عربی سواحل کے مذہبی و سیاسی اثرات سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں پر لازماً پڑتے رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سندھ کے سومرہ نام قبیلہ نے جس کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا ہے غالباً ۴۰۰ھ میں اسماعیلی دعوت قبول کر لی۔ ۴۱۰ھ میں محمود غزنوی نے جب ملتان کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو گمانِ غالب یہ ہے کہ یہ لوگ ملتان سے بھاگ کر منصورہ چلے آئے اور اچانک منصورہ کو ہباری خاندان سے چھین کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

۴۱۹ھ میں محمود غزنوی نے یہاں سے بھی ان کو بیدخل کر دیا۔ اب ملک میں کوئی مرکزی حکومت نہ رہی۔ لیکن چھوٹے بڑے زمیندار جن کو ہندوستانی عام طور پر رائے اور راجہ کہتے ہیں متعدد تھے، جن میں سومرہ کا خاندان سب سے زیادہ طاقت ور

---

[1] نزہتہ الافکار قلمی و موسم بہار جلد سوم صفحہ ۲۴،۷۷، بمبئی۔

[2] موسم بہار جلد سوم کتاب الہند بیرونی۔

تھا۔ اس سبب سے مصر کے فاطمی امام نے اس کو سندھ کی مذہبی سرداری عطا کی اور شیخ کا خطاب عنایت کیا۔ یہ خاندان سندھ میں تقریباً دو سو برس سے باجگزار کی حیثیت سے ملک کے ایک حصے پر قابض تھا جن[1] میں سے اُن کے نامور اشخاص بھونر وا، ہودل، بیلا ابن سومرہ اوّل سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ہم عصر ہے اور چونکہ اُس نے سلطان سے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی اس لئے اپنی جگہ پر خاموش رہا۔

اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے پال بن سومرہ کو جو سلطان محمود غزنوی ۴۲۱ھ و ۴۲۳ھ) کا ہم عصر تھا دروزیوں (شام میں اسماعیلیوں کا ایک فرقہ) کے امام نے خط لکھ کر اُبھارا۔ غالباً اُسی وقت سے ملک کے تمام اسماعیلی خاندان سامرہ (سومرہ) کی معیت میں انقلاب کی کوشش میں لگ گئے اور دس برس کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی ۴۴۳ھ، ۴۴۱ھ کے عہد میں مرکزی سلطنت کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سومرہ دوم نے بمقام تھری ریگستانی علاقے میں ۴۴۵ھ میں مطابق ۱۰۵۳ء ایک سلطنت قائم کی اور سندھ کے ایک زمیندار سعد نامی کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے اس کا ولی عہد پیدا ہُوا۔

۱۔ یہ خاندان روز بروز ترقی کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام سندھ اور ملتان پر قابض ہو گیا۔ ۵۷۱ھ میں سلطان محمد غوری نے اسماعیلیوں سے ملتان لے لیا۔ تب اچھ میں انہوں نے سلطنت جمائی ۵۷۸ھ میں اس نے اچھ بھی چھین لیا اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنایا۔ اس وقت محمد تغلق کے عہد تک سندھ اور ملتان دونوں دہلی کے ماتحت رہے اور ایک حاکم (صوبہ دار) ہمیشہ وہاں حکومت کرتا رہا۔ لیکن سومرہ (اسمٰعیلی) ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگے رہتے اور جب کبھی اس کا موقع ملتا آزاد ہو جاتے اور مجبور کئے جانے پر پھر ماتحت ہو جاتے جیسا کہ علاء الدین خلجی، ملک تغلق،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۷۰ بمبئی۔

سلطان محمد تغلق کے ابتدائی اور آخری عہد میں ہوتا رہا۔

۲۔ ۷۵۲ھ کے بعد اور ۷۶۳ھ کے درمیان ہمہ قوم نے سومریوں سے سلطنت چھین لی۔

سومرہ قوم کی اصلیت سومرہ قوم کے متعلق جس نے پانچویں صدی ہجری کے اواسط سے آٹھویں صدی کے اواسط تک سندھ پر حکومت کی۔ اتنا تو یقینی طور سے ثابت ہے کہ یہ مذہباً مسلمان اور مسلکاً اسمٰعیلی تھے لیکن ان کی قومیت پہ ایسا پردہ پڑا ہُوا ہے کہ جو کسی طرح نہیں اُٹھتا۔

ان کے نام بیشتر ہندوانہ ہیں اور بعض مؤرخین کی تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہندو تھے۔ یورپ کے مؤرخوں نے تو اعلانیہ لکھا ہے کہ یہ نومسلم راجپوت تھے۔ مگر قیاس کے سوا انھوں نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے چیز اسماعیلی دروزی امام کا ایک خط ہے جس میں ۴۲۳ھ میں شیخ ابن سومر راجہ بل کو سندھ اور ملتان میں دوبارہ اسماعیلی حکومت کے قیام کے لئے غیرت دلائی گئی ہے۔ شیخ ابن سومر راجہ بل کے نام سے اس کا نومسلم ہندو ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ معصومی میں جو ۱۰۱۱ھ کی تصنیف ہے یہ لکھا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر سومرہ (حرم سومرہ) نے سومرہ نام ایک شخص کو اپنا افسر بنا کر حکومت قائم کر لی اور صاد (سعد) نامی ایک زمیندار کی لڑکی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام بھونگر رکھا گیا اور وہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کی نسل کے چند اور بادشاہ ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے[1] کہ نومسلم سومری راجہ نے کسی قدیم عرب مسلمان خاندان میں شادی کی اور اس سے نسل چلی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ہندی عربی مخلوط نسل کا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے نام معصومی کی کتاب میں حسب ذیل ملتے ہیں:۔

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات۔

۱۔ سومرہ ۲۔ بھونگر ۳۔ دودا ۴۔ تاری (شہزادی کا نام)
۵۔ سنگھار ۶۔ ہمون (سنگھار کی بیوہ) ۷۔ پٹھو (شاید کہ پھٹو ہو)
۸۔ خیرا ۹۔ ارمیل

تاریخ طاہری میں جو ۱۰۳۰ھ کی تصنیف ہے سومرہ قوم کی اصلیت کے متعلق یہ مذکور ہے کہ سندھ میں دلورائے ایک راجہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا۔ چھوٹا امرانی فریاد لے کر خلیفۂ بغداد کی خدمت میں گیا۔ خلیفہ نے سامرا (عراق کے شہر کا نام) کے سو عربوں اور سادات کو اس کے ساتھ کر دیا۔ سید السادات نے سندھ آکر سکونت اختیار کر لی اور دلورائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ تاریخ طاہری نے دلورائے اور اس کے بھائی کے اختلاف کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بھائی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا اور قرآن پڑھتا تھا اور دل میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کو چلا۔ راستے میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ "سومرہ" قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔

غرض سومرہ کی وجہ تسمیہ کو مصنف نے عراق کے "سامرا" سے نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ شہر سامرا جن کی عربی اصل سومن رائے (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) یہ شہر معتصم عباسی نے ۲۲۱ھ میں بسایا تھا۔ دوسری صدی میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر عباسی دور میں قبیلہ تمیم کا جو گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی کے نام سے آیا تھا وہ سفاح کے زمانہ میں (۱۳۲ھ، ۱۳۶ھ) یہاں آیا تھا جبکہ سامرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ اس لئے سومرہ قوم کے نام کا جوڑ شہر سامرا سے پیدا کرنے کی کوشش لفظی صفت گری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تحفۃ الکرام نے سومرہ بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں :۔

۱۔ سومرہ ۲۔ بھنگر بن سومرہ ۳۔ دودا ابن بھونگر ۴۔ سنگھر

۵۔ حفیف (یا خفیف) ۶۔ عمر (یا آنر) ۷۔ دودا دوم ۸۔ بھٹو ۹۔ گھڑا اول
۱۰۔ محمد نور ۱۱۔ گھڑا دوم ۱۲۔ دودا سوم ۱۳۔ نائی ۱۴۔ چنیر ۱۵۔ بھونگر دوم
۱۶۔ حفیف (یا خفیف دوم) ۱۷۔ دودا چہارم ۱۸۔ عمر سومرا ۱۹۔ بھونگر
۲۰۔ ہمیر (یا امیر)

ظاہر ہے کہ ان ناموں کی ساخت تمام تر عربی ہے۔ عمر نام حقیقت میں انر یا اونار ہے۔ چنانچہ یہی نام ابن بطوطہ اور سراج عفیف میں ہے۔ حفیف اس سومرہ سردار بادشاہ کا نام ہے جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ چنانچہ سلطان کے درباری شاعر فرخی نے سومنات کی فتح پر جو قصیدہ دربار میں پیش کیا تھا اس میں اس کا نام موجود ہے۔

سنہ ۶۲۰ھ میں ایک دو سال پہلے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ چنگیزی مغلوں سے بھاگ کر سندھ میں بمقام ٹھٹھہ آیا تو اس وقت کے سومری بادشاہ کا نام فرشتہ میں جنیر لکھا ہے جو اصل میں چنیر ہے۔ طبقات ناصری "ملک سنان الدین چنیر والی دیول وسندھ" کے لقب و نام سے اس کا ذکر آیا ہے جس نے سنہ ۶۲۵ھ میں بادشاہ دہلی کی اطاعت قبول کی تھی۔ چنیر کی اصل "چند الیشور" بتاتے ہیں۔ چندر چاند اور الیشور خدا نام کی یہ اصل ہندو نسل کا پتہ دیتی ہے اور ملک سنان الدین کا لقب اس کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔

ان سومری بادشاہوں کے نام معتبر معاصر حوالوں سے ثابت ہیں۔ بعض ناموں کی تصحیح قیاساً بھی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سومرہ نام کی اصل سوم رائے معلوم ہوتی ہے۔ سوم کے معنی ہندی میں چاند کے ہیں وہ اصل میں رائے ہے جیسے بلہرا جو گجراتی راجاؤں کا عربی تلفظ کا نام ہے اصل میں ولبھ رائے ہے۔ اسی طرح سنگھر کو سنگھ رائے اور بھونگر کو بھونگ رائے گھڑا کو گھن رائے، بھٹو کو بھٹو سمجھا جائے۔

فرخی نے والی منصورہ خفیف کی شکست اور فرار کی جو کیفیت اپنے قصیدے میں لکھی ہے اس موقع کے یہ چند شعر قابلِ ذکر ہیں :۔

وزاں حصارِ منصورہ روئے کرد و براند | بر آں ستارہ کجا راند حیدر از خیبر
خفیف چوں خبرِ خسروِ جہاں بشنید | دواں گذشتہ و بجوئے اندر اوفتاد بہ بحر
خفیف را سپہ و پیل و مال چنداں بود | کہ بیش ازاں نبود در ہوا ہبا ناذر

ان شعروں میں تو خفیف کو سومری نہیں کہا گیا ہے مگر مؤرخین نے خفیف کو سومرہ سلاطین ہی کی فہرست میں درج کیا ہے۔

ان شعروں میں اس بادشاہ کی فوج ہاتھی اور مال ومنال کا یہ حال لکھا ہے کہ وہ شمار میں غبار ذرہ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کو کسی قدر زیادہ مبالغہ سمجھا جائے۔ پھر بھی وہ اہمیت رکھتا ہے۔

پایۂ تخت اس کا پتہ واضح طور سے نہیں چلتا کہ سومرہ قوم کا اصل وطن سندھ کے کس حصہ میں تھا۔ تاریخ کی چھان بین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بڑی آبادی سندھ کے مشرق جانب کے زیریں حصہ میں ضلع پارکر اور تھری میں تھی اور اسی سلئے ان کا پہلا سیاسی مرکز تھری محمد نور مقام میں تبدیل ہو گیا اور وہ ان کا عرصۂ دراز تک پایۂ تخت رہا۔ عمرکوٹ یا امرکوٹ (اترکوٹ) بھی عرصہ تک اُن کا پایۂ تخت رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں اُن کا پایۂ تخت منصورہ تھا جس کا دوسرا نام بقول ابوالفضل بھکر ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں اچھ اُن کا پایۂ تخت تھا اور آخر زمانہ میں (سنہ ۷۵۲ھ) ان کا مرکزی مقام ٹھٹھہ نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی سلطنت کی وسعت ملتانی سرحد سے لے کر زیریں سندھ کے نصرپور بلکہ کچھ (گج) تک تھی جس میں مختلف اوقات کے بعد وہ اپنا پایۂ تخت بدلتے رہے۔

اس قوم کے افراد کی تعداد کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہو سکا لیکن محمود بیگڑہ گجرات کے عہد نویں صدی میں سندھ کی جو فوج اس کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار تھی اس سے اُن کی آبادی کا ایک خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے سندھ پر تین سو برس سے زیادہ حکومت کی جس میں اس قوم کی

مختلف شاخوں نے حصّہ لیا۔ ان کے بعض حکمران چالیس برس تک برسرِ حکومت رہے۔ انہوں نے جس قدر گاؤں، مشہور قصبے آباد کئے ان کی صحیح فہرست ہم تک نہیں پہنچی لیکن تین بڑے شہروں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ امرکوٹ (عمرکوٹ) ٹھری اور ٹھٹھہ سے ان شہروں میں انہوں نے متعدد قلعے بھی تیار کئے جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے۔ لیکن چونکہ محمد تغلق کے عہد تک مغلوں کی یورش بکثرت سندھ پر ہوئی۔ اس سبب سے ان کی اکثر عمارتیں ویران ہوگئیں اور بہت کم آثار باقی رہے۔

سمہ سندھ کی دوسری نومسلم قوم سمہ ہے جس نے سومریوں کے بعد ملک میں طاقت حاصل کی۔ طبقات بہادر شاہی میں ہے:

"سمہ قوم ان لوگوں میں سے ہے جو تمیم انصاری کے خاندان کے ہیں۔"

لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سندھ میں ان کا وجود عربوں کے سندھ فتح کرنے سے قبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ چچ نامہ میں جو سندھ کی سب سے قدیم تاریخ ہے مذکور ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس سمہ قوم کے کچھ لوگ آئے اور اطاعت کے صلہ میں انعام حاصل کیا [۱]

اس کے علاوہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی ان کا خاندان تھا اور آج بھی موجود ہے جو ہندو مذہب رکھتا ہے۔ کچھ اور جام نگر کے ہندو جام سمہ خاندان سے ہیں۔ جوناگڑھ میں سمہ خاندان نے ۸۷۵ء سے ۱۴۷۲ء یعنی چھ سو برس حکومت کی [۲]

ان کا مذہب بھی ہندو تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سمہ قوم سندھ میں اسلام سے قبل موجود تھی۔ مذہب ہندو تھا۔ اس قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر اسلام کی صحیح تاریخ نہیں معلوم۔ لس بیلہ کے مسلمان والی آج بھی جام کہلاتے ہیں۔ جام کے لفظ سے بعض لفظ پرستوں نے جام جمشید سے ان کا رشتہ جوڑا ہے جو سراسر وہم ہے۔

۱۔ چچ نامہ قلمی دار المصنفین اعظم گڑھ

۲۔ تاریخ مصطفیٰ آباد (جوناگڑھ) حصہ اول صفحہ ۴۴۔ بمبئی

تاریخ طاہری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی کے فیض کے اثر سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اس قوم کے امراء سے ان کے تعلقات وابستہ تھے۔ اس کے بعد ان کے خلیفہ جلال الدین بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے ذریعہ اس قوم میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ قوم آخر تک حضرت مخدوم کی اولاد کے ساتھ عقیدت کا نذرانہ پیش کرتی رہی۔ چنانچہ احمد آباد (گجرات) میں بھی قطب عالم اور شاہ عالمؒ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے رہے اور اسی سبب سے جام نے اپنی لڑکی شاہ عالم صاحب سے منسوب کر دی تھی جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر زندہ نہ رہا۔ ان کے نام بھی نو مسلم ترکوں کی طرح کہیں خالص سندھی اور کہیں اسلامی مخلوط ملتے ہیں۔ یہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان اہل سنت والجماعت سے تھے اور اسی لئے سندھ کے جاموں کی شادیاں گجراتی سلاطین کے ساتھ ہوتی رہیں۔

تاریخ ظاہری میں مرقوم ہے کہ سمہ قوم کے آبادی سمندر کے کنارے تھی۔ جو لوگ جزیرہ نمائے کچھ سے نکل کر کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی ساحل پر جنہوں نے قبضہ کیا وہاں جام نگر بسا کر پایۂ تخت بنایا اور وہ ریاست بھی آج تک موجود ہے۔

تیسرے گروہ نے کاٹھیاواڑ میں جوناگڑھ کو آباد کیا جس کی حکومت گجراتی سلاطین نے ختم کر دی اور یہ سب ہندو تھے۔ لیکن دریائے سندھ سے لے کر کیچ مکران تک کی آبادی نو مسلم سمہ کی تھی۔ رائے کیچ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ جب طاقتور ہو گئے تو کیچ پر قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ بالائے سندھ آبادی بڑھاتے گئے۔ سومرہ قوم کے آخری زمانہ میں یہ خاصے طاقتور ہو گئے تھے اور آخری سومرہ بادشاہ جس کا پایۂ تخت ٹھٹھہ تھا، محمد تغلق سے جنگ لڑتے لڑتے بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سمہ قوم کا سردار انار نامی نے اس سے فائدہ اُٹھا کر انقلاب سلطنت کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوا۔ (۷۳۶ھ، ۱۳۳۶ء) پہلے اُن کا پایۂ تخت ساموئی تھا۔ اور سومریوں پر فتح پانے کے بعد ٹھٹھہ ہو گیا۔

کاشت کاری اور باغبانی

یگانۂ روزگار فاضلوں نے سندھ میں عمریں گزاریں۔ عمدة الملک دریا خاں اور سارنگ خاں جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور تھے۔ کاشتکاری اور باغبانی پر بھی اُنہوں نے کافی توجہ کی۔ ارغون کے آنے سے قبل سندھ میں بکثرت باغات تھے۔ ان کے لئے بڑے بڑے کنوئیں بنوائے گئے جن کو اونٹ کھینچتے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا۔ ملتان کشمیر خراسان اور گجرات وغیرہ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جام نظام الدین کے حالات میں معصومی نے لکھا ہے کہ :-

"جام نظام الدین در اوائل حال طالب علم می بود۔ و در خوانق و مدارس میگذرانیده و بغایت متواضع و خلیق بود۔ و بصفات پسندیده و اخلاق حمیدہ متصف۔ و زہد و عبادت بدرجہ کمال داشتہ۔ وفضیلت و حالتِ او زیادہ از آں بود کہ شمۂ از آں تحریر توان نمود۔ (ص؟)"

اس کی صلح پسندی کی یہ تصویر ملاحظہ ہو۔

"جام نظام ہر ہفتہ با صطبل خود می رسید و دست بہ پیشانئے اسپاں می کشیدہ و می گفتہ کہ اسے دولت مندان غیر غزا نمی خواہم کہ سواری بہ شما واقع شود چراکہ در حدود و ادبعہ حکام اسلامند دعا کنید کہ بے سبب شرعی بجائے نروم و کسے نیز ایں جا نیاید مبادا خون مسلمانانِ بے گناہ ریختہ شود و عنداللہ سبحانہ شرمسار شوم"

اس کے زمانہ میں سندھ میں احکامِ شریعت کی ترویج کا حال یہ تھا کہ :

"در زمانِ دولت او احیائے سنن بنوعے شیوع یافتہ بود کہ مافوق آں تصور نتواں کرد کہ در مساجد اقامت جماعت بہ نہجے می بود کہ خرد و کبیر محلہ در مسجد حاضر آمدہ بگذارد ن نماز تنہا راضی نبودند۔ اگر وقتے از یکے جماعت فوت شدے بغایت نادم گردیدہ و در دوسہ روز باستغفار مشغول می بود" (صفحہ ۷۵)

سلاطین لنگا ملتان میں

نویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان پایۂ تخت دہلی کے ماتحت ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدوں کے آخری بادشاہ علاء الدین کے عہد میں کابل، غزنہ اور قندھار پر مغلوں کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے وہ ملتان پر جو قندھار کے بالمقابل واقع ہے آئے دن یلغار کر کے لوٹ مار کرتے تھے۔ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں ایسی حالت ہوگئی کہ وہاں کوئی حاکم نہ رہا۔ اس لئے اہلِ شہر نے مل کر شیخ بہاء الدین کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو حاکم بنایا۔ ملتان اچھ اور اردگرد کے مقامات میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا۔ ملتانیوں کی خوش قسمتی سے شیخ میں حکومت کی اعلیٰ لیاقت موجود تھی۔ ان کے حسنِ انتظام سے تمام مخلوق خوش ہوئی۔

ملتان کے اطراف میں ایک نومسلم قوم لنگاہ رہتی تھی جو نسلاً راجپوت تھی۔ اس قوم کا سردار رائے سہرا نام قصبہ سوئی میں زمیندار تھا۔ اس کے آبا و اجداد حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفاء کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ اس نے شیخ یوسف کو پیغام دیا کہ سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہے گا۔ اس لئے فوری امداد کے لئے میری قوم لنگاہ کا دل ہاتھ میں لیجئے تاکہ وہ وقت پر کام آئے۔

شیخ نے اس کی درخواست منظور کی اور اس کی استدعا پر اس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ وہ لڑکی کے بہانے کبھی کبھی آیا بھی کرتا۔ ایک دفعہ وہ اپنی پوری قوم کو ساتھ لایا اور شیخ سے عرض کیا کہ میری قوم کا معائنہ کر کے میرے لائق کوئی خدمت عنایت کریں۔ شیخ نے قبول کر لیا۔ رائے عشاء کے وقت لڑکی سے ملنے کے بہانے قلعہ میں داخل ہوا اور پھر فریب سے لنگاہ قوم کو اندر لا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شیخ یوسف کو نکال دیا۔ شیخ دہلی پہنچے اور بہلول لودھی سے مدد کے طالب ہوئے۔

شیخ نے کل گیارہ برس حکومت کی۔ رائے سہرہ نے ملتان پر قبضہ کر کے ۸۵۸ھ مطابق ۱۴۵۴ء میں تختِ سلطنت پر قدم رکھا اور اپنا لقب قطب الدین لنگاہ مقرر کیا۔

ان کے حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :-

۱- جام اناڑ ۲- جام جونا ۳- جام تماجی ۴- جام خیرالدین ۵- جام ہنیہ
۶- جام تماجی دوم ۷- جام صلاح الدین ۸- جام نظام الدین ۹- جام علی شیر
۱۰- جام دن ۱۱- تیغ عمان ۱۲- جام تغلق ۱۳- جام مبارک ۱۴- جام سکندر
۱۵- جام رائے دون ۱۶- جام سنجر ۱۷- جام نندا نظام الدین ۱۸- جام فیروز -

جام فیروز سے شاہ بیگ ارغوانی والی قندھار نے ۹۲۷ھ میں سندھ کا ملک چھین لیا- اس خاندان نے ۱۹۲ برس حکومت کی- سمہ ابتداء میں سومریوں سے جنگ کرنے میں مصروف رہے اور جب استقلال کے ساتھ تمام حکومت ہاتھ میں آگئی اور امن و امان قائم ہوگیا تو ملک کو فروغ دینے میں مصروف ہوگئے- چنانچہ جام سنجر نے سب سے پہلے عدالت کی طرف توجہ کی اور وہ تمام خرابیاں جو عدالت قاضی شاہد اور اس محکمہ کے عمال میں ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی- قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ کر دیں تاکہ رشوت کا سدباب ہو-

خیرالدین کے عہد میں قافلوں اور کاروانوں کے راستوں کی حفاظت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا- ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا گیا- سمہ قوم سیدوں کی بڑی عزت کرتی تھی- انھوں نے بہت مدرسے اور خانقاہیں بنائیں- بڑی بڑی مسجدوں کی بنیادیں رکھیں- ہمسایہ سلطنتوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے- چنانچہ ملتان اور گجرات کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے- گجراتی بادشاہوں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوگئے تھے جس کے باعث بعض اوقات سیاسی فائدہ بھی اٹھا لیتے- علماء کے بڑے قدردان تھے- محمد بن معد جلال الدین دوانی کو سندھ میں آنے کی انھوں نے دعوت دی تھی- لیکن موت نے علامہ موصوف کی آمد کی آرزو پوری نہ ہونے دی- مولانا میر معین الدین سید ابوالغیث، مولانا محمد اثیرالدین بہری (منطقی) مخدوم عبدالعزیز بہری محدث جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور رہے-

یہ شخص بڑا مدبر تھا۔ اس انقلاب کے باوجود اُس نے کسی قسم کی بدامنی نہیں ہونے دی۔ یہ بڑا محنتی آدمی تھا۔ اہلِ کمال کا بے حد قدردان تھا۔ بادشاہ کا سارا وقت ان کل پُرزوں کے درست کرنے میں صرف ہوتا جو بادشاہ گری سے بگڑ گئے تھے اور مغلوں کی لُوٹ مار سے جو ویرانی چھا گئی تھی اس کو دُور کرنے پر توجہ مبذول کرتا رہا۔ سولہ سال سلطنت کر کے ۸۷۴ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا حسین لنگاہ تخت نشین ہوا۔ حسین، جفاکش، صاحبِ علم اور اہلِ ہنر کا قدردان تھا۔ اس نے ابتداء ہی میں قلعہ شور، پھر چنیوٹ پر قبضہ کر لیا۔ شیخ یوسف نے بہلول لودھی کو توجہ دلائی کہ حسین لنگاہ دھن کوٹ (سرحد پنجاب) تک آ گیا ہے۔ چنانچہ لودھی نے اپنے لڑکے باربک شاہ کو فوج لے کر ملتان بھیجا جس کو حسین شاہ نے بآسانی شکست دے دی اور کوٹ کرور کے حاکم کی بغاوت کو جو خود اس کا بھائی تھا فرو کر کے انتظامِ سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ روہیلہ قوم کا سردار ملک سہراب ملتان آیا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ بادشاہ کی عنایت دیکھ کر قوم بلوچ ملتان آ دھمکی اور شاہی وفاداری کا یقین دلا کر جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے حسین شاہ کے پاس ایک اچھی بہادر قوم کی فوج تیار ہو گئی۔

سمہ قوم کے دو سردار بایزید اور ابراہیم بھی سندھ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بایزید کو شور کوٹ اور ابراہیم کو اُچھ عنایت ہُوا۔ دہلی میں بہلول کے بعد سکندر لودھی تخت نشین ہُوا تو تعزیت کے لئے سفیر بھیجے اور اس طرح صلح کی بنیاد رکھ کر تحفوں کا تبادلہ کیا۔ سلطان محمود گجراتی سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے اور سفیر آیا جایا کرتے تھے۔

لنگاہ بادشاہوں کے کارنامے

ملتان کی یہ نومسلم خود مختار ریاست تقریباً ۸۰ برس قائم رہی۔ اس کی فوجی وعسکری قوت کے ثبوت کے لئے حسبِ ذیل اقتباس کافی ہے جو معصومی کی تاریخ سے ہے:-

وازاں جانب رائے زادہا لنگاہ و بلوچاں وسائر سپاہ روبرو آمدہ (۱۵۲)

چوں غلبہ مرزا شاہ حسین بگوش سلطان محمود لنگاہ حاکم ملتان رسید۔ مردم باطراف وسرحدہا فرستاد۔ تا لشکر بلوچ وجٹ وسائر سپاہ را جمع سازند۔ و درعرض یک ماہ ہشتاد ہزار سوار و پیادہ در ملتان جمع آمدہ جمعیتے عظیم بہم رسید۔ (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نومسلم سلطان کے پرچم کے نیچے کتنی قومیں جمع تھیں۔ ملتان چونکہ اس زمانہ میں ایران وخراسان وافغانستان سے آنے والی قوموں کا گزر تھا اس لئے نئے نئے حملوں کا ہمیشہ نشانہ رہا۔ اسی وجہ سے یہاں کے بادشاہوں کو اصلاحی کاموں کے بجائے فوجی استحکام کے وقت دولت اور دماغ کو زیادہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود ان بادشاہوں کو موقع ملا تو اصلاحی وتعمیری کاموں کی طرف سے بھی فراخ دلی سے متوجہ ہوئے۔

چنانچہ شیخ یوسف کے عہد میں زمینداروں کی حالت سدھارنے میں کافی کوشش کی گئی۔ شاہ حسین کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ پنجاب کی سرحد دھن کوٹ سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے حدود وسیع ہوگئے۔ اس کا فوجی نظام بھی قابلِ تعریف تھا۔ اس نے اپنی فوج میں لنگاہ، سندھی، مکرانی، بلوچی زیادہ بھرتی کئے جس سے اُن کی طاقت بڑی زبردست ہوگئی۔ نقد تنخواہ کی بجائے افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور عام سپاہیوں کو یہ جاگیردار ہی تنخواہیں دیتے تھے۔

یہ بادشاہ علم کا بھی قدردان تھا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء حاضر رہتے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا۔ اسی کا اثر تھا کہ وزراء اور امراء بھی علم کے بڑے قدردان تھے۔ چنانچہ وزیر بایزید خاص طور پر قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ خراسان اور ہندوستان کے بہت سے عالم وہاں جاکر مقیم ہوگئے۔ شیخ جلال الدین قریشی اسی دربار سے فیض یاب تھے۔ مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیزاللہ اسی عہد کے باکمال لوگ ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان میں معقولات کو رواج ہوا۔

میر عماد گردیزی مرزا شہید انہی دنوں ملتان آکر مقیم ہوئے۔ شیخ بہاء الدین قریشی اس عہد کے صوفیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا بہلول قوت گویائی اور شیریں زبانی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ قاضی محمد بھی اس عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔

مدرسے بھی ہر جگہ جاری تھے۔ جن میں سے قاضی جامعی کا مدرسہ زیادہ مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا ابراہیم جامعی تھے جو ساٹھ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سعید الدین لاہوری بھی اسی مدرسہ کے معلم تھے جو آخر میں صدر ہو گئے۔

اس عہد میں علم فقہ کا بڑا زور تھا۔ یہاں تک کہ دربار میں بھی شرح وقایہ اور ہدایہ ہی کا چرچہ رہتا تھا۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی سلاطین ملتان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ چنانچہ دہلی، کشمیر، گجرات، سندھ اور خراسان سے سفیروں کی ہمیشہ آمدورفت رہتی۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب خراسان سے زیادہ گھوڑوں کی تجارت ہوتی۔[1]

سلاطین کو باغ لگانے کا بھی بے حد شوق تھا۔ سلاطین ملتان کی یادگار میں آج بھی لنگاہ خاں کا باغ موجود ہے جو بلدیہ کے زیر انتظام ہے اور سنا ہے کہ لنگاہ قبیلہ کے مسلمان خاندان آج بھی موجود ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں[2]

---

[1] ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۲۷، حیدر آباد۔

[2] ہندی الاصل اور ہندوی النسل سلاطین از علامہ سید سلیمان ندوی۔

سُلطان محمُود غزنوی

سلطان محمود ابن سبکتگین نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔ مصنف طبقاتِ ناصری لکھتا ہے :-

"امام ابوالفضل بیہقی می آرد کہ نصر حاجی مرد بازرگان بود در عہدِ امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخرید بہ بخارا برد چوں آثار کیاست و جلادت بر ناصیۂ او ظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب بخرید و در خدمت الپتگین بہ طخارستان رفت وقتیکہ ایالت طخارستان حوالہ او شد"

امام محمد علی ابوالقاسم عمادی در تاریخ مجدول چنین آوردہ کہ امیر سبکتگین از فرزندان یزدجرد شہریار بود و دراں وقت کہ یزدجرد در بلاد مرو در آسیاں کشتہ شد در عہدِ خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ و اتباع یزدجرد بہ ترکستان افتادند و ایشاں قرابتی کردند و چوں دو سہ بطن بگزشت ترک شدند و قصر ہائے ایشاں دراں دیار ہنوز بر حالیست۔

امیر سبکتگیں (بن جوق) قرا الحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا یقمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارس (ملک العجم)[1]

خاندانی حالات محمود کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین، امیر الپتگین کے داماد تھے۔ الپتگین امرائے دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۲۶۷ ۔

(۱) الپتگین

بلکاتگین — (۲) اسحاق

(۵) سبکتگین

اسماعیل (۶)

(۷) سلطان محمود

(۱۳) عبدالرشید — مسعود اوّل — (۸) محمد

(۱۵) ابراہیم — فرخ زاد — علی — مودود

(۱۶) مسعود ثالث — مسعود طفل

(۱۹) بہرام شاہ — (۱۸) ارسلان — (۱۷) شیرزاد

(۲۰) خسرو شاہ — خسرو ملک (۲۱)
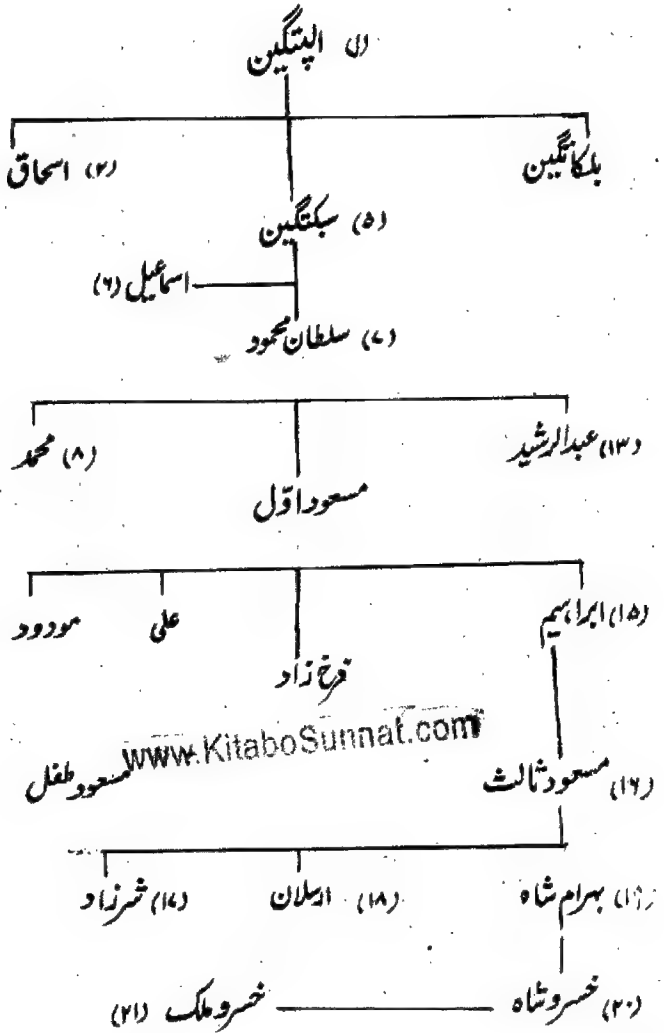
صفاریہ خود مختار ہوئے۔ ان ہر دو کی حکمرانیاں ماوراء النہر کے علاقہ پر تھی۔ دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل و قندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر الپتگین مذکور جو امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی[۱] یہ شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین سبکتگین (۳۶۶ھ/۹۷۶ء - ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) الپتگین کی وفات کے بعد نئی سلطنت کا امیر بنا۔ پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں وہی پرانے سرحدی تنازعے تازہ ہو گئے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہا جاتا ہے۔ پنجاب و غزنی کی حکومتوں سے کس حکومت کے زیر اثر رہے۔ آخر پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطنتِ غزنی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ایک طوفانی لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی ملغان میں اتر گیا۔ اِدھر سبکتگین اور اس کا نوعمر لڑکا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ اچانک برق و باراں کا طوفان امنڈ آیا اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ آخر کار صلح ہو گئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ تھی وہ پہلی جنگ جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

راجہ جے پال کی وعدہ خلافی اور سبکتگین کا حملہ ہندوستان پر

اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آکر رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم لینے آئے تھے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ سبکتگین یہ سنتے ہی بجلی کی مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوا۔ ادھر راجہ جے پال نے دہلی، قنوج اور کالنجر کی فوجی مدد لی اور مقابلہ کے لئے

---

[۱] تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۴۴۔

نکل پڑا۔ درۂ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی۔ ہندی فوجوں نے شکست کھائی۔ اور پشاور تک اٹک پار کے ملک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اب غزنی کے ترکوں کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا تھا اور دہلی، کانجر اور قنوج پر انہیں اپنی ترکتازیوں کا حق تھا کیونکہ یہ ممالک دشمن کے ہمنوا تھے۔

سلطان محمود محمود اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا جس کا منشاء اپنی سلطنت غزنی کو وسعت و استحکام دینا تھا۔ وہ اپنی ۳۳ سال کی حکمرانی میں کامیاب ہوا۔

محمود کی ترکتازیاں اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان کی ہوں یا نامسلم کی ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف، کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیوں کی سلطنت، تیسری طرف دیلمیوں اور طبرستان کی حکومت آلِ زیاد کو مشرقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔

یہ تھیں اس بدنام "بت شکن" کی ترکتازیاں جس نے ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنتوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ غزنی کے سلاطین کی یہ لڑائیاں ہندوستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں یا محض جغرافی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تغیر کے زیر اثر پیش آئیں۔

سلطان محمود کے حملے ہندوستان پر محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا۔ وہ اپنے دور میں سب سے پہلے ۳۹۰ھ، ۱۰۰۰ء میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔

دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ زور کا رن پڑا۔ راجہ جے پال نے شکست کھائی اور گرفتار کر لیا گیا۔ محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر ہیند پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت انند پال کے سپرد کر کے چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔

۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی کی۔ اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی اور بھیرہ اور اس کے مضافات سلطنتِ غزنی میں ملائے گئے۔ پھر ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی۔ ۳۹۶ھ / ۱۰۰۵ء میں محمود اس کو سزا دینے آیا۔ رائے انند پال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا۔ ابوالفتوح نے محمود کی اطاعت قبول کی[۱] محمود نے انند پال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا۔ محمود ۳۹۸ھ / ۱۰۰۷ء میں اس کی گوشمالی کے لئے آیا اور حبس دوام کی سزا دی۔

پھر ۳۹۹ھ / ۱۰۰۸ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ انند پال کی مدد پر اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا۔ اور عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں مدد دینے کے لئے روپیہ بھیجا مگر ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خانہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے سکے۔ محمود نے راجپوتوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد رایانِ ہند یکے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے

---

[۱] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۲۶۸۔

گئے۔ اس حملہ میں محمود نے نگرکوٹ (کانگڑہ) کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔

اس کے بعد ۴۰۱ھ / ۱۰۱۰ء میں ابوالفتوح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کرکے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے ۴۰۴ھ / ۱۰۱۳ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندونا لیا۔ ۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی اس کے بعد ۴۰۹ھ / ۱۰۱۷ء میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۱۲ھ / ۱۰۲۰ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ ۴۱۳ھ / ۱۰۲۱ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کرلیا۔ انند پال کے لڑکے ترلوکن پال کا انتقال ہوچکا تھا۔ راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا جہاں ۱۰۲۶ء میں اس نے وفات پائی۔

محمود نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد ۴۱۴ھ / ۱۰۲۲ء میں گوالیار اور کالنجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر ۴۱۶ھ / ۱۰۲۵ء میں سومنات کا مشہور واقعہ پیش آیا اور اس مہم گجرات کی فتح کی تکمیل ۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء میں کی۔ پھر اسی سال ۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی اور ۴۱۹ھ / ۱۰۲۸ء میں جاٹوں کی چھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح محمود کے براہِ راست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آگئے۔[1] اور کشمیر، قنوج، کالنجر، گوالیار اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا سبب یہ بھی تھا کہ مندر دولت کا خزانہ تھے۔ زر و جواہر کا انبار تھا۔ محمود نے ہندوستان کے ان حملوں میں بے شمار مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں۔ جس حجرے میں بُت تھا اس کی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ روشنی کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے جن کی جگمگاہٹ

---

[1] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صہ ۲۹۲۔

سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔

نظم صوبہ پنجاب محمود نے پنجاب کو سلطنتِ غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور دراز ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامات اختیار علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابو الحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارک کو مامور کیا۔ لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا۔ یہ دونوں براہ راست غزنی کے ماتحت تھے اور پرچہ نویسی پر ابوالحکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا اس کو غزنی پیارا تھا اور اسی کو اس نے آباد کیا۔ تاہم ہندوستان سے اس کو ایک رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفۂ بغداد کو بھی اعتماد پر دھمکی دینے سے باز نہ آیا اور الفیل ما الفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنوایا اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بُت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکہ ہندی زبان میں جاری کیا اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تولک بھی رکن سلطنت تھا۔

محمود کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت سے فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود

عالم، شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوسی سے شاعر، البیرونی سے حکیم اور اس کے عہد کے علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرمانروا تھا۔ فارسی اُس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے :-

وکان مولعا بعلم الحدیث وھو یسمع ویستفسر الاحادیث [1]	علم حدیث کا بڑا دلدادہ تھا اس کا سماع کرتا تھا اور اس کے متعلق علماء سے سوالات کیا کرتا ۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"وہ علماء اور اصحابِ کمال کا قدر دان تھا۔ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا تھا۔ دور دور سے علماء آکر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔" [2]

شیخ محی الدین عبدالقادر جواہر مغلیہ میں لکھتے ہیں :-

"محمود ممتاز فضلاء میں تھا۔ فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا۔" [3]

ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے :-

"محمود بڑا ذی دورس اور صائب الرائے تھا۔ اس کی مجلس علماء و فضلاء کا مرجع تھی۔" [4]

شیخ محی الدین عبدالقادر نے امام مسعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے :-

ولہ التصانیف فی الفقہ والحدیث والخطب والرسائل ولہ شعر جید ۔	فقہ، حدیث، خطبات اور رسائل میں محمود کی تصانیف ہیں اور اس کے اشعار بھی اچھے ہوتے ہیں۔"

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صہ ۸۶ [2] ابن اثیر جلد ۹ صہ ۲۶۱ [3] جواہر مغلیہ جلد ۲ صہ ۱۵۴

[4] شذرات الذہب جلد ۳ صہ ۲۲۰ ۔

اس کی مشہور تصنیف التفرید ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تاتار خانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

تاریخ الفسٹن میں ہے :-

"محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اُس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہُوا تھا۔ اُس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا، اور طلبا و اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔"[1]

کُتب خانہ محمود نے ایک کُتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے :-

"در جوار آں مسجد مدرسہ بنا نہاد و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانید دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود۔"[2]

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی مجلس و مباحثے علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث و کلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔

---

[1] تاریخ الفسٹن ترجمہ اردو ص ۵۵ [2] فرشتہ ص ۳۳ مطبوعہ نولکشور

چنانچہ استوا علی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہیثم اور محدث و فقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کرایا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا اسے قبول کیا۔ [1]

فکر سخن محمود خود بلند مرتبہ کا شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس کا عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء دامن دولت سے وابستہ تھے۔ ابوالحسن علی بن قلوغ فرخی، حسن بن اسحاق فردوسی، منوچہر کی و امقالی وغیرہ۔

حمداللہ متوفی کا بیان ہے:-

"محمود علماء و شعراء کا قدر دان تھا۔ چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف کیا کرتا تھا۔" [2]

ایک نو وارد شاعر کو تین ہزار موتی محمود نے عطا کئے۔ عنصری نے اس واقعہ کو لکھا ہے

بیک عطا کہ ہزاراں گہر بشاعر داد　　کز آں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

سلطان محمد سلطان محمد (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) محمود کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس کے بھائی مسعود نے جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سوبند رائے کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس جنگ میں کام آیا۔ تاہم معلوم ہوا کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج و تخت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ سوبند رائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا اور میدانِ جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود سلطان مسعود (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء، ۴۳۲ھ / ۱۰۴۱ء) کو ہندوستان کے نظم حکومت میں محمود کے قائم کئے ہوئے دو عملی نظام سے سابقہ پڑا۔ یہ دو عملی نظام پنجاب میں نہ چل سکا۔ قاضی شیرازی اور علی اریارک میں

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صـ ۳۰　[2] تاریخ گزیدہ جلد ۱ صـ ۳۵۵۔

اختلاف پیدا ہُوا۔ وزیر غزنی نے یارک کو شیریں گفتاری سے پایۂ تخت بلوایا اور ۴۲۳ھ، ۱۰۳۱ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا۔ پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیالتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۴ھ، ۱۰۳۲ء میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

سلطان مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام کی جنگ پھر شروع ہو گئی۔ مگر وزیر اعظم غزنی نے اس مرتبہ نیالتگین کی حمایت کی۔ اس نے قاضی شیرازی سے بے پرواہ ہو کر ہندوستان پر فوجی حملہ کر دیا اور سرعت سے بڑھتا ہُوا بنارس تک پہنچ گیا اور اس شہر کو لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنی اطلاع دی کہ نیالتگین نے بے شمار دولت حاصل کی ہے۔ خود مختاری کی طرف مائل ہے، اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہے۔

سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ، ۱۰۳۴ء میں احمد نیالتگین کی سرکوبی کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی سرکوبی کے لئے ایک دوسری فوج بھیجنی چاہی۔ مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھ کر کوئی آمادہ نہ ہُوا۔ آخرکار ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا۔ اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا۔

تاریخ بیہقی میں ہے کہ سالار تلک سوبند رائے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم خیمہ اور چتر عطا ہُوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیالتگین فرار ہو چکا تھا۔ اس نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ درہم مقرر کی۔ پھر چن چن کر اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انھوں نے نیالتگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کر لیا۔

پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہُوئے نیالتگین کو بھی پکڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے رضاکارانہ حصہ لیا۔

اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۹ھ، ۱۰۳۷ء میں ہندوستان کا رخ کیا: در قلعہ

ہانسی اور سونی پت پر قبضہ کیا اور اپنے لڑکے مجدود کو پنجاب کا گورنر بنا کر غزنی واپس گیا اور ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی زمانے میں دوسری طرف سلجوقیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنی تک آ رہا تھا۔ مسعود نے اس ابھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا اور ۴۳۲ھ / ۱۰۴۰ء میں مرو کے میدان میں اس کو شکست فاش ہوئی۔ مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا اور اس نے غزنی اپنے پایۂ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا۔ تین سو اونٹوں پر زر و جواہر اور مال و دولت کا انبار لاد کر چلا۔

ہندوستان کی دولت ہندوستان کو آ رہی تھی کہ اثنائے راہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ خزانہ لوٹ لیا۔ سلطان کو حراست میں لے لیا اور اس کے نابینا بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کے قتل کے بعد اس کے بیٹے مودود نے غزنی میں تخت نشینی اختیار کی اور ۴۳۲ھ / ۱۰۴۱ء میں حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کر دیا۔ ہندوستان کے امراء مودود اور محمد کی کشمکش میں محمد کے طرف دار تھے۔ اس طرح پایۂ تخت غزنی اور ہندوستان کے امرائے غزنی کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود

سلطان مودود (۴۳۲ھ / ۱۰۴۱ء، ۴۴۱ھ / ۱۰۴۹ء) اس کے باوجود ہندوستان کے امرائے غزنی سے مرعوب نہیں ہوا۔ اس نے ابو نصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم مقرر کیا اور خود ملتان سے لاہور آیا اور ہانسی اور تھانیسر تک کا دورہ کر کے واپس آیا۔ اس اثناء میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کے بھائی مجدود نے مودود سے ناراض ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

مودود نے ۴۳۵ھ / ۱۰۴۲ء میں پنجاب پر فوج کشی کی۔ مگر مجدود نے لاہور کو بچا لیا۔ لیکن اسی اثناء میں مجدود اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا۔ اس کا دستِ راست

ایاز بھی مر گیا اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آ گیا۔

ہندوستان میں جذبۂ وطنیت غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزین تھے خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے۔ تقدیر نے یاوری کی اور راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۴۳۵ھ، ۱۰۴۲ء میں ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا اُن میں سے صرف نگرکوٹ پر اپنا قبضہ رکھا۔ انھوں نے اس کو بھی واگذار کر لیا جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آنے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ دہلی اور مضافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کر کے اُٹھے۔ راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے ۴۴۰ھ، ۱۰۴۸ء میں اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں لیکن ہانسی، تھانیسر اور نگرکوٹ کے قلعے قبضے میں نہ آ سکے۔

سلطان عبدالرشید مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقہ کو قبضہ میں لے لیا۔ اس اثناء میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید ۴۴۳ھ، ۱۰۵۱ء تا ۴۴۴ھ، ۱۰۵۲ء نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلا لیا اور اس کی

جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگین حاکمِ پنجاب غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگین گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔ اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگرکوٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

سلطان فرخ زاد اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلابِ حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء، ۴۵۰ھ/۱۰۵۹ء) تخت نشین ہوا۔ اُس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا۔

سلطان ابراہیم اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود ۴۵۰ھ/۱۰۵۹ء، ۴۹۲ھ/۱۰۹۸ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس تک حکمرانی کی لیکن اپنے پورے دورِ حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی۔ آخری مرتبہ ۴۷۳ھ/۱۰۷۹ء میں آیا اور اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ روپر پر دھاوا کیا۔ اسی طرح روپال اور نیتی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم سلطان مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ/۱۰۹۸ء۔ ۵۰۸ھ/۱۱۱۴ء) اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طغا تگین بنایا گیا۔

طغا تگین حاکمِ پنجاب گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان ۵۰۸ھ/۱۱۱۴ء ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء) کا دور آیا۔ اس زمانے میں غور و خوارزم نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سنجر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان

چلا آیا اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پایہ تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجر نے واپس آکر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا جہاں سے پکڑ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا۔

محمد باہیم والی پنجاب اس زمانہ میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رہا۔ اور پایۂ تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء، ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء) سلطان سنجر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا، غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ محمد باہیم نے غالباً ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء میں ہندوستان آیا۔ محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا اور عظیم الشان لشکر فراہم کر لیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آرا ہوا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال اس اثناء میں اس کو اپنی طاقت پر پھر اعتماد ہو گیا اور غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی، پسند نہیں کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا۔ ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آیا۔

پھر موقع پا کر واپس گیا اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی لیکن پھر ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) میں علاء الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے "جہاں سوز" کا لقب پایا۔ سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آ کر ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) میں اس دنیا سے چل بسا۔

خسرو شاہ اس کے لڑکے خسرو شاہ (۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء)، ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء)) نے غزنی ہی میں اپنا تخت بچھانا چاہا مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

غزنوی سلاطین کا مامن ہندوستان اب غزنویوں کا مامن یہی ہندوستان تھا اور ان کا پایۂ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو خسرو شاہ نے ۵۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ ملک خسرو (۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء)، ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء)) ہیں اس کا جانشین ہوا اور اس نے ۲۰ برس امن وامان سے اپنے مقبوضاتِ ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی دعوت شہاب الدین غوری کو اس اثناء میں سلطان شہاب الدین غوری کا آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی اور یہی راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی۔ یہاں کے راجہ چکر دیوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی، شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں لاہور پر فوج کشی کی۔ خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا۔ اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا۔ ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو مستحکم کیا۔

آلِ سبکتگین کا زوال

اس کے بعد ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں وہ پھر لاہور آیا اور خسرو ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں اس نے ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں ہندو و مسلم حکمرانوں کا اشتراک

اس طرح ہندو و مسلم دونوں حکمرانوں کی باہمی صلاح و اشتراکِ عمل سے ہندوستان میں آلِ سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

غزنوی سلاطین کے دور میں ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرتِ عام رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں بیشتر خود صاحبِ علم و فضل تھے۔ سلطان محمود کی فتح مندیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجّہ کی۔ ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوانِ کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔ فردوسی، اسید طوسی، عجدی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و امغانی وغیرہ میں سے ہر ایک اقلیم سخن کا تاجدار تھا۔

دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شاعر اس کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے مگر ان کے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آ سکا۔ بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے۔ مگر عرب تذکرہ نگاروں نے تتمۃ الیتیمۃ وتلیہ القصر اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر محمود، صاحبِ تاج و تخت نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہلِ علم میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الغلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود اعیان

فقہاء میں سے تھا اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا۔ علم فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں بھی ممالکِ غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علماء سے معمور رہتی وہ علمِ حدیث کا شائق تھا۔ علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا اور اس طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

سلطان مسعود بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لئے تصنیف کی گئیں۔ فنونِ ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناصحی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں۔ شعراء کا بھی قدر دان تھا اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم و فن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔ بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی گئی ہیں۔ نظامی گنجوی نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لئے لکھی۔ کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے اور ابوالمجید مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں اُن کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں

یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابوالفرج بن مسعود متوفی ۴۹۲ھ رونی اور مسعود بن سلیمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ رونی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عوفی کے بقول انوری جیسا قصیدہ گو شاعر اس کا متبع تھا۔ رونی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ رونی کی طرف تھا۔ سعد بن سلمان کو سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر مامور کیا اور وہ یہاں کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشو و نما پائی۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں امتیاز حاصل کیا۔ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا اور شعراء کی قدردانی کرتا رہا۔

۴۸۰ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد جب معافی ملی تو ہندوستان میں آکر خانہ نشین ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایونی کے زمانے تک موجود تھا۔ ابوالعلاء عطاء بن یعقوب متوفی ۴۹۱ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تصوف کا بھی ذوق تھا۔ کشف المحجوب میں ذکر آیا ہے۔

علماء و محدثین قضاۃ اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہلِ علم میں سے

تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا۔ لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ، ہئیت، نجوم اور فلسفہ ہنود میں استادِ فن مانا گیا۔ اسی عہد میں گزرا ہے۔ بیرون سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصرین میں سے تھا اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے۔ وہ سالہا سال ہندوستان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیفات کتاب الہند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ شہرتِ عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابوجعفر عمر بن اسحٰق واشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ عوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔

شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۸۱ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابوموسیٰ مدینی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمظفر سمعانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ حموی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے۔ ۵۳۰ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی ابونصر ہیبۃ اللہ فارسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخرالدین حسین زنجانی لاہوری کا اسم گرامی سرفہرست آسکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علومِ دین اور راہ سلوک میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لاکر لاہور میں اقامت گزین ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے اسی شب

میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شانِ امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے راہِ سلوک طے کی۔ پھر مختلف ممالک اسلامی کی سیاحت کی اور متاز اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین وصالحین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو مستقر بنایا۔ گنج بخش و داتا بخش کے لقب سے مشہور ہیں ۴۶۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت داتا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علوم تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سامنے رکھا اور آج قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین، کتاب الفنا والبقا، اسرار الخلق والمونات، کتاب البیان لاہل ایمان بحر القلوب اور الرعایہ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیاء میں سے تھے۔ سرزمینِ ہند میں پیدا ہوئے۔ بغداد تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہنچایا۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السنہ لقۃ الدین یوسف بن محمد دربوی افاضل روزگار میں سے تھے۔ خسرو ملک کے زمانہ میں درجۂ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے۔ اور لاہور میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جوانی میں شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہِ خلائق

ہے اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہاء میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلائق بنے۔ ۵۳۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن نیالتگین متوفی ۴۲۵ھ تھا جس کا ذکر اوپر تفصیل سے گزر چکا۔ اسی طرح ارباق الحاجب بھی محمود کا غلام تھا۔ اس کے زمانے میں لاہور کا والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول ۴۴۲ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ محمود کا مشہور غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ایاز و محمود کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجدود کے ساتھ ۴۲۲ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا۔ امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

نوشتگین حاجب اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید نے ہندوستان میں مامور کیا تھا۔ طغاتگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ اسی طرح محمد باہیم حاجب متوفی ۵۱۱ھ کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ حضرت سالار مسعود غازی المقتول ۴۲۴ھ اس عہد کے ممتاز اعیان و سالارِ افواج میں سے تھے[1]۔

---

[1] لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۵۱، التواریخ بدایونی، عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی صفحہ ۱۰۱۔

سلطان معزالدین محمد بن شام غوری

غوری سلطنت کا بانی عزالدین حسین عربی و ایرانی مخلوط نسل کے قبیلہ سے تھا جو آل شسنب کہے جاتے تھے۔ ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء میں خود مختار حکومت کی بنا عزالدین نے ڈالی۔ اس کا پوتا معزالدین محمد بن شام مشہور شہاب الدین تھا جس نے غزنی کو فتح کیا جس کی وجہ سے صوبہ دار بنا۔ پھر اپنے برادر سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا۔ تھوڑے عرصہ میں اس نے خود اور اپنے گورنروں کے ذریعہ پشاور سے بنگال تک علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ دوسری طرف ملتان و سندھ میں اپنا اقتدار بٹھایا۔

سلطان معزالدین ۵۳۲ھ میں غور میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی حکمران غور کا تھا۔ اس نے بدو شعور کے بعد سے ہی اپنی حرب دانی کی وجہ سے سپہ سالار کے عہدے تک پہنچ گیا۔

معزالدین نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے مثل فتوحات کا داعی ہوا۔ غزنوی حکومت کا دائرہ جہاں تک تھا اس حصہ کو پہلے قبضہ میں لانا چاہا۔ چنانچہ پنجاب پر پہلے اس کی توجہ تھی۔ اس کے علاوہ قرامطہ جنہوں نے الحاد پھیلا رکھا تھا ان کے وجود سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

قرامطہ کا استیصال

چنانچہ سب سے پہلے سلطان ۵۷۱ھ / ۱۱۷۵ء میں ملتان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا۔ رانی کی لڑکی سے شادی کی۔ ملاحدہ گجرات کے بگھیلے راجہ بھیم دیو کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ سلطان نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ ملاحدہ روپوش ہو گئے اور اُن کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

غزنوی سلطنت کو مٹانا

اس کے بعد اُس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت کے نشان کو مٹانے کے لئے پے در پے حملے کئے۔

اس غرض سے اُس نے جموں کے راجہ چکر دیو سے دوستی کر لی تھی اور اسی کی دعوت پر آکر غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا، چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر پناہ پر دستک دی اور ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد اُس نے لاہور پر چڑھائی کی۔

پھر ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور اس کے دوسرے سال جیسا کہ اُوپر گزرا۔ بالآخر ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں اُس نے لاہور فتح کر کے غزنوی شہزادہ خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندوستان سے غزنوی سلطنت کا نشان مٹ گیا۔

ہندوستان میں مستحکم سلطنت کی بناء تاسیس

تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے سب سے پہلے ۵۷۴ھ/۱۱۷۸ء میں گجرات پر چڑھائی کی اور اس کے صدر مقام نہلواڑہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ مول راج اور اس کے چچا راجہ بھیم بگھیلا نے اس کو شکست دی۔ دوسرا حملہ اس نے ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں بھٹنڈا پر کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ یہ مقام دلی کے راجہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کی واپسی میں پرتھوی راج نے اس کا تعاقب کیا۔ تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ پرتھوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجمیر کی سلطنتیں اس کے قبضہ میں آگئیں اور مشہور قلعے سرستی، ہانسی، ہمانہ اور سکرام وغیرہ اس سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے پرتھوی راج کے قدیم خاندانی اعزاز کو برقرار رکھا اور اُس کے لڑکے کو اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت بنا کر غور واپس چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے پہلے سکرام پھر دلی کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر فتوحات میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں ۵۸۸ھ/۱۱۹۳ء میں میرٹھ فتح ہُوا۔ اور ۵۸۹ھ/۱۱۹۴ء میں علی گڑھ قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ/۱۱۹۵ء میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان آیا اور اٹاوہ کے قریب چنداور میں قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی اور وہ لڑائی میں

مارا گیا اور قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کی حدود میں داخل ہو گیا۔

پھر قطب الدین ایبک نے ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں گجرات کے پایۂ تخت پٹن کو فتح کیا اور ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں اس نے انہلواڑہ لوٹا اور راجہ بھیم نے شکست کھائی۔

پھر تیسرے سال ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے لئے نائب حکومت مقرر کر کے چلا آیا۔ مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا۔ دوسری طرف ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں چندراوتی آبو اور نگور کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر ایبک نے سب کو شکست دے دی۔ اسی طرح ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء میں اس نے بیانہ کو فتح کیا اور گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔

پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۵۹۶ھ/۱۱۹۹ء میں بہار کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایۂ تخت ندیا پر قبضہ کیا اور دوسری طرف کالنجر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا۔ اس نے اطاعت قبول کی۔ پھر مہوبہ کالپی اور بدایوں اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات سلطان ہولکر قوم کے فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان آیا تھا انہیں مطیع کیا[1] ۲۵ فروری ۱۲۰۶ء کو لاہور میں داخل ہوا۔

۳ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ء کو جب سلطان لاہور سے میک (دھمک ضلع جہلم) میں پہنچا تو بقایا عمر وہیں گزاری۔ ملاحدہ نے جو لشکر میں خدمتِ دربانی پر مامور تھے موقعہ پا کر انتقاماً سوتے میں شہید کر ڈالا[2] لاش غزنی لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔

طبقاتِ ناصری میں سنہ وفات یہ ہے :۔

---

[1] ہندی قرونِ وسطیٰ جلد دوم صفحہ ۲۰۰ [2] گزیدہ مستوفی۔ مبارک شاہی۔ جہاں کشائے جوینی

شہادت ملک بحر و بر معز الدین کز ابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم زغرہ شعبان بسال شش صد و دو فتاد در رہ غزنین بمنزل دمیک[1]

جانشین سلطان کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنر منصب کے فرائض اس کی زندگی میں انجام دیتے تھے اور وہی اس کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دعوے دار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین یلدز، سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یلدز نے غور میں اس کی جانشینی کی اور پشاور کے اس پار کا علاقہ اس کے زیرِ تصرف رہا۔ قطب الدین ایبک دلی کی سلطنت پر بیٹھا اور ناصر الدین قباچہ کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا۔ اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ابتداءً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی۔ ۶۰۵ھ/۱۲۰۹ء میں ایک چڑھائی کرتا ہُوا غزنی تک قابض ہو گیا۔ مگر پھر ناکام واپس ہو کر اپنی سلطنت پر قناعت کرنی پڑی۔ سات سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رُخ کیا مگر قطب الدین کے زور آور پنجوں کی گرفت میں آگیا اور بدایوں میں قید کر دیا گیا۔

پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دلی کو پایۂ تخت بنائے رکھا۔ دوسری طرف ناصر الدین قباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں۔ اس سے بھی اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر قباچہ پیش نہ پا سکا۔ بالآخر سندھ کی سلطنت بھی اس نے کھوئی۔ ۶۲۴ھ/۱۱۲۷ء میں یہ صوبہ دلی کے ماتحت آگیا اور قباچہ نے دریا میں ڈوب کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

سیرت و کردار سلطان شہاب الدین متقی، دیندار، شجاع اور عدل پرور تھا۔ رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا اور ان کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا۔ غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں چار دن اس

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴

کی موجودگی میں امیر حاجب وامیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحبِ معاملہ براہِ راست توجہ سلطانی کو منعطف کرانا چاہتا تو اس کی سماعت خود کرتا تھا اور قوانین احکامِ شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے۔ وہ خود صاحبِ علم تھا۔ فقہاء و علماء اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے۔ اور فقہ و دیگر علومِ دین کے مسائل زیرِ بحث رہتے تھے۔ وہ مذہبًا شافعی تھا صاحبِ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا۔ ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلسِ وعظ منعقد ہوتی۔ امام رازیؒ کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

علماء و مشائخ

غزنی کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلاء بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض اہلِ علم شہاب الدین غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے کیتھل میں اقامت اختیار کر کے علم کی خدمت میں معروف رہے سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

اس دور کے دوسرے اہلِ علم شیخ سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں۔ وہ فقہ، اصول اور علومِ دینیہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور اساتذۂ عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ سلطان شہاب الدین نے سنہ ۵۸۳ھ میں لاہور کی قضات عسکر پر مامور کیا۔ منہاج سراج صاحبِ طبقاتِ ناصری ان ہی کے صاحبزادے تھے۔ طبقاتِ ناصری اور لباب الالباب میں ذکر آیا ہے۔ وہ خلیفہ ناصر دین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے سفیر بھی

بنا کر بھیجے گئے۔

واپسی میں ۵۹۰ھ کے بعد مکران میں وفات پائی۔

اسی طرح شیخ خطیر الدین محمد بن عبدالملک جرجانی اس عہد کے ممتاز اہلِ علم و ارباب صلاح میں سے تھے۔ عوفی کا بیان ہے کہ علم وفضل اور زہد و تقویٰ میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ عوفی نے کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ یوں تو اس دَور میں جب ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جاری تھے حضرت خواجہ اجمیری و دیگر ممتاز مشائخ کرام یہاں تشریف لائے۔ مگر ان بزرگانِ دین کے فیوض و برکات کا سلسلہ سلاطینِ دہلی کے دَور تک جاری رہا۔ اس لئے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہو گا۔[1]

سُلطان قطب الدین ایبک المعزی

سُلطان قطب الدین تاتاری تھا۔ کم عمری میں بردہ فروش کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ ترکستان سے لے آیا۔

تاریخ مبارک شاہی میں ہے:۔

"در شہر نیشا پور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز کوفی کہ از اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ بود خرید در مرافقت فرزندان او کلام اللہ خواند و تیر اندازی آموخت۔ چنانچہ در اندک مدت کامل حال گشت چوں بزرگ شد تجار بحضرت غزنین بر دست سلطان معز الدین محمد سام فروختند بہمہ باب اوصاف حمیدہ و آثار گزیدہ داشت فاما

---

[1] عہدِ اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی۔

چنداں جمال نداشت و انگشت خنصرش شکستہ بود و در شجاعت و سخاوت نظیر خود نداشت [1]

معزالدین کی عنایات روز بروز اس پر مبذول ہونے لگیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک مجلسِ عیش و طرب میں اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اس نے اس وقت اس عطیہ کو سب فراشوں، ملازموں اور اپنے ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس ایک پیسہ نہ رکھا۔ بادشاہ یہ بات سُن کر بہت خوش ہوا اور حضوری کا حکم دیا۔ پھر میر آخوری کا عہدہ عنایت کیا۔ غور، غزنی اور بامیان کے سلاطین جب سلطان شہاب الدین سے خراسان کی طرف لڑنے لگے تو وہاں اس نے بہت کارہائے نمایاں کیے اور اس کی شجاعت کی ایک دھوم مچ گئی۔

ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دفعتہً سلطان شاہ کے آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑے سپاہی تھے مگر پھر بھی اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور قید ہو گیا۔ جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین کے سامنے اونٹ پر بٹھا کر اسی صورت سے نکال کر لائے جس صورت سے وہ قید خانہ کے پنجرے کے اندر رہتا تھا۔ اس نمک حلالی پر اس کا اور اعتبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو وہی ہندوستان میں سلطان کا نائب اور قائد سپہ سالار مقرر ہُوا۔

اوصاف سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی الاصل ہونے کی وجہ سے شجاعت اور جوانمردی ماں کے پیٹ سے لایا تھا۔ سخاوت اور فراخ دستی اس کی عادت تھی۔ لاکھوں روپے فیاضی سے دوستوں کو دیتا تھا۔ اسی سبب سے لک بخش اس کا لقب تھا۔ شجاعت نے دشمنوں کو زیر کر رکھا تھا اور سخاوت نے دوستوں کو محکوم بنا رکھا تھا۔ وہ ایسا ہر دلعزیز اور مقرر تھا کہ کوئی شخص اس پر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لئے اُس نے

---

[1] تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۳۰

بہت سے ناطے رشتے کئے۔ اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصر الدین قباچہ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مر گئی تو دوسری بیٹی سے نکاح کر دیا۔ شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا اس سے بھی اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔

ناصر الدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ سے بزرگ جانتا تھا اور اسی کی طرف سے سندھ پر حاکم مقرر تھا۔ مگر تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا اور اب تک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھ کر لاہور پر چڑھ گیا اور اس پر قبضہ جما لیا۔ مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ ۶۰۳ھ ۱۲۰۵ء میں قطب الدین نے اس کو غزنی سے باہر نکال دیا اور چالیس روز تک غزنی میں اپنا ڈنکا بجایا اور تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے پھر قطب الدین سے غزنی لے لیا اور قطب الدین وہاں سے لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔

عدالت، انصاف، خوش خوئی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ بڑا مشہور تھا اس کی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہے۔ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر ہندوستان میں اس کا انتظام اور بندوبست بہت زور سے تھا اور اس کے بعد بیس برس تک قائم رہا۔

صاحب تاج المآثر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک ایسا عادل بادشاہ تھا کہ اس کے عہد میں گرگ و گوسفند ایک ہی جگہ پانی پیتے تھے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔ بے جا تعصب بالکل نہ تھا اس کی فیاضی سے ہندو مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ اس نے دہلی میں خوب صورت جامع مسجد تیار کرانا شروع کی جس کی یادگار قطب مینار باقی ہے۔

قطب الدین ایبک عدیم المثال فاتح، یکتائے روزگار منتظم اور

ہردل عزیز عادل[1] اور علم وادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش رو پر سبقت لے گیا تھا۔ مقربین سلطان شہاب الدین نے ایک دن شہاب الدین سے عرض کیا :-

"قطب الدین ایبک اس شہر کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور کھلی بغاوت اختیار کرنے والا ہے"

قطب الدین کو اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ بہت جلد خفیہ طور پر غزنی میں رات کو پہنچا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے رقیبوں کو اس کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے اپنے تخت کے نیچے چھپا کر بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایبک کے دشمنوں اور حاسدوں کو طلب کیا۔ ان کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھا کر ایبک کے بارے میں ان سے سوالات شروع کیے سب نے بالاتفاق کہا۔ ایبک باغی ہے اور سلطنت پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے تخت کے پائے کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ندا دی۔ ایبک نے جواب دیا "لبیک" یعنی حاضر ہوں۔ وہ اپنے الزام لگانے والوں کے روبرو آیا۔ وہ اس کو دیکھ کر متحیر ہو گئے اور زمین پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے فرمایا :-

"اس دفعہ میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ مگر آئندہ ایبک کی عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو"

آرام شاہ

قطب الدین کے واقعۂ ناگزیر کے بعد امرائے سلطنت نے اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے، آرام شاہ پسر قطب الدین کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ مگر اس میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ ایک سال سلطنت پر نہ گزرنے پایا تھا کہ حکومت کے ٹکڑے اڑ گئے۔

---

[1] طبقات ناصری جلد ۱ صفحہ ۲۹۸۔

ناصر الدین قباچہ مملکتِ سندھ پر متصرف ہُوا۔ مملکت بنگال میں خلجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر ہندو راجاؤں نے دنگہ فساد پھیلایا۔ امیر علی اسمٰعیل دیلمی اور دوسرے امراء کو جنہوں نے متفق الرائے ہو کر آرام شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ اپنی رائے سے ندامت اور پریشانی ہوئی۔ انہوں نے ملک شمس الدین التمش، جو قطب الدین کا غلام داماد متبنی اور بدایوں کا حاکم تھا۔ آدمی بھیج کر اس سے سلطنت کی استدعا کی۔ وہ اپنی جمعیت لے کر دہلی آیا۔ شہر پر متصرف ہُوا۔ آرام شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے لڑائی میں اس کو شکست دی۔ پھر آرام شاہ مر گیا۔ اُس نے ایک سال بھی سلطنت نہ کی اور آپس میں ممالک ہندوستان کے چار حصے ہو گئے۔ مملکت سندھ پر ناصر الدین قباچہ متسلط ہوا۔ ممالک بنگال میں ملوک خلجی متصرف ہوئے۔ صوبہ دہلی پر سلطان التمش قابض ہُوا۔ حکومت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں رہتی کبھی ناصر الدین قباچہ متصرف ہوتا اور کبھی شمس الدین التمش کی حکومت قائم ہوتی۔

مقبرہ سلطان سلطان التمش نے سلطان کا مقبرہ لاہور میں تعمیر کرایا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تغلق نے درستی کرائی۔ ۱۶۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے گروا دیا۔ اب ایک چبوترہ پر مزار ہے[1]

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود و سخا میں مشہور تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی اور داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہو گئے۔ وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپے تقسیم کرتا تھا جس سے لک بخش مشہور ہُوا۔

امام ملک الکلام بہاؤ الدین اوش مدح میں لکھتے ہیں ؎

---

[1] اب حکومت پاکستان نے ایک خوب صورت مقبرہ تعمیر کرا دیا ہے۔

؎ اے بخشش تو لک بجہان آوردہ — کانرا کف تو کار بجان آوردہ
زر رشک کف تو خون گرفتہ دل کان — پس لعل بہانہ درمیان آوردہ

بڑے بڑے شعراء اور علماء قطب الدین کے دربار سے منسلک تھے۔ ملک الکلام بہاء الدین اوش ایبک کے دامن دولت سے وابستہ تھا اور اس کی مدح میں قصیدہ پیش کر کے داد لیتا تھا۔

؎ اے قطب آسماں کہ زسہم و زباس تو
در روز رزم رستم خونخوار بشکند

قطب الدین کے ایک دوسرے شاعر نے جس کا نام عوفی تھا لب اللباب وغیرہ جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے۔ اس نے بھی قصیدہ لکھا ہے ؎

خداوند اشہے گیتی ستانے — کہ شاہان جہانش بندگانند

قاضی امام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی، یہ بھی دربار سے منسلک تھا۔

سید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی عوفی لکھتا ہے:۔

"مدتہا دیوان انشاء سلطان شہید مدار او بود"

ایبک علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس کی فرمائش سے صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے تاریخ تاج المآثر لکھی[1]

شرف الملک ایبکی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔

قطب الدین علم پروری اور معارف نوازی میں مشہور تھا۔

۴

---

[1] نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنا شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ کشف الظنون جلد ۱ ص ۲۱۱۔

سلطان شمس الدین التمش شہنشاہِ ہند

خاندانی حالات

سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراخطائی سے تھے۔ اس کا باپ قبیلہ اکبری سے تھا۔ اس کا نام ایلم خاں تھا جو اپنے قبیلے میں نامور اور بہادر شجاع شخص تھا۔ خیل وحشم کے ساتھ اس کے جرگہ میں بڑے بڑے بہادر ترک شامل تھے[1] التمش کے چند بھائی تھے مگر خوبی سلیقہ مندی اور حسنِ صورت کی وجہ سے التمش باپ کا نورِ نظر سب سے زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام بھائی اس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کانٹے کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ التمش کے بڑے بھائیوں نے ایک دن باپ سے شکار کی اجازت لی اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے گئے اور وہاں جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ التمش کو فروخت کر دیا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا۔ صدر جہاں بخارا ہی کے عزیز نے سوداگر سے خرید لیا۔ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر جمال الدین چست قبا کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

التمش کا واقعۂ زندگی

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاد تھے، یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں اور بہت سے مشائخ صوفیاء قاضی بغداد کے یہاں مہمان تھے۔ پہلے قاضی نے تمام حضرات کی اکل وشرب سے

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۰۴۔

تواضع کی۔ اس کے بعد محفلِ سماع منعقد کی گئی۔ رات بھر قوالی ہوتی رہی۔ قاضی کے غلاموں میں سے ایک نہایت خوب صورت ترک بچہ تھا جو ساری رات کمر باندھے محفل میں کھڑا رہا۔ کبھی شمع کا گل کترتا تھا کبھی مہمانوں کی خبر گیری کرتا۔ کبھی اپنے آقا کی آواز پر دوڑا ہوا جاتا اور حکم کی تعمیل کر کے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا اور کبھی آنکھیں بند کر کے قوالی کے اشعار پر جھومتا۔

مشائخ جس قدر شریکِ محفل تھے سب التمش کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ رہے تھے۔ جب قوالی ختم ہو چکی تو قاضی صاحب نے اپنے معزز مہمانوں سے کہا کہ اس غلام پر توجہ ڈالئے اور دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی فلاح سے اس کو نوازے۔ یہ سن کر تمام اولیاء اللہ نے التمش کو بلا کر دعائے خیر کی۔

کچھ عرصہ بعد قاضی کو ضرورت پیش آئی۔ اس نے التمش کو پھر حاجی جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حاجی صاحب اسے غزنی لے گئے۔ ان دنوں کوئی ترک بچہ اس سے زیادہ حسین اور عقیل غزنی میں نہ پہنچا تھا۔ اس کا تذکرہ سلطان معز الدین محمد سام سے کیا گیا۔ جمال الدین کے پاس ایک غلام اور تھا جس کا نام ایبک تھا۔ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار دینار تجویز ہوئی۔ سلطان ہر دو کو صرف ایک ہزار دینار دے کر خریدنا چاہتا تھا۔ حاجی رضامند نہ ہوا۔ سلطان بگڑ بیٹھا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں کوئی شخص ان غلاموں کو خرید نہ کرنے پائے۔ ورنہ میری مرضی کے خلاف اس کا یہ عمل ہوگا۔ ایک سال اس واقعہ کو ہو گیا۔ سلطان قطب الدین ایبک راجہ نہروالہ کی شکست کے بعد ملک نصیر الدین جرنیل کے ہمراہ غزنی میں آیا۔ التمش کی خبر اس کے گوش زد ہوئی اس نے سلطان سے خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے کہا غزنی میں تو یہ فروخت نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں سے دہلی لے جا کر سودا اگر بیچ سکتا ہے۔

قطب الدین غزنی سے دہلی لوٹ گیا اور اپنے وزیر نظام الدین سے کہتا گیا کہ حاجی جمال الدین چست قبا ہمراہ معہ غلاموں کے دہلی آوے۔ چنانچہ

یہ لوگ دہلی پہنچے۔ قطب الدین نے ہر دو ترک بچوں کو ایک لاکھ جیتل میں خرید لیا۔ ایک کا نام "طغاخ" رکھا اور بھٹنڈا کا امیر مقرر کیا اور التمش کو اپنی فرزندی میں لے کر میر شکار کیا۔ اس اثناء میں گوالیار فتح ہوا تو التمش کو وہاں کی حکومت دی گئی۔ اس کے بعد برنی اور بداؤں کی حکومت پر فائز کیا گیا۔

فتنہ کھوکران کے دفعیہ کے لئے سلطان معزالدین محمد سام وارد ہند ہوا۔ التمش بداؤں سے فوج لے کر پہنچا۔ ان کھکروں نے دریائے جہلم پر زبردست مورچہ بنایا تھا۔ قطب الدین ایبک بھی پہنچا۔

یہاں التمش نے کھکروں کے مقابل وہ دادِ شجاعت دی کہ کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیش بندی نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور پایاب موقعہ پر کھڑا ہو کر اس قدر کھوکروں پر تیر کی باران کی کہ دشمن کے ہوش بھلا دیئے۔ آخر ش میدان جیت لیا۔ اس کی مردانگی اور دلاوری سے محمد سام خوش ہوا۔ سلطان نے قطب الدین سے سفارش کی اور خطِ آزادی اُس کے لئے لکھوایا اور سلطان سے تاکید کی کہ التمش کی تربیت میں کوتاہی نہ ہو۔ یہ آگے چل کر بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

اس کے بعد سے التمش نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے اور اپنے قوتِ بازو سے مرتبہ امیر الامرائی پر پہنچا۔

شادی سلطان قطب الدین ایبک کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دختر کو التمش کے عقد نکاح میں دے دیا۔ اس خاتون بزرگ سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی اور چند صاحبزادے ہوئے۔

تخت جلوس سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی موت سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا۔ مگر اس کی ایک سالہ حکومت میں علاقہ دہلی کے اجزاء بکھرنے لگے تو امیر علی اسمٰعیل سپہ سالار اور امیر داد دہلی و دیگر اعیانِ سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے

التمش سے استدعا کی کہ دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالے۔

چنانچہ التمش معہ لشکر کے بدایوں سے دہلی آیا اور تخت پر ۶۰۷ھ میں جلوس کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین التمش رکھا۔ وزیر نظام الملک کو قرار دیا۔

بیعت

ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے فرش کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ قاضی اور فقہاء نے اس کو پڑھا اور سب نے بیعت کر لی"۔ [1]

بادشاہت حاصل کرنے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ دربار میں اہل علم کو جگہ دی گئی۔ خود بادشاہ فقراء کا گرویدہ تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے حسن عقیدت رکھتا تھا۔

علماء کے زیر اثر شریعت کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ شرع کے خلاف امور بند کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے۔ لیکن جب سماع سننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا۔ جس مکان میں محفل سماع ہو گی اس مکان کا مالک جوابدہ ہو گا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ

---

[1] للعجائب الاسفار ابن بطوطہ جلد دوم۔

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری دہلی آئے۔ ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ اگر چند دن نہ سنتے تو کبیدگی طبیعت میں رہتی۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔

"قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سُنے عرصہ ہو گیا تھا اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک مکاندار سے معاملہ کیا کہ وہ مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے۔ مکاندار راضی ہو گیا اور میں نے اس مکان میں محفلِ سماع شروع کرائی۔ قوالی کی آواز پر محتسب آگیا۔ اور اس نے تمام اہلِ مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہٰذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محتسب نے جواب دیا۔ جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے۔ برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلیئے۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ بجائے محتسب سے اُلجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ محتسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہنچا۔ وہ دربار میں بہ شان و شوکت بیٹھا ہُوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھارہی تھی۔ سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے دوسری طرف علماء و مشائخ بیٹھے ہُوئے تھے۔ میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہ پایا اور یاد آگیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لئے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔

سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا۔ سلطان نے کہا "کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلسِ سماع میں نے اپنے پایۂ تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے؟"

میں نے کہا "مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے۔ اہل مجلس یا صاحبِ مجلس ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس نے کہا تم میرے سامنے حیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دوسروں کے مقابلہ میں سخت سزا دینی چاہیئے۔

یہ بادشاہ کا بیان سن کر میں نے کہا اور سلطان بھی میری سزا میں جو میرے لئے تجویز ہے، برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم ہے جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان بھی ساری رات قوالی سنا کیا اور اس پر وجد بھی طاری ہوا تھا۔

سلطان یہ سن کر طیش میں آ گیا اور کہا "تم جھوٹ بولتے ہو، میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی"۔

میں نے کہا "سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سنئے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور چشم دید اور گوش شنید گواہی دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سنتے اور جھومتے ہوئے دیکھا۔ میری اس بے کانہ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا۔ قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"قاضی! یہ ذکر کب کا ہے؟"

میں نے کہا "سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چاروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں اور جب عالم غیب کے دربار میں آن اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لئے تیار کرایا گیا تھا، اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ محفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔

سلطان التمش نے قاضی صاحب کے سامنے نظر جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ

کر کہا۔ "تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا۔"

میں نے کہا۔" اے سلطان! یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے میں بغداد کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا۔ مگر اے سلطان اس رات بھی آپ غلام نہ تھے اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر ہیں جو مایوس غلاموں کو آزاد کرتا رہتا تھا اس رات بھی آپ کی صورت وسیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے۔"

سلطان آبدیدہ ہوگیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے نزدیک آکر بیٹھئے اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا اور کہنے لگا۔

"مجھ کو ایک ایک کر کے سب باتیں اس رات کی یاد آگئیں اور مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر و اجابت نے مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا۔"

اس کے بعد حکم دیا کہ" ہم نے اپنے پہلے دونوں احکام منسوخ کئے۔ آئندہ محفلِ سماع کی روک ٹوک نہیں ہے۔" تمام اہلِ مجلس رہا کئے گئے۔

قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا۔" حضور کا قیام کہاں ہے؟"

قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین اوشی کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔ سلطان سن کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں اُن کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد ہیں تو میرے بھی اُستاد ہیں۔ آپ کو بعزت و احترام رخصت کیا۔ جب کبھی قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے تعظیم و توقیر سے پیش آیا کرتا۔

واقعۂ سخاوت

جواہر فریدی سے نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلا تو ناصری شاعر ایک قصیدہ سلطان کی شان میں لکھ کر لایا۔

یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی کرامت وفضل وکمال کا شہرہ سُنا۔ ایک قصیدہ حضرت کی شان میں بھی لکھا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قصیدہ پڑھ کر دُعا چاہی کہ بادشاہ کی سرکار سے مجھ کو مال خطیر ملے۔ حضرت نے دُعا کی اور فرمایا کہ تجھ کو بہت کچھ ملے گا۔

جب دربار میں ناصری پہنچا۔ قصیدہ پڑھا۔ سلطان اس کو سُنتے سنتے دوسری طرف متوجّہ ہو گیا۔ ناصری نے یہ دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین کی طرف توجّہ کی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجّہ ہُوا۔ قصیدہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہُوا اور ۵۶ ہزار روپیہ اُس کو عطا کیا۔[1]

ابتدائی زندگی کا واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بازار بھیجا۔ میں بچّہ تھا نقدی کہیں گر گئی۔ مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا۔ ایک درویش آ پہنچا۔ سبب گریہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ درویش نے انگور حسبِ ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا اور درویشوں کو بھُول نہ جانا۔ ان کی عزت اور تعظیم کرنا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ وعنایت سے ملی ہے۔[2]

حملۂ ملحدین

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام

---

[1] سوانح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ [2] ہندوستان کی اسلامی تاریخ صفحہ ۲۴۰۔

مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحدین نے تلوار کھینچ کر جبکہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے، جامع مسجد میں گھس آنے کی کوشش کی۔ کئی ایک بے گناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچا لیا اور تمام مسلمانوں نے ملحدوں کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۷ھ سے لے کر ۶۲۲ھ تک التمش امرائے ترک مغربیہ و قطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کر سکا۔ چنگیز خاں جس نے خوارزمی، غور، ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر و ہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔

اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست دے کر بدایوں میں قید کر دیا اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔

چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہو سکا تمام خدشات سے مطمئن ہو کر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کر دی۔ غیاث الدین عوض خلجی خود مختار سلطان تھا۔ وہ التمش سے مرعوب ہو گیا اور اطاعت کی۔ تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد پیش کیا اور خطبہ و سکہ التمش کا جاری کیا گیا۔

جنگیں

سلطان التمش سے سردارانِ ترک فرخ شاہ وغیرہ نبرد آزما ہوئے مگر اس کا چراغ دولت نور تائید الٰہی سے روشنی قبول کئے ہوئے تھا۔ نامی سردار ترک

سامنے آئے اور ہار گئے۔

سلطان تاج الدین یلدوز نے جو غزنی کا بادشاہ تھا شاہی مراتب معہ چھتر التمش کے پاس بھیجے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس کے بعد سے جہاں فوج کشی کی کامیاب ہوا۔ ۶۲۳ھ میں قلعہ مندو پر لشکر کش ہوا۔

"جملہ سوالک" اپنے قبضہ و دخل میں لایا۔ امیر روحانی جو اس عہد کا فاضل تھا چنگیز خاں کے مظالم سے تنگ آ کر بخارا سے دہلی آ گیا تھا۔ ان فتوحات پر تہنیت کے اشعار کہے۔ ان میں سے یہ ابیات ہیں۔ ؎

خبر باہل سما برد جبریل امین | ز فتحنامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا را | بدیں بشارت بندید کلۂ آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام | کشادہ باز دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را | روان حیدر کرار میکند تحسین[1]

خلعتِ عباسیہ

۶۲۶ھ میں عرب کے ایلچی خلافت کا لباس سلطان کے لئے لائے۔ شرط اطاعت و آداب بجا لایا اور خلفائے عباسیہ کا لباس زیب جسم کیا اور خوشی میں شہر کی آئین بندی کی۔ امراء کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ گوالیار مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ چنانچہ خود گوالیار کی طرف عزیمت کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیوبل جو قلعہ کا والی تھا بادشاہ کی یلغار دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ قلعہ سلطان کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ملک تاج الدین جو منشئ مملکت تھا اس نے قلعہ کی فتح پر رباعی کہی ؎

ہر قلعہ کہ سلطانِ سلاطین بگرفت | از طوق خداوند نصرت دیں بگرفت
آں قلعۂ گوالیار و آں حصن حصین | در شمائتہ سہ ثلاثین بگرفت

---

[1] فرشتہ

سنہ ۶۳۱ھ میں مالوہ کی طرف یورش کی اور قلعہ بھلسہ کو مسخر کر کے شہر اجین کو زیرنگین لایا اور بت خانہ مہا کال جو مثل صنم کدہ سومنات جو تین سو برس میں تعمیر ہوا تھا اور قلعہ کی طرح مستحکم تھا اس کو مسمار کیا۔ بکرماجیت کی مورت اور مہا کال کی مورتیں برنجی پر جو کانسے سے ڈھلی ہوئی تھیں، اٹھا کر دہلی لے آیا اور جامع مسجد کی سیڑھیوں میں گاڑ دیں۔ پھر ملتان کی طرف فوج کشی کی۔ یہ سفر نامبارک ہوا۔ مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ اعیان سلطنت عماری میں بٹھا کر دہلی لائے۔ ۲۰ شعبان سنہ ۶۳۳ھ کو عالم عقبیٰ کو راہی ہوا اور حوض شمسی میں دفن ہوا۔

علمی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ، علمی و روحانی مدارس نے اس کے عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ آج ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب واردِ ہند ہوا تو مرج کے کالج کا پرنسپل ہوا۔ اور بعد میں التمش کے ساتھ دلی آیا۔ لاہور، پنڈا، بدایوں اودھ، لکھنوتی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور ذاتی مدارس کھلے تھے، خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا۔ معلمین کو تنخواہ اور متعلمین کو اخراجاتِ تعلیم دیئے جاتے تھے اور مفت تعلیم ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازتِ تعلیم تھی۔ گو ہندوؤں نے اس عہد میں توجہ نہیں کی۔ آگے چل کر واقف ہوئے اور انہوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

روحانی مدارس و اشاعت اسلام

روحانی مدارس اس وقت خانقاہیں تھیں جن میں علمی تعلیم دی جاتی تھی۔ بڑی خانقاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی۔ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی۔ یہاں کے طلباء کو فقر و فاقہ، تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت ڈلوائی جاتی۔ یہ لوگ پہاڑوں، جنگلوں، دشت و بیابان میں ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گزارا کر سکتے اور اسلامی مشنری کا

کام دیتے تھے۔

التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض وجواد مہمان نواز، غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امراء، فضلاء، علماء، سلاطین، تاتار خوارزمی وغور خراسان وایران بغداد وعراق سے جان بچا کر دہلی آئے سب کی غور و پرداخت حسب مدارج کی گئی اور ان کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ ملازمت، جاگیر ومعافی، تنخواہ ووظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی گئی اور غریب الوطن شرفاء کی معاونت میں چنگیز خاں جیسے جابر وقاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اپنی ذات اور فوج سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خاندانی شہزادوں اور امراء کا اس قدر جمگٹا ہوا کہ دہلی میں اُن کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے۔ فضلاء وعلماء ومشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی۔ صناع واہلِ حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت وحرفت میں بڑی ترقی ہوئی۔

بخارا، غزنی، خوارزم کے قدردان سلاطین کے جن کاریگروں نے اقطار عالم سے چُن چُن کر اپنی سلطنت کی دولت وعظمت کو بڑھایا تھا وہ سب اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہنچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن ومعاشرت، صنعت وحرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

آداب الحرب والشجاعۃ

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں فنونِ حرب کے مسائل ومباحث پر ایک کتاب "آداب الحرب والشجاعۃ" تصنیف ہوئی۔ اس کا مصنف فخر الدین محمد بن مبارک شاہ المعروف بفخر مدبر سلطان معز الدین محمد بن سام۔ اس مصنف کا سلسلہ

نسب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کی ماں امیر بلکاتگین کی اولاد سے تھی جو امیر الپتگین کا حاجب کبیر اور اس کے فرزند ابو اسحٰق کا جانشین ہوا۔

اس مصنف نے اس کتاب سے پہلے کتاب شجرۃ الانساب لکھی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب و عجم اور خلفاء و سلاطینِ اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں۔ اور مقدمہ میں سلاطینِ غوریہ کے بعض واقعات ۵۸۶ھ تا ۶۰۲ھ تک کے اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔

اس مقدمہ کو سر ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن میں چھپوایا ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ہے۔ اس کی فہرست میں اس کا نام آداب الملوک وکفایۃ الملوک ہے۔ پروفیسر محمد شفیع ایم اے پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے آداب الحرب کے دو اقتباس نومبر ۳۷ء اورنٹیل کالج میگزین میں ۶۵ھ سے ۵۸۲ھ تک شائع کئے ہیں۔

فتوحات

التمش کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ بدایوں۔ نہٹور۔ حصار لکھنوتی۔ بہار۔ ملتان۔ اچھہ۔ دربھنگہ۔ اجین۔ جاجنگر۔ لاہور۔ کہرام۔ بھیلسہ۔ بنارس۔ سلوستان۔ دیول۔ قنوج۔ گوالیار۔ سیالکوٹ۔ جھمر اور مالوہ۔ اتنے ممالک ہند کے سلطان شمس الدین التمش نے اپنے عہدِ حکومت میں فتح کئے۔

پہلا دربار

فتوحات کے بعد شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء، علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار تھا۔

نامور فضلاء و علماء

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہلِ کمال موجود تھے۔ منجملہ ان کے نور الدین محمد عوفی تھا جس نے اس کے عہد میں جامع الحکایات لکھی۔ وہ رضیہ کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کا وزیر نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا یہ وزیر خلیفۂ بغداد کے دربار میں عہدۂ وزارت پر ممتاز رہ چکا تھا۔ وہ کمالاتِ صوری و معنوی میں مشہور ہوا۔ قاضی سعد الدین کردی، قاضی نصیر الدین، قاضی جلال الدین قاضی کبیر الدین وغیرہ اپنے وقت کے امام الائمہ تھے۔

التمش کے اوصافِ حمیدہ و عدل و انصاف

التمش کے متعلق مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

"وہ عادل، فاضل اور صالح تھا۔ ظلموں کے دور کرنے میں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا:

جتنے مظلوم ہوں سب رنگین کپڑے پہنیں۔

اس وقت ہندوستان میں سب باشندے سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اس کے قضیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرتا۔ فقط اس نے اپنی اس تدبیر پر اکتفا نہیں کر رکھی تھی بلکہ اس نے فرمایا:

"بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہے ان کے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں۔"

اس واسطے اس نے اپنے دروازے پر سنگِ مرمر کے دو شیر بنوائے

بٹھوا دیئے۔ ان کے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی اور ان میں گھنٹی لٹکا دی مظلوم رات کو آتے اور ان گھنٹیوں کو زنجیر سے ہلاتے۔ بادشاہ ان کی آواز سُن کر خود باہر آتا اور مظلوم کی داد رسی کرتا۔ عدل و انصاف کے واقعات تاریخ میں بہت کچھ تحریر ہیں۔

غرباء پروری، مہمان نوازی، اسلامی خدمات التمش کی بہت بڑھی ہوئی ہیں گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا۔ مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔ کوئی بداخلاقی بدوضعی اس سے منسوب نہیں کی گئی اس کو پابندیٔ احکام نے نمونۂ اسلاف بنا دیا تھا۔"

اولاد

سلطان کی اولاد بہت زیادہ تھی۔ سلطان ناصر الدین، سلطان رضی الدین، سلطان معز الدین بہرام شاہ، سلطان قطب الدین محمد، سلطان ملک جمال الدین مسعود، ملک شہاب الدین محمد، سلطان علاء الدین مسعود شاہ، سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین محمد شاہ، سلطان رکن الدین فیروز شاہ، سلطان ناصر الدین محمود شاہ، رضیہ سلطانہ۔

التمش کے پیر و مرشد

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن سید کمال الدین موسیٰ اوشی ۵۶۱ھ میں اوش میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے مولانا ابوحفص کے سپرد کئے گئے۔ کم عمری میں علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بغداد جا کر ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمود اصفہانی سے فیوضات باطنی کا استفادہ کیا۔ خواجہ غریب نواز سلطانِ ہند نے ہندوستان کا

رُخ کیا۔ یہ بھی وطن چھوڑ کر ہند پہنچے۔ ملتان میں شیخ ضیاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں چند روز قیام کر کے دہلی آئے۔ موضع کیلو کھڑی میں سکونت اختیار کی۔ التمش آپ کا مرید ہوا۔ ناگور سے قاضی حمید الدین آئے اور حسب الحکم حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین کی تعلیم پر تقرر ہوا۔ بقیہ علوم کی تکمیل کرائی۔

التمش نے چاہا شہر میں قدم رنجہ فرمائیں آپ نے منظور نہیں کیا۔ شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی نے خواجہ کو دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی شکار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ صبر و قناعت کا صحیح نمونہ تھے۔ شانِ بے نیازی ملاحظہ ہو۔ گھر میں فقر و فاقہ سے رہتے۔ امراء نذرانہ لاتے ٹھکرا دیتے۔ التمش تک خبر پہنچی۔ اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لئے بھیجیں کہ حضور انہیں قبول فرمالیں۔ لیکن قطب الہند کی خدمت میں جب یہ نذر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس زر کو واپس لے جاؤ اور سلطان سے کہو میں تمہیں اپنا دوست جانتا تھا۔ اب معلوم ہوا تم میرے دشمن ہو۔ جس چیز کو خدا نے دشمن فرمایا ہے وہ تم دوستوں کو دیتے ہو۔

حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبۂ خواب سے کسی قدر آرام کر لیا کرتے تھے مگر آخر عمر میں دن رات بیدار رہتے اور چوبیس گھنٹے یادِ خدا میں بسر کرتے۔ ایک روز شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں محفلِ سماع تھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ قوال نے حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس میں بروز دو شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو وصال ہوا۔

آثار التمش

سلطان قطب الدین ایبک نے رائے پتھورا کے مندر کو مسجد کی صورت میں

کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ بعد اس کے التمش نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اس مسجد کے دونوں طرف جنوباً اور شمالاً تین تین در اور بنائے اور رائے پتھورا کے بت خانے کے باہر کے دالان تک مسجد بڑھادی۔ اس در میں بھی سنگ سرخ کے بہت تختے بنے ہوئے ہیں اور ان پر نسخ اور کوفی خط میں آیاتِ قرآنی کندہ ہیں اور بہت عمدہ بیل بوٹے پھول پتی بنت کاری کے بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروں کے بیچ کے در کے بائیں بازو پر تاریخ تعمیر کی کندہ ہے۔ ان دروں کی اکثر محرابیں ٹوٹ گئی ہیں۔ بلکہ شمالی دروں میں کا ایک در سارے کا سارا سڑک میں آگیا ہے۔ جبکہ ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۳۳ء میں سلطان نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا۔

اس وقت بت خانہ مہا کال کو توڑ کر وہاں کی مورتین راج بکرماجیت کی تصویر سمیت دلی میں لاکر اس مسجد کے دروازے کے سامنے ڈال دی تھیں۔ یہ تین تین در ضلع غربی کے جانب، شمال رو، دو جنوب کو جو شمس الدین التمش نے بنائے تھے سینتیس سینتیس گز اور ایک ایک فٹ لمبے ہیں اور بیچ کا در آٹھ گز چوڑا ہے اور جنوبی ضلع اس کا بت خانے کے قدیم دالان ہیں۔ جو برسی کے لئے بنائے تھے۔ ان کا طول ایک سو بتیس گز سہ فٹی گز سے ہے[1]

قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ماذنہ

اس عمارت کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوشنمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں یہ عمارت ایسی ہے کہ روئے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کر دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے

---

[1] آثار الصنادید از سر سید احمد خاں

کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی اور ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے سے عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح نیچے والوں کو اُوپر کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتے آسمان سے اُترے ہیں۔ غرض کہ یہ لاٹ عجائب روزگار سے ہے۔

باوجود اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہُوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ کے نیچے کے درجے کی ایک کھنڈ مدوّر اور ایک کمر کی ہیں۔ اور اوپر کے دونوں درجے گول ہیں اور تمام سنگ سرخ لگا ہُوا ہے۔ مگر چوتھے درجے میں سنگِ مرمر بھی ہے اور ہر جگہ منبت کاری اور گلکاری ایسی خوب صورتی سے کی ہے کہ اس کی ہر ایک بیل مسلسل پر ہزاروں معشوقوں کی زلف دوتاں قربان ہے اور اس کے ادنے سے ادنے پھول پنکھڑی پر سینکڑوں گل رخوں کے لب جاں بخش نثار ہیں۔ مگر اس لاٹ کی بناء پر مؤرخین نے گفتگو کی ہے۔

مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لاٹ سلطان شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی ہے اور اکثر تاریخ کی کتابوں میں اور کتبۂ عہد سکندر بہلول میں اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش کی لاٹ لکھا ہے اور بعض تاریخوں میں اس لاٹ کو مسجد کا ماذنہ لکھا ہے۔ اور بعض کتابوں میں اس لاٹ کو سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہے۔

مگر اس سبب سے کہ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے۔ برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاؤالدین نے جو لاٹ بنانی شروع کی اس کا شرق رویہ دروازہ رکھا اور نیز اس سبب سے کہ اکثر مسلمانوں کی عادت ہے کہ ایسی عمارت کو کرسی دے کر بناتے ہیں۔ جیسا کہ سلطان علاء الدین نے اپنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا،

برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدوں کرسی بناتے ہیں جیسے کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے۔ اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے پتھر کتبوں کے مقام سے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے پیچھے کو لگائے ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ جس طرح اصل بُت خانے میں زنجیروں میں گھنٹے لٹکتے ہُوئے کھدے ہوتے ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامے کا بنام قطب الدین ایک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر ہے۔

غالب ہے کہ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا ہندوؤں کے وقت کا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس پہلے کھنڈ میں جہاں جہاں کُتبہ کھدا ہُوا ہے وہاں بُتوں کی مورتیں ہوں۔ اس سبب سے وہ پتھر نکال کر یہ کتبہ جن میں بادشاہوں کے نام اور قرآن مجید کی آیتیں ہیں لگائے ہوں جن میں بادشاہ کی تعریف ہے۔

جو بات کہ مدت سے مشہور چلی آتی ہے کہ یہ لاٹ راۓ پتھورا نے اپنے قلعہ اور بت خانہ کے ساتھ یعنی سمت ۱۲ بکر ماجیت مطابق ۱۱۴۳ء موافق ۵۳۸ھ کے بنائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹی سورج مکھی مذہب تھی اور ہندو جمنا کو سورج کی تیزی کا استاد لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مذہب والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں۔ اس سبب سے جمنا کے درشن کو لاٹ کا پہلا کھنڈ بنا۔

۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں جب یہ بُت خانہ مسلمانوں نے فتح کیا تو اس پر اپنے نام کے کتبے لگائے اور فضل ابن ابوالمعالی کو متولی کیا اور اس کا نام پتھر پر کھدوا کر دروازے کے پاس لگا دیا۔ جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کے اِدھر اُدھر تین تین در بڑھائے۔ یعنی ۶۲۷ھ مطابق ۱۱۲۹ء کے اسی زمانے میں اس لاٹ کو بھی بڑھایا اور دوسرے کھنڈ کے دروازے پر اس کا حال کھدوایا اور جب سے اس کا نام ماذنہ رکھا اور ہر درجہ پر اسی نام کا کتبہ اور جمعہ کی نماز کی آیت کو کھودا اور معمار کا نام لکھا۔

اگرچہ اب اس لاٹ کے پانچ کھنڈ ہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جس طرح مشہور ہے پہلے اس لاٹ کے سات کھنڈ تھے اور منارۂ ہفت منظری کے نام سے بھی یہ لاٹ مشہور ہے اور جہاں اب کٹہرا لگا ہُوا ہے وہاں ایسے کنگورے بنے ہُوئے تھے جیسے فصیلوں کے ہوتے ہیں اور پانچویں درجے پر ایک درجہ تھا اس کے چاروں طرف دروازے تھے اور اس کے اُوپر بطور لمبی برجی کے مثل راس مخروط لداؤ تھا کہ ساتواں درجہ شمار میں آتا تھا۔ یہ ساتواں درجہ ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۸ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ مرمت کے وقت مَیں نے اس لاٹ کو جتنی پہلے تھی اس سے اُونچا کر دیا۔

اس لاٹ کی مرمت کا حال پانچویں کھنڈ کے دروازے پر کھدوادیا۔ اس کے بعد پھر لاٹ مرمت طلب ہو گئی تھی۔ ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں مرمت کی اور اس کا حال کھدوا کر پہلے دروازے کی پیشانی پر کھدوادیا۔ مشہور ہے کہ تخمیناً ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں کالی آندھی کے بعد بھونچال کے صدمے سے اُوپر کے کھنڈ گر پڑے تھے۔ اور اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئے تھے۔ ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ھ کے سرکار دولتمدار انگریزی کے حکم سے مسٹر سمتھ صاحب گڑھ کپتان نے اس لاٹ کی اول سے آخر تک مرمت کی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگین کٹہرا بہت مستحکم لگادیا اور پانچویں درجہ پر برجی کٹہرا بہت خوب صورت بنادیا اور چھٹے کھنڈ کی جگہ کاٹ کر برجی لگائی تھی اور اس پر پھریرا کھڑا کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دونوں برجیاں قائم نہ رہ سکیں۔ اس سبب سے سنگین برجی کو لاٹ پر سے اُتار کر نیچے کھڑا کر دیا ہے اور کاٹ کی برجی ضائع ہو گئی۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں۔ اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنادی ہے جب غور سے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنادیئے ہیں

اور چند جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کندہ کردی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی۔ آج تک اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے گئے تھے۔ ہم نے (سرسید نے) سارے کتبے دوربین کی استعانت سے پڑھے ہیں۔ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا بتیس گز کئی انچ اور دوسرا کھنڈ سترہ گز کئی انچ اور تیسرا کھنڈ تیرہ گز اور چوتھا کھنڈ سوا آٹھ گز اور پانچواں کھنڈ آٹھ گز اونچا ہے۔

اس حساب سے کل اونچائی اس لاٹ کے پانچوں کھنڈوں کی جو اب موجود ہیں قریب اسّی گز کے ہوتی ہے اور سنگین برجی کی اونچائی جو سرکار انگریزی نے چڑھائی تھی اور اب اتار کر نیچے رکھ دی ہے چھ گز ہے اور چوبی برجی اور پھریرے کی اونچائی مل کر یہ لاٹ سو گز اونچی ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ جب اس لاٹ کی جڑ کا پچاس گز کا محیط ہے اور سر کا دس گز کا ہے۔ یہ لاٹ اندر سے بالکل خالی ہے اور اس میں چکردار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پہلے درجے میں ایک سو چھپن اور دوسرے درجے میں اٹھہتر اور تیسرے درجہ میں باسٹھ اور چوتھے میں اکتالیس اور پانچویں میں بھی اکتالیس ہیں۔ اس طرح کل سیڑھیاں اس لاٹ کی تین سو اٹھہتر ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی قدر سیڑھیاں ہوں گی۔ کیونکہ اوپر کے دونوں درجوں میں چڑھنے کا راستہ نہ تھا۔

التمش کی عبادت گذاری

ابوظفر شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین کی خاص نظر تھی۔ کنارہ حوضِ شمسی پر اکثر خواجہ مشغول عبادت رہا کرتے۔ وہیں التمش بھی جب خواجہ کے پاس حاضر ہوتے نماز پڑھتے اور عبادت کیا کرتے۔ یہ نماز کا بڑا پابند تھا۔

۱۴ ربیع الاول ۶۳۲ھ کو خواجہ کی رحلت ہوئی۔ مشائخ، امراء اور خود سلطان التمش موجود تھا۔ خواجہ ابوسعید نے بلند آواز سے کہا، حضرت خواجہ کی وصیت ہے کہ نمازِ جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر حرام نہ کیا ہو اور نہ سنت ہائے نماز عصر قضا کی ہوں اور کہا کہ اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن

خواجہ کو یہی منظور ہے، ان کے حکم میں کچھ چارہ نہیں۔ آخر سلطان امام بنے اور اولیاء اللہ و دوسرے لوگ مقتدی ہوئے۔ بعد نماز جنازہ خواجہ صاحب دفن کئے گئے[1]

خلافت التمش کو خواجہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب کے چار محبوب خلفاء تھے۔

حوض شمسی حوض شمسی کو سلطان التمش نے بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگِ سُرخ سے بنا ہُوا تھا۔ اب دیواریں اور پتھر بالکل اُکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک جھرنا بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب یہ تالاب دو سو چھہتر بیگھہ پختہ میں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروزی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے پانی کے راستے کھلوائے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے۔ اس حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق دہلوی کا مزار ہے۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ حوض اتنا بڑا تھا کہ اہلِ شہر اس کا پانی پیتے تھے اور شہر کی عیدگاہ بھی اس کے قریب تھی۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل تھا۔ غربی طرف عیدگاہ مذکور اور پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہُوا تھا جس پر تماشائی بیٹھ کر عہدِ بطوطہ میں سیر کرتے تھے اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہُوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء

رضیہ سلطانہ

پیدائش سلطان قطب الدین ایبک کی دختر نیک اختر کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحب زادوں کے بعد ہوئی تھی اس لئے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ پانچ سال کی تھی تو آتو جی کے سپرد کی گئی۔ چھٹے سال میں لگی تو بسم اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی۔ قاضی شمس الدین سے علوم رسمیہ کی تعلیم پائی۔ تھوڑے عرصہ میں خداداد ذہانت سے خوش استعداد ہو گئی۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ قرآن شریف کے پڑھنے کے جتنے آداب ہیں وہ ان سب کو ادا کرتی اور علم سے اس کو بہرۂ وافر تھا۔ صاحب نظر عورت ہونے کے سوا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

تیرہ برس کی عمر کو پہنچی تو التمش نے شہسواری میں طاق کرا دیا اور فنون حرب میں ایسی مہارت کرا دی تھی کہ مردوں کے پہلو بہ پہلو شہسواری کے فن میں یگانۂ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محظوظ ہوا کرتا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہر شجاعت دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا۔

گوالیار مسخر کرنے التمش گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام کر تا گیا۔ اس کے پیچھے چند روزہ انتظام عمدگی سے انجام دیا۔ فتح سے واپس آ کر خود دیکھا نہال ہو گیا۔

التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی۔ یہ باپ کی بیحد اطاعت گزار تھی۔ باپ جس خیمے میں سوتا وہاں سوتی۔ باپ عبادتِ شب میں لگتا خود بھی شریک ہوتی۔ باپ کو خود وضو کراتی۔ بادشاہ دن بدن اپنی دختر کا

گرویدہ ہوتا جارہا تھا۔ آخرکش اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنا ولی عہد رضیہ کو ہی بناؤں گا۔ چنانچہ طبقاتِ ناصری میں ہے:۔

"چوں سلطان در ناصیۂ او آثارِ دولت و شہامت می داد اگرچہ دختر بود و مستورہ بعد آنکہ از فتح گوالیار مراجعت فرمود تاج الملک محمود دبیر را کہ مشرف مملکت بود فرمان داد با او را ولایت عہدِ بنوشت و ولی عہد سلطنت کرد۔"

تمام امرائے سلطنت نے کہا۔ حضرت صاحبزادگان کے سلامت ہوتے ہوئے صاحبزادی کو ولی عہد کرتے ہیں؟

التمش نے جواب دیا:۔

"پسرانِ من بہ عشرت جوانی مشغول باشد و ہیچکدام تیمار مملکت ندارند و از ایشان ضبط ایں ممالک ہا بر شما را بعد از قوت من معلوم گردد کہ ولایت عہد را ہیچ یک از و لائق تر نباشد۔"

تخت نشینی التمش کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے رکن الدین کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد نازیبا حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی معزالدین کو مروا ڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو بُرا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصرِ قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نمازِ جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اُس نے ایک پُر اثر تقریر اُوپر سے کی اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ادھر امراء کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور التمش کا ارشاد سامنے آیا۔ انہوں نے کہا ناصرالدین کم عمر ہے۔ رضیہ ہی تخت نشین ہو۔ چنانچہ دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پردے

سے برآمد ہوکر مردوں کا لباس زیبِ جسم کئے ہوئے تھی۔ تخت پر رونق افروز ہوئی اور تاج شاہی زیبِ سر کیا۔ تمام امراء نے نذریں پیش کیں۔ تمام معاملاتِ ملکی کو ہاتھ میں لیا۔

نظام الملک محمد جنیدی جو وزیرِ سلطنت تھا اور ملک علاؤ الدین شیر خانی، ملک سیف الدین کوچی، ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے خفیہ رضیہ کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر وہ بے پرواہی سے انتظامِ سلطنت میں لگ گئی۔ جو برائیاں اس کے بھائی کے وقت میں پیدا ہوئی تھیں بطورِ معقول اس کی اصلاح کی اور قوانینِ سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا۔ بڑے بڑے مقدمے پیش ہوئے۔ ان کا فیصلہ کیا اور قضیہ ختم کیا۔ غرضیکہ شاہانِ عادل اور قابل کے اوصاف اس سے ظاہر ہوتے تھے۔

طبقاتِ ناصری میں ہے:۔

"سلطانہ رضیہ طاب مرقدہا بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود ہمہ اوصاف کرندہ کہ بادشاہ را باید داشت۔"

سیاست مخالف امراء نے چاروں طرف نامہ و پیام جاری کئے اور مخالفت کی ترغیب دی۔ ملک نصیر جاگیردار رضیہ سلطانہ کی موافقت میں دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب گنگا کو عبور کر لیا تو دشمنوں نے اس کو گھیر لیا اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جہاں وہ جان بحق ہو گیا۔ یہ رنگ رضیہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر نظامِ ملکی چلا رہی تھی۔ خاندان میں بھی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ وقارِ سلطنت امراء کے دل سے جاتا رہا اور اس امر کے درپے ہوئے کہ جدید انقلاب کیا جائے اور رضیہ کو حکومت سے بے دخل کیا جائے۔ مگر رضیہ نے بعض امراء کو ترقی مناصب دی اور اکثر کو ادنیٰ عہدہ سے اونچے درجے پر پہنچایا۔ یہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے اور مخالفین کو خفیہ طور پر نہ کی پر زک

دینے لگے۔ ان کی جتنی تدبیریں تھیں وہ ناکام رہیں۔

غرضیکہ رضیہ سلطانہ نے اپنے حسن تدبیر سے امرائے مخالف کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ مگر سلطانی فوج نے تعاقب کیا اور ملک سیف الدین کوچی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

تمام مخالف امراء یکے بعد دیگرے تباہ و برباد ہو گئے۔ خواجہ مہدی غزنوی جو نظام الملک جندی کا نائب تھا۔ اس کو سلطانہ نے منصبِ وزارت عطا کیا اور نظام الملک کے لقب سے ملقب فرمایا۔

نیابت لشکر ملک سیف الدین ایبک کو تفویض کیا اور ''قلتغاں'' خطاب دیا۔ اور ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے جو اطاعت اس کی کی تھی اُسے لاہور کا حاکم کیا۔ ممالک لکھنوتی اور دیول اور سندھ، غرضیکہ تمامی بلاد اور علاقہ جات پر اپنے مرضی کے امراء مقرر کئے۔ اس عرصہ میں سیف الدین ایبک نے وفات پائی۔ اس کی جگہ قطب الدین حسن کو مقرر کیا اور اس کو معہ افواجِ کثیر قلعہ رن تھنبور پر بھیجا۔ سلطان التمش کے بعد یہاں کے راجہ نے مسلمانوں کو قلعہ بند کر دیا تھا اور ان پر مظالم برپا کر رہے تھے اور سخت محاصرہ کیا تھا۔ قطب الدین حسن سے بڑا معرکہ رہا۔ ہندو راجہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کی گلوخلاصی ہوئی۔

جمال الدین یاقوت حبشی امیر آخور تھا۔ اس نے رضیہ سلطانہ کی جان کی حفاظت کی جس سے بڑا تقرب حاصل کیا۔ مثل اپنی دختر کے سلطانہ کو سمجھتا تھا۔ خود تلوار لیکر رات بھر رضیہ کا پہرہ دیتا اور سلطانہ آرام سے سوتی۔ ورنہ بارہا دشمنوں نے چاہا سوتے میں سلطانہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ یاقوت کی خدماتِ شائستہ سے سلطانہ بڑا بھروسہ کرنے لگی اور نظرِ عنایت مبذول رکھتی۔ حتیٰ کہ یاقوت گھوڑے پر کمر میں ہاتھ دے کر خود سوار کرتا۔ دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر پابندِ شریعت خاتون پر حرف گیری کی۔

ادھر یاقوت امراء میں امیر الامراء کر دیئے گئے۔ ملک اعزاز الدین حاکم لاہور

نے سر اطاعت سے انحراف کیا۔ سلطانہ سپہ آراستہ خود سرکوبی کو دوڑ پڑی۔ ملک اعزازالدین موقعہ کی نزاکت دیکھ کر اخلاص سے پیش آیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطانہ نے ولایت ملتان جو ملک قراقش کے سپرد تھی اسے بھی اس کو تفویض کیا۔ وہاں سے مراجعت کر کے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ جو ترکمان چہلگانی سے تھا۔ اس نے یاقوت کی وجہ سے بغاوت کا نشان بلند کیا۔ سلطانہ رضیہ بے شمار فوج لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اثناء راہ میں امرائے ترک بگڑ بیٹھے اور رضیہ تاب مقابلہ نہ لا سکی۔ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ رضیہ کا منہ لگا غلام جمال الدین یاقوت حبشی گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے:۔

جمال الدین یاقوت حبشی را بشند ع

عنا یافت دولت ز پیرامنش چو داغ سیاہ دید بردامنش

اور سلطانہ بھی قید کر دی اور قلعہ بھٹنڈا میں رکھی گئی۔ دہلی پہنچ کر معزالدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔

عقد رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈا سے عقد کر لیا۔ ہر دو نے کچھ عرصہ بعد فوج جمع کر کے دہلی کی طرف مراجعت کی۔ معزالدین بہرام شاہ نے اپنے بہنوئی ملک اعزالدین بلبن کو رضیہ کے مقابل بھیجا۔ یہ کچھ ایسی پژمردہ ہو چکی تھی۔ ہر دو لشکر مقابل ہوئے۔ ابھی دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ التونیہ کے لوگوں نے دغا کی۔ سلطانہ کو اس موقعہ پر بھی شکست فاش اٹھانا پڑی۔ آخرش جان بچا کر بھٹنڈا پر اس نے تازہ دم فوج لے کر بھائی پر حملہ کیا۔ بہنوئی آڑے آیا۔ ۲۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ میں کیتھل کے میدان میں رضیہ کی فوج نے منہ کی کھائی۔ میاں بیوی فوج سے جدا ہو گئے اور روپوشی اختیار کی۔

ابن بطوطہ کا بیان

واقعۂ شہادت ابن بطوطہ رضیہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے:۔

"جب رضیہ بیگم شکست کھا کر بھاگی تو بھوک کے مارے نہایت خستہ حال تھی۔ اس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اُس سے کھانے کو مانگا۔ اس نے اُسے روٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو رہی۔ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ جب کسان نے اسے سوتے ہوئے دیکھا اور اس کے کپڑوں کے نیچے ایک قبا مرصع نظر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ عورت ہے، اس کو قتل کیا۔ اس کا لباس اُتارا، گھوڑا لے لیا اور کھیت میں اُس کو دبا دیا۔ اس کے بعض کپڑے لے کر بازار بیچنے لے گیا۔ اہلِ بازار اس لباس کو اس کی شان کے خلاف دیکھ کر خریدنے سے انکار کرنے لگے اور کوتوال کو خبر کردی۔ اس نے اس کو مارا پیٹا تو اُس نے رضیہ کے قتل کا اقرار کر لیا اور اس کے مدفن پر لے گیا۔ انھوں نے لاش نکال کر غسل دیا۔ کفن پہنایا اور دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا۔ لوگ آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اُس کو متبرک جانتے ہیں۔ وہ جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے:۔

"سلطانہ رضیہ التونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند ہر دو شہید کنند۔ شہادت سلطانہ رضیہ روز سہ شنبہ بست پنجم ماہ ربیع الآخر ثمان وثلاثین وثلثمائتہ بود۔"

رضیہ کا چلن بعض مؤرخین نے ارکینِ سلطنت کی بغاوت کی بنا جلشی غلام کو قرار دیا ہے۔ وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ یہی امر تھا جس نے ارکین کو مجبور کیا کہ وہ رضیہ سلطانہ کو تختِ سلطنت سے علیحدہ کردیں۔

مؤرخین نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا۔ گول مول لکھ گئے۔ الفنسٹن بھی یہی رائے رکھتا ہے۔ لیکن رضیہ سلطانہ جیسی مدبر و شجاع محض وہم و گمان سے بدنام ہو کر معزول نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کہاں ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آکر

اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہ کرتی، اس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اسے امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی اور کسی نے خروج و عزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اس کی خلافِ شرع بے پردگی نے امراء کو نفرت دلائی تو یا قوت کا واقعہ ابتدائی نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ عوام کے بھڑ کانے کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا گیا ہو۔ گھوڑے پر سوار کرا لینے سے بدگمانی حماقت پر دال ہے۔

کوئی شہادت اس عہد کی تاریخ میں اس کے چال چلن کے متعلق نہیں نظر آتی۔ مؤرخین نے صراحتاً نہ سہی کنایتہً بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ اس کے بھائیوں کی بد چلنی شراب خوری کا تذکرہ فصاحت سے کر گئے ہیں۔ اگر رضیہ بیگم بد چلن ہوتی تو مورخ کبھی اس کو نظر انداز نہ کر سکتے۔ کھلے الفاظ میں لکھ جاتے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ رضیہ سلطانہ پاک دامن خاتون تھی اور قابلِ احترام تھی۔

رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب

رضیہ نسل کے اعتبار سے ترک تھی۔ اس کے باپ کے زبردست اور طاقتور ارکین بھی ترک تھے۔ جس میں چہل گامی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کرانے والے بھی یہی تھے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ ان ہی لوگوں کی حمایت سے ہُوا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین اور اس کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ موروثی سلطنت کا سکہ ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا۔ ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ و جلال کے خیال سے عورت کی محکومی پسند نہ تھی۔ کسی مرد کو اس کی جگہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ واقعات ایسے ہوئے کہ باغی ناکامیاب رہے۔ رضیہ نے اپنی عقلمندی سے جس نے سر اُٹھایا اس کا سر نیچا کر دیا۔ ملک اعزالدین کبیر خانی کو لاہور نہ تک دیدیا۔ ملتان کا علاقہ بھی دیا گیا۔ مگر لڑکوں کو خوش رکھنا رضیہ کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ملا عصامی (عہد ملک) فتوح السلاطین محمود غزنوی سے محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ منظوم تاریخ ہے۔ مگر بعض جگہ تحقیقات میں کوتاہی کر جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے حالات میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ رضیہ سلطانہ کے ذکر میں نازیبا باتیں لکھیں جن کا منہاج سراج کی تاریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں ذکر تک نہیں۔ یاقوت حبشی کا افسانہ اس طرح لکھتا ہے :۔

شنیدم غلامے ز جنس حبش — بدے درسواری بہر مرکبش
گرفتے بیک دست بازوئے او — برادے سوارش بے گفت گو
بداں مرد شاہ جہان را غلام — شمش کردہ بودہ است یاقوت نام
امیر آخرش شاہ و شہزادہ بود — بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

بعد کے مؤرخین نے بلا تحقیق کے اس خرافات میں رنگ آمیزی کی ہے۔

مزار رضیہ سلطانہ سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا۔ رجی سجی کی قبر درحقیقت رضیہ سلطانہ کی ہے۔ یہ قطب مینار سے گیارہ میل دور جگہ پر ہے۔ بلبلی خانہ ترکمان دروازہ خواتین کا مصنف لکھتا ہے:

"نئی دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں منشی شبیر علی خاں اور جناب مولوی رشید الدین خاں کے مکانات کے سنگین احاطہ میں یہ مزار ہے۔ اس احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری سجیلہ بیگم کی۔ عوام الناس اس کو رجی سجی کی درگاہ بھی لکھتے ہیں۔ مکان بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویذ بھی دستبرد زمانہ سے ثابت نہیں۔ ضرورت ہے کہ نئے کتبے لگ جائیں اور ان کی حفاظت کا انتظام ہو جائے۔"

خُلق رضیہ سلطانہ بڑی خلیق اور متواضع خاتون تھی۔ جہاں ایک طرف بہادر اور شجاع تھی وہاں دوسری طرف غرباء کی دستگیری، ستم رسیدہ لوگوں

کی دادرسی کرتی۔ ہر ایک کے ساتھ خلق سے پیش آتی۔ تمام خاندانوں کی بیبیوں کو تلقین کرتی کہ آپس میں اخلاق اور تواضع سے رہیں۔ عموماً عورتوں میں کم بیٹھتی۔ علماء کی صحبت زیادہ پسند کرتی۔

علمی مناظرہ سلطانہ کو علمی مناظرہ سے بڑا شوق تھا۔ امورِ مملکت سے فارغ ہو کر درباری علماء کو جمع کرتی۔ ان کی علمی بحثیں سنتی۔ اس زمانے میں علاقہ ملتان میں قرمطہ کا بڑا زور تھا۔ ان کا ایک عالم اس کے دربار میں آیا۔ آتے ہی آگ بگولہ ہو کر علانیہ الحاد پر تقریر کرتے اور علمائے احناف پر سب وشتم کرنے لگا۔ مجبور ہو کر اس کو قتل کرانا پڑا۔

مذہب رضیہ سلطانہ حنفی مذہب رکھتی تھی۔ علمائے احناف اس کے دربار کے رکن تھے۔ بڑی پابند صوم وصلوٰۃ تھی۔ صوفیاء کی آغوش میں نشوونما ہوئی تھی اور اوراد ووظائف میں غلو رکھتی تھی۔

ملحد قرامطہ کا استیصال طبقاتِ ناصری میں ہے۔

"سلطنتِ رضیہ کے اوائل میں یہ حادثہ عظیم رونما ہوا۔ ترکوں کے اغوا سے قرامطہ کا ایک گروہ اطرافِ ہند گجرات، سندھ اور دوآبہ گنگا وجمنا وغیرہ سے آکر دہلی میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے ترکوں کے اغوا سے اہلِ اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس کے سردار نے علماء اہل سنت کو ناجبسی اور خارجی کہنا شروع کیا اور عوام الناس کو علماء احناف اور رضیہ سلطانہ پر برانگیختہ کرتا۔

آخر قرمطی ماہ رجب ۶۳۴ھ بروز جمعہ ایک ہزار آدمی شمشیر وخنجر وتیر لیکر جامع مسجد دہلی پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ سلطانہ کے مبارز نصیر الدین اور ناصر ہتھیار لگائے جوشن پہن کر خود سر پر رکھ کر نیزہ وسپر ہاتھ میں لے کر معہ سواروں کے آئے اور ملاحدہ وقرامطہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک قرامطی کو زندہ نہ رکھا۔ گو ملحدین کے ہاتھوں چند ہزار مسلمان بیگناہ شہید

ہوئے مگر اس ظالم گروہ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

احوالِ قرامطہ

۲۷۰ھ میں عہدِ خلیفہ معتمد میں سوادِ کوفہ میں ایک خورستانی داخل ہوا۔ زاہد اور مرتاض صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کے لوگ مرید ہو گئے۔ روز بروز تعداد بڑھتی گئی۔ سادات کی مسلسل سعی نے جو شروع زمانہ خلافت سے کسی نہ کسی رنگ میں چلی آتی تھی۔ بنو فاطمہ کی خلافت کے حامی بکثرت پیدا کر دیئے تھے۔ کثرتِ فتن اور مظالم سے مسلمانوں نے مہدی کے ظہور کو اپنی مخلصی کا امید گاہ بنا رکھا تھا۔ جو شخص ان خیالات کی حمایت میں اُٹھتا لوگ خواہ مخواہ اس کی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہی تسخیر مسلمین کا عمل ابن زاہدہ نے جو قرامطہ کے نام سے مشہور ہوا اختیار کیا۔ شیعوں نے اس کی حمایت کی۔ لاکھوں مرید ہو گئے۔ عراق، شام میں کثرت سے فدائی ہو گئے۔ اپنی وفات پر اس نے سجادہ میں ابو القاسم یحییٰ کو جانشین مقرر کیا۔ اس نے اعلان کیا مہدی کا ظہور قریب ہے۔ ابو سعید جنابی بھی اس کا ہم خیال ہو گیا۔

ان لوگوں نے علماء سنن کو قتل کرنا شروع کیا۔ خلیفہ معتضد عباسی نے انہیں بہت کچھ کچلا۔ مگر دن بدن یہ فرقہ ترقی کرتا رہا۔ جب بنی عباس نے زیادہ ان کی مدارات کی۔ اکثر ہندوستان چلے آئے اور دہریت اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ائمہ میں حلول کرتا رہتا ہے۔ مرتد اور کافر کے درجے پر یہ لوگ تھے۔ حسن بن صباح ان کا بڑا شیخ تھا۔ ہلاکو خاں نے پائمال کیا اور ان کا پھر خاتمہ ہی ہو گیا۔

علماء کی منزلت

علماء و فضلاء اور ذی علم بزرگانِ دین کی مسلمان بادشاہوں کے دربار میں جو قدر و منزلت ہوتی تھی وہ دوسری قوموں کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دن کسی ضرورت سے رضیہ سلطانہ نے مولانا نور الدین محمد عوفی کو طلب کیا۔ یہ اپنے زمانے کے علامہ دہر تھے۔ جب خواجہ سرا مولانا کے پاس پیغام لے کر پہنچا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے

درسِ حدیث و تفسیر دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ سلطانہ سے کہہ دو میں اللہ کے گھر میں طلباء کو علوم دینی کا درس دے رہا ہوں۔ یہ مجلس اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ کیا اس کو چھوڑ کر دربارِ رضیہ میں حاضری دینی ضروری ہے؟ خواجہ سرا نے آکر یہی کہا۔ رضیہ سنتی رہی اور خواجہ سرا سے کہا جب مولانا درس سے فارغ ہوں اس وقت ان کو تکلیف دینا۔

چنانچہ دو گھنٹے بعد مولانا درس ختم کر چکے تو خواجہ سرا کے ساتھ آ گئے۔ رضیہ اسی طرح منتظر بیٹھی ہوئی تھی جس وقت مولانا سامنے آئے تو وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے، بمشکل آئے تھے۔ رضیہ آپ کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور مولانا کو صدر میں بٹھایا اور بڑی لجاجت سے کہا مجھ کو شرعی امور میں مشورہ کرنا تھا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی اور کہا حضور! قرامطہ نے بہت زور اٹھا رکھا ہے۔ ان کے استیصال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مولانا نے فرمایا۔ سلطانہ! یہ لوگ مرتد ہیں اس بناء پر واجب القتل ہیں۔ چنانچہ تحقیق مسئلہ کے بعد بعزت و احترام تمام مولانا کو رخصت کیا اور خود دور تک پہنچانے آئی۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضری

التمش کے ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں رضیہ حاضر ہوئی۔ حضرت خواجہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دی اور فرمایا۔ یہ دختر مردوں پر بھاری ہے۔ چنانچہ رضیہ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ کو سلام کرنے عموماً جایا کرتی اور اولیاء کی خدمت کرتی رہتی۔

مجلسِ قضاۃ

قاضی سعید الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس۔ قاضی جلال الدین، قاضی کبیر الدین لشکر اس کے دربار کے قضاۃ تھے۔ سلطانہ رضیہ نے قضاۃ کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے۔ پھر حکم عام دیتی تھی۔ یہ چاروں قاضی باپ کے زمانے

سے چلے آ رہے تھے۔

علمی ترقی سلطانہ نے تمام قلمرو میں تعلیم پھیلانے کے لئے مدرسے جاری کئے۔ مدرسہ ناصریہ کو ترقی دی۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین، قاضی جلال الدین کاشانی شیخ محمد ساوجی، مولانا نور الدین محمد عوفی صاحبِ کتاب جامع الحکایات اس کی مجلسِ علمی کے رکن تھے۔

اس کے عہد کے صوفیاء التمش کے زمانے میں صوفیاء کی گرم بازاری تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اقطاع ہند میں اشاعتِ اسلام کر رہے تھے۔ رضیہ سلطانہ نے تخت نشین ہوتے ہی سرکاری خزانہ سے خلفائے خواجہ کو مالی امداد دی۔ وہ جگہ جگہ تبلیغی خانقاہیں قائم کرتے اور صبح و شام لنگر جاری رہتا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ لنگر سے فائدہ اٹھاتے۔ یہی چیز غیر مسلموں کو مائل کرنے کا سبب ہوئی۔ ادنیٰ اعلیٰ سب ایک جگہ کھانا کھاتے۔ مساوات کا پورا مظاہرہ یہاں ہوتا تھا۔ غریب سے غریب کو عزت سے بٹھایا جاتا۔ رضیہ سلطانہ کی طرف سے تبلیغِ اسلام کے لئے ان خلفاء کی خاموش طریق پر امداد ہوتی۔

محکمۂ احتساب رضیہ کے عہد میں محکمۂ احتساب کا بڑا زور تھا۔ کوئی مسلمان بے نمازی نہیں رہ سکتا تھا۔ ورنہ دُرّے سے خبر لی جاتی۔ تمام مساجد آباد تھیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ تُجّار سے وصول کیا جاتا اور خزانہ شاہی میں جمع ہوتا اور شرعی طریق پر اس کا مصرف کیا جاتا۔ رضیہ کے ارد گرد ترکنوں اور قلماقنیوں کے سوا ہندوستانی عورتیں بھی رہتیں۔ رضیہ کے حسن اخلاق سے ایسی گرویدہ ہو جاتیں کہ وہ رضیہ کا دم بھرتیں اور اپنے قدیم مذہب کو بھی خیر باد کہہ دیتیں۔

رضیہ سلطانہ کے تھوڑے سے ہی عہد حکومت میں بقول بختیار خاں عالمگیری اسلام کو بڑا فروغ ہوا۔

عدل و انصاف التمش کی گھنٹی کا ذکر تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ رضیہ سلطانہ کے دربار میں مظلوموں اور داد رسی چاہنے والوں کی فریاد سننے کا سلسلہ جاری تھا۔ بالخصوص مظلوم عورتوں کی داد رسی کا شعبہ ایک خاتون کے سپرد تھا۔

ابوالبقا سہارنپوری شنگرف نامہ میں لکھتا ہے :۔

"قرہ خانم رضیہ سلطانہ کی مصاحبِ خاص تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ غریب عورتوں کی فریادیں ضبطِ تحریر میں لاتی تھی اور شب کو رضیہ کی خدمت میں درخواستیں پیش ہوتیں۔ وہ فرصت کے پہلے وقت میں درخواستیں پڑھ کر احکام صادر کرتی۔ رضیہ عدل و انصاف میں باپ سے سبقت لے گئی تھی۔"

رواداری جمنا پر ہندوانی تہواروں پر اشنان ہوتے رہتے تھے اور کنارے پر جو مندر تھے ان میں ناقوس اور گھنٹے بڑے زور شور سے تہوار والے دن بجائے جاتے۔ لوگوں نے رضیہ سلطانہ سے شکایت کی اور کہا حضور کے والد نے مہا کال کا مندر منہدم کرا دیا۔ آپ بھی جمنا کنارے کے شوالے مسمار کرا دیجئے اور ثواب کمائیے۔

رضیہ سنتی رہی اور اس نے ارادہ کیا کہ ایسا ہی کیا جائے۔ قاضی سعد الدین کردی کو علم ہوا۔ اس نے سلطانہ سے کہا۔ آپ یہ کیا کرتی ہیں؟ آپ کے والد نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں نہ تھا جو مشورہ دیتا۔ سلطانہ! شاکیوں سے معلوم کرو یہ سلسلہ اشنان کب سے ہے؟ چنانچہ وہ لوگ بلائے گئے۔ پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ یہاں رضیہ کے پہلے بھی اسلامی حکومت تھی۔ پہلے بادشاہ کیوں مزاحم نہ ہوئے؟ انہوں نے اس رسم کو کیوں نہ بند کیا؟ رضیہ بولی ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ قاضی کردی نے کہا۔

"

قدیم الایام سے جو رسوم قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا
حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ التمش نے مہاکال کا مندر ڈھایا۔ وہ مندر زناکاری
کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ اس کے پجاری نوجوان عورتوں کو جو پوجا کرنے آتیں
ان کے ساتھ افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے۔ وہاں کے براہم نے بادشاہ
سے کہہ کر مندر کو مسمار کرایا۔ اسے رضیہ سلطان صحابہ کرام نے ایران فتح کیا وہاں
مذہب زرتشتی تھا جگہ جگہ آتش کدے روشن تھے۔ انھوں نے باوجود صاحب
اقتدار ہونے کے آتشکدوں کو نہیں ڈھایا اور نہ زرتشتیوں کو ان کے
حق سے محروم کیا جو اُن کو اپنے ملک میں حاصل تھے۔ حتیٰ کہ ان کو یہ کہہ کر
اہلِ کتاب کے مساوی سمجھا گیا کہ وہ شبیہ اہلِ کتاب ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے
ساتھ ہیں۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کر کے اُن باشندگان
کے ساتھ کیا جو تمام تر ہندو تھے۔ ان کے مندر باقی رہے۔ ان کے رسم و رواج
جاری رہے۔ تم کیا ان سے بڑھ کر ہو جو نیا قدم اٹھا رہی ہو۔"

رضیہ سلطانہ نے قاضی کبردی کے آگے سرِ تسلیم خم کیا۔ اپنے احکامات واپس لئے
اشنان اور پوجا پاٹ میں حکم دیا کوئی مزاحم نہ ہو۔

عِلمی ترقی التمش کے عہد میں عجمی حضرات اہلِ علم آ گئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی
سے تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ التمش کے عہد میں "آداب الحرب
والشجاعہ" لکھی گئی جو اس عہد کے حربی معاملات کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے۔
محمد عوفی نے التمش کے دربار کے لئے اپنی کتاب جامع الحکایات ولوامع الروایات
لکھی۔ بادشاہ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر تاریخ
میں آتا ہے۔ یہ لوگ رضیہ کے عہد میں اپنے انہی مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں
علمی کاموں کی تکمیل کرنے کا موقعہ رضیہ کے عہد میں نصیب ہوا۔

مجلسِ علماء ہر جمعہ کو علماء کی مجلس منعقد ہوا کرتی۔ باری باری سے علماء
وقضاۃ کو میر محفل کہا جاتا۔ خود ایک طرف مؤدب ہو کر

بیٹھتی۔ اس کی مجلس میں عموماً دینی مسائل پر گفتگو رہتی ۔

ایک دن مولانا شمس الدین نے صوفیاء کے احوال اور سماع پر کلام کیا۔ یہ بھی سنتی رہی۔ قاضی نصیر الدین کا سالیس صحبت یافتہ قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ قاضی نصیر الدین نے قصیدہ بردہ خوش الحانی سے پڑھا۔ تمام مجلس بے حال ہو گئی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور قاضی شمس الدین تو مجلس میں لوٹنے لگے۔ جب سکون ہُوا تو قاضی نصیر الدین نے کہا سماع پر جو آپ لوگ معترض ہوتے ہو، صرف ظاہرا باتوں پر رائے قائم کرتے ہو۔ مولانا شمس الدین نے کہا۔ قاضی آپ خود ایسے اسلامی عہدے پر ممتاز ہو جہاں شریعت کے صحیح حامل ہوتے ہُوئے اس کے ساتھ آج معلوم ہُوا آپ طریقت کے بھی پیشوا ہیں۔ آخر ش سلطانہ کی طرف سے بعد تواضع فواکہات مجلس برخاست ہُوئی ۔

مقبرہ التمش مزار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی کہنہ مہرولی میں ہے۔ یہیں التمش کا مقبرہ ہے۔ رضیہ سلطانہ نے بنوایا ہے۔ اس مقبرہ کی تمام عمارت اندر اور باہر سے سنگ خارا کی ہے اور اندر کہیں کہیں سنگ سرخ اور سنگِ مرمر بھی لگا ہے۔ تمام دیواروں پر آیات قرآن کندہ ہیں اور بہت اچھی منبت کاری کی ہوئی ہے۔ مقبرہ میں ستون دار گنبد تھے۔ مگر عرصہ ہُوا کہ گر پڑے ہیں صرف چہار دیواری باقی ہے۔ فیروز شاہ نے اس مقبرے کی مرمت کرائی تھی۔ اور صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا تھا۔ مگر اب یہ آثار باقی نہیں رہے ۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ بن التمش

۲۲ر اکتوبر ۱۲۴۰ء تا ۱۰ر مئی ۱۲۴۲ء

سلطان بہرام شاہ کے ۲۷ر رمضان ۶۳۸ھ ۱۲۴۱ء کو مراسمِ تخت نشینی ادا ہوئے۔ مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سنقار نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ سلطان کو علم ہو گیا وہ سزا دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سنقار کو بدایوں کا گورنر کر دیا گیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین فقیہ کو قتل کرا دیا۔ ان وجوہ سے امراء چہلگان شمسی اس سے بیزار ہو گئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہو گیا۔ اور سرداران فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کرا دیا۔ بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقاتِ ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضاۃ تھے باغیوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ر مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کرا دیا گیا۔

علاءالدین مسعود شاہ

۶۳۹ - ۶۴۴ھ ، ۱۲۴۱ - ۱۲۴۶ء

بہرام شاہ کے قتل کے بعد ہی جماعت امراء میں سے ایک نے عزالدین بلبن کو جو التمش کا داماد تھا بادشاہ مقرر کیا۔ لیکن دن ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت نے جس پر بعد کو اکثر کا اتفاق ہو گیا تھا، علاءالدین مسعود (رکن الدین فیروز کے بیٹے) کو ۸ر ذیقعدہ ۶۳۹ھ

میں تخت نشین کیا۔ وزیر مہذب الدین نے امراء ترک کے ہاتھوں سے تمام کام نکال لئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے عہدۂ قضاۃ سے استعفیٰ دیا اور ۹ رجب کو طوفان خاں والی بنگال کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہُوا۔ لکھنوتی میں یہ دو سال تک رہا۔ انہی دو سال کے عرصے میں مسعود شاہ نے توسیع سلطنت کی طرف توجہ کی اور اپنے دونوں چچا جلال الدین اور ناصر الدین کو قید سے آزاد کر کے قنوج و بہرائچ میں ان کی جاگیر مقرر کی گئی۔

شوال ۶۴۲ھ / ۱۲۴۵ء میں راجہ جاج نگر نے لکھنوتی پر حملہ کیا[1] اور غرۂ ذیقعدہ میں تمر خان قیراں سلطان علاء الدین کے حکم سے فوج لے کر لکھنوتی پہنچا ... لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اسی سال غیاث الدین بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا (اس وقت یہ الغ خاں کے نام سے مشہور تھا)۔

۲ صفر ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء میں منہاج سراج دہلی واپس آیا اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہوا۔ رجب ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء میں مغلوں نے منگو خاں کی سرکردگی میں اوچھ پر حملہ کیا۔ مسعود شاہ خود مقابلہ کے لئے روانہ ہُوا لیکن مغل اس کے پہنچنے سے قبل واپس چلے گئے۔

۶۴۴ھ مسعود شاہ کی صحبت میں چند نااہل لوگوں کو درخور حاصل ہو گیا اور اس نے ... عیش و عشرت، لہو و لعب میں اپنے اوقات صرف کرنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ملک میں بدامنی کے آثار نظر آنے لگے تو امراء نے مجبور ہو کر اس کے چچا ناصر الدین کو بلایا اور بتاریخ ۲۳ محرم اُسے قید کر کے ناصر الدین کو تخت نشین کر دیا۔

۴

---

[1] اس واقعہ کے متعلق مؤرخین نے سخت غلطی کی ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد ملا عبد القادر اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ۶۴۲ھ میں مغلوں نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ طبقات اکبری میں ہے کہ وہ تبت کی راہ لکھنوتی پہنچے۔ الفنسٹن نے بھی یہی غلطی کی۔ مسٹر اڈورڈ طامس نے یہ غلطی نہیں کی۔ جاجنگر طبقات ناصری میں چنگیز خاں بن گیا۔

ناصرالدین محمود شاہ

۶۴۴ - ۶۶۴ھ تا ۱۲۴۶ - ۱۲۶۵ء

مسعود شاہ کے بعد ناصرالدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو ترکی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں بہرائچ کا والی تھا۔ اس کے واقعاتِ عدل و رعیت پروری تمام ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال پر تمام امراء و اعیان نے قصرِ سفید میں تخت شاہی پر اس کو متمکن کیا اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کر کے بیش بہا انعامات حاصل کیا۔ منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ کو اس بادشاہ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام طبقاتِ ناصری رکھا[1] اور اس کے حالاتِ حکومت پندرہ سال یعنی ۶۵۸ھ تک نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے۔

ناصرالدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد و مرتاض تھا اور خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلام مجید لکھ کر اپنا نفقہ حاصل کرتا تھا[2]۔

ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصرالدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دکھایا، نہایت خوش خط تھا۔"

---

[1] ... شتہ صفحہ ۰۰۰ ... بیضا ...

فرشتہ لکھتا ہے :۔

"وہ ہر سال دو مصحف کی کتابت کرتا۔ ایک بار اس کا قلمی مصحف کسی امیر نے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا۔ سلطان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اسے ناگوار ہُوا اور آئندہ کے لئے حکم دیا کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہُوا کلام مجید خفیہ طور سے بازار کی معمولی قیمت پر فروخت کیا جائے"

سلطان ناصر الدین صرف ایک "منکوحہ" بی بی رکھتا تھا اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی۔ ایک دن بی بی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کنیز لے لی جائے تو کیا حرج ہے۔ سلطان نے جواب دیا :۔

"بیت المال بندگانِ خدا کا حق ہے۔ مَیں اس میں سے کچھ صرف نہیں کر سکتا۔ ورنہ کوئی کنیز مہیا کر دیتا"[1]

ناصر الدین دوسرے کے جذبات کا بہت لحاظ کرتا تھا اور کبھی کسی کو تکلیف پہنچانا یا مایوس کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک بار وہ کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک شخص اجنبی آگیا اور بولا کہ لفظ فِیْہِ مکرّر لکھا ہُوا ہے۔ سلطان نے فوراً اس لفظ کے گرد قلم سے حلقہ کھینچ دیا اور اس شخص کا حال پُوچھ کر رفع حاجت کر دی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا۔ ایک غلام نے دریافت کیا کہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو محو کر دینے کا کیا سبب تھا؟

بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ شخص اپنی حاجت لے کر آیا تھا۔ اگر مَیں اس سے کہہ دیتا کہ لفظ فِیْہِ غلط تحریر نہیں ہُوا تو وہ نادم ہو جاتا۔ اس لئے مَیں نے حلقہ کھینچ دیا کہ اس کا محو کر دینا بہ نسبت غبار ملال رفع کرنے کے زیادہ آسان ہے[2]

مذہبیت مذہب کا وہ حد درجہ احترام کرتا تھا اور عظمتِ نبوی کے خیال سے ہر وقت کانپتا رہتا تھا۔ اس کا ایک ندیم تھا جس کا نام محمد تھا،

---

[1] طبقاتِ اکبری ص۳۰ [2] فرشتہ ص۷۴۔

سلطان ناصر الدین جب اس کو بلاتا تو ہمیشہ نام لے کر پکارتا اور جو کام ہوتا کہہ دیتا۔ ایک دن تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ ندیم آیا اور کام کر کے چلا گیا۔ جب تین دن تک حاضر نہ ہوا تو سلطان نے اس کو طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا "سلطان ہمیشہ میرا نام لے کر پکارا کرتا تھا۔ اس دن خلافِ معمول تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ میں سمجھ کہ سلطان کچھ برہم ہے۔ بیقرار و مضطرب ہو کر گھر چلا گیا۔"

سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ "میں تم سے مطلق رنجیدہ نہیں ہوں، اس دن تمہارا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا اور بغیر طہارت کامل کے لفظ محمد میں اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا۔" [1]

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ شغف رکھتا تھا اس لئے تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے اور حقیقت یہی ہے کہ ناصر الدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست، شجاعت و پامردی اور نظم و نسق سے سلطان ایبک اور سلطان التمش کے عہد کو بھلا دیا۔ عہد ناصر الدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں :-

۶۴۴ھ / ۱۲۴۷ء میں ناصر الدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جودی کے رانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔

۶۴۵ھ / ۱۲۴۸ء میں ناصر الدین نے مملکتِ قنوج میں قلعہ نندنا (تلسندا، تلندا) کو فتح کیا۔ اور بلبن نے رانا ملکی کو مغلوب کیا اور پھر دونوں فوجیں کڑہ کی طرف بڑھیں۔

۶۴۶ھ / ۱۲۴۹ء میں بلبن نے رانائے رنتھنبور کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاء الدین ایبک اس جنگ میں شہید ہوا۔

۶۴۷ھ / ۱۲۴۹ء میں ناصر الدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الغ خاں اعظم کا خطاب عنایت کیا۔

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۴۔

سنہ ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء میں عزالدین نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوچھ واپس آیا۔

سنہ ۶۴۹ھ ۱۲۵۱ء میں عزالدین نے ناگور میں بغاوت کی۔ لیکن ناصرالدین کے پہنچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی۔ بادشاہ مالوہ کی طرف گیا۔ راجہ ناہر دیو کو شکست ہوئی اور نرد فتح ہوا۔

سنہ ۶۵۰ھ ۱۲۵۲ء میں الغ خاں نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ منہاج سراج کو عہدۂ قضا تفویض ہوا۔ سلطان نے اوچھ اور ملتان کے راستہ سے لاہور اور غزنی کی طرف سفر اختیار کیا اور عمادالدین ریحان نے بادشاہ کو بلبن کی طرف سے کشیدہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے بلبن کو اپنی جاگیر اقطاع، ہانسی و کوہستان سوالک کی طرف روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد افواجِ شاہی اس کے خلاف روانہ کی گئیں اور ہانسی شہزادہ رکن الدین کو دیا گیا۔

سنہ ۶۵۱ھ ۱۲۵۳ء میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز قرار دیا اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی۔ شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔

سنہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء حدود بجنور (بجنور) میں بادشاہ کو بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بدایوں ہوتا ہوا دہلی واپس آیا۔

امراء نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویہ کی مخالفت کی۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہنچا تو امرائے مذکور کھرام اور کیتھل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر کار باہم صلح ہو گئی اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہو گیا اور ریحان جو باعثِ فساد تھا دربار سے علیحدہ کر کے بدایوں بھیج دیا گیا۔

سنہ ۶۵۳ھ ۱۲۵۵ء میں بادشاہ اپنی ماں ملکہ جہاں سے (جو حبالہ قتلغ خاں میں تھی) ناخوش ہو گیا اور دونوں کو اقطاع اودھ دیکر رخصت کر دیا۔ قتلغ خاں نے

بغاوت کی لیکن الغ خاں بلبن نے اس کو پسپا کر کے کالنجر تک ہٹا دیا۔

سنہ ۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء میں قتلغ خان کے خلاف فوجی کارروائی جاری رہی۔

سنہ ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلغ خاں بھی بھی اس کا شریک ہوگیا۔ اس کے بعد یہ دونوں دہلی کی طرف بڑھے لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔

سنہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جو ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔

سنہ ۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء میں خاص عساکر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کئے گئے۔ دارالحکومت میں امن وسکون رہا اور حاکم لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔

سنہ ۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء میں الغ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا اور ہلاکو خاں (مغل) کی طرف سے ایک سفارت دہلی آگئی۔

سنہ ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں ۱۱ جمادی الاول کو بادشاہ نے انتقال کیا۔[1]

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ تا ۱۲۶۵ء - ۱۲۸۷ء

بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا۔ اور "طائفۃ البری" اس کے قبیلہ کا نام تھا۔ اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے اس حصۂ ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آگیا۔ ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین بصری

---

[1] اسلامی نگار نمبر   [2] فرشتہ صفحہ ۷۱۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے مثلِ اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی اخلاق سے متصف کیا۔ پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا[۱]

ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے روبرو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بدصورت تھا۔ بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ "جہاں پناہ اور غلام کس کے لئے خرید کئے گئے ہیں۔ التمش نے ہنس کر جواب دیا" اپنے لئے" بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لئے مول لے لیجئے۔ یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو مول لے کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی۔

بلبن کی ترقی چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات و خصائل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی۔ اس وجہ سے اس کا تقرب بڑھتا گیا۔ رضیہ کے عہد میں میر شکار ہو گیا اور سلطان بہرام شاہ نے اس کو میر آخور بنا دیا۔ سلطان علاؤ الدین مسعود کے زمانے میں "امیر حاجب" ہو گیا اور سلطان ناصر الدین نے تو تمام امورِ سلطنت ہی اس کے سپرد کر دیئے۔ یہاں تک کہ ناصر الدین کے بعد بالاتفاق سب امراء نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا"

بلبن کی فرض شناسی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں یہ صرف ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا اس وقت وہ عیش و تفریح کی طرف مائل تھا۔ بذلہ سنج، ندیم اور خوش گلو مغنی اس کی محفل میں رہتے تھے اور وہ بھی بادہ خواری، قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کا ورق ہی الٹ دیا۔ نہ کہیں محفلِ عیش و طرب تھی نہ بادہ خواری۔ وہ حد درجہ متین و سنجیدہ ہو گیا۔

---

[۱] فرشتہ صفحہ ۷۶۔

شراب خوری کو نہ خود ترک کیا بلکہ عام طور سے اس کے استعمال کی سخت ممانعت کر دی۔ نماز، روزہ کا سختی سے پابند ہو گیا۔ یہاں تک کہ اشراق و تہجد کی نماز بھی وہ ترک نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔ بغیر علماء و صلحاء کی صحبت کے کھانا نہ کھاتا۔ ہمیشہ ان سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا رہتا اور مشائخ کے مکانوں پر خود حاضری دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا۔ اکابر کے جنازوں میں حاضر رہتا اور اگر راستہ میں مجلس وعظ برپا دیکھتا تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر سنتا۔ یہ تھا اس کے زہد و ورع کا عالم"۔

انتظامِ سلطنت انتظام سلطنت کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ جب تک وہ پوری طرح کسی شخص کی شرافت نفس اور اہلیت کو معلوم نہ کر لیتا۔ اس وقت تک اس کو کوئی عہدہ نہ دیتا اور اگر کوئی ملازم یا حاکم صلاح و تقویٰ، دیانت و امانت سے منحرف ہو جاتا تو فوراً معزول کر دیتا۔ کبھی رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا۔ کسی ہزل گو یا مسخرہ کو دربار میں آنے نہ دیتا اور ہمیشہ نہایت سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا۔ وہ قہقہہ سے کبھی نہ ہنستا تھا اور نہ کسی اور کو جرأت ہوتی تھی کہ وہ اس کے سامنے ہنسے۔

فیاضی و دریادلی ملحقات طبقات ناصری مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ فتنۂ چنگیز خانی سے بھاگ کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان و عراق، فارس اور روم و شام وغیرہ کے پندرہ شہزادوں نے بلبن کی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ بلبن نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک محلہ الگ کر دیا تھا اور سب کے شاہانہ وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں وسط ایشیا اور اس کے جوار کے تمام صاحبان کمال تاتاری فتنہ سے پریشان تھے اس لئے ان کے لئے سوائے سلطنت دہلی کے اور کوئی مامن نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ :-

"زبدۂ و نخبۂ و خلاصۂ عالم از اصحاب سیف و قلم و سازندہ و خوانندہ و ارباب مہتر کہ در ربع مسکون عدیل و نظیر نہ داشتند در درگاہِ بلبن جمع شدہ بودند و درگاہِ محمودی و سنجری ترجیح می دادند"[1]

عدل پروری بلبن کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم ظاہر ہوگا تو میں بغیر سزا دیئے ہوئے نہ چھوڑوں گا۔ جو نصیحتیں وہ اپنی اولاد کو سناتا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس اصول پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بار اپنے بیٹوں سے کہا کہ "دیکھو ایک بادشاہ کی نجات چار باتوں پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ وہ خدا سے ڈر کر رعایا کے آرام و سکون کا انتظام کرے۔ دوسرے یہ کہ فسق و فجور کا ملک سے استیصال کلی کر دے۔ تیسری یہ کہ خدماتِ حکومت ہمیشہ خدا ترس، امین اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے۔ چوتھی بات یہ کہ ظلم و ستم نہ ہونے دے اور انصاف کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرے۔

ایک بار ملک نعیق پسر جامدار نے جو امراء کبار میں سے تھا اور ولایت بدایوں اس کی جاگیر میں تھی، حالتِ مستی میں ایک فراش کو اس قدر دُرّے مارے کہ وہ مر گیا۔ جب سلطان بلبن بدایوں پہنچا تو فراش کی بیوی دربارِ عام میں حاضر ہوئی۔ سلطان بلبن نے اسی وقت سب کے سامنے ملک نعیق کو طلب کیا اور اس قدر دُرّے لگوائے کہ وہ بھی مر گیا اور بدایوں کے بریدوں (پرچہ نگاروں) کو جنھوں نے اس واقعہ کی اطلاع اسے نہیں دی تھی، انہیں شہر کے پھاٹک پر سُولی دے دی۔

اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبن کے نہایت معتبر غلاموں

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۰۔

میں سے تھا اور اقطاع اودھ جاگیر میں رکھتا تھا، ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا۔ اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی۔ سلطان نے ہیبت خاں کو طلب کر کے پانچ سو دُرّے لگوائے اور عورت سے کہا:

"ہیبت خان آج تک میرا غلام تھا۔ لیکن آج سے تُو اس کی مالک ہے تجھے اختیار ہے چاہے مار ڈال چاہے معاف کر دے"

بہ مشکل تمام ہیبت خاں نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی[1]

محکمہ جاسوسی سلطان بلبن نے سلطنت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے جاسوس یا برید مقرر کر دیئے۔ وہ نہایت سختی سے احتساب کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جاسوس کوئی غلط خبر اس تک پہنچا سکتا تھا اور نہ حکام کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے کا یارا تھا۔

فوج کی تہذیب و ترتیب بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی تمام فوج کا جائزہ لیا اور کمان ایسے ہاتھوں میں دی جن کی وفاداری مسلّم تھی۔ بلبن اپنی سلطنت میں دورہ بھی کثرت سے کیا کرتا تھا۔ اور خود انتظامی حالات کو دیکھ کر ان میں اصلاحیں کیا کرتا تھا۔ ہر چند وہ نظم و نسق کے باب میں بہت سخت تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بہت رحم و کرم کرتا اور ضعفاء کا بہت خیال رکھتا تھا۔

رحم و کرم ایک بار بلبن کو معلوم ہوا کہ عہد شمسی (شمس الدین التمش) کے بہت سے سپاہی ضعیف ہو کر بے کار ہو گئے ہیں۔ بلبن نے حکم دیا کہ جو مواضعات ان کے پاس ہیں خالصہ میں لے لئے جائیں اور ہر ایک کے لئے تین تنکہ بطور مدد معاش کے مقرر کر دیا جائے۔ اس سے ان لوگوں میں سخت اضطراب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد سوم صفحہ ۱۰۱۔

پیدا ہوگیا اور سب کے سب ملک فخرالدین کوتوال کے پاس روتے ہوئے آئے۔ کوتوال ملول و مضمحل سلطان کی خدمت میں گیا اور دریافت کرنے پر عرض کی کہ "جہاں پناہ آپ نے ضعفاء کو اپنے رحم و کرم سے محروم کر دیا ہے۔ اگر خدا نے قیامت کے دن بھی اسی طرح ہم ضعیفوں کو مردود کر دیا تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟"

یہ سن کر سلطان بلبن بہت رویا اور فرمایا کہ نہج سابق پر سب کی معاش بحال رکھی جائے اور آئندہ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔[1]

باغیوں کی سرکوبی سفر کے دوران میں اگر کسی پل، گھاٹ یا گزرگاہ عام پر پہنچ جاتا تو اپنے سرداروں کو مقرر کرتا کہ سب سے پہلے عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور کمزور جانوروں کے گزر جانے کا انتظام کریں اور پھر دوسرے لوگ عبور کریں۔

سلطان بلبن کبھی اس کو گوارا نہ کرتا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بغاوت یا نقضِ امن کا مجرم ہو وہ مفسدوں اور باغیوں کو سخت سزائیں دیتا اور خود فوج لے جا کر سرکوبی کرتا۔ طغرل کی بغاوت، میواتیوں کی شورش، اس کے عہد کے خاص واقعات ہیں۔ پھر بلبن نے جس طرح ان فتنوں کو فرد کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں بھی خاص ملکہ رکھتا تھا۔

شکار کا شوق بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس تک کا جنگل شکار کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزاروں سواروں کی جمعیت لیکر نکل جاتا۔ اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سیاہ پیادہ فوج کی بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اس قدر شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صہ ۱۰۸۔

ہے۔ وہ بظاہر شکار کو جاتا ہے لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں اور خطرہ و ضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں۔ [1]

سطوت و جبروت سلطان غیاث الدین بلبن اپنے تمام صفات رحم و کرم بذل و نوال کے ساتھ سطوت و جبروت بھی بدرجۂ اتم قائم رکھتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اس نے اپنی ہیبت و عظمت بہت قائم کر رکھی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال جب اس نے جلوس نکالا تو سینکڑوں کوس سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے اور اس قدر تزک و احتشام کی نمائش کی گئی کہ دنیا متحیر تھی۔

خودداری بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے اس شان و شوکت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی خادم گستاخ نہ ہو جائے اور اس لئے وہ کبھی کسی سے بے تکلف ہو کر نہ ملتا تھا۔ اس کے بعض ایسے خادم جو ہر وقت خلوت میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کو خلوت کے نصف لباس میں نہیں دیکھا وہ ہمیشہ اپنے پورے لباس میں ملبوس نظر آتا تھا۔ [2]

بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل بلبن کے بڑے بیٹے کا نام محمد سلطان تھا جو بعد کو خان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت کے انتظام میں بلبن نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ فضیلت دانش و ہنر میں بھی وہ بے مثل شخص تھا۔ اور اس کا دربار علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ صاحبان فضل و کمال اور شعراء عصر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتے اور وہ اپنی شاہانہ بخشش سے سب کو مالا مال

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۰

کردیتا۔ امیر خسرو جن کی ذات پر ہندوستان کو فخر حاصل ہے اور خواجہ حسن جو بہترین شاعر تھے اس کے علمی دربار کے رکن تھے ۔

محمد سلطان کی تہذیب محمد بڑا مہذب و شائستہ تھا کہ علماء کی مجالس میں ایک پہلو سے اس کی رات بسر ہو جاتی وہ قسم نہ کھاتا اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تو صرف "حقا" کہہ دیتا۔ عمر بھر اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں نکلا۔ اس کی مجالس میں زیادہ تر شاہنامہ دیوان خاقانی و انوری خمسہ نظامی اور اشعار امیر خسرو پڑھے جاتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :۔

"بہ جدتِ طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متاخرین ہمچو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام"۔

محمد سلطان کی بیاض محمد سلطان کے پاس ایک بیاض تھی جس میں اس نے بیس ہزار اشعار قدماء کے انتخاب کئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن کا بیان ہے کہ "اس سے بہتر انتخاب کوئی دوسرا کر ہی نہ سکتا تھا۔ جب محمد سلطان شہید ہوا تو اس بیاض کو سلطان بلبن نے امیر علی جامدار کے سپرد کیا اور پھر یہاں سے حضرت امیر خسرو کے پاس پہنچی اور اس سے بہت سے صاحبانِ ذوق نے اشعار کا انتخاب کیا۔

بزرگوں کا احترام ملتان کے قیام کے زمانہ میں شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے درویش تھے تشریف لائے۔ محمد سلطان نے تحائف پیش کر کے ملتان کے قیام کی درخواست کی اور خانقاہ تعمیر کرا کے دیہات وقف کر دینے کا وعدہ کیا لیکن شیخ نے قبول نہ کیا ۔

ایک بار صحبت سماع سلطان محمد کے یہاں تھی۔ شیخ عثمان اور شیخ صدرالدین بن شیخ بہاؤالدین زکریا بھی موجود تھے۔ کسی شعر پر ان لوگوں کو رقت طاری ہوئی تو سلطان محمد فرط تاثر سے بے تاب ہو گیا اور ان حضرات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر زار زار رونے لگا۔ سلطان محمد نے دو بار اپنا خاص

آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدی شیرازی کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی۔ لیکن شیخ نے اپنی ضعیفی کا ذکر کر کے معذرت چاہی اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو وہاں موجود ہیں ان کی قدردانی فرمائی جائے۔

شہادت مغلوں کے مقابلہ میں محمد کو شہادت نصیب ہوئی۔

علماء و مشائخ بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحبِ کمال موجود تھے۔ مثلاً شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج، شیخ الشیوخ بہاء الدین زکریا، شیخ صدرالدین بن شیخ بہاء الدین، شیخ بدرالدین غزنوی، خلیفہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔

علاوہ مشائخ و علماء کے اور لوگ بھی خاص خاص صفات کے موجود تھے۔ مثلاً ایک کشلی خاں جو تیر اندازی، نیزہ بازی، اور دیگر فنونِ حرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح بلبن کا برادر زادہ علاء الدین محمد بن اعزالدین جو مجلس آرائی اور بخشش و کرم میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔

مصر و شام و روم و بغداد، عراق و خراسان وغیرہ سے شعراء اور اکابر علماء آتے تھے اور اس کے بذل و نوال سے بہرہ مند ہو کر نہایت مطمئن و مسرور واپس جاتے تھے۔ ایک بار خواجہ شمس الدین اور خواجہ معین الدین، قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص نے چند اشعار علاء الدین کی مدح میں کہہ کر مغنیوں کو یاد کرا دیئے اور تاکید کر دی کہ تقریب نوروز (جشن بلبن) میں اُن کو گا کر سنائیں۔ جب جشن منعقد ہوا تو مطربوں نے وہی اشعار مدح سنائے۔ علاؤالدین بھی موجود تھا، یہ سن کر مجلس سے اُٹھ گیا اور گھر پہنچ کر دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین کو طلب کر کے مجلسِ نوروز کا تمام سامان و اسباب جو اُس نے اپنے لئے ترتیب دیا تھا اُٹھا کر خواجہ شمس الدین کو دے دیا اور دس ہزار تنکہ مطربوں کو بلا کر دیا۔

لہ اسلامی ہند نگار ۲ہ تاریخ فیروز شاہی جلد سوم ص ۱۱۰ ۳ہ فرشتہ ص ۸۳۔

اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں اس کے پاس سوائے اس کپڑے کے جو اس کے جسم پر تھا کچھ باقی نہ تھا۔[1]

حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ بلبن ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے وزیر پھر بادشاہ بنا اور چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ انتظامِ سلطنت عدل و انصاف، بیدار مغزی، دور اندیشی، رحم و کرم، علم پروری، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے سلطان بلبن اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا مسرور و مطمئن تھی عمال امین و متدین تھے۔ علماء فضلاء شعراء و مشائخ کا ہجوم تھا۔ علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے اُبلتا ہوا نظر آتا تھا۔ ملک میں ہر جگہ امن و سکون کی حکومت تھی۔ تمام ایشیا کے بڑے بڑے شہزادے، امراء اور شعراء دربار کی رونق بڑھا رہے تھے اور حضرت امیر خسرو کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ :-

"اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیا کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا، دہلی پر رشک کر رہا تھا"۔

فراست و دانائی غیاث الدین بلبن کی تمام سیاسی زندگی ایک مرقع ہے۔ اس جرأت و بسالت و فراست و دانائی کا جو تمام مسلم فرمانروایانِ ہند میں بہت کم نظر آتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا راز بلبن نے بیس سال تک ناصر الدین محمود شاہ کی جس محنت و صداقت سے خدمت انجام دی اس کی اہمیت، اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے، جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ زمانہ کس سازش و بغاوت کا تھا اور مغلوں نے حکومت ہند کے قیام کو کس قدر دشوار بنا دیا تھا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۸۷۔

ناصر الدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ قرآن مجید لکھ کر اپنی معاش بہم پہنچاتا تھا اور اس کی اکیلی بیوی بغیر اس کے کہ کوئی خادمہ اس کی مدد کرے کھانا پکایا کرتی تھی۔ وہ ایک فیاض طبیعت فاضل شخص تھا اور ہمیشہ علماء و حکماء کی صحبت پسند کرتا تھا۔ لیکن ساتویں صدی کے پُر آشوب عہد کے لئے وہ یقیناً کسی طرح موزوں نہ تھا جبکہ ہندوستان کو ایک نہایت ہی سخت گیر جنگ جُو اور سیاست دان بادشاہ کی ضرورت تھی۔ پھر باوجود ان صفات کے فقدان کے جو کامیابی ناصر الدین کو حاصل ہوئی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ بلبن اس کا دست راست تھا اور اس نے ساری سلطنت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔"

مغلوں کے حملہ کا دفاع

اس وقت ہندوستان کی اندرونی حالت بھی ہندوؤں کی بغاوت سے خطرناک تھی اور مغلوں کے حملوں نے اور زیادہ اسے ہولناک بنا دیا تھا۔ لیکن یہ بلبن ہی کا دماغ تھا جس نے بیک وقت ان دونوں کا انسداد کر دیا۔

باغیوں کی سرکوبی

اُدھر پنجاب کی طرف شیر خاں اپنے برادر عم زاد کو متعین کر کے مغلوں کی پیش قدمی روک دی اور ادھر اندرونِ ملک میں باغیوں کی ایسی سخت سرکوبی کی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ علاوہ اس کے اور ایک مصیبت ترک امراء کی بھی تھی۔ جن کی سازشوں اور بغاوتوں نے سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا۔ مگر بلبن ان کا بھی حریف غالب ثابت ہُوا اور کامل بیس سال تک اس نے ناصر الدین کی سلطنت کو اس قدر حسن انتظام کے ساتھ چلایا کہ تاریخ مشکل سے ایسی دوسری نظیر پیش کر سکتی ہے۔

جب ناصر الدین کے بعد خود اس کا عہد سلطنت شروع ہُوا تو حالات بدستور تھے۔ ترک خوانین اب بھی موقع کے منتظر تھے۔ ہندو بغاوتیں کرنے کے لئے صرف ذرا سا بہانہ چاہتے تھے۔ قرب و جوار کے لٹیرے دہلی کے دروازے تک آ کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ مغلوں کی جماعتیں سرحد پر منڈلا

رہی تھیں اس لئے اگر اس نے سختی سے کام لیا تو وہ معذور تھا اور اس کو بحیثیت ایک دانشمند فرمانروا کے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔

اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے قرب وجوار کی لوٹ مار کا سدباب کیا اور دہلی کے نواح میں جس قدر گاؤں آباد تھے ان میں عسکرِ سلطان نے گھس گھس کر قزاقوں کو گرفتار کیا۔ جنگلوں کو صاف کیا اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی قربانی کر کے ان غارتگروں کی کمین گاہوں کو پُر امن قابل زراعت ضلع میں تبدیل کر دیا۔

قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر اس نے تمام ایسے مقامات میں جہاں فتنہ پردازوں کو فساد پیدا کرنے کا موقع ملتا تھا، قلعے تعمیر کرائے۔ چوکیاں قائم کیں اور اس طرح تمام ان راستوں کو صاف اور پُر امن بنا دیا جو بقول ضیاء برنی :۔

> ”وہ ساٹھ سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے اور لوگوں کی آمد و رفت وہاں مسدود تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام نرمی و آسانی سے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب بلبن کو کسی ایسے گروہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً شیر کی طرح وہاں پہنچ گیا اور شیر ہی کی طرح دشمنوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس غرض سے اس نے بہت سے جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوادیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تدبیر اس کی بہت کارگر ہوئی۔“

ترک جاگیرداروں کا انتظام دوسرا مرحلہ ترک جاگیرداروں کا تھا جو جاگیروں پر اپنا موروثی حق قائم کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ سب بلبن ہی کی قوم وقبیلہ کے تھے اور انہیں ”چہل گانی“ امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا ایک فرد خود بلبن بھی تھا۔ لیکن بلبن نے مطلقاً ان کی رعایت نہیں کی اور بڑی حد تک ترک امراء کے خود سرانہ اقتدار کو گھٹا دیا حتیٰ کہ شیر خاں کو بھی جو خود اسی کا بنایا ہُوا تھا اس نے فنا کر دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

تیسری خلش مغلوں کے حملہ کی تھی۔ چنانچہ بلبن نے اس غرض سے ایک بڑی

زبردست اور مہذب فوج مرتب کی اور اکثر و بیشتر دارالحکومت میں اپنا وقت صرف کیا تاکہ وہ پوری طرح اپنی مرکزی قوت سے مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اگر وہ کبھی اس طرف کا رُخ کریں۔ یہی سبب تھا کہ اپنی ساری حکومت میں اس نے دور دراز مقام کی طرف ایک مہم (بنگال) اختیار کی، جہاں عرصہ سے لوگ آمادۂ بغاوت تھے اور حاکموں کا اقتدار قریب قریب اُٹھ چکا تھا۔

بختیار خلجی کے بعد سے پندرہ گورنر وہاں حکمران رہ چکے تھے لیکن چونکہ دہلی سے بنگال بہت دور واقع تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت کا اثر وہاں بہت کمزور تھا۔

بنگال کی مہم

جس وقت غیاث الدین بلبن تخت نشین ہُوا تو طغرل (بلبن کا محبوب ترین غلام) بنگال کا گورنر تھا، اس کو اڑیسہ کی طرف بہت کامیابی ہوئی اس لئے کچھ تو وہاں کی دولت سے بدمست ہو کر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ بلبن مغلوں کے خلاف اپنی تدبیروں میں مصروف ہے۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بلبن نے ایک فوج اُس طرف روانہ کی لیکن طغرل نے تلوار اور دولت دونوں کی قوت سے کام لے کر کامیابی حاصل کی اور افواج دہلی کے اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔

بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی

بلبن جوانِ مناظر سے آشنا نہ تھا، یہ خبریں سُن کر سخت برافروختہ ہُوا اور اُس نے فوج کے جنرل اتبگین کو اودھ میں سُولی دے کر اپنا غصّہ فرو کیا۔ اس کے بعد اُس نے دوبارہ فوج روانہ کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اب بلبن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ خود وہاں جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ محمد کو تو مغلوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا اور خود اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو ساتھ لے کر باوجود اس کے کہ بارش سخت تھی لکھنوتی کا عزم کر دیا۔ کہیں اس نے دریاؤں کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کیا۔ کہیں کیچڑ پانی میں یونہی گھوڑا ڈال کر وادیوں کو طے کیا۔ الغرض عجیب و غریب سکندرانہ عزم کے ساتھ

اس نے کوچ کیا۔ حتیٰ کہ لکھنوتی پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ طغرل مع اپنی فوج اور ذخائر کے جاجنگر بھاگ گیا ہے۔

بلبن اس سے اور زیادہ برہم ہوا اور عہد کیا کہ "میں دہلی کا اس وقت تک نام بھی نہ لوں گا جب تک کہ باغیوں کا اچھی طرح خون نہ بہالوں۔" چنانچہ طغرل بیگ کا تعاقب کیا گیا اور کچھ عرصہ تک مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ چند دن بعد اتفاق سے بلبن کے ایک دستہ فوج کو بنجاروں کا ایک قافلہ ملا جو طغرل کے لشکر سے واپس آرہا تھا اس سے سارا پتہ معلوم ہوا اور چالیس سپاہیوں کے "مقدمتہ الجیش" نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دشمن کے سپاہی اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی گا بجا رہا ہے، کوئی کپڑے دھو رہا ہے۔ ہاتھی گھوڑے اِدھر اُدھر چر رہے ہیں۔

اس دستہ نے خیال کیا کہ اگر اصل فوج کو خبر کی گئی تو اس وقت تک طغرل یہاں سے کوچ کر جائے گا اس لئے انہوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور سیدھے طغرل کے خیمہ میں حملہ کر دیا۔ طغرل یہ ہنگامہ سُن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگا۔ لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ بعد کو اس کے ساتھی بازار لکھنوتی میں تہ تیغ کر دیئے گئے۔

بلبن جب اس سے فارغ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو بلا کر، یہاں کا گورنر مقرر کیا اور حلف لیا کہ وہ تمام بنگال کو اپنے قبضہ میں لا کر ہمیشہ اطاعت کرتا رہے گا۔ اس کے بعد اس نے شہزادے سے پوچھا "کیا تم نے دیکھا؟" وہ اس سوال کا مطلب نہ سمجھا۔ دوبارہ پھر یہی پوچھا تو وہ اس مرتبہ بھی خاموش و متحیر رہا۔ تیسری بار پھر بلبن نے یہی سوال کیا اور اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی بیان کی کہ

"تم نے دیکھا جو سزائیں میں نے باغیوں کو دی ہیں اگر کبھی تم نے حکومت دہلی سے انحراف کیا تو یاد رکھو کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو تم نے ابھی

بازار لکھنوتی میں دیکھا۔"

اس تنبیہ کے بعد بلبن تو دہلی واپس چلا آیا اور تقریباً نصف صدی تک بغرا خاں اور اس کی اولاد نے بنگال میں حکومت کی۔

انتقال بلبن کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہو گئی تھی اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہار تأثر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخر کار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

بلبن نے بہ حیثیت شاہ و وزیر، چالیس سال تک حکومت کی۔ یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت ہی عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

معزالدین کیقباد

بلبن نے اپنی اولاد میں جانشین نہ چھوڑا تھا۔ اس کا منشا محمد کو ولیعہد بنانا تھا۔ جب وہ شہید ہو گیا تو اس نے بغرا خاں کو طلب کیا لیکن اس نے بنگال کی پُرتعیش زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے بلبن نے برہم ہو کر محمد کے بیٹے کیخسرو کو نامزد کر دیا۔

جب بلبن کا انتقال ہُوا تو امراء نے کیخسرو کو نظر انداز کر دیا اور بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کر دیا۔ یہ ایک اچھے اخلاق کا شہزادہ تھا۔ لیکن اس کی پرورش اس قدر خلوت میں ہوئی تھی کہ وہ سوائے لطف و تفریح کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہ تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے

عیش و عشرت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا اور سارا انتظام سلطنت اپنے نائب نظام الدین کے سپرد کر دیا۔

نائب السلطنت کے نظام نظام الدین بے انتہا ہوشیار شخص تھا اس لئے اُس نے کیقباد کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خود بادشاہ بن جانے کی تدابیر شروع کیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کیخسرو پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے بعد نومسلم مغلوں کا قتل عام کرایا جو دہلی میں آباد تھے۔ اس نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی کشیدگی پیدا کرا دی۔ لیکن بعد کو جب اودھ میں دریائے سرجو پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو معاملہ صاف ہو گیا اور برہمی دُور ہو گئی [1]

وزیر نظام الدین کا قتل جب دہلی واپس آیا تو وزیر نظام الدین کو زہر دے کر مروا ڈالا اور اس کے بجائے جلال الدین خلجی گورنر سامانہ وزیر مقرر ہُوا۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں لکھا ہے کہ جب سلطان کیقباد ۶۸۶ھ میں تخت نشین ہُوا تو پانچ ہزار امراء اس کے دربار میں تھے اور ایک لاکھ فوج اس کی حضوری میں رہتی تھی اور اس کی سلطنت بنگال سے دریائے سندھ تک وسیع تھی۔

اس کو علم و ادب کا فطری ذوق تھا۔ لیکن لہو و لعب کی مشغولیت سے وہ سب محو ہو گیا اور اس کا زمانہ بہ اعتبار ترقی علم و ہنر اور حسنِ انتظام کے بہت ناکامیاب ثابت ہُوا۔ سلطان کیقباد غلام خاندان کا آخری فرمانروا تھا۔"

[1] حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس کشیدگی و ملاقات کا حال تفصیل سے درج کیا ہے۔

خاندانِ خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ھ تا ۱۲۹۰-۱۲۹۵ء

سلطان کیقباد کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی۔ اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے۔ اوّلین فرمانروا جلال الدین تھا اور آخری ناصر الدین خسرو شاہ۔ جلال الدین فیروز شاہ کی تاریخ اورنگ نشینی امیر خسرو نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ تحریر کی ہے اور یہی تاریخ زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ بادشاہ ہوتے ہی چھترِ شاہی کا رنگ سرخ تھا اس کے بجائے سفید کیا گیا۔ اور بلبنی خاندان کے ساتھ سلوک ہوا بلکہ بلبن کے برادر زادہ ملک چھجو کو کڑہ کی ولایت سپرد کی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام و خواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے اور قصر کیلو کھڑی میں جاکر اس کی معیت کی۔

غرضیکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو ناتمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کے اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا۔ مسجد و بازار کی طرح ڈالی۔ اُمراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی بگڑ کر نئی دہلی قائم ہو گئی اور بادشاہ نے اپنی سکونت مستقلاً یہیں اختیار کر لی۔

سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحمدل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں درگذر کر دیں۔

جلال الدین کی سلامت طبع جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قصر کے پاس اترا تو اس نے نماز شکرانہ ادا کی اور باواز بلند کہا میں کیونکر خدا کا شکر ادا کر سکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں نے برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں اس کے بعد وہ کوشک محل میں جو غیاث الدین بلبن کا محل خاص تھا گیا اور وہاں پہنچتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ ملک احمد حبیب نے عرض کیا کہ:۔

"سواری سے اترنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ قصر بھی بادشاہ کی ملکیت ہے۔"

جلال نے کہا کہ "یہ میرے آقائے ولی نعمت کا قصر ہے اور مجھ پر اس کی تعظیم فرض ہے۔"

پھر ملک حبیب احمد نے کہا کہ "بادشاہ کو یہیں سکونت اختیار کرنی چاہیئے۔"

جلال الدین نے جواب دیا کہ "اس عمارت کو شاہ بلبن نے اپنی سرداری کے عہد میں تعمیر کرایا تھا اس لئے یہ اس کے ورثاء کی ملکیت ہے میں صرف عارضی مصلحت کی وجہ سے قواعدِ اسلام کو ترک نہیں کر سکتا۔"

جب کوشک محل کے اندر جلال الدین پہنچا تو وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جہاں شاہ بلبن بیٹھا کرتا تھا بلکہ امراء کی نشست میں جلوس فرما کر حاضرین سے کہا کہ اتیمر کچن اور اتیمر سرخہ کا گھر تباہ ہوا کہ انھوں نے میرے مار ڈالنے کا قصد کیا اور میں اپنی جان کے اندیشہ سے اس گناہ کا مرتکب ہوا وہاں کہاں بادشاہی اور کہاں میں؟ دیکھئے مآل کار کیا ہوتا ہے اور میری اولاد پر کیا گزرتی ہے۔"

حلم و کرم جلال الدین بے انتہا حلیم و کریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دیتا تو کبھی اس میں تغیّر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو بھی اُنہیں ذلیل نہ کرتا۔

وہ امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان سے ملتا۔

علم پروری وہ علم دوست بھی اسی درجہ کا تھا۔ حضرت امیر خسرو، تاج الدین عراقی، خواجہ حسن، موید جاجرمی، مویدِ دیوانہ، امیر ارسلان کلامی وغیرہ جو اپنے عہد کے بڑے فاضل و کامل لوگ تھے، جلال الدین کے ندیم تھے۔ امیر خاصہ، حمید راجہ غزل خوانانِ دربار میں سے تھے اور محمد شاہ چنگی، فتو خاں، نعیر خاں اور بھرور جو موسیقی کے بے بدل ماہر تھے اس کے مطرب تھے۔ امیر خسرو روز اس کی مجلس میں کوئی نہ کوئی نئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی۔ جب جلال الدین عہدۂ میر جامداری سے ترقی پاکر عارض ممالک کے درجے پر پہنچا تو اسی وقت امیر خسرو کو اپنے پاس بلا لیا اور سفید جامہ و کمر بند عنایت کر کے جو امراء کبار کے لئے مخصوص تھا، ان کو مصحف داری کی خدمت سپرد کر دی اور بہت بڑا منصب مقرر کر دیا۔ جب بادشاہ ہوا تو یہ التفات اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور دہلی کے شاہی کتب خانہ کا اہتمام امیر خسرو کے سپرد کر دیا[1]

جلال الدین کی شاعری جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا۔ چنانچہ بدایونی نے اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں:۔

؎ آں زلفِ پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یک شب بہ کنارائی
ہاں بانگ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم

اسی طرح جب وہ محاصرۂ گوالیار میں مصروف تھا تو وہاں اس نے ایک عمارتِ مقبرہ تیار کرائی اور یہ رباعی تصنیف کی تاکہ بطور کتبہ کے وہاں درج کی جائے:۔ ؎

مارا کہ قدم برسر گردوں ساید	از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگ شکستہ زاں نہادیم درست	باشد کہ دلِ شکستۂ آساید

---

[1] فرشتہ ص۹۰ و طبقات اکبری ص۶۱۔

باغیوں کے ساتھ سلوک

غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے ولایت کڑہ میں سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا اور ایک عظیم لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہُوا۔ جب یہ خبر شاہ جلال الدین خلجی کو پہنچی تو اُس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ہراول بنا کر آگے روانہ کیا اور خود بارہ کوس کے فاصلہ سے عقب میں روانہ ہُوا۔ ارکلی خاں اور چھجو کا مقابلہ ہُوا جس میں چھجو کو شکست ہوئی۔ ارکلی خاں نے امیر علی میر جامدار اور دوسرے باغی امراء کو قید کر کے ان کی گردن میں دو شاخہ ڈال کر اونٹوں پر سوار کر دیا اور اپنے باپ کے پاس اسی حال میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر رومال ڈال لیا۔ اور بے اختیار ہو کر چیخ پڑا کہ "یہ کیا ہے؟" فوراً ان لوگوں کو اتارو اور حمام میں لے جاؤ"۔

جب یہ لوگ نہا چکے تو خاص خلعتیں عطا ہوئیں اور دربار میں بلا کر حد درجہ نرمی و محبت سے اُن کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے اس طرزِ عمل سے یہ لوگ سخت منفعل ہُوئے۔ لیکن بادشاہ اس کو بھی گوارا نہ کر سکا اور کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بغاوت کر کے کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہ تھا کہ مجھ سے مخالفت نمک حرامی ہوتی بلکہ تم نے اپنے ولی نعمت کی طرفداری کی اور یہ تمہارا فرض تھا"۔

خوں ریزی سے احتراز

اتفاق سے چند دن بعد چھجو کو بھی کسی زمیندار نے گرفتار کر کے پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور ملتان بھیج کر وہاں کے حاکم کو لکھا کہ "شاہ بلبن کے برادرزادہ کو نہایت دلجوئی سے رکھا جائے اور اس کے لئے تمام سامانِ عیش و تفریح کا مہتیا کیا جائے گا"۔

لوگوں نے کہا بھی کہ دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں ہے ان کو

قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن سلطان جلال الدین نے کہا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اور اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اب وقتِ آخر ہیں مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔"

اس واقعہ کو ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں نہایت تفصیل کیساتھ درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ "خود حضرت امیر خسرو نے اس واقعہ کی روایت اس سے کی تھی"۔[1]

نرمی و آشتی پسندی

سلطان جلال الدین کی نرمی و آشتی پسندی سے بعض مفسد مزاج خلجی برہم تھے اور نشۂ شراب کے وقت بسا اوقات کہ گزرتے تھے کہ "ایسے بادشاہ کو قتل کر ڈالنا چاہیئے"۔ سلطان جلال الدین کو یہ خبریں ملتی تھیں تو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ "شراب کے نشہ میں انسان ایسی ہی فضول باتیں بک دیا کرتا ہے ان پر اعتناء نہ کرنا چاہیئے"۔

جب سلطان کا رحم و کرم اس حد تک بڑھ گیا تو ایک دن ملک تاج الدین کوچی کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوئے اور نشہ کی حالت میں یہ فیصلہ کیا کہ "ملک تاج الدین بادشاہ ہونے کے قابل ہے"۔ ایک نے کہا کہ "میں اس نیم شکاری (چاقو) سے جلال الدین کا فیصلہ کئے دیتا ہوں"۔

دوسرے نے کہا کہ "ابھی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا"۔ بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو طلب کیا اور برہم ہو کر ایک تلوار ان لوگوں کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ "اگر تم میں کوئی مرد ہے تو اسی وقت نکل آئے اور مجھ سے مردانہ فیصلہ کر لے۔ ورنہ یوں فضول مزخرفات بکنے سے کیا فائدہ ہے؟"

سب لوگ نادم و منفعل کھڑے تھے اور بادشاہ کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر ملک ناصر "دوات مار" نے جو بادشاہ کا ندیم تھا اور خود بھی اس سازش کرنے والی جماعت میں شریک تھا۔ عرض کیا کہ "جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ نشہ کی حالت

---

[1] فرشتہ ص ۹۱ طبقاتِ اکبری ص ۵۵

ناموزوں نہ ہو گا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے"

چنانچہ ملکۂ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے"

سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ "میں نے ملکۂ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کر سکتا۔

امن پسندی جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائیں اور مالوہ فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرا دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں مؤرخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلطنت پر کوئی الزام اس سے عائد ہوتا ہے۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

ناموزوں نہ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے"

چنانچہ ملکۂ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے"

سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ "میں نے ملکۂ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کر سکتا۔

امن پسندی جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائیں اور مالوہ فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرا دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں مؤرخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلطنت پر کوئی الزام اس سے عائد ہوتا ہے۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

سیّد مولا کا قتل

سیدی مولا ایک درویش تھا جو" ولایت ملک بالا" سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری میں لکھا ہے کہ " یہ جرجان سے حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی زیارت کو ہندوستان آیا تھا اور حضرت شکر گنج کی اجازت سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ یہ ایک بزرگ صورت صوفی منش تھے۔ بہت جلد اُن کی شہرت عام ہوگئی اور تمام امراء خوانین و ملوک اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا لیکن اس کے مصارف شاہانہ تھے اور اسی وجہ سے لوگ زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اس نے زرِ کثیر صرف کر کے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور نہایت فراغدلی کے ساتھ لنگر جاری کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار من مَیدہ، دو سو من قند دو سو من شکر، پانچ سو من گوشت اور اسی قدر گھی کا صرف تھا۔ علاوہ اس کے وہ نہایت دریا دلی سے ایک ایک شخص کو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتا تھا۔ الغرض اس کی زندگی ایک معمہ تھی اور مخلوق نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا تھا۔ جب سلطان جلال الدین کا زمانہ آیا تو بھی اس کی یہی حالت تھی اور تمام امراء وغیرہ وہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں میں ایک شخص قاضی جلال الدین کاشانی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر کے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کر دی اور اب خانقاہ سلطان جلال الدین کے خلاف سازش کا مرکز ہوگئی۔ چند دن بعد سازش مکمل ہوگئی اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو جب بادشاہ نماز کے لئے باہر نکلے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور سیدی مولا کے دس ہزار مرید جمع ہو کر اپنے پیر کو تخت پر بٹھا دیں۔

اتفاق سے ایک شخص اس سازش میں ایسا بھی تھا جو سلطان جلال الدین کا بہی خواہ تھا۔ اس لئے وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور تمام حالات مفصل عرض

کر دیئے۔ بادشاہ نے ان سب کو طلب کر کے دریافت کیا کہ سب نے انکار کر دیا۔ اور تحقیقات سے بھی کوئی شہادت ایسی فراہم نہ ہو سکی جو جرم کو ثابت کر دیتی۔ لیکن چونکہ دیگر ذرائع سے اس سازش کا پایا جانا یقینی طور سے ثابت ہو چکا تھا اس لئے قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں عہدۂ قضاۃ پر بھیج دیا گیا اور دیگر امراء کو جو سازش میں شریک تھے خارج البلد کرا دیا۔

بعدہٗ سیدی مولا دست بستہ قصر کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ اس وقت کوٹھے پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے مولا سے گفتگو کی۔ اس وقت شیخ ابوبکر بھی جو جلال الدین کا بے انتہا ممنون تھا، اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "دیکھو سیدی مولا نے مجھ پر کیسا ظلم کیا ہے۔ کچھ تم ہی انصاف کرو"!

یہ سنتے ہی طوسی کے ایک مرید نے سیدی مولا پر حملہ کیا اور استرہ سے اس کو کئی جگہ زخمی کیا۔ قبل اس کے کہ سلطان کوئی آخری فیصلہ کرتا شہزادہ ارکلی خاں نے وہیں بالاخانہ سے ایک فیل بان کو اشارہ کیا اور اس نے دفعتہً اپنے ہاتھی سے سیدی مولا کو کچل دیا۔[1]

جلال الدین کو سازش کا حال برمحل نہ معلوم ہو جاتا تو نتیجہ یہی ہوتا کہ جلال الدین قتل کر دیا جاتا اور سلطنت اگر سیدی مولا کو نہ ملتی تو بھی ملک میں نقص امن اور فساد تو ضرور ہی ہو جاتا۔

حسن اتفاق کہ اس دن آندھی آئی اور اس سال قحط پڑا۔ عوام یہ سمجھے کہ سیدی مولا کے قتل کی وجہ سے یہ صورتیں پیش آئیں مگر یہ باتیں غیر وقیع ہیں۔

صفات

سلطان جلال الدین اپنی صفات کے لحاظ سے عجیب وغریب بادشاہ تھا اور اس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو اس کے فطری

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۳ - تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۶ - ۱۷

رحم ورافت کے منافی ہو۔

علاؤالدین کی سرکشی | ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء میں جب چھجو نے بغاوت کی حکومت کڑہ علاؤالدین کے سپرد کی گئی جو جلال الدین کا بھتیجا تھا اور داماد بھی۔ یہ بڑے عزم کا شخص تھا اور چاہتا تھا کہ مقبوضات کو بہت زیادہ وسیع کرلے۔ چنانچہ اس نے چند دن بعد بھلسہ پر لشکر کشی کی اجازت بادشاہ سے طلب کی اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کر کے دہلی آیا۔ بادشاہ بہت خوش ہُوا اور اقطاع کڑہ کے ساتھ اقطاع اودھ کا اضافہ بھی اس کی حکومت میں کر دیا۔ علاؤالدین نے بادشاہ سے چندیری پر تاخت کی اجازت طلب کی اور وہ بھی اس کو دی گئی۔ چنانچہ یہ کڑہ واپس آیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہُوا۔ حقیقت یہ ہے کہ چندیری کا صرف ایک بہانہ تھا۔ مقصود اس کا دکن کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہاں اپنی حکومت مستقلاً قائم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ساس ملکہ جہاں آرا اور اپنی بی بی سے آزردہ تھا اس لئے کہیں دور جگہ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کا حوصلہ موجود خدمات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند تھا اور وہ جلال الدین شاہ کی محبت و کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ایک خود مختارانہ فرماں روا کی حیثیت پیدا کرنے کا آرزو مند تھا۔

کڑہ میں اس نے کسی سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور سیدھا ایلچ پور پہنچا اور ۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء میں یہاں سے چل کر دیوگیر فتح کیا اور بہت سے مالِ غنیمت لے کر خاندیس ہوتا ہُوا مالوہ کا رُخ کیا اور یہاں سے کڑہ پہنچا۔

سلطان جلال الدین اس وقت گوالیار کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اسے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ علاؤالدین کی طرف سے مشتبہ ہو گیا تھا۔ اس لئے امراء سے رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعض نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کو چندیری پہنچ کر ڈیرے ڈال دینا چاہیئے تاکہ جب علاؤالدین اس طرف سے گزرے تو مجبوراً اسے حاضر ہو کر سارا مالِ غنیمت پیش کر دینا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کثرتِ دولت سے اس کا

دماغ منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کرلے بادشاہ کو یہ رائے پسند نہ آئی اور دہلی واپس آگیا۔

چند دن بعد علاؤالدین کی عرضداشت کڑہ سے پہنچی کہ میں تمام مالِ غنیمت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ میں ایک سال سے حاضر نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ میرے دشمنوں نے بادشاہ کو بدظن کر دیا ہو۔ اس لئے آتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر عفو و تقصیر کا فرمان خطِ مبارک سے لکھ کر بھیج دیا جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ علاؤالدین نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ اگر بادشاہ مع لشکر کے آئے گا تو وہ لکھنوتی پہنچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کرے گا۔

جب علاؤالدین نے بادشاہ کو یہ عرضداشت روانہ کی تو ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس بھی روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بادشاہ میری جان کا مالک ہے اور رنجش نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ اگر واقعی وہ میرے خون کا پیاسا ہی ہے تو مجھے مطلع کر دو تاکہ میں زہر کھا کر مر جاؤں یا کسی طرف نکل جاؤں۔ لیکن یہ خط صرف بادشاہ کے دکھلانے کا تھا خفیہ طور سے اس نے اپنے بھائی کو لکھ بھیجا تھا کہ اس خط کو دکھا کر بادشاہ کو اس بات کو آمادہ کرے کہ وہ بغیر لشکر کے کڑہ چلا آئے۔ چنانچہ الماس بیگ نے ایسے رنگ میں اس کا معاملہ پیش کیا کہ جلال الدین تنہا کڑہ جانے پر راضی ہو گیا اور الماس بیگ کو پہلے روانہ کر دیا اور ایک ہزار سوار لے کر کیلوگڑھی سے روانہ ہوا جب ڈبائی پہنچا تو خشکی کا سفر چھوڑ کر دریا کا سفر اختیار کیا اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء کو کڑہ پہنچا۔

جلال الدین کا قتل علاؤالدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجا تا کہ تنہا بادشاہ کو کشتی میں بٹھا کر لے آئے اور فوج ہمراہ نہ آسکے۔ چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین وقت پر جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر اتر کر علاؤالدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی [1]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی۔

سُلطان علاؤالدین خلجی[1]

۶۹۵ ، ۷۱۶ھ تا ۱۲۹۵ء - ۱۳۱۶

علاؤالدین اپنے چچا جلال الدین خلجی[2] کے عہد میں اس کی طرف سے کڑہ مانک پور کا حاکم تھا۔ ۶۹۴ھ/۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہونے کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بندیلکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان وندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا اور .. نفوس کو لے کر دیوگڑھ پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر دکن کی طرف بڑھ کر ایلچ پور پر قبضہ کیا۔ ان فتوحات سے علاؤالدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ علاؤالدین نے اپنے چچا اور خسر سلطان جلال الدین کو قتل کرا کے سلطنت دہلی حاصل کی جو تاریخ اسلام کا بدترین داغ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ فعل اسلام کے خلاف تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی شخص جس نے اپنی سلطنت کی ابتداء سفاکی سے کی ہو' باعتبار نظم ونسق، بہ لحاظ فتوحات ، بہ حیثیت دولت واقبال ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ تاریخ میں جس کی نمایاں حیثیت ہے۔

علاؤالدین کی بیدار مغزی

یہ صحیح ہے کہ علاؤالدین ظالم وسفاک تھا ، جاہل وناشائستہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تسلیم

---

[1] جلال الدین کے قتل کی خبر اس کی بیوی ملکہ جہاں کو ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خاں ابراہیم کو رکن الدین کا خطاب دیکر تخت نشین کیا۔ بڑے بیٹے ارکلی خان کا انتظار نہیں کیا وہ ملتان میں تھا اور برہم ہو گیا۔ رکن الدین عالم الدین کی آمد تک دلی کا حکمران رہا۔

[2] تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶ تا ۵۰ ۔

کرنا پڑے گا کہ وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا شخص تھا۔

سلطنت کی رونق علاؤالدین نے بیس سال تک حکومت کی اور اس زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے۔ بڑے بڑے راجاؤں نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلاء سرزمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہو گئیں مساجد کی رونق بڑھ گئی۔ مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبانِ دل اصفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے۔ دربار اساتذۂ فن کا مرکز بن گیا۔ ارزانی حیرت انگیز تک بڑھ گئی اور سلطنت ایسی نظر آنے لگی کہ اس سے پہلے جس کی نظیر نہ تھی۔ یہ تھا نظامِ حکومت اس مسلمان بادشاہ کے عہد کا جس کا شمار حد درجہ کے ظالم لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

دادودہش جب علاؤالدین کڑہ سے دہلی کی طرف تخت نشین ہونے کے لئے چلا تو اس نے حکم دیا کہ آزادی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دہلی پہنچتے پہنچتے ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ چونکہ جلال الدین کے قتل سے لوگوں میں برہمی پیدا ہو گئی تھی اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید دہلی میں جنگ کرنی پڑ جائے۔ اس لئے اس نے اس ذریعہ سے لوگوں کو مالوف کرنا چاہا اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ کر لی۔

ضیاء برنی لکھتا ہے کہ :۔

"ہر منزل پر پانچ من وزن ستارے (اخترِ زر) ایک سبک سی منجنیق میں رکھ کر اڑائے جاتے تھے اور ہزاروں آدمی اُن کے لوٹنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔"

تخت نشینی اسی طرح جب بعض امراء و خوانین دہلی سے علاؤالدین کے روکنے کے لئے روانہ کئے گئے تو علاؤالدین نے ان سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ دولت کے زور سے اُن کا مقابلہ کیا اور اس طرح سلطان جلال الدین (مرحوم)

کی تمام فوج کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ حسبِ روایت تاریخ علائی[1] ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ کو اور حسبِ روایت بیان تاریخ وصاف ذی قعدہ ۶۹۵ھ میں علاؤالدین دہلی پہنچا جہاں وہ دوبارہ (صحیح معنوں میں) تخت نشین ہوا۔

علاؤالدین نے عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر خاندانِ و امرائے جلالی میں سے ان لوگوں کو جن کی طرف سے ادعائے حکومت و تحریک بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا تہ تیغ کرا دیا۔ دوسری طرف دولت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طرف سے برہمی ختم ہو گئی۔ لوگ رام ہو گئے اور اس کے طرف دار بن گئے جس میں ضیاء برنی کے چچا اور باپ بھی تھے۔ برنی کے چچا ملک علاء الملک کو ولایت کڑہ سپرد کیا گیا۔ اس کے باپ مؤید الملک کو قصبہ برن کی نیابت و خوجگی مرحمت کی[2]

عزم و ثبات سلطان علاؤالدین بے انتہا سخت اور ظالم ہونے کی حد تک سخت گیر تھا۔ لیکن وہ ایک بے مثل سپاہی اور بڑے زبردست عزم کا بادشاہ تھا۔ جس وقت علاؤالدین کو معلوم ہوا کہ قتلغ خواجہ پسر دوا خاں (ماوراء النہر کا بادشاہ) دو لاکھ مغلوں کی جمعیتہ سے دریائے سندھ کو عبور کر چکا ہے اور اب تسخیرِ دہلی کے لئے چلا آ رہا ہے اور اس فتنہ مغل سے خائف ہو کر ہزاروں آدمی قرب و جوار سے بھاگ بھاگ کر روزانہ دہلی میں پہنچ رہے تھے۔ گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور محلات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان پناہ گزینوں سے نہ بھر گئی ہو۔ غلہ اور تمام اشیاء سخت گراں ہو گئی تھیں۔ چنانچہ علاؤالدین نے امراء کو جمع کر کے سب کی رائے طلب کی چونکہ دہلی کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ مغلوں کی مدافعت آسانی سے ہو سکتی۔ اس لئے اکثر امراء نے یہی رائے دی کہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام لے کر اس فتنہ کو دفع کر دینا چاہیئے۔ علاؤالدین نے یہ سن کر کہا کہ :-

---

[1] تاریخ علائی کا نام خزائن الفتوح ہے جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

[2] طبقات اکبری صفحہ ۶۸

"جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بتائیے کہ میں دُنیا کو اپنی صُورت کیونکر دکھا سکوں گا۔ کیا مُنہ لے کر گھر میں جاؤں گا اور میں کیا سلطنت کروں گا۔ نتیجہ جو کچھ ہو میں ان مغلوں سے جنگ کروں گا۔"

چنانچہ اس نے الغ خاں اور ظفر خاں کو سپاہ بیکراں کے ساتھ روانہ کیا اور شہر کا مناسب انتظام کیا۔

مغلوں کی شکست علائی فوج نے لاہور کے حدودِ میدان کیلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤالدین تاجِ فتمندی سر پر رکھے ہوئے دلی واپس آیا اور اپنے نام کے خطبہ میں اور سکوں میں سکندر ثانی کے لقب کا اضافہ کیا[1]۔

مشاورت فی الامر سلطان علاؤالدین خود سر بادشاہ ہوتے ہوئے ہمیشہ تمام امور ملکی سے اپنے امراء سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ایک صائب رائے کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو ترک کر دیتا تھا۔

نئے مسلک کے اجزاء اور فتح عالم کا خیال سلطان علاؤالدین نے دو سال کے اندر تمام خطرات کو دفع کر دیا اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کے حدود سلطنت کو بہت زیادہ وسیع کر دیا اور گجرات وغیرہ پر قابض ہو کر تمام امورِ سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت و جبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن سوچا کہ جس طرح نبی آخر الزمان نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو رواج دیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یار (الماس بیگ الغ خاں، ملک ہزبرالدین ظفر خاں، ملک نصرت خاں، سنجر الپ خاں) کی مدد سے کوئی شریعت قائم کروں

---

[1] بدایونی ۱۹۰، فرشتہ ۱۰۳، ۱۰۴۔ طبقات اکبری ص ۲۔

تو میرا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اس نے یہ قائم کیا کہ جس طرح سکندر رومی نے کشور کشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی۔ اسی طرح میں بھی خراسان و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان و حبش وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔

جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا اور اس کے امراء و ندیم خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ ایک دن علاء الملک کوتوال کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا۔ اس نے جرأت سے کام لے کر علاؤالدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور چونکہ اب سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ خیال قائم کرنا سخت نادانی اور خلافِ انصاف ہے۔ رہا سکندر کی طرح عزم جہاں کشائی کرنا، سو اس کے لئے دیکھ لیجئے کہ آپ کے پاس کوئی وزیر ارسطاطالیس کی طرح ہے جو آپ کی غیبت میں انتظام سلطنت کو درہم برہم نہ ہونے دے۔"

یہ سن کر علاؤالدین نے کہا کہ پھر اب میں کیا کروں؟ یہ تمام خزائن و دفائن کس کام میں لائے جائیں؟ علاؤ الملک نے کہا کہ ابھی تو ہندوستان کا سارا جنوبی حصہ تسخیر کے لئے پڑا ہوا ہے۔ ازتنبھور، چندیری، چتوڑ، مالوہ، دھار، اجین فتح کیجئے۔ علاوہ اس کے حدود کابل کا مستحکم کرنا ضروری ہے تاکہ مغلوں کی طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔"

علاؤالدین کی حق پسندی سلطان علاؤالدین نے یہ سن کر اپنے خیال سے توبہ کی اور اسی وقت علاء الملک کو دس ہزار تنکہ، دو آراستہ گھوڑے نہایت قیمتی زریں خلعت، طلائی کمربند جو وزن میں نصف من تھا اور دو گاؤں انعام میں دیئے۔[1]

---

[1] فیروز شاہی صفحہ ۱۷۰-۱۷۱۔

سلطان علاؤالدین راست پسندی کے ساتھ اصولِ سیاست سے بھی کما حقہٗ واقف تھا اور نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے تمام ذرائع صرف کر دیا کرتا تھا۔ جب وہ قلعہ رنتھنبور کی تسخیر کے لئے آمادہ ہُوا اور وہاں توقع سے زیادہ اس کو دیر لگی تو دہلی میں مسلسل تین چار سازشیں اس کے خلاف ہُوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان شاہ اکت خاں (برادر زادہ علاؤالدین) نے سازش کی اور اپنے نزدیک سلطان علاؤالدین کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن کامیاب نہیں ہُوا۔ اس کے بعد عمر خاں اور منگو خاں (علاؤالدین کے ہمشیر زادگان) نے سلطان کی غیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ لیکن یہ بھی گرفتار ہو کر اپنی سزا کو پہنچے۔ پھر آخر میں حاجی نامی ایک شخص نے زیادہ سنگین بغاوت کی۔ یہ امیر الامراء فخرالدین کوتوال سابق کا غلام تھا، اس نے دہلی کو خالی پاکر ہنگامہ مچادیا، جو مشکل سے فرو ہو سکا۔ گجرات کے نومسلموں کی بغاوت اس قبل ظاہر ہو چکی تھی۔

الغرض سلطان علاؤالدین متردد ہُوا اور بغاوتوں کے اس سلسلہ کو ختم کر دینے کے لئے اس نے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعض نے کہا کہ بدامنی کے چار اسباب ہُوا کرتے ہیں :۔

۱۔ خلق کے نیک و بد سے بادشاہ کا لاعلم رہنا۔

۲۔ شراب کا اعلانیہ استعمال، کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ ما فی الضمیر کو آزادی کے ساتھ ظاہر کر دیتے ہیں اور اس طرح باہم دگر فتنہ وفساد پر لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

۳۔ امراء و اعیان کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص و محبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آجاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

۴۔ زر و مال کی کثرت کہ جب بد اصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

محکمۂ جاسوسی کا قیام

علاؤالدین یہ سن کر متنبہ ہوا اور سب سے پہلے اس نے اپنی بے خبری دور کرنے کے لئے تمام ملک میں جاسوس مقرر کئے اور خبر رسانی کا ایک ایسا مکمل انتظام کیا کہ امراء وغیرہ جو باتیں رات کو اپنے گھر کے اندر کرتے تھے۔ وہ صبح کے وقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی تھیں اور جب امیر آتا تو بادشاہ ایک پرچہ پر لکھ کر اس کو دکھا دیتا کہ رات کو تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ خلوت و جلوت میں گفتگو کرنا دشوار ہو گیا اور سازش و سرگوشی کا بالکل سدباب ہو گیا۔

سڑکوں کی حفاظت

اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ سفر کرتے تھے اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب و جوار میں نہ تھا بلکہ کابل و کشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ و گجرات سے لے کر تلنگانہ و معبر تک ہر جگہ راستوں کے پرامن ہونے کی یہی کیفیت تھی اور راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی۔ اگر کوئی سیاح یا مسافر گاؤں میں پہنچتا تو مقدم اور اس کے گاؤں کے لوگ اس کو عزت کے ساتھ ٹھہراتے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتے۔

میخواری کا سدِباب

دوسرا انتظام شراب خواری کا تھا۔ ہر چند یہ ذرا مشکل کام تھا کیونکہ علاؤالدین خود اس کا عادی تھا۔ لیکن اس نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سب سے پہلے اپنے آبدار خانہ کو درہم برہم کیا جس قدر چینی کے برتن تھے ان کو تڑوا دیا اور طلائی و نقرئی ظروف کو گلوا کر دارالضرب میں بھیج دیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے اس لئے اب اگر کوئی شراب بنائے گا یا پئے گا تو قتل کر دیا جائیگا۔

تعلقات ازدواج کی ممانعت

مورخین کا بیان ہے کہ اس فرمان کے بعد اس قدر شراب کے قرابے لوگوں نے

اپنے گھروں سے نکال نکال کر لنڈھاتے کہ تمام راستوں میں کیچڑ ہوگئی ۔

الغرض جب وہ اس انتظام سے بھی فارغ ہوا تو امراء و اعیان کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے بلا حکم سلطانی آپس میں نہ کوئی رشتہ قائم کریں، نہ ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ اس سے تمام امراء کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور آپس میں تعلقات رشتہ داری پیدا کرنا مسدود ہوگیا ۔

مالگذاری کے اصول

اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیہات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت تک انتظام کی صورت یہ تھی کہ مقدم اور چودھری سے وصولی مالگذاری کا معاملہ ہوا کرتا تھا اور یہ لوگ رعایا کو سخت تباہ کر رہے تھے۔ چنانچہ سلطان نے پیمائش زمین کے مطابق مالگذاری فی بسوہ مقرر کی اور حکم دیا کہ نصف پیداوار بلا کسی استثناء وکمی کے سب سے وصول کر لی جائے ۔

علاوہ اس کے مقدموں سے جو وصول ہو وہ خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص خواہ مقدم ہو یا معمولی کاشت کار، چار بیل دو بھینسیں، دو گائیں اور بارہ بکریوں یا بھیڑوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر چرائی بھی مقرر کی اور آباد گھروں کا کرایہ بھی معین کیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بددیانتی کرتا یا ان احکام کی پوری پابندی نہ کرتا تو اس کو سخت سزا دیجاتی۔ اور اگر سوائے چارہ کے وہ کوئی اور چیز گاؤں سے حاصل کرتا تو پٹواری کے کاغذات سے دیکھ کر اس کی قیمت وصول کر لی جاتی ۔

اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خائن عمال و محرر ملازمت سے بیزار ہو کر نوکریاں ترک کرنے لگے اور تمام مقدم و چودھری جو معززو امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بالکل محتاج ہوگئے اور ان کی عورتیں محنت و مزدوری کرنے لگیں ۔

مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر

یہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ علاؤ الدین ایک بار میدان لیلی میں

مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔ لیکن وہ ان کے فتنہ کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھا۔ اور نہ مغل اپنے حوصلوں کو ترک کر چکے تھے۔ جب انہیں موقع ملتا ہندوستان کی طرف بڑھتے اور دہلی کو فتح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے۔ چنانچہ جب علاؤالدین ۷۰۳ھ میں قلعہ چتوڑ کے محاصرہ میں مصروف تھا تو ماوراءالنہر میں یہ خبر پہنچی کہ میدان خالی ہے اور مغل فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔

علاؤالدین قلعہ چتوڑ فتح کرنے کے بعد مجبوراً پھر دہلی واپس آیا۔ لیکن چونکہ شاہی افواج کا ایک بڑا حصہ ورنگل کی طرف فتوحات میں مصروف تھا اس لئے یہ بہت متردد ہوا کہ کیا کرے تاہم اس نے حصار بندی اور خندقوں سے دہلی کو محفوظ کیا اور اپنی افواج منتشر کو فراہم کرنا چاہا۔ اتفاق سے دو محاصرہ کرنے کے بعد مغلوں میں از خود خوف وہراس پیدا ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد علاؤالدین نے مستقلاً ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہے جن سے آئندہ کے لئے بھی مغلوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے اس کے لئے اس نے حصار دہلی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ قصر ہزار خاتون اور دوسری عمارات تعمیر کیں لیکن صرف حصار و عمارات بیکار تھیں۔ اس لئے اس نے یہ بھی چاہا کہ عساکر سلطانی کی مقدار و تعداد زیادہ کر دی جائے اور یہ اس وقت ممکن تھا جب تنخواہیں کم کر دی جائیں ورنہ یوں تو موجودہ خزانہ صرف ۶ سال کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

امرا سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لشکریوں کی تنخواہ اس وقت کم ہو سکتی ہے جب تمام اشیاء ارزاں ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے علاؤالدین نے چند قواعد مقرر کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ کپڑا وغیرہ بہت ارزاں ہو گیا اور باوجود اس کے کہ پھر قحط بھی رونما ہوا لیکن ارزانی بدستور باقی رہی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قواعد سلطان علاؤالدین کی خصوصیاتِ حکومت میں داخل ہیں جس کی طرف اس سے قبل کسی کو توجہ نہیں ہوئی اور نہ اس قدر ارزانی اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی۔ پھر لطف یہ کہ ارزانی عارضی نہ تھی۔ بلکہ علاؤالدین کے

بقیہ ایام حکمرانی تک بدستور باقی رہی اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ضوابط و قواعد مجملاً یہاں بیان کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ اہلِ بازار کو نرخ مقرر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے بلکہ صرف بادشاہ نرخ مقرر کرے گا۔ چنانچہ تمام مملکت میں حسب تفصیل ذیل نرخ مقرر کیا گیا۔

ایک من گیہوں	۷½ جیتل	ایک سیر شکر تری	۱½ جیتل[1]
" " جو	۴ "	" شکر سرخ (گڑ)	½ "
" " چاول	۵ "	۲½ سیر گھی، مکھن	۱ "
" " ماش	۵ "	۳ سیر روغن کنجد	۱ "
" " چنا	۵ "	۲½ من نمک	۵ "
" " موٹھ	۳ "		

۲۔ ملک قبول الغ خاں (جو انتظامی معاملات میں نہایت فراست رکھتا تھا) منڈی کا داروغہ یا شحنہ مقرر کیا گیا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ مقررہ نرخ میں کوئی تفاوت نہ ہونے دے۔

۳۔ دوآب کے تمام خالصہ دیہات کی مال گزاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے اور سلطنت کی طرف سے غلہ کے انبار محفوظ رہیں۔ اگر بازار کا غلہ کم ہو جائے تو شاہی غلہ کو بازار کے نرخ سے فروخت کریں۔

---

[1] عہد علائی کا من موجودہ وزن کے لحاظ سے ۱۲½ سیر کا تھا۔ ایک سیر موجودہ چھ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پیسہ یا ایک ادھنے کی قیمت کا۔ اسلئے اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ ارزانی اور سکوں کے لحاظ سے عہد علائی میں ایک من (یعنی موجودہ ۱۴ سیر) گیہوں کی قیمت ۱۲ار (۱۲/۴ روپیہ سکۂ انگریزی) تھی۔

۴ - سلطنت کے تمام سفری غلہ فروشوں (بنجاروں) کو طلب کرکے ساحل جمن پر آباد کیا جائے اور اُن سے معاہدہ لیا جائے کہ باہر سے غلہ منگا کر شہر میں مقررہ نرخ سے فروخت کریں گے۔

۵ - غلہ جمع کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ اگر کوئی شخص غلہ جمع کرتا تو بحق سلطنت قرق کر لیا جاتا اور سخت تنبیہ کی جاتی۔ ولایت دوآبہ کے افسرانِ مال سے اقرار نامہ لیا گیا کہ کوئی شخص ان کے علاقہ میں غلہ جمع نہ کرے۔

۶ - افسرانِ مال (ریونیو) سے اقرار نامہ لیا گیا کہ وہ کھیتوں ہی پر بنجاروں سے قیمت دلا کر غلہ دے دیں اور سوائے اپنے ضروری خرچ کے غلہ کا ایک دانہ بھی کوئی کاشت کار گھر نہ لے جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بنجاروں کو غلہ آسانی سے ملنے لگا اور بازار میں افراط ہو گئی۔

۷ - منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے تین عہدے دار مقرر کئے۔ ایک شحنۂ منڈی، دوسرے برید منڈی، تیسرے جاسوس منڈی۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بازار کے حال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو اطلاع دیتا اور اگر ان اطلاعوں میں ذرا بھی تفاوت ہوتا تو شحنہ سے سخت باز پرس کی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص مقررہ قواعد سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور تمام بازار کا بازار ایک مشین کی طرح چل رہا تھا اور حیرت یہ ہے کہ امساکِ باراں کے زمانہ میں کبھی غلہ کے نرخ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قحط کے زمانہ میں شحنہ نے صرف جیتل (ایک پیسہ) فی من نرخ بڑھا دینے کی درخواست کی تو سلطان نے اکیس چوب اس کے مار دیں۔

۸ - کوئی شخص ایک وقت میں روزانہ خرچ کے علاوہ نصف من سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ اگر قحط کی وجہ سے مساکین کا ہجوم زیادہ ہو جاتا اور ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتا تو شحنہ کو سخت سزا دی جاتی۔ شہر کا ہر محلہ ایک بنجارے کے سپرد تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ اس محلّے کے لوگوں کو روزانہ غلہ مہیا کرے۔

۹۔ اسی طرح کپڑے کا نرخ مقرر کیا گیا ۔ اعلیٰ درجہ کا سوتی کپڑا ۲۰ گز فی تنکہ[1] (نقرہ) اوسط درجہ کا سوتی کپڑا تیس گز فی تنکہ (نقرہ) فروخت کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی مناسبت سے اور تمام قسم کے کپڑوں کی قیمت متعین کی گئی ۔ اس کے لئے اس نے ایک مکان سرائے عدل کے نام سے تعمیر کرایا اور حکم دیا کہ یہاں صبح سے لے کر نماز پیشین تک دوکانیں کھلی رہیں ۔

۱۰۔ سوداگران شہر و اطراف کے نام دفتر میں درج کئے گئے اور ان سے اقرار نامہ لیا گیا کہ اس قدر کپڑا اور اس قسم کا ہر سال لا کر سرائے عدل میں مقررہ نرخ پر فروخت کیا کریں گے ۔

۱۱۔ ملتانیوں (ملتان) کے رہنے والے سوداگروں کو بیس لاکھ تنکہ (نقرہ) خزانہ شاہی سے دیا گیا کہ اطراف ممالک سے کپڑا خرید کر کے لائیں اور نرخ مقررہ سے بازار میں فروخت کریں ۔

۱۱۔ امراء وغیرہ میں سے جس نفیس اور قیمتی کپڑے کی ضرورت ہو پہلے رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرے ۔ یہ قید اس لئے لگائی گئی تھی کہ سوداگر یہاں سے نرخ سلطانی پر ارزاں کپڑا خرید کر کے باہر گراں قیمت پر فروخت نہ کر سکیں ۔

۱۲۔ گھوڑوں کی قیمت ۲۰ تنکہ (نقرہ) سے بارہ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ صرف بازار ہی میں نرخ مقررہ کے مطابق گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو ۔

۱۳۔ لونڈی، غلاموں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے پانچ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی ۔

الغرض اس نے گائے، بھینس، بکری اور بازار کی تمام چیزوں یعنی ٹوپی سے موزہ

---

[1] فرشتہ نے لکھا ہے کہ تنکہ نقرئی ہو یا طلائی ایک تولہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا ۔ ہر نقرئی تنکہ کی قیمت تبادلہ پچاس جیتل (تانبہ کا پیسہ) ہوتی تھی ۔ جیتل کا وزن البتہ مشتبہ ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک تولہ تانبہ کا ہوتا تھا ۔ بعض پونے دو تولہ بتاتے ہیں ۔

تک، شانہ سے سوزن تک، نیشکر سے سبزی تک، ہریسہ سے شوربہ تک، حلوائے صابونی سے ریوڑی تک، بریانی سے روٹی تک، پان پھول سے ساگ پات تک؛ الغرض تمام ضروری اشیاء حتیٰ کہ ایک ندیم خاص کے کہنے پر شاہدان بازاری تک کا نرخ مقرر کر دیا۔ چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے:-

"عہد علائی میں مصری بحساب فی سیر[1] دو جیتل؛ شکر تری فی سیر ایک جیتل شکر سرخ فی سیر نصف جیتل، نمک ۵ سیر فی جیتل فروخت ہوتا تھا"۔

۱۴- بادشاہ صرف شحنہ وغیرہ کی اطلاع پر کفایت نہ کرتا بلکہ کمسن لڑکوں کو جنہیں کوئی وقوف نہ ہوتا دام دے کر بازار بھیجتا اور پھر ان چیزوں کو وزن کراتا۔ اگر وزن یا قیمت میں خلافِ قاعدہ کوئی فرق ہوتا تو سخت سزا دی جاتی اور کمترین سزا یہ تھی کہ ناک کان کاٹ لئے جاتے یا جس قدر کم اُس نے دیا ہے اُتنا ہی گوشت اُس کی ران یا کولہے سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

تحقیقِ حالات کی کیفیت

الغرض علاؤالدین نے مستحکم اور عجیب و غریب انتظام بازار کا کیا کہ اس کی حالت میں پھر کوئی تغیر نہیں ہوا اور کبھی کسی نے قانونِ مقررہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فوج کی تنخواہ

(۱۵) جب علاؤالدین بازار کا سارا انتظام کر چکا اُس نے سپاہیوں کی تنخواہیں حسب ذیل مقرر کیں:-

سپاہی درجہ اوّل: دو سو چونتیس تنکہ (تقریباً ۲۴ پونڈ طلائی موجودہ انگریزی سکہ کے مطابق) ماہوار۔

سپاہی درجہ دوم: ۱۵۶ تنکہ ماہوار۔

سپاہی درجہ سوم: ۷۸ تنکہ ماہوار۔

جس کے پاس دو گھوڑے ہوتے اس کو ۷۸ تنکہ اور زیادہ ملتا۔

---

[1] حسب بیان فرشتہ اس وقت سیر وزن میں ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

عارضِ ممالک کی خدمات

(۱۶) عارضِ ممالک (جسے موجودہ اصطلاح انگریزی میں MASTER کہہ سکتے ہیں) تمام سپاہ کا معائنہ کرتا اور جو فنِ تیر اندازی و شمشیر زنی وغیرہ کا ماہر ثابت ہوتا اُسے گھوڑے کی قیمت دیدی جاتی اور گھوڑا داغ دیا جاتا۔

جب علاؤالدین ان تمام انتظامات سے فارغ ہو گیا اور اس نے فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ صرف سواروں کی تعداد چار لاکھ بہتر ہزار تھی۔

اسی عسکری انتظام کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد جب مُغلوں نے عہدِ علائی میں ہندوستان کا قصد کیا تو ہمیشہ ان کو شکست ہُوئی اور نہایت کثیر تعداد میں مقتول و مقید ہُوئے۔

عُلماء کی قدر دانی

علاؤالدین پہلے بالکل ناخواندہ محض تھا اور بعد کو اُس نے صرف معمولی نوشت و خواند سیکھ لی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہرانِ فن، بزرگانِ دین، علماء کرام، شعراءِ عظام اس کے زمانے میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علاؤالدین صابر، قطب الاولیاء شیخ رکن الدین بن صدرالدین عارف ملتانی اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔

علاوہ ان حضرات کے شیخ صدرالدین جو بے مثل فیاض تھے، تاج الدین ولد صدرالدین جو اپنی جود و سخاوت، علم و حلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ سید مغیث الدین و سید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدرالدین، مولانا ضیاء الدین بیانوی اور حمیدالدین ملتانی جو اپنے کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس و تدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے۔ فنِ قرأت کے جاننے والوں میں مولانا نشاطی، مولانا علاؤالدین، خواجہ زکی خواہرزادہ شیخ حسن خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اہلِ وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین خلیل۔

مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے۔

طبقۂ شعراء میں صدرالدین عالی، فخرالدین، حمیدالدین، مولانا عارف، عبدالحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسرو جو جامع کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں فرد تسلیم کئے جاتے ہیں اسی دربار کے زلہ ربا تھے۔

اطباء میں صدرالدین، جولینی طبیب، علیم الدین اور مولانا بدرالدین دمشقی خاص لوگ تھے۔ مولانا بدرالدین کی مسیحائی و حذاقت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت و فراست کا پیدا نہیں ہو سکا۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ اگر چند جانوروں کا قارورہ ایک جگہ ملا دیا جاتا تو یہ بتا دیتے تھے کہ فلاں فلاں جانوروں کا بول اس میں شامل ہے۔

علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل تھے کثرت سے پائے جاتے تھے اور ان کا شمار مشکل تھا۔

علاؤالدین کے عہد میں اس قدر مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار اور حصار تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔

فرشتہ لکھتا ہے:۔

"علاؤالدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ستر ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و گلکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کر دیتے تھے۔ تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں۔"

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ (علاؤالدین کے بیٹے اور جانشین) نے دہلی سے دولت آباد تک کا سفر کیا ہے تو اس وقت کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد تک چالیس دن کا سفر تھا اور ان دونوں شہروں کے درمیان جو سڑک تھی اس کے دونوں جانب بید وغیرہ کے درخت لگے ہوئے

تھے۔ ایک مسافر ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ کسی باغ کی روش پر چل رہا ہے۔ ہر میل پر ڈاک کی چوکی تھی اور راستہ میں ہر جگہ اس کو تمام ضرورت کی چیزیں اس قدر فراوانی سے دستیاب ہوتی تھیں گویا بازار لگا ہوا ہے۔

یہاں سے اور سڑکیں ۶ مہینہ کی راہ کی معبر اور تلنگانہ تک بنی ہوئی تھیں۔ ہر منزل پر بادشاہ اور دیگر مسافروں کے قیام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے مفلس مسافروں کو زادِ راہ کی مطلق فکر نہیں ہوتی تھی اور ان کو تمام چیزیں مفت ملتی تھیں۔

سب سے پہلے جو شخص ہاتھی پر عماری رکھ کر سوار ہوا، علاؤالدین خلجی تھا۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں:-

کسے در شاہی و انگہ سواری جز او ننہاد بر فیلاں عماری

عہد علائی کی خصوصیات

سلطان علاؤالدین اپنے عزم و جبروت اپنی سطوت و سیاست کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد کی چند خصوصیات کو ضیاء برنی نے ایک جگہ حسب ذیل جمع کیا ہے:-

۱۔ غلہ، کپڑا اور دیگر اشیاء کی ارزانی۔

۲۔ مسلسل فتوحات اور دولت کا بے شمار انبار۔

۳۔ بڑی فوج کا قیام قلیل خرچ سے۔

۴۔ باغیوں کی سرکوبی اور تمام راجاؤں اور ماتحت فرماں رواؤں کا اطاعت شعار رہنا۔

۵۔ مغلوں کی تباہی۔

۶۔ ملک کے تمام راستوں کی حفاظت۔

۷۔ بازاری لوگوں کا ایماندار ہو جانا۔

۸۔ مسجدوں، میناروں، قلعوں اور تالابوں وغیرہ کا کثرت سے تعمیر کیا جانا۔

۹۔ آخری دس سال کے اندر مسلمانوں کا عام طور سے دیانت و امانت، عدل و انصاف پسندی

کی طرف مائل ہو جانا۔ یہ ہیں اس کے عہد کے برکات۔

افسانوں کی حقیقت

عہدِ علائی کے خاص واقعات میں خضر خاں (اس کے بیٹے) اور دیول رانی (راجہ رائے کرن کی بیٹی) کا واقعۂ عشق و محبت ہے۔ لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح خود علاؤالدین کا راجہ چتوڑ گڑھ کی رانی پدمنی کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر اس پر عاشق ہونا اور پدمنی کا آگ میں جل کر جان دینا بھی کہیں ضیاء برنی نے تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک متعصب مزاج مؤرخ تھا اور اس نے تمام وہ باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درج کی ہیں جن سے علاؤالدین پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ واقعہ درج نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

رہا خضر خاں اور دیول دیوی کا افسانۂ عشق سو اس کو امیر خسرو نے ضرور ایک مثنوی کی صورت میں درج کیا ہے لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ خضر خاں نے امیر صاحب کو طلب کیا اور چند مسودات دے کر کہا کہ ان میں میرے اور دیول دیوی کے واقعات عشق و محبت درج ہیں ان کو نظم کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کر دی۔

جب علاؤالدین اصلاحات سے فارغ ہوا تو اس نے توسیع سلطنت کی طرف پھر توجہ کی۔ چونکہ رنتھنبور اور چتوڑ کو وہ اس سے قبل فتح کر چکا تھا اس لئے پھر اس نے دکن کو اپنی تاخت کا جولانگاہ بنانا پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو (جو ایک خوب صورت خواجہ سرا اور بادشاہ کا محبوب غلام تھا) ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء میں دیو گڑھ کی جانب روانہ کیا جہاں کے راجہ نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اس مہم میں ملک کافور کامیاب ہوا اور علاوہ بہت سے مالِ غنیمت کے وہاں کے راجہ رام دیو کو معہ اس کے بیٹوں کے دہلی لے آیا۔ بادشاہ نے راجہ کی بہت عزت کی اور ایک لاکھ تنکہ دے کر پھر حکومت دیو گیر اس کے سپرد کر دی۔

دوسرے سال ملک کافور تلنگانہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس سے قبل ۷۰۳ھ

یل بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکامیاب رہا تھا) اس جنگ میں ورنگل مفتوح ہُوا اور راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ اس مہم میں ایک سو ہاتھی سات گھوڑے اور بہت سے جواہرات ہاتھ آئے۔

۷۰۹ھ / ۱۳۱۰ء میں ملک کافور ساحل مالابار گیا اور وہاں کے قدیم دارالحکومت، دوارسمندر کو فتح کر کے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا۔ اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۲۹۴۰۰ ٹن کے برابر ہُوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصرِ سیری میں بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا۔

ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصّہ کو سلطنت دہلی کا باجگذار بنا دیا اور یہ زمانہ علاؤالدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیئے البتہ آخر وقت میں ملک کافور کے اقتدار کی وجہ سے امراء میں برہمی پھیل گئی تھی۔ اور نظامِ حکومت میں تزلزل واقع ہو گیا تھا۔ علاؤالدین اس کو محسوس کرتا تھا لیکن قویٰ اضمحل ہو جانے کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو رہا تھا۔ حسبِ روایت فرشتہ، سلطان علاؤالدین نے ۶ شوال ۷۱۶ھ (جنوری ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء) بعارضۂ استسقاء انتقال کیا۔ بدایونی امیر خسرو، برنی نے سنہ وفات ۷۱۵ھ تحریر کیا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بیس سال اور چند ماہ تک سلطنت کی۔[1]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

سلطان شہاب الدین بن علاؤالدین خلجی

جنوری سنہ ۷۱۶ھ تا سنہ ۷۱۶ھ
۱۳۱۵ء ۱۳۱۶ء

سلطان قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤالدین خلجی

سنہ ۷۱۶ھ تا سنہ ۷۲۰ھ
۱۳۱۶ء ۱۳۲۰ء

ناصر الدین خسرو شاہ

سنہ ۷۲۰ھ
۱۳۲۰ء

سلطان علاؤالدین نے وقتِ آخر میں خضر خاں اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا جو قلعہ گوالیار میں قید تھا اسے طلب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ملک کافور کے مصالح کا اقتضاء یہ نہ تھا کہ خضر خاں تخت نشین ہو اس لئے وہ ٹالتا رہا۔ حتیٰ کہ علاؤالدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے دوسرے دن ایک نوشتۂ سلطانی اس مضمون کا پیش کر کے کہ خضر خاں کی ولی عہدی بادشاہ نے منسوخ کر دی تھی۔

اولاد ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علاؤالدین کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خاں[۱]، شادی خاں[۲]، ابوبکر خاں[۳]، مبارک خاں[۴]، شہاب الدین[۵]۔

سلطان علاؤالدین مبارک خاں کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھا۔ اپنے دوسرے بیٹوں

کو اس نے طبل وعلم دے کر شاہانہ اعزاز سے سرفراز کر رکھا تھا لیکن اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ ایک دن علاؤالدین نے اس کو بُلا کر کہا کہ میں تمہیں بھی وہی عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارے اور بھائیوں کو حاصل ہے۔

اس نے جواب دیا کہ صرف خدا عزت دینے والا ہے۔ اس جواب سے سلطان علاؤالدین بہت برہم ہو گیا۔ خضر خاں سب سے بڑا بیٹا تھا اور بادشاہ اس سے خوش بھی تھا۔ لیکن اس کے ماموں سنجر نے علاؤالدین کی حیات ہی میں خضر خان کو تخت نشین کرنے کی سازش کی جس کا پتہ ملک کافور کو لگ گیا اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے سنجر کو قتل اور خضر خاں کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا۔

سلطان علاؤالدین کے مرتے ہی ملک کافور نے ابوبکر خاں اور شادی کو اندھا کرا کے گوالیار بھیج دیا اور خضر خاں کی آنکھیں نکلوا لیں اور شہاب الدین کو جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی تخت نشین کر کے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خاندانِ علاؤالدین کے تمام افراد کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب صرف ایک مبارک خاں رہ گیا تھا تو اس کو بھی قید کر لیا اور چند سپاہی مبارک خاں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے۔ لیکن جب یہ سپاہی مبارک خاں کے پاس پہنچے تو اُس نے مالائے مروارید ان کے سامنے ڈال دیا اور اپنے باپ کے حقوق یاد دلائے۔ اس سے یہ لوگ متاثر ہو کر واپس آ گئے اور اپنے افسران مبشر و بشیر سے سارا حال بیان کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس رات ملک کافور کو قتل کر دیا اور اس طرح ۲ محرم ۷۱۶ھ[1] کو مبارک شاہ سلطان قطب الدین لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔

عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر اس نے حد درجہ خوش خلقی کا ثبوت پیش کیا اور

---

[1] صاحب طبقات اکبری۔ فرشتہ اور اختیار برنی نے ۷۱۶ھ تحریر کیا ہے لیکن امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں ۷۱۶ھ لکھتے ہیں۔

سترہ ہزار قیدی رہا کئے۔ جلاوطنوں کو وطن واپس آنے کی اجازت دی اور فوج کو چھ ماہ کی تنخواہ یک مشت دی گئی۔

امراء و ملوک کی جاگیریں اور منصب بڑھائے گئے۔ تمام سخت محصول منسوخ کر دیئے۔ بازار کے جو انتظامات علاؤالدین نے قائم کئے تھے یک قلم موقوف ہو گئے۔ البتہ علماء و صلحاء کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ انعام و اکرام کی چاروں طرف سے بارش ہونے لگی لیکن ظاہر ہے کہ جن اصولوں پر علاؤالدین نے سلطنت قائم کی تھی ان کا دفعتہً اٹھا دینا سلطنت کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رعایا کا طبقہ تباہ ہونے لگا۔ امراء وغیرہ کا اقتدار بڑھ گیا اور رفتہ رفتہ جو نقائص دولت کے بیجا استعمال سے رونما ہونے لگے تھے وہ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ جس طرح علاؤالدین نے ملک کافور کو ادنیٰ درجہ سے وزارت کے عہدہ تک پہنچا دیا۔ قطب الدین مبارک شاہ ناصرالدین خسرو خاں ایک نو مسلم سے مالوف ہو گیا تھا۔ اس کا نام حسن تھا اور پہلوانانِ گجرات سے تھا۔ مبارک شاہ نے اس کو خسرو کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا مختار بنا دیا۔

"ناصرالدین خسرو خاں از بندگان علائی بود در عہدِ طفولیت خسرو خاں و برادر اولا نہب مالوہ بر دست لشکر اسلام اسیر گشتہ" (مبارک شاہی ص۸۶)

"خسرو خان درمیان مسلمانان ظلم و تعدی کردن گرفتند و عورات از درون حرم می بردند و خزائن و دفائن کہ از سلطان علاؤالدین ماندہ بود بتمام پریشان و تلف می کردند"

(تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی ۸۳۸ھ نصف موودہ ص۸۶)

چونکہ حسن پہلے ہندو تھا جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے علانیہ ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آخر کار خسرو خاں نے سنہ ۷۲۰ھ میں مبارک شاہ اپنے محسن کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس وقت تمام مسلمان امراء و ملوک سخت پریشان تھے۔ خسرو خاں علاؤالدین کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے خاتونانِ حرم کی ہر ممکن توہین

کر رہا تھا (یہاں تک کہ اُس نے مرحوم بادشاہ کی ملکہ سے بجبر شادی بھی کر لی) علانیہ مذہب اسلام کی توہین شروع کر دی تھی۔ قرآن مجید کی توہین کی مسجدیں منہدم کر دیں اور تمام بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کو دیئے جا رہے تھے اور جو چند مسلمان عامل و صوبہ دار رہ گئے تھے ان کو بھی خسرو خاں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اس وقت غازی ملک دیپال پور کا حاکم ان حالات کو سُن کر مضطرب و فکر مند ہو رہا تھا۔ بارہا اس نے ارادہ کیا کہ خسرو خاں کا مقابلہ کرے۔ لیکن اس کا بیٹا ملک فخر الدین جونا خاں خسرو خاں کے قبضہ میں تھا اس لئے خاموش رہ جاتا تھا۔ آخرکار جب جونا خاں خفیہ طور سے اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا اور اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا تو غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف فوج کشی کی اور ۷۲۰ھ[1] ۱۳۲۰ء میں خسرو خاں قتل کیا گیا۔

جب غازی ملک اس جنگ سے فارغ ہُوا اور خسرو خاں قتل ہُوا تو اس نے تمام امراء کو بُلا کر کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے مَیں نے اپنے ولی نعمت کا انتقام لے لیا۔ اب تم لوگ جس کو مناسب سمجھو تخت نشین کر دو۔"

چونکہ خاندان خلجی میں اب کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لئے سب نے بالاتفاق غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور غیاث الدین تغلق کا خطاب دیا[2] سلطان قطب الدین نے بارہ[12] سال اور چار ماہ تک حکومت کی اور خسرو خاں کچھ دن کم تک پانچ ماہ تک حکمران رہا۔[3]

---

[1] فرشتہ نے ۷۲۱ھ تحریر کیا ہے۔ بدایونی صاحب طبقات اور ضیاء برنی نے ۷۲۰ھ درج کیا ہے

[2] فرشتہ ۱۲۳۔ ۱۳۰ تاریخ فیروز شاہی ۴۱۱۔ ۴۲۹ بدایونی ۵۳۔ ۵۷ برنی (الیٹ ۳) طبقات اکبری ۸۶۔ ۹۵ [3] نگار ہندوستان نمبر۔

تغلقیہ خاندان

غیاث الدین تغلق

۷۲۰ھ تا ۷۲۵ھ
۱۳۲۰ء ۱۳۲۵ء

تغلق ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ رہیلہ کے مرادف ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ غیاث الدین کا باپ ملک تغلق تھا۔ غیاث الدین ہی ملک غازی کہلاتا تھا۔ اس کی ماں جاٹ کی لڑکی تھی۔ خراسان سے سندھ آیا کسی سوداگر کا ملازم ہوا۔ پھر الغ خاں خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ جب کچھ وسعت ہوئی اور گھوڑا بہم پہنچ گیا تو سواروں میں داخل ہوا اور اپنی بہادری سے سب کے دل پر سکہ جمالیا اور اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے میر اخور (داروغہ اصطبل) ہو گیا جو اس عہد میں بہت بڑا عہدہ تھا اور صرف وفادار امیروں کو اس پر ممتاز کیا جاتا تھا اور اس زمانہ میں چونکہ مغلوں کا بڑا زور تھا اس لئے سرحدی علاقے مخصوص وفادار امیروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ملک غازی کو بھی دیبال پور کا علاقہ سپرد ہوا۔ جو آج بھی مونٹ گمری (پنجاب) کے ضلع میں بیاس ندی کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے ۲۸ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ وہ عرصہ تک اسی جگہ رہا اور اس کا بڑا لڑکا محمد جونا جس کے نام پر شہر جونپور یو۔ پی میں

بسایا گیا ہے۔ پایۂ تخت دہلی میں رہتا تھا۔

قطب الدین کے بعد نومسلم امیر خسرو خاں گجراتی اپنے آقا کو دھوکہ سے قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تو جیسا اُوپر گزرا ملک غازی تغلق نے لڑ کر اس سے سلطنت چھین لی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے یکم شعبان ۷۲۰ھ کو تخت پر بیٹھا۔ سلطان غیاث الدین خاندانِ تغلق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے تدبر اور اعلیٰ قابلیت و دانشمندی سے حسن انتظام و تلافی مافات میں کوئی دقیقہ کوشش کا اُٹھا نہیں رکھا۔ بہ حیثیت ایک آزمودہ کار افسر ہونے کے جو شہرت صوبہ پنجاب (دیپال پور) میں حاصل کی تھی اور اپنی پامردی سے وہ تاتاری فتنہ کو ہندوستان سے دُور کرنے میں کامیاب ہوا تھا[1]

عنانِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اُس نے اپنی دیانت و امانت، محنت و جفاکشی، حزم و احتیاط عقل و فراست سے کام لے کر اُن تمام خرابیوں کو جو سلاطین خلجی اور خسرو خاں کے عہدِ حکومت میں پیدا ہو گئی تھی دور کر کے اسلامی مملکت ہند کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا جو ملک اور رعایا کے لئے حد درجہ باعثِ سکون و فلاح ثابت ہُوا۔ اس نے عہد علائی کے تمام معزول و تباہ شدہ امراء کو طلب کر کے ان کے مواجب و انعامات بحال کئے۔

"بقیہ احوال عیال و نسل سلطان علاؤ الدین و سلطان قطب الدین ہر کس ہر جا بود تفقد احوال نمودہ بوظیفہ داد را زخوشدل ساختہ[2]"

خاندان علائی کے بقیۃ السیف افراد کی حد درجہ عزت کی اور خواتین خلجیہ کا

---

[1] ابن بطوطہ سے شیخ امام رکن الدین ملتانی نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خود اس مسجد کو دیکھا تھا جو غازی ملک (غیاث الدین) نے ملتان میں تیار کرائی تھی۔ اس کے ایک کتبہ میں درج تھا کہ "میں نے ۲۹ بار تاتاریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ اسی بناء پر مجھے ملک غازی کہا جاتا ہے۔" ابن بطوطہ (ڈالبیٹ) ۳-۲-۲۰۶ - [2] طبقات اکبری صہ ۹۵

احترام کرنے میں اس نے اپنی ساری کوشش صرف کردی۔ الغرض ملک کا نظامِ حکومت جو بہت ابتر ہو گیا تھا اس کو ایک ہفتہ کے اندر اصل حالت پر لے آیا۔ مستحقین کے حقوق ادا کئے اور ظالموں کی دار و گیر شروع کی۔

وہ حد درجہ معتدل مزاج تھا۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک مناسب رائے تمام امور میں قائم کیا کرتا تھا۔ کام کرنے والے لوگوں کی اس نے قدر کی اور ناکارہ لوگوں کو اپنے دیار سے خارج کر دیا۔

اس نے خراج کے اصول از سرِ نو منضبط کئے اور پیداوار کے دسویں یا گیارہویں حصہ سے زیادہ محصول لینے کی سخت ممانعت کر دی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ہر سال رقبۂ زراعت بڑھتا جائے اور مقدم و چودھری کاشت کاران پر جبر نہ کر سکیں۔ جن امراء و ملوک کے پاس جاگیریں تھیں ان کی انتظامی حالت کی بھی نگرانی کرتا اور جبر و تعدی پر سخت باز پرس کرتا۔ خسرو خاں نے جن لوگوں کو خزانۂ شاہی سے بیجا انعامات دیئے تھے وہ سب وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔

جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر اس کو ملتی، بیٹا پیدا ہوتا، یا شہزادوں کی شادی ہوتی تو تمام اکابر و علماء کو طلب کرتا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرتا۔ جو مشائخ و صوفیہ خلوت نشین ہوتے ان کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ چاہتا تھا کہ جو مسرت مجھے حاصل ہو اس میں ساری رعایا شریک ہو۔ چنانچہ وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا رہتا۔ اس کا مقصودِ سلطنت یہ تھا کہ سارا ملک فراغت و اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ رعایا خوشحال ہو جائے۔ لوگ گدائی چھوڑ دیں اور حلال کی کمائی حاصل کریں۔ اسی خیال کے زیرِ اثر اُس نے مزدوری و اُجرت میں ۲۵ فی صدی اضافہ کر دیا۔ کاشت کاروں اور ہندوؤں کی حالت میں جو تمدنی انحطاط عارضی اسباب کی وجہ سے ہو گیا تھا دُور ہو گیا اور پھر وہ آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جس سپاہ کو خسرو خاں نے مواجب سے زیادہ روپیہ تقسیم کر دیا تھا وہ آہستہ

آہستہ اس نے وصول کیا اور فوج کے باب میں جو قواعد علاؤ الدین خلجی نے مقرر کئے تھے (حلیہ و امتحان و داغ اور تعین قیمت وغیرہ) وہ سب بدستور جاری رکھی۔ البتہ اس کی احتیاط ضرور کی کہ کوئی افسر یا امیر سپاہیوں کو ذلیل نہ سمجھے اور ان کو کوڑے نہ مارے۔ مطالبات کے وصول کرنے میں بھی وہ بہت نرمی سے کام لیتا۔ لاکھوں کے مطالبہ میں اگر ہزاروں بھی وصول ہو جاتے تو غنیمت سمجھتا اور حد درجہ نرمی و آشتی سے کام لے کر معاملات کو طے کرتا وہ نہ معمولی باتوں پر کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی عمل میں لاتا۔ میانہ روی اس کی خصوصیت تھی اور عدل و انصاف اس کی حکومت کا نصب العین تھا۔

انہی باتوں کے ساتھ اس نے مغلوں کی طرف سے بھی ہندوستان کو مطمئن کر دیا اور ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ اس کے عہد میں ان کو حدودِ ہند کی طرف آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

اس نے نہریں کثرت سے کھدوائیں۔ باغات تعمیر کرائے۔ ویرانوں کو آباد کیا۔ بنجر زمین کو تردّد سے قابلِ کاشت کیا اور متعدد عمارات قائم کرا دیں۔ حصار تغلق آباد اس بادشاہ کی یادگار ہے۔

"نیکذات پسندیدہ اعتقاد بود با اوامر و نواہی تقید تمام داشت بیشتر اوقات او صرف عبادت سری و بقیام شب و مواظبت نفل اشتغال نمودے و گرد مسکرات نگشتی و در منع شراب مبالغہ نمودی"۔ [1]

غیاث الدین صوم و صلوٰۃ کا بھی پابند تھا۔ وہ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتا تھا اور تراویح کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ وہ اکثر باوضو رہتا اور شراب نہ خود پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا۔ کبر و غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ مکر و فریب سے وہ بالکل نا آشنا تھا اور سادگی اس کی فطری خصوصیت تھی۔

---

[1] طبقات اکبری صد ۹۷۔

فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد کامیاب ثابت ہُوا اور بنگال و دکن کی طرف عساکرِ سلطانی نے کافی کامیابیاں حاصل کیں ۔

۷۲۰ھ میں جب تلنگانہ اور ورنگل کے راجہ نے خراج دینے میں تامل کیا تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے جُونا خاں کو (جسے اب الغ خاں کا خطاب عطا ہو گیا تھا) اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ہر چند ایک بار بعض مفسدین کے اغواء سے لشکر میں برہمی پیدا ہو گئی لیکن دوسری بار کامیابی حاصل ہوئی ۔ ورنگل فتح ہُوا اور اس کا نام سلطان محمد رکھا گیا ۔

اسی طرح جب ۷۲۴ھ میں لکھنوتی (بنگال) اور سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی طرف سے جبر و ظلم کی شکایت موصول ہوئی تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے کو ورنگل سے طلب کر کے دارالسلطنت کا انتظام سپرد کیا اور خود لشکرِ عظیم لے کر لکھنوتی کی طرف کوچ کیا ۔ غیاث الدین کی سطوت و جبروت سے اس وقت سارا ہندوستان آگاہ تھا اس لئے ناصر الدین فرمانروائے لکھنوتی تحائف وغیرہ لے کر خود حاضر ہُوا اور بہادر شاہ کو جو سنار گاؤں کا فرمانروا تھا اور بہت متکبر و مغرور ہو گیا تھا ۔ گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا ۔ سلطان غیاث الدین نے از راہِ لطف و عنایت ناصر الدین کو " چتر و دور باش " عنایت کر کے نہ صرف لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا بلکہ سنار گاؤں کو بھی اُس کے سپرد کر دیا اور قلعۂ ترہت فتح کرتا ہُوا دارالحکومت کی طرف واپس آیا اور ایک اتفاقی حادثہ سے مر گیا ۔

جونا خاں نے تین دن میں ایک قصر تعمیر کرایا اس میں بادشاہ نے قیام کیا ۔ بجلی کی کڑک سے وہ گر گیا ۔ اس پر جھوٹے قصے مشہور ہوئے وہ قابلِ قبول نہیں ۔

اس میں کلام نہیں کہ وہ بہترین فرمانروا تھا اور اگر وہ چند دن اور حکومت کرتا تو جو اسلوبِ حکمرانی اس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ مستحکم ہو جاتا ۔

یہ صحیح ہے کہ اس کے جانشین محمد تغلق کو ابتداء میں کثرت سے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور سلطنت بہت زیادہ وسیع ہو گئی ۔ لیکن چونکہ اس کے عہد

میں بغداد میں شروع ہو کر طوائف الملوکی کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی اس لئے سلاطینِ دہلی میں یہ امتیاز صرف غیاث الدین ہی کو حاصل ہے کہ بحیثیت فرمانروائے ہندوستان ہونے کے سب سے زیادہ وسیع مملکت اس کی زیر نگیں تھی اور آخر وقت تک وہ اس پر قابض بھی رہا۔

غیاث الدین کا زمانہ حکومت صرف چار سال اور چند ماہ رہا ۷۲۵ھ میں اس نے انتقال کیا اور الغ خاں کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

سلطان محمد بن تغلق شاہ

۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ
۱۳۲۵-۲۴ء ۱۳۵۱ء

غیاث الدین تغلق کی وفات پر شاہزادہ جونا جسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "سلطان المجاہد محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کر کے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

"سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بادشاہ کریم و عادل بود و در طبیعت او ہمہ فراہمی و عمارت و ابادانی و دانایگی و ہشیاری و عصمت و پاکی و پاکیزگی مجهول و مذکور بود دائما خمس اوقات فرائض بجماعت گزاردی"۔

(مبارک شاہی ص ۹۲)

علمی شغف محمد تغلق شیریں بیان اور فصیح مقرر تھا۔ عربی و فارسی میں فی البدیہ ایسے مراسلات تحریر کر دیتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن متحیر ہو جاتے تھے۔ اس کی ذہانت و فراست کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی اس کے تمام محاسن و مصائب سے اس طرح آگاہ ہو جاتا جیسے کہ برسوں کے تجربہ کا

نتیجہ ہو۔ علمِ تاریخ میں ایسی مہارت تھی کہ مشکل سے اس کے سامنے مورخ تک کو گفتگو کی جرأت ہوتی۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ جو ایک بار دیکھ یا سُن لیتا پھر وہ نقش کالحجر ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ بات کی بات میں حل کر دیتا۔

"بعلوم حکمت و معقولات رغبت نبودی و سعد منطقی و عبید ساغر مولانا علم الدین کہ از علمائے فلسفہ بودند در صحبت اُو بودند"

بدر چاچ ضیاء برنی مولانا ناصر الدین ملک قاضی فقہ رکن عالم نصیر الدین چراغ دہلوی دربار کے روشن ستارے تھے۔ فنِ شاعری میں بھی اس کی جامعیت مشہور ہے۔ اسے نہ صرف قدماء کے کلام پر عبور حاصل تھا بلکہ خود بھی نہایت پاکیزہ شعر کہتا۔ فنِ طب کا ایسا مجتہدانہ ذوق رکھتا تھا کہ خود مریضوں کا علاج کرتا۔ فنِ کتابت میں بھی اُسے ملکہ حاصل تھا۔

اسلام سے دلی لگاؤ اپنے مذہب کا حد درجہ احترام کرتا۔ فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات بھی کبھی اس سے ترک نہ ہوتے تھے۔ شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ دیگر مشاغل لہو و لعب جو امراء و سلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں کبھی اختیار نہیں کئے۔ بخشش و کرم کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی درویش کو خزانہ بھی اٹھا کر دے دیتا تو یہی سمجھتا کہ میں نے کچھ نہیں دیا۔ ممکن نہیں تھا کہ کسی بیوہ یا غریب و ضعیف کی فریاد اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے مالا مال نہ کر دے۔ عراق و خراسان، ماوراء النہر و ترکستان، روم و عربستان کے علماء فضلا ماہرینِ فنون اس کے دربار میں کھنچے ہوئے چلے آرہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے زر و جواہر کی بارش ان پر کر رہا تھا۔

داد و دہش تاتار خاں والیٔ ستار گاؤں کو جب اُس نے بہرام خاں کا خطاب

لہ طبقات اکبری ص ۹۹ ایضاً ص ۱۰۰ و فرشتہ جلد اوّل حالات محمد تغلق

دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سو ہاتھی، ہزار گھوڑے اور ایک کروڑ تنکہ سُرخ (اشرفی) بھی مرحمت فرمائے۔

ملک سنجر بدخشانی کو اسّی لاکھ تنکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ تنکہ ایک دن میں اٹھا کر دیدیئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں مرحمت کیئے۔

جرأت و تدبّر جرأت و بہادری، علوئے حوصلہ، پختگیٔ عزم، رسوخ تدابیر کی صفات کا بادشاہ تھا۔ یہی وجہ کامیابی کی تھی۔

صاحب مسالک الابصار نے سراج الدین ابوالفتح عمرو (جو اودھ کا رہنے والا اور محمد تغلق کے دربار سے عرصہ تک متعلق رہا تھا) اور شیخ مبارک کے بیان سے اس عہد کے مفصّل حالات لکھے ہیں کہ محمد تغلق کس شوکت و جبروت کا بادشاہ تھا۔ اس کے دربار کا کیا آئین تھا اور اس کے زمانے میں دہلی اور دیوگر (دولت آباد) کی رونق کا کیا عالم تھا؟ دولت آباد کا نام اس نے قبۃ الاسلام رکھا تھا اور کثرت سے عمارتیں بنوا کر مخصوص جماعتوں کے قیام کے لئے شہر کو وقف کر دیا تھا۔ علماء، فقراء، مشائخ، امراء، ملوک، خوانین، فوج، وزراء، تجار، پیشہ ور لوگ، رنگریز اور حداد وغیرہ کے لئے الگ الگ محلے مقرر کئے اور وہاں ان کے لئے مسجدیں، بازار، حمام، بھٹیاں اور ضرورت کی تمام عمارتیں قائم کرا دیں۔ ہر محلہ گویا ایک مستقل قصبہ تھا۔

دہلی کا یہ حال تھا کہ یہاں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے اور ستر دار الشفاء تھے جن میں غرباء کا علاج ہوتا تھا، ۲۰۰۰ مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے [1]

---

[1] صبح الاعشٰی۔

افسرانِ حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار اور جنرل کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نو لاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے۔ ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سو سواروں کے دستہ کا افسر تھا اور سپہ سالار اس سے کم درجہ کا۔ سپہ سالار بادشاہ کی حضوری میں نہیں جا سکتا تھا۔ ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی۔ ہر خان کو دو لاکھ تنکہ (ہر تنکہ آٹھ درہم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار تنکہ کے درمیان، ہر امیر کو تیس اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں اور مملوکوں کی تنخواہ علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانۂ شاہی سے نقد ملتی تھی۔

غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور چار جوڑے کپڑے ہر سال مرحمت ہوتے۔ اس کے علاوہ ماہوار دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت معہ ضروری سامان گھی اور مسالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔

کارخانہ جات سلطان کا ایک ذاتی کارخانہ کپڑا بننے کا تھا جس میں چار سو آدمی ہر قسم کا ریشمی کپڑا بُنا کرتے تھے۔ اس کارخانہ میں جو کپڑے تیار ہوتے ان سے خلعت وغیرہ بھی تیار کئے جاتے۔ سلطان ہر سال موسم بہار میں ایک لاکھ اور موسم خزاں میں ایک لاکھ خلعت تقسیم کرتا۔ موسمِ بہار کی خلعتیں اسکندریہ کے ریشمی کپڑوں کی ہوتیں اور موسم خزاں کے خلعت دہلی یا چین و عراق کے کپڑے کی تیار کی جاتیں۔ خلعتیں، خانقاہوں میں مشائخ و علماء وغیرہ کو بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔

صرف سلطان کے ذاتی کارخانے زردوزی اور کارچوب کے ۵۰۰ تھے جن میں خواتین حرم و دیگر معزز خواتین کے لئے ہر وقت کام ہوتا رہتا تھا۔

سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ ساز و براق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

نائب وارکانِ سلطنت سلطان کا ایک نائب تھا جو خوانین سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کی جاگیر کا رقبہ صوبہ عراق سے کم نہ تھا۔ اسی طرح ایک وزیر بھی تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں چار اس کے سکرٹری ہوتے تھے جن کی جاگیر بیس ہزار اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان ہوتی تھی۔ علاوہ ان کے چار دبیر (میر منشی) بھی ہوتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ محرر۔ بعض محرروں کی جاگیر بھی تھی اور نقد تنخواہ بھی۔

ارکان عدالتِ عالیہ قاضی القضاۃ کا بھی عہدہ ہوتا تھا جسے صدر جہاں اور اسلام بھی کہتے تھے۔ اس کی جاگیر میں دس قصبات ہوتے تھے جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی تھا اور اس کی جاگیر بھی اسی قدر ہوتی تھی۔ صدر جہاں کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا تھا اور شیخ الاسلام صرف قاضی تھا جو شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کیا کرتا تھا۔ ایک عہدہ محتسب (کوتوال) کا بھی تھا اس کی تنخواہ ۸۰۰ تنکہ تھی۔

سلطان کے دربار میں ۱۲۰۰ طبیب تھے اور دس ہزار شکاری جو گھوڑوں پر سوار ہو کر ہاتھوں پر باز اور شاہین بٹھلائے ہوئے نکلتے تھے۔ ۳۰۰ ہانکہ کرنے والے (سواق) بھی تھے اور علاوہ ان کے تین ہزار ایسے لوگ بھی تھے جو اس شکار کی تمام اور ضروریات کو مہیا کرتے تھے۔[1]

دربار سے متعلق ندیم و مصاحب مغنی و مغنیات ۱۲۰۰، ان میں ایک ہزار غلام فنِ موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ سلطان کے دسترخوان پر ۵۰۰ امراء کھانے میں شریک

---

[1] نگار تاریخ ہند نمبر از علامہ نیاز فتح پوری و معارف نمبر جلد ۔

ہوتے۔ ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے جن میں سے بعض عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شاعری کرتے۔ ان مغنیوں اور شعراء میں بعض کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض نقد تنخواہیں بیس ہزار سے چالیس ہزار تنکہ تک پاتے تھے۔ انعام واکرام اس کے علاوہ تھا۔

معمولات سلطان روزانہ صبح وشام دربار کرتا تھا اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں بیس ہزار خوانین وملوک امراء واراکین شامل ہوتے تھے۔ خاص بادشاہ کے دسترخوان پر بڑے بڑے علماء (جن کی تعداد ۲۰۰ تھی) بیٹھتے تھے اور بادشاہ کھانے کے دوران میں ان سے علمی مباحث پر گفتگو کیا کرتا تھا۔

شیخ ابوبکر بن خلال کا بیان ہے کہ شاہی مطبخ کے لئے روزانہ ۲۵۰۰ بیل یا گائے اور ۲۰۰۰ بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ چڑیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

فوج اور رعایا کا انتظام نائب السلطان کے سپرد تھا۔ علماء وفقہاء ہندی ہو یا اجنبی سب کا تعلق صدر جہاں سے تھا۔ اسی طرح مشائخ وفقراء کا معاملہ شیخ الاسلام کی وساطت سے طے ہوتا تھا۔ سیاحین وسفراء، شعراء و دیگر اہلِ کمال دبیروں (سکرٹریوں) سے متعلق تھے۔

جب بادشاہ شکار کو جاتا تو ایک لاکھ سوار اور ۲۰۰ ہاتھی اس کے جلو میں ہوتے۔ لکڑی کے سفری مکان دو دو منزل کے ساتھ ہوتے جنہیں دو سو اونٹ کھینچتے۔ خیمے اور قناتیں وغیرہ بھی کثرت سے ساتھ ہوتیں۔

جب بادشاہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام پر کسی غرض سے سفر کرتا تو تیس ہزار سوار ۲۰۰ ہاتھی اور ایک ہزار کوتل گھوڑے جواہر کار ساز وبراق سے آراستہ ہمراہ ہوتے۔

اخلاقی زندگی سلطان بہت منکسر مزاج تھا۔ ابوالصفاء عمرو بن اسحاق کا بیان ہے کہ خود اُس نے بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے دیکھا تھا وہ کلام مجید کا حافظ تھا اور شرع حنفی کی تمام کتابوں پر اس کو پورا عبور تھا۔ وہ علماء کبار سے برابر مسائلِ علمیہ میں مباحثہ

کرتا۔ شعروشاعری میں حددرجہ پاکیزہ مذاق رکھتا اور فن کتابت کا زبردست ماہر تھا۔[1]

شراب کا رواج کہیں نہ تھا۔ بادشاہ کو اس سے سخت نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے۔ پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔

بریلد خبررسانی کا انتظام بھی نہایت مکمل تھا۔ علاوہ جاسوسوں کے ڈاک کی آمد و روانگی کے لئے ہرکارے بھی مقرر تھے۔ ہر محکمہ میں شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے اور خبریں اپنے افسران کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچاتے تھے دور دراز مقامات کے حالات ڈاک کے ذریعہ سے پہنچتے تھے۔

ابن بطوطہ نے برید کا طریقہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ڈاک کے انتظامی حالات بیان کئے ہیں۔ وہ سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"اس وقت ڈاک دو قسم کی تھی ایک بریدالخیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری بریدالرجال (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہرکارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہنچتی ہے وہ فوراً اپنی کمر کستا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگرو دار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا رہتا ہے۔ دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ آگے لے جاتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ سے خراسان کے میوے، طباقوں کے اندر سربمہر روزانہ بادشاہ کے پاس پہنچتے تھے اور گنگا کا پانی بھی چالیس دن کے راستہ سے شاہی استعمال کے لئے اسی ذریعہ سے روزانہ پہنچتا تھا۔"[2]

---

[1] صبح الاعشیٰ جلد ۵ ص۶۹ از قلقشندی فرشتہ جلد ۱ حالات محمد تغلق [2] عجائب الاسفار۔

جب کوئی اجنبی ہندوستان آتا تو انہی ہرکاروں کے ذریعہ سے بادشاہ کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص اس شکل و حلیہ، اس صورت و لباس کا فلاں مقام پر آیا ہے اور اس کے متعلق مناسب احکام صادر کئے جاتے۔ خاص خاص قیدی بھی انہی کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچائے جاتے تھے۔

سکہ اور اوزان ایک درہم ہشت کانی، چار درہم سلطانی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ جنہیں دو کانی بھی کہتے تھے۔ ایک سکہ نصف درہم سلطانی کا بھی تھا جس کو یکانی کہتے تھے اور اس کی قیمت ایک جیتل تھی۔ ایک درہم کا نام دوازدہ کانی بھی تھا جو ڈیڑھ ہشت کانی کے برابر تھا۔ ایک سکہ شانزدہ کانی بھی تھا جس کی قیمت دو درہم کے برابر تھی۔ کل چھ نقرئی سکے اس وقت رائج تھے۔ شانزدہ کانی، دوازدہ کانی، ہشتکانی، شش کانی، سلطانی اور یکانی درہم سلطانی ۸ فلوس (پیسوں) کے برابر تھا اور جیتل چار فلوس کے برابر۔ درہم ہشتکانی کے ۳۲ فلوس ملتے تھے۔ سیر ستر مثقال کا تھا اور ایک من ۴۰ سیر کا ہوتا تھا۔

غلہ ایک من گیہوں ڈیڑھ ہشتکانی میں ملتا تھا۔ ایک من جو ایک درہم میں، چاول ایک درہم میں، ۱½ من مٹر اور چنا ایک درہم ہشتکانی میں دو من ملتا تھا۔ گوشت بکری کا ایک درہم سلطانی میں ۶ سیر ملتا تھا۔ بڑی بط دو درہم ہشتکانی میں ملتی تھی اور ایک ہشتکانی کی چار مرغیاں فروخت ہوتی تھیں۔ شکر ایک ایک ہشتکانی میں ۵ سیر ملتی تھی اور نہایت نفیس اور فربہ بھیڑ ایک تنکہ میں۔ اسی طرح ایک عمدہ بیل دو تنکہ میں فروخت ہوتا تھا۔

ابن بطوطہ نے جو حالات دربار وغیرہ کے لکھے ہیں وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ اس لئے مختصر الفاظ میں ان کا اظہار یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے:۔

"سلطان نے جو قصر دہلی میں تعمیر کرایا ہے اس کا نام دار السریٰ ہے اور اس میں متعدد دروازے ہیں۔ پہلے دروازہ پر محافظ فوج کا ایک دستہ ہر وقت متعین رہتا ہے اور نقارے، نفیریاں اور قرنا وغیرہ

بھی موجود رہتے ہیں جو امراءِ کبار کی آمد پر بجائے جاتے ہیں۔ یہی حال دوسرے اور تیسرے دروازے کا ہے۔ آخری دروازہ کے بعد قصر[1] ہزار ستون ملتا ہے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ نقیبوں کے سر پر زریں دستار، کمر میں پٹکا، ہاتھ میں طلائی یا نقرئی دستہ کا کوڑا رکھنا ضروری ہے۔ نقیبِ اعظم کے ہاتھ میں سونے کی جریب ہوتی ہے اور سر پر زریں کلاہ جس میں جواہر جگمگاتے رہتے ہیں۔

دربار دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک چبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ جب بادشاہ برآمد ہو کر اپنی نشست پر جاتا ہے تو تمام نقیب اور حاجب بآواز بلند بسم اللہ کہتے ہیں اور ملک کبیر چنور لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلطان کے دائیں جانب اور بائیں جانب سو سو مسلح سپاہی کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور شانوں پر کمانیں ہوتی ہیں۔ تمام امراء درجہ بدرجہ بٹھلائے جاتے ہیں۔ یہاں ساٹھ گھوڑے کوتل بھی جواہر کار ساز و براق کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھوڑوں کے بعد پچاس ہاتھی کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی جھولیں حریر کی ہوتی ہیں جن پر زردوزی کا کام ہوتا ہے اور ان کے دانتوں پر لوہے کا غول چڑھا رہتا ہے۔ ان ہاتھیوں پر ہودہ ہوتا اور ہر ہودہ پر چار علم بھی ہوتے ہیں۔

جلوسِ عید عید کی صبح کو ہاتھی آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان پر جواہر کار زردوزی کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سولہ ہاتھی بادشاہ کی سواری کے لئے مخصوص ہیں جن پر مرصع چھتر ہوتے ہیں۔ چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ بادشاہ جس ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اس کی مستک پر ایک روشن ستارہ جواہرات کا لگا دیا جاتا ہے۔ اس ہاتھی کے آگے غلاموں

---

[1] قصر ہزار ستون کا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے اس قصر کی چھت بھی لکڑی کی تھی۔

کی قطار ہوتی ہے جن کے سروں پر سونے کی کلغیاں ہوتی ہیں اور کمریں جواہر کار پٹکے۔ ان کے آگے ۳۰۰ نقیب ہوتے ہیں جو سر سے پاؤں تک زر و جواہر سے لدے رہتے ہیں۔ ان کے آگے امراء ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور پھر فوج اور ماہی مراتب عیدگاہ کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے اور جب تمام علماء و امراء اندر چلے جاتے ہیں تو پھر خود ہاتھی سے اُتر کر اندر جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر اُونٹ کی قربانی کرتا ہے۔

عید کے دربار میں حد درجہ تزک و احتشام سے کام لیا جاتا ہے جس کا بیان ابن بطوطہ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن ہم اس کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔ بیان ماسبق سے اس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب بادشاہ کسی سفر سے واپس آتا تو ہاتھی آراستہ کئے جاتے اور سولہ[16] ہاتھیوں پر جواہر کار ہودے رکھے جاتے۔ ہر ایک کی مستک پر ایک ستارہ لگایا جاتا جس میں موتی و الماس ٹنکے ہوتے۔ علاوہ ان کے کئی کئی منزل کے چوبی قبّے بنائے جاتے اور ان پر ریشمی کپڑا لپیٹ کر دیا جاتا۔ ان قبّوں کی ہر منزل میں خوب صورت کنیزیں پر تکلف لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے نغمہ و رقص میں معروف نظر آتیں۔ راستہ میں تمام ریشمی فرش ہوتا اور اس پر سے سلطان کی سواری گزرتی۔ شہر کے دروازہ سے لے کر قصر کے دروازے تک راستے آراستہ کئے جاتے اور ان پر بھی ریشمی فرش کیا جاتا۔ بادشاہ کے آگے ہزار غلام ہوتے اور پیچھے فوج کے دستے۔ بادشاہ جس وقت شہر کے اندر داخل ہوتا تو دینار و درم کی بارش ہونے لگتی تھی۔ غرباء انہیں لوٹتے تھے اور سلطان اس حال میں قصر کے اندر داخل ہو جاتا۔

طعام — طریق طعام یہ تھا کہ جب مطبخ سے کھانا چلتا تو نقیب باآوازِ بلند بسم اللہ کہتے ہوئے آگے ہوتے۔ جب کھانا بادشاہ کے قریب پہنچ جاتا تو سوائے بادشاہ کے سب کھڑے ہو جاتے اور کھانا فرش پر چنا جاتا۔

اس کے بعد نقیب اعظم بادشاہ کی مدح و تعریف کرتا اور تمام نقیب بادشاہ کو مجرا کر کے ہٹ جاتے۔ پھر بادشاہ کے سامنے تمام حاضرین کی فہرست پڑھی جاتی اور اس کے بعد کھانا کھایا جاتا۔ صدر دستر خوان پر فقہاء و علماء یا قضاۃ و مشائخ ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ کے اقارب و امراء کبار اور پھر تمام آدمی اپنی اپنی معین جگہ پر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد شراب دار سونے چاندی کے برتن لئے ہوئے آتے جن میں مصری کا شربت ہوتا۔ پہلے یہ پی لیا جاتا اس کے بعد کھانا شروع کیا جاتا۔ فراغتِ طعام کے بعد جو اور مویز کا افشردہ پینے کو دیا جاتا اور پھر ریشمی تاگہ سے بندھی ہوئی پان کی گلوریاں تقسیم ہوتیں۔"

عدل سلطان عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا حتیٰ کہ وہ اپنے وجود کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا۔ چنانچہ یہ گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا [1]

محمد تغلق اپنی صفات کے لحاظ سے ایک بے مثل حکمران تھا۔ عزم و استقلال سطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و اتقاء، شجاعت و بسالت، اس میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ وہ خود تمام امور کا انتظام کرتا، قوانین نافذ کرتا، اور خود اپنے کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا۔ خود میدان میں فوج کے ساتھ جاتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا۔

فتوحات تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور دراز علاقوں پر چھا گیا اور سلسلۂ فتوحات شروع ہوا تو گجرات،

---

[1] ابن بطوطہ (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ) ۱۴۷ - ۱۵۶ -

مالوہ، تلنگانہ، جھجر اور سمندر، لکھنوتی، (بنگال) سٹ گاؤں (چٹاگام) کرناٹک، ورنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آ گئے۔

بغاوت اس کی وہی رعایا جس پر وہ اپنی دولت بے دریغ صرف کیا کرتا تھا۔ اس سے متنفر ہو گئی۔ تمام دور دراز کے صوبے گجرات کے خود مختار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب ۲۶ سال کے بعد وہ ساحلِ سندھ پر دم توڑ رہا تھا تو اس کی ساری سلطنت میں شورش برپا تھی اور ہنگامہ و بغاوت سے سارا انتظامِ حکومت متزلزل ہو رہا تھا۔

اسبابِ ناکامی جس وقت غیاث الدین تغلق کا انتقال ہُوا تو خزانۂ شاہی معمور تھا اور سلطنت کی حالت نہایت اچھی تھی۔

لیکن اس میں کلام نہیں کہ محمد تغلق کے عزائم اور جذبات بذل و سخا کو دیکھتے ہوئے خزانہ اور حکومت کی تمام موجودات بہت کم تھیں۔ محمد تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی جو نصب العین مقرر کیا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا اس کے قبضہ میں چلی آئے اور لوگوں کو اتنی دولت تقسیم کر دے کہ کوئی شخص محتاج و غریب نہ رہے۔

چنانچہ اُس نے بے دریغ دولت لٹانی شروع کر دی اور تسخیر ایران و چین کے لئے کثیر افواج فراہم کر کے اور بھی خزانہ کو خالی کر دیا۔ چونکہ روپیہ برابر صرف ہو رہا تھا اور آمدنی کم تھی اس لئے محمد تغلق نے اس کے لئے دو تدبیریں اختیار کیں۔ ایک یہ کہ دوآبہ کے خراج میں ۴، ۵ فیصدی اور اضافہ کر دیا۔ خراج سے رعایا سخت بددل ہو گئی اور کاشت کاروں نے کاشت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے نہایت سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم دیا۔ عمال نے تشدد سے کام لے کر خراج وصول کرنا شروع کر دیا اور رعایا بھاگ نکلی۔ گاؤں ویران ہو گئے۔ زراعت بالکل مسدود ہو گئی، سارا ملک تباہ ہو گیا۔ اسی وقت نہایت سخت قحط پڑ گیا جس نے ان تباہیوں میں اور اضافہ کر دیا۔

ہر چند محمد تغلق نے انسدادِ گرانی کے لئے پوری کوشش کی اور شاہی ذخیرہ

سے لوگوں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ ان تدابیر سے مصیبت دُور نہیں ہو سکی۔ چنانچہ خراج کی تدبیر سخت ناکام ثابت ہوئی۔

پھر سلطان نے اس امر کی کوشش کی کہ ویران گاؤں آباد ہو جائیں۔ کاشت کی حالت بہتر ہو جائے اور اس کے لئے اس نے خزانۂ شاہی سے ستر لاکھ تنکہ بطور تقاوی کے رعایا کو تقسیم کیا۔ لیکن کارکنوں نے بہت کچھ اس میں سے غصب کر لیا۔ تھوڑا بہت جو رعایا کو ملا بھی اس میں سے ہزارواں حصّہ بھی خزانہ میں نہ آسکا۔ اب چونکہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور روپیہ کی ضرورت شدید تھی اس لئے سلطان نے خیال کیا کہ سکّہ کی قیمت بڑھا دینی چاہیئے اور اسی خیال کو پیشِ نظر رکھ کر اُس نے تانبا کا سکّہ بجائے طلائی سکّہ کے جاری کیا۔ لیکن اس تدبیر نے اور زیادہ نقصان پہنچایا۔ چونکہ دارالضرب میں سکّہ ڈھالنے کا کوئی ایسا مخصوص طریقہ نہ تھا کہ عام طور سے لوگ اس کی نقل کر سکیں۔ اس لئے تمام ملک میں گھر گھر خفیہ ٹکسالیں قائم ہو گئیں اور لوگوں نے کروڑوں سکّے تانبہ کے بنا کر بازار میں سونے چاندی کے ہم وزن سکوں سے بدلنا شروع کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام تاجر، زمیندار، گاؤں کے مکھیا اور ہندو راجے دولت مند ہو گئے اور خزانۂ شاہی خالی ہونے لگا۔ آخر کار سلطان نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مجبوراً اس سکّہ کے رواج کو بھی مسدود کرنا پڑا۔ اس سے انکار نہیں کہ سلطان خود رائے تھا اور طبیعت میں سختی تھی۔ بلا مشورہ کے جو کام کئے اس کا ہی یہ نتیجہ تھا جو رونما ہُوا۔

جب سلطان کو اپنی ان تدابیر میں ناکامیابی ہوئی تو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح وہ سخت غضب ناک ہو گیا اور بات بات میں قتل کرا دینا اس کے دربار کا معمولی منظر ہو گیا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے اس کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شاہی قصر کے کسی دروازہ پر بارش انعام ہوتی ہوگی تو دوسرے دروازہ پر تم کسی لاش کو بھی ضرور پھڑکتے ہوئے دیکھو گے۔

پھر چونکہ محمد تغلق کی یہ برہمی، ہر ناکامی کے ساتھ روزانہ بڑھتی جا رہی تھی

اور تمام رعایا اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف سے بددلی عام ہو گئی اور اس کے تمام امراء و اراکین میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیا دار الحکومت دہلی سے پایۂ تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا بجائے خود ایک عمدہ تجویز تھی۔ کیونکہ دیوگیر درمیان میں واقع تھا اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا۔ لیکن اس کا یہ حکم دینا کہ تین دن کے اندر دہلی کی تمام آبادی معہ اپنے اسباب کے دیوگیر منتقل ہو جائے اور ایک متنفس بھی یہاں باقی نہ رہے۔ یہ جابرانہ حکم تھا اور اس میں شک نہیں کہ جہاں اور اسباب امراء و اراکین کی بددلی کے تھے انہی میں سے یہ بھی ایک قوی سبب تھا۔

یہاں ایک امر اور قابل غور ہے کہ جن صوبوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ان میں سے اکثر وہی تھے جو اس کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ پھر جو انہوں نے بغاوت کر کے خود سری اختیار کی تو اس کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ غلام خاندان کے زمانہ میں صوبہ کے گورنر جاگیردار ہوتے تھے اور چونکہ وہ خود بھی اپنے بادشاہوں کی طرح ترک نژاد تھے۔ اس لئے سلطنت کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جب ان ترک فرمانرواؤں کے بعد خلجیوں کا دور شروع ہوا تو ان سے نظام میں کچھ تغیر پیدا ہوا۔ لیکن نہ اس قدر۔ کیونکہ خلجی سلطنت کے زمانہ میں صوبوں کے گورنر پھر بھی مرکزی حکومت سے قریب کا تعلق رکھتے تھے لیکن جب عہد تغلق شروع ہوا تو یہ تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اور صوبوں کی حکومت اجنبی سرداروں (ایرانیوں، خراسانیوں، تغلقوں، افغانوں) کے سپرد کی گئی جو بادشاہ سے نہ خون کا تعلق رکھتے تھے نہ قومیت کا۔ بادشاہ جس قدر ان پر انعامات کی بارش کرتا جاتا تھا ان کی طمع بڑھتی جاتی تھی اور یہ خود اپنی خود مختار سلطنتیں قائم کر لینی چاہتے تھے۔

چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کی وسیع سلطنت (ایسی وسیع کہ پھر دو صدی بعد تک ایسی وسعت حاصل نہ ہو سکی) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی۔ ہر چند ان بغاوتوں کے

فرو کرنے میں بادشاہ نے پوری کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہُوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہر جگہ نہ پہنچ سکتا تھا اور وہاں حالت یہ تھی کہ آج ملتان باغی ہُوا تو کل بنگال کل لاہور میں فتنہ اُٹھا تو پرسوں ورنگل میں۔ اس وقت اودھ کی بغاوت کی خبر ملی تو دوسرے وقت گجرات کی۔ بادشاہ کہاں کہاں پہنچ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ بعض صوبے جن میں بنگال اور دکن بھی شامل تھے بالکل خود مختار ہو گئے اور پھر کبھی تغلق سلطنت میں شامل نہ ہو سکے[۱]

سلطان محمد تغلق نے ۲۶ سال تک حکومت کی اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ باعتبار وضع قوانین نظم سلطنت، کثرت فتوحات، ایک یادگار زمانہ تاریخ ہند کا شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اسباب کی وجہ سے جن کا اجمالی بیان ہم نے کیا ہے اس کا درمیانی اور آخری عہد درجہ اضطراب و اضطرار میں بسر ہُوا۔ جس سال وہ مرنے والا تھا اسی سال سندھ میں بغاوت رونما ہوئی۔ محرم کا مہینہ تھا کہ اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بے شمار افواج لئے ہوئے ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔

وفات محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۰ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ صرف تیس کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد اس نے مچھلی کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں کیا اور تیسرے دن ٹھٹھہ سے صرف چودہ کوس کا فصل رہ گیا تھا کہ بادشاہ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ ایک ہفتہ تک سلطان اسی حالت میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ ۲۱ محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندانِ تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہدِ حکومت ختم ہو گیا جس کا مثل تاریخ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی[۲]

---

[۱] ملخص اسلامی ہند۔ [۲] طبقات اکبری ۹۵ - ۱۱۳

سُلطان فیروز شاہ

۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ
۱۳۵۱ء ۱۳۸۸ء

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت میں وہ "فیروز شاہ" کی تخت نشینی کے لئے وصیت کر گیا تھا۔ اس لئے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو وہیں وادی سندھ کے اندر تمام امراء کے انتخاب و اعادہ سے تخت نشین ہوا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد "دہلی" کی طرف روانہ ہوا۔ ہر چند اس تخت نشینی پر "تغلق شاہ" کی لڑکی "خداوندزادہ" (داور الملک کی ماں) کی طرف سے اعتراض ہوا کہ بھانجے کے ہوتے ہوئے برادر عم زاد کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امراء نے خداوندزادہ کو سمجھایا کہ داور الملک حکومت کا اہل نہیں ہے اور اس وقت جب کہ ہم لوگ دہلی سے بہت بعید فاصلہ پر ہیں اور مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ کسی ہوشیار اور قابلِ دماغ کی ضرورت ہے۔ اس لئے فیروز شاہ کا تخت نشین ہونا ہر طرح مناسب ہے۔ رہا داور الملک تو اس کو نائب بادبک بنا دیا جائے گا۔ یہ سُن کر "خداوندزادہ" خاموش ہو گئی۔ اور پھر "فیروز شاہ" کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ "خواجہ جہاں" نے دہلی میں "محمد تغلق شاہ" کا حال معلوم کر کے اس کا ایک فرضی بیٹا قرار دے کر تخت نشین کر دیا تھا (سو اس کے متعلق بھی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مفصل حالات لکھ کر ثابت کیا کہ اس طرز عمل میں خواجہ جہاں کی کوئی بدنیتی شامل نہ تھی) لیکن فیروز شاہ بغیر کسی مقابلہ کے دہلی میں داخل ہوا اور محل میں جا کر خداوندزادہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے فیروز کے سر پر تاج رکھا اور اس کے بعد اکیس دن

تک جشن شاہانہ منایا گیا۔

اخلاقی زندگی سلطان فیروز حد درجہ رحیم المزاج نیک نفس، پابند مذہب بادشاہ تھا اور وہ خون ریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود فتوحات" فیروز شاہی" میں جا بجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جور وظلم سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین یہی بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن وسکون نظر آئے خونریزی مفقود ہو جائے۔ رعایا خوشحال رہے اور اس کی طرف سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

جب فیروز شاہ جشن سے فارغ ہوا تو" خواجہ فخر شادی" نے جو سلطنت کا محاسب اعظم تھا۔ ایک فہرست پیش کی کہ خواجہ جہاں نے فلاں فلاں لوگوں کو اس قدر زر و جواہر تقسیم کیا تھا اور محمد شاہ تغلق نے جو دو کروڑ تنکہ تعاوی تقسیم کرنے کی غرض سے دیا تھا اس میں سے فلاں فلاں کو اتنا ملا ہے۔ فیروز شاہ نے قوام الملک خان جہاں سے رائے طلب کی۔ اس نے کہا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو وہ گذشتہ تقصیریں لوگوں کی معاف کر دیتا ہے۔ اگر" محمد شاہ تغلق" کی تقسیم کردہ تعاوی اور" خواجہ جہاں" کے لٹائے ہوئے زر و جواہر کا مطالبہ کیا جائے گا تو لوگ بددل ہو جائیں گے اور وصول کچھ نہ ہو گا۔ فیروز شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی وقت تمام کاغذات جن میں حساب درج تھا مجمع عام میں جلا کر نیست و نابود کر دیئے اور ہر شخص اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے:۔

۱۔ مجھ سے قبل بہت سے ناجائز اور نامشروع ٹیکس قائم تھے۔ میں نے ان کو یکقلم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ صرف شرع کے مطابق خراج وصول کیا جائے۔ یعنی زمین مزروعہ کی پیداوار کا دسواں حصہ، معدنی پیداوار کا ایک خمس اور مسلمانوں کی صدقہ و زکوٰۃ کی رقم خزانہ میں داخل ہونی چاہیئے۔

۲۔ میرے عہد سے پہلے مال غنیمت کا پانچواں حصہ سپاہیوں کو دیا جاتا تھا باقی خزانہ میں

داخل ہوتا تھا۔ مَیں نے اس کو بھی موقوف کیا۔ کیونکہ حکم شرعی اس کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ خزانہ میں مالِ غنیمت کا ایک خُمس داخل کیا اور باقی سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

۳۔ شرع کے خلاف مسلمانوں میں عام طور سے یہ رواج ہو گیا تھا کہ ان کی عورتیں شہر کے باہر مزاروں پر جاتی تھیں۔ چونکہ اوباشوں کو بدمعاشی کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے مَیں نے حکم دیا کہ آئندہ جو عورت مزاروں پر جائے گی اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ یہ دستور بالکل موقوف ہو گیا۔

۴۔ مُجھ سے قبل یہ دستور تھا کہ شاہی دسترخوان پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا تھا اور تلواروں کے قبضے وغیرہ زر و جواہر سے مرصّع ہوتے تھے۔ مَیں نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ ہتھیاروں میں صرف ہڈیوں کے دستے لگائے جائیں اور ظروف نقرئی و طلائی کا استعمال یک قلم موقوف کر دیا جائے۔

۵۔ امراء زرّیں لباس پہنا کرتے تھے اور زرّیں لگام، گلوبند، صراحی، خیمے، پردے، کُرسیاں اور تمام چیزیں تصویروں سے آراستہ کی جاتی تھیں۔ مَیں نے ان ناجائز نقش و نگار کو محو کرا کے آئندہ کے لئے ممانعت کر دی۔

۶۔ ریشمین و زربفت کے لباس کا بھی امراء میں عام رواج تھا۔ مَیں نے اس کی بھی ممانعت کی اور شریعت کے مطابق ایک اُنگل سے زیادہ عریض ریشمی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

۷۔ میرے آقا سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کے وارثوں کو اور جو مفلوج الاعضاء تھے خود اُنہیں بلا کر اتنی بخشش کی کہ اُنہوں نے رضامندی کا اظہار کر کے اقرار نامے لکھ دیئے کہ ہم کو اب سلطان محمد تغلق پر کوئی دعوےٰ نہیں ہے۔ مَیں نے یہ سارے اقرار نامے ایک

صندوق میں بند کرا کے محمد تغلق کی قبر کے سرہانے رکھ دیئے۔ (۳) اُمید کے ساتھ کہ خدا میرے آقا کے ساتھ مہربانی فرمائے گا۔

۸۔ مجھ سے قبل جو وظائف اور دیہات معافی وغیرہ کے ضبط ہو گئے تھے ان کے متعلق میں نے عام حکم دے دیا کہ :-

"از روئے سند جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں تمام وظائف وغیرہ بحال کر دیئے جائیں۔"

سراج عفیف نے فیروز شاہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً فیروز شاہ نہایت اچھے صفات کا بادشاہ تھا اور محمد تغلق کے بعد ہندوستان کو ایسا فرمانروا رحل جانا ایک ایسا مرہم تھا جس نے تمام جراحتوں کو مندمل کر دیا۔ فیروز شاہی عہد میں جو انتظامات ہوئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ :-

۱۔ بازار نفیس اور عمدہ اسبابِ تجارت سے معمور ہو گئے۔

۲۔ مزدوروں کو پوری اُجرت ملنے لگی اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔

۳۔ پیشہ ور لوگ نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے اور شہر کی رونق بڑھنے لگی۔

۴۔ ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے۔

۵۔ رعایا کے پاس غلہ اور تمام ضروری سامان زندگی مہیا ہو گیا اور تمام سلطنت میں امن و سکون اور مسرت و خوشحالی نظر آنے لگی۔ ہر چند ان ٹیکسوں کے موقوف کر دینے سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی۔ لیکن اس کے عوض میں مخلوقِ خدا کو جو راحت و آسانی حاصل ہوئی وہ کافی سے زیادہ معاوضہ اس کی کمی کا تھا جس پر فیروز شاہ قانع تھا۔"

سلطنت کے امراء و اراکین افسران و معززین علاؤالدین خلجی سے پہلے جاگیریں رکھتے تھے اور وہی ان کی خدمات کا معاوضہ سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے اس دستور کو مٹا کر نقد تنخواہیں کر دی تھیں اور تمام جاگیریں وغیرہ خالصہ میں شامل کر لی تھیں۔ لیکن جب فیروز شاہ نے عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اپنی فطرتی فیاضی اور نرمی سے مجبور ہو کر جاگیریں پھر بحال کر دیں اور کامل چالیس سال تک اس کے عہدِ سلطنت میں اس قاعدہ کی پابندی کی گئی اور کسی جاگیردار یا معافی دار کی طرف سے اظہارِ سرکشی و بغاوت نہیں ہوا۔

فوجی ملازمین کے لئے اس نے ایک قانون اور بنایا وہ یہ تھا کہ کوئی فوجی افسر مر جائے یا ضعیف ہو جائے تو اس کے بیٹے کو جگہ دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو داماد کو اگر یہ بھی نہ ہو تو غلام کو اور اس کے بعد اور کسی قریبی رشتہ دار کو جب تک فیروز شاہ زندہ رہا اس قانون پر عمل کیا اور اس طرح فوجی خدمات کی طرف لوگوں کو بہت زیادہ توجہ ہو گئی۔

فیروز شاہ کو چونکہ غلاموں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے تھوڑے دنوں میں تحائف اور نذرانوں کی صورت سے اس قدر کثیر تعداد میں غلام جمع ہو گئے کہ سلطان کو مستقلاً ان کا انتظام کرنا پڑا۔ بہت سے غلام تو اس نے مختلف اقطاعِ ملک میں بھیج دیئے اور وہاں اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ جو غلام شہر میں رہ گئے اُن کا مشاہرہ ۱۰۰ تنکہ سے دس تنکہ تک حسبِ حیثیت مقرر کیا۔ علاوہ اس کے ہر غلام کو اس کی میلانِ طبیعت کے موافق تعلیم بھی دلائی۔ کسی کو حافظ بنایا اور کسی کو فقیہ، کسی کو حدیث کا درس دلایا اور کسی کو علمِ کلام کا۔ کسی کو خوشنویسی کی تعلیم دلائی اور کسی کو سپاہ گری کی۔ اسی طرح دوسرے پیشوں اور حرفوں کی طرف ان کو راغب کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ اسّی ہزار غلاموں میں بارہ ہزار غلام صرف وہ تھے جو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے غلاموں کا محکمہ ہی جُدا کر دیا تھا اور اس محکمہ کے دیوان خزانچی، محاسب وزیر الگ

کردیئے تھے۔ جن امراء کو غلام دیئے جاتے تھے ان کو سخت تاکید کی جاتی تھی کہ اپنے بچّوں کی طرح ان کی پرورش کریں اور تعلیم و تربیت کی خاص نگرانی رکھیں۔

ترقیٔ زراعت زراعت و آبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲ پرگنے تھے اور تمام پرگنوں میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ تھا اور ایک چپہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی۔ صوبہ سامانہ میں بھی ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے تھے اور تمام رعایا خوشحال نظر آتی تھی۔

ارزانی کی یہ کیفیت تھی کہ خاص دہلی میں ایک من گیہوں ۸ جیتل میں ایک من جوار اور جو ۴ جیتل میں عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر دلا ہوا غلہ جسے سراج عفیف نے دلیدہ یعنی "دلیہ" سے تعبیر کیا ہے ایک جیتل میں خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جیتل کا ایک سیر اور شکر ۳ یا ۳½ جیتل کی ایک سیر ملتی تھی۔ اگر کبھی امساکِ باراں ہوتا تو ایک تنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ چالیس سال تک فیروز شاہ نے حکومت کی اور اس زمانہ میں قحط عام یا گرانی کی شکایت کسی کو نہیں ہوئی۔ کپڑے کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔

آمدنی اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۸۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی ۶ کروڑ ۸۵ لاکھ تنکہ تھی۔ لیکن یہ سب خزانۂ شاہی میں نہ آتی تھی بلکہ مختلف امراء و ارکین، ملوک و وزراء، ملازمینِ مال، فوج پر جاگیروں کی صورت میں منقسم تھی۔ خان جہاں وزیر کی ذاتِ خاص کا تیرہ لاکھ تنکہ مقرر تھا۔ اسی طرح کسی کی جاگیر آٹھ لاکھ کی تھی، کسی کی چھ لاکھ کی، کسی کی ۴ لاکھ تنکہ کی۔ چنانچہ امراء کی دولت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب ملک شاہین شنجہ (جو مجلس خاص کا نائب امیر بھی تھا) مرا ہے تو علاوہ قیمتی گھوڑوں اور جواہرات کے پچاس لاکھ تنکہ نقد اس کے گھر سے نکلا تھا۔ اس طرح عماد الملک کی دولت کا کوئی اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔

مشہور ہے کہ اُس نے روپیہ رکھنے کے لئے جو تھیلیاں سلوائی تھیں ان میں ہی اڑھائی ہزار تنکہ صرف ہو گیا تھا حالانکہ اُس وقت ایک ٹاٹ کا تھیلہ چار جیتل

میں آتا تھا) کہا جاتا ہے کہ سترہ کروڑ تنکہ نقد اس کے پاس موجود تھا۔ پھر یہ دولت و خوشحالی مخصوص افراد کا حصہ نہ تھی بلکہ تمام امراء و اراکین، ملازمین و متوسلین یہاں تک کہ کاشت کار اور مزدور بھی ایک دوسرے سے مستغنی نظر آتے تھے اور بعد درجہ راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ علماء و مشائخ کے لئے ۳۶ لاکھ تنکہ اور سائلین و فقراء کے لئے ایک لاکھ تنکہ بطور وظائف کے تقسیم کیا جاتا تھا۔

بے روزگاری کا انسداد فیروز شاہ کے لئے یہ امر بارِ خاطر تھا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بیکار رہے اور کلفت سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا تھا کہ جب کوئی شخص بیکار نظر آئے تو کوتوال اہلِ محلہ سے اس کے حالات تحقیق کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرے۔ پھر بادشاہ ہر بیکار کو اس کی حسب حیثیت مشاغل بتا دیتا۔ کسی کو کارخانہ میں بھیج دیتا، کسی کو وزیر کے پاس بھیج دیتا۔ اگر کوئی کسی جاگیردار کے پاس رہنا چاہتا تو وہاں بھیج دیا جاتا۔ ان لوگوں کے رہنے کے لئے مکان ملتے اور ان کی معاش کا پورا انتظام کیا جاتا۔

کارخانہ جات بادشاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے۔ ان کی دو قسمیں تھیں، معمولی اور غیر معمولی۔ معمولی قسم میں فیل خانہ یا پائے گاہ (اصطبل) مطبخ، شتر خانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے۔ ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا اور اس قدر صرف ملازمین وغیرہ کے مشاہرہ کا تھا۔

غیر معمولی قسم میں جامدار خانہ، علم خانہ، فراش خانہ، رکاب خانہ وغیرہ داخل تھے۔ ان کارخانوں کے لئے ہر سال نیا سامان خریدا جاتا۔ جامدار خانہ کے لئے موسم سرما میں (بہار و گرمی کی خریداری علیحدہ تھی) ۶ لاکھ تنکہ کا، علم خانہ کے لئے ہر سال ۸۰ ہزار تنکہ کا اور فراش خانہ کے لئے ہر سال دو لاکھ تنکہ کا اسباب خریدا جاتا تھا ہر کارخانہ ایک امیر کے سپرد تھا اور سب کا حساب جداگانہ مرتب کیا جاتا اور تمام

کارخانوں کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کے ذمہ تھی۔

سکہ سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکوں کی طرف بہت توجہ تھی۔ اس نے بڑی احتیاط کی کہ سکے عمدہ اور خالص تیار ہوں۔ اس کے عہد کے خاص سکے علاوہ طلائی اور نقرئی تنکہ کے جو پہلے سے رائج تھے۔ چہل وہشت گانی، بست و پنج گانی (یہ سکہ خاص فیروز شاہ کی اختراع تھا) بست وچہار گانی، دوازدہ گانی، دہ گانی، ہشت گانی، شش گانی تھے۔ ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لے کر ۶ جیتل تک تھیں۔

ایک بار بادشاہ کو خیال آیا کہ خرید و فروخت کے وقت ایک جیتل سے کم کا حساب ہوتا ہوگا تو بیچنے والا کیونکہ فاضل رقم واپس کرتا ہوگا جبکہ جیتل سے کم سکہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دو سکے اور رائج کیے۔ ایک نصف جیتل کا جسے آدھ کہتے تھے اور دوسرا پاؤ جیتل کا جس کا نام بیکھ رکھا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ شش گانی سکہ میں کچھ خفیف سی کھوٹ ہے اور بازار میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے وزراء کو حکم دیا کہ اس کی کامل تحقیقات کی جائے۔ یہ واقعہ ۷۷۲ھ ۱۳۷۰ء کا ہے۔ خان جہاں زندہ تھا جب اس کو بھی خبر ہوئی تو بادشاہ سے عرض کیا کہ سکہ کی حالت ناکتخدا لڑکی کی سی ہے کہ اگر اس کی عصمت پر جھوٹا الزام بھی لگ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اس لئے اگر اعلانیہ تحقیقات کی گئی اور کھوٹ ثابت ہو گیا تو شاہی سکہ کا اعتبار اٹھ جائے گا اس لئے پہلے خفیہ جانچ مناسب ہے۔

اس وقت کجر شاہ ٹکسال کا مہتمم تھا اس سے خان جہاں نے دونوں مخبروں کو حراست میں لے کر کہا کہ کیا تم اپنے طور پر تحقیق کر کے مجھے اطلاع دو گے؟ چنانچہ اس نے تفتیش کی اور خان جہاں سے کہا کہ واقعی ٹکسال کے بعض شریر آدمیوں نے سکہ میں کچھ کھوٹ ملادی ہے۔ خان جہاں یہ سن کر خاموش ہوگیا اور پھر کچھ سوچ کر حکم دیا کہ سناروں کو بلاکر بادشاہ کے سامنے اس طور سے جانچ

کرائی جائے کہ وہ سکّہ کے کھرے ہونے کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔

کجر شاہ نے ستاروں سے حالات بیان کئے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سامان کے برہنہ طلب کئے جائیں لیکن تھوڑی سی چاندی کسی کوئلہ کے اندر رکھ کر شگاف یا سوراخ کو موم سے بند کر دیا جائے۔ جب ہم سکہ گلائیں گے تو اس کوئلہ کو بھی اس میں ڈال دیں گے اور اس کی چاندی سکہ کی چاندی سے مل کر وزن کو پورا کر دے گی۔

چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور مجمع عام میں بادشاہ کے سامنے سکّہ کی جانچ کی گئی۔ چونکہ اس ترکیب سے کسی کو کھوٹ کا پتہ نہ چلا اور سکّہ کا وزن صحیح نکلا۔ اس لئے بازاروں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جانچ سے سکہ ششگانی بالکل کھرا معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ کجر شاہ کو خلعت دیا گیا اور مخبروں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد خان جہان نے کسی اور بہانے سے کجر شاہ کو علیحدہ کر دیا۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں کس قابلیت کا وزیر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں فیروز شاہ کیسا امین اور متدین تھا۔

جب بادشاہ نے بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شہر حصار فیروزہ کی بنیاد ڈالی (جس کا حال آگے آتا ہے) تو اس نے اس نواح کی زمین کو (جس میں فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں داخل تھے) کی پیداوار کو بہت بڑھایا۔

انتظام آب پاشی بادشاہ کو آبادی املاک کا اس قدر خیال تھا کہ بارش کے زمانے میں وہ خاص خاص سرداروں کو متعین کرتا کہ وہ نہروں کے کنارے پھر کر دیکھیں کہ سیلاب کہاں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتا جب اسے معلوم ہوتا کہ کاشتکار نہروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔
فیروز شاہ کے یہی انتظامات تھے جنھوں نے نہ صرف اس کی جاگیر بلکہ سارے ملک کو آباد و خوشحال بنا دیا تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی تعمیرات ہیں، جنہوں نے ایک طرف ملک کو پُر رونق بنانے میں مدد دی تو دوسری طرف رفاہِ عام میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

اس کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا اور آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اوّلیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل ہوا۔

نئے شہروں کی بنا علاوہ فتح آباد و فیروزہ حصار کے اس نے حسب تفصیل ذیل اور نئے شہر تعمیر کئے :۔

"فیروز آباد، فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کاسنہ، تغلق پور ملوک مکوت اور جونپور۔ اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک، نزول کوشک، مہندواری، کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد، کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں اور جو دلّی سے نظام الدین جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے) کوشک بند فتح خاں، کوشک سامورہ خاص شہرت رکھتے تھے۔"

اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے۔ ان میں "بند فتح خاں" بند مالجا، بند مہیا لپور، بند شکر خاں، بند سالورہ اور بند وزیر آباد بہت مشہور ہیں اور چھوٹے چھوٹے بندوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔

خانقاہیں و سرائیں دہلی اور فیروز آباد میں اس نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے مسافروں اور فقراء سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ تمام مصارف خزانۂ شاہی سے نقد دیئے جاتے تھے اور ایک امیر ان کا متولی تھا۔

محلّات فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کئے تھے۔ ایک کا نام "محل صحن گلی" اس کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام "محل چھجہ چوبیں" تھا اور تیسرے کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ صحن میانگی اس کا دوسرا

نام تھا) پہلے محل میں صرف خوانین، ملوک، امراء اور خاص خاص اہلِ قلم سے ملاقات ہوتی تھی۔ دوسرا محل گویا خلوت کدہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی تھی۔ تیسرا محل عام دربار کے لئے تھا۔

باغات فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤالدین کے زمانہ کے تیس باغات کو بھی از سرِ نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ اسی طرح سلورہ کے قریب اس نے اسّی باغ تیار کرائے اور چتور میں چوالیس تمام باغوں میں علاوہ اور میووں اور پھلوں کی آمدنی تھی۔ جب حصار فیروزہ میں نہر کا پانی آنے لگا تو یہاں بھی کثرت سے باغات نصب کرائے۔

نہریں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رفاہِ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجراء تھا۔ حصار فیروزہ جس جگہ بنایا گیا تھا وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی، اس لئے اس نے یہ مصیبت دُور کرنے کے لئے اور نیز مزارعین کو فائدہ پہنچانے کے لئے دو نہریں بنوائیں۔ ایک نہر اس نے دریائے جمن سے نکالی جس کا نام اس نے رجبیراہ (رجیواہ) رکھا اور دوسری نہر دریائے ستلج سے جس کا نام الغ خانی تھا۔ یہ دونوں نہریں کرنال کے قریب ہو کر گزرتی تھیں اور اسّی کوس کے بعد دونوں مل کر شہر فیروزہ حصار میں پہنچتی تھیں۔ یہ دو نہریں آج بھی موجود ہیں۔

اس نہر کا ثبوت عہدِ اکبری کی ایک سند ۹۷۰ھ سے بھی ملتا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے کہ دریائے چٹانگ سے ۲۱۰ سال ہوئے سلطان فیروز شاہ نے نہر نکالی تھی۔ نالوں وغیرہ کا پانی بہتا ہوا سادورہ کے قریب ہانسی، حصار کے پہاڑی کے دامن میں پہنچتا ہے۔

علاوہ ان نہروں کے فیروز شاہ نے اور بھی متعدد نہریں جاری کی تھیں جن میں سے ایک کا ذکر تیمور نے اپنے ملفوظات میں قلعہ لونی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ :-

"قلعۂ لونی دریائے جمنا اور ہنڈون کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈون حقیقتاً ایک بڑی نہر ہے جسے فیروز شاہ نے دریائے کالی ندی سے نکال کر فیروز آباد کے محاذ میں جمنا سے ملا دیا تھا۔"

رفاہِ عام

فیروز شاہ کو عمارات اور رفاہِ عام کے کاموں کی طرف بہت توجہ تھی اور اس نے کثرت سے اس قسم کی عمارتیں بنوائیں جس سے رعایا کو فائدہ پہنچے۔

آثارِ قدیمہ کا تحفظ

آثارِ قدیمہ کو محفوظ رکھنے کا خیال سب سے پہلے ہند و پاک میں فیروز شاہ کو پیدا ہوا اور اس خیال کے ماتحت جن جن عمارتوں کی اس نے مرمت کرائی ان کا ذکر خود اس نے اپنی فتوحات میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرانی عمارتیں جو خراب و ویران ہو گئی تھیں میں نے اُن کی مرمت کرائی اور اُن کی آبادی کو میں نے اپنے محلات میں تعمیر پر مقدم جانا۔ چنانچہ :-

۱۔ دہلی کی جامع مسجد جو سلطان معزالدین سام نے تعمیر کرائی تھی اور کہنگی کے سبب سے خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو بالکل نیا کرا دیا۔

۲۔ سلطان معزالدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار بوسیدہ ہو گئی تھی۔ میں نے از سرِ نو تعمیر کرایا اور منقش محرابیں صندل کی لگوا دیں۔ سلطان معزالدین کا بینار جو بجلی سے گر پڑا تھا میں نے اس کو پہلے سے بھی زیادہ بلند بنوا دیا۔

۳۔ حوض شمسی (سلطان التمش کے حوض) میں بعض شریر آدمیوں نے پانی آنے کی راہیں بند کر دی تھیں۔ میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور پانی کے منبع پھر جاری کر دیئے۔ اسی طرح حوض علائی (سلطان علاؤالدین کا حوض) مٹی سے بھر گیا تھا اور وہاں کھیتی ہونے لگی تھی میں نے اس کو بھی صاف کرا دیا۔

۴۔ سلطان التمش کا مدرسہ (جو التمش کے مقبرہ سے ملحق تھا) بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اسے بھی از سرِ نو بنایا اور صندل کے دروازے اس میں لگوا دیئے۔

جو ستون گر گئے تھے اُن کو پہلے سے زیادہ اچھا بنوا دیا۔ مقبرہ کا صحن مدور نہ تھا، میں نے اُسے مدور کرا دیا۔ چاروں برجوں کا پشتہ گر گیا تھا وہ بھی میں نے وسیع کرا دیا۔

۵۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے معزالدین سام کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا بالکل کھنڈر ہو گیا تھا اور قبر کا کہیں نشان نہ تھا۔ میں نے از سرِ نو برج کی تعمیر کرائی اور احاطہ کی دیوار کھنچوا کر قبر کا چبوترہ بنوا دیا۔

۶۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے سلطان رکن الدین کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا، بالکل خراب ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی دیوار احاطہ کھنچوائی اور نیا گنبد بنوا کر ایک خانقاہ بھی وہیں تعمیر کرا دی۔

۷۔ سلطان علاؤالدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوا دیئے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کے اندر جو مسجد تھی اس کی مغربی دیوار بنائی اور حویرہ کا فرش تیار کروا دیا۔

۸۔ سلطان قطب الدین کا مقبرہ اور سلطان علاؤالدین کے بیٹوں، خضر خاں شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں، عثمان اور اس کے پوتوں اور پرپوتوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور از سرِ نو تعمیر کرایا۔

۹۔ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیا) کے مقبرہ کے دروازے اور قبر کی صندلی جالیاں خراب ہو گئی تھیں ان کی مرمت کرائی اور چاروں محرابوں میں سونے کے جھاڑ طلائی زنجیروں سے آویزاں کرا دیئے۔ ایک مجلس خانہ بھی بنوا دیا جو اس سے قبل نہیں تھا۔

۱۰۔ سلطان علاؤالدین کے وزیرِ اعظم تاج الملک کافوری کی قبر ہموار ہو گئی تھی اور گنبد گر پڑا تھا۔ میں نے اس کی بھی از سرِ نو تعمیر کرائی۔

۱۱۔ دارالامان (یہ بڑے بڑے آدمیوں کے دفن ہونے کی جگہ تھی) میں نے دروازے صندل کے لگوائے اور مشہور آدمیوں کی قبروں کے غلاف اور پردے بنوائے۔

۱۲۔ سلطان محمد تغلق نے "جہاں پناہ" کی بنیاد ڈالی تھی میں نے اُسے مکمل کرایا۔

کیونکہ سلطان محمد تغلق میرا مربی اور استاد تھا۔

۱۳۔ دہلی میں اگلے بادشاہوں نے جتنے قلعے اور حصار بنوائے تھے ان سب کی میں نے مرمت کرائی۔

۱۴۔ ان مدرسوں و مقبروں کی تعمیر کا خرچ ان کی قدیم املاک اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا۔ بعض عمارتیں ایسی بھی تھیں جن کے فرش، روشنی اور مسافرین و زائرین کی مہمان نوازی کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی۔ میں نے ان کے لئے دیہات وقف کئے تاکہ ان کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

۱۵۔ نامور سلاطین اور اولیاء کے مقابر کے لئے دیہات وقف تھے، میں نے ان کو بدستور قائم رکھا۔

دارالشفاء

(۱۶) میں نے دارالشفاء بھی تعمیر کرایا۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ تمام طبقوں کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ اطباءِ حاذق تشخیص امراض و معالجہ کے لئے مقرر ہیں اور غذا، دوا وغیرہ سب جائدادِ موقوفہ کی آمدنی سے مہیا کی جاتی ہے۔

مدارس

فیروز شاہ نے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں سے ایک فتح خاں کے مقبرہ کے پاس تھا جسے "قدم شریف" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی اور ایک حوض بھی۔ فتح خاں، فیروز شاہ کا بہت محبوب فرزند تھا اور یہ مدرسہ مع مسجد کے اسی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔

دوسرا مشہور مدرسہ فیروز آباد میں تھا جو "فیروز شاہی مدرسہ" کے نام سے مشہور تھا۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ :-

"یہ مدرسہ بہ لحاظ عمارت و تعلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا"

اس مدرسہ کی عمارت بہت وسیع تھی اور اس کے گنبد بڑے شاندار تھے۔ یہ مدرسہ ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع تھا۔ ہر وقت سینکڑوں طلباء اور کثیر علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے تھے اور ایک باغ

ان کے لئے وقف تھا۔ یہاں ان کی تعلیم و تعلّم، درس و تدریس، عبادت و تفریح کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ تالاب کے کنارے باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے صیقل کئے ہوئے فرش پر اپنے مشاغل علمیہ میں منہمک نظر آتے تھے۔

اس مدرسہ سے متعلق ایک مہمان خانہ بھی تھا جہاں سیاح آکر قیام کرتے تھے اور مسجد مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ یا خیرات خانہ بھی تھا جس سے تمام غرباء اور مساکین کو امداد ملتی تھی۔

لاٹیں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے بے انتہا قابلِ قدر کام یہ ہے کہ اس نے قدیم عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر کوشک شکار میں نصب کرائے۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں۔ جن پر پالی حروف میں اسوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلّغ) کے احکامات مذہبی منقوش ہیں۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہنچے تو فیروز شاہ نے تمام پنڈتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا۔

ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش و سعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنے دارالحکومت میں منتقل کرایا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا فطری ذوق رکھتا تھا اور اس مسئلہ میں بھی وہ مذہبی تعصب سے کام نہ لیتا تھا۔ اس سے ان مذہبوں کے آثار باقی رہ گئے۔

فرشتہ نے اور صاحب طبقات اکبری نے حسب ذیل فہرست عمارات کی مرتب کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے:-

۵۰ بند، جن سے آبپاشی ہوتی تھی۔ ۴۰ مسجدیں۔ ۳۰ مدارس۔ جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں۔ ۲۰ خانقاہیں۔ ۱۰۰ محل۔ ۵ شفاخانے

۱۰۰ مقبرے - ۱۰ حمام - ۵۰ کنوئیں - ۱۰۰ پل - ۲۰۰ رباط - ۳۰ شہر - ۴۰ حوض ۱۰ مینارے - باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے - ان میں سے ہر عمارت کے لئے اس نے جائیداد وقف کی تاکہ وہ خراب نہ ہونے پائے اور اس کے مصارف پورے ہوتے رہیں -

مدارس کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے - مآثر رحیمی میں پچاس مدرسے درج ہیں - فقیر محمد لکھتے ہیں کہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں تیس کی تعداد درج ہے - اگر ان میں سے کوئی تعداد صحیح نہ ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے متعدد مدرسے قائم کئے -

ان شفاخانوں کا جو انتظام تھا اس کا حال خود فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھ دیا ہے اور جیسے ہم درج کر چکے ہیں -

دیوانِ خیرات غرباء کے فائدہ وسہولت کے لئے اس نے دیوان خیرات بھی قائم کیا تھا - اس سے مقصود یہ تھا کہ جن غرباء و ساکین کی لڑکیاں جوان ہو گئی ہوں اور بوجہ افلاس ان کی شادی نہ ہو سکتی ہو انہیں مدد دی جائے - پچاس سے بیس تنکہ تک ہر شخص کی مدد کی جاتی تھی -

سراج عفیف لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزاروں آدمیوں کی اعانت کی گئی اور خدا جانے کتنی تاکتخدا لڑکیوں کی شادی ہو گئی -

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علماء و مشائخ کے لئے اس نے ۳۶ لاکھ تنکہ کے وظائف مقرر کئے (مقابر کے لئے ایک لاکھ تنکہ اس کے علاوہ تھی) لیکن اس نے خدمتِ علم صرف اسی حد تک نہیں کی بلکہ تصانیف کی طرف بھی خاص توجہ کی -

جب سلطان نے نگرکوٹ فتح کرنے کے بعد وہاں کے راجہ کو بدستور حکمران قائم رکھا تو اس نے چند دن وہاں قیام بھی کیا - اس دوران میں اس سے لوگوں نے کہا کہ جب سکندر یہاں آیا تھا تو برہمنوں نے نوشابہ (سکندر بی بی) کا بت تیار کر کے اس کی پرستش شروع کر دی تھی، چنانچہ اب بھی یہاں کے لوگ اسی مجسمہ کو پوجتے ہیں -

دارالترجمہ و کتب خانہ فیروز شاہ سے برہمنوں نے یہ کہا کہ مندر میں ۱۳۰۰ کتب قدیم زمانہ کی رکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ فیروز شاہ اس بُت خانہ میں جس کو "جوالا مکھی" کہتے تھے گیا اور تمام علماء کو وہاں طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ ان ہی کتابوں میں سے ایک کتاب حکمت نظری و عملی کی تھی جس کو اعزالدین خالدنی نے (جو اس وقت کے مشہور شعراء میں سے تھا) نظم کر کے دلائل فیروز شاہی نام رکھا۔ ایک کتاب عروض علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں حاکم و محکوم کے درمیان ایسے تعلق پیدا ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی زبان کو سیکھتا تھا اور تعصب بڑی حد تک مٹ چکا تھا۔ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی (جس میں عہد فیروز شاہی کے ابتدائی دس سال کے حالات بھی درج ہیں) اس کے عہد میں ختم ہوئی۔ تفسیر تاتارخانی، فتاوائے تاتارخاں (جو فنِ تفسیر و فن فقہ کی بے مثل کتابیں ہیں) اور عین الملک اس عہد کی مشہور تصانیف ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

علماء و فضلاء فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے جو مدرسہ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے۔ دوسرے مولانا عالم آندپتی جن کی نسبت مولانا عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانی کی ترتیب میں ان ہی کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد) مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبدالمقتدر (جو علاوہ فاضل ہونے کے بے مثل شاعر بھی عربی، فارسی کے تھے اور جنہوں نے لامعۃ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کر لی ہے) ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر کڑوی اور قاضی عابد بھی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبانِ کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فنون کی ترویج فیروز شاہ کو تمام فنون کے ساتھ دلچسپی تھی۔ چنانچہ استاد

کے ماتحت اُس نے اپنے غلاموں کی بڑی تعداد کو مختلف پیشوں اور حرفوں کی تعلیم دلائی اور لوگوں میں مختلف نئی نئی چیزیں بنانے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ اس عہد کے ایک مشہور ایجاد طاس گھڑیال ہے جس سے نمازوں کے اوقات، روزہ کھولنے کا وقت، سایہ کا حال، شب و روز کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ فیروز آباد میں جہاں یہ گھڑیال لگا تھا وہاں اُس کے دیکھنے کے لئے ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس ایجاد کو خود فیروز شاہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر جشن کے موقعہ پر جو سال میں چار بار (عیدین، نوروز اور شب برات) ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد داستان گو، گویّے، ماہرینِ رقص، پہلوان اور کرتب دکھانے والے جمع ہو کر اپنا کمال و تماشا دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ سب کو انعام دے کر رخصت کرتا تھا۔

فیروز شاہ کو قدیم اور نادر چیزیں جمع کرنا کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اشوکا کے سنگین ستونوں کا فیروز آباد میں نصب کرنا بھی اسی ذوق کی بنا پر تھا۔ اس نے ایک خاص مکان اس لئے تعمیر کرایا تاکہ وہاں ایسی عجیب و غریب چیزیں رکھی جائیں۔

سراج عفیف نے لکھا ہے کہ اس عجائب خانہ میں ایک پستہ قد شخص ایسا تھا جو صرف ایک گز لمبا تھا۔ لیکن اس کا سر تین آدمیوں کے برابر تھا۔ دو آدمی دراز قامت تھے۔ یہ اتنے لمبے تھے کہ اس وقت کا طویل سے طویل قد رکھنے والا آدمی ان کی کمر تک پہنچتا تھا۔ دو عورتیں ایسی تھیں جن کی داڑھی بالکل مردوں کی طرح تھی۔ ایک بکری تین پاؤں کی تھی جو خوب دوڑتی تھی۔ ایک سیاہ کوا سرخ چونچ کا۔ ایک سپید طوطی سیاہ منقار کی۔ ایک گائے جس کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔

علاوہ ان کے اور بہت سی چیزیں اس عجائب خانہ میں تھیں۔ آدمیوں اور ہاتھیوں کی وہ ہڈیاں بھی اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی تھیں جو سرستی اور ستلج کے درمیان سے پشتۂ زمین کھودنے سے برآمد ہوئی تھیں۔ بعض ہڈیاں ایسی تھیں جو نصف پتھر ہو گئی تھیں۔

شکار فیروز شاہ کو کمسنی ہی سے شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ تغلق اسے منع بھی کرتا رہتا لیکن یہ باز نہ آتا۔ جب عنانِ حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس شوق نے اور زیادہ ترقی کر لی۔

یہ نہ صرف چیتوں اور سیاہ گوش کے ذریعہ سے شکار کھیلتا تھا بلکہ شیر بھی اس غرض سے اس نے پال رکھے تھے۔ شاہین، باز، جرہ، بحری وغیرہ کے ذریعہ سے بھی شکار کھیلتا تھا۔

موسم گرما میں دیپال پور اور سرستی کا درمیانی حصہ گورخر کے شکار کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح موسم سرما میں بدایوں اور آنولہ کے جنگلوں میں نیل گائے کا شکار کیا کرتا تھا۔ اگر کسی جنگل میں شیر آجاتا تو کوئی اس کا شکار نہ کرتا بلکہ بادشاہ کو اس کی خبر دی جاتی اور یہ فوراً وہاں پہنچ کر اس کا شکار کرتا۔

امن و سکون چونکہ فیروز شاہ فطرتاً رحیم المزاج تھا اس لئے فتوحات کے لحاظ سے اس نے کوئی ترقی نہیں کی۔ تاہم اس کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں جو طوائف الملوکی اور بدامنی پھیل گئی تھی وہ اس کے عہد میں مفقود ہو گئی اور سلطنت میں ہر طرف امن و سکون نظر آنے لگا۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا اس میں جنگی قابلیت تھی۔ لیکن وہ کشت و خون سے گھبراتا تھا۔

رکن جہاں حسن گنگو نے اپنی خود مختاری حکومت بہمنی سلطنت کے نام سے کوہ وندھیاچل کے جنوب تک قائم کر لی تھی اور جو ۱۸۰ تک قائم ہوئی مدتوں مطلق العنان رہا۔ بنگال کی طرف ہر چند فیروز شاہ دو مرتبہ گیا۔ لیکن کشت و خون کے خیال سے لوٹ آیا۔

پہلی دفعہ جب ۷۵۴ھ (۱۳۰۳) میں وہ بنگال کی طرف گیا تو گیارہ مہینے تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی افواج قتل کی گئی۔ لیکن جب فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ اس قدر جانیں ضائع گئی ہیں تو

اس نے یک ڈلہ کے قلعہ کا محاصرہ (جہاں شاہ بنگال بھاگ کر پناہ گزین ہو گیا تھا) چھوڑ دیا اور دہلی واپس آیا۔

فتوحات اس کے بعد ۶۰-۷۶۱ھ، ۶۰-۱۳۵۹ء میں وہ بنگال گیا۔ اس وقت ستر ہزار سوار اور بے شمار پیدل فوج ساتھ تھی (۴۷۰ ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ لیکن اس مہم کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ صلح ہو گئی۔ واپسی میں بادشاہ ہاتھیوں کا شکار کرنے پد ماوی (چھوٹا ناگپور) کے جنگل میں پہنچ گیا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر دہلی واپس آسکا۔ اس دفعہ وہ اڑھائی سال کے بعد دہلی آیا اور آخر ۶ ماہ میں تو کوئی خبر ہی بادشاہ کی دہلی تک نہ پہنچ سکی۔

اس کے بعد اس نے ٹھٹھہ فتح کرنے کا عزم کیا اور نوّے ہزار سوار ۴۸۰ ہاتھی لے کر بھکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوج ۵۰۰۰ کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پہنچی اور کچھ ساحل گئیں۔ اتفاق سے اس زمانہ میں قحط پڑ گیا اور سماوجام (فرمانروائے سندھ) کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ واپسی میں فیروز شاہ نے گجرات کا قصد کیا لیکن راستہ بتانے والوں نے دھوکہ دے کر کچھ کی دلدلوں میں پھنسا دیا۔ پھر چھ ماہ تک بادشاہ کی کوئی خبر دہلی نہیں پہنچ سکی۔ اس مصیبت سے نجات پانے پر بادشاہ نے پھر گجرات میں فوج مرتب کی اور دہلی سے کمک طلب کر کے سندھ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بادشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں کے فرمانروا کو معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد نگر کوٹ پر حملہ کیا اور وہاں اسے فتح ہوئی۔

جب فیروز شاہ دہلی آکر انتظامِ سلطنت میں مصروف ہوا تو خداوند زادہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) معہ اپنے شوہر کے وہیں ایک محل میں رہتی تھی۔ فیروز شاہ ہر جمعہ اس محل میں جاتا۔ ملک خسرو آگے کھڑا رہتا اور ملک داور (خداوند زادہ کا بیٹا) ماں کے پیچھے بیٹھتا۔ جب بادشاہ رخصت ہونے لگتا تو خداوند زادہ پان دیتی۔

واقعہ ہر چند خداوند زادہ فیروز شاہ کی تخت نشینی پر راضی ہو گئی تھی،

لیکن حقیقتاً وہ اس سے خوش نہ تھی۔ ایک بار اس نے فیروز شاہ کو قتل کر دینے کی سازش کی اور محل کے اندر حجروں میں زرہ پوش سپاہیوں کو چھپا کر تاکید کر دی کہ "جب میں اپنے سر پر دوپٹے کو درست کرنے لگوں تو فیروز شاہ کا کام تمام کر دیں۔"

رحم دلی

جب فیروز شاہ حسب معمول آیا تو داروملک نے جو اس سازش میں شریک نہ تھا بادشاہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ کچھ سمجھ کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ خداوند زادہ روکتی رہی مگر یہ کوئی عذر کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد جب خداوند زادہ کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو زرہ پوش سپاہی گرفتار ہوئے اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا۔ بادشاہ نے خداوند زادہ کو صرف یہ سزا دی کہ وہ گوشہ نشین ہو جائے اور اپنا وظیفہ لیتی رہے اور اس کے شوہر خسرو ملک کو جلاوطن کر دیا۔

جب بادشاہ اوّل مرتبہ بنگال کی مہم پر گیا تو تاتار خاں بھی ساتھ تھا۔ بادشاہ کبھی کبھی شراب کا شغل کیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کو اتفاق سے تاتار خاں اس کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ فیروز اس وقت اسی شغل میں مصروف تھا۔ فوراً شراب کا سامان پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ لیکن تاتار خاں نے دیکھ لیا اور بادشاہ کو نہایت سختی سے زجر و توبیخ کی۔ بادشاہ بہت نادم ہوا اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ میں تمہاری موجودگی میں کبھی شراب نہ پیئوں گا۔

وقائع

تاتار خاں صرف ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن یہ فیروز شاہ کی حد درجہ انصاف پسندی اور سلامت طبع تھی کہ اس نے اپنے ایک معمولی امیر کی جھڑکی سن لی اور جواب میں سوائے انفعال و ندامت کے اظہار کے اور کچھ نہ کہا۔

جب بادشاہ ضعیف ہو گیا تو اس کو ایک سخت صدمہ تو اپنے وزیر خان جہان کی وفات کا پہنچا اور دوسرا صدمہ بڑے بیٹے فتح خاں (ولی عہد) کا جس کی وفات وزیر کے تین سال بعد وقوع میں آئی۔ فتح خاں نہایت ہوشیار و قابل لڑکا تھا۔ اس لئے اس کی موت نے بادشاہ کی کمر توڑ دی۔

فیروز شاہ نے خان جہاں کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو وزیر کر دیا۔ لیکن

فیروز کے دوسرے بیٹے محمد کی سازش سے وزیر کو معزول ہو کر جان کے خوف سے بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے ناصر الدین کا خطاب دے کر تمام انتظامات سلطنت محمد کے سپرد کر دیا۔ چونکہ محمد سخت نالائق تھا اس لئے غلاموں میں اس کے طرزِ عمل سے سخت ہنگامہ بپا ہو گیا۔ فیروز شاہ کو مجبوراً اپنی خلوت سے نکلنا پڑا۔ اور بمشکل اس شورش کو رفع کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔

وفات چند دن بعد ۱۸ رمضان ۷۹۰ھ کو انتقال کر گیا۔ اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ اس نے قریب چالیس سال کے حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسنِ انتظام کے چھوڑ گیا۔ فیروز شاہ حوض خاص (شمسی) کے پاس مدفون ہوا۔ اس کا مقبرہ اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے [1]

علمی دربار فیروز شاہ تغلق سلطان محمد بن تغلق کی طرح صاحبِ علم و تصنیف تھا۔ فتوحاتِ فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے کا بڑا قدردان تھا۔ اس کا دربار علماء و فضلاء، شعراء اور دوسرے اصحاب کا مرجع تھا۔ ضیاء برنی اور عفیف جیسے مؤرخ اور ادیب مظہر ہندی جیسے شاعر تاتار خاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے اس کا دربار آراستہ رہتا تھا۔ اس نے جو کہ اوپر ذکر کیا ہے بڑی بڑی مساجد، مدارس بنوائے۔ ان کے مصارف کے لئے ہزاروں روپیہ کے اوقاف مقرر کئے۔ اس نے محکمہ تراجم بھی قائم کیا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

> "بادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمودہ ازاں جملہ اعز الدین خالد خانی کہ شعراء آں کتابے در حکمت طبعی و شگون و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ و الحق آں کتابست متضمن اقسام حکمت عملی و علمی" [2]

---

[1] ملخص از طبقات اکبری صفحہ ۱۱۲ - ۱۲۱ و تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔ [2] فرشتہ جلد اول ص ۱۴۳ و طبقات اکبری ص ۲۴۳۔

فیروز شاہ کے علمی ذوق کا ہی اثر تھا کہ امرائے سلطنت بھی علم سے شغف رکھتے تھے۔ امراء میں سے امیر تاتار خاں تھا جس نے تفسیر کلام پاک کی لکھی جو تفسیر تاتارخانی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح اس نے درمختار اور شامی کے مثل ایک فتاویٰ کی کتاب ترتیب دی جو تین جلدوں میں ہے۔ دہلی کے تمام فتوؤں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اس کتاب میں درج کیا اور اختلاف والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا۔ اس کا نام فتاویٰ تاتارخانی رکھا[1]

فیروز شاہ کے عہد میں طِب کو فروغ

سراج عفیف لکھتا ہے:۔ "چوں سلطان فیروز شاہ

بچندیں قید مؤکلاں آستانہ شفاخانہ وصحت خانہ برائے عامہ مریضان بنا فرمودہ واطبائے حاذق وحکمائے صادق وقدمائے مصدق وجراحان وکحالاں دراں مقام تعین گردانیدہ وادویہ وطعمہ واشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر بردہ باب کرم عام بہ شفقت تمام بر خلائق خاص وعام کشادہ"

---

[1] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ صد ۳۹۲۔

تغلق شاہ ثانی

امراء نے تغلق شاہ ثانی، فتح خاں کے بیٹے (اور فیروز شاہ کے پوتے) کو بادشاہ (۷۹۰ھ میں) بنا دیا۔[1]

چونکہ یہ ایک بے وقوف نوجوان تھا اور سوائے لہو و لعب کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا اس لئے امراء اور محل کے غلاموں نے جبکہ اس کی حکومت کو صرف چھ ماہ اور کچھ دن کا زمانہ گزرا تھا ۷۹۱ھ میں قتل کر دیا۔

ظفر خاں اس کے بعد ظفر خاں کے بیٹے[2] ابوبکر کو امراء نے تخت نشین کیا۔ رکن الدین چندہ منصبِ وزارت پر سرفراز ہوا۔ مگر چونکہ اس کا چچا ناصر الدین محمد جسے فیروز شاہ کے عہد میں غلاموں نے نکال دیا تھا پنجاب میں سامانہ سے نگر کوٹ تک اپنا کافی اقتدار پیدا کر چکا تھا اس لئے وہ دہلی کی طرف بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء میں تختِ دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند یہ چار سال تک حکمران رہا لیکن اس کے زمانۂ حکومت میں ہر جگہ ہندوؤں نے بغاوت شروع کر دی اور کچھ اقتدارِ سلطنتِ دہلی کا باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔

سلطان محمد کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں (سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے) ۷۹۵ھ میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ہمایوں کا بھائی محمود اٹھارہ سال تک حکمران رہا۔ لیکن اس شان سے کہ تختِ سلطنت کبھی قنوج میں تھا کبھی دہلی میں۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۶۸ [2] ایضاً

ادھر دہلی کا بھی یہ حال تھا کہ ادھر محمود اپنے کو بادشاہ کہتا تھا اُدھر فیروزآباد میں نصرت شاہ، فتح خاں کا بیٹا حکمرانی کر رہا تھا۔ اس طرح گویا دہلی کے تخت پر دو بادشاہ قابض تھے اور ملک میں حد درجہ بدامنی پھیل رہی تھی۔ الغرض یہ تھا ہندوستان کی سلطنت کا حال جب امیر تیمور صاحبقراں نے ۹۲ ہزار سواروں کی جمعیۃ سے دہلی پر حملہ کیا۔ تیمور کے حملے کا مفصل حال ظفر نامہ، ملفوظات تیموری اور مطلع السعدین میں درج ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس کا ایک خاکہ پیش کرینگے۔ کیونکہ تیمور کا شمار ہندوستان کے بادشاہوں میں نہیں ہے اور اس لئے اس کے حالات سے جداگانہ بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تیمور ہندوستان آنے سے قبل تمام عراق و فارس، افغانستان و ایشیائے کوچک کو زیر نگین کر چکا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت اس طرف بھی متوجہ ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے فوجی مشیروں کے سامنے ہندوستان کے مسئلہ کو بھی پیش کیا۔ ان سب میں سے بعض نے کہا کہ پانچ دریاؤں کا عبور کرنا، گھنے جنگلوں سے گزرنا۔ بڑے بڑے راجاؤں کی خونخوار افواج (جو جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح چھپی ہوتی ہے) سے عہدہ برآ ہونا، آہن پوش ہاتھیوں کو شکست دینا ایسا آسان کام نہیں ہے۔

بعض نے محمود غزنوی کی مثال پیش کی کہ اُس نے صرف تیس ہزار سواروں کی مدد سے ہندوستان کو فتح کر لیا تھا اور ہمارے پاس تو ایک لاکھ جرار فوج موجود ہے۔ اس کے ساتھ شہزادہ شاہ رخ (تیمور کے بیٹے) نے بھی ہندوستان کی دولت اور یہاں کے کفر و بُت پرستی کا ذکر کر کے جہاد پر آمادہ کیا۔ مخالفین نے پھر ایک دلیل پیش کی کہ اگر وہاں کامیابی ہو بھی گئی ہو تو ہماری نسل کے لوگ جو وہاں حکمران ہوں گے ان میں بعد کو یقیناً انحطاط پیدا ہو جائے گا اور وہاں کی آب و ہوا ان کو آرام طلب، عیش پسند اور غیر جنگجو بنا دے گی۔ اس پر تیمور نے کہا کہ میرا مقصد قیام کرنا نہیں ہے۔

اس سے قبل پیر محمد جہانگیر (تیمور کا پوتا جو کابل کا گورنر تھا) تمام حدودِ افغانستان کو زیر کر کے ہندوستان کے اندر پہنچ چکا تھا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

اتفاق سے اس وقت جبکہ تیمور حملۂ ہندوستان کی تیاریاں کر رہا تھا پیر محمد کی تحریر پہنچی جس میں سلطنت دہلی کی بدنظمی اور طوائف الملوکی وغیرہ کا مفصل حال درج تھا۔

اس تحریر کو دیکھتے ہی تیمور نے رجب ۸۰۰ھ مارچ ۱۳۹۸ء میں اپنے دارالسلطنت سمرقند سے ہندوستان کی طرف کوچ کر دیا اور ۸ محرم کو سرحد کی سنگلاخ زمینوں، کوہستانوں کی چوٹیوں اور وادیوں کو طے کرتا ہوا اس دریائے سندھ پر پہنچ گیا جسے جلال الدین خوارزم نے چنگیز خاں تیمور کے مورث اعلیٰ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر عبور کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے کشتیوں کا ایک پُل دو دن کے اندر تیار کرایا اور ۱۲ محرم کو دریا عبور کر کے اپنے پوتے پیر محمد سے مل گیا جس نے اب ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔

پنجاب کی حالت اس وقت یہ تھی کہ تیموری حملہ کی داستانیں عام ہو گئی تھیں اور دیپال پور کے لوگ بھاگ بھاگ کر بھیٹنیر کے قلعہ میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور بھیٹنیر پہنچا اور وہاں قتلِ عام کر کے آگے بڑھا۔ اب فتح آباد بھی ویران تھا۔ سرستی کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے اور تیمور جس طرف سے گزرتا تھا نصرت و کامیابی اس کے ساتھ دے رہی تھی۔ آخر کار ۲۴ ربیع الاول کو پانی پت کے مشہور میدان میں پہنچ گیا۔ یہاں کوئی اس کا مقابل نہ تھا اس لئے وہ آگے بڑھا اور ۷ ربیع الثانی کو دہلی پہنچ گیا جہاں محمود شاہ کی فوج اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھی۔

امیر تیمور نے اپنی فوج اس طرح مرتب کی کہ پیر محمد اور امیر یادگار وغیرہ کو میمنہ سپرد کیا۔ سلطان حسین اور خلیل سلطان وغیرہ کو میسرہ میں رکھا اور

خود قلب میں رہا۔

محمود شاہ کی فوج میں بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ علاوہ اس کے ایک سو بیس ہاتھی بھی تھے۔ یہ بالکل آہن پوش تھے اور ان کے دانتوں میں زہریلی کٹاریں لگی ہوئی تھیں اور ان کے اوپر ہودوں میں تیرانداز اور آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور جب فوج کی ترتیب سے فارغ ہوگیا تو اس نے ایک بلندی پر چڑھ کر فوج کے مواقع دیکھ کر اپنی فتح کے لئے دُعا مانگی اور پھر حملہ کا حکم دیا۔ تیمور کی میمنہ نے ہندی فوج کی میسرہ پر تیروں کی بارش شروع کی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی طرح ترکیوں کے میسرہ نے دہلی فوج کے میمنہ کو پسپا کر دیا۔ قلب میں چونکہ اقبال خاں اور خود محمود شاہ موجود تھے۔ اسی لئے اس حصّہ نے تھوڑی دیر تک سخت مقابلہ کیا مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہاں سے بھی رات کو چھپ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

۸ ربیع الثانی کو فتح کے بعد تیمور نے حوضِ خاص پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ تمام امراء و اراکین حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور علماء و فضلاء بھی آئے جن کی خواہش کے مطابق اس نے قتلِ عام کا حکم نہیں دیا اور زرِ فدیہ لے کر سب کو امان دینے کا وعدہ کر لیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جشنِ فتح مندی شروع ہوگیا۔

ایک ہفتہ بعد ۱۶ ربیع الثانی کو زرِ فدیہ کی وصولی میں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کچھ سختی ہوئی تو اس پر لوگوں میں کچھ ہنگامہ ہوا تھا کہ تیموری فوج جو پہلے ہی سے غارت گری کے لئے کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی برہم ہو کر لوٹ مار پر آمادہ ہوگئی۔

تیمور نے بہت کوشش کی کہ خونریزی نہ ہو لیکن وہ اپنی فوج کے بڑھے

ہوئے جوش کو نہ روک سکا اور پھر مسلسل ۱۹ ربیع الثانی تک سوائے ان مقامات کے جہاں علماء و فقہاء وغیرہ رہتے تھے سری جہاں پناہ اور دہلی کہنہ خون ریزی اور غارت گری کا نہایت ہولناک منظر بنے رہے۔

اس لوٹ میں اس قدر زر وجواہر نقرئی و طلائی برتن، زیورات اور قیمتی کپڑے ہاتھ آئے کہ شاید اس سے قبل کبھی تیموری فوج کو نصیب نہ ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر شخص کو بیس سے لیکر ایک سو غلام تقسیم ہوئے۔ تیمور نے دہلی کے بہت سے پیشہ ور دست کار اور حرفہ جاننے والے لوگوں کو سمرقند روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان فنون کی تعلیم دی جائے۔

تیمور کو پندرہ دن دہلی میں قیام کئے ہوئے ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ یہاں ٹھہرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا مقصود تو صرف جہاد تھا اس لئے وہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو دہلی سے روانہ ہوا اور قلعہ فیروز آباد میں نماز پڑھ کر میرٹھ گیا۔ اس کو تباہ و برباد کر کے ہردوار پہنچا اور یہاں بھی اسے فتح حاصل ہوئی۔

اس کے بعد دریائے گنگ کو عبور کر کے مسوری کے نیچے کوہ سوالک میں نشاناتِ فتح چھوڑتا ہوا اس نے نگرکوٹ اور جموں کو فتح کیا اور ۱۹ جمادی کو افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا۔[1]

خدا کا قہر ختم ہو چکا تھا اور اب لوگوں کو اپنی پوشیدہ جگہوں سے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اب تک وہی تھی اور ہر جگہ قحط و تباہی رونما تھی۔ جب تیمور نے اس کو چھوڑ دیا تو اقبال خاں نے نصرت شاہ کو الگ کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند۔

اور اٹاوہ و گوالیار وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو جو خود مختار ہو گئے تھے، زیر کرنے کی سخت کوشش کی۔

محمود شاہ نے قنوج میں اپنی حکومت قائم کی اور ۸۰۸ھ میں اقبال خاں خضر خاں گورنر ملتان کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اس کے بعد چھ، سات سال تک پھر وہی طوائف الملوکی، گورنروں کی باہم خونریزی قائم رہی۔ یہاں تک کہ جب محمود شاہ نے ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء میں انتقال کیا تو تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے کوئی نام کا بھی فرمانروا موجود نہ تھا۔

آخر کار لوگوں نے مجبوراً امیر دولت خاں لودی کو فرماں روا بنا دیا لیکن اس نے کبھی اپنے کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ چند ماہ بعد خضر خاں (گورنر دیبل پور) نے دہلی کا محاصرہ کیا اور ۸ ربیع الاول ۸۱۷ھ (۲۳ مئی ۱۴۱۴ء) کے دن دولت خاں نے قلعہ سیری اس کے سپرد کر دیا۔ جس سے حکومتِ ہندوستان سید خاندان میں منتقل ہو گئی[1]۔

محمود شاہ کے عہد کا مشہور شاعر قاضی ظہیر دہلوی تھا جو صاحب دیوان ہے۔ اس نے محمود شاہ کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔

ملائے بدایونی کا بیان ہے کہ " قاضی ظہیر کے بعد کوئی شاعر اس پائے کا نہیں گزرا۔

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

سیّد خاندان

سنہ ۸۱۷ھ تا سنہ ۸۵۵ھ
۱۴۱۴ء — ۱۴۵۱ء

خضر خاں، ملک الشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ناصر الملک مروان دولہ (گورنر ملتان) کا متبنّٰے فرزند تھا۔ اس کے مرنے پر ملک شیخ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ لیکن قضا نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا۔ اس لئے فیروز شاہ ملک سلیمان کو اقطاع ملتان کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ بھی چند روز زندہ رہا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا خضر خاں یہاں کا فرمانروا مقرر کیا گیا[1] چونکہ ملک سلیمان سید تھا اور خضر خاں اس کا بیٹا تھا اس لئے جو عہدِ حکومت خضر خاں سے شروع ہوتا ہے اسے سید خاندان کی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خضر خاں کو کسی مؤرخ نے سلطان کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو "بندہ رایت عالی" اور تخت نشینی سے پہلے "مسند عالی" لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں رایت عالی درج ہے اور ملائے بدایون نے مسند عالی تحریر کیا ہے۔

فرشتہ نے صرف "سید خضر خاں" کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خضر خاں نے باوجود تخت نشین ہوجانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تصنیف میں صرف اس بیان پر کفایت کی ہے کہ :-

"اسم بادشاہی برخود تجویز نہ کرد و رایات اعلیٰ خطاب یافت"[2]

---

[1] منتخب التواریخ صـ مطبوعہ نولکشور [2] ایضاً

سکہ خضر خاں نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کرایا چونکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جانے کی آرزو نہ رکھتا تھا اس لئے اس کو پرواہ نہ ہوسکتی تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے؟ البتہ وہ سنہ ضرور درج کرتا تھا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ فلاں شخص کے عہدِ حکومت میں یہ سکہ مضروب ہُوا۔

خضر خاں سب سے پہلے تاریخِ ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہُوا۔[1] جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے بعد حکومت میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خاں ملا اقبال خاں کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کرکے اس کو قید کر لیا (۷۹۸ھ) اس کے بعد خضر خاں کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء میں دولت خاں لودھی کو زیر کرکے دہلی پر قبضہ حاصل کیا۔

اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار پھر قائم ہو جائے۔ لیکن وہ اس میں صرف اسی قدر کامیاب ہُوا کہ قرب و جوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہوگئے لیکن بغاوت و شورش بدستور باقی رہی اور جو اجزاء سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہوسکے۔

۸۱۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بدایوں اور کیتھر کی طرف روانہ کیا۔ یہاں کا راجہ ہرسنگھ کوہستان آنولہ میں بھاگ گیا اور پھر مطیع ہوگیا۔ اسی طرح حیات خاں امیر بدایونی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کرکے شمس آباد اور کمبل (کملا) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا۔ لیکن چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی اس لئے پھر شورش و انحراف کی شکایت رہی اور ۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۵۔

گوالیار جانا پڑا۔ خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا۔ کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیار گیا قلعہ تو فتح نہ ہوا۔ لیکن وہاں کے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کیا۔

۸۲۰ھ ۱۴۱۷ء میں ملک طغائی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں حاکم سمانہ کو اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغائی نے اطاعت قبول کی اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا۔

۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء میں راجہ کیتھر نے بغاوت کی۔ تاج الملک نے اسے زیر کیا اور اٹاوہ کو تاخت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۸۲۲ھ میں خود خضر خاں کو کیتھر کی طرف جانا پڑا۔ اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بداؤں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہابت خاں حاکم بداؤں قلعہ بند ہو گیا۔ خضر خاں نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا۔ قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کو سارنگ خاں کہتا ہے خروج کر کے اقطاع جالندھر میں شورش برپا کر رکھی ہے۔ بمشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرو ہوا۔

۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء میں خضر خاں نے میوات کو زیر کیا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے خراج لے کر اٹاوہ پہنچا اور یہیں بیمار پڑ گیا۔[1] چنانچہ اسی حال میں دہلی واپس آیا اور ۱۷ جمادی الاول ۸۲۴ھ مئی ۱۴۲۱ء کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے قبل چار ماہ محرم میں ہو چکا تھا۔

آثار الصنادید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء میں دریا کے کنارے ایک شہر بھی آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ و محلات تعمیر کرائے تھے لیکن اب اس قلعہ کا پتہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اب جس موضع کا نام خضر آباد ہے وہی جگہ خضر خاں کا آباد کیا ہوا شہر ہو۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۶۔

خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۹ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو (یعنی وفات خضر خاں کے تین دن بعد) تخت نشین ہوا۔

اسی سال شیخا کھوکھر کے بھائی جسرت اور طغائیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ لاہور بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس لئے چند دن قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۸۲۶ھ ۱۴۲۳ء میں کیتھرہ (روہیلکھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اسی سال بیانہ میں بدامنی پھیلی اور مبارک شاہ نے اُسے فرو کیا۔

۸۲۹ھ ۱۴۲۵ء میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور مبارک شاہ سے برہان آباد ضلع اٹاوہ کے میدان میں جنگ ہوئی لیکن ابراہیم شاہ شرقی جونپور خائف ہو کر چلا گیا اور ۸۳۱ھ ۱۴۲۸ء میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۸۳۳ھ ۲۹-۱۴۳۰ء میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اُٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا فولاد غلام مارا گیا اور بمشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔

مبارک شاہ اپنے خصائل کے لحاظ سے نیک طینت اور کریم النفس شخص تھا۔ وہ اکثر و بیشتر خود اپنی فوج کے ساتھ جا کر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا۔ جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آ رہی تھی وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی۔ جونپور اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت قائم ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچائی جس قدر اقطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خاں سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خاں لودھی کے خلاف روانہ ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پایۂ تخت پہلے ہی ہندوستان میں

اپنا اقتدار کھو چکا تھا اور تیمور کے حملہ نے تو ایسی کاری ضرب لگائی کہ گجے پتی بادشاہوں کی جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں مرتسم تھی وہ دفعتہً زائل ہو گئی۔

کیتھر کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی۔ دہلی کے جنوب میں جو ایک حصہ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیرداروں، راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا اس نے سر اٹھایا۔ مبارک شاہ نے ان کو دبایا خراج وصول کیا عارضی طور سے وہ مطیع ہو گئے اور پھر سرکشی اختیار کی۔

الغرض یہی مدوجزر قائم رہا۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے ککھروں یا کھوکھروں سے پہنچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور ان تاتاری حملوں سے جو شاہ رخ کے گورنر کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

مبارک شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سرور الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا۔ تاریخ وفات مصنف مبارک شاہی نے ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ جنوری ۱۴۳۴ء) تحریر کی ہے۔

مبارک شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مکار وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو خضر خاں کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مبارک شاہ کا متبنیٰ فرزند تھا۔ تخت نشین کر دیا اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے خزانہ و جیل خانہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیوں کو (جن میں سدپال اور سدہارن کھتری قاتلِ مبارک شاہ بھی شامل تھے) تقسیم کیں اور امراء مبارک شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا۔

چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا) کی دغابازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہو گیا تھا اس لئے ان امراء نے جو خضر خاں کے ممنون تھے (مثلاً الہ داد، کا کا لودی، امیر سنبھل، اہالہ میاں، حاکم بدایوں، امیر علی گجراتی، امیر کمبل ترک بچہ) سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امراء

کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ انہی میں ایک کمال الملک بھی تھا جو در پردہ سرور الملک کا سخت دشمن تھا اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہنچے تو کمال الملک کے ساتھی امراء کو معلوم ہُوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انہوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع کی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہُوا اور اسی اثناء میں کمال الملک نے ملک الہ داد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رخ کیا اور قلعۂ سری کو محصور کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قائم رہا۔

بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے اس لئے اس نے سرور الملک کو جبکہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرت ناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تئیں خود مختار بادشاہ سمجھا۔ اس کے بعد ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گھکروں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ لیکن پھر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ملک میں پھر وہی بدامنی شروع ہو گئی اور قرب و جوار کے خود مختار فرماں رواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرقی (جونپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرماں روا محمود خلجی کی جرأت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا۔ ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (لیکن حقیقتاً وہاں کا حکمران) تھا اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دُور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودھی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب دیا۔ ہر چند اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہُوا۔

محمد شاہ بن فرید خاں ۸۴۹ھ میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد

تمام امراء نے سوائے بہلول لودھی کے علاؤالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے دہلی کا حکمران تسلیم کیا۔ لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت و اطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے۔ اس وقت سلطنت دہلی کی تفریق و انتشار کی یہ حالت تھی کہ :-

۱ - دکن، گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ انہوں نے جاری کر رکھا تھا۔

۲- پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیبل پور اور سرہند تک بہلول لودھی کی حکومت تھی۔

۳ - مہرولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خاں میواتی قابض تھا۔

۴ - سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودھی کی فرمانروائی تھی۔

۵ - کمپلا اور پٹیالی میں پرتاپ سنگھ کی حکومت تھی۔

۶ - بیانہ میں داؤد خاں لودھی کا تصرف تھا۔

۷ - گوالیار و دھولپور بھدورا میں جدا جدا راجہ فرمانروا تھے۔

۸- لاپری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمران تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودھی میں لکھا ہے کہ اس وقت علاؤالدین کی سلطنت کے متعلق عام طور سے یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ " بادشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم" الغرض سلطنت دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔

پھر اس کے ساتھ طرہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو بدایوں کی آب و ہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی اور دارالحکومت اس کو بنانا چاہا۔ ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دو بار بہلول لودھی حملہ کر چکا تھا (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاؤالدین کی تھی۔ دوسری حماقت

یہ ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر حمید خاں کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدایوں سے بھاگ کر دہلی آ گیا۔ اس نے علاؤ الدین سے انتقام لینے کے لئے بہلول لودھی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی۔ یہ پہلے ہی سے تیار تھا فوراً دہلی آ گیا اور قبضہ کر لیا۔

لیکن علاؤ الدین کا نام خطبہ اور سکّہ میں بدستور جاری رکھا۔ بعد کو جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خاں کو قید کر کے علاؤ الدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔

اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خطبہ سے علاؤ الدین کا نام خارج کرا دیا اور چتر شاہی سر پر رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔

علاؤ الدین بدایوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا۔ اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدایون ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سید خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بہلول لودھی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آنے لگا جسے خاندانِ لودھی کہتے ہیں[1]

---

[1] یہ بیان فرشتہ کا ہے، بدایونی اور طبقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
(اسلامی ہند)

لودھی خاندان

۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ
۱۴۵۱ء ۱۵۲۶ء

فرشتہ نے بہلول کے خاندانی حالات کی صراحت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ لودھی، افغانوں کی ایک جماعت تھی جو ہندوستان میں بہ سلسلۂ تجارت آمدرفت رکھتی تھی۔ بہلول کا دادا ملک بہرام، فیروز شاہ کے عہد میں ملتان آیا۔ اور یہاں کے حاکم مردان دولت کا ملازم ہوگیا۔ اس کے پانچ بیٹے ملک سلطان شہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جب ملتان کا حاکم خضر خاں ہوا تو ملک شہ اس کا ملازم ہوگیا۔ اس نے خضر خاں کی طرف سے ملو اقبال سے جنگ کی اور اس کو قتل کر دیا۔ اس صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دے کر سرہند کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

ملک شہ کا بڑا بھائی ملک کالا جو دورالہ کا حاکم تھا ایک جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی۔ وضع کے دن قریب تھے کہ اتفاق سے ایک مکان کی چھت گر پڑی۔ وہ تو مر گئی لیکن جنین زندہ رہا جو اس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی تھا وہ یتیم فرزند (ملو) جس کی قسمت میں آئندہ بہلول لودھی ہونا لکھا تھا۔

اس بچہ کی تربیت اس کے چچا اسلام خاں نے کی۔ جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں اس کی خدمات سے اس قدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی اس سے منسوب کر دی اور اپنے بعد اس کو جانشین کر گیا۔ اسلام خاں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بارہ ہزار افغانی سپاہیوں کو وہ اپنے پاس سے تنخواہ دیتا

تھا۔ ہر چند اسلام خاں کے بعد اس کے بھائی (ملک فیروز) اور بیٹے (قطب خاں) نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور بہلول کا اقتدار بڑھتا گیا۔[1]

یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بہلول لودھی سلطنتِ دہلی حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے بے تاب تھا اور متواتر حملے بھی اس نے کئے تھے۔ چنانچہ جب حمید خاں وزیر نے اس کو بلایا تو وہ فوراً چلا گیا اور وہاں حمید خاں کو قید کر کے ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

بہلول لودھی کو سلطنت دہلی جس حال میں ملی تھی اس کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح تمام صوبے خود مختار ہو گئے تھے اور حکومت دہلی گویا صرف شہر دہلی سے تعبیر کی جاتی تھی۔ لیکن باوجود اس بدامنی و انتشار کے بہلول لودھی نے جس قابلیت اور عزم و ثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا۔ وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودھی نے ۳۸ سال تک حکومت کی اور اس طویل زمانہ میں ایک بار بھی اس نے کسی ایسے طرزِ عمل کو پیش نہیں کیا جو شاہانہ عزائم وملوکانہ خصائل کے منافی ہوتا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ کی اور دہلی کا انتظام اپنے بیٹے بایزید اور دیگر امراء کے سپرد کر کے دیبل پور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود شاہ فرماں روائے جونپور نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی بیوی کے اصرار سے (جو علاؤالدین، سید خاندان کے آخری حکمران کی بیٹی تھی) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول یہ خبر سُن کر پنجاب سے دہلی آیا اور افغانوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ اطرافِ پنجاب سے فراہم کر لایا۔ ہر چند اس مقابلہ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور وہ جونپور چلا گیا۔ لیکن بعد کو مسلسل ۲۶ سال تک بہلول لودھی اور فرمانروایانِ جونپور کے درمیان آتشِ جنگ مشتعل رہی اور آخر کار بہلول لودھی نے

---

[1] فرشتہ صفحہ ۱۷۳

۸۹۳ھ[1] میں سلطنت جونپور کی جداگانہ ہستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور حسین شاہ شرقی کو (جو سلطنت جونپور کا آخری فرمانروا تھا) ایسی سخت شکست دی کہ پھر وہ سر نہ اُٹھا سکا۔

ہر چند جونپور کے لئے اسے بہت کوشش کرنی پڑی اور تمام وقت اسی میں صرف ہو گیا۔ لیکن وہ سلطنت کے دیگر اقطاع سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس نے تمام ملک کا دَورہ کیا اور اپنے حُسنِ تدبیر سے سلطنت دہلی میں پھر وسعت پیدا کر دی۔

میوات جا کر اس نے احمد خاں حاکم میوات کو اطاعت پر مجبور کیا اور سات پرگنے اس سے نکال کر دہلی میں شامل کر لئے۔ اسی طرح بلند شہر میں جا کر دریا خاں لودھی حاکم سنبھل سے سات پرگنے لے لئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان کول میں آیا اور عیسےٰ خاں سابق حاکم کو اپنی جگہ بحال کر کے برہان آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ پھر راجہ پرتاپ سنگھ کو زیر کر کے صرف بھوگاؤں اس کی جاگیر میں رکھا اور باقی سب مقامات سلطنت دہلی میں شامل کر لئے۔ یہاں سے چل کر قلعہ رابری اور چندوار کو فتح کیا اور اٹاوہ کے حاکم کو بھی مطیع بنا لیا۔

علاوہ اس کے حسبِ روایت تاریخ سلاطین افاغنہ اس نے رانا اودے پور کو بھی شکست دے کر تمام اقطاع اجمیر پر قبضہ کر لیا اور سندھ میں احمد خاں کو شکست دے کر حدودِ سلطنت کو وہاں تک وسیع کر لیا۔

الغرض ۳۸ سال کے اندر اندر بہلول لودھی نے کڑہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی بدایوں، دوآبہ کا تمام حصّہ، اٹاوہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات کول (علی گڑھ) برہان آباد کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور پنجاب میں بھی وہی اقتدار قائم کر دیا جو اس سے قبل کسی وقت پایا جاتا تھا۔

---

[1] بدایونی ۸۸۴ھ تحریر کرتا ہے۔

یقیناً یہ امر حیرت ناک معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مُردہ سلطنت میں کیونکر بہلول لودھی پھر نئی روح پھونک سکا۔ لیکن اس کا جواب صرف اس کے خصائل کے بیان سے دیا جا سکتا ہے۔ جنہیں صاحبِ تاریخ داؤدی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"بہلول لودھی مذہب کا سخت پابند اور بے انتہا سخی و شجاع بادشاہ تھا۔ رحم و رافت اس کی فطرت تھی اور احکامِ شرع کی پابندی اس کا تنہا نصب العین۔ وہ اکثر علماء و مشائخ کو اپنی صحبت میں رکھتا اور غرباء و مساکین کے حالات ہمیشہ تحقیق کرتا رہتا۔ اس نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔

وہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا اور لوگوں کی شکایتیں خود سُن کر فیصلہ کیا کرتا تھا۔ وہ بے انتہا دانشمند تھا اور حد درجہ غور و تامل لطف و مہربانی سے کام لے کر انصاف کرتا تھا (جو کچھ اسباب وغیرہ) اُسے ملتا وہ سب فوج کو تقسیم کر دیتا تھا اور خود صرف خشک روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستانہ صحبتوں میں وہ کبھی تخت پر نہ بیٹھتا اور نہ رؤسا کو اپنے سامنے کھڑا رہنے دیتا۔ وہ سب کو اپنے برابر جگہ دیتا اور اگر کوئی امیر ناراض ہو جاتا تو اس کے خوش کرنے کے لئے بعض اوقات یہاں تک ایثار سے کام لیتا کہ اس کے قدموں پر پگڑی تک ڈال دیتا۔"

اس کی تخت نشینی سے پہلے دہلی کے پٹھانوں میں یہ رسم تھی کہ مُردہ کے سویم میں مٹھائی، شربت اور پان وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اس رسم کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ اس رسم میں فضول مصارف ہوتے تھے۔

اس کے ضبط کی عجیب و غریب شان وہ تھی کہ جب ایک دن جامع مسجد کے اندر ایک مُلّا نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو صاف طور

پھر ذریاتِ شیطان سے تعبیر کیا اور اس نے ہنس کر صرف یہ کہا ۔

" ملا صاحب! ہم سب بندگانِ خدا ہیں "۔

تعمیرات کا بھی اُسے شوق تھا۔ لیکن اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ تاہم اگر یہ جدید تحقیق صحیح ہے کہ آگرہ کی بنیاد اُس نے رکھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے بھی اس نے اپنے کو غیر فانی بنا دیا۔ لیکن تمام مؤرخین آگرہ کی بنیاد کو سکندر لودھی سے منسوب کرتے ہیں۔

مآثر رحیمی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے متعدد مدارس بھی قائم کئے۔ بہلولی سکہ جو پیسہ کے قائم مقام رائج ہوا اسی کی یادگار ہے۔

اٹاوہ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی آ رہا تھا کہ راستہ میں بیمار ہوا۔ اور بھداولی (ضلع سیکت) میں پہنچ کر ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء میں مر گیا[۱] اس نے آٹھ سال آٹھ ماہ آٹھ روز حکومت کی۔

بہلول لودھی نے اپنی وفات سے پہلے ہی نظام خاں کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا اس لئے وہ تھوڑی سی مخالفت کے بعد سلطان سکندر کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہو گیا۔

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۸۳ ۔

سلطان سکندر بن سلطان سکندر

۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ

جب سلطان بہلول نے ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء میں ملک کے مختلف صوبوں پر گورنروں کا تقرر کیا تو اسی سلسلہ میں جونپور کی حکومت اپنے بیٹے باربک کو سپرد کر دی تھی ۔

جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی (باربک) سے کہا کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے۔ لیکن باربک نے انکار کیا۔ مجبوراً سکندر کو اس کے خلاف فوج بھیجنی پڑی اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد پھر بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔ سکندر کا سارا عہدِ حکومت باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا۔ ان میں بیانہ، جونپور اور اودھ کی مہمیں خاص طور سے اہمیت رکھتی ہیں جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا اور جونپور و اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح فرو کر دی گئیں ۔

۸۹۷ھ ۱۴۹۱ء میں سکندر نے سلطان حسین کو (جو جونپور کی سلطنت کا آخری فرماں روا اور زیرِ حمایت علاؤالدین شاہِ بنگال تھا اس پناہ گزین تھا) مفتوح و معزول کر کے بہار تک اپنی سلطنت وسیع کر لی اور سلطان علاؤالدین فرماں روائے بنگال سے حدودِ سلطنت و حقوقِ حکمرانی کے متعلق باہمی مفاہمت ہو گئی ۔

علاوہ اس کے دھول پور، چندیری اور گوالیار کے راجپوتوں نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی اور تمام پنجاب، دوآبہ، جونپور، اودھ، بہار، ترہت اور ملک مابین ستلج و بندیلکھنڈ اس کے قبضہ میں آ گیا ۔

محمد تغلق اور فیروز شاہ کے بعد جو تفریق سلطنتِ دہلی کے تمام اجزاء میں

پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا حال آپ کو علاؤالدین بن محمد شاہ سید خاندان کے آخری فرمانروا کے ذکر کے سلسلہ میں معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ پھر یہ تمام اجزار یکجا ہوجائیں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان بہلول لودھی نے اپنے عزم وثبات و دیگر ملوکانہ خصائل سے دہلی کی مُردہ سلطنت میں ازسرِنو جان ڈالنی شروع کی اور سکندر کے عہد میں قریب قریب وہی اقتدار پھر قائم ہوگیا جو اس سے قبل کسی وقت عہدِ تغلق میں پایا جاتا تھا۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ بہلول لودھی کے تمام خصائل معہ شئے زائدٍ اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ اور اس نے اپنی محنت وجانفشانی، انصاف اور بیدار مغزی، اخلاق وعادات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا تمام ماحول متاثر ہوگیا اور اس کے علوی صفات کے سامنے تمام قوتیں جو سلطنت سے منحرف ہوگئی تھیں جھک گئیں۔

سلطان سکندر کے تمام فتوحات نہایت شرح وبسط کے ساتھ تمام کتبِ تاریخ میں درج کئے گئے ہیں۔ لیکن ہم ان کی تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہوئے صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے سکندر کے خصائل و عادات آئین عدل وحکمرانی، تہذیب وشائستگی، علم پروری وہنر شناسی کو واضح طور پر دکھانا چاہتے ہیں جو حقیقی اسباب تھے اس کے کامیابی کے۔

سلطان سکندر اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے جس قدر حسین وجمیل تھا[1]۔ اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی فطرت نہایت سلیم اور اس کی طبیعت رافت وعطوفت کی طرف ازبس مائل تھی۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اور بندگانِ خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

---

[1] مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے کہ اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا متحیر رہ جاتا۔

جیسا وہ شجاع تھا ویسا ہی عادل بھی تھا۔ انتظامِ سلطنت، تصفیہ معاملات میں وہ ہندو مسلمان، قوی وضعیف کو برابر سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ سرِ مو انصاف سے احتراز نہ ہو۔

بادشاہ ضبطِ اوقات کا بے انتہا پابند تھا اور جو معمول اُس نے اپنے یا کسی اور کے لئے مقرر کر دیا اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ ظہر ادا کر کے مجلسِ علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرم سرا میں جاتا اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں لوگوں کے استغاثے سُنتا امورِ سلطنت کی اصلاح کرتا۔ فرامین تحریر کرتا اور سلاطینِ ہم عصر کے نام خطوط لکھتا۔ رات کو بہت کم سوتا۔ بڑے جید اور زبردست سترہ عالم خلوتِ خاص میں اس کے پاس رہتے اور نصف شب تک مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا۔ اس کے بعد کھانا چنا جاتا۔ اس کی ساری عمر گزر گئی لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہُوا۔

اس کی وضع داری اور پختگی انتظام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک بار گرمی کے موسم میں شیخ عبدالغنی جونپوری بادشاہ سے ملنے آئے۔ ان کے لئے جو کھانا آیا اس میں موسمِ گرما کی وجہ سے شربت کے چھ شیشے بھی موجود تھے۔ اس کے بعد اتفاق سے شیخ صاحب جاڑوں میں آئے۔ لیکن شربت کے قرابے اب بھی پیش کئے گئے۔ ایک بار وہ جس طرح ایک آدمی سے ملتا پھر عمر گزر جاتی اسی طرح پیش آتا اور اس میں سرِ مو تفاوت نہ ہوتا۔

اس کی عدالت و بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ متدین شخص سلطنت کا اپنی جگہ پر مطمئن اور ہر خائن شخص ہر وقت لرزاں رہتا تھا۔ اس طرح اس کی دیانت وسیر چشمی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دنیا کی ساری دولت اس کے سامنے رکھ دی جاتی تو وہ خلافِ احکامِ مذہب اس پر نگاہ نہ کرتا۔

جب لشکر کو وہ کسی جنگ پر روانہ کرتا تو روزانہ دو فرمان لشکر کے نام

پہنچنے۔ ایک نمازِ صبح کے وقت جس میں اور ہدایتیں درج ہوتیں۔ سرایوں میں گھوڑوں کی ڈاک ہر وقت تیار رہتی۔ اگر لشکر ۵۰۰ کوس پر بھی ہوتا تو بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔

روز اس کے سامنے کل اشیاء کا نرخ نامہ اور سلطنت کے تمام حالات و واقعات کی رپورٹ پیش ہوتی اور وہ فوراً تحقیقات کا حکم دیتا۔ اگر کوئی نامناسب بات اُسے نظر آتی۔ یہی انتظام تھا کہ اس کے عہد میں غلہ اور تمام زندگی کی ضروری چیزیں بہت ارزاں تھیں اور قلیل آمدنی رکھنے والا بھی فراغت سے زندگی بسر کرتا تھا۔

اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے تھے اور جاسوس متعین تھے جو عدالت کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ دریا خاں وکیل کو حکم دیا تھا کہ عدالت کے اندر پہر رات گئے تک بیٹھا رہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس وقت کوئی مستغیث آجائے۔ علاوہ اس کے وہ بعض اہم مقدمات کی خود تحقیقات کرتا اور سلطنت کے انتظام پر آپ توجہ کر کے آئین مقرر کرتا۔

اس غرض کے لئے اس نے کثرت سے مخبر و جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رعایا و حکام کے تمام حالات اس تک پہنچاتے تھے اور یہ انتظام اس قدر مکمل تھا کہ بسا اوقات لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کے قابو میں کوئی جن ہے جو اسے تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے [1]

وہ انصاف کرنے میں حد درجہ کاوش کرتا اور خاص فراست و دانائی سے کام لے کر حقیقت تک پہنچتا۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری نے ایک دفعہ بیان کیا ہے :-

"گوالیار کے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے مفلسی سے تنگ آکر فوج میں شامل ہو گئے۔ ایک لڑائی میں اُنہیں غارت کے سلسلہ میں دو لعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا اور دُوسرا

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۱ ۔

اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا۔ جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دے دینا۔ جب یہ گوالیار واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دے دیں لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اُس نے اپنی بیوی سے استفسار کیا۔ اس نے انکار کیا۔ الغرض یہ معاملہ میاں بھوڑا[1] تک پہنچا جو دربار سکندر لودھی کے امراء کبار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے۔ انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور میاں بھوڑا نے ان گواہوں پر اعتبار کر کے فیصلہ کر دیا کہ "لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہیئے۔"

یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچی۔ بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا۔ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اُس نے سوچ کر گواہوں سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا ہے تو تم نے اُسے ضرور دیکھا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے دیکھا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا اور کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعہ سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بنایا ہُوا نمونہ دوسرے کے نمونہ سے بالکل مختلف تھا اور لعل کی ہئیت وصورت سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی بادشاہ نے گواہوں کو دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔"[2]

---

[1] اس نام میں اختلاف ہے بعض مؤرخین نے بھوہ اور بعض نے بھوڑا لکھا ہے [2] طبقات اکبری جلد ۱ صفحہ ۱۶۲، فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت نہ کرتا۔ ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیردار نے اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسے نزاعات پیش آئے کہ دو ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو بلا کر کہا کہ کیوں اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا؟ آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے جب تک یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے تک بیٹھے رہے اور اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا۔

بادشاہ نے میاں ملک جاگیردار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم نے میرے خلاف حکم ظلم کیا اور وظائف واملاک کی زمین تم نے کیوں چھینی۔ میاں ملک نے منفعل ہو کر اعترافِ جرم کیا۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعترافِ جرم کرا کے نادم کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا۔ ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۵۰۰ اشرفیوں کا دفینہ مل گیا۔ لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دفینہ پانے والے کو واپس دیا جائے۔

حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ شخص مستحق نہیں ہے۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ "اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دفینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے۔"

اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت

بڑا دفینہ برآمد ہُوا۔ اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی۔ علی خاں حاکم لاہور و دیبل پور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفینہ میرے حدودِ حکومت کے اندر سے برآمد ہُوا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو۔" شیخ نے انکار کیا۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ :۔

"جو دھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے۔"

بادشاہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دیا کہ :۔

"تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو۔"

اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کر دیئے اور کہا کہ :۔

"تمہی رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔"

یہ واقعہ تاریخ سلاطینِ افاغنہ اور واقعات مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کر دیتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔ ایک بار اس نے ملک بدرالدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کر کے ایک پرگنہ تفویض کر دیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہو گئی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "زائد دو لاکھ کی بابت کیا حکم ہوتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا کہ "تم رکھ لو" دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہو گئی۔ اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا "جاگیر تمہاری ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہو سکتی ہے مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو؟" [۱]

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیردار بھی ایسے

---

[۱] تاریخ داؤدی (ایسٹ) ۴۔ ۵۳۷ ۔

ہی دیانت دار و امین تھے ۔

جاگیر مقرر کرنے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیر دار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا۔ لیکن اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

وہ حرص و طمع کے جذبات سے بالکل ناواقف تھا اور ہمیشہ جرموں میں جن کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے ہوتا بہت نرمی سے کام لیتا۔ جشنِ عید اور ۱۲ ربیع الاول کو قیدیوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی جاتی اور بقایائے مالگذاری کے سبب سے جتنے لوگ قید ہوتے سب کو رہا کر دیتا۔

مذہب کی طرف بہت غلو تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی کام خلافِ شریعت اس کی سلطنت میں نظر نہ آئے، چنانچہ اس نے اسی سلسلہ میں حکم نافذ کر دیا کہ مزاروں پر عورتوں کا جانا اور سالانہ سالار مسعود کی چھڑیاں نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ مولانا مشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ داری اور سیتلا کی پوجا کو بھی اُس نے روک دیا تھا۔

اس نے کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ، ایک قاری اور ایک جاروب کش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسم سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقررہ رقم غرباء کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر ششماہی پر سلطنت کے تمام غرباء و مساکین کی فہرست پیش کی جائے۔ جب یہ فہرست پیش ہوتی تو وہ ان کو اس قدر روپیہ دیتا کہ ۶ ماہ کے لئے کافی ہو جاتا۔ علاوہ اس کے مختلف شہروں میں مدِ خیرات کے متعلق بہت سے مہتمم مقرر تھے جو غریبوں اور محتاجوں کا حال معلوم کر کے بادشاہ تک خبر پہنچاتے

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ رحلت ۔

اور خزانۂ شاہی سے روپیہ لے کر انہیں تقسیم کرتے۔ [۱]

چونکہ بادشاہ کو اس طرف بہت توجہ تھی اس لئے تمام امراء وارا کین خوانین وملوک نے بھی غرباء ومساکین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ واقعات مشتاقی میں لکھا ہے کہ اس داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی فقیر مر جاتا تو اس کے پاس سے کافی دولت نکلتی جو اس کے اعزہ کو دی جاتی اور اگر کوئی عزیز نہ ہوتا تو پھر فقراء کو تقسیم کر دی جاتی۔

اس کے عہد میں زراعت کثرت سے ہوتی تھی۔ چیزیں بہت ارزاں تھی۔ تاجر بہت خوش حال تھے اور تمام اہلِ پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ معروف نظر آتے تھے۔ سلطنت میں کہیں چوروں اور راہزنوں کا پتہ نہ تھا اور قافلے نہایت امن وسکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کو مغربی مؤرخین نے عام طور سے حد درجہ متعصب ظاہر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مذہب اسلام کا پابند تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوؤں کی رواداری نہیں کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جو عند اللہ حق ہے وہی کیا جائے۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ اپنے بھائی باربک شاہ سے لڑ رہا تھا، ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا "فتح تیری ہے"۔

بادشاہ نے جھنجھلا کر ہاتھ الگ کر لیا اور جواب دیا کہ "دعا یہ کرنی چاہیئے کہ اللہ اس کو فتح دے جو حق پر ہے اور وہی ظہور میں آئے جو بہتر و مناسب ہو"۔

قبل تخت نشینی کے ایک بار سکندر کو معلوم ہوا کہ تھانیسر میں ایک گاؤں ہے وہاں کے ایک تالاب میں ہندو جمع ہو کر اشنان کرتے ہیں۔ اس نے علماء سے استفسار کیا۔ میاں عبداللہ اجودھنی نے جو بڑے جید عالم تھے کہا:

"ہندوؤں کے کسی قدیم معبد کو غارت کرنا یا ان کی کسی مذہبی رسم سے تعرض کرنا مناسب نہیں"۔

سکندر نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا اور اپنے خیال سے باز آ گیا۔ [۲] وہ ان تمام صفات کے

---

[۱] تاریخ داؤدی ایلیٹ ۴۔ ۴۴۶ [۲] تاریخ فرشتہ، ۱۸۰، تاریخ داؤدی (الیٹ) ۴۔ ۴۳۹۔

ساتھ علم دوست بھی اس درجہ کا تھا کہ اس کے عہد میں آگرہ (جو اس کا دارالحکومت تھا) علماء و فضلاء، مشائخ و صوفیاء، شعراء و ادباء کا مرکز ہو گیا تھا۔

فارس و عرب، ہند و بخارا کے تمام صاحبانِ کمال کھنچ کھنچ کر آگرہ چلے آرہے تھے اور بادشاہ کی فیاضیوں سے مالا مال نظر آتے تھے۔

مذہبی مباحث کا اُسے بہت شوق تھا اور اکثر علماء کو جمع کر کے وہ ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ ایک بار جب بودھن نامی ایک برہمن نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں تو سکندر شاہ نے بہت سے مقتدر علماء[1] کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔

شعر و سخن کا بھی اسے ذوق تھا۔ گل رخ اُس کا تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔[2] اور شیخ جمال کنبوہ[3] سے جو بڑے پایہ کا شاعر تھا اصلاح لیا کرتا تھا۔

اس کی صحبت میں علماء کے ساتھ شعراء بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈونگر برہمن بھی تھا جو عربی و فارسی کا عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھا تھا۔ ملائے بدایونی عہدِ سکندری کے بعض مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ جب ملتان تباہ ہُوا تو دہلی کی طرف آئے اور چالیس علماء (مثلاً جمال خاں دہلوی، شیخ لودھی سید جلال الدین بدایونی وغیرہ) شیخ عبداللہ کی درسگاہ سے نکل کر اشاعت علوم کا باعث ہُوئے۔ ہندوستان میں علوم معقولی کا رواج شیخ عبداللہ کے وقت سے ہُوا ورنہ اس سے قبل علم منطق و کلام میں صرف شرح شمسیہ اور شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں"

---

[1] ان علماء کی فہرست حسب روایت فرشتہ

[2] ملائے بدایونی نے یہ غزل اس کی منتخب التواریخ میں درج کی ہے۔

[3] عہدِ سکندر شاہ میں شیخ جمال بڑا مشہور شاعر تھا اور بادشاہ اس سے بہت مانوس تھا۔ اور مشورہ بھی لیا کرتا تھا۔ شیخ جمال کا یہ ایک شعر فرشتہ اور ملائے بدایونی نے نقل کیا ہے۔

سکندر شاہ مولانا شیخ عبداللہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ جب کبھی درس کے وقت پہنچتا تو پوشیدہ طور سے کسی کونہ میں جاکر بیٹھ جاتا تاکہ درس و تدریس میں ہرج واقع نہ ہو، جب وہ فارغ ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا۔

شیخ عزیز اللہ کے استحضار علوم کا یہ حال تھا کہ مشکل سے مشکل کتاب زبانی پڑھاتے تھے۔ انہی کے شاگردوں میں میاں قاسم سنبھلی تھے۔

اسی عصر کے ایک اور زبردست عالم الہ دیا بھی تھے جنہوں نے ہدایہ کی شرح کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر مدارک پر اُن کا حواشی اور شرح کافیہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی یہ کتابیں کتابیں درسیات میں داخل تھیں۔

ایک بار سلطان سکندر نے تمام علماء کو جمع کر کے ایک جانب شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز کو، دوسری جانب شیخ الہ دیا اور اُن کے بیٹے بھکاری کو کر کے مباحثہ سنا اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں تقریر میں اور یہ دونوں تحریر میں اپنا جواب نہیں رکھتے [۱]

الغرض سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہوا کرتا تھا اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کافی تعلقات قائم ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان کو نہایت شوق سے حاصل کرتے تھے۔ مسٹر بلاک مین کلکتہ ریویو میں ظاہر کرتے ہیں کہ:۔

> "ہندوؤں نے سولھویں صدی عیسوی سے فارسی کی طرف ایسی توجہ کی کہ ایک صدی گزرنے سے قبل وہ اس زبان میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے"

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں زیادہ اتحاد

---

[۱] شیخ عبداللہ کا انتقال سنہ ۹۲۲ھ میں ہوا ہے [۲] منتخب التواریخ، ۸۶۔

پیدا ہو گیا تھا اور دوسرے یہ کہ سکندر لودھی نے قصداً ہندوؤں میں یہ مذاق پیدا کیا تاکہ انہیں سلطنت میں انتظامی عہدے دیئے جائیں۔

چنانچہ جب فارسی خواں ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اس نے پہلے برہمنوں سے درخواست کی کہ فارسی سیکھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو چھتریوں سے کہا گیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اہل سیف، اہل قلم بننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد ویش طبقہ کو توجہ دلائی گئی لیکن اس نے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ آخر کار کائستھوں نے اسے قبول کیا اور قلیل زمانے میں ایسی دستگاہ حاصل کر لی۔ وہ مسلمانوں کے علوم کا درس دینے لگے اور سلطنت میں بڑے بڑے عہدے ان کو ملے۔

سلطان سکندر کے عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت کچھ شامل تھا۔

تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ ارکر مہاویدک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندری کے نام سے ترجمہ کی گئی۔ اور بعد کو اطباء ہند نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

بادشاہ کو دیگر فنون و صناعات کے علاوہ جن کے کارخانہ کثرت سے قائم تھے موسیقی کا بھی بہت ذوق تھا۔ وہ دربار عام میں تو کبھی گانا سننا پسند نہ کرتا تھا لیکن تنہائی میں اہل موسیقی کو اپنا کمال ظاہر کرنے کی اجازت دیتا۔ اس وقت صرف سید روح اللہ اور سید ابن رسول جو مقربان خصوصی میں سے تھے اس کے خیمہ کے قریب ہوتے۔

اسے سرنا اور شہنائی کا بھی شوق تھا جو دربار میں ۹ بجے شب تک بجائی جاتی تھی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ صرف چار راگنیاں مالی گورا (غالباً مالکوس) کلیان، کانڑا اور حسینی بجائی جائیں۔

عمارات کی طرف بھی اسے خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مہم بلکھات سے

کامیاب واپس آیا تو اُس نے حکم دیا کہ دارالحکومت آگرہ سے لے کر دھولپور تک جا بجا باغات اور مکانات تعمیر کرائے جائیں تاکہ شکار سے واپس آنے کے بعد یہاں توقف کیا جائے[1]

پھر علاوہ اس کے خود آگرہ کی رونق و ترقی جس کو اس نے ایک معمولی گاؤں سے بڑے شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے ذوقِ تعمیر آرائشِ شہر و اُمورِ رفاہ عام کا کافی ثبوت ہے۔

یہ خصوصیت بھی اسی بادشاہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے عہد میں ایسے ایسے امراء گزرے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائل و عادات اپنے اخلاق و شائستگی، اپنے علم پرستی و ہنر پروری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں بعض امراء کے مفصل حالات درج ہیں۔

ان میں سے خاص امراء یہ تھے :-

۱۔ اسد خاں ابن مبارک خاں۔
۲۔ یوسف خلیل
۳۔ خان جہان لودھی، جسے مسند علی حسین خاں کہتے تھے۔
۴۔ میاں زین الدین۔
۵۔ خواص خاں اور
۶۔ میاں معروف فرلی۔

ان کے حالات دیکھنے سے (جو مختصراً ہم نے فٹ نوٹ میں درج کر دیئے ہیں) ایک شخص اچھی طرح معلوم کر سکتا ہے کہ سکندر لودھی کا عہد کیسا عجیب و غریب عہد تھا اور امراء و ارکینِ سلطنت پر خود اس کی سیرت کا کیسا

---

[1] منتخب التواریخ ص۳۰۔

زبردست اثر پڑا تھا۔

عہدِ سلطان سکندر کے خاص واقعات میں زلزلۂ آگرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ ۹۱۱ھ ۳ ماہ صفر کو تمام ہندوستان میں آیا تھا۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہُوا کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس میں جان و مال کا سخت نقصان ہُوا۔ تمام مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

جب بادشاہ بیمار ہُوا اور اس نے خیال کیا کہ شاید وہ زندہ نہ رہے گا تو اس نے اپنے مشیرِ مذہبی شیخ لاون دانشمند سے پوچھا کہ قضائے نماز، ترکِ صیام اور شراب خوری وغیرہ کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے؟

شیخ نے تفصیل لکھ کر بھیج دی۔ سلطان نے وقائع نگار سے دریافت کیا کہ اس قسم کے گناہ مجھ سے کتنی مرتبہ سرزد ہوئے ہیں۔ جب اس نے بھی تفصیل لکھ دی تو بادشاہ نے حساب لگا کر حکم دیا کہ اس قدر سونا غرباء کو دیا جائے۔ لیکن خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ نہ لیا جائے۔ علماء کو اس پر حیرت ہوئی۔ بادشاہ کے پاس سلاطین و امراء کی طرف سے جو تحائف آتے تھے وہ علیحدہ رکھے جاتے تھے اور ان کا سالانہ حساب تیار ہوتا تھا۔

بادشاہ کا مرض بڑھتا جاتا تھا۔ لیکن وہ امورِ سلطنت سے غافل نہ تھا۔ اور برابر اپنے فرائض انجام دیتا جاتا تھا۔ آخر کار ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ (نومبر ۱۵۱۷ء) کو اس نے انتقال کیا۔

تاریخ خان جہاں لودھی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو اس کا جنازہ دہلی گیا اور وہاں ایک باغ میں مدفون ہوا۔

سلطان ابراہیم

۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء تا ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء

سلطان سکندر لودھی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے۔ بڑے کا نام ابراہیم تھا اور چھوٹے کا نام جلال خاں تھا۔ چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امراء کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا اس لئے دہلی کا فرماں روا بنا کے ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں ہندوستان کی سلطنت چغتائیہ تیموریہ خاندان میں منتقل ہو گئی۔

سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک سلطنت کی (جس کو فرشتہ نے خدا جانے کس حساب سے بتیس سال تحریر کیا ہے) اور اس کے دوران حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ارزانی ہے۔

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ سلطان بہرام کے عہد میں غلہ کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ارزاں تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہ آئیں۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو ارزانی تھی وہ جبر و سختی سے پیدا ہوئی تھی لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ارزاں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

سکندر لودھی کے وقت میں بھی ارزانی بہت تھی لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بہلولی[1] سکہ کا دس من غلہ آتا تھا۔ پانچ سیر گھی اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بہلولی تھی۔

علاوہ ان کے اور تمام اشیاء کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کا سبب

---

[1] تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر۔

یہ تھا کہ بارش کی موزونی سے وہ چند غلہ پیدا ہونے لگا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجائے روپیہ کے غلہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اقطاع کا غلہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔

ایک معزز آدمی معہ اپنے خاندان کے پانچ تنکہ ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا اور اگر کوئی سوار[۱] دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بہلولی سکہ اُس کے، اُس کے گھوڑے اور سائیس کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا[۲]

عہدِ سکندر لودھی کا دورِ علمی

فیروز شاہ تغلق کے بعد تیموری یلغار نے اسلامی حکمرانی کی جو حالت کر دی تھی وہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی علمی اداروں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ مگر سیّدوں کے دَور میں کچھ سازگار حالات رونما ہوئے۔ سیاسی حالات نے بھی تبدیلی اختیار کی۔ نئے سرے سے عدل و انصاف کا دَور شروع ہوا۔ رعایا فارغ البال نظر آنے لگی۔ سکندر نے جو تیموری تہذیب طوفان سے نقصان ملک کو پہنچا تھا اس کی تلافی کی طرف توجہ کی۔

اس کی علمی سرپرستی اور شاہانہ فیاضی سے علم و ادب کے مُردہ قالب میں از سرِ نو روح پھونک کر اس وقت کے محو شدہ علوم و فنون کو اس قدر فروغ دیا کہ علم و ادب کا جا بجا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی اسلامی

---

[۱] اس زمانہ میں سوار کی تنخواہ بیس سے تیس تنکہ تک تھی اور اس سے اس عہد کی خوش حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

[۲] تاریخ داؤدی (الیٹ) اسلامی ہند، ۴ - ۴۷۵، ۴۷۶ -

لسانیات وادبیات میں دلچسپی لینے لگا۔

طبقات اکبری میں ہے :-

"در عہد فرخندہ او علم رواج یافت و امرا زادگان دولت وسپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند و ہندوان بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زمان درمیان ایشان معمول نبود پرداختند۔"

(طبقات اکبر شاہی صفحہ ۱۷۱)

حتیٰ کہ ہندوؤں میں فارسی زبان سے اتنا لگاؤ ہو گیا کہ فارسی میں شعر کہنے لگے۔ چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے کہ ایک برہمن جس کا نام ڈونگر مل تھا، نے کہا ہے کہ ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر

رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

سکندر طبعاً شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کرتا تھا۔ منتخب میں ہے کہ :-

"خود ہم صاحب طبع بود و گاہ گاہے نظمے بہ تخلص گلرخ زبان روش قدیم ہندوستانیانہ می گفت و صحبت او بشیخ جمال الدین رہگذر خوش بر آمدہ بود۔" [1]

سرو یکہ سخن پیرہن و گل بدنستش

روحیست مجسم کہ وراں پیرہنستش

گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف

ہم چو در سیراب سخن در دہنستش [2]

سکندر علماء و فضلاء کی حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرتا تھا۔ مصنف تاریخ داؤدی لکھتا ہے :-

---

[1] منتخب ص۸۶ مطبوعہ نول کشور [2] منتخب التواریخ ص۸۶

"در زمان سلطنت او اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب و عجم و از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او بدہلی و آگرہ آمدہ توطن مے کردند"[1]

اخبار الاخیار میں ہے :-

"زمان دولت سکندر زمان صلاح وتقویٰ دیانت و امانت وحلم و وقار داد او را با علماء وصلحاء و اکابر و اشراف میلے عظم شد ولہذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بسابقہ استدعاو طلب وبعضے بے آن در عہد دولت او تشریف آوردہ و توطن ایں دیار اختیار کردند بالحقیقت محامد زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حد تقریر وتحریر خارج است"

عُلمائے عصر

شیخ جمالی حامد بن فضل اللہ خاں اصلی نام جلال خاں کنبو شیخ سماء الدین کے مرید تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین، مثنوی مہر وماہ، دیوان، یادگار سے ہیں۔

شیخ اللہ دیا جونپوری، ان کے فرزند شیخ بھکاری، شیخ عبداللہ طلبنی اور عزیزاللہ یہ دربار سکندر سے تعلق رکھتے تھے۔ باہمی سکندر ان سے علمی مناظرہ کراتا تھا۔

شیخ عبداللہ طلبنی بن شیخ اللہ داد عثمانی معقول شخص تھا[2] طلبنہ (ملتان) میں اصحاب درس تھا۔ اس نے دلی آکر علم معقول کو فروغ دیا۔ میاں لادن، جمال خاں میاں شیخ میراں، سید جلال الدین بدایونی ارشد تلامذہ سے تھے[3] ۹۲۲ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] تاریخ داؤدی صفحہ ۳۸ -

[2] تذکرہ علمائے ہند۔ بدیع المزان شرح میزان منطق تصنیف سے ہیں۔

شاہ جلال شیرازی مصنف گلشن راز، شیخ رزق اللہ دہلوی، شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا فاضل خداشناس بزرگ تھے۔ ہندی میں راجن ~~۹۰۴ھ~~ میں وصال ہوا۔ ہندی میں دو رسالہ پیم آہن اور جوت نرنجن مشہور ہیں۔

شیخ عبدالوہاب بن سید احمد بخاری سید جلال بخاری کی اولاد میں سے تھے۔ ملتان سے حجاز حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ واپس دہلی ہوئے۔ سکندر ان کا معتقد ہو گیا۔ ۹۳۲ھ میں وفات پائی۔ ایک تفسیر "دقائق عشق" یادگار سے ہے۔

شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ ملتان سے بہار ان کے والد چلے گئے۔ وہاں یہ پیدا ہوئے۔ پھر جونپور گئے۔ علوم حاصل کئے۔ پھر سکندر کی استدعا پر آگرہ آ گئے۔ ۹۰۹ھ میں انتقال کیا۔ مفتاح الفیض تصنیف ہے۔

میاں بھوخواص خاں کے فرزند امراء سکندری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ میر عدل، صحاب خاص بھی رہے۔ سکندر ان کو بہت چاہتا تھا۔ فاضل عامل تھے معدن الشفاء (طب سکندری) تصنیف کی۔ ابراہیم نے مروا ڈالا۔

محمد بن شیخ ضیاء، تحفۃ السعادت یا فرہنگ سکندری تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۹۱۶ھ میں مکمل ہوئی۔

۱؎ منتخب التواریخ صہ ۸۶۔

جس میں سلاطینِ کشمیر، شاہانِ گجرات، سلاطینِ بہمنیہ، عماد شاہی
سلاطینِ قطب شاہی، عادل شاہی وغیرہ کے حالات کے ساتھ
شاہانِ مغلیہ، ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے دور تک
کے واقعات اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں -

بابر اعظم کی آمد پر کشمیر، گجرات اور دکن میں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم تھیں جن کا حال اس جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ مغلیہ حکمرانوں کی اُن سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ آخرش وہ زیرِ نگیں ہو گئیں۔

عہدِ تغلق میں انتشارِ حکومت

محمد بن تغلق کی سلطنت میں نہ صرف سارا ہندوستان بلکہ تلنگانہ اور دکن کے اضلاع بھی شامل تھے۔ لیکن اُس کی موت سے قبل ہی دُور دراز کے صوبے خود مختار ہونے لگے اور دسویں صدی ہجری شروع ہونے سے قبل اس کے ملک کا بہت بڑا حصّہ متعدد خود مختار خاندانوں کی حکومت میں منتقل ہو گیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔	گورنران و شاہان بنگال	۶۹۹ھ	تا ۹۸۴ھ
۲۔	مشرقی شاہان جونپور	۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء	- ۹۰۵ھ / ۱۵۰۰ء
۳۔	شاہان مالوہ	۸۰۴ھ / ۱۴۰۰ء	- ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء
۴۔	شاہان گجرات	۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء	- ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء
۵۔	شاہان کشمیر	۷۳۵ھ / ۱۳۳۴ء	- ۹۹۹ھ / ۱۵۸۷ء
۶۔	فاروقی شاہان خاندیس	۸۰۱ھ / ۱۳۹۹ء	- ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء
۷۔	بہمنی شاہان گلبرگہ	۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء	- ۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء

جب بہمنی خاندان کو زوال ہوا تو حسبِ ذیل پانچ خاندانوں میں حکومت تقسیم ہو گئی۔

۱۔ عماد شاہی (برار) ۸۹۰ھ / ۱۴۸۴ء ۔ ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء

۲۔ نظام شاہی (احمد نگر) ۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء ۔ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

۳۔ برید شاہی (بدر) ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء ۔ ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۹ء

۴۔ عادل شاہی (بیجاپور) ۸۹۵ھ / ۱۴۸۹ء ۔ ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۶ء

۵۔ قطب شاہی (گولکنڈہ) ۹۱۸ھ / ۱۵۱۲ء ۔ ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۷ء

بعد کو جب مغلوں کا عہد شروع ہوا تو ہندوستان کی حکومتیں عہدِ اکبر میں اور دکن کی ریاستیں عہدِ اورنگ زیب میں سلطنتِ مغلیہ کا جزو بن گئیں۔

بنگالہ ہندوستان کے مشرقی گوشہ میں بنگالہ ہے۔ بنگال کو بختیار خلجی نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں داخل کیا اور مدت تک وہ دلی کے اسلامی مرکز سے وابستہ رہا لیکن ۷۴۰ھ میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بنگالہ کا مشہور حکمران حاجی الیاس شمس الدین بھنگرہ کا خاندان عرصہ تک وہاں حکمران رہا۔ ۸۰۵ھ میں بادشاہ کے وفات پا جانے پر اس کا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا لیکن کنس نے اس قدر اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ تمام لوگ اس سے دبنے لگے تھے۔ اس سے اُس نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ سلطان شمس الدین کے خلاف بغاوت کر کے ۸۱۷ھ میں وہ خود تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں اُس نے مسلمانوں کے ساتھ بڑے مظالم کئے لیکن حضرت نور قطب عالم کے اشارہ سے جب جونپور کا بادشاہ ابراہیم شرقی بنگال کی سرحد پر نمودار ہوا تو راجہ کنس کی آنکھیں کھلیں اور اپنے بیٹے کو حضرت نور قطب عالم کے قدموں میں ڈال کر معافی چاہی۔

راجہ بہت سال کے بعد چل بسا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا جیت مل جو شیخ نور کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا ۸۲۳ھ میں جلال الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ لوگ اس کو نوشیرواں ثانی کہنے لگے۔ اس کے عہد میں لوگ

لوگ بڑے فارغ البال رہے۔ شہر پنڈوا آبادی کی کثرت سے اتنا بڑا ہوگیا کہ اُس کے اطراف میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ گوڑ میں بکثرت حوض تالاب، سرائے، مسجدیں، تیار کرائیں اور دوبارہ گوڑ کو بڑے پیمانہ پر آباد کیا۔ علماء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اُنہیں دُور دور سے بُلا کر آباد کیا۔ تبلیغ الاسلام میں بھی اُس نے بڑی کوشش کی۔ سترہ سال حکومت کر کے ۸۱۲ھ میں وفات پا گیا۔ اُس کا لڑکا احمد شاہ اُس کا جانشین ہُوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روش پر چل کر ملک کو خوشحال بنانے میں کافی حصّہ لیا۔ اُس نے سولہ برس حکومت کی ۸۳۰ھ میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد پھر حکومت حاجی الیاس کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس نومسلم خاندان نے ۴۴ برس حکومت کی۔ اس قلیل مدت میں اُس نے بنگالہ کو آباد کرنے اور ملک میں تمدن کو ترقی دینے میں بہت کوشش کی۔[1]

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ بھی ہے کہ راجہ کے مسلمان ہوجانے سے رعایا پر بھی اثر پڑا اور کثرت سے لوگ مسلمان ہُوئے۔

بنگال کا دارالحکومت

۴۶ء۱۴۴۵ھ تک فیروز آباد (پانڈو) اس صوبہ کا دارالحکومت رہا۔ اس کے بعد پھر لکھنوتی دارالخلافہ ہوگیا۔ جسے اس سے قبل گوڑ کہتے تھے۔ اس کے بعد یہ فخر ٹانڈہ کو حاصل ہُوا۔ بعض گورنران بنگال نے بہار، چٹگام اور اڑیسہ پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

گورنران بنگال کی خودمختاری

جب شاہانِ دہلی کمزور ہوگئے تو گورنرانِ بنگال خودمختار ہوگئے اور کئی خاندان ایسے ہُوئے جنھوں نے شاہانہ اختیارات حاصل کر لئے۔ جن کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

گورنرانِ بنگال

۱۔ محمد بختیار خاں خلجی

---

[1] ریاض السلاطین کلکتہ ص۱۱۲ و تاریخ فرشتہ جلد چہارم حیدرآباد۔

۲۔ عزیز الدین محمد شیر خاں　　　　۳۔ علاء الدین مردان

۴۔ غیاث الدین غوث　　　　۵۔ ناصر الدین محمود ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء

علاء الدین جانی ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء　　　　۷۔ سیف الدین ایبک ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء

۸۔ عزیز الدین طغرل طوغاغان ۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء　　　　۹۔ قمر الدین تمر خاں قیراں ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء

۱۰۔ اختیار الدین (مغیث الدین) یوزبک ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء

۱۱۔ جلال الدین مسعود ملک جانی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء

۱۲۔ عز الدین بلبن ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء　　　　۱۳۔ محمد ارسلان تاتار خاں ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء

۱۴۔ شیر خاں　　　　۱۵۔ امین خاں

۱۶۔ مغیث الدین طغرل ۶۷۷ھ / ۱۲۷۸ء

۱۷۔ ناصر الدین بغرا خاں ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء

۱۸۔ رکن الدین کیکاؤس ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء

۱۹۔ شمس الدین فیروز خاں ۷۰۲ھ / ۱۳۰۲ء

۲۰۔ شہاب الدین بغرا خاں ۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ء (مغربی بنگال)

۲۱۔ غیاث الدین بہادر شاہ ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء (مشرقی بنگال)

۲۲۔ ایضاً ۷۱۹ھ / ۱۳۱۹ء (تمام بنگال)

۲۳۔ ناصر الدین ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء (لکھنوتی)

۲۴۔ بہادر شاہ و بہرام ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء ۔ ۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء (مشرقی بنگال)

۲۵۔ بہرام شاہ ۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء ۔ ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء

۲۶۔ قدر خاں ۷۲۶ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ء (لکھنوتی)

۲۷۔ عزیز الدین اعظم الملک ۷۲۴ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۴۰ھ / ۱۳۹۰ء (ساتا گاؤں)

شاہانِ بنگال

فخرالدین مبارک شاہ ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء (مشرقی بنگال)
اختیارالدین غازی خان ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء - ۷۵۳ھ / ۱۳۵۲ء (مشرقی بنگال)
علاءالدین شاہ ۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ء - ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)

خاندانِ الیاس

شمس الدین الیاس شاہ ۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ء - ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)
میں معروفِ پیکار رہا۔

مغلوں کا اثر بنگال میں ہمایوں، بنگال پر ۹۴۴ھ سے ۹۴۶ھ تک قابض رہا۔ لیکن جب ۹۴۶ھ میں شیر شاہ نے مغلوں کو شکست دی تو پھر یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں اور یہ حالت اُس وقت تک قائم رہی جب تک ۹۸۳ھ میں بہار کو اکبر نے فتح نہیں کر لیا اور ۹۸۴ھ / ۱۵۷۶ء میں مغلوں کا اثر بنگال میں عام نہیں ہوگیا۔

شمس الدین الیاس شاہ ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)
ایضاً ۷۵۳ھ / ۱۳۵۲ء - ۷۵۹ھ / ۱۳۵۸ء (تمام بنگال)

سکندر شاہ بن الیاس ۷۵۹ھ / ۱۳۵۸ء - ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء

غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء ۱۳۷۰ء میں بغاوت کی اور ۱۳۸۹ء میں حکومت پر قابض ہوگیا۔

سیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم شاہ ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء
شمس الدین حمزہ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء

خاندانِ راجہ کنس

شہاب الدین بایزید شاہ (بمعیت راجہ کنس) ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء

جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کنس ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء
شمس الدین احمد شاہ بن محمد ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ء
سیف الدین فیروز شاہ اول ۸۹۲ھ / ۱۴۸۶ء
ناصر الدین محمود شاہ ثانی بن فتح شاہ (خاندانِ الیاس) ۸۹۵ھ / ۱۴۸۹ء
شمس الدین ابو النصر مظفر شاہ ۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء

خاندانِ حسین شاہ

علاء الدین حسین ۸۹۹ھ / ۱۴۹۳ء

کشمیر

۷۰۵ھ میں کشمیر کا راجہ سینھ دیو تھا جو پشت در پشت کشمیر پر حکومت کرتا آتا تھا۔ اس کے عہد میں ایک شخص شاہ میر نامی فقیروں کے لباس میں وارد کشمیر ہوا جس کا باپ طاہر نومسلم تھا۔ وہ اپنا حسب نامہ ارجن تک ملاتا تھا جو مہابھارت کا مشہور ہیرو ہے۔ شاہ میر نے راجہ کی ملازمت کر لی۔ راجہ کے مرنے پہ اُس کا لڑکا "رنجن" راجہ ہوا۔ اس نے شاہ میر کو وزیر بنا لیا۔ پھر رنجن کے مرنے پر راجہ اودن جو اُس کا رشتہ دار تھا قندھار سے آکر کشمیر پر قابض ہو گیا۔ ۷۴۲ھ میں وہ بھی چل بسا۔

اس عرصہ میں وزیر اور اُس کا خاندان طاقت ور ہو گیا تھا۔ رانی نے چاہا کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔ اس لئے وزیر سے اختیارات واپس لینے کے لئے اس کو جنگ کرنی پڑی۔ لیکن وہ شکست کھا کر قید ہو گئی اور اس نومسلم وزیر نے اُس سے شادی کر لی اور وہ شمس الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔ محمد اعظم نے واقعاتِ کشمیر میں جو ۱۱۴۰ھ میں لکھی گئی ہے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ کشمیر کا ہندو راجہ "رنجو" دینِ حق کا جویا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ ایک مسلمان بزرگ ملیل شاہ کو دست بدعا اور سر بسجود دیکھا اور اُن کا عقیدت مند ہو کر مع اہل و عیال اور امراء و وزراء کے مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ میں پیش آیا۔ اُس نے

مسلمان ہو کر اپنا لقب صدر الدین اختیار کیا۔ اس کے خاندان میں کئی بادشاہ وارث تخت ہوئے۔ ۸۲۶ھ میں علی کے انتقال کرنے پر شاہی خان نے سلطان زین العابدین کے نام سے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا۔ یہ کشمیر کا سب سے ہر دلعزیز بادشاہ ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے نومسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آسکتا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر نئے دین پر قائم رہے۔ اس کے قوانین، اس کا تدبر، اس کی سیاست اس عہد کے لئے ایک نمونہ تھی۔ علم وفن اور صنعت وحرفت کو اس نے بڑی ترقی دی۔ بہت سے نئے گاؤں اور شہر آباد کئے۔ بہت سی نئی عمارتیں بنائیں۔ اس کے انصاف کے سبب رعایا امن سے سوتی تھی۔

کشمیر پران نومسلم خود مختار بادشاہوں نے دو سو برس سے زیادہ حکومت کی۔ اس عرصہ میں انہوں نے ملک کو ترقی دینے میں جو کوشش کی تاریخ زبان حال سے اس کو آج تک دہرا رہی ہے۔ انہوں نے زراعت کے لئے زمینداروں کے ساتھ جو رعایت کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چپہ بھر بھی زمین خالی نہ رہی اور کاشتکار خوشحال ہو گئے۔ باغوں پر بھی انہوں نے کافی توجہ دی اور بکثرت باغ لگائے۔ عمارتیں کافی تیار کرائیں۔ ڈل پر جو عمارت تیار کی گئی وہ عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ قوانین بھی اچھے اچھے جاری کئے۔ دوسرے ملکوں کے سفیر بھی آتے رہتے تھے۔ مثلاً سمرقند، خراسان، مکہ معظمہ، مصر اور گیلان کے علاوہ ہندوستان کے بادشاہوں سے بھی مراسم دوستانہ تھے۔[1]

سلاطین کشمیر

شمس الدین — شاہ حسین

---

[1] تاریخ فرشتہ وطبقات اسلامیہ جلد سوم۔

شاہ جمشید
علاء الدین
شہاب الدین
قطب الدین
سکندر
علی شاہ
سلطان زین العابدین
شاہ حیدر حاجی خاں
یوسف شاہ
غازی شاہ
محمد شاہ
فتح شاہ
ابراہیم شاہ
نازک شاہ
شمس الدین محمد شاہ
اسمٰعیل شاہ
حبیب شاہ
حسین شاہ
علی شاہ
حکومت مغلیہ ۹۹۷ھ تا ۹۸۰ھ

گجرات

نومسلم سلاطین کے سب سے نامور خاندان نے گجرات پر حکمرانی کی ہے ان کا نام آل مظفر تھا۔ اُن کی تاریخ یہ ہے کہ ۷۶۲ھ میں فیروز شاہ تغلق گجرات میں شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک اپنے لشکر سے جُدا ہو کر رات کے وقت تھنیر ضلع تھانسرہ پہنچا۔ وہاں کے پٹیل سہارن نامی نے شب باشی کا انتظام کیا۔ بادشاہ صبح کو حسن خدمت کے عوض میں سہارن اور اس کے بھائی سادھو دونوں کو ساتھ لے کر جب دہلی پہنچا تو سہارن کو آبداری کے عہدہ پر ممتاز کیا۔

فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ نے ۷۹۳ھ میں سہارن کے لڑکے ظفر خاں کو گجرات کا ناظم بنا کر بھیجا۔ اُس نے بدامنی کو دور کر کے چند سال میں اپنی حکومت مضبوط کر لی۔ ۸۰۶ھ میں اس کے لڑکے محمد شاہ تاتار خاں نے دہلی فتح کرنا چاہا لیکن راستہ ہی میں مر گیا۔ ۸۱۰ھ میں ظفر خاں نے مظفر شاہ لقب سے گجرات کا خود مختار بادشاہ بن کر دہلی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ ۸۱۳ھ میں اُس کے مرنے پر

احمد شاہ اس کا پوتا بادشاہ ہُوا۔ اس نے پٹن کو چھوڑ کر احمد آباد کی بنیاد رکھی اور اسی کو پایۂ تخت بنایا۔ قلعہ اور محلات کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد تیار کی جو آج تک موجود ہے۔ ۸۴۶ھ میں اس کا لڑکا محمد شاہ ثانی تخت نشین ہُوا۔ یہ بڑا فیاض تھا اسی لئے اس کو "زر بخش" کہتے تھے۔ اسی نے احمد شاہ اور شیخ احمد کھٹو کے مقبرے تیار کرائے۔ گجرات میں ایک ہی خاندان کی حکومت پونے دو برس رہی۔ اس عرصہ میں گجرات نے ہر صورت سے ترقی کی۔ اُن کا پایۂ تخت احمد آباد اور چاپانیر رہا۔ ان بادشاہوں نے بہت سے گاؤں اور شہر بسائے۔ سلطان پور، احمد نگر، محمود آباد، مظفر آباد (کپتانیہ) دولت آباد (بڑودہ) اس زمانہ میں آباد ہوئے۔ احمد آباد میں پتھر کی عمارتیں بکثرت بنائی گئیں۔ خاص کر بعض مسجدیں اس کاریگری سے تیار ہوئیں کہ اُس کے ایک مینار کو ہلانے سے دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا ہے۔ مَیں نے اس مینار کو خود دیکھا ہے۔ اسی طرح کھجوریا مسجد بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ مقبرے، مدرسے، حمام اور سرائیں کثرت سے بنیں جن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

سلاطینِ گجرات عالموں اور صوفیوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے ملکوں سے بڑے بڑے محدثین اور فقہاء، مشائخ اور علماء باکمال گجرات میں آکر آباد ہو گئے اور تمام عمر توسیع علوم وفنون میں رہ کر اسی جگہ پیوندِ خاک ہوئے۔ محمود اول کے زمانے میں قاضی اور محتسب برملا بادشاہ کو ٹوکتے اور اُن کا احتساب کرتے۔ مظفر حلیم مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا ہوتا۔

مولانا رکن الدین شکر گنج، شیخ کھٹوی، قطب عالم شاہ عالم ماہ عالم، شمع بُرہانی جیسے مشائخ کبار اسی زمانہ میں تھے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی، شاہ وجیہ الدین گجراتی، عماد الدین طارمی اس زمانہ کے بہترین علماء میں سے تھے۔

اس عہد میں بے شمار کتابیں ہر علم وفن کی تصنیف اور ترجمہ کی گئیں۔ زراعت کے لئے بڑی تعداد میں تالاب کھدوائے گئے جن میں سے اکثر اب بھی موجود ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مظفر شاہ ثانی کے عہد میں کوئی جگہ خالی پڑی نہیں ملتی تھی۔ آم

اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لگائے۔ درختوں کی کثرت سے احمد آباد کا شہر باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ احمد آباد کے پاس جو کئی میل کا باغ لگایا تھا اُس کا نام "باغ فردوس" رکھا۔ ایرانی طرز کی چمن بندی گجرات میں بہت عام ہوگئی تھی۔ عام طور پر بادشاہ سخی ہوتے تھے۔ اُن کی سخاوت سے خاص کر قحط کے زمانہ میں بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اکثر سلاطین گجرات کو عدل وانصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ضرورت کے وقت بادشاہ خود بھی تحقیقات کرتا۔ غیر ممالک سے اُن کے تعلقات خوشگوار رہے۔ جونپور، دہلی، بنگالہ، کشمیر، ایران، روم، مصر اور یورپ کے سفیر تحفے لے کر اُن کے دربار میں حاضر ہوتے۔

مصر میں جب تک عباسی خلافت قائم رہی سفیر کئی بار آئے اور گئے۔ آصف خاں، افضل خاں، عماد الملک، ملک شعبان، خداوند خاں جیسے لائق وزیر اسی زمانہ میں تھے۔ فوجی قابلیت یہاں کی خاص قوموں میں فطری تھی۔ اسی سبب سے یہاں کی فوجی طاقت ہمسایہ سلطنتوں سے زیادہ رہی۔ ہندوؤں کو فوجی اور ملکی عہدے ملتے تھے۔ احمد شاہ اوّل کے دور میں نائب وزیر محمد شاہ ثانی کے عہد میں وزیر مال محمود اوّل کے زمانے میں رائے رایان امیر، بہادر شاہ کی فوج میں سپہ سالار اور قلعہ دار ہندو تھے۔ دکن کے بعد توپ کا استعمال بھی سب سے پہلے گجرات ہی میں ہوا۔ فوجی بھرتی کا قاعدہ موروثی تھا۔ ابتداء میں تنخواہ نقد ملتی تھی لیکن احمد شاہ نے نصف نقد اور نصف جاگیر (زمین) مقرر کی۔

مظفر دوم کے عہد میں زراعت کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ جانوروں کا چرنا بھی مشکل ہوگیا۔ ناچار گاؤں میں چرائی کے لئے چراگاہیں الگ بنانی پڑیں۔ بحری تجارت کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ ۸۴ بندرگاہیں گجرات کے ماتحت تھیں۔ یہاں ہر موسم میں ملکی اور غیر ملکی جہاز کھڑے رہتے تھے۔ ایران، عراق، یمن، حبش، عرب اور مصر کے تاجر موجود تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں گجرات کا بحری بیڑہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس وقت ہندوستان میں کسی کے پاس نہ تھا۔

لہ (مرآۃ سکندری بمبئی۔ تاریخ فرشتہ جلد چہارم۔ حیدر آباد و طبقات اکبری سوم کلکتہ)

شاہانِ گجرات

ظفر خاں مظفر شاہ اول	۷۹۹ھ	ناصر خاں محمود دوم	۹۳۲ھ
احمد شاہ اول	۸۱۴ھ	بہادر شاہ	۹۳۲ھ
محمد شاہ	۸۴۶ھ	میراں محمد شاہ فاروقی	۹۴۳ھ
قطب الدین	۸۵۵ھ	محمود شاہ سوم	۹۴۴ھ
داؤد شاہ	۸۶۳ھ	احمد شاہ دوم	۹۶۱ھ
محمد شاہ اوّل بیگرہ	۸۶۳ھ	حبیب مظفر شاہ سوم	۹۶۹ھ
مظفر شاہ دوم	۹۱۷ھ	سلاطینِ مغلیہ	۹۸۰ھ
سکندر شاہ	۹۳۲ھ		

دکن کے بہمنی

دکن کی سب سے بڑی اور پہلی سلطنت کا نام بہمنیہ ہے۔ بہمنیہ کیوں کہلاتے ہیں؟ مؤرخوں نے اس کی کوئی معقول توجیہ اب تک پیش نہیں کی۔ بہمنی سلاطین کے درباری مؤرخوں نے اس باب میں اس خصوصیت کا اظہار کیا ہے جو عجمی مؤرخوں کا خاصہ ہے۔ یعنی اپنے ممدوحوں کو اعلیٰ نسب اور پُرانے ایرانی سلاطین کی نسل ظاہر کر کے اُن کے لئے سلطنت کا پیدائشی حق ثابت کرنا۔ انھوں نے لفظ بہمن کے شاعرانہ ضلع جگت اور مناسبات کی بناء پر ان کو بہمن بن اسفندیار کی نسل بتلا کر کلاہ کیانی اُن کے سروں پر رکھا اور کبھی جام جم سے اُن کی محفلوں کو سجایا ہے۔ یہ اس قسم کی لفظی غلطی ہے جیسے سندھ اور کچھ کے جام لقب کے راجاؤں کو جمشید ایران سے نسبت دینے کی کی گئی ہے۔ علامہ سید سلمان ندویؒ نے جو تحقیق کی ہے اور سلاطینِ بہمنیہ کی اصلیت کی تلاش کی کوشش کی اس کا خلاصہ پیش ہے۔

"سلطنت بہمنیہ کے بانی کا نام قبل از سلطنت اُس کے ہم عصر دہلوی مؤرخین سراج عفیف اور ضیاء برنی نے ہر جگہ حسن گانگو لکھا ہے (ملاحظہ ہو فیروز شاہی

سراج عفیف مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۴۲ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ ضیاء برنی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۱۰ و ۵۴۰)

عصامی نے فتوح السلاطین میں حسن کا نام بہمن بتلایا ہے ۔ کہتا ہے :-

بہ سیرت فریدوں و بہمن بنام ۔ شدہ کینتش بوالمظفر مدام

میری تحقیق میں حسن کا دوسرا نام بہمن کبھی نہ تھا بلکہ وہ یہ لقب ہے جس کو سلطنت کے بعد اُس نے اختیار کیا تھا ۔ حالانکہ اس قسم کے فارسی ناموں کا رواج اس زمانہ میں بھی تھا جیسا کہ خود حسن کے داماد کا نام بہرام خاں تھا مگر صحیح یہی ہے کہ یہ لقب اُس نے سلطنت کے بعد اختیار کیا ہے اور اس کی صحیح صورت وہی ہے جو اُس کے کتبوں اور سکوں پر ہے ۔ اُس کے سکوں اور کتبوں پر یہ خطابات کندہ ملے ہیں جیسا کہ باغ عامہ حیدر آباد دکن کے عجائب خانہ میں ایک پتھر بھی نظر آتا ہے :-

"سکندر ثانی بہمن الخلافت ناصر امیر المومنین السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین ابوالمظفر بہمن شاہ السلطان حسن"

اس کا اصلی نام ہونا یقینی ہے جس کی نسبت سے گلبرگہ کا حسن آباد نام رکھا گیا ہے کانگو یا گانگو اس کے نام کا دوسرا جزو بھی اُس کے ہم عصر مؤرخین کے بیان سے ثابت ہے اور بہمن نہیں بلکہ بہمن شاہ کی صورت میں اس کا یہ لقب سکوں اور کتبوں میں موجود ہے اس لئے اس کا پورا لقب "حسن گانگو بہمن شاہ" تھا جیسا کہ فرشتہ نے تینوں کو یکجا کر کے لکھا ہے ۔ ان میں سے گانگو اسلامی نام نہیں ۔ پھر حسن کے ساتھ گانگو کا جوڑ کیا ہے ؟ فرشتہ کا بیان ہے کہ گانگو پنڈت اصل میں ایک دکھنی برہمن کا نام تھا ۔ یہ پہلا برہمن ہے جس نے کسی مسلمان کی نوکری اختیار کی ۔ یہ علم نجوم اور جوتش میں ماہر تھا ۔ اس نے دکن سے دلی آکر شہزادہ محمد تغلق کی نوکری اختیار کی اور جاہ و منصب پیدا کیا اُسی زمانہ میں حسن نام ایک غریب و بدحال شخص دلی آکر گنگو برہمن کے پاس پہنچا ۔ برہمن نے اُسے ہل بیل دے کر دلی کے پاس کسی کھیت کے جوتنے پر نوکر رکھ لیا ۔ حسن نے کھیت میں ہل چلایا تو ہل کسی بھاری چیز سے ٹکرایا ۔ اُس نے اس کو نکالا تو ایک بڑا خزانہ پایا ۔ حسن نے یہ پورا خزانہ جوں کا توں گنگو برہمن کے سامنے لاکر

پیش کر دیا۔ برہمن کو اس کی دیانت داری اور ایمان داری پر بہت تعجب ہُوا اور اس کا
ذکر اس نے شہزادہ محمد تغلق سے کیا۔ شہزادہ نے اس کی تعریف بادشاہ وقت غیاث الدین
تغلق سے کی۔ غیاث نے خوش ہو کر اس کو اپنے امیران صدہ میں شامل کر لیا۔ گانگو برہمن
کو حسن کے زائچہ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایک دن بادشاہ ہو گا۔ چنانچہ اُس نے
حسن سے یہ شرط منظور کرائی کہ جب اللہ تم کو سلطنت دے تو میرا نام اپنے نام کا
جزو بنانا اور سرکاری دفاتر کا سارا اہتمام مجھ کو اور میری اولاد کو نسلاً بعد نسل سپرد کرنا۔
حسن نے دونوں شرطیں قبول کیں۔ چنانچہ اسی وقت سے اُس نے اپنا نام حسن گنگو بھمنی قرار
دیا اور سلطنت کے بعد اپنے تمام سرکاری دفاتر کا کام گنگو برہمن کے سپرد کر دیا۔
اب اس کے بھمن نام کی توجیہ سُنئے۔ اس کے مداح مؤرخوں نے اس بھمن کو بھمن
بن اسفندیار سے ملایا ہے۔ جیسا کہ تحفۃ السلاطین یا فتوح السلاطین، سراج التواریخ
اور بھمن نامہ میں مذکور ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مجھے خود بھی بھمن سلاطین کے حسب و نسب
کی بڑی تلاش تھی۔ اتفاقاً احمد نگر کے کتب خانہ میں ایک قلمی رسالہ اس بحث پر ملا۔
جس میں بھمن سلاطین کا پُورا نسب نامہ درج تھا جو حسب ذیل ہے :-

> حسن بن کیکاؤس بن محمد بن علی بن حسن بن سیام بن سیمون بن سلام بن
> ابراہیم بن شیلور بن فرخ بن شہریار بن عاد بن سیبدین مملک داؤد بن ہوشنگ
> بن نیک کردار بن فیروز بخت بن نوح بن صانع اور صانع چند واسطوں سے
> بہرام گور کی اولاد تھا اور بہرام گور ساسان کی نسل سے تھا اور ساسان بھمن
> بن اسفندیار کی نسل سے تھا۔

یہ نسب جیسا کہ اس کی ترتیب سے ظاہر ہے سراسر جعلی ہے۔ یہ نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی
ہے بلکہ بے جوڑ ناموں کا انمیل سلسلہ ہے۔ خود فرشتہ بھی اس کی صحت کا قائل نہیں اور اس
نے اپنے اسی نظریہ کو جو گنگو برہمن کی حکایت پر مبنی ہے ترجیح دی ہے۔
اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حسن کی قومیت اور قبیلہ کے باب میں تمام مؤرخین خاموش
ہیں لیکن فرشتہ کے قلم سے ایک جگہ ایک فقرہ نکل گیا ہے جو یہ ہے :-

"علی شاہ خواہر زادہ مظفر خاں علائے کہ از امیران صدہ بود و از دولت
آباد جہت تحصیل مال سلطانی بگلبرگہ رفتہ بود چوں آں حدود از عمال خالی
دید برادران خود را کہ یکے از آنہا حسن گانگوی بود یکجا جمع کردہ"۔
(صفحہ ۱۲۸/ از نولکشور)

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر خاں جو سلطان علاء الدین خلجی کا مشہور سپہ سالار
تھا اس کا بھانجا علی شاہ تھا اور اُس کے بھائیوں میں سے حسن گانگو تھا۔

۱۔ لیکن اس فقرہ میں کسی غلطی کا واقع ہونا مجھے نظر آتا ہے۔ اگر فرشتہ کو واقعۃً
اس کے اس خاندان کا علم تھا تو اُس کے نسب کی تحقیق کے موقع پر اس کا
ذکر کیوں نہیں کیا۔

۲۔ اس کے نہ ماننے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے بعد ہی یہ ہے کہ علی شاہ مع
برادران قید ہو کر سزائے قتل کو پہنچے۔

اب اگر حسن اُس کے بھائیوں میں سے ہوتا تو وہ بھی قتل ہو چکا ہوتا۔ فرشتہ
کا یہ بیان اس وقت اور بھی مشتبہ ہو جاتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے اس
بیان کا ماخذ برنی کی فیروز شاہی ہے۔ لیکن اس واقعہ کے ذکر میں یہ فقرہ کہ حسن گانگو
علی شاہ کا بھائی تھا اس میں مطلقاً موجود نہیں۔ عبارت یہ ہے:۔

"فتنہ علی شاہ کہ خواہر زادۂ ظفر خاں علائی کہ امیر صدہ قتلغ خاں بود ظاہر
شد۔ علی شاہ مذکور از دیوگیر بہ تحصیل گلبرگہ رفتہ بود۔ آں طرف را از
سوارہ و پیادہ و مقطعان و والیان خالی دید۔ برادران خود را با خود
یار کردہ ...... سلطان علی شاہ باغی غدار را با برادر آں دست
راست دادہ از حصار فرود آوردہ ...... سلطان محمد علی شر
برادران او را در غزنین فرستاد و ایشاں از آنجا باز آمدند و ہر دو برادر
را در پیش داخول سیاست نمودہ"۔ (ص ۴۸۹)

مجھے خیال ہوا فرشتہ کی عبارت میں کچھ کتابت کی غلطی ہے "برادران خود را" کی جگہ

سرداران خود را ہوگا۔ اس غرض کے لئے میں نے فرشتہ مطبوعہ بمبئی کا قدیم نسخہ اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ایک قلمی نسخہ دیکھا سب میں برادران ہی لکھا پایا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حسن کے ساتھ گانگو نام اور بہمن شاہ لقب کی کوئی صحیح (توضیح) توجیہہ تک اب تک میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

بہمن شاہ لقب اور دکھن کے برہمنوں کے ساتھ اتحاد سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اُس نے نسبی طور سے نہیں تو سیاسی طور سے دکھنی برہمنوں کو ضرور اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا اور اسی کی علامت کے طور پر اُن کے خوش کرنے کے لئے اس نے اپنا خطاب بہمن شاہ یعنی برہمنوں کا بادشاہ مقرر کیا تھا جیسا کہ اس کے کتبوں اور سکوں میں کندہ ملتا ہے۔

لفظ بہمن وہی مشہور لفظ برہمن ہے، شمالی ہند میں اس کا تلفظ بہمہ بن برہمن ہے اور اس کی جمع براہمہ اور دکن میں اس کا عام لفظ بہمن ہے اور اس کی جمع بہامنہ بولی جاتی ہے۔ چنانچہ فرشتہ میں لفظ کی یہ دونوں شکلیں ایک ساتھ ملتی ہیں۔

"اول کسے کہ از فرقہ براہمہ در دور اسلام نوکری قبول کرد۔ گانگو پنڈت بود تاحال کہ ۱۰۱۶ھ است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایاتِ ایشاں بہ بہامنہ مرجوع است۔"

(صفحہ ۲۷۸ نولکشور)

اس عبارت میں شمالی ہند کے تعلق سے براہمہ کہا گیا ہے اور جنوبی ہند کے تعلق سے بہامنہ۔ بہمن شاہ یعنی بر برہمن شاہ ویسی ہی ترکیب ہے جیسے کابل شاہ ہندو شاہ، شیروان شاہ، خوارزم شاہ جو مشہور بادشاہوں کے خاندانی نام ہیں۔ یہ تو بہمن شاہ کی ایک لگی ہوئی توجیہہ ہے مگر گانگو نام کی توجیہہ کا جو شروع ہی میں اس کے نام کا جز ہے جیسا کہ سراج عفیف اور ضیاء برنی کے حوالوں سے ثابت ہے ابھی تک حل نہ نکل سکا۔

بہرحال بہمن شاہیہ اگر نسل سے ہندو نہ ہوں تاہم انھوں نے وجے نگر کے ہندو للہ جاؤں کی بیٹیوں کو قبول کیا تھا مگر اُن سے نسل کا چلنا ثابت نہیں ہوتا۔ بہمنیہ سلطنت

کے ختم ہونے پر اُس کی خاک سے پانچ چھوٹی بڑی سلطنتیں پیدا ہوئیں جن میں تین نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی ہیں۔

سلاطینِ بہمنیہ

حسن گانگو علاء الدین ظفر خاں	۷۴۸	علاء الدین احمد شاہ دوم	۸۳۸
محمد شاہ اوّل	۷۵۹	عبد الدین ہمایوں شاہ	۸۶۲
مجاہد شاہ	۷۷۶	نظام شاہ	۸۶۵
داؤد شاہ	۷۸۰	محمد شاہ دوم	۸۸۷
محمود شاہ اوّل	۷۸۰	احمد شاہ سوم	۹۲۴
غیاث الدین	۷۹۹	علاء الدین شاہ	۹۲۷
شمس الدین	۷۹۹	ولی اللہ شاہ	۹۲۹
تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰	حکیم اللہ شاہ	۹۳۲
احمد شاہ اوّل	۸۲۵	خاندانِ دکن	۹۳۳

نظام شاہی نظام شاہی سلطنت کا بانی نظام الملک بحری تھا۔ یہ خالص دکھنی ہندو نسل سے تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کا ہندو نام تیما بھٹ اور باپ کا نام بھرلو تھا۔ اس کا اسلامی نام حسن رکھا گیا اور بعد کو بھرلو بحری بنایا گیا اور حسن بحری کے نام سے مشہور ہوا۔ (فرشتہ ۲ صـــ۱۸۰ وطبقات اکبری ۳ صـــ۶۷) فرشتہ کا بیان ہے :۔

"از بہا منہ معتبر دولت خانہ نظام شاہیہ شنیدم کہ پیش از سلطنت نظام شاہ بحری بہ چندیں سال احداد نظام شاہیہ از براہمیہ پرگنہ پاتری در قدیم الایام تعلق بآباؤ احداد داشتہ بودند بہ تقریب تغیر مکان کردہ بولایت بیجانگر رفتہ بودند دراں حدود بسر می بردند"

اسی تعلق کی بناء پر بُرہان نظام شاہ نے اس پرگنہ پر قبضہ کرکے اپنے خاص گاؤں

کو اپنے ہندو برہمن عزیزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ فرشتہ کی شہادت ہے :-

"برہان نظام شاہ آں پرگنہ را بقبض خویش در آوردہ موضع موروث بہ بھامنہ خویش و قرابت خود کہ زملیں کفرہ بودند بطریق انعام عنایت فرمودہ"

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل وطن موضع پاتری تھا جہاں اس کا خاندان آباد تھا۔

یہ بیجا نگر کے ایک برہمن کالٹر کا تھا۔ سلطان احمد شاہ بہمن نے اس کو ذہین دانشمند اور حساب کتاب میں ماہر پایا اس لئے اس کو بھی شہزادوں کے ساتھ مکتب میں بٹھا دیا اور فارسی کی تعلیم دلوائی پہلے وہ مشیر شکار کے عہدہ پر فائز ہوا۔ پھر نائب وزیر بنایا گیا۔ سلطان محمود بہمنی کے عہد میں خواجہ جہان محمود گاوان کے مرنے کے بعد وزیر کل ہوا۔ اس کالٹر کا احمد باپ کی جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔ نظام الملک کے مرنے پر اس نے سلطنت کو اس خوبی سے چلایا کہ اس کی کوئی کل ڈھیلی نہ رہنے دی۔

محمود بہمنی کے وزیر کو شکست دے کر سنہ ۸۹۵ھ میں ایک باغ اس فتح کی یادگار میں لگایا اور اپنا نام نظام شاہ رکھا سنہ ۹۰۰ھ میں دولت آباد کے مقابل ایک نیا شہر احمد نگر کے نام سے بسا کر اس کو بنایا۔ اس سے قبل جنیر ان کی راجدھانی تھی۔ چند ہی سال میں یہ شہر بڑا آباد اور بارونق بن گیا۔ باغ نظام کو قلعہ نما تیار کرایا اور مختلف محلوں کو رنگین کانچ کے ذریعے دلکش تصویروں سے آراستہ کرایا۔ دولت آباد فتح کر کے کالنہ اور ریکلانہ کو مطیع کیا سنہ ۹۱۴ھ میں اس نے وفات پائی۔

اس کالڑکا برہان نظام شاہ کم سن تھا اس لئے سارے اختیارات پر اس کے وزیر کلمل خاں کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۹۲۴ھ میں اس نے پاتری کو جو اس کے باپ دادوں کا اصلی وطن تھا فتح کر لیا۔ سنہ ۹۲۸ھ میں ایک شیعہ بزرگ شاہ طاہر کے اثر سے اس نے شیعی مذہب اختیار کیا اور اسی کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا سنہ ۹۳۵ھ میں

بہادر شاہ گجراتی سے جنگ میں شکست کھا کر خراج دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اس کے وزیر کنور سین نے مرہٹوں سے لڑ کر ۳۲ قلعے چھین لئے ۔ ۹۶۱ھ میں سلطان دنیا سے کوچ کر گیا۔

حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر پہلے تو خانہ جنگی کا خاتمہ کیا۔ پھر پرتگیزوں کو اپنا مطیع بنایا۔ ۹۷۲ھ میں نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی سے عادل شاہ (بیجاپور) کا نکاح ہوا۔ ۹۷۲ھ میں دکنی فوجوں کے ساتھ نالی کوٹ کی جنگ میں شریک ہوا اور وجیانگر کا راجہ "رام راج" کا خاتمہ کر کے جب واپس آیا تو خود بھی دنیا سے کوچ کر گیا۔ نظام شاہی سلطنت کی عمر صرف ڈیڑھ سو برس رہی۔ اُن کا پایۂ تخت احمد نگر تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے محل بنائے۔ ان میں شیش محل خاص شہرت رکھتا تھا۔ باغ بکثرت لگائے۔ باغوں کی کثرت کے باعث ملک بہشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ صلابت خاں اور خواجہ جہان دکنی جیسے وزیر اسی زمانہ میں تھے اُن کا علمی دربار بھی بڑا بارونق تھا۔ ملا پیر محمد طاہر شاہ، ملا ظہوری، ملک قمی جیسے اہلِ علم اور شاعر اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ رعایا کا مذہب سُنی مہدوی تھا اور حکمران شیعہ تھے۔ غیر ملکیوں سے بھی اُن کے تعلقات اچھے تھے اور ایک دوسرے کے سفیر اچھے تحفوں کے ساتھ آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ ایران سے اسی عہد میں واپس آیا اور ملکی و غیر ملکی جھگڑے البتہ اکثر ہوتے جس نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ عورتیں بھی سیاست میں حصہ لیتی تھیں۔ دکن کی مشہور ملکہ چاند بی بی سلطانہ اسی خاندان سے تھی۔ اس کی فوجی طاقت بھی کسی سے کم نہ تھی۔ یہ سلاطین بڑے جنگجو تھے۔ عادل شاہی اور برار کے ساتھ ہمیشہ جنگ کرتے رہتے۔

احمد شاہ نظام کو کشتی کا بڑا شوق تھا۔ یہی مذاق رعایا کا ہو گیا تھا اسی لئے یہاں بک بکی (ڈوئل) کا بڑا رواج تھا۔ علماء تک اس سے محفوظ نہ تھے۔ آخر زمانہ میں ملک عنبر حبشی نے جنگ کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کو جنگ گریز یا (قزاقانہ جنگ) کہتے ہیں یعنی گوریلا وار۔ اُس فوج میں مرہٹے زیادہ تھے۔ اسی سبب سے

مرہٹوں کو اس لڑائی کی بڑی مہارت ہو گئی۔ سیواجی کو تو یہ طریقہ اس قدر پسند آیا کہ عمر بھر اسی طریقہ پر لڑتا رہا۔ صلابت خاں کے وقت میں تجارت کو بھی اچھی ترقی ہوئی۔ مگر جنگ اور خانہ جنگی کے سبب زراعت وصنعت پر کافی توجہ نہ ہو سکی [1]

عماد شاہی دکن کی دوسری سلطنت جو بہمنیہ کے ایک گوشہ میں قائم ہوئی تھی عماد شاہی ہے۔ عماد شاہی سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے۔ یہ بیجانگر کے ہندو کا لڑکا تھا۔ بچپن میں گرفتار ہو کر سپہ سالار خان جہان کے غلاموں میں داخل ہوا۔ اُس کی وفات پر سلاطین بہمن شاہی کے غلاموں میں داخل کر لیا گیا۔ محمود بہمن شاہ کے عہد میں خواجہ محمود گاواں وزیر مملکت کی عنایت سے اس کو عماد الملک کا خطاب ملا اور برار کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ ۸۹۰ھ میں وہ خود مختار ہو گیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا علاء الدین عماد شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے اسمٰعیل عادل شاہ کی لڑکی سے شادی کر کے اپنی قوت کو ترقی دی۔

بُرہان نظام شاہ نے اُس کے دو قلعے دبا لئے تھے اُس کے لئے بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ شکست پا جانے پر خاندیس کے حاکم کے ذریعہ مدد کے لئے سلطان بہادر گجراتی کو بلایا جس نے برار اور نظام شاہ دونوں کو اپنا باجگزار بنا لیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا دریا عماد الملک حاکم ہوا۔ اُس نے اپنی لڑکی کی شادی حسین نظام شاہ سے کر دی۔ عرصہ تک حکومت کر کے دنیائے فانی کو خیر باد کہا اور اب اس کا چھوٹا کم عمر لڑکا برہان عماد شاہ مالکِ تخت ہوا لیکن تفاول خاں دکنی نے برار پر قبضہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور خود تفاول خاں کو مرتضیٰ شاہ نے شکست دے کر قتل کر دیا برار کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس سلطنت کا پایۂ تخت کاویل تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور ہمیشہ لڑنے بھڑنے کے سبب اس کو اس کا موقع نہیں ملا کہ امن وامان قائم کر کے ملک کو ترقی

---

[1] مآثر نظام شاہی مطبوعہ دہلی، فرشتہ جلد چہارم حیدر آباد

دے۔ اس کی فوجی طاقت بھی معمولی تھی [1]

سلاطینِ عماد شاہیہ

فتح اللہ عماد الملک ـــــ ۸۷۶
دریا عماد شاہ ـــــ ۹۳۷
تفاول خاں ـــــ ۹۶۹
علاء الدین ـــــ ۹۱۶
برہان عماد شاہ ـــــ ۹۶۹

بریدشاہی بہمنیہ کی تباہی کے بعد بریدشاہی خاندان دکن کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی جس کا پائۂ تخت بیدر تھا۔ اس کا بانی قاسم بریدالمتوفی سنہ ۹۱۰ھ کو ترک تھا۔ مگر اُس نے اپنے لڑکے کی شادی جس کا نام امیر علی برید تھا، ساباجی ایک مرہٹہ سردار کی لڑکی سے کرادی تھی اور اسی تعلق سے چار سو مرہٹہ بہادروں نے اس کی نوکری کی اور سب رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے اور ان ہی کی فوجی طاقت سے اس سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے اُس کا حال نہیں لکھا۔ فرشتہ نے اُن کے سات بادشاہوں میں سے صرف تین کا حال لکھا ہے اور معذرت کی ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوئے اور جو لکھا ہے وہ بھی بزرگوں کی زبانی سُن کر [2]

سلاطینِ بریدشاہیہ

بریدالممالک قاسم برید ـــــ ۸۹۵

---

[1] فرشتہ جلد چہارم، حیدر آباد۔
[2] تاریخ وسیاست مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

علی برید	۹۴۹
قاسم برید دوم	۹۹۴
امیر برید دوم	۱۰۱۰
امیر برید اول	۹۱۰
امیر برید	۹۸۷
علی برید دوم	۹۸۸

قطب شاہیہ سلطنت قطب شاہی کا بانی قطب الملک سلطان قلی ترکوں کی قوم لہاریوں سے تھا اس کا باپ اویس قلی آذربائیجان کا حاکم تھا۔ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن میں آیا۔ محمود شاہ کے زمانے میں گول کنڈہ کی نظامت پر مامور ہوا۔ انیس سال تک مطیع رہ کر ۹۱۰ھ میں خودسری اختیار کی اور قطب شاہ لقب مقرر کر کے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اس کے خاندان میں آٹھ فرمانروا ہوئے جو بڑے مرتبہ اور اہلِ علم کے قدردان تھے۔

سلاطینِ قطب شاہیہ

۱۔	سلطان قلی قطب الملک	۹۲۲
۲۔	جمشید قلی	۹۵۰
۳۔	سبحان قلی	۹۵۷
۴۔	ابراہیم قطب شاہ	۹۵۷
۵۔	محمد قلی قطب شاہ	۹۸۸
۶۔	محمد قطب شاہ	۱۰۲۰
۷۔	عبداللہ قطب شاہ	۱۰۳۵
۸۔	ابوالحسن تاناشاہ	۱۰۸۳

عادل شاہیہ | عادل شاہی کا مورث اعلیٰ یوسف عادل شاہ سلطان دوم محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کا بھائی تھا۔ جب سلطان محمد نے اُس کے قتل کی فکر کی تو دشمن کی شمشیر سے محفوظ رہنے کے لئے دکن چلا آیا اور یہاں محمد شاہی بہمنی کے ملازموں میں داخل ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں بیجاپور کا ناظم مقرر ہو گیا۔

عرصہ تک مطیع رہا اور ۸۹۵ھ میں عماد الملک کی تحریک سے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس خاندان کے حکمران عالمی دل چسپی رکھتے تھے۔ آثار الکرام میں مفصل حال دیکھئے۔

سلاطینِ عادل شاہیہ

۱۔ یوسف عادل شاہ	۸۹۵
۲۔ ملو عادل شاہ	۹۴۱
۳۔ علی عادل شاہ	۹۶۵
۴۔ محمد عادل شاہ	۱۰۳۷
۵۔ سکندر عادل شاہ	۱۰۷۰
۶۔ اسماعیل عادل شاہ	۹۱۶
۷۔ ابراہیم عادل شاہ	۹۴۱
۸۔ ابراہیم عادل شاہ دوم	۹۸۸
۹۔ علی عادل شاہ سوم	۱۰۶۷

بابر اعظم
شجرہ خاندانِ مغلیہ
بابر (۱)
ہمایوں (۲)
محمد حاکم گورنر بنگال
اکبر (۳)
جہانگیر (۴)
شہریار
جہانداد
شاہجہان (۵)
پرویز
خسرو
مراد بخش
اورنگ زیب (۶)
شجاع
دارا
کام بخش
اکبر
شاہ عالم بہادر شاہ (۷)
اعظم
محمد
محی السنۃ
نیکوسیر
شاہ جہاں ثالث
خجستہ اختر
جہاں دار (۸)
رفیع الشان
عظیم الشان
فرخ سیر (۹)
عالمگیر ثانی (۱۴)
شاہ عالم (۱۵)
محمد اکبر ثانی (۱۶)
بہادر شاہ ثانی (۱۷)
محمد (۱۲)
احمد (۱۳)
بیدار بخت
ابراہیم
رفیع الدرجات (۱۰)
رفیع الدولہ (۱۱)

شاہانِ مغلیہ
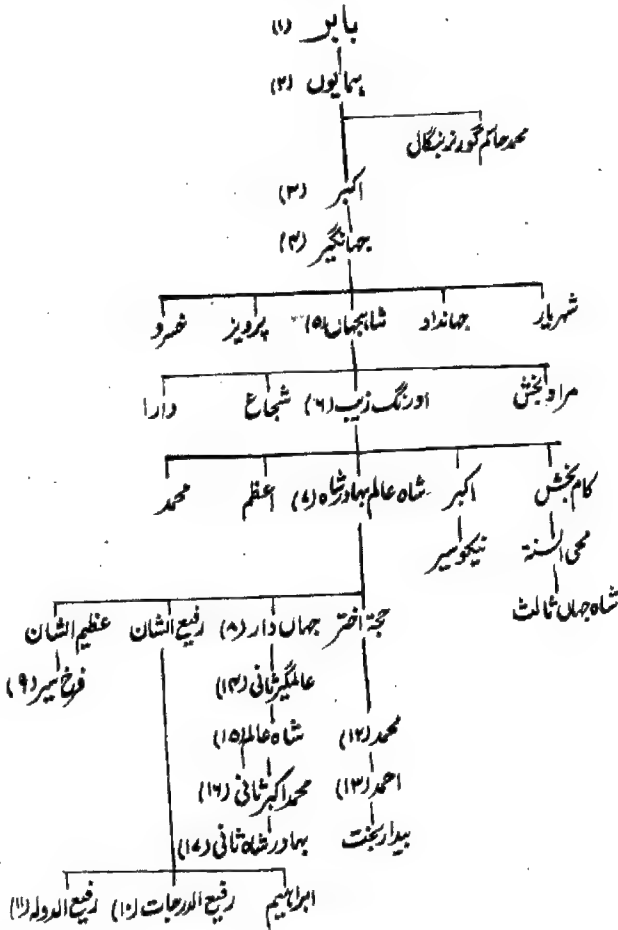
ظہیر الدین بابر	سنہ ۹۳۲ھ ،	سنہ ۱۵۲۶ء	
نصیر الدین ہمایوں	سنہ ۹۳۷ھ ،	سنہ ۱۵۳۰ء	
جلال الدین اکبر	سنہ ۹۶۳ھ ،	سنہ ۱۵۵۶ء	
نور الدین جہانگیر	سنہ ۱۰۱۴ھ ،	سنہ ۱۶۰۵ء	
داور بخش	سنہ ۱۰۳۷ھ ،	سنہ ۱۶۲۷-۲۸ء	(غاصب و باغی)
شہاب الدین شاہجہاں	سنہ ۱۰۳۷ھ ،	سنہ ۱۶۲۸ء	
مراد بخش (گجرات)	سنہ ۱۰۶۸ھ ،	سنہ ۱۶۵۸ء	(غاصب و باغی)
شجاع (بنگال)	سنہ ۱۰۶۸ھ ، ۱۶۶۰ء	سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۸ء	(غاصب و باغی)
اورنگ زیب محی الدین عالمگیر	سنہ ۱۰۶۹ھ ،	سنہ ۱۶۵۹ء	
محمد ناصر الدین	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
احمد	سنہ ۱۱۶۱ھ ،	سنہ ۱۷۴۹ء	
عزیز الدین عالمگیر ثانی	سنہ ۱۱۶۷ھ ،	سنہ ۱۷۵۴ء	
شاہجہاں ثالث	سنہ ۱۱۷۳ ۱۷۶۰ ،	سنہ ۱۱۷۴ھ ۱۷۵۹ء	
اعظم شاہ	سنہ ۱۱۱۸ھ ،	سنہ ۱۷۰۷ء	
کام بخش	سنہ ۱۱۱۹-۲۰ھ	سنہ ۱۷۰۸ء	
قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول		سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء	
معز الدین جہاندار	سنہ ۱۱۲۴ھ ،	سنہ ۱۷۱۳ء	
فرخ سیر	سنہ ۱۱۲۴ھ ،	سنہ ۱۷۱۲ء	
شمس الدین رفیع الدرجات	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
نیکو سیر	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
ابراہیم	سنہ ۱۱۳۲ھ ،	سنہ ۱۷۲۰ء	(غاصب)

جلال الدین شاہ عالم	۱۱۷۳ھ ،	۱۷۵۹ء
بیدار بخت	۱۲۰۳ھ ،	۱۷۸۸-۸۹ء (غاصب)
محمد اکبر ثانی	۱۲۲۱ھ ،	۱۸۰۶ء
بہادر شاہ ثانی	۱۲۵۳ھ ،	۱۸۳۷ء

مغلیہ خاندان مغلوں کی تاریخ عملاً چنگیز خاں کے عہد سے شروع ہے۔ اسی نسل سے تیمور لنگ تھا۔ تیمور ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ تغا تیمور کی جانب سے کش کی گورنری پر مامور ہوا۔ بعدہٗ جغتائیہ خاں سیورغاتمش کا وزیر ہو گیا اور اس کی حکومت پر ۱۳۶۹ء میں قابض ہوا۔ برائے نام اس کے لڑکے محمود کو بادشاہ رہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں مصروف پیکار رہا۔ سات سال میں خراسان، جرجان، مازندران، سجستان، افغانستان، فارس، آذربائی جان، اور کردستان فتح کئے۔ پھر ۱۳۹۳ء میں خاندان جلائرز سے بغداد لیا۔ اس کے بعد الجزائر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۳۹۶ء میں شمالی ہند میں داخل ہوا اور دوسرے سال کشمیر و دہلی پر یورش کی۔ ۱۴۰۱ء میں ترکوں سے مقابلہ کیا۔ سلطان بایزید گرفتار ہوا۔ ممالک عثمانیہ زیر و زبر ہوئے۔ مصر، حلب، دمشق قلمروئے تیموری میں داخل ہو گئے۔ تسخیر چین کے لئے جا رہا تھا کہ راہ میں بمقابلہ انزار ۱۴۰۵ء مطابق ۸۰۷ھ میں قضا کی اور سمرقند میں دفن ہوا۔

ابوالمکارم جلال الدین محمد میراں شاہ بادشاہ باپ کا جانشین ہوا۔ صرف دو برس سلطنت کر کے ۴ ذیقعدہ ۸۱۰ھ میں بعمر ۴۰ سال انتقال کیا۔ ان کے بعد ابوالمظفر سلطان محمد مرزا باپ کے بجائے تخت نشین ہوئے۔ ۳۵ برس سلطنت کی۔ ۸۵۵ھ میں انتقال کیا۔ ترمذ میں دفن ہوئے۔ سلطان ابوسعید مرزا ذی الحجہ ۸۲۰ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد غزنی میں تخت نشین ہو کر اٹھارہ برس حکومت کی۔ سمرقند میں انتقال کیا۔

ان کا جانشین سلطان ابوالنصر عمر شیخ مرزا بہادر ہوا۔ ۱۶ برس حکمرانی کی۔ ۴ رمضان ۸۹۱ھ میں انتقال کیا۔

پیدائش بابر بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ بابر کا اصلی نام ظہیر الدین تھا۔ لیکن مغل اس کے نام کا تلفظ ٹھیک ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے اس کو بابر یعنی شیر کہتے تھے۔

تعلیم و تربیت وہ ابھی گیارہ برس کا تھا کہ اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ ڈھلوان چٹان کے اُوپر ایک مکان میں کبوتروں کو چگانے گیا کہ یکایک اس کا پیر پھسلا اور مر گیا۔ بابر اس کا جانشین ہُوا۔

بابر کو برسوں کی خاندانی تمنا پوری کرنے کی توقع ہوئی۔ اُس نے سمرقند فتح کر لیا جو اُس کے خاندان کا دار السلطنت رہ چکا تھا۔ مگر وہ اس پر تھوڑے عرصہ تک قابض رہا۔ وہ بیمار ہو گیا اور شہر سے جلد نکال دیا گیا۔ اس سے ابتر حالت یہ پیش آئی کہ جب وہ سمرقند سے غیر حاضر تھا اس کی سلطنت اس سے چھین لی گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ بے خانماں اور جلاوطن رہا لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں سے امداد لینے کی تجویز کی اور ایک چھوٹی سی فوج جمع کی۔ اس فوج کی مدد سے اُس نے اپنی سلطنت کا ایک حصّہ بحال کر لیا۔ سمرقند دوبارہ فتح کرنے کا اُسے موقع مل گیا۔ اس شہر کے فتح کرنے کی آرزو بابر کو بہت تھی۔ کیونکہ وہ محلّات اور باغات کا عالیشان شہر تھا۔ علاوہ بریں وہ بابر کے خاندان کے قدیم وطن تھا۔

اس طرح سے جب بابر کو چند باشندوں نے مدعو کیا جو اپنے زمانہ کے فرمانرواؤں سے ناراض تھے۔ بابر نے اُن کی دعوت منظور کرنے میں سرعت سے کام لیا۔ اس کو ناکامی ہوئی لیکن کسی طرح وہ نااُمید نہ ہُوا۔ اس نے دوسری مرتبہ کوشش کی۔ اس مرتبہ یکبارگی کوشش کی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ سمرقند ایک سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دار الخلافہ رہا تھا۔ ایک اجنبی قزاق خدا جانے کہاں سے آگیا اور اُس نے ہمارے شاہی عصا پر دست تصرف کر لیا۔ جو ہمارے ہاتھوں سے چھُوٹ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اب بحال کر دیا اور مجھے کھویا ہوا شہر واپس دلا دیا۔[1]

---

[1] تزکِ بابری ص ۔

سمرقند میں بابر کو بہت عرصہ تک چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا ۔ اُس کے بڑے دشمن ازبک تھے جو ایک طاقت ور مغل قوم تھی۔ انہوں نے ایک جرار فوج جمع کی۔ بابر کو جنگ میں شکست دی اور اُسے سمرقند میں قید کر دیا۔ سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار شہر میں خوراک ختم ہو گئی۔ بابر کو متابعت کرنی پڑی اور چند ہمراہیوں کے ساتھ سمرقند چھوڑنا پڑا۔ لیکن اُس نے جلد ہمت باندھلی۔ بہت سے فاقوں کے بعد وہ ایک جگہ آیا جہاں کثرت سے خوراک تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں ہمیں اچھے آٹے کی خوب پکی روٹیاں ملیں، شیریں خربوزے ملے اور بڑی کثرت سے اعلیٰ درجہ کے انگور ملے۔ تمام زندگی میں مجھے ایسا لُطف نہیں آیا اور مجھے فارغ البالی اور صلح کی خوشی اس قدر ہوئی تھی۔ تکلیف کے بعد لُطف، افلاس کے بعد افراط نہایت خوشی کا باعث تھا۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ بابر کا دل مضبوط تھا جو شکست کے زمانہ میں حوصلہ نہ چھوڑتا تھا اور زندگی کی نیک چیزوں کی قدر کر سکتا تھا۔ نہ اُس کی سلطنت رہی اور نہ اُس کے ہمراہی رہے۔ وہ کچھ عرصے تک غریب گاؤں میں رہتا رہا۔ خود بھی ایسا غریب تھا جیسا کہ وہ تھے۔ پھر کچھ عرصہ اپنے چچاؤں کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ انہوں نے اس پر مہربانی کی لیکن اس کا کچھ بھلا نہ کیا سوائے اس بات کے کہ وہ اسے اپنی جنگ میں مصروف رکھتے تھے۔ اس کی زندگی کے اگلے چند سال سرگذشتوں سے بھرپور ہیں۔ بار بار اسے ایسی دقت پیش آئی کہ وہ قید ہو گیا ہوتا۔ ایک مرتبہ اس کے دشمن اس کے ایسے نزدیک تھے کہ اسے یقین ہو گیا کہ سب کچھ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ موت کے لئے تیار ہو گیا۔ عین وقت پر اُس کے وفادار ہمراہیوں نے اس کو بچا لیا۔

آخر کار اُس نے اپنی سلطنت کی بحالی کی تمام امیدیں ترک کر دیں اور کابل میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے ارادہ کر لیا۔ کابل کی سلطنت اس کے خاندان کی تھی۔ اس نے اپنی ولایت سے پیٹھ موڑی اور کابل میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس میں اُسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ کیونکہ کابل نے اس کی چھوٹی سی فوج کے سامنے جلد ہتھیار

ڈال دیئے۔ بابر اپنے نئے گھر میں مقیم ہُوا اور وہ اس کا بہت شائق تھے۔ اُس کی ولایت کی طرح وہاں پھل بکثرت تھے۔ اُس نے باغات لگائے۔ لیکن ان مقبوضات پر آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور اُسے اُن کے مقابلہ پر فوراً معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اپنی کتاب میں اُس کا قدرے حال لکھتا ہے۔

اس مہم سے لوٹ کر بابر نے ہرات کی طرف دور دراز کا سفر کیا۔ ہرات عظیم الشان اور دولت مند شہر تھا جس کے باشندے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہرات کے حاکم بابر کے خاندان کے تھے اور وہ اُن کے ساتھ رفاقت رکھنا چاہتا تھا۔ اور اُن کی مدد بھی چاہتا تھا اگر اس پر دُشمن حملہ کرے۔ چنانچہ وہ کچھ عرصے شہر میں مقیم رہا۔ اُس کے دل پر شہر کے سامانِ عشرت کا بڑا اثر ہُوا جو اُس کی سیدھی سادی زندگی کے مقابلہ میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ ہرات کی سیر کے زمانہ میں اوّلاً بابر شراب کے عیب کا شکار ہُوا جیسا کہ وہ خود بالکل آزادانہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس عیب کا عرصۂ دراز تک شکار رہا۔ خوش نصیبی سے وہ بعد ازاں اس عیب کو چھوڑنے کی قوت رکھتا تھا۔ کابل کی واپسی میں اُسے سخت ایام دیکھنے پڑے۔ وہ اور اُس کی فوج برف میں تباہ ہوگئی اور ایک موقع پر ایک غار کے ملنے سے بچے جس میں رات کو انہوں نے پناہ لی۔ کابل پہنچ کر اُس نے جلد معلوم کیا کہ اس کے دشمن ازبک حملہ کرنے والے ہیں۔ خوف و ہراس اس قدر طاری ہُوا کہ بابر نے نتیجہ نکال لیا کہ کابل پر تصرف کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے ہند کو فوج سمیت روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اُسے معلوم ہُوا کہ ازبک لوٹ گئے ہیں وہ پھر کابل لوٹ گیا۔ یہاں اُس نے چچازاد بھائی کی سرکشی رفع کی اور اپنے بھائی کو معاف کر دیا۔ اگرچہ بابر کابل میں حکومت کرتا تھا لیکن وہ سمرقند کا فرماں روا ہونے کی قدیم آرزو نہ بھُولا۔ جونہی اُسے اپنی آرزو کے پُورا کرنے کا موقعہ ملا وہ موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ اُس کے قدیم دشمن ازبک کو شکست ہوئی اور پسپا کئے گئے۔ بابر نے اُن کے خلاف ایک فوج کے ساتھ معرکہ آرائی کی جن کو اُس نے چھوڑا تھا اور اُن پر ایک کامل فتح حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سمرقند میں بڑے جلوس سے

داخل ہوا۔ یہ شہر اُس نے تین مرتبہ لیا لیکن اس کی حکومت دیر تک نہ رہی۔ دشمنوں کا اتفاق اس قدر بڑھا کہ وہ اُن پر فتح حاصل نہ کر سکا۔ صرف آٹھ مہینے تک سمرقند میں رہ کر اُسے شہر ترک کرنا پڑا۔ اپنے آبائی دارالخلافہ پر حکومت کا خواب جاتا رہا۔ بہت سی سرگذشتوں کے بعد وہ کابل پہنچا۔ اس وقت سے اُس نے اپنی سلطنت کے حاصل کرنے کا خواب ترک کر دیا اور وہ ہند کی طرف نظر ڈالنے لگا لیکن پانچ سال تک وہ ہند کی فتوحات شروع نہ کر سکا۔ ان پانچ سال تک وہ کابل کی سلطنت کے انتظام اور اپنی فوج کی تیاری میں مصروف رہا۔ بابر کے الفاظ میں ہند کا مختصر حال تزک سے بیان کرتے ہیں :-

"ہندوستان نہایت خوبصورت مشہور معروف ملک ہے۔ ہمارے ملکوں سے مقابلہ کریں تو بالکل نرالی دُنیا ہے۔ اس کی پہاڑی اور دریا، اس کے جنگل اور بیابان، اس کے جانور اور نباتات، اس کے باشندے اور اُن کی زبان، اس کی ہوا اور بارش، مختلف خاصیت کی ہیں۔ اگرچہ کابل کے قلمرو میں گرم اضلاع ہندوستان سے بہت مشابہت رکھتے ہیں لیکن دیگر حالات میں وہ مختلف ہیں۔ تاہم اب جب دریائے سندھ عبور کریں تو ملک، درخت، پتھر، خانہ بدوش قومیں لوگوں کے اطوار زندگی ہندوستان کے بالکل مشابہ ہیں۔ ہند کے دیہات اور قصبے بہت غلیظ ہیں۔ سارے شہروں کی ایک صُورت ہے۔ یہاں کے باغات کی فصیلیں نہیں ہوتی۔ سارا ملک ہموار سطح رکھتا ہے۔ دریاؤں اور ندیوں کے کنارے سیلاب کی سخت روانی کی وجہ سے جو کہ بارش کے موسم میں اُترتے ہیں گہرے غار بن جاتے ہیں جن کا عبور کرنا دشوار گذار اور تکلیف دہ ہے۔ بہت سی جگہوں میں میدان اس قدر کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوتا ہے کہ لوگ جو ان ہی پر منحصر ہیں ان میں پناہ لیتے اور اُن کے ناقابل پہنچ مقامات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اکثر سرکشی کرتے رہتے ہیں اور ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہند میں سوائے دریاؤں کے کسی جگہ بہتا پانی نہ ملے گا۔ کبھی کبھی کھڑا پانی ملتا ہے۔ تمام شہر اور دیہات کنوئیں یا تالابوں سے پانی لیتے ہیں جن میں بارش کے دنوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ ہند میں گاؤں کی آبادی، زوال، کامل تباہی بلکہ شہروں کی بھی

یکدم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہر جو سالہا سال میں آباد ہوئے اگر باشندے خوف کھائیں تو بھاگ جاتے ہیں۔ ایک دن یا ڈیڑھ دن میں ایسے ترک کر دیئے جاتے ہیں کہ آپ آبادی کا نام و نشان تک مشکل سے پا سکیں گے۔

ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں سامانِ تفریح کوئی نہیں۔ لوگ خوب صورت نہیں وہ دوستانہ مجلس کی تفریح کا خیال نہیں رکھتے۔ باہم آزادانہ نہیں ملتے یا باہمی ارتباط نہیں رکھتے۔ وہ صنعت کی تجویز اور ساخت ایجاد و اختراع ذہنی فطرتاً نہیں رکھتے۔ وہ فنِ تعمیر اور علمِ ایجاد میں علم و ہنر نہیں رکھتے۔ ان کے گھر خوب صورت نہیں ہوتے۔ نہ گوشت اچھا ہوتا ہے نہ انگور نہ تربوز نہ عمدہ میوے۔ نہ برف نہ سرد پانی نہ خوراک نہ روٹی نہ حمام، نہ دار العلوم نہ بتی نہ مشعل نہ موم بتی ہوتی ہے۔"

اس طولانی اور کماحقہ نفرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر نے ہند میں کوئی خوبی نہ دیکھی۔ لیکن وہ تصویر کا دوسرا پہلو دیکھتا ہے اور وہ آگے کہتا ہے کہ:-

"ہندوستان کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ بڑا وسیع ملک ہے۔ سونا اور چاندی بکثرت رکھتا ہے۔ موسم برسات میں آب و ہوا بہت اچھی ہوتی ہے کسی دن دس پندرہ یا بیس دفعہ بھی برستا ہے۔ برسات میں ایک دم سیلاب آجاتے ہیں۔ دریا بناتے ہیں۔ ان جگہوں میں بھی جہاں اور وقت پانی نہیں ہوتا، جب بارش ہوتی ہے ہوا نہایت خوشگوار ہوتی ہے کہ اُس کے نرم اور خوشگوار موسم سے کوئی سبقت نہیں لے جاتا۔ اس کا نقص یہ ہے کہ ہوا تر اور سیلی ہوتی ہے۔ موسم برسات میں شکار نہیں کر سکتے اور ہمارے ملک کی کمان سے شکار نہیں کر سکتے اور وہ بالکل ناکارہ ہو جاتی ہے صرف کمان ہی ناکارہ نہیں ہو جاتی زرہ بکتر، کتابیں، پارچہ، اسباب سب تری کے بُرے اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ گھر بھی بہت نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ پختہ نہیں بنے ہوتے۔ موسم گرما اور سرما میں بلکہ برسات میں بھی کافی خوشگوار ہوتا ہے۔ جب شمالی ہوا چلتی ہے تو نہایت گرد اور غبار اٹھتا ہے۔ جب

برسات نزدیک ہو یا جب بارش ہونے والی ہوتی ہے تو ہوا نہایت زور شور سے پانچ مرتبہ چلتی ہے اور اس قدر گرد اُڑتی ہے کہ آپ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کو وہ آندھی کہتے ہیں مئی اور جون میں گرمی ہو جاتی ہے لیکن موسم اس قدر گرم نہیں ہوتا ہے کہ برداشت نہ ہو سکے۔ ہند کی گرمی کی طرح قندھار میں ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ایک اور آرام ہے کہ ہر ایک پیشہ اور تجارت کے آدمی بیشمار ہیں اور لاتعداد ہیں کسی کام یا ضرورت کے لئے فرقہ کا فرقہ تیار ہے جو وہی پیشہ مدتِ مدید سے نسلاً بعد نسل کرتے آرہے ہیں۔ اکیلے آگرہ میں ۶۸۰ سنگ تراش اپنے محلات میں لگا تا تھا اور دوسری جگہوں میں ۱۴۹۱ سنگتراش میری عمارتوں میں لگے ہوتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر ایک تجارت اور کام کے کاریگر لاتعداد ہیں۔"

اس نے پانچ مرتبہ ہند پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں وہ اٹک کے راستہ پنجاب میں حملہ آور ہُوا۔ یہ فروری ۱۵۱۹ء میں ہُوا۔ فوج کی تعداد کو دیکھ کر اس کے آدمی ہراساں تھے۔ میرے بہت سے وفادار دوستوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر ہم ہندوستان جائیں گے تو ہمیں کمال مضبوطی اور کافی فوج کے ساتھ حملہ کرنا چاہیئے۔ گو مشورہ نہایت موزوں تھا مگر باوجود ان اعتراضات کے ہم نے حملہ کیا۔ بابر کو راستہ میں شکار کرنے کا بہت موقعہ ملا۔ دریا کی طرف فوج کو روانہ کر کے مَیں خود گینڈے کے شکار کے لئے روانہ ہوا۔ ہم نے بہت سے گینڈے روانہ کئے لیکن ملک میں جھاڑیوں کی وجہ سے ہم اُن تک نہ پہنچ سکے۔ شمالی پنجاب میں اُس کے کوچ میں کوئی مقابلہ نہ آیا۔ لوگ بالعموم چُپ چاپ مطیع ہو گئے اور بابر نے جس قدر خراج طلب کیا، ادا کر دیا۔

بابر نے خیال کیا کہ پنجاب میرا ذاتی ملک ہے۔ کیونکہ اس کے بزرگ اعلیٰ تیمور نے فتح کیا تھا۔ چونکہ ہند کے فتح کرنے کی ہمیشہ تمنا رہتی تھی اور وہ قلمرو جہاں اب ئیں تھا ترک کے قبضہ میں مدت مدید سے تھا۔ مَیں نے اُن کو اپنے ہی مقبوضات سمجھا اور

صُلح اور جنگ سے اُن پر قبضہ کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا۔ اس وجہ سے واجب اور لازم تھا کہ رعیّت سے نیک سلوک کرتا۔ اس لئے مَیں نے احکام جاری کر دیئے کہ کوئی رعیّت سے سُوئی اور دھاگے تک لینے یا اُن کے مویشیوں کے گلے یا غول چھیننے کا روادار نہ ہو۔ بابر چاہتا تھا کہ اُس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ آئندہ کہتا ہے :۔

"جب مجھے معلوم ہُوا کہ فوجیوں نے باشندوں کے ساتھ سختیاں اور ظلم کئے ہیں۔ مَیں نے ایک رجمنٹ روانہ کی اور جب اُنھوں نے چند سپاہیوں کو پکڑ لیا جو زیادتیوں کے مرتکب تھے تو مَیں نے بعضوں کو موت کی سزا دی۔ کیونکہ مَیں ترکوں کے مقبوضات کو اپنے مقبوضات سمجھتا تھا اس لئے مَیں نے لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دی۔"

ان مقبوضات پر دعویٰ قائم کرنے کے لئے بابر نے دہلی کے سلطان کے پاس سفیر روانہ کیا اور خود نتیجہ تحریر کرتا ہے :۔

"لوگ ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر سفیروں کو دوستانہ اور امن کے طریقہ سے اُن ملکوں میں جن کو ترکوں نے دستِ تصرّف میں کر رکھا ہے، بھیجا جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس لئے مَیں نے جلد ملا مرشد کو سلطان ابراہیم کے پاس بھیجا جس کا باپ سلطان سکندر پانچ چھ ماہ پیشتر انتقال کر گیا تھا اور سلطنت ہند پر اپنے باپ کی جگہ جانشین ہُوا تھا اور اس کو سفیر کا نام و خطاب دے کر اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ وہ ممالک جو قدیم سے ترکوں کی ملکیت ہیں مجھے دیدیئے جائیں۔ سلطان ابراہیم کے مراسلات کے علاوہ مَیں نے ملا مرشد کے ساتھ دولت خاں حاکم لاہور کو بھی مراسلات دیکر اور اُس کو زبانی ہدایات دے کر اس رسالت پر روانہ کیا۔ ہندوستان کے لوگ بالخصوص افغان عجب احمق اور ناسمجھ ہیں اور ذرا بھی دوراندیشی اور سمجھ نہیں رکھتے۔ نہ تو مستقل رہتے ہیں اور نہ جنگ کو نبھا سکتے ہیں۔ نہ وہ دوستی اور رفاقت میں برقرار رہ سکتے ہیں۔ دولت خاں نے اس میرے فرستادہ کو لاہور میں کچھ عرصہ تک مقیم رکھا۔ نہ

خود ملاقات کی نہ اُسے سلطان ابراہیم کے طرف جانے دیا۔ چنانچہ پانچ ماہ کے بعد وہ کابل بغیر جواب لئے آیا۔"

اس عرصہ میں بابر نے شمالی پنجاب کے بہت سے حصہ میں اپنی فتوحات بڑھالیں اور ان نئے مقبوضات پر گورنر مقرر کئے لیکن اُن کی حکومت بہت دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ جونہی بابر نے ملک چھوڑا اُن کا خاتمہ ہوگیا۔ کابل کی واپسی میں اُسے نمک کی پہاڑیوں کے گکھڑوں کی سرکوبی کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ بابر سے رپورٹ کی گئی کہ گکھڑوں کا سردار بہت سے ظلم وستم کا گناہگار ہے اور باشندوں پر نہایت جبر کرتا ہے اس لئے اس کی بیخ کنی لازمی ہوگئی یا اس کو تمثیلی سزا دینی واجب ہوگئی۔ اس لئے بابر نے گکھڑوں کے دارالخلافہ کی طرف کوچ کیا جس کو پرغلہ نامی قلعہ کہتے تھے۔ اس پر حملہ دشوار امر تھا۔ کیونکہ وہاں صرف دو تنگ راستوں کے ذریعہ جا سکتے تھے۔ وہاں داخل ہونے سے پیشتر بابر کو سخت جنگ کرنی پڑی۔ تب گکھڑوں کے سردار نے متابعت کی اور آئندہ نیک چلنی کا اقرار کیا۔ بابر پھر کابل چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مہم کوئی چھ ہفتہ رہی۔ اس حملہ کا کوئی دیرپا اثر نہ ہُوا۔ بابر کو بڑا فائدہ اوپر کا ہُوا جو اس نے لوگوں سے بطور خراج لیا تھا۔ اگلے کئی سال تک بابر اپنے ملک میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ ہند کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنی حالت مضبوط کرتا رہا اور پختہ کرکے جب اُس نے ہند پر حملہ کیا تو اُسے اپنی غیر حاضری کے ایام میں تکلیف کا کوئی دغدغہ نہ رہا۔ تاہم ہند میں اس زمانہ میں بڑی ابتری تھی۔ لودھی خاندان دہلی میں حکمران تھا، باہمی خانہ جنگی میں مصروف تھا۔ دولت خاں گورنر پنجاب سرکش ہوگیا تھا۔ جنوب کی طرف جنگجو راجپوت دہلی کے سلطان سے خود مختار ہوگئے تھے۔ جس ملک میں اس طرح پھوٹ ہو وہ اغلباً ضرور حملے کا شکار ہو جاتا ہے ایسا ہی ثابت ہُوا۔

بابر کے حملے کا اصلی باعث ایک لودھی شہزادہ کی جانب سے امداد کے لئے اپیل تھا۔ یہ شہزادہ علاء الدین ابراہیم کا چچا سلطان ابراہیم تھا جو کابل آیا اور بابر سے تخت دہلی کے حاصل کرنے میں امداد کا خواہاں ہُوا۔ ساتھ ہی دولت خاں نے بابر کو پنجاب

میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ بابر نے فوراً دعوت منظور کر لی اور فوج جرار کے ساتھ جس سے زیادہ پہلے کسی حملہ میں نہ تھی۔ پنجاب کو روانہ ہُوا اُس نے جلدی لاہور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دولت خاں کی بداخلاقی کی وجہ سے جس نے بابر سے اب اعتمادی تعلق قطع کر لیا تھا۔ بابر کی تجاویز کو درہم برہم کر دیا اور وہ بابر سے بالکل کنارہ کش ہو گیا اور اس کے خلاف فوج جمع کرنا شروع کر دی۔ اس لئے بابر کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ زیادہ فوج بھرتی کرے۔ اس لئے لودھی مددگار کو پنجاب میں حاکم بنا کر کابل کو لوٹ گیا۔ اب بابر نے آخری حملے کے لئے اپنی فوج جمع کی۔ یہ بارہ ہزار جوان تھے جو ہند جیسے عظیم الشان ملک کے فتح کرنے کی غرض سے بڑی فوج نہ تھی۔ درحقیقت بابر کے بعض سپاہی کامیابی کے موقعہ کی بابت بہت سخت غلط بیانی کرتے تھے۔ لیکن اس کی ہنرمندی اور شجاعت نے تمام مشکلات پر غلبہ کر لیا۔ ۱۷ نومبر ۱۵۲۵ء بروز جمعہ ہند کی طرف روانہ ہُوا۔ اولاً بابر کو دولت خاں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ عام خبر یہ تھی کہ اُس نے تیس یا چالیس ہزار فوج جمع کر لی ہے۔ وہ ضعیف العمر تھا اس لئے جونہی بابر دریائے راوی پر پہنچا دولت خاں اور اس کی فوج پریشان دل ہو کر بھاگ گئی۔ بابر نے اور کچھ آدمی دولت خاں کے تعاقب میں روانہ کئے۔ تب وہ مطیع ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے ایک قدیم افسر کو اپنے حضور میں لانے کے لئے اس ضعیف العمر کے پاس بھیجا۔

بابر کہتا ہے کہ پیر فرتوت کی حماقت اور گستاخی ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے اس کو ہدایت کی کہ وہ اس امر کی احتیاط کرے کہ دولت خاں وہی دونوں تلواریں اپنی گردن میں ڈال کر حاضر خدمت ہو جو اُس نے میرے ساتھ مقابلہ کے لئے اپنی کمر میں باندھی تھیں۔ جب معاملہ نے اس حد تک طول کھینچا تو اُس نے پھر دیر کرنے کے لئے بیہودہ عذرات بنائے۔ لیکن وہ آخر کار میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے دونوں تلواریں کو اُتار دیں اور میں نے اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے حکم دیا۔ بابر نے پھر اُس کی دھوکہ بازی پر سخت لعنت ملامت کی۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا گناہ کیا تھا کہ تم میرے سامنے اس طرز سے پیش ہوئے ہو۔ آخر کار بابر نے

اس کو جانے کی اجازت دے دی اور یہ فیصلہ ہُوا کہ وہ اور اُس کا خاندان قوموں پر کل اختیار رکھیں اور ان کے دیہات کے مقبوضات بلکہ باقی کل اثاثہ بھی ضبط کر لیا جائے۔ بابر کی فیاضی کی یہ ایک اور مثال ہے جو اُس نے اپنے مفتوحہ دشمن پر ظاہر کی۔ بابر اب دہلی کی طرف بڑھا چونکہ اس کی فوج سلطان ابراہیم کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اُس نے اپنی چھوٹی فوج سے پورا فائدہ اٹھانے کا کمال انتظام کیا۔

بابر کہتا ہے میں نے ہدایت کی کہ توپوں کی گاڑیاں بیلوں کی مروڑ دار کھالوں کے ساتھ زنجیر کی طرح جوڑی جائیں۔ ہر ایک دو توپ گاڑیوں کے درمیان چھ یا سات لوہے کے توڑے تھے۔ گولہ انداز ان توپ گاڑیوں یا لوہے کے توڑے کے عقب میں کھڑے تھے اور گولہ اندازی کرتے تھے۔ میں پانچ چھ روز تک ان تیاریوں کو مکمل کرنے کی غرض سے قیام پذیر رہا۔ تب اپنے فوجی افسروں کی اصلاح کے بعد وہ پانی پت کی طرف بڑھا جو دہلی سے چند میل ہے۔ یہ ضلع ہند کی تاریخ میں کئی مشہور جنگوں کا منظر رہا ہے۔ کیونکہ یہ قدرتی جگہ ہے جہاں سے شمالی حملے کا بہترین مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہفتہ کے التواء کے بعد ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء میں جنگ ہوئی۔ بابر کے مقابلہ میں سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج سے زیادہ رکھتا تھا۔ گویا دس گُنی۔

بابر کہتا ہے کہ میری بہت سی فوج خوف وہراس میں تھی۔ اگرچہ میں ان کو بہت الزام نہیں دے سکتا۔ اس کی کچھ وجہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے ملک سے دو تین مہینے کے سفر کر کے آئے تھے اور ہمیں ایک عجیب قوم کے ساتھ جنگ کرنی پڑ گئی جن کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو ہماری زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ بابر نے اپنے مخالفین کی طرف بہت دھیان نہ دیا۔ وہ ناتجربہ کار جوان آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام حرکات میں غفلت کی۔ وہ بغیر انتظام کئے روانہ ہو گیا۔ ٹھہرنے اور روانگی کے انتظام اور دور اندیشی کئے بغیر جنگ چھیڑ لی۔ دہلی کی فوج صبح کو جنگ آمادہ ہوئی اور دوپہر سے پیشتر بیکس بھگوڑوں کی طرح تتر بتر ہو گئی۔

اپنی فوج کا پورے طور سے انتظام کر کے بابر نے چاروں طرف سے اپنے

دشمن کو گھیر لیا۔ جمع ہو کر ان کی کثیر فوج فائدے کی نسبت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ بابر کے سخت جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ میں وہ بھیڑیوں کے گروہ کے سامنے بھیڑوں کی طرح پریشان ہو گئے۔

بابر کہتا ہے۔ جب جنگ کا آغاز ہُوا سُورج صرف ایک نیزہ ہی بلند ہُوا تھا۔ لڑائی دوپہر تک رہی لیکن دشمن بالکل ہار گیا اور بھاگ گیا۔ میرے دوست فتح مند ہُوئے اور خوشی کے مارے اپنے بدن میں نہ سمائے۔ خداوند عالم کے رحم و فضل سے یہ سخت مہم میرے لئے آسان ہو گئی اور عظیم الشان فوج آدھے دن کے عرصہ میں زیر ہو گئی۔ ہم نے شمار کیا کہ مقتولین کی تعداد میدانِ جنگ کے مختلف حصّوں میں پندرہ سولہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دشمن کے فرار ہونے کے بعد ہم نے تعاقب جاری رکھا، قتل کیا اور قید کیا۔ سلطان ابراہیم میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اس کا سر بابر کے روبرو لایا گیا۔ اس طرح پانی پت کی جنگ کا خاتمہ ہُوا۔

بابر پانی پت کی فتوحات کے بعد دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے افسروں میں سے ایک کو شہر کا چارج دے کر آگے بڑھا۔ تب اُس نے بہت سی دلچسپ عمارتوں اور یادگاروں کی سیر کی جو دہلی کے گردونواح میں ملتی ہیں۔ وہ آگرہ گیا اور سلطان ابراہیم کے محل میں قیام کیا۔ اب بابر کی فوج ہند کی گرمی سے جس کی وہ عادی نہ تھی بہت تنگ آگئی۔ بہت سے سرسام سے مر گئے۔ اس وجہ سے بہت سے سرداروں اور امرائے نے جی چھوڑ دیا اور ہند میں رہنے سے معترض ہوئے اور اپنے لَوٹنے کی تیاری کی۔ بابر کہتا ہے :۔

> ”جب مَیں نے فوج میں یہ شکایت سُنی تو اپنے سرداروں کی کونسل کی۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ خدا کے فضل سے مَیں نے اپنے عظیم الشان دشمن کو پسپا کیا اور بہت سے صوبوں اور سلطنتوں کو فتح کیا جو اب ہمارے دست تصرف میں ہیں اور اب ہم کو کونسا امر مجبور کرتا ہے اور کون سی سختی جھیلنی پڑی ہے کہ بغیر کسی سبب کے ہم اپنی فتوحات کو چھوڑ دیں اور کابل کی طرف

بلا اُمید کے نشانوں کے چلے جائیں۔ اس لئے جو شخص میری دوستی کا دم بھرتا ہے ایسی تجویز کو ترک کر دے۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو نہیں ٹھہر سکتا اور واپسی کے ارادہ کو ترک نہیں کر سکتا وہ چلا جائے۔"

ان الفاظ کا حسب منشاء اثر ہُوا اور بابر کے آدمیوں نے ہند میں ٹھہرنے کے لئے اقرار کیا۔ لیکن اس کی حالت نہایت دشوار تھی اس نے دراصل دہلی کی سلطنت فتح کی تھی لیکن ابھی ہند میں اور بھی طاقت ور حکمران تھے اور اب وہ بابر کے خلاف معرکہ آرائی کرنے لگے۔ منجملہ اُن کے نہایت طاقت ور اودے پور کا مشہور راجہ سنگرام سنگھ تھا اور وہ سلطان ابراہیم کی طرح کوئی ناتجربہ کار اور کم فہم نہ تھا وہ پیرانہ سال جنگجو تھا جس نے بہت سی جنگیں کی تھیں اور جو اپنے بدن پر سخت جنگوں کے نشانات رکھتا تھا۔ دلاور راجپوت اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ بابر نے اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے نہایت غور سے تیاری کی۔ اس موقعہ پر اس نے عہد کیا کہ میں شراب خوری کی بری عادت کو ترک کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہوں جس میں وہ چند سال سے مستغرق تھا۔ اُس نے سونے اور چاندی کے پیالوں کو بمعہ دیگر ظروف کے جن کو شراب کی انجمن میں استعمال کرتا تھا توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور شراب کا استعمال ترک کر دیا۔ جوں جوں ایام جنگ نزدیک آنے لگے بابر کے لوگ خوف و ہراس کی علامت ظاہر کرنے لگے۔ وہ چند ہی آدمی تھے جو اپنے مُلک سے دُور تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ راجپوتوں کی جرار فوج کے سامنے فتحمند ہونا ناممکن ہے۔ بابر نے ان سے حوصلہ افزائی کے الفاظ کہنے شروع کئے۔ وہ کہتا ہے :۔

"میں نے کل افسروں کی اور عمائد کی کونسل بلائی اور اُن سے مخاطب ہُوا شرفاء اور سپاہی ہر ایک آدمی جو اس دُنیا میں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے۔ بدنامی کی زندگی سے رہنے کی نسبت ناموری کی موت بہتر ہے اس لئے ہم ایک رائے ہو کر خدا کی قسم کھائیں کہ ہم میں سے کوئی اس جنگ سے منہ موڑنے کا خیال نہ کریگا اور نہ میدان جنگ سے پیٹھ دکھائے گا جب تک اُس کے بدن میں رُوح ہے۔"

ان الفاظ نے فوج میں حوصلہ پیدا کر دیا۔ سب نے قرآن کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بادشاہ کا ساتھ اخیر دم تک دیں گے۔ ۱۶ رمارچ ۱۵۲۷ء کو دونوں فوجوں میں کنواکے مقام پر جو آگرہ سے دُور نہیں تھا مقابلہ ہُوا۔ ایک دفعہ اور بابر کی جنگی ہنرمندی اور اُس کے آدمیوں کی شجاعت نے فتح کا دن دیکھا۔ اُس نے بڑی فتح پائی اور راجپوت فوج تباہ ہو گئی۔ رانا سنگرام سنگھ جان لے کر بھاگا۔ لیکن وہ بابر کا پھر مقابلہ نہ کر سکا۔ جنگ میں راجپوتوں کو شکست دے کر بابر نے راجپوتانہ میں بڑھنے اور اُن کو مزید سزا دینے کا ارادہ کیا اس لئے وہ ملک میں بڑھا اور چندیری کے مضبوط قلعہ پر حملہ آور ہُوا اور فوراً قلعہ کے ایک حصّہ پر قابض ہو گیا۔ تب راجپوتوں نے اُس پر جان توڑ حملہ کیا۔ بابر کہتا ہے:۔

"تھوڑے عرصہ میں راجپوت ہم پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے اور میرے بے شمار آدمیوں کو بھگا دیا اور فصیل سے کُود پڑے۔ ہماری بعض فوجوں پر سختی سے حملہ ہُوا اور تہ تیغ کیا۔ اُن کے جان توڑ حملہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ میدان میں ہارنے کی اُمید کر کے انھوں نے اپنے بیوی اور بچّوں کو قتل کر دیا اور خود تباہ ہونے کا خیال کر کے جنگ کے لئے نکل آئے تھے۔ دو سو تین سو آدمی اپنے افسر کے مکان میں داخل ہو گئے جہاں بیشمار آدمیوں کو مفصلۂ ذیل طریق سے قتل کیا۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی اور پھر ایک ایک کر کے جمع ہُوئے اور اپنی گردن قتل کی خواہش میں دراز کر دی۔"

اس فتح کے بعد بابر بہار کی طرف بڑھا جہاں کچھ افغان افسر سرکش ہو گئے۔ دشمن تک پہنچنے کے لئے دریائے گنگا پر پُل باندھنا ضروری تھا۔ چند کشتیوں کو جوڑ کر پُل باندھا گیا۔ فوج کا ایک حصّہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے پُل پر سے بھیج دیا۔ جنگ عصر کی نماز تک خوب ہوتی رہی۔ تب بابر نے کسی عجیب وجہ پر اپنی فوج کو واپس ہٹا لیا۔

بابر کہتا ہے۔ اگر اسی سنیچر کی شام کو میں باقیماندہ فوج دوسری پار لے جاتا۔ اغلب تھا کہ بہت سے دشمن میرے آدمیوں کے ہاتھ آ جاتے۔ لیکن میرے دماغ میں یہ آیا کہ اگلے سال میں نئے سال کے دن رانا سنگرام سنگھ کو اگر ہم اتوار کے روز شکست دیں

تو نہایت مشہور واقعہ ہوگا۔ اس واسطے میں نے اپنی فوج کا کوچ نہ کیا۔ جب اس نے کوچ کیا تو بہت دیر ہوگئی تھی۔ دشمن بہت جنگ کر چکا تھا اور سب معدوم ہو گئے۔ بابر آگرے کو واپس آنے کے لئے آزاد ہوگیا اور اس قدر سخت مصائب اور کوچ کے بعد اُسے آرام کا قدرے موقعہ دستیاب ہُوا۔

تمام جنگوں کے بعد اب بابر کو ذرا فرصت ملی اور یہ اُس کے لئے بہتر ہُوا۔ اس کی صحت ہند کی آب و ہوا کی وجہ سے متاثر ہونا شروع ہوگئی تھی اور بخاروں کے حملوں سے اُس نے بہت تکلیف اٹھائی لیکن اس میں اب بھی بہت طاقت تھی۔ دریائے گنگا میں لمبی ترائی اور دور دراز کی سواری جو معمولی آدمی کو تھکا مارتیں اسکی روزانہ زندگی کے کام تھے۔

قیامِ آگرہ

اب وہ آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہُوا جہاں اُس نے بڑی شان سے دربار کیا تھا۔ ہندوستان کے فرمانروا کو بہت سے اصحاب آداب بجالانے کے لئے آتے تھے۔ اُن کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جانا اور خلعت عطا ہوتے۔ بابر نے اپنے قدیم سپاہیوں کو فراموش نہ کیا۔ اُس کے وفادار ہمراہی جو اُس کے وطن سے ساتھ آئے تھے اور جن کی امداد سے اُسے تخت نصیب ہُوا تھا اُن کو بڑے بڑے تحائف اور جاگیریں عطا ہُوئیں۔

مغل شہنشاہوں کی طرح بابر کو عمارتوں اور باغات بنانے کا شوق تھا۔ نئی عمارتوں اور باغات سے آگرہ کو خوبصورت بنانے میں ہمہ تن مصروف ہُوا۔ باغوں کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی اور فوارے افراط سے مہیا تھے۔ ٹھنڈے پانی اور خوبصورت پھولوں میں شہنشاہ اور اُس کے درباری بیٹھ کر ہند کی گرمی کو بھول جاتے۔ یہ صلح و امن کا زمانہ دیگر جنگ و جدل سے جلد مخل ہوگیا۔ بہار کے افغانوں نے سرکشی اختیار کی اور بابر کو اُن کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اُس نے اُن کو شکست دی لیکن ازاں بعد بنگال کی سلطنت کے ساتھ جنگ میں پھنس گیا۔ آج تک بابر اور بنگال کی سلطنت کے درمیان دوستی تھی۔ لیکن اب مؤخرالذکر نے دریائے گنگا تک اپنی فوجوں کو متحرک کیا اور عین بابر کی راہ میں حائل ہوگئی اور غالباً وہ بہار کے سرکشوں کی معاونت کرتی معلوم ہوتی تھی۔ بابر کے

ساتھ بنگال کا سفیر تھا اور شہنشاہ معاملات کا فیصلہ صُلح سے کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے سفیر سے کہا اگر اس کا آقا در اصل صلح اور دوستی کا منشاء رکھتا ہے تو اُسے اُس کے ظاہر کر دینے میں کوئی دِقت نہیں اور وہ فی الفور کر دے گا۔

جواب باصواب نہ مل کر بابر نے اُسے بنگال واپس کر دیا۔ ساتھ ہی اُس کو یہ بھی مطلع کر دیا کہ مَیں اپنی مرضی کا پابند ہوں خواہ آگے جاؤں خواہ واپس آؤں۔ سرکشوں کو دبانے کی غرض سے جو نہایت مناسب ہوگا کروں گا خواہ وہ کسی جگہ ہوں لیکن اُس کے آقا کی سلطنت خشکی یا تَری سے کسی جگہ نقصان پذیر نہ ہو گی لیکن بابر نے بنگال کی فوجوں کو اس کے راہ سے ہٹنے اور سر کنے کے لئے اصرار کیا اور سفیر کو اپنے مالک کو ذیل کا پیغام دینے کے لئے ہدایت فرمائی۔ اگر وہ راستہ کو کُھلا چھوڑنے سے انکار کرے گا اور اُس کی فہمائش کے سُننے سے غفلت کرے گا جو کہ اُس نے کی ہیں تو جو کچھ عذاب اُس کے سر پر پڑے گا اُسے اپنے افعال کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے اور جو کچھ ناگوار واقعات پیش آئیں اُن کے لئے خود کو ہی الزام دینا ہو گا۔ چونکہ بنگال کی فوجیں راہ میں حائل رہیں۔ بابر نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے اپنی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جنہوں نے دریائے گنگا عبور کیا اور بنگالیوں کو شکست فاش دی۔ اور صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ بعد ازاں بابر آگرے کو فتح کے نشان اُڑاتا ہوا لَوٹا اور باقی ماندہ ایام میں اُس کے دشمنوں نے اُس کو تکلیف نہ دی۔

بابر کی زندگی کی کہانی بنگال کی فوج پر فتوحات کے حالات سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے باقی ماندہ سالوں کی چند پریشان باتیں ہیں اور بس۔ باقی باتیں اس کے خاندان کے متعلق ہیں جن کا اب تک بہت کم ذکر کیا ہے۔ بابر کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں، کامران، ہندال اور عسکری۔ اُن میں سے ہمایوں سب سے بڑا اُس کا عزیز بیٹا تھا۔ اس کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ دُشمنوں سے آزادمنش اور عفو کُن ہونے کے علاوہ بابر اپنے خاندان کے ساتھ بھی رفاقت رکھتا تھا۔ اس کے بہت سے رشتہ دار تھے اور بابر ان میں سے بہت سے رشتہ داروں کو ہند میں اپنے ہمراہ لایا جہاں اُن کے ساتھ

فیاضی کا سلوک کیا اور اُن کو محلات اور خزانہ عطا کیا۔ اس کی عزیز بیوی جس کو وہ (چاند بی بی) کہتا تھا۔ بڑی پیاری اور اور اُس کے ساتھ اُلفت سے پیش آتا تھا۔

القصہ بابر نہایت نیک باپ اور وفادار خاوند تھا۔ اگرچہ شہنشاہ ہند میں مقیم ہو گیا تھا مگر وہ اپنے وطن اور کابل کی اپنی پرانی سلطنت کو نہ بھولا جس کو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو حکمرانی کے لئے دی تھی۔ بابر اپنے قدیم مقبوضات کی خبریں سُننے کے لئے ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور در حقیقت اُن کو جاننے کے آرزو رکھتا تھا۔ اگر اُس کو زندگی موقع دیتی تو ہندوستان کے حالات کسی قدر زیر اہتمام ہو چکے ہوتے۔

وہ کہتا ہے :۔ " اور مجھے خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وقت نزدیک ہے جب اُس کے فضل سے ہر ایک معاملہ بالکل درست ہو جائے گا۔ جونہی یہ ہو جائے گا وہ ان ممالک کی خوشیوں کو کس طرح دل سے بھلا دیتا۔ کس طرح میرے جیسا شخص جس نے پرہیزگاری اور نیک زندگی کی قسم کھائی وہ اس خوش علاقے کے لذیذ انگوروں اور دوسروں کو بھول سکتا ہے۔ ایک دن کوئی شخص اُس کے پاس سَردوں کا تحفہ لایا۔ جب میں نے اُس کو تراشا میرے دل میں وطن کی تمنا بڑے زور سے اٹھی اور وطن سے جلا وطنی کا احساس موجزن ہوا اور میں زار زار رونے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ بابر نے اس طرح اپنے قدیم دوست کو لکھا اور صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ وہ ہند کے بڑے حصہ کا شہنشاہ تھا مگر ابھی تک وہ خود کو جلا وطن سمجھتا تھا۔ در اصل ہند کے بڑے نقطۂ نگاہ سے بابر، اس کا بیٹا اور جانشین ہمایوں غیر ملک کے فرمانروا سمجھنے چاہئیں۔

ہمایوں بابر کا سب سے بڑا بیٹا شمال میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ بابر کی زندگی کے اخیر سالوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنی سلطنت شمال میں اور وسیع کرے اور شہر سمرقند کو پھر دست تصرف میں لے آئے۔ بابر کو اس بات کا بڑا شوق تھا لیکن تجویز ناکارہ ہوئی۔ بعد ازاں ہمایوں ہند کو اپنے باپ سے ملنے کی خاطر لوٹا۔ اس کے لوٹنے سے تھوڑے ہی دنوں بعد اُسے بخار چڑھ آیا اور ایسا نازک حال ہو گیا کہ حکیموں کو اُمیدِ زیست نہ رہی جوان شہزادہ کی جان بخشی بڑی قربانی پر منحصر

تھی۔ بابر کو اپنا بیٹا بڑا پیارا تھا اور جب اُس سے یہ بات کہی گئی تو اُس نے سب سے بڑی قربانی کا ارادہ کر لیا۔ یعنی اپنی جان کا تصدق کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بیٹے کے پلنگ کے گرد گیا اُس کے چاروں طرف تین مرتبہ طواف کیا اور کمال سنجیدگی سے دُعا مانگی کہ بیماری بیٹے کے بجائے اس کو لگ جائے۔ باپ کی دُعا قبول ہوئی اور ہمایوں ٹھیک ہو گیا۔ لیکن بابر نے اپنی جان بیٹے کی صحت یابی کی قیمت میں ادا کی۔ وہ کچھ عرصہ سے اچھا نہ رہتا تھا۔ ہند کی آب و ہوا ظاہراً اس کے موافق نہ آئی کیونکہ اس کی یادیں اکثر وہ بخار کی شکایت کرتا رہا۔ اب اس کی صحت جاتی رہی۔

ہمایوں کی جانشینی بڑے بڑے آدمیوں کو بُلا کر قریب المرگ شہنشاہ نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور ان کو اس کے ساتھ وفاداری کے لئے عہد کرنے پر مجبور کیا۔

وفات ۲۵ر دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۹۳۷ھ کو بابر اڑتالیس برس کی عمر میں آگرے میں جاں بحق ہو گیا۔ ہمایوں گیارہ برس کی عمر میں باپ کے تخت پر متمکن ہوا اور اُسے ایک لحظے کی فرصت نہ ملی۔ بہت تھوڑے آدمیوں کو اتنی خورد سالی میں اس قدر مصائب کا زمانہ جھیلنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کابل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اسے بہت اُنس تھا۔

سیرت بابر تمام مغل بادشاہوں میں نہایت نمایاں شخصیت رکھتا ہے۔ زیادہ تر اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس کے صاف صاف حالات اس کی اپنی کتاب سے ملتے ہیں۔ دوسرے مغل بادشاہوں کے عہدِ حکومت کے واقعات موجود ہیں لیکن ان میں قدرتاً ذاتی خیالات کی کمی ہے۔ بابر ہر ایک معاملہ میں اپنے لفظوں کی بابت بھی نہایت آزاد ہے اگر وہ بہت شراب پیتا ہے تو اس کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر اُسے کوئی نیا پھول یا عجیب جانور مل جاتا ہے تو وہ اُس کا بیان توجہ سے لکھتا ہے اُس کی جنگی زندگی کو مدِ نظر رکھیں۔ وحشیانہ زندگی گزارنے کے خیال سے اس کی عملی قابلیت

بہت بڑھی ہوئی تھی اور وہ صرف نثر کا مصنف نہ تھا۔ اُس نے نظم بھی لکھنے کی کوشش کی اور بہت سے نفیس شعر تصنیف کئے ہیں۔ بااخلاق اور رحمدل تھا اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیتا تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا اور اپنے خاندان کے لوگوں پر مہربان تھا۔ خاص کر عورتوں پر جن کے ساتھ وہ ہمیشہ عزت کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ وفادار شوہر اور محبت کرنے والا باپ تھا۔ ہمایوں کے بچانے میں اس کی ذاتی قربانی کا ثبوت ہے۔ مسٹر لیں پول لکھتا ہے :-

"وہ خوش نصیب سپاہی تھا اور نہ کہ سلطنت کا بانی۔ تاہم اُس نے اس شاندار محل کی بنیاد ڈالی تھی جس کو اُس کے پوتے اکبر نے پہلے پہل پورا کیا۔ تواریخ میں اس کی جگہ اس کی ہندوستانی فتوحات پر قائم ہے جس نے ایک شاہی قطار کے لئے راستہ کھول دیا۔ لیکن اس کی تواریخی اور علمی قابلیت زیادہ تر اس کے شروع زمانہ کی دلیرانہ مہمات اور ثابت قدمی کی کوششوں اور خوش طبع یادداشت سے سمجھ میں آتی ہے جن میں اُن کو اُس نے بیان کیا ہے۔"

حُلیہ بابر قوی الجثہ اور اوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کی شکل خوش وضع تھی اور عموماً وہ حلیم و بامروت تھا۔ وہ نہایت جسمانی قوت اور برداشت رکھتا تھا۔ وہ مورچوں پر دو آدمیوں کو ایک ایک بغل میں مار کر لے جاتا تھا۔ وہ دلیر شہسوار اور عمدہ پیراک تھا۔ وہ اکثر اپنی تزک میں موخرالذکر ورزش کے اشتیاق کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بابوں میں درج ہو چکا ہے۔ وہ شراب نوشی کا عادی تھا اس کو نہیں چھپاتا اور اپنے دوستوں کی مجلس میں شراب نوشی کے دور کا اکثر ذکر کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں بدعادات کو چھوڑنے کی بھی قوت ارادی تھی۔ بہرصورت وہ اچھی صحت رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کا آخری حصہ تھا کہ ہند کی آب و ہوا اور نہایت سخت محنت نے اس کی صحت کو کمزور کر دیا اور بخار کے حملوں کا سزاوار کر دیا۔ اسکی وجہ سے اُس نے افیون شروع کر دی۔

مذہب مذہبی خیالات کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے اگرچہ وہ پکا حنفی تھا لیکن وہ معقول پرستش کو فراموش نہ کرتا تھا صوم وصلوٰۃ کا

پابند تھا جو کہ اللہ اکبر کہنے والے کو واجب ہے۔ نہ ان قوانین اور رسومات سے متنفر تھا جو کہ کمال حکمتِ عملی پر مبنی ہیں جو کہ بیرونی محققین کے مفاد کے لئے ہیں۔ اس کی علمی قابلیت بڑی تھی۔ تزک بابری خود اس امر کی شاہد ہے۔ ترکی زبان میں نہایت فصیح کلام اس کا ہے۔ مؤلف تاریخ رشیدی کہتا ہے۔ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد بابر کے مرتبہ کا کوئی ترکی شاعر نہ تھا۔ لیکن بابر فارسی کا عالم بھی تھا۔

"در علم موسیقی و انشاء و املا نظیر نہ داشت"۔ [1]

بابر کم لیاقت کا مصنف نہ تھا۔ ہر دو نظم میں اس کی تحریر درجہ کمال تک پہنچ گئی۔ اکبر نامہ میں ہے :۔

"آں حضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود۔ خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی آں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شد و مضامین تازہ دراں مندرج است"۔ [2]

مسٹر لین پول فرماتے ہیں چونکہ وہ صاحب نصیب سپاہی تھا لیکن اس کا علمی مذاق اور نکتہ خیالی کم درجہ کی نہ تھی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسے علمی مذاق کے شخص کو دوسرے مصنفوں کی مجلس پسند ہو۔ اس کا دربار عالموں سے بھرا ہوتا تھا جو کہ تمام حصص سے آئے تھے۔ درحقیقت وہ مجلس جس کے ساتھ بابر گھرا رہتا تھا بہت سی صورت میں اس کے پوتے اکبر کی مجلس کے مشابہ تھی۔ علمی مذاق کے علاوہ بابر کو علم موسیقی سے بھی بڑا شوق تھا۔ اُس کے مذاق کے لئے اُس کے خاندان کا کوئی شخص بعد ازاں معروف نہ ہُوا۔ بابر اپنے ہمعصروں میں انصاف کے لئے نہایت معروف تھا۔ چونکہ پاسِ عزت رکھتا تھا، اس کا وعدہ خلافی سے زیادہ کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی تھی۔ وہ قصور معاف کر دیتا تھا۔ جو کچھ ملتا وہ کشادہ دلی سے خیرات کر دیتا۔ ہمیں دہلی کے خزانہ کی تقسیم کا حال یاد ہے اور ان بے شمار تحائف کا حال معلوم

---

[1] فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ [2] اکبر نامہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۸

ہے جو اُس نے کابل اور دیگر مقامات پر اپنے قدیم دوستوں کو بھیجے تاکہ اُن کو اس امر کا یقین ہو جائے۔ اس کی فیاضی اور فراخدلی مغلوب دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک میں بھی ظاہر ہے۔ بابر بار اس کے زمانہ کے درجہ کے خلاف وہ اپنے مغلوب دشمنوں کے ساتھ نہایت رحمدلی سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاندان کے ساتھ اس کی اُلفت اور بیگمات کے ساتھ لحاظ داری کا ذکر ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔

مغل فرمانرواؤں میں بابر کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اگرچہ سب سے اعلیٰ ترین نہیں۔ وہ سرکردہ تھا جس کی محنت کا پھل اوروں نے کھایا۔ اس کے مختصر عہدِ حکومت میں بطور شہنشاہ کے اُسے اپنی نئی سلطنت کا انتظام کرنے اور فروغ دینے کا موقعہ ملا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو وہ انتظامِ سلطنت کی قابلیت ضرور ظاہر کرتا جو اکبر سے کسی طور بھی کمتر نہ ہوتی۔

تصانیف بابر کی تصنیف تزک بابری جس سے اُس کے حالات ہم نے اخذ کئے ہیں ایک دیوان ترکی جو شاہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے ایک مثنوی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں، اس کا نام فقہ بابری بھی ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی کتاب والدیہ جس کا ترکی منظوم ترجمہ بابر نے ۹۳۵ھ میں کیا۔ بابر نے رسائل عروض کے نام سے ترکی شاعری عروض پر ۹۳۵ھ میں ایک کتاب لکھی۔ فارسی میں بھی گاہے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے:-

ہم چنیں بزبان فارسی اشعار دلپذیر دارند

شدہ جمع و بود جمع پریشاں
گرفتار توے وقومے عجائب [۱]

تذکرہ مرآۃ الجبال میں بابر کی غزل منقول ہے۔

---

[۱] اکبر نامہ جلد ا صہ ۱۱ [۲]

بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا تھا اور اس خط میں کلام پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا۔

منتخب التواریخ میں ہے :۔

"و از جملۂ غرائب و اختراعات آں شاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بداں خط نوشتہ و مکہ معظمہ فرستادہ" [1]

بابر کے عہد کے علماء شیخ الاسلام سیف الدین احمد نبیرہ، ملا سعد الدین تفتازانی، شیخ حسن متکلم میر جمال الدین محدث، عطاء اللہ مشہدی، شیخ زین الدین جو صدر کے عہدہ پر فائز تھے، واقعات بابری کا فارسی ترجمہ اُن کا مشہور ہے۔ اکبر آباد میں ۹۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ مولانا شہاب الدین معمائی متوفی ۹۴۲ھ۔

شعراء میں شیخ ابوالواجد فارغی، سلطان محمد کوسہ سرخ و داعی، شیخ جمالی کہنہ مشق تھے۔

اطباء میں میر ابوالبقا، مولا یوسفی، خواجہ نظام الدین علی خلیفہ اپنے علم کے لئے مشہور تھے۔

یہ تمام ارباب کمال بابر کی علم نوازی کی بدولت خراسان اور ہرات سے آگرہ آ گئے۔

کُتب خانہ بابر سفر و حضر دونوں میں اپنا کُتب خانہ ساتھ رکھتا تھا [2]

---

[1] منتخب جلد ا صفحہ ۳۴۳ ایضاً صفحہ ۴۷۱ [2] صبح گلشن صفحہ ۵۹۶

[3] تزک بابری اردو صفحہ ۳۳۶۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ

بابر کے بڑے بیٹے ہمایوں کی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی کہ باپ کے بجائے ۹ رجمادی الاوّل ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بابر کے زمانہ میں اکثر جنگوں میں شریک ہوا تھا۔ انتظام سلطنت سے واقف تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا مگر اس کو ناکامی کا منہ اکثر دیکھنا پڑا۔ بابر نے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اُس نے بھائیوں کو بڑی جاگیریں اور عہدے دیئے۔ مرزا کامران کو کابل اور قندھار عطا کئے۔ عسکری کے حصہ میں سنبھل آیا اور الور مرزا ہندال کو دیا گیا۔

افغانوں کی طاقت پورے طور سے ختم نہیں ہوئی تھی۔ مغلوں سے حکومت واپس لینے کے متمنی تھے۔ ہمایوں کا مخالف گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ تھا۔ اُس نے سلطنت بہت بڑھائی تھی اور راجپوتانہ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ ادھر ہمایوں کا خزانہ خالی تھا اور فوج بھی کم تھی۔ ہمایوں کو جونپور کے قریب چند افغان سرداروں کی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ پھر کالنجر فتح کر کے بہار کی طرف گیا۔ شیر خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر گجرات کا بادشاہ جو طاقت ور تھا۔ اس کے پاس ہمایوں کے درباری امراء چلے گئے تھے اور مشورہ ہو رہا تھا کہ مغلوں سے حکومت لے لی جائے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا اور مندسور آیا۔ ہمایوں شیر خاں سے صلح کر کے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر شاہ سے مقابلہ ہوا۔ بہادر شاہ شکست کھا کر مانڈو پہنچا۔ ہمایوں نے پیچھا کیا۔ پرتگیزیوں کے پاس ڈیو چلا گیا اور ۱۵۳۷ء میں سمندر میں گر کر مر گیا۔ مغل گجرات پر قابض ہو گئے۔ مرزا عسکری وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ ہمایوں نے چمپانیر کا قلعہ فتح کرنا چاہا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ مگر گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ مرزا عسکری احمد آباد چھوڑ کر آگرہ چلا آیا۔ یہی زمانہ تھا کہ فرید خاں شیر شاہ بن چکا تھا۔

شیر شاہ سُوری

شیر خاں کا اصلی نام فرید تھا۔ میاں حسن جاگیردار سہسرام کا بڑا لڑکا تھا۔ ۹۲۴ھ میں جونپور گیا۔ عربی، فارسی، تاریخ وفقہ میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ سے اس کو دلچسپی تھی۔ بہادری اور فاتحانہ سرگرمیوں کو گرہ میں باندھتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں جب حسن خاں جونپور آیا اور شیر خاں کو گھر واپس لے گیا اور جاگیر کا انتظام سپرد کیا۔ اُس نے بہترین حالت اس چھوٹی سی جاگیر کی کر دی۔ مگر اس کی سوتیلی ماں نے وہ صورت پیدا کر دی کہ شیر خاں گھر سے نکل گیا۔ پہلے سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں پہنچا۔ ابراہیم اور بابر میں پانی پت کے میدان میں مقابلہ ہُوا۔ ابراہیم لودھی کا خاتمہ ہُوا۔ بابر دہلی کے تخت کا مالک بن گیا۔

شیر خاں بابری دربار تک پہنچا۔ ایک سال رہا۔ بابر کے دسترخوان پر شریک تھا۔ وہ بار بار شیر خاں کو دیکھتا۔ کھانا کھا کر شیر خاں چلتا ہُوا۔ بابر نے مہتمم سے کہا شیر خاں کو بلاؤ۔ اس نے تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ لگا۔ بابر نے کہا افسوس! خطرناک شخص دام سے نکل گیا۔ یہاں سے شیر خاں بہار پہنچا اور بہار خاں المخاطب سلطان محمد کے پاس پہنچا اور چند روز میں مقربِ بارگاہ ہو گیا۔ شیر کے مارنے پر شیر خاں کا خطاب پایا اور اُس کے نابالغ لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہُوا۔

سلطان محمد کے مرنے کے بعد جلال خاں تختِ حکومت پر بیٹھا اور سلطان محمد کی حرم دودو نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ شیر خاں نائب بنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملکہ دودو انتقال کر گئی تو شیر خاں اکیلا مختارِ کل ملکِ بہار ہو گیا۔ مگر سردارانِ لوحانی نے جلال خاں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ شیر خاں وطن چلے آئے۔ لوحانی، جلال خاں کو شاہِ بنگال کے پاس بہکا کر لے گئے[1] شیر خاں نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ ادھر شاہِ

---

[1] تاریخِ ہندوستان جلد سوم صت۲۷۰۔

بنگال سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کرنے کے لئے ابراہیم پسر قطب شاہ کو لشکر دیکر بھیجا۔ شیر خاں فوج لے کر مقابل ہُوا۔ آخرش ابراہیم کام آیا لوحانی بہت سے کھیت رہے۔ جلال خاں بھی ابراہیم کے ساتھ تھا وہ بنگالہ چلتا ہُوا۔ خزانہ و ہاتھی سب شیر خان کے ہاتھ لگے۔ ملک بہار کا شیر خاں مالک ہُوا۔ اُس نے تھوڑے دنوں میں اپنے علاقہ کی حالت سدھار لی اور رعایا امن و امان سے رہنے لگی۔

ہمایوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی کوشش کی لیکن شیر خاں نے صُلح کر لی۔ ہمایوں گجرات گیا۔ شیر خاں نے بہار کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنگال کے کچھ حصّہ پر بھی عمل دخل کیا۔ ہمایوں گجرات سے لوٹا۔ پوری فوج ساتھ تھی۔ چنار پر حملہ کر کے قلعہ کو مسخر کیا۔ چنار کا قلعہ نکل جانے کی خبر سُن کر شیر خاں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اتھاس کے قلعہ میں بھیج دیا اور خود وہاں سے چل دیا۔ ہمایوں چنار سے روانہ ہو کر غور پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ اس عرصہ میں شیر خاں نے موقعہ پا کر چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا اور جب ہمایوں واپس ہُوا گنگا کے قریب اُس کو پٹھانوں نے روکا۔ چونسہ کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں مغلوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں جان بچا کر بھاگا۔ جب وہ گنگا عبور کر رہا تھا نظام سقّہ نے مدد کی تو ہمایوں ڈوبنے سے بچا۔ اس کے صلے میں چند گھنٹوں کی بادشاہت اُسے ملی۔

چونسہ کی لڑائی کے بعد شیر خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔ ہمایوں دوبارہ فوج ٹھیک کر کے افغانوں کے مقابلہ کے لئے آیا۔ قنوج کے میدان میں دونوں فریق بڑی بہادری سے لڑے لیکن پھر مغلوں کو شکست ہوئی وہ بھاگ نکلے اور ہمایوں کو سلطنت چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر شاہ نے پنجاب تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور کھوکھروں کو شکست دے کر شمالی پنجاب اور سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے مالوہ، سندھ اور رائے سین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ پھر راجہ جودھپور سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور راجپوتانہ کے اکثر حصّے سوری سلطنت میں شامل کر لئے۔ پھر شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا۔ بارود میں آگ لگ جانے سے شیر شاہ

زخمی ہوا۔ قلعہ تو فتح ہوا لیکن ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو یہ لائق فائق بادشاہ پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد مر گیا۔ اس وقت اس کی حکومت تمام شمالی برصغیر میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن شیر شاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کا وہ نظامِ حکومت تھا جس کی بنیادوں پر مغلوں نے اپنی مضبوط اور پائدار سلطنت قائم کی۔

شیر شاہ کا نظامِ حکومت اور اصلاحات

شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو ۴۷ حصّوں میں تقسیم کیا تھا جو سرکار کہلاتے تھے۔ ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے اور ہر پرگنہ میں ایک شقدار۔ ایک امین، ایک منصف۔ ایک خزانہ دار اور چھوٹے سرکاری افسر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ پٹواری، مقدم اور چودھری بھی ہوتے تھے جو مالگذاری جمع کرتے تھے۔ شیر شاہ نے زمین کی پیمائش کرائی۔ اس کے بعد پیداوار کا ایک چوتھائی حصّہ حکومت وصول کر لیتی تھی۔ سرکاری مالگذاری نقد بھی دی جا سکتی تھی اور جنس کی شکل میں بھی۔ کسان اس طرح سے خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ خشک سالی کے موقعہ پران کی مدد ہوتی۔ اسی طرح فوجی انتظام میں اصلاحیں کیں۔ اُس نے علاء الدین خلجی کے فوجی انتظام کو نہیں اپنایا۔ یعنی گھوڑوں پر داغ لگانا۔ شیر شاہ کی فوج میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیادے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا۔ رعایا پر ظلم نہیں کرتا تھا جو فوجی رعایا پر تشدد کرتا تا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔

شیر شاہ نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کئے۔ ایک سڑک بنگال سے پنجاب تک آگرہ سے راجپوتانہ دوسری برہان پور جاتی ہوئی لاہور سے ملتان تک نکالی۔ ہر منزل پر سرائیں، مسجد، کنواں تعمیر کرایا۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ ہندو مسلمانوں کے لئے سراں میں کھانے رہنے کا انتظام رہتا۔

پانچ سال کے اندر اُس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا کہ پیش رو نہ کر سکے۔ سلطنت کے ہر معاملہ کو خود دیکھتا اور اُس کا انتظام کرتا۔

معمولات | صبح کو بہت سویرے اُٹھتا۔ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ وظائف سے فارغ ہو کر سلطنت کے کام میں لگ جاتا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر کچھ آرام کرتا۔ پھر انتظام سلطنت میں مشغول ہو جاتا۔ نماز کا بڑا پابند تھا۔ اسلام کا متوالا تھا احکام اسلامی کا سختی سے متبع تھا۔ رعایا کو بھی پابند بنانا چاہتا تھا علماء صوفیاء کا احترام کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ شیر شاہ کی ہستی تاریخ میں مایۂ ناز ہستی ہے۔

ہمایوں کی دوسری تخت نشینی

ہمایوں قنوج کی لڑائی کے بعد پنجاب، سندھ اور راجپوتانہ کے ریگستان میں مارا مارا پھرا۔ اس زمانہ میں امرکوٹ کے قلعہ میں ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں نے قندھار کا رُخ کیا۔ اس کا بھائی عسکری حکمراں تھا۔ اُس نے ہمایوں کی مدد بھی کی۔ آخرکار ایران چلا گیا۔ یہاں شاہ طہماسپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب ۱۵۴۵ء میں قندھار پر ہمایوں نے حملہ کیا تو شاہ نے مدد کی۔ ہمایوں کامیاب ہوا مگر پھر بھائی کو ہی دے دیا۔ پھر کابل پر یلغار کی اور قبضہ کر لیا۔ پھر اپنی سلطنت افغانوں سے واپس لے لی۔ شیر شاہ کے جانشین کمزور تھے۔ پنجاب پر سکندر لودھی کا قبضہ تھا۔ ہمایوں نومبر ۱۵۵۴ء میں پندرہ ہزار سوار لے کر کابل سے روانہ ہوا اور لاہور پر قبضہ کر لیا اور سرہند کے نزدیک ماچیواڑے میں سکندر لودھی کو شکست دی اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ اُس نے شہنشاہ اکبر اور بیرم خاں کو سکندر کا پیچھا کرنے کے لئے پنجاب ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ ہمایوں کی بدقسمتی سامنے آئی۔ اس کامیابی کے چھ مہینے بعد ہی وہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا۔ تین دن تک بیہوش رہ کر ۱۵۵۶ء / ۹۶۳ھ میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تاریخ ؎

ہمایوں بادشاہ از بام اُفتاد

اُس کی موت کی خبر فوراً بیرم خاں کو بھیجی گئی۔ بیرم خاں سمجھدار آدمی تھا اُس نے بہت جلد انتظام کر کے اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور کلانور ضلع گورداسپور میں

رسم تاجپوشی ادا کی۔

ہمایوں بہادر اور اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا۔ پھر وہ عملی اقدام اُٹھانے میں دیر کر دیتا تھا جس کی وجہ سے نقصان اُٹھانا پڑا۔ اہلِ علم کا قدر دان تھا، اسطرلاب ہمایوں اس کی علمی یادگار ہے۔ شاعر بھی تھا وہ احسان فراموش نہ تھا۔ ہمایوں کی یہ قابلیت کبھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر قائم کی اور دوبارہ مغلیہ حکومت کی بنیادیں استوار کر گیا۔

ہمایوں کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

مغل سلاطین صاحب علم وفضل تھے اور اُن کے درباروں سے علماء وابستہ رہے اور وہ ملک میں علم وتعلیم کا فیض پہنچاتے تھے۔ مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے اور پچھلے فرماں رواؤں کے طرز پر اُن کے مصارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ نیز ملک میں جا بجا علماء کے وجود سے مدرسے جاری تھے۔ ہمایوں کو علم ہیئت وہندسہ کا شوق تھا۔ اس عہد کے باکمال ہیئت دان مولانا نور الدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ کبھی خود اُن سے درس لیتا اور کبھی اُن کی فنی مشکلات حل کرتا[1] ہمایوں کے عہد میں دو نئے اہم مدرسے لائقِ ذکر ہیں۔ ایک زین الدین خوافی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے[2] اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس تھے[3]

---

[1] مآثر الامراء جلد ا صفحہ ۷۹۹ [2] منتخب التواریخ جلد ا صفحہ ۴۷۱ [3] آئین اکبری۔

اکبر اعظم

اکبر کا نام و لقب | ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر۔

پیدائش | امرکوٹ میں ۵ رجب سنہ ۹۴۹ھ میں ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | ابتدائی دو سال اپنے چچا مرزا عسکری کے آغوش میں کاٹے۔ پھر باپ کے سائے میں نشو و نما پائی۔ سوا چار برس کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔ ملا عصام الدین کو اخوندی کا اعزاز ملا۔ ملا بایزید، ملا عبدالقادر اخوند، ملا پیر محمد، میر عبداللطیف قزوینی سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھا۔ شیخ مبارک کی شاگردی بھی کی۔ مگر سلاطین زادے تھے، شکار میں جی لگتا تھا اس طرف سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔

ابتدائی سوانحات | سکندر کے مقابلے کے لئے سنہ ۹۶۱ھ میں ہمایوں نے بیرم خاں کے ساتھ اکبر کو جن کی عمر بارہ سال تھی بھیجا۔ سرہند پر اکبر نے ایسی دادِ شجاعت دی کہ یہ معرکہ اس کے نام فتح ہوا۔ ہمایوں نے ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا۔ بیرم خاں کو اس کا اتالیق کر کے ادھر روانہ ہوا۔ سکندر قلعہ بند تھا۔ برسات کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو گئی۔ ہوشیارپور کے میدان میں شکار ہونے لگے۔ ادھر ہمایوں بھی کتب خانہ کی چھت سے نیچے آ رہے۔ اس کے سات روز بعد ہمایوں عالم قدس سدھار گئے۔

تخت نشینی | سنہ ۹۶۳ھ میں ہمایوں کے انتقال کی خبر پا کر بیرم خاں نے مقام کلانور ضلع گورداسپور کی عید گاہ میں تمام امراء کو جمع کر کے باضابطہ تاج پہنا کر ابو المظفر جلال الدین محمد اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اکبر نے بعد تخت نشینی بیرم خاں کو جو کہ خانخاناں کے لقب سے مشہور تھا، خان بابا کا خطاب عطا کیا اور دہلی مراجعت کی۔

راہ میں خبر ملی کہ ہیموں بقال وزیر محمد شاہ عدل محمد خاں سوار کو قتل کر کے آگرہ دہلی پر متصرف ہو گیا اور تیس ہزار کی جمعیت سے لاہور کی جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ اکبر نے پانی پت کے میدان میں نبرد آزمائی کی۔ ہیموں زخمی ہوا۔ اکبر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا اور بیرم خاں کے ہاتھ سے دار کو پہنچا۔ اس فتح سے دہلی و آگرہ پھر خاندانِ مغلیہ کے زیر نگین ہو گیا۔ اکبر نے دارالخلافت میں آ کر اپنی تخت نشینی کا دوبارہ جشن کیا۔ اس کے بعد خبر ملی کہ سکندر پہاڑوں سے نکل کر پنجاب میں غدر برپا کر رہا ہے۔ اکبر نے اس پر فوج کشی کی۔ سکندر نے اطاعت قبول کر لی۔ پٹنہ کی مہم پر فوج بھیجی جا رہی تھی اس کا سردار مقرر ہوا جہاں سکندر نے دو سال بعد انتقال کیا۔

خود مختاری بیرم خاں خانخاناں خان بابا ہمایوں کا ممتاز درباری تھا۔ اکبر بھی نہایت ادب کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امورِ سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس کی خود رائی اور بے اعتدالی سے اکبر پریشان ہو گیا۔ امراء کے مشورہ سے سنہ ۹۶۹ھ میں شکار کے بہانے دہلی گیا۔ وہاں سے بیرم خاں کے نام فرمان بھیجا کہ تمام انتظامِ سلطنت آج سے ما بدولت بلا شرکت غیرے انجام دیں گے۔

بیرم خاں کی آنکھیں کھل گئیں اور حج کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راہ میں خیال گزرا کہ ہند میں تیموری سلطنت کا قیام میری ذات سے ہے۔ کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ شاہی فوج سے شکست کھائی۔ اکبر نے سابقہ رفاقت کا خیال کر کے معاف کر دیا اور کہا کہ چاہو تو اوّل درجہ کی درباری سرداری یا بڑے صوبہ کا جاگیردار کر دوں یا پنشن لیکر حج کو چلے جاؤ۔ بیرم خاں نے شرمندگی سے تیسری شرط منظور کر لی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ گجرات پہنچا ہی تھا کہ پٹھانوں نے اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

اکبر مستقل خود مختار ہونے کے بعد سے صوبوں کا بندوبست اور رعایا کی خوشحالی کا انتظام کرنے لگا۔ رعایا میں اخلاقی برتاؤ نے گھر کر لیا۔ راجہ، رانا، سردار اور ٹھاکروں کو حسبِ مراتب حاضر دربار ہونے کی اجازت بخشی۔ مُلک کے صاحب کمال علماء، فضلاء قدردانی سے کھنچ کر چلے آئے۔ بلا خیال قوم و ملت اپنا مصاحب بنایا۔ انھی میں سے وزراء کی کونسل

قائم کی۔ نورتن نام رکھا۔ تمام ملکی جنگی انتظام اُس کے تحت کر دیئے۔

اکبری نورتن

خان اعظم عزیز مرزا کوکلتاش ہفت ہزاری و مرزا عبدالرحیم خانخاناں خلف بیرم خاں خان خاناں ۹۶۴ھ لاہور میں پیدا ہوا سایۂ اکبری میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مہارت تمام رکھتا تھا۔ احمد آباد میں مظفر کے مقابلے میں دس ہزار فوج سے چالیس ہزار پر فتح پائی۔ پنج ہزاری منصب خانخاناں عطا ہوا۔ ۹۹۸ھ میں ٹوڈرمل کے بعد وکیل مطلق کا منصب عنایت ہوا اور احمد آباد کے عوض جونپور جاگیر میں ملا۔
۹۹۹ھ میں ملتان اور بھکر جاگیر میں ملے ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ مسیح الدین حکیم میر ابوالفتح گیلانی ۹۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

ابوالفیض فیض فیاضی

۹۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ باپ کے سائے میں علم و فضل کی تکمیل کی شعر و شاعری میں کمال حاصل کیا۔ ۹۹۶ھ میں دربارِ اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ شہزادگان کے اتالیق تھے۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ میں بعارضہ ضیق النفس انتقال کیا۔ روضہ لاڈلی بیگم میں دفن ہوئے۔

علامی ابوالفضل

اسلام شاہ کے عہد میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ ملا مبارک سے علوم عقلیات و نقلیات میں تحصیل ۱۵ برس کی عمر میں کی۔ دربارِ اکبری میں اوّلاً دارالانشا کی خدمت میں فائز ہوتے۔ بعدازاں مشیر کل میر منشی مصاحب خاص و وقائع نگار و واضع قوانین ۱۰۱۰ھ میں پنجہزاری منصب عطا ہوا۔ شہزادے سلیم کی سازش سے یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ قصبہ آنتری میں قتل کر دیئے گئے۔ لاش وہیں دفن ہوئی۔ آئین اکبری، اکبر نامہ، مکاتیب علامی یادگار چھوڑے۔

حکیم ہمام

حکیم ابوالفتح گیلانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہستی تھے۔ دربارِ اکبری سے منصب ششصدی تھا۔ دستر خواصہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد تھا۔ لاہور میں ۱۰۰۳ھ میں انتقال کیا۔

راجہ بیربل

۱۰۵۱ھ میں موضع مجران میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کالی داس کا

سایہ اُس کے سر سے بچپن ہی میں اُٹھ گیا تھا۔ کنبے کے ٹکڑوں پر گزر ہوئی۔ حاضر جواب اور ظریف تھا۔ ہندی شعراء میں دربار اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا اور مصاحب اکبری میں داخل ہُوا۔ راجہ کا بھی خطاب ملا۔

راجہ ٹوڈر مل یہ وہی راجہ ٹوڈر مل ہے کہ جس کے نام سے مالی قوانین اکبری کی شہرت ہے جو ایک تاریخی غلطی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ٹوڈر مل لاہرپور کے بے حیثیت کم سواد نوکری پیشہ سوریہ کی ادنیٰ درجہ کا متصدی تھا۔ بعد کو اعتبار خاں خواجہ سرا اور مظفر خاں اکبری کے پاس کام کیا۔ پھر شاہی متصدیوں میں داخل ہو گیا۔ خواجہ منصور سے کاروان محاسب کی ترقی منصب میں سنگ راہ دیکھ کر اُس کے قتل کی سازش میں شریک ہُوا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اکبر کی ہندو پروری اور ہندو نوازی کے طفیل وزارتِ مالیہ پر سرفرازی نصیب ہُوئی، با اختیار خود کام کے لائق نہ تھا اس لئے باوجود دیوانِ مال ہونے کے ارکانِ اکبری امین الملک علّامہ فتح اللہ شیرازی کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

> "حکم شد کہ راجہ ٹوڈر مل مہمات ملکی و مالی بصواب دید امیر مذکور بر و کند و کہن معاملہا کہ از زبان مظفر خاں تشخیص نیافتہ با نجام رساند امیر نصیحے چند کہ متضمن کفایت سرکار و رفاہ رعایا بود سر گزارد و پزیرفتہ شد۔"

جب معمولی خدماتِ منصبی کا یہ حال تھا کہ بغیر نگرانی بجانہ لاسکتا تھا تو مالی قوانین جو ٹوڈر مل کے نام سے مشہور ہیں بھلا کیا خاک اختراع کرتا وہ حقیقتاً آئین شیر شاہی کا صدقہ اور مظفر خاں و خواجہ منصور و میر فتح اللہ وغیرہ کی ترمیم و تصرف کا نتیجہ تھے۔ جن کا سہرا تاریخی مسامحت سے ٹوڈر مل کے سر ہو گیا۔ تغیر و تناسخ کے بعد اسلامی قوانین آئینِ اکبری کے بدن میں ظہور میں آئے جس کے انتساب سے اکبر، اکبر اعظم ہُوا۔ جب اکبر قوانین کا مخترع اور موجد نہ تھا تو بے چارے ٹوڈر مل کی کیا حقیقت تھی کہ وہ بجائے خود آئین کو منضبط کرتے۔ ٹوڈر مل کے نام سے جو قوانین منسوب تھے اُن کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مالیات کا کام عموماً مسلمانوں

کے سپرد تھا۔ اس محکمہ میں پہلی بار غیر مسلم کا دخل ایک انوکھی بات تھی۔ اکبر کی خانماں سوز پالیسی نے مسلمانوں کو دبایا اور دوسروں کو بڑھایا اس لئے ٹوڈرمل کا نام اچھل گیا جس کا وہ کسی طرح مستحق نہ تھا۔

فتوحاتِ اکبری اکبر کی عادت تھی کہ جس سردار کو باغی دیکھتا خود بغاوت فرو کرنے جاتا۔ باغی رہا تو سزا پائی معافی چاہی تو عفو تقصیر کیا۔

ادہم خاں اور عبداللہ خاں اور آصف خاں یہ اکبر کے امراء میں سے تھے۔ ایک وقت میں سب نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ ۹۷۴ھ، ۱۵۶۷ء میں اکبر نے سب کو مطیع کر لیا جس نے خودسری کی جان سے مارا گیا جس نے عفو چاہی خطا معاف ہوئی۔

راجگان جے پور جودھپور اور چیتوڑ پانچ سال تک اکبر سے لڑتے رہے۔ آخر کار اُن پر ۹۸۰ھ میں کامل فتح حاصل کی۔ عزیز مرزا اکبر کا کوکہ جس کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا گجرات کا صوبہ دار تھا۔ ۹۸۱ھ میں یہ خبر ملی کہ دکن کے باغیوں نے حسین مرزا اور اختیار الملک دکن کو اپنی جمعیت میں شریک کر لیا ہے اور گجرات پر قبضہ کر کے عزیز مرزا کو قلعہ بند کر دیا ہے۔ اکبر نے صرف تین سو جاں نثار منصب داروں کو ہمراہ لے کر ستائیس منزلیں ۹ روز میں طے کر کے دشمنوں کے جاسوسوں سے پہلے احمد آباد و گجرات میں جا گھسا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حسین مرزا گرفتار ہوا اور اختیار الملک بھاگتا ہوا قتل ہوا۔ عزیز مرزا کو قلعہ سے نکال کر اکبر نے پھر وہیں کا حاکم کر دیا۔ اور خود واپس آیا اس میں صرف چالیس روز لگے۔ اس طرح اکبر نے ۹۸۳ھ میں بنگال، بہار، اڑیسہ کو جہاں تک پٹھانوں کا قبضہ تھا فتح کیا۔ ۹۹۴ھ میں خطۂ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق کر لیا۔ ۱۰۰۰ھ میں سندھ پر فتح پائی اور ۱۰۰۱ھ میں قندھار اپنے تصرف میں لایا۔

تسخیرِ دکن اکبر کے عہد میں دکن کی سلطنت تین حصوں میں منقسم تھی۔ احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور کی بادشاہت جدا جدا حکمرانوں کے قبضہ میں تھی۔ احمد نگر میں اتفاق سے نااتفاقی پیدا ہوئی اور سلطنت کے چار دعوے دار پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اکبر سے مدد چاہی۔ یہ منتظر تھے ہی اپنے منجھلے بیٹے مراد کو مرزا عبدالرحیم خانخاناں

کے ساتھ فوج لے کر دکن جانے کا حکم دے دیا۔ شاہی فوج پہنچی بھی نہ تھی کہ شیر خوار دعویدار بہادر نظام شاہ کے نام احمد نگر فتح ہو چکا تھا۔ بسبب خورد سالی سلطنت کا انتظام اس کی پھوپھی چاند بی بی کرتی تھی۔ جس وقت اکبر کی فوج قلعہ پر حملہ آور ہوئی، چاند بی بی خود مُنہ پر نقاب ڈال کر تلوار ہاتھ میں لے کر فوج کو کمان کرتی ہوئی مقابلہ میں آئی۔ زنانہ جرأت نے مَردوں میں بہادری پیدا کر دی۔ مغلوں کا پہلا حملہ بیکار گیا۔ شاہی فوج کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہُوا۔ برابر کا علاقہ لیکر واپس دارالخلافہ لَوٹ پڑے۔ دوسری مرتبہ اکبر نے اپنے چھوٹے بھائی دانیال کو خانخاناں کے ساتھ فوج دے کر بھیجا اور بُرہان پور تک خود آیا۔ اس مرتبہ یہ نمک حرام وزیر کے نوکروں کے ہاتھوں قتل ہو چکی تھی۔ اکبر کی فوج نے بلا وقت قلعہ میں گھس کر تمام فوج کو قتل کیا اور بہادر نظام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار کو روانہ ہوا اور اکبر نے ۱۰۰۹ھ میں خاندیس کو احمد نگر سے ملا کر اُس پر اپنے وزیر ابوالفضل کو صوبیدار مقرر کیا۔

وسعتِ سلطنت

اکبر نے ہمایوں سے وراثت میں مختصر سی سلطنت پائی تھی جس میں پنجاب اور آگرہ دہلی کے ادگرد کے اضلاع داخل تھے لیکن اکبر نے اس کو وہ ترقی دی کہ شمال کی جانب کابل، کشمیر، قندھار، سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک اور مشرق میں اڑیسہ تک پھیل گئی۔

صُوبہ و نظامِ سلطنت

اکبر نے کل قلمرو کو اٹھارہ صوبوں پر تقسیم کیا اور ہر صُوبہ پر ایک نائب السلطنت مقرر کیا اور اس کے تین صیغوں کے پورے اختیار دے دیئے۔ ایک صیغۂ نظامت قائم کیا جس میں سررشتہ پولیس بھی شامل تھا۔ صیغہ مذکور کے متعلق عدالتیں دیوانی و فوجداری کے دادخواہوں کی دادرسی کے واسطے مقرر تھیں۔ جس کا اعلیٰ افسر میر عدل ہوتا تھا اور اس کے ماتحت قاضی ہر بڑی جگہ متعین ہوتے تھے۔

صیغۂ مال

صیغۂ مال میں اکبر نے زمین کی پیمائش کرائی اور ہر بیگھہ کی پیداوار کا زرِ نقد مطالبہ سرکاری قرار دیا اور ہر سال کی جمع بندی کے قرضے دُور

کرنے کے لئے دس برسی کا میعادی بندوبست کیا۔ عہدِ اکبر میں خزانہ میں بیالیس کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اکبر نے رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے وہ آئین و قوانین ایجاد کئے جو اُس سے پہلی دُنیا کیلئے نصب العین اور پچھلی دُنیا کے لئے دستورالعمل قرار پائے ایک قوانینِ عمدہ جاری کئے تھے جن کا نام "آئین اکبری" ہے۔

اصلاحاتِ ملکی اکبر نے ہندوؤں کو کمسنی میں شادی کرنے، بیوہ کو زبردستی بٹھائے رکھنے، بیوی کو خاوند کے ساتھ ستی ہونے پر مجبور کئے جانے، قسم کھاتے وقت گرم گولہ اُٹھانے اور جلتے تیل میں ہاتھ ڈالنے وغیرہ کی ممانعت کی۔ جزیہ ملتوی کیا۔ جاتریوں پر جو محصول تھا وہ معاف کیا۔

امورِ سلطنت امور سلطنت کو چار حصّوں میں تقسیم کیا۔

(۱) سرکار آتش کے ماتحت، توپ خانہ، تربیت، اسلحہ و آلات حرب وغیرہ۔

(۲) سرکار ہوائی کے تحت میں باورچی خانہ، اصطبل، فیلخانہ، شیرخانہ وغیرہ تھے۔

(۳) سرکار آبی کے تحت میں شربت خانہ، نہروں کا انتظام تھا۔

(۴) سرکار خاکی کے تحت زراعت کا انتظام و عمارت و قواعد خالصہ وغیرہ تھے۔ ہر ایک افسر کی وردی رنگ کے اعتبار سے تھی۔

سیرت اکبر رحمدل، نیک مزاج اور دیندار تھا۔ فقراء کی خدمت کرتا۔ لاکھوں روپیہ درگاہوں پر چڑھاتا۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتا۔ ہر سال حج کے لئے قافلے روانہ کرتا۔ کبھی خود بھی دو چادروں کا لباس پہن کر ننگے سر ننگے پیر لبیک کہتا ہُوا دُور تک قافلے کے ساتھ جاتا۔ فقیہہ، محدث، علماء کا بہت ادب کرتا اور ہر امر میں اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتا۔ مگر علماء کی باہمی خانہ جنگی سے اکبر میں بدخیالی پیدا ہوگئی۔ دین طلبی کے بجائے دُنیا طلبی اُس کا شیوہ ہُوا۔ قیامِ حکومت کے لئے باپ دادا کا رنگ دیکھ اور سُن چکا تھا کہ اپنوں کے ہاتھ تمام عمر پریشان رہے۔ پست قوم کی دستگیری کی۔ ہم قوم کو گرایا دوسروں کو اُبھارا۔ یہ ترکیب اُسے راس آئی عرصہ تک دولتِ دُنیا نے اخلاق کے پیر تھامے رکھے۔

سیاسی تدبیر اکبر نے حاکم و محکوم میں اتحاد کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ عقلمند سے عقلمند دام میں پھنسنے لگے۔ اپنا طرزِ زندگی وہ اختیار کیا کہ جس قوم اور مذہب کا آدمی اس سے ملے تو اُس کو فوراً یقین آجائے کہ بادشاہ ہمارے مذہب کا متوالا اور شیدا ہے۔ چنانچہ نوساری گجرات کے آتش پرست شاہ اکبر تک پہنچے تو حکم ہوا کہ پارسیوں کے عقیدے کے مطابق آتشکدہ بنایا جائے اور نہایت احتیاط رہے کہ اُس کی آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے۔ رُوم کا پوپ اکبر کے پاس آیا اور بائبل کے مضامین اور مطالب سُنائے۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر پیش کی اکبر دوزانو کھڑا ہو گیا اور اس قدر ظاہری شوق دکھایا کہ ابوالفضل توراۃ اور انجیل کے ترجمے پر مقرر ہوئے۔ چنانچہ ابوالفضل نے یہ مصرعہ کہا ہے

اے نامے تو زرکہ کرہستو

دوسرا مصرعہ سوچ رہا تھا کہ ملک الشعراء فیضی برابر سے بولے :

سبحانک لاشریک یاہو

ہندوؤں سے تعلقات و صحبت بہ نسبت پارسیوں اور نصاریٰ کے بدرجہا زیادہ تھی اس لئے اُن کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ سب سے بالا تھا۔ ظاہری وضع بالکل ہنود کی سی تھی۔ بعض رسوم بھی اختیار کیں۔ پنڈتوں نے اکبر کی نظرِ التفات جو اُن کی طرف دیکھی تو ایسے پسیجے کہ ایک مسلمان کو اپنے یہاں کا پدم مشیر اوتار قرار دے دیا اور مثل دیوتاؤں کے اُن کے بھی ہزاروں سہسہ قائم کر دیئے اور خاطراً وید مقدس میں مذہب اسلام کی تصدیق کے اشلوک دکھانے لگے۔

دینِ الٰہی اکبر نے رعایا کو مطیع کرنے کے لئے ایک اور ترکیب نکالی اور علماء سے فتویٰ لیا "اولی الامر منکم" کے موافق بادشاہ صاحبِ اجتہاد بن گئے۔ اس اجتہاد کا نام "دینِ الٰہی" رکھا۔ بندگی، مجرکا، تسلیمات کے عوض ایک شخص اللہ اکبر کہتا اور دوسرا جواب میں جل جلالہٗ کہتا اور دینِ الٰہی میں ہر مذہب کے لوگ داخل

ہوکر بادشاہ کے مریدوں میں داخل ہونے لگے۔ چیلوں کو شجرے کے عوض اپنی تصویر عطا ہوتی اور ہمیشہ اللہ اکبر کا وظیفہ رٹنے کی ہدایت کی گئی۔ امیر مسلمانوں کا شامل ہونا مخول تھا مگر اُن کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس پھندے میں پھنسنے لگے اور جو بیگانگی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں میں تھی وہ اس ترکیب سے جاتی رہی۔ اب ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو عزیز و اقارب کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ اکبر اعظم ہندوستان کے مختلف المذہب لوگوں کا نہ صرف حکمراں بلکہ پیر بنا ہُوا تھا۔ دین الٰہی اکبر شاہی مذہب وہ نہ تھا جس کو مؤرخین یورپ نے آفتاب پرستی کا مرادف قرار دیا ہے مصلحت ملکی سے اکبر نے یہ دین قائم کیا تھا۔ دین الٰہی حقیقتاً سیاسی اور اخلاقی کھیل تھا۔ اس کا حال خود جہانگیر نے "تزک" میں یوں تحریر کیا ہے:-

"در وقتِ ارادت آوردن مریداں چند کلمہ بطریق نصیحت مذکور می گردد بایدکہ در وقت خود را بدشمنی ملتے از ملتہا تیرہ مکدر نسازند و با جمیع ارباب عمل طریق صلح کل مدعی وارند ہیچ جانداری را بدست خود نہ کشتند و سلاخ طبیعت نہ باشند مگر در جنگہا و شکارہا۔

مباش در پئے بیجانِ نمودن جاندار　　مگر بعرصۂ پیکار یا بوقت شکار

تعظیم بذات را کہ بظاہر نور الٰہی اند بقدر درجات ہر ایک باید نمود و موثر، موحد حقیقی در جمیع ادوار انوار خدائے تعالیٰ را باید دانست بلکہ فکر باید کرد تا در خلوت و کثرت خاطر لمحہ از فکر و اندیشہ او خالی نہ باشد۔

لنگ و لوچ خفتہ شکل و بے ادب　　سوئی اومی غنج و داری طلب

والد بزرگوارم ملکہ ایں معنی بہم رسانیدہ۔ در کم وقتے ازیں اوقات

ازیں فکر خالی بودند　　یہ ہے دین الٰہی اکبر شاہی

شاہزادہ سلیم کی بغاوت

اکبر جس زمانے میں برہان پور گیا تھا وہاں اُسے اپنے بڑے بیٹے سلیم کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ سلیم کا سن ۳۰ سال کا تھا۔ عقیل و دانا ہونے کے ساتھ شراب اور افیون کے استعمال سے

دماغی قوت صحیح نہیں رہی تھی۔ سلیم نے الٰہ آباد لے کر صوبہ اودھ اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ زمانہ ساز اکبر نے بجائے کسی سختی کے نہایت نرمی سے ایک فہمائش تحریر کی اور آپ آگرہ میں جا داخل ہُوا۔ سلیم نے باپ کو عاجزانہ جواب لکھا اور قدم بوسی حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہُوا۔ جب اٹاوے تک پہنچا تو اکبر کو خبر ملی کہ سلیم کے ساتھ فوج کثیر ہے۔ فوراً حکم دیا کہ اگر تم صفائی قلب رکھتے ہو تو آؤ ورنہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ چنانچہ سلیم الٰہ آباد کو لوٹ گیا۔ اکبر نے مصلحتِ وقت کی بناء پر تھوڑے دنوں کے بعد صوبہ بنگال اور اڑیسہ اُس کے حوالے کر دیئے۔

اکبر کی شادی بیاہ اکبر کے اخلاق نے راجگانِ ہند کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ انہوں نے اپنی بیٹیاں نذر میں دے دیں۔ دخترِ راجہ بہارا مل کچھوا بردائی، جے پور، دخترِ کلیان مل والئ بیکانیر، دخترِ راجہ ڈونگر پور ہندو رانیاں اکبر کے عقد میں آئیں۔ تارا بھائی اور من بھاوتی رانی اور بھی تھیں۔ راجہ بہارا مل کی لڑکی سے جہانگیر پیدا ہُوئے۔ اس خاتون کو اکبر نے مریم زمانی کا خطاب دیا۔

اولاد جہانگیر، ۲ ربیع الاول ۹۷۷ھ میں پیدا ہُوا۔ شہزادہ مراد ۱۰ محرم ۹۸۷ھ میں فتحپور میں پیدا ہُوا۔ ۳۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۷ھ میں جوانمرگ دنیا سے گیا۔ شہزادہ دانیال تیسرا لڑکا تھا۔ اس کا بھی ۳۳ برس کی عمر میں ۱۰۱۳ھ میں انتقال ہُوا۔

اکبر کی آخری زندگی اکبر کی ابتدائی اور وسطی زندگی جس خوبی اور عمدگی سے بسر ہوئی آخری حصّہ کو وہ میسّر نہ ہوئی۔ اس کے نورتن کے ارکان کا بچھڑنا، حکیم ابوالفتح گیلانی راجہ ٹوڈر مل کا مرنا، بیربل کا یوسف زئیوں کی جنگ میں مارا جانا۔ ابوالفضل کا دغا سے بہ اشارۂ سلیم قتل ہونا، شہزادہ دانیال و مراد کی موت کا رنج، دوسری طرف شہزادہ سلیم کی باغیانہ زندگی کا قلق ان سب واقعات نے اکبر کو گھلا دیا۔ انتظام سلطنت اور تکلفاتِ شاہی سے جی اُچاٹ ہونے لگا۔ سلیم کی سوتیلی ماں سلطانہ بیگم نے باپ بیٹے کے درمیان صُلح کرا دی۔ مگر اکبر کی روز بروز حالت خراب ہونے لگی۔ بیماری آ گئی۔ جسم نحیف ہونے لگا۔ غذا چھوٹ گئی اور

بجز پلنگ پر پڑے رہنے کی اور کسی کام کی طاقت نہ رہی۔ لیکن اپنے سب امراء کو طلب کیا۔ بہت کچھ نصیحت کی اور سب سے اپنی خطا معاف کرائی اور اپنے سامنے شہزادے سلیم کو بلا کر کمر سے تلوار بندھوا کر وصیت کی کہ خاندانِ شاہی کی عورتوں کی خبر گیری کرنا اور میرے دوستوں کو فراموش نہ کرنا۔ اس کے بعد توبہ کی۔

وفات سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۳ جمادی الآخر کو ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی راہ لی۔ باغ سکندری میں دفن ہوئے۔

عہدِ اکبری میں علمی ترقی

بابر و ہمایوں کے زمانہ میں جو طریقہ تعلیم تھا اکبر کے ابتدائی عہد میں قائم رہا۔ حکومت کی طرف سے کم مگر ذاتی طور سے درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا۔ شاہ رفیع الدین انجوی کا مدرسہ مخدوم نظام الدین بندگی اٹھوی کی درس گاہ شیخ آدم گوپالوی کا مدرسہ ملا مبارک ناگپوری کا درس و تدریس اپنی جگہ اپنی اپنی جامعات (یونیورسٹیاں) تھیں۔ اکبر کے ذہنی انقلاب نے قدیم تعلیم کے خلاف ایک نئی صورت اختیار کی۔ سنہ ۹۹۵ھ میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کے روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم، حساب، طب، فلسفہ مدرسوں میں رائج کئے [۱]

نصابِ تعلیم کی اس تبدیلی کو ابوالفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے جیسے ہم آگے دکھائیں گے۔ لیکن یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس شاہی فرمان کی رو سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہو گئے لیکن عربی و اسلامی علوم خارج نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی جابجا اسلامی مدرسے قائم رہے جس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ قلیج خاں کے متعلق جو دربار اکبری کے امراء میں سے تھا۔ مآثر الامراء میں ہے :-

---

[۱] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۶۳ (عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۶۹)

"قلیج خاں صلاح و تقویٰ بسیار داشت و در تسنن متعصب بود۔ ہمیشہ بدرس علوم و افادہ طلاب استعمال نمود گویند در صوبہ داری لاہوری کہ باس ؟ بدرس فقہ و تفسیر و حدیث در مدرسہ قیام می ورزید و با قصی غایت در ترویج علوم شرعیہ می کوشید"[1]

عہدِ اکبری کا ایک مشہور مدرسہ مدرسہ ماہم بیگم تھا۔ جس کی عمارت خیر المنازل کے نام سے مشہور تھی[2] بدایونی نے اس مدرسہ کو مدرسہ بیگم کے نام سے یاد کیا ہے نیز آگرہ و فتح پور سیکری میں خود اس نے متعدد عربی مدرسے قائم کئے۔ اکبری دور میں کشمیر و بیجاپور میں غیر معمولی تعلیمی انقلاب ہوا۔ اس وقت تک یہاں علوم متعارفہ کا در فارسی رسم الخط کا رواج ہوا۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے:-

"اگرچہ دراں چندے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گویند بودند آیا علوم متداولہ شیوع تمام نداشت خط نستعلیق نیکوی نوشتند و بندے زبان شعراء داشتند بعد ازاں کہ در عہد دولت حضرت آشیانی نشاکش یا کتب اکثر ساکنان شہر اکتساب مراسم اہلیت و لوازم آدمیت نمودہ شائستگی جوہر بجا ساختند و فارسی گفتن و خط خوش نوشتن و نغمہ فارسی سرائیدن رواج تمام یافت"

اسی طرح بیجاپور میں عادل شاہ نے چند خاص تعلیمی انقلاب بھی برپا کئے تھے۔ دار الاقامہ کے لڑکوں اور استادوں کے لئے نفیس غذائیں اور لڑکوں کے سالانہ امتحان کے انعامات دیئے جانے کے قواعد مقرر کئے تھے[3]

مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہدِ اکبری میں تعلیم کا چلن عام تھا۔ سرکاری مدرسے تمام ممالک محروسہ میں جاری تھے۔ آگرہ میں عالی شان مدرسہ تھا۔ فتح پور سیکری میں مدرسہ ابوالفضل جس کی عمارت موجود ہے۔ مولانا علاء الدین لاری کا مدرسہ، مدرسہ حسن تھا، مفتی

---

[1] مآثر الامراء جلد ۳ صفحہ ۱۰ [2] ہندوستان کی اسلامی درس گاہیں۔

[3] بادشاہ نامہ حصہ دوم صہ ۵۵ ۔

ابوالفتح تھانیسری معقول ومنقول کا درس شاہ رفیع الدین کے مدرسے میں دیتے تھے۔ اجمیر میں مدرسہ خواجہ معین کے نام سے تھا جس کے مدرس اعلیٰ میرزادہ مفلس سمرقندی تھے۔ ملا الہ داد، منکر جانی مدرس مکان حاتم سنبھلی دارکلاں آگرہ، امام الدین لاہوری، ملا عثمان، ملا قاسم قندھاری، ملا جمال ملتان۔ ان سب بزرگوں کی درس گاہیں تھیں، جہاں صدہا طالبانِ علم کا جمگٹا رہتا تھا۔[۱]

کُتب خانہ اکبر کا سرکاری کتب خانہ عظیم الشان تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں کا حال ملا عبدالباقی نے مآثر رحیمی میں لکھا ہے فیضی کے کتب خانہ میں چار ہزار صد سو کتابیں تھیں ایسے ہی امراء کے کتب خانہ قلمرو حکومتِ مغلیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

مکتب خانہ اکبر نے دارالترجمہ قائم کیا جہاں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس کے ناظم میر جمال الدین حسین الخوجوی چار ہزار ماہانہ کے جاگیردار تھے۔ اُس نے فارسی لغت مرتب کی۔ جہیش، مہانند، ملا نفری، ابوالفضل ملا عبدالقادر، شیخ سلطان تھانیسری، محمد خاں گجراتی جیسے حضرات اس دارالترجمہ سے منسلک تھے۔

تاریخ جدید	مرزا الغ بیگ	مہم میر فتح اللہ شیرازی
سنگھاسن بیتی	سنسکرت	ملا عبدالقادر بدایونی
کتاب الاحادیث		"
تاریخ الفی		"
رامائن		"
جامع رشیدی	تاریخ	"
بحرالسماء		"
حیوٰۃ الحیوان	عربی	ملا مبارک ناگپوری
اتھربن بید	سنسکرت	فیضی شیخ بھاون حاجی ابراہیم
تزک بابری	ترکی	عبدالرحیم خانخاناں

[۱] کبیر اعظم صد ۳

تاریخ کشمیر	سنسکرت	ملا شاہ محمد شاہ آبادی
معجم البلاد	عربی	حکیم ہمام
نجات الرشید		نظام الدین بخشی
طبقات اکبر شاہی		ر
سواطع الالہام		علامہ فیضی
موارد الکلم		ر
لیلاوتی	سنسکرت	ر ر
مرکز ادوار		ر
اکبر نامہ و آئین اکبری		علامہ ابو الفضل
عیار دانش		ر
کشاول		ر
تاجک	نجوم	محمد خاں گجراتی
ہری ہنس		ملا شہری
جوتش		خانخاناں
ثمرۃ الفلاسفہ		عبد الستار ابن قاسم
رزم نامہ	ترجمہ مہابھارت	نقیب خاں وغیرہ

ہندی کی ترقی اکبر نے ہندوستانی تہذیب و تمدن و معاشرت اور ادب و انشاء کی توسیع و ترقی میں جس ہمدردی کا ثبوت دیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اکبر کو ہندی سے ایسا تعلق تھا کہ خود اکبر رائے اپنا تخلص رکھا اور ہندی میں موزوں کر لیا کرتا تھا۔ فارسی شعراء اور ہندی شعراء کو یکساں نوازتے تھے بلکہ صلہ گستری اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا کرتا تھا۔

ابو المظفر نور الدین جہانگیر

ولادت

اکبر کو فرزند سعادت پیوند کی ضرورت تھی۔ بیویاں اگرچہ حاملہ ہوتی تھیں لیکن اسقاط ہو جاتا تھا اور اگر پیدا بھی ہوتا تو چند ہی روز میں مر جاتا تھا اس لئے وہ شیخ سلیم چشتی کی خدمت میں جو اس زمانہ میں مشہور بزرگ تھے، حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ شیخ فتح پور سیکری میں مقیم تھے، وہاں اُن کے فرمانے سے شاہانہ عمارتیں بنوائیں اور اُن کا نام فتح پور رکھ کر دارالسلطنت قرار دیا۔ اُن کی دعا سے ۹۷۷ھ میں راجا بہاڑا مل کچھواہہ کی دختر کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلطان سلیم رکھا۔

تعلیم و تربیت

فیضی مولانا میر کلاں ہروی سلیم کی تعلیم پر مامور ہوئے، قطب الدین آتکہ اور خانخاناں اتالیق مقرر ہوئے۔ مولانا علی احمد سے بھی پڑھا۔ چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی جس کا نتیجہ تھا کہ وہ مطلع علم کا مہتاب تھا۔ جہانگیر ۹۸۵ھ میں منصب دہ ہزاری ذات سوار پر ممتاز ہوئے اور اجمیر کے صوبہ دار کر دیئے گئے۔

شہزادہ سلیم کی بغاوت

جس زمانہ میں اکبر دکن کی تسخیر میں لگا ہوا تھا کنور مان ولد راجہ مان سنگھ نے امرائے بنگال کی شورش کی خبر پا کر شہزادہ سے جو اس وقت اجمیر میں رانا کی سرکوبی کی خدمت میں سپہ سالاری پر مامور تھا التماس کیا کہ اگر شہزادہ بجائے اجمیر کے الہ آباد میں آجائے تو شورش بنگال دب جائے گی۔ شہزادہ نے یہ بات مان لی اور الہ آباد آ گیا۔ اپنے ملازموں کی جاگیریں جو آگرہ کے نواح میں تھیں چھوڑ کر الہ آباد آ گیا اور صوبہ الہ آباد کی محال کو جو آصف خاں جعفر کی جاگیر سے تعلق رکھتا تھا اپنی جاگیر میں شامل کر لیا اور ۳۰ لاکھ روپیہ صوبہ بہار کا جو کنور داس نے فراہم کیا تھا سرکاری فوج بھیج کر طلب کر لیا۔ اس قسم کی حرکتوں سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ بادشاہ نے نصائح محمد شریف ولد عبدالصمد کے ہمراہ صادر کئے۔

مگر بے سُود۔ اکبر جب اکبر آباد آیا تو شہزادہ تیس ہزار سوار لے کر الہ آباد سے پدر بزرگوار سے ملنے آیا۔ لہٰذا شہزادے کو فرمان صادر کیا کہ اس شان و شوکت کے ساتھ آنا ہماری مرضی کے خلاف ہے اور اکیلے حاضر ہو اور اگر تم کو شک و شبہ ہے تو فوراً الہ آباد واپس ہو جاؤ۔ شہزادہ نے ایک عرضی بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور الہ آباد روانہ ہو گیا۔ شہزادہ کو صوبہ بنگال اور اڑیسہ جاگیر میں دیا اور فوراً وہاں چلے جانے کی ہدایت کی۔ شہزادہ نے وہاں جا کر منظور نہیں کیا اس وجہ سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہُوا اور سلیمہ سلطان بیگم کو شہزادہ کے دلجوئی کے لئے بھیجا۔ بیگم نے الہ آباد پہنچ کر شہزادے کی دلجمعی کی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ مگر جب اکبر آباد ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ کی درخواست پر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی خود جا کر شہزادہ کو اپنے محل میں لائی اور مریم مکانی کے حکم سے اکبر بادشاہ بھی اُس مکان میں گیا۔ شہزادہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اپنا سر باپ کے قدموں پر رکھ دیا اور ایک ہزار اشرفیاں اور ۷۰۰ ہاتھی بطور نذر پیش کئے۔ بادشاہ نے شہزادے کو گلے لگایا اور بہت زیادہ خوش ہُوا اور اپنے سر سے پگڑی اُتار کر شہزادے کے سر پر رکھ دی۔ یہ واقعہ اکبری جلوس کے ۲۸ ویں سال میں پیش آیا۔ چند روز کے بعد شہزادہ کو رانا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ پھر سرکشی کر کے الہ آباد چلا گیا۔ اس سے اکبر کو بہت صدمہ ہُوا۔ جب اکبر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کا انتقال ہُوا تو شہزادہ سلیم الہ آباد سے باپ کی خدمت میں آیا اور باپ کی قدم بوسی کی۔

تخت نشینی اکبر کا انتقال ۶۵ سال کی عمر میں ہُوا اور اُس نے ۵۱ سال دو مہینے اور نو دن حکومت کی اور اُس کا لڑکا شہزادہ سلیم ۳۶ سال کی عمر میں جمعرات کے دن ۱۲ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہُوا۔ اس موقعہ پر محمد شریف ولد عبدالصمد شیریں قلم کو امیر الامراء کا خطاب عطا کیا اور مدار المہام کے بلند رتبہ پر سرفراز کیا اور شاہی مہر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں پہنائی۔ اعتماد الدولہ کا خطاب مرزا غیاث بیگ کو اور وزیر الملک کا خطاب مرزا خان بیگ کو جو شہزادگی کے زمانہ میں دیوان تھا، عطا کیا اور ان دونوں کو دیوانی کے کام پر مشترکہ طور پر مامور کیا۔ زمانہ بیگ کو مہابت خاں کا خطاب اور پیر خاں لودھی کو صلابت خاں کا

خطاب عطا کیا۔ شیخ فرید بخاری کو پنج ہزاری ذات کے منصب اور میر بخشی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالے کی صوبہ داری پر مقرر کیا۔ اپنے دودھ شریک بھائی خان اعظم مرزا اور آصف خاں جعفر کو شاہی نوازشات سے سرفراز فرمایا۔ (سیر المتاخرین)

کابل کی سیر دوسرے سال کے شروع میں جہانگیر کابل سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ شہر آرا کے متصل جو بابر بادشاہ کا بنایا ہوا تھا ایک دلکشا باغ "باغ جہاں آرا" بنایا اور ایک نہر اس کی کیاری میں سے جاری کی۔

نور جہاں نور جہاں غیاث بیگ مخاطب بہ اعتماد الدولہ کی بیٹی تھی اور وہ خواجہ محمد شریف طہرانی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں محمد تنکو حاکم ہرات کا دیوان تھا۔ جس نے شیر شاہ سے شکست کھا کر ہمایوں کے عراق جانے کے وقت شاہ طہماسپ کے حکم کے بموجب خدمات کی تھیں۔ محمد خاں کی وفات کے بعد خواجہ محمد شریف شاہ طہماسپ کے پاس پہنچ کر وزارت سے سرفراز ہوا۔ جب فوت ہو گیا تو اس کے دونوں بیٹے غیاث بیگ اور محمد طاہر بیگ ہندوستان آ گئے۔ غیاث بیگ کے ساتھ دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی قندھار میں پہنچنے کے بعد دوسری لڑکی یعنی نور جہاں پیدا ہوئی اور وہاں سے روانہ ہو کر فتح پور سیکری میں اکبر بادشاہ کی ملازمت کر لی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں دیوان بیوگان ہو گیا۔

اسی زمانہ میں نور جہاں کی شادی شیر افگن خاں سے کر دی۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کوکلتاش کو جو شیخ سلیم چشتی کا پوتا تھا بنگالہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ قطب الدین بنگالہ پہنچ کر کچھ عرصہ بعد بردوان روانہ ہوا اور شیر افگن سے مطلب کہا۔ شیر افگن ظلم و جور رعایا پر کر رہا تھا۔ قطب الدین سے آ کر ملا اور دھوکے سے قطب الدین خاں کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ قطب الدین خاں کے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے چند آدمیوں کو زخمی کر دیا اور خود زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور گھر کا راستہ لیا۔ یہاں تک کہ قطب الدین کے آدمیوں نے پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ الغرض اس عملہ نے جو بنگال میں تھا نور جہاں کو دارالسلطنت روانہ کر دیا اور وہ جلوس کے چھٹے سال حرم میں داخل ہو گئی۔" (تکملہ تزک جہانگیری از محمد ہادی)

پہلے نورمحل اور بعدازاں نورجہاں کا خطاب پایا۔ نورجہاں بیگم عورتوں میں ممتاز اور اکثر صفات میں بے نظیر اور بے مثل تھی۔ اس کی طبیعت موزوں تھی اور اسکے اشعار زبان زد ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہی حکومت کرتی تھی۔ بادشاہ برائے نام تھا۔

کانگڑہ کی فتح

تخت نشینی کے تیرھویں سال کی ابتداء میں شیخ فرید مرتضیٰ خاں میر بخشی کو بہت بھاری فوج کی سرکردگی میں کانگڑہ کے قلعہ کو فتح کرنے پر مقرر کیا اور راجہ سورج کو بھی جو دو ہزاری منصب پر سرفراز تھا، اس کے ہمراہ اس مہم پر مامور کیا۔ راجہ سورج شیخ مذکور کی مخالفت پر آمادہ ہوگیا اور اس سے لڑ پڑا۔ شیخ نے اس کی شکایت بادشاہ سے کی اور راجہ نے شہزادہ خرم سے اس کی شکایت کی۔ اسی دوران شیخ مرتضیٰ کا انتقال ہوگیا۔ راجہ سورج مل کو دربار میں بلاکر شہزادہ کی زیر سرکردگی دکن کی مہم پر مقرر کر دیا اور کانگڑہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج مل نے شہزادہ سے کہا کہ قلعہ کانگڑہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج سے اجازت لے کر ایک بڑی فوج اس کام کیلئے مقرر کر دی اور اپنے بخشی مرزا محمد تقی کو بھی اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ پہاڑوں میں پہنچنے پر اس کا مرزا محمد تقی سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ شہزادہ نے محمد تقی کو بلا لیا اور اس کی جگہ بکرماجیت کو روانہ کیا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر راجہ سورج مل نے بغاوت کر دی اور شہزادہ کی فوج سے لڑ کر سید نقی بارہ کو جو معتمدین میں سے تھا معہ اس کے بھائیوں کے قتل کر دیا۔ اور پٹیالہ اور کلانور کے پرگنوں کو لوٹ لیا۔ اتنے میں جب بکرماجیت اس کے قریب پہنچا تو سورج مل بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ شہزادہ نے بکرماجیت کی تجویز سے راجہ سورج مل کے چھوٹے بھائی جگت سنگھ کو جو بنگال پر چار صدی منصب پر تعینات تھا بلا لیا۔ آنے پر اس کو ہزاری خلعت اور پانچسو سواروں کا منصب اور راجہ کا خطاب عطا کیا اور اس کے موروثی ملک کی طرف روانہ کیا۔ بعدازاں اس کو راجہ بکرماجیت کے ہمراہ کانگڑہ کی مہم پر روانہ کیا۔ یہ بہت پرانا قلعہ ہے اور لاہور کے شمال کی جانب پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اس میں ۲۳ برج اور ۶ دروازے ہیں۔ اس کا اندرونی حصہ ایک کوس اور ۱۵ جریب

ہے۔ بلندی دو کوس دو جریب ہے اور چوڑائی ایک سو چار گز ہے۔ اس کے اندر دو حوض تالاب ہیں۔ اکبر بادشاہ کے وقت تک کوئی بادشاہ اس کو فتح نہ کر سکا۔ الغرض راجہ بکرماجیت نے اس کا محاصرہ کر لیا اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ چار ماہ کے بعد جب بہت زیادہ تنگی ہوئی تو راجہ تلوک چند نے پناہ مانگی اور قلعہ کی کنجیاں حوالے کر دیں۔ شاہی جلوس کے پندرہویں سال مطابق یکم محرم ۱۰۳۱ھ سنیچر کے دن قلعہ فتح ہو گیا۔

شاہجہاں کی بغاوت

شہزادہ خرم ملقب بہ شاہجہاں ۲ھ جلوس جہانگیر بادشاہ میں منصب ہشت ہزاری ذات اور چار ہزار سوار پر سرفراز ہوا۔ اس کے بعد جب ۶ھ جلوس میں شہزادہ کا عقد مرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں پسر اعتماد الدولہ کی بیٹی سے ہوا اور ممتاز محل کا لقب ہوا تو منصب دہ ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد منصب پانزدہ ہزار ذات اور آٹھ ہزار سوار عطا ہوا اور جب مہم ولایت کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو حضور میں لایا۔ منصب بست ہزاری ذات اور دس ہزار سوار اور خرم شاہ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر جب مہم دکن پر متعین ہوا تو شاہ جہان خطاب اور منصب سی ہزاری اور بیس ہزار سوار پا کر ہمیشہ مورد عنایت پدر رہا۔ نور جہاں بیگم بادشاہ کی خاطر سے اور اپنے بھائی آصف خاں کی دلجوئی کے لئے جس کا داماد شاہجہاں تھا مدارج کی زیادتی میں کوشش کرتی رہی۔ اس کے بعد نور جہاں کی لڑکی کی جو شیر افگن کے نطفہ سے تھی جہانگیر بادشاہ کے بھتیجے اور شہزادہ دانیال کے بیٹے سلطان شہریار کے ساتھ شادی ہو گئی اور نور جہاں اُس کی طرفداری کرنے لگی۔ دکن کی مہم کو سر کرنے کے بعد جب شہزادہ شاہجہاں واپس ہوا اور ماندون پہنچا تو اُس نے دھولپور کو اپنی جاگیر میں لینے کی خواہش ظاہر کی اور وہاں پر اپنا کارکن تعینات کر دیا۔ اتفاق سے شاہجہان کی درخواست پہنچنے سے قبل نور جہاں نے اس پرگنے کو سلطان شہریار کی تنخواہ میں جاگیر کے طور پر عنایت کر کے سلطان شہریار کے کارکن شریف الملک نامی کو اس پرگنہ پر مقرر کر دیا۔ دونوں کے کارکن وہاں پہنچے اور لڑ پڑے۔ شریف الملک تیر لگنے کی وجہ سے کانا ہو گیا۔ اس واقعہ سے محل میں ہنگامہ

برپا ہوگا اور بڑے فساد کی صورت اختیار کر لی۔ شہزادہ نے ایک عرضی جس میں بہت زیادہ انکساری اور عاجزی کا اظہار کیا تھا۔ اپنے دیوان افضل خاں کے ہاتھ روانہ کی تاکہ یہ فتنہ اور فساد ختم ہو جائے۔ بدخواہوں نے نور جہاں بیگم کو طرح طرح کی باتیں کر کے آصف خاں سے رنجیدہ کر دیا اور اس پر یہ تہمت لگائی کہ شاہجہاں کی حمایت کرتا ہے اور اس پر آمادہ کیا کہ مہابت خاں کو جو آصف خاں کا دشمن ہے اور شاہجہاں سے بھی خوش نہیں ہے کابل سے بلا کر ان دونوں کو ذلیل کرایا جائے۔ مہابت خاں کو شاہی فرمان جاری ہوئے اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیا۔ آخر میں اُس نے صاف لکھ دیا کہ میرا حاضر خدمت ہونا ناممکن ہے۔ اگر درحقیقت شاہجہان کو ذلیل ہی کرانا منظور ہے تو آصف خاں کو صوبہ بنگال پر تعینات کر دیا جائے تاکہ حضور میں پہنچ کر شاہی حکم کی تعمیل کروں۔ بادشاہ نے آصف خاں کے لڑکے امان اللہ کو تین ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر سرفراز کر کے مہابت کو حکم دیا کہ اس کو کابل میں چھوڑ کر حاضر ہو۔ مہابت خاں حاضر ہو گیا اور شہزادہ شاہجہاں کی جاگیر کے دوآبے وغیرہ کے اضلاع نکال کر سلطان شہریار کی تنخواہ میں بطور جاگیر کے مقرر کر دیئے۔ شاہجہاں اس خبر کے ملتے ہی ماندون سے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہُوا۔

بادشاہ کو جب معلوم ہُوا تو وہ لاہور سے اکبر آباد چل دیا اور ناعاقبت لوگوں کی فتنہ پردازی اور نور جہاں کے ورغلانے سے اپنے اطاعت شعار اور فرماں بردار لڑکے سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا۔ اس عرصہ میں وہ امراء جو شاہجہاں سے خط و کتابت کرتے تھے گرفتار کر لئے گئے اور اُن کے منصب اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ اس مہم کا بندوبست مہابت کے ہاتھ میں تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد فوجیں شاہجہاں کے مقابلے کے لئے مقرر ہوئیں۔ شاہجہاں اکبر آباد پہنچ کر بادشاہ کے بہت جلد پہنچنے کی خبر پا کر کوٹہ میوات روانہ ہو گیا اور وہاں سے خانخاناں کے لڑکے اور راجہ بکرماجیت اور اُن کے علاوہ اپنے دوسرے اُمراء کو شاہی فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ کر کے خود بھی مقابلہ کے تیار ہو گیا۔ دونوں فوجوں کی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شہزادہ کی فوج کو ناکامی ہُوئی اور

بکرماجیت اس میں کام آیا۔ شاہجہان مجبوراً واپس ہُوا اور مانڈون کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ اس فتح کی خبر سُن کر اجمیر چلدیا اور سلطان پرویز مہابت خاں راجہ نرسنگھ دیو بوندیلہ راجہ گنج سنگھ راٹھور، راجہ جے سنگھ اور دوسرے امراء کو جو چالیس ہزار سوار اور فوج پر مشتمل تھے۔ شاہجہاں کے مقابلہ پر روانہ کیا اور اس مہم کا بندوبست مہابت خاں کے ہاتھ میں تھا۔ جب شاہی فوج مانڈون پہنچی تو شاہجہان نے رستم خاں کو اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ میں روانہ کیا مگر رستم خاں مہابت خاں سے مل گیا۔ انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اور شہزادہ دریائے نربدا کو عبور کر کے آسیر پہنچا۔ اس وقت معلوم ہُوا کہ خانخاناں مہابت خاں سے خط و کتابت رکھتا ہے اور بھاگنا چاہتا ہے۔ چنانچہ شہزادہ نے اس کو مع اس کے لڑکے داراب خاں کے قید کر دیا اور سامان وغیرہ چھوڑ کر خود برہان پور روانہ ہُوا۔ شاہجہان مجبوراً برہانپور سے روانہ ہو کر گولکنڈہ اور بندرگاہ مچھلی پٹن کے راستہ سے اڑیسہ اور بنگال کی طرف چلدیا۔ جب بادشاہ کو شہزادہ کے بنگال جانے کا حال معلوم ہُوا تو اُس نے سلطان پرویز اور مہابت خاں کو پٹنہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ خود خانخاناں کو اکبر آباد میں مقرر کر کے کشمیر روانہ ہُوا۔ شاہجہاں نے اڑیسہ اور اُن اطراف میں پہنچنے کے بعد معمولی سی جنگ میں بردوان کا قلعہ فتح کر لیا اور اس کے بعد اکبر نگر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اچھی طرح لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابراہیم خاں صوبہ دار اور دیوان عالم اور دیگر امراء مارے گئے۔ شاہجہاں اس قلعہ کو بھی فتح کر کے ڈھاکہ چلا گیا۔ یہاں پر بہت سا سامان اور نقد ۳ لاکھ روپیہ اُس کے ہاتھ لگا۔

ابراہیم خاں کا بھتیجا احمد بیگ جو ڈھاکہ میں تھا مجبور ہو کر شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ خانخاناں کا لڑکا داراب خاں ابھی مقید تھا۔ شاہجہان نے اس سے قسم کھلوائی اور قید سے آزاد کر کے اس کو بنگال کا صوبہ دار کر دیا اور خود پٹنہ پہنچا۔ وہاں سے عبداللہ خاں اور دریا خاں کو الہ آباد روانہ کیا۔ عبداللہ خاں وہاں پر قابض ہو گیا۔ بنگال کے زمیندار شاہجہاں کو ایک کشتی میں لائے تھے مگر پٹنہ پہنچ کر غائب ہو گئے۔ اس واسطے شاہجہان نے ایک مٹی کا قلعہ جنگل میں بنایا۔ شہزادہ پرویز اور مہابت خاں لشکر کے ساتھ پہنچ گئے اور

کئی دفعہ جنگ ہوئی۔ راجہ بھیم سنگھ جو شاہجہاں کی فوج کا سردار تھا کام آگیا۔ شہزادے کی فوج پسپا ہوگئی۔ اسلحہ خانہ کے داروغہ اور عبداللہ کے علاوہ کوئی شخص شہزادہ کے ساتھ نہ رہا۔ شہزادہ نے مرنے پر کمر باندھ کر گھوڑا اُٹھایا۔ جب یہ زخمی ہُوا تو عبداللہ خاں شہزادے کو گھوڑے کی باگ پکڑ کر نکال لیا اور پٹنہ کی طرف لے گیا۔ جب شاہی فوج پٹنہ کے قریب پہنچی، شاہجہاں اکبرآباد آگیا۔ جب ۱۹؁ جلوس بادشاہ تھا تو مرادبخش پیدا ہُوا۔ یہ اس کو اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ کر بنارس روانہ ہُوا۔ داراب خاں کے لڑکے کو قتل کر دیا اور بنگالہ سے دکن چلا گیا۔ بادشاہ نے شہزادہ پرویز اور داراب خاں کو دکن بھیجا۔

داراب خاں جو بادشاہی لشکر سے مل گیا تھا اُس نے اس کو قتل کر دیا اور خانخاناں مقید ہوگیا۔ شاہجہاں اجمیر چلا گیا اور وہاں توقف کر کے ٹھٹھہ کی طرف آکر ایران کا ارادہ کیا چونکہ ٹھٹھہ میں شریف الملک کا نا شہزادہ شہریار کا نوکر مقیم تھا۔ وہ اس کی خبر سُن کر قلعہ میں بند ہوگیا۔ شہزادہ نے قلعہ گھیر کر چند روز لڑائی لڑی۔ اسی اثناء میں شہزادہ پرویز مر گیا۔ مہابت خاں حضور میں چلا گیا۔ فقط خانجہاں لودھی دکن میں قیام رکھتا تھا۔ پھر دکن گیا۔ مگر راستہ میں ناسک ترنبک میں قیام کیا اور خان جہاں لودھی کے دکن سے خارج کرنے کا ارادہ کیا۔

مہابت خاں کی گستاخی اور آصف خاں کا قید ہونے کا ذکر

مہابت خاں جو نورجہاں اور آصف خاں کے التماس کے بموجب موردِ عتاب ہوگیا اور فدائی خاں حضور سے مامور ہُوا کہ مہابت خاں کو شاہ پرویز سے جُدا کر کے بنگالہ کی طرف روانہ کر دے۔ مہابت خاں اگر راضی نہ ہو تو تنہا حضور میں حاضر ہو اور گجرات سے واپس آکر شہزادہ پرویز کی اتالیقی کے فرائض انجام دے۔ اور جو کچھ روپیہ اور سامان اُس کے ذمہ ہے اس کا مطالبہ کرے۔ مہابت خاں رخصت ہو کر بادشاہ کے حضور میں روانہ ہُوا۔ اُدھر خان جہاں لودھی گجرات سے شہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دریائے سندھ کے کنارے کابل کے سیر و شکار میں مشغول تھا۔ مہابت خاں وہاں پہنچا اور شاہی فوج کے قریب قیام کیا۔ بادشاہ نے عمر نقشبندی کو جو مہابت خاں کا داماد تھا۔ کوڑے لگوائے اور ننگے سر ہاتھ باندھ کر ذلیل کروایا

اور سب کچھ چھین لیا۔ مہابت خاں کے سالے محمد محسن کو گرفتار کر لیا اور اس سے بھی کافی رقم وصول کی۔ مہابت خاں یہ خبریں سُن کر اپنی عزت بچانے کی غرض سے پانچ ہزار سوار جمع کر کے آیا۔ بادشاہ نے اس کو معتوب کر کے پیغام بھیجا کہ جب تک شاہی مطالبات نہ پورے کرے تو سلام کی اجازت نہ ملے گی اور آصف خاں بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر دریا کے اُس پار خود اہل و عیال اور فوج وغیرہ لے کر کشتیوں کے پل سے گزر گیا۔ وہاں خیمہ وغیرہ گاڑے۔ بادشاہ کے خیمہ کے گرد سوائے نوکروں کے کوئی نہیں رہا۔ مہابت خاں چار ہزار سوار لے کر وہاں پہنچا اور پل کو آگ لگا دی تاکہ لوگ آ جا نہ سکیں اور خود دولت خانہ کے دروازہ پر پہنچ کر گھوڑے سے پیادہ پا ہو گیا اور غزل خانہ میں مع سواروں کے پہنچ گیا اور تختہ کو توڑ کر اندر چلا گیا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو پالکی میں بیٹھا۔ مہابت خاں نے پالکی گھیر لی۔ بادشاہ نے دو مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لگایا مگر حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حوصلہ آزمائی کا وقت نہیں ہے۔ مہابت خاں نے عرض کیا کہ خود بدولت گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور غلام رکاب والا میں رہے۔ جب سلطان تھوڑے فاصلہ پر نکل گیا تو مہابت خاں نے عرض کیا کہ ایسی شورش پر ہاتھی پر سوار ہونا صلاحِ دولت ہے مجبوراً ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ خیمہ میں داخل ہوا۔ نور جہاں بیگم دریا کے اُس پار چلی گئی تھی اور لڑائی کی تیاری کر رہی تھی۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جنگ کرنا مصلحت نہیں ہے۔ مگر دوسرے روز آصف خاں اور ابوالحسن نے فوجیں آراستہ کیں اور جنگ کا ارادہ کیا۔ پل کو مہابت خاں نے جلوا دیا تھا۔ آصف خاں کا بیٹا چند لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر گیا۔ آصف خاں دریا کے درمیان میں پہنچا تھا کہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ آصف خاں بھی دریا کے بیچ سے بھاگ آیا۔ بیگم دریا سے پار ہو کر خیمہ میں اُتری۔ آصف خاں معہ اپنے بیٹے اور دو سو آدمیوں کے قلعہ اٹک بنارس میں پہنچا اور قلعہ بند ہو گیا۔ تین دن بعد نور جہاں بیگم بادشاہ کے حضور میں پہنچی۔ بادشاہ مہابت خاں کے ساتھ کابل چلا گیا۔

مہابت خاں جوں ہی اٹک بنارس پہنچا قلعہ کے اندر جا کر آصف خاں وغیرہ کو قید کر دیا۔ راجپوت باغی ہو گئے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کو حکم بھیجا کہ شاہجہاں جو ٹھٹھہ کی

طرف چلا گیا ہے اس کا تعاقب کرے۔ اس اثناء میں شاہجہان ٹھٹھہ سے کوچ کر کے دکن کی طرف لوٹ گیا۔ مہابت خاں بغیر حکم شاہی کے ہندوستان کو چلا۔ اس سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے تو بادشاہ نے عبدالرحیم خانخاناں کو اس پر مقرر کیا۔ خانخاناں اجمیر پہنچا اور مہابت خاں جو اجمیر پہنچا تھا جنگ کی تاب نہ لا سکا اور ملک رانا کے پہاڑوں میں جا چھپا۔

خانخاناں سنہ ۲۱ جلوس شاہی کو فوت ہو گیا۔ مہابت خاں شاہجہاں سے ملا اور جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی خانجہاں لودھی کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا جہاں شاہجہاں سے ایک مدت تک لڑائی رہی۔

بیگمات شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوانداس کی لڑکی سے ہوئی۔ شاہ بیگم خطاب تھا۔ راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جودہ بائی عرف جگت گوسائیں اور بنت خواجہ حسن (صاحب جمال) سے شادی ہوئی۔ راجہ کیشوداس راٹھور، راجہ رائے سنگھ راول بھیم والئ جیسلمیر کی صاحبزادیاں جہانگیر سے منسلک ہوئیں۔ آخر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا نورجہاں حرم میں داخل ہوئی۔

اولاد بادشاہ بیگم سے خسرو اور سلطان النساء، اور صاحب جمال سے پرویز کوہی بیگم سے بہار بیگم اور سلطان نثار بیگم ہوئیں۔ جودہ بائی سے شہزادہ خرم تولد ہوئے۔ دو خواصوں سے جہاندار شاہ اور شہریار تھے۔

وفات جمعہ ۱۰۳۶ھ بعارضہ دمہ جہانگیر نے وفات پائی اور لاہور میں دریائے راوی کے کنارے دفن ہوئے۔

نظامِ سلطنت تختِ حکمرانی پر بیٹھ کر پہلا حکم جو صادر کیا وہ زنجیر عدالت کا آویزاں کرنا تھا جو کہ عدلِ جہانگیری مشہور ہے۔ باپ کے عہد کا جو نظام حکمرانی تھا اس کو برقرار رکھا۔ دینِ الٰہی کی خرافات ختم کی گئیں۔

جہانگیر کے دور میں تعلیمی ترقیاں

جہانگیر نے عربی مدرسوں پر نئے سرے سے توجہ کی۔ اس کے عہدِ حکومت میں

بہت سے ویران مدرسے آباد ہو گئے۔ اُس نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ قانون نافذ کیا کہ جو تاجر کسی غیر دیار میں فوت ہو جائے اور اُس کے وارثوں کا پتہ نہ چل سکے یا شہر ہی کا کوئی ایسا دولت مند وفات پائے جس کے ورثاء موجود نہ ہوں تو اُس کے مال و متاع کو شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے بجائے اُن سے مدرسے اور دوسری مفید عمارتیں تعمیر کردی جائیں۔ خوافی خاں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے :۔

"حکم شد کہ ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود و وارث او حاضر نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند در صورت مفقود الاثر بودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر و احداث مساجد و پل۔ مدرسہ و سرائے نمایند"

ہندوستان میں اس فرمان سے بہ کثرت مدارس قائم ہوئے۔ چنانچہ مصنف تاریخ جام جہاں کا بیان ہے کہ جہانگیر نے پرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے مان بن گئے تھے نئے سرے سے آباد کئے اور اکبر آباد، آگرہ کو اکبر کے زمانہ سے جو تعلیمی اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ اس دور میں باقی رہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالب علمی کا زمانہ جہانگیر کے دورِ حکومت میں گزرا ہے۔ اُنھوں نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں اپنے تحصیلِ علم کی مفصل حالت بیان کی ہے۔ ان کی تحریر سے اس عہد میں دہلی کے ایک اور مدرسے کا پتہ چلتا ہے جس میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے داخل ہوئے تھے۔ اس مدرسہ کو انھوں نے "مدرسہ دہلی" کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان صاحبقراں ثانی

ولادت شاہزادہ خرم (شاہجہان) ۳۰ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ بروز جمعہ بمقام لاہور پیدا ہوا۔ اکبر نے خوشیاں منائیں۔ پوتے کو محل سرا میں خدیجۃ الزمانی رقیہ بیگم کی سپردگی میں دیا۔

شاہزادہ عالی نژاد بلند اقبال محمد خرم کلاں بود نظر بر عنایات و توجہات جد بزرگوار و پدر نامدار کہ نسبت بخسرو در حق آں ثمرہ جاہ و جلال زیادہ بعد دل می برو (منتخب اللباب جلد ۱ صـ۲۲)

تعلیم و تربیت اکبر نے اپنی نگرانی میں تعلیم کا انتظام کیا۔ جب چار برس چار مہینے اور چار روز کا ہوا تو پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ قاسم بیگ تبریزی، حکیم و دائی گیلانی شیخ ابوالخیر (برادر ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ ان باکمال اُستادوں کی زیر نگرانی خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ خطاطی میں بھی مہارت تامہ تھی۔

در جمیع فنون و فضائل و دقائق نکتہ فہمی را باعلیٰ درجات کمال رسانیدہ۔[۱]

جہانگیر کے مرنے کے بعد آصف خاں نے بنارسی داس کو شاہجہان کے پاس بھیجا اور باپ کے مرنے سے آگاہ کر دیا اور نور جہاں کو نظر بند کر کے نگرانی کی کہ اُس کے پاس کوئی شخص آمد و رفت نہ رکھنے پائے۔

شہریار کی نافرمانی نور جہاں اپنے داماد شہریار کو بادشاہ بنوانا چاہتی تھی۔ ادھر شہریار نے اپنی بیوی کے کہنے پر شاہی خزانوں پر

---

[۱] عمل صالح جلد ۱ صفحہ ۳۱۔

دست اندازی کر کے تمام کارخانوں پر قبضہ کر لیا (خزانہ ہاتھی خانہ اسلحہ خانہ وغیرہ جو لاہور میں تھے) شہریار نے بائیسنغر پسر سلطان دانیال کو سردار بنا کر لشکر کو دریائے راوی کے پار اُتار دیا۔ طرفین میں مقابلہ ہُوا اور پہلے ہی حملہ میں ہار گیا۔ شہریار اپنے دو ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے پلٹ کر قلعہ میں آیا۔ رات کے وقت ارادت خاں نے قلعہ میں پہنچ کر اس کو اپنے قابو میں کر لیا۔ صبح ہوتے ہی بڑے بڑے امراء نے داور بخش کو بناوٹی طور پر تخت پر بٹھادیا اور شہریار کی مشکیں کس کر خدمت میں حاضر کیا جس کو دو روز بعد اندھا کر دیا۔ کچھ دن بعد شہزادہ دانیال کے بیٹے طہمورث اور ہوشنگ بھی گرفتار کر لئے گئے۔

ادھر شاہجہاں جو نظام الملک (دکن) کے سرحدی مقام خیبر میں تھا۔ بنارسی کی زبانی خبر سُنتے ہی گجرات کے راستہ دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہُوا اور جان نثار خاں کو فرمان کے جواب میں واپس کر دیا۔ احمد آباد پہنچ کر شاہجہاں نے ماہر خاں کو گجرات کی صوبیداری عنایت کی اور مرزا عیسیٰ خاں کو ٹھٹھہ کی گورنری عطا کی۔

شہریار اور دیگر باغیوں کے متعلق فرمان | خدمت پرست خاں کو آصف خاں کے پاس لاہور بھیجا اور فرمان بھیجا کہ اگر خسرو کے بیٹے داور بخش اور اس کے بھائی شہریار اور دانیال کو ہلاک کر دیں تو یہ امر ملک کی اصلاح کے لئے بہتر ہو گا۔ اس حکم کے بعد شاہجہاں کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ داور بخش کو قید کر دیا اور بدھ کی شب ۱۰۳۷ھ میں داور بخش اور اس کے بھائی گرشاپ شہریار اور طہمورث و ہوشنگ پسران دانیال کو ہلاک کر دیا۔

تخت نشینی | اس وقت شاہجہاں کے سوار ملک رانا کی حدود میں تھے۔ اُس نے سپہ سالار مہابت خاں کی معیت میں اجمیر کے راستے ہو کر اکبر آباد کے باہر باغ نور میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلے روز ہاتھی پر سوار ہو کر اس حویلی میں پہنچا جہاں شہزادگی کے زمانے میں رہتا تھا۔ ۸ رجمادی الثانی ۱۰۳۷ھ پیر کے روز ۳۷ سال دو ماہ کی عمر میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ رسم قلعہ میں ادا ہوئی۔ اور نور جہاں بیگم کے بھائی آصف خاں

کے نام فرمان جاری کیا کہ فوراً مع شہزادوں کے لاہور سے حاضر ہو۔

فرمانبرداروں پر عنایات آصف خاں کو منصب ہشت ہزاری ذات اور دو دو تین تین گھوڑے والے سوار عنایت فرمائے اور بندرگاہ لاہری کو عنایت فرمایا۔ مہابت خاں کو خانخاناں سپہ سالار کا خطاب عطا کیا۔ ہفت ہزاری منصب ملا اور سات ہزار سوار دیئے گئے۔ اجمیر کا صوبیدار بنایا۔ خانجہاں لودی کو باوجود سرکشی کے ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبہ داری پر بحال رکھا۔

پہلا حکم رسم سجدۂ تعظیمی کی ممانعت کی۔ مہابت خاں طرفی کی عرض پر سجدے کی بجائے زمین بوسی کی رسم قرار پائی۔ ملاقات کے وقت سلام کرنے اور چلتے وقت فاتحہ اور دعا کا حکم دیا۔ سلام یعنی ہیئت رکوع اس کی جگہ قرار پایا۔

مشاغل ذاتی صبح صادق سے ایک گھنٹہ پیشتر ضروریات سے فارغ ہوتا اور وضو کر کے نفل اور فرض ادا کرتا۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی۔ ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔

مشاغلِ ملکی امام قلی خاں نے پہلے ہی سال کابل پر لشکر کشی کر دی۔ مقابلہ میں مہابت خاں کو مامور کیا۔ ۱۰۳۸ھ میں نذر محمد خاں نے قلعہ کابل کا دو تین ماہ تک محاصرہ کئے رکھا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ مہابت خاں یہ خبر سن کر سرہند میں رک گیا۔

آصف خاں آصف خاں کو مختلف خلعتیں دے کر وکیل السلطنت کا عہدہ سپرد کیا۔ اس کے بڑے بیٹے شائستہ خاں کو بھی خلعت وغیرہ عنایت کئے۔

۱۰۳۷ھ میں دریا خاں کو معافی دی گئی۔ مرزا رستم صفوی کو بیس ہزار روپیہ پنشن سالانہ عطا کی۔ مہابت خاں کو دکن اور خاندیس کا صوبیدار مقرر کیا۔ اس کے بیٹے خان زمان کو دکن کے انتظام پر مقرر کیا اور خان جہان لودھی کو مالوہ کی صوبیداری عطا کی۔

قاتل ابوالفضل کا حال اسی سال جھجا سنگھ پسر نرسنگھ دیو بندیلہ شیخ ابوالفضل کا قاتل (انتقام کے خطرہ کے) وہم میں پڑ کر بھاگ گیا۔ مہابت خاں کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ جھجا سنگھ جو لڑنے کی طاقت نہ رکھتا

تھا، مہابت خاں کے ذریعہ اپنی خطا کی معافی کا خواستگار ہُوا جو منظور کی گئی۔ اُس نے ایکہزار اشرفی پندرہ لاکھ روپیہ مع چالیس ہاتھیوں کے بطور جرمانہ ادا کئے۔ نظام الملک نے بالا کوٹ کے علاقے ممالکِ محروسہ میں شامل کر دیئے۔

سال دوم مطابق ۱۰۳۸ھ

- بادشاہ کو ایک بار سونے چاندی میں اور چھ بار اجناس غلّہ سے تولا گیا اور فقراء کو تقسیم کیا گیا۔
- جھجا سنگھ نے دوبارہ شرف آداب بجا آوری حاصل کیا۔
- مہابت خاں دہلی کا صوبیدار ہُوا۔
- عید نوروز پر ممتاز محل کا سالانہ دس لاکھ روپیہ مقرر ہُوا۔
- ارادت خاں کو دکن کی طرف داری عطا ہوئی۔
- افضل خاں شیرازی کو وزارت سونپ دی گئی۔

خانجہاں کی پھر بغاوت خانجہاں لودھی جو اپنی ناشائستہ سابقہ حرکت کی بناء پر خائف رہتا تھا اور خدمت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بادشاہ نے اسلام خاں کو اُس کے پاس بھیجا اور حالات دریافت کئے۔ اُس نے امان کا پروانہ بادشاہ کے قلم کا لکھا ہُوا مانگا تاکہ خوف و ہراس دُور ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ دیدیا۔ مگر پھر بھی وہ بدگمان رہا۔ ایک رات بغیر اطلاع اکبر آباد سے نکل بھاگا۔ خواجہ ابوالحسن خان زمان اور دوسرے امراء کو اس کا تعاقب کرنے پر مامور کیا۔ اُن میں سے چند نے بڑی عجلت سے اُس کا پیچھا کیا اور دھولپور کے آس پاس اس کو گھیر لیا اور جنگ ہُوئی۔ خدمت پرست خان مارا گیا اور دوسری جانب حسین و عظمت پسران خانجہاں اس کا داماد اور اُس کے کافی بھروسے کے آدمی مارے گئے۔ خان جہاں اپنے بچے کھچے چند ساتھی اور دو بیٹوں کے ساتھ گھنے جنگل میں گھُس گیا۔ وہاں سے براہ ہوتا ہُوا نظام الملک کی ولایت میں چلا گیا جو اس کے ساتھ روا داری برت رہا تھا۔ بہلول اور سکندر افغان بھاگ کر خانجہان سے آملے۔ بادشاہ نے نظام الملک کے خلاف لشکر روانہ کیا۔

تیسرے سال کے حالات مطابق ۱۰۳۹ھ

شعبان ۱۰۳۹ھ جو جشن نوروز کا دن تھا نواب ممتاز محل کا جیب خرچ بارہ[۱۲] لاکھ مقرر ہوا۔

نظام الملک و خانجہان کی سرکوبی کے لئے روانگی

بادشاہ نے خان جہان لودھی اور نظام الملک کی گوشمالی کے لئے کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کر فوج کے تین[۳] حصے کر دیئے۔ اوّل ارادت خاں صُوبہ دکن دوم راجہ گنج سنگھ، سوم، آصف خاں شائستہ خاں کا بڑا بیٹا ارادت خاں کو اعظم ثانی کا خطاب عطا کیا اور سب کو حکم دیا کہ ارادت خاں کی رائے کے خلاف نہ کریں۔ ۲۶ر رجب کو شہر بُرہان پور میں سب جمع ہُوئے اور دربار روہیلہ بھاگ کر خانجہاں لودھی سے جا ملا۔ شائستہ خاں کی جگہ عبداللہ خاں بہادر کو روانہ کیا۔ اسی دوران میں اعظم خاں کی خانجہاں سے جھڑپ ہوگئی۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کی تلاش میں اعظم خاں کا بیٹا ملتفت خاں دو کوس کے فاصلہ پر رہ گیا۔ خانجہاں بہلول اور مقرب خاں نے اس کو آن لیا اور لڑائی ہوئی جس میں کافی مغل اور راجپوت کام آئے۔ اس دوران یجادو رائے معہ اپنے خاندان کے نظام الملک کے پاس چلا گیا۔ نظام الملک نے اس کو قید کرنا چاہا مگر اُس نے بچنے کی کوشش کی اور دو بیٹوں اور ایک پوتے کے ساتھ مارا گیا۔ باقی رشتہ داروں نے درگاہ شاہجہان میں پناہ لی اور اعظم خاں کی سفارش پر منصب حاصل کئے اور ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ مددِ معاش کے طور پر اُن کو عنایت ہُوا۔

کمال الدین روہیلہ کی بغاوت

کمال الدین خانجہاں کے لکھنے پر پشاور میں آمادہ بغاوت ہُوا۔ اور سعید خاں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جشن وزن قمری منایا گیا۔

اعظم خاں کی کامیاب جنگ

جب مقرب خاں اور بہلول نے جلنا پور سے پاتھری کی طرف رُخ کیا تو اعظم خاں نے اُن کے

بھاگنے کی اطلاع پا کر اُن کا تعاقب کیا۔ خانجہاں مہا گاؤں میں اُن کا منتظر تھا کہ یکایک بادشاہی لشکر آن پہنچا۔ خانجہاں لڑا۔ بہادر خاں زخمی ہُوا۔ ہرداس جھالا مارا گیا۔ اس وقت اعظم خان آپہنچا۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کا بھتیجا گولی سے مارا گیا۔ راجہ پہاڑ سنگھ مارا گیا۔ خانجہاں پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ شاہی امراء اس کو ڈھونڈھ کر واپس آ گئے۔ خان اعظم نے پہلے دولت آباد کا رُخ کیا مگر بوجہ قحط کے دہارو کی طرف گیا تاکہ بہلول اور مقرب خاں کی جڑیں اکھاڑے۔ اسی دوران میں ساہوجی بھوسلہ جو نظام الملک کی ہندو فوج کا سالار تھا شاہی لشکر سے آملا اور سید مظفر اور میر جملہ کو بھی منصبوں پر فائز کیا۔ قلعہ منصور گڑھ باقر خاں صوبیدار اڈیسہ کی کوشش سے فتح ہو گیا۔

چوتھے سال کی حالات مطابق ۱۰۳۰ھ

خانجہاں کا انجام خانجہاں کو نظام الملک کی دوستی پر اعتماد نہ رہا۔ اس لئے مالوہ کا رُخ کیا اور عبداللہ خان بہادر نے جو بھالا گھاٹ میں تھا اُس کا پیچھا کیا۔ ادھر شاہی فوج سید مظفر خاں بارہ عبداللہ خاں سے آملی۔ ممرونج پہنچ کر پتہ چلا کہ عین شہر سے پچاس ہاتھی سرکاری آدمی چھین کر لے گئے ہیں اور خواجہ عبدالباری پسر صفدر خاں شہر کی حفاظت کر رہا ہے۔ غرض خانجہاں بوندیلوں کے ملک میں گھس گیا اور کابھی سے سر اٹھایا۔

بکرماجیت پسر جھجا سنگھ اُن کے تعاقب میں نکلا اور دریا دھیلہ کے پاس جو خانجہاں کے پچھلے دستہ پر تھا جا پہنچا۔ لڑائی ہوئی اور دریا کا کام تمام ہوا اور خانجہاں بھاگ نکلا۔ اس صلہ میں بکرماجیت کو جگراج کا خطاب ملا۔ اس سال میں اعظم خاں کی کوشش سے قلعہ دھارو فتح ہُوا اور نظام الملک کی نانی ملک بدن کے چچا تمن اور سلدا کنبہ چھاؤنی اور قلعہ قبضہ میں آیا جس کا نام فتح آباد رکھا۔ خان جہاں دریا کے مارے جانے پر فرار ہو رہا تھا تو شاہی فوج نے اس کا پیچھا کیا۔ ادھر سے سید مظفر بارہ خانجہاں لودھی کے پاس جا پہنچا اور مقابلہ کیا۔ بہت سے آدمی مرے۔ بادشاہی فوج کی جانب سے عالم خاں کے داماد اور راؤ سیال کے پوتے درگا نے جان دی اور صفدر خاں،

روہیلہ خانجہاں کے دونوں بیٹوں سمیت مع رفیقوں کے مارا گیا۔ خانجہاں پھر بھاگ گیا۔ اس کا گزر کالنجر کی طرف ہُوا۔ وہاں کے حاکم نیاز خاں نے اس کا مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا حسن خاں گرفتار ہو گیا۔ یہاں سے بھی خانجہاں بھاگ نکلا اور ایک تالاب پر پڑاؤ کیا۔ جب سید مظفر آ پہنچا اور اپنے بیٹے عزیز خاں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا اور رائے مل ہلاک ہو گیا۔ اتنے میں عبداللہ خاں فیروز جنگ بھی آ پہنچا اور ان تینوں کے سر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔

دکن میں قحط

اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے دکن گجرات وغیرہ میں قحط پڑ گیا۔ بادشاہ نے ستر لاکھ روپیہ بانٹا اور جاگیرات کا محصول اَسّی ۸۰ کروڑ معاف کر دیا۔

سفیر ایران کی آمد

۱۰ شعبان کو محمد علی بیگ سفیر ایران بُرہان پور میں شرفِ حضور سے مشرف ہُوا اور تین لاکھ کے تحفے پیش کئے اور اپنی طرف سے ۵۰ ہزار کے تحفے پیش کئے۔ بادشاہ نے سفیر کو ۳ لاکھ ۱۶ ہزار نقد اور ایک لاکھ روپیہ کی فیس ادا کی۔

نظام الملک کا انجام

اعظم خاں نے نظام الملکی اور عادل خانی فوجوں کا پیچھا کرنے اور قلعہ سرہند کی فتح کے لئے بہت کوششیں کیں۔ اور اسی کی درخواست پر نظام الملک کے ترک غلام مقرب خاں کو جو اس کے لشکر کا کمانڈر تھا اور نامناسب سلوک سے برگشتہ تھا شاہجہاں کی اطاعت کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر الطاف شاہی کا مستحق ہُوا۔ اس سال ملک عنبر کا بیٹا فتح خاں سپہ سالار نظام الملک رہا۔ اس نے نظام الملک کو قید کیا اور درگاہ شاہی میں اطلاع دی۔ شاہجہاں کو یہ بات ناگوار گزری اور حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دے۔

فتح خاں نے اس حکم کا پتہ چلا کر نظام الملک کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور مشہور کر دیا کہ اپنی موت مر گیا ہے اور اس کی جگہ اس کے دس سال کے لڑکے حسین نامی کو تخت پر بٹھایا۔

دیگر فتح نصیر خاں کی سعی سے قلعہ قندھار جو تلنگانہ کے مشہور قلعوں میں سے ہے فتح ہو گیا۔

ممتاز محل کی وفات اسی سال نواب ممتاز محل کا انتقال ہو گیا اور باغ زین آباد (برہان پور میں) بطور امانت دفن کر دیا۔ کچھ دن بعد اس کی لاش آگرہ میں لائی گئی اور دریائے جمنا کے کنارے سپرد خاک کر دیا اور اس پر بہت بلند مقبرہ تاج محل تعمیر کرایا۔ اس صدمہ میں بادشاہ نے دو سال تک تمام لذتوں خصوصاً ساز نغمہ سننے اور بیش قیمت لباس پہننے سے پرہیز رکھا۔ اس سے چودہ بچے پیدا ہوئے۔ آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں۔

پانچویں سال کے حالات مطابق ۱۰۴۱ھ

اسی سال جشن وزن شمسی بھی ترتیب دیا گیا۔

قلعہ بیجا پور پر حملہ اسی سال عین الدولہ آصف خاں محمد عادل شاہ والئ بیجا پور کو راہِ راست پر لانے کے لئے آصف خاں کی ہمراہی میں فوج عظیم بھیجی۔ آصف خاں نے پہلے قلعہ پالکی کا محاصرہ کیا۔ سید خانجہاں کمند کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا اور ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے نیچے بارود وغیرہ تھی جس میں آگ لگ گئی اور تخت اوپر اڑا اور ایک کھلیان پر آگرا۔ سید مذکور اگرچہ زخمی ہوا مگر بچ گیا۔

اس کے بعد جب قلعہ بیجا پور میں پہنچا تو عادل شاہیوں نے قلعہ میں پناہ لی اور بوجہ کمی غلہ وغیرہ صلح کی درخواست کی۔ مصطفےٰ خاں آصف خاں کے پاس آیا اور یہ طے ہوا کہ عادل شاہ ۴۰ لاکھ روپیہ جواہرات مرصع آلات بھیج کر اطاعت قبول کر لے۔ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جس پر عادل شاہ کی مہر لگوانے کے لئے شاہی سپاہیوں میں سے ایک کے ہمراہ قلعہ کے اندر گئے تو اہل قلعہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آصف خاں نے محاصرہ ترک کر دیا۔ بیجا پور شہر اور قصبات کو لٹوا دیا۔ عین الدولہ بہت ساز و سامان لوٹ کر خاندیس واپس چلا گیا۔ بادشاہ برہان پور سے آگرہ لوٹ آیا۔ ملتفت خاں کو برہان پور کا صوبیدار بنا دیا۔ مہابت خاں دکن میں مقرر ہوا اور آصف خاں کو بموجب حکم دربار میں حاضر ہونا پڑا اور اس نے شرف حضوری حاصل کیا۔

متفرق احوال سال رواں

نذر محمد خاں والیٔ بلخ کا ایلچی حاجی وقاص دربار میں پہنچا اور گھوڑے اونٹ اور بلخ کا دوسرا سامان نذر کیا۔ ممتاز محل کی وفات کے ایک سال بعد سالانہ عرس منعقد کیا اور بہت خیرات کی۔ بندرگاہ ہگلی پرتگیزیوں سے قاسم خاں صوبیدار نے لڑائی کے بعد واپس لی اور اس قوم کے چار ہزار مرد و عورت اسیر ہوئے۔

چھٹے سال کے حالات مطابق ۱۰۴۲ھ

- قلعہ گھاٹا کھیڑی صوبہ مالوہ کے مضافات میں فتح ہوا۔
- شہزادہ دارا شکوہ کی شادی نادرہ بانو بیگم سے ہوئی۔ یہ جہاں آرا بیگم کی بیٹی سلطان مراد کی لڑکی اور سلطان پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ۲۲ روز بعد شہزادہ شجاع کی شادی مرزا رستم صفوی کی لڑکی سے ہوئی۔
- اسی سال میں ۷۶ بت خانے بنارس میں منہدم ہوئے۔
- تربیت خاں کو ہندوستان کے تحفے لے کر بلخ کی سفارت پر بھیجا۔
- فتح خاں پسر ملک عنبر حبشی سپہ سالار دکن طالب امان ہوا۔
- نظام الملک قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔
- فتح خاں کو دو لاکھ روپیہ سالانہ اور خلعت سے سرفراز فرمایا۔
- شہزادہ اورنگ زیب نے مست ہاتھی کے ساتھ جنگ کی۔
- شہزادہ شجاع کو معہ لشکر کے دکن روانہ کیا۔
- یمین الدولہ آصف خاں کے بہنوئی صادق خاں نے دنیا سے کوچ کیا۔

ساتواں سال کے حالات مطابق ۱۰۴۳ھ

- ۲۲ر شعبان ۱۰۴۳ھ کو دار السلطنت آگرہ سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور ۲ر شوال کو لاہور کے دولت خانہ شاہی میں قیام ہوا۔
- ۷ر شوال کو میاں میرؒ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ تسبیح اور سفید عمامہ نذر کیا۔
- ۱۴ر شوال کو لاہور سے کشمیر روانہ ہوئے۔

- ۸ ربیع الثانی کو کشمیر سے لاہور واپس ہوئے۔

آٹھویں سال کے حالات ۱۰۴۴ھ

- ۵ رجمادی الثانیہ ۱۰۴۴ھ کو دارالسلطنت لاہور میں پہنچے۔
- بالاگھاٹ کی صوبیداری خان زماں پسر خانخاناں کے سپرد ہوئی جس کے علاقے یہ ہیں:۔ دولت آباد، احمد نگر، پٹن، مر، جالنا پور، چنیر، سنگمیر اور فتح آباد مع مضافات اور متصل علاقوں کے۔ کچھ حصّہ برار کا اور پورا تلنگانہ۔
- پایان گھاٹ کی صوبیداری خان دوراں کے سپرد کی۔
- اللہ وردی خاں قراول بیگی صوبہ مالوہ کا صوبیدار ہوا۔
- ۷ رجمادی الثانی کو شاہ شجاع نے دکن سے آکر باپ کی قدمبوسی کا شرف پایا اور نسخہ قرآن قلمی ملک شاہ خانم کا لکھا ہوا پیش کیا۔
- ۷ شعبان کو آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔
- ۲۶ رماہ رمضان کو دارا شکوہ کے گھر فرزند پیدا ہوا اور سلیمان شکوہ نام رکھا۔
- ۲ شوال کو آگرہ میں نزول اجلال فرمایا۔ جشنِ نوروز میں تخت طاؤس پر تشریف فرما ہوئے۔
- نجابت خاں نے ولایت سری نگر کشمیر کے سرحدی قلعہ شیر گڑھ کو فتح کیا۔ نیز قلعہ کالپی اور ساتور پر قبضہ کیا اور جب سر دوار سے گزر رہا تھا تو سُنا کہ ایک گروہ نے اس ملک میں داخلہ کا راستہ روک دیا ہے فوراً اُس پر حملہ کر دیا اور اُن میں سے بہت سوں کو قید کر لیا۔ سرگروہ نے اپنا نمائندہ بھیجا اور دس لاکھ روپیہ نذرانہ شاہی اور ایک لاکھ نجابت کے لئے دینا منظور کیا۔ مگر اس شرط پر کہ رقم کے حصول تک وہاں ہی قیام رکھا جائے۔ اس میں یہ چال تھی کہ قیام کی مُدت طویل ہو جانے سے لشکر کا رسد گھٹ جائے گا اور برسات ہونے سے حمل ونقل میں دقت پیدا ہو جائے گی اور شاہی لشکر ٹھہر نہ سکے گا۔ ایسا ہی ہُوا اور بہت فوج کٹی اور کچھ بھُوکے مرے۔ جب یہ واقعہ بادشاہ نے سُنا تو نجابت خاں کو تنزل کر دیا۔

عبدالرحیم خانخاناں کے پوتے مرزا خاں کو اُس کی جگہ سپہ سالار کر دیا۔

- اس سال جھجار سنگھ بندیلہ اور اس کے بیٹے بکرماجیت نے دوبارہ بغاوت کر دی۔ شہزادہ اورنگ زیب کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔
- ۷ ربیع الاوّل کو بادشاہ دولت آباد روانہ ہُوا اور ۵ جمادی الاولیٰ کو بادشاہ موضع باڑی سے دکن کی طرف روانہ ہُوا۔

نویں سال کے حالات ۱۰۴۵ھ

- ۲۵ جمادی الاولیٰ شاہی لشکر نے جھجار سنگھ قاتل شیخ ابوالفضل کے باپ بکرماجیت کے دادا نرسنگھ دیو کے بُت خانے منہدم کر دیئے۔
- قلعہ چنیر سنگمیر ناشک اور ترمک فتح ہوئے۔ ملک گولکنڈہ میں خطبہ و سکہ بادشاہ شاہجہاں کے نام کا جاری ہُوا۔
- دکن کی حکومت شہزہ اورنگ زیب کے سپرد کی گئی۔
- قلعہ اوسہ اور اودے گڑھ فتح ہُوئے۔

دسواں سال کے حالات ۱۰۴۶ھ

- بادشاہ اجمیر گیا اور تالاب اناساگر کے کنارے محل شاہی میں قیام فرمایا۔
- رسوم زیارت ادا کیں۔
- مسجد روضہ کے پیچھے تعمیر کرائی
- اس کے بعد آگرہ واپس آیا
- حسینی ایران کی سفارت پر روانہ ہُوا۔
- شہزادہ اورنگ زیب کی شادی شاہنواز کی لڑکی سے ہوئی۔
- قلعہ بھوجپور اس سال میں فتح ہوا اور تبت کے قلعہ بھی فتح ہُوئے۔

گیارھویں سال کے حالات ۱۰۴۷ھ

- ولایتِ قندھار کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔
- ۱۷ ربیع الثانی کو اکبرآباد (آگرہ) سے دارالحکومت لاہور کی طرف کوچ ہُوا۔

بارھویں سال کے حالات ۱۰۴۸ھ

- علی مردان کو صوبہ کشمیر کی صوبیداری عنایت ہوئی۔
- شائستہ خاں کو پٹنہ کا صوبیدار مقرر کیا۔
- افضل خاں کا ۱۲ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا۔
- شہزادہ شجاع کی شادی اعظم خاں کی لڑکی سے ہوئی۔
- کابل کی طرف کوچ فرمایا۔ ۲۵ ربیع الثانی کو کابل سے لاہور واپس ہوا۔

تیرھویں سال کے حالات ۱۰۴۹ھ

- علی مردان خاں کشمیر اور لاہور کا صوبیدار ہو گیا۔
- ممتاز محل (زوجہ شاہجہاں) نے انہی دنوں پردہ کیا۔
- اسلام خاں عہدۂ وزارت پر فائز ہوا۔
- یکم شعبان کو شاہ شجاع کے ہاں اکبر نگر (بنگال) میں لڑکا پیدا ہوا۔ نام سلطان زین الدین رکھا گیا۔

چودھویں سال کے حالات ۱۰۵۰ھ

- بادشاہ نے سیر کے لئے کشمیر کی طرف اور وہاں سے لاہور کی طرف رُخ کیا۔
- ممتاز محل کی بیٹی بانو بیگم نے انتقال کیا۔
- قلعہ تارا گڑھ فتح ہوا۔
- علی مردان خاں کو کابل کی صوبیداری پر مقرر کیا۔
- کشمیر کا صوبہ شاہ قلی خاں کے سپرد ہوا۔

پندرھویں سال کے سوانح مطابق ۱۰۵۱ھ

- عین الدولہ آصف خاں خانخاناں سپہ سالار اعظم نے استسقا کی بیماری میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے شہر لاہور کے بالکل سامنے واقع ہے۔
- کشمیر میں قحط پڑ گیا۔
- شہزادہ مراد بخش کی شادی شاہنواز صفدی کی نیک بخت لڑکی سے ہوئی۔

سولھویں سال کے واقعات ۱۰۵۲ھ

- ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو روپوؤں میں تلوایا ۔
- شالامار باغ اور نہر اس سال تکمیل کو پہنچی ۔
- اسی سال ممتاز محل کا مقبرہ تاج محل پایۂ تکمیل کو پہنچا جو تقریباً بارہ سال سے مکرمت خاں اور میر عبدالحکیم کے زیر اہتمام تعمیر ہو رہا تھا۔ اس پر ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور پرگنہ حویلی اکبرآباد اور نگر چند کے مضافات میں سے ۳۰ گاؤں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ تھی مقبرہ کے لئے وقف کر دیئے۔

سترھویں سال کے احوال ۱۰۵۳ھ

- شہزادہ اورنگ زیب کا لڑکا جس کا نام معظم خاں رکھا گیا پیدا ہوا۔ انہی دنوں شہزادہ مراد بخش کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینت النساء بیگم رکھا۔
- آگرہ میں وباء پھیلی ہوئی تھی اس لئے بادشاہ نے فتح پور سیکری کے محل میں قیام کیا۔
- شہزادہ دارا شکوہ بیمار ہو گیا اور اس کو صحت ہوئی ۔
- شیخ عبدالصمد سفیر شریف مکہ معظمہ کو طلائی پاندان، عطردان پیالہ اور طلائی سرپوش مع چار ہزار روپیہ نقد عنایت کیا ۔
- بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ حکیم داؤد جو ایران سے آیا تھا اس کو حکیم مسیح الزمان کے ساتھ شریک کر کے علاج کے لئے مقرر کیا اور بہت خیرات وغیرہ کی ۔
- اورنگ زیب نے گوشہ نشینی اختیار کی اور خان دوراں بہادر نصرت جنگ کو مالوہ سے دکن بھیجا ۔
- راجہ گنج سنگھ راٹھور کا بیٹا امر سنگھ بارگاہ میں حاضر ہوا اور شام کو جبکہ صلابت خاں نوکران شاہی میں سے کسی سے بات کر رہا تھا تو اچانک امر سنگھ نے کٹار اُس کے سینہ میں ماری جس سے اُس کا کام تمام ہو گیا۔ خلیل اللہ خاں اور ارجن ولد راجہ بٹھل

داس گوروا اور سید سالار بادھو غیرہ دوڑے اور اس کو مار ڈالا۔

اٹھارہویں سال کے حالات ۱۰۵۴ھ

- اسی سال شاہی علم آگرہ سے لاہور اور وہاں سے کشمیر کی طرف بلند ہوئے۔
- داراشکوہ کے محل میں سلطان پرویز کی لڑکی کے شکم سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سپہر شکوہ رکھا گیا۔

راجہ جے سنگھ دکن کی حفاظت پر مامور ہوا۔

- بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور اسی کی درخواست پر بادشاہ نے اورنگ زیب کو منا کر گوشہ نشینی سے نکالا۔

اُنیسویں سال کے حالات ۱۰۵۵ھ

- اس سال قلعہ گھمرو فتح ہوا۔
- جاں نثار خاں پسر زبردست خاں کو شاہ صفی کی تعزیت اور شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی کی مبارکباد کے لئے ایران بھیجا۔
- دو ماہ بعد کشمیر سے لاہور واپس ہوا۔
- ۲۹ رمضان کو نورجہاں بیگم کا انتقال ہو گیا۔ لاہور میں اپنے بھائی آصف خاں کی قبر کے پاس دفن ہوئی۔
- شہزادہ شجاع کے یہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام زین العابدین تجویز ہوا۔
- چونکہ بادشاہ کو قندھار اور سمرقند کے فتح کرنے کی بہت آرزو تھی اس لئے کابل کی طرف کوچ کیا۔

بیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۶ھ

- اس سال بادشاہ لاہور واپس آیا۔
- شہزادہ مراد بخش کی خطائیں معاف فرما کر سابق منصب عطا کئے۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو بدخشاں اور بلخ کی فتح پر مامور کیا۔
- سعید خاں کو شہزادہ اورنگ زیب کی جگہ گجرات میں تعینات کیا۔

- ستی خانم نے انتقال کیا۔ یہ طالب آملی کی بہن تھی۔ یہ تقرب اور دیرینہ خدمت گاری کے اصول خوب جانتی تھی اور علم قرأت سے بھی واقف تھی بلکہ جہاں بیگم نے اس سے پڑھا تھا۔
- اورنگ زیب یکم جمادی الاولیٰ کو بلخ پہنچا اور وہاں پر اس کو لڑنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی۔

اکیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۷ھ

- مراد بخش صوبہ کشمیر کے انتظام کے لئے روانہ ہوا۔
- اسلام خاں ناظم چار صوبہ دکن نے ۱۴ شوال ۱۰۵۷ھ کو انتقال کیا اور اورنگ آباد میں مدفون ہوا۔
- اورنگ زیب ہندوستان واپس آیا اور بلخ نذر محمد خاں کے پوتے قاسم ولد خسرو کے سپرد کیا۔
- بادشاہ کابل سے لاہور آگئے اور اس کے بعد آگرہ واپس ہوئے۔
- شہزادہ شجاع کابل سے آگرہ آیا اور صوبہ بنگال کی جاگیر اس کو عطا ہوئی۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو ملتان جانے کا حکم دیا۔
- قلعہ شاہ جہان آباد مکمل ہوا اس لئے بادشاہ دہلی کی طرف روانہ ہوا اور ۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ کو بادشاہ دریائے جمنا کے کنارے والے دروازے سے جو شاہ نشین محل کی طرف جاتا ہے داخل ہوا۔
- ایک قندیل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر سید احمد سعید کے ہمراہ بھیجا اور مالِ تجارت گجرات سے بھی بھیجا جو شریف مکہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مستحقین میں تقسیم کیا گیا۔

بائیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۸ھ

- صوبہ گجرات شہزادہ دارا شکوہ کو مرحمت ہوا۔
- باقی بیگ گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔

- اڑیسہ کا صوبہ جان بیگ بردی کو دے دیا گیا۔
- شیخ ابو الفضل کے شاگرد شیخ عبدالمجید لاہوری نے دس سال کے تاریخی واقعات مدون کئے۔
- اس سال بادشاہ لاہور گئے۔
- سرگروہ اعیانِ سلطنت اعظم خاں نے ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔
- شاہ عباس ثانی حاکم ایران نے قلعہ قندھار کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے کابل کا رُخ کیا۔ جو ایرانیوں نے فتح کر لیا۔

تئیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۵۹ھ

- شہزادہ اورنگ زیب نے سید اللہ خاں وزیر کے ہمراہ قندھار پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کیا اور لڑائیاں ہونے کے بعد شہزادہ اورنگ زیب واپس ہو جاتا ہے۔

چوبیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۰ھ

- اس سال بیگم اکبر آبادی محل کی بنوائی ہوئی مسجد کی تکمیل ہوئی۔
- رمضان کے روزے افطار کئے (نہ رکھے) اور ساٹھ ہزار روپیہ فدیہ دیا۔
- عبدالرحمٰن جو ولایت غور کا حکمران تھا سبحان قلی خاں (سردار قلمان) نے اس کو قید کر دیا اور بارگاہِ شاہجہانی میں پہنچایا۔ یہاں اُس نے ملازمت اختیار کر لی۔

پچیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۱ھ

- سلطان روم کا سفیر محی الدین جو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھا آیا۔
- سعید خاں بہادر شاہی خانہ زاد غلام کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ لہراسپ کو مقرر کیا اور کابل کی صوبے داری پر سرفراز کیا۔
- لاہور سے کابل کی طرف قندھار واپس لینے کے خیال سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب کو حکم ملا کہ ملتان سے قندھار روانہ ہو۔

چھبیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۲ھ

- شہزادہ اورنگ زیب نے قندھار پہنچ کر آٹھ دن تک قلعہ فتح کرنے کے

لئے اپنی امکانی کوشش کی۔

- شاہ عباس نے بھی لشکر جمع کیا اور کوچ کیا۔ شہزادہ اورنگ زیب نے یہ خبر پاکر واپسی کا نقارہ بجادیا۔

ستائیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۳ھ

- راج سنگھ ولد رانا جگت سنگھ شہزادہ داراشکوہ سے وعدہ کے مطابق بہت سی فوج لے کر قندھار پہنچا اور قلعہ کے فتح کرنے میں بہت کوشش کی۔ دولت خاں افغان ہندوستانی فوج سے مل گیا۔ شاہِ ایران نے بھی اپنی فوجیں بھیجیں مگر ہندوستانی فوج کو کامیابی نہیں ہوئی۔
- شہزادہ اورنگ زیب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام محمد اعظم رکھا۔
- اس سال ایک مسجد سنگِ مرمر کی مکمل ہوئی۔
- سلطان روم کا سفیر دربار میں آیا۔

اٹھائیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۴ھ

- اس سال فیض آباد اور اجمیر کی طرف بادشاہ گیا۔
- شہزادہ داراشکوہ کو خاص خلعت بخشا۔

انتیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۵ھ

- سید محمد سعید اردستانی جس کا خطاب میر جملہ تھا اور عبداللہ شاہ قطب والیٔ گولکنڈہ (دکن) کا مدار المہام تھا۔ چغل خوروں نے قطب شاہ مذکور کا دل اس کی طرف سے منحرف کرادیا۔ مجبور ہوکر شہزادہ اورنگ زیب کے وسیلہ سے آستانہ شاہجہاں کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ اُس نے ایک حکمنامہ قاضی عارف کشمیری کے ہمراہ صادر کیا کہ میر جملہ کو آنے سے نہ روکے۔

تیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۶ھ

- ۱۲ جمادی الثانی کو سید اللہ خاں وزیر درد قولنج کی بیماری میں بعمر ۵۹ سال قضا کر گیا۔ اس کے بیٹے لطف اللہ خاں کو سات سو ذات ایک سو سوار کا منصب عطا فرمایا۔

قاضی عارف کے پہنچنے سے پہلے قطب شاہ میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو قید کر چکا تھا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا تھا۔ اس لئے دوسرا فرمان محمد امین کی رہائی کے لئے جاری کیا اور اورنگ زیب کو حکم دیا کہ اگر قطب شاہ اطاعت قبول نہ کرے تو اُس کو سزا دینے کے لئے خود جائے اور شائستہ خاں صوبیدار مالوہ اور دوسرے دکن پر تعینات امیروں کو لکھا کہ سب شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اورنگ زیب نے اپنے بڑے لڑکے سلطان محمد کو اس جانب روانہ کیا اور خود بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہُوا۔ قطب شاہ محمد امین اور لواحقین کو سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ اس کا مال واپس نہیں کیا تھا اس لئے سلطان محمد نے حیدر آباد کا رُخ کیا۔ قطب شاہ خوف سے قلعہ میں بند ہو گیا اور محمد ناصر کو جواہرات کا صندوقچہ دے کر بھیج دیا۔ اُس نے کچھ گستاخی سلطان محمد کے حق میں کی۔ جس کی بناء پر اس کو قید کر لیا اور حیدر آباد میں داخل ہو گئے۔ بہت سا سامان لُوٹ کر جمع کیا۔

ادھر سے شہزادہ اورنگ زیب قلعہ گولکنڈہ کی طرف روانہ ہُوا اور قلعہ سے ایک میل فاصلہ پر پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج بھی آ پہنچی اور لڑائی ہوئی جس میں بہت سے دکنی مارے گئے۔ قطب شاہ نے گذشتہ سالوں اور سال رواں کی رقوم نذرانہ ادا کیں اور سلطان محمد سے اپنی بیٹی کے رشتہ کی بات چیت شروع کی اور اسی سال عقد نکاح ہو گیا۔

- اسی سال جامع مسجد دہلی جس کی بنیاد ۱۰۶۰ھ میں رکھی گئی تھی پایۂ تکمیل کو پہنچی اس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہُوا۔
- معظم خاں کا بیٹا میر محمد امین جو بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے بُرہانپور میں رُکا ہُوا تھا، آستانہ سلطنت پہنچا اور خلعت اور خان کے خطاب سے سرفراز ہُوا۔
- عادل شاہ والیٔ بیجاپور کا ۲۶ محرم کو انتقال ہو گیا اور غلام نے اپنے متبنیٰ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب اور دیگر امراء کو حکم ہُوا کہ ان مقامات

پر قبضہ کر لیں۔

- دہلی میں طاعون پھیلنے کی وجہ سے بادشاہ نے ۴ ربیع الاوّل کو گنگا کے کنارہ پر گڑھ مکتیشر میں سیر و شکار کھیلنے کی طرف توجہ فرمائی اور ۲۵ ماہ مذکور کو دہلی واپس آیا۔
- رستم خاں بہادر جنگ کو صوبہ کابل کے انتظامات پر لگایا۔

اکتیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۷ھ

- اس سال بادشاہی لشکر شہر فیض آباد (کشمیر) کی طرف روانہ ہوا اور اس کے بسانے اور تعمیر کا کام حسن بیگ خاں کے اہتمام سے پانچ لاکھ روپیہ سے انجام پایا۔ اور سید مظفر بارھہ اس کی نگرانی کے لئے مقرر ہوا جو پہلے سری نگر کے زمیندار کے متعلق تھا اور کچھ عرصہ سے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا تھا۔ زمیندار نے ڈر کر نذرانہ ادا کر کے اپنی عزت بچائی۔ جموں کا راجہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ ایک مہینہ وہاں رہ کر دہلی واپس ۲ رجب کو آ گئے۔
- علی مردان خاں معتمد سلطنت کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے بڑے بیٹے ابراہیم خاں اس کے بھائیوں اور رفیقوں کو درجہ کے موافق منصب عطا کیا۔
- اس زمانے میں قلعہ بیدر کی فتح، حبشیوں کی تنبیہ اور قلعہ کلیان کی تسخیر عمل میں آئی۔
- ولایات بیدر مع اس کے مضافاتی علاقوں کے اور قلعہ رام گڑھ اور رنگ زیب کو بطور انعام مرحمت فرمایا اور تنخواہ سالانہ تین کروڑ روپیہ ہو گئی۔
- بیدر کا نام ظفر آباد رکھا۔ جب عادل شاہ اور دوسرے سرکشوں کو یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کچھ چارہ نہیں تو یہ طے کیا کہ قلعہ پرینڈہ مع تمام متعلقات اور ملک دکن کے قلعے اور دیگر متعلقہ مقامات قبضہ میں دیدیں۔
- اس سال بادشاہ کو پیشاب رُک جانے کی بیماری لاحق ہوئی۔
- تمام ممالک محروسہ میں اس سال زکوٰۃ معاف کر دی۔

- شہزادہ دارا شکوہ کا منصب زیادہ ہُوا اور تنخواہ میں بھی اضافہ ہُوا۔
- ۱۲ ذی الحجہ کو اورنگ زیب کے یہاں شہزادہ محمد اکبر پیدا ہُوا۔
- معظم خاں کو شہزادہ اورنگ زیب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وزارت سے معزول کیا۔
- رائے رایان کو امورِ وزارت پر مامور کر دیا۔
- شہزادہ دارا شکوہ نے بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے کاروبارِ سلطنت کیا اور آگرہ تشریف لے جانے کی بادشاہ کو تحریک کی۔
- ۸ محرم ۱۰۶۸ھ بذریعۂ کشتی (براہ جمنا) آگرہ روانہ ہُوا۔ ۸ صفر کو گھاٹ سامی کی عمارت میں پہنچ کر نو روز تک یہاں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر بیماری میں تخفیف ہو گئی۔ دو مہینے نو دن میں بغیر دوا کے کھل کر پیشاب آنے لگا۔
- ۱۹ ربیع الاول کو شہزادہ دارا شکوہ کے مکان میں تشریف لائے۔
- دل رس بانو بیگم جو شہزادہ اورنگ زیب کے نکاح میں تھی انتقال کر گئی۔
- دارا شکوہ کو صوبہ بہار مرحمت ہُوا اور منصب اور روپیہ کے انعام مرحمت ہوئے۔
- جعفر خاں وزارت عظمٰی کی خدمت سے سرفراز ہُوا۔
- ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔
- شہزادہ شجاع بنگال سے ایک بھاری لشکر کے ساتھ اکبر آباد پر چڑھائی کے ارادہ سے روانہ ہُوا اس لئے سلیمان شکوہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کے ساتھ لشکر روانہ کیا تاکہ اُس کو سزا دی جائے۔
- مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کو منصب بڑھا کر اور انعام وغیرہ دے کر مالوہ کی صوبیداری پر لگایا اور شہزادہ اورنگ زیب کی مخالفت سے روک دیا۔
- یکم ربیع الثانی کو بادشاہ قلعہ آگرہ میں اپنے محل میں تشریف لے آئے۔
- گجرات میں شہزادہ مراد بخش نے بادشاہ کی بیماری کا حال سُن کر سکہ اور خُطبہ اپنے نام کا جاری کر دیا اور شاہی دیوان سید علی نقی کو قتل کر دیا۔

شجاع کے بجائے قاسم خاں کو احمد آباد کا گورنر بنا کر روانہ کیا۔
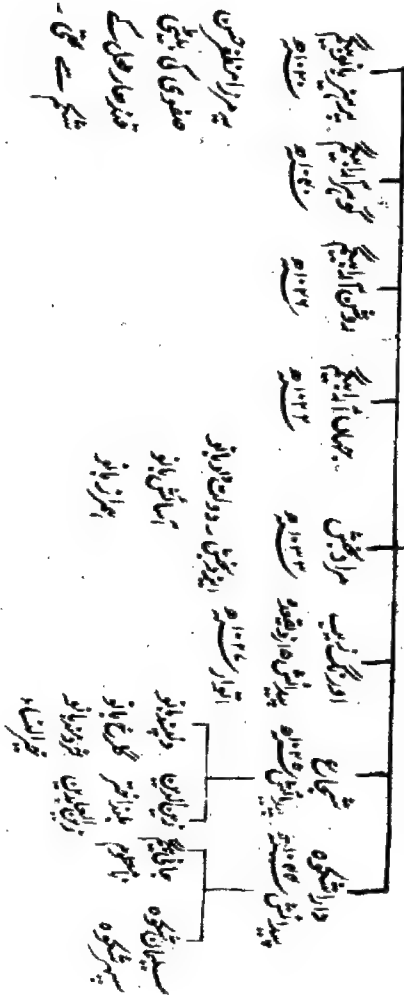
شاہجہاں کے دور کی تعلیمی ترقیاں

شاہجہاں کے عہد میں لاہور، احمد آباد، دہلی اور جون پور علم و تعلیم کے ایسے مرکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات اور بدخشاں سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لئے ہندوستان آتے تھے اس عہد میں باکمالوں کی مسند درس کو شہرتِ عام حاصل تھی۔ ان کے مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایشیا میں مشہور تھے۔ لاہور میں مُلّا محمد یوسف اور مُلّا جمال لاہوری کو شہرت حاصل تھی۔ مُلّا محمد فاضل بدخشانی نوعمری میں تحصیلِ علم کے لئے کابل آئے اور مُلّا صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے توران پہنچے اور مُلّا مرزا جان شیرازی کے درس میں شریک ہُوئے۔ اس کے بعد علم کی مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور یہاں عقلی علوم کی تحصیل مُلّا محمد یوسف سے کی جنہیں عبدالحمید مصنف بادشاہ نامہ نے "سرآمدہ اساتذہ زماں" کے لقب سے یاد کیا ہے اور نقلی و شرعی علوم و تفسیر و اصول کی تعلیم مُلّا جمال لاہوری سے جنہیں عربیت میں "یگانۂ روزگار" کہا گیا ہے، حاصل کی۔ اسی طرح مُلّا عبداللطیف سلطانپوری مُلّا جمال لاہوری کے شاگرد تھے اور عقلی و نقلی دونوں علوم میں دستگاہ رکھتے تھے اور خصوصاً پڑھانے کا طرز نہایت پسندیدہ اور دلنشین تھا۔

اس زمانہ میں لاہور کے ایک دُوسرے مشہور استاد مُلّا عبدالسلام دیوی تھے انہیں معقول و منقول و ادب سب میں دسترس حاصل تھی۔ تقریباً ساٹھ سال درس و تدریس کی خدمت میں مصروف رہے۔ شاہجہاں نے اُن کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ملا میرک عنفوانِ شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور مُلّا عبدالسلام کے شاگردوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ ملا خواجہ بہاری بھی عنفوانِ شباب میں اپنے والد ملا سعد پٹنوی سے علوم کی تحصیل کرنے کے بعد مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر دربارِ سلطانی سے وابستہ ہُوئے۔

سیالکوٹ میں مُلّا کمال کشمیری کی مسندِ درس قائم تھی معقولات کے مشہور فاضل مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی انہی کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ تھے۔ شاہجہاں نے ان کی مدد معاش

کا معقول انتظام کیا اور انہوں نے اپنی مشہور تصانیف اُس کے نام سے معنون کیں ۔

مُلا عبدالحکیم کے بعد اُن کے صاحبزادے اپنے والد کی مسندِ درس پر بیٹھے۔ مُلا محمد فاضل جن کا تذکرہ اُوپر گذر چکا ہے لاہور سے عقلی و نقلی علوم کی تحصیل کے بعد دارالسلطنت دِلّی پہنچے ۔ ابتداءً عہدۂ قضا پر مامور رہے۔ پھر دلّی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، شاہجہانی دربار سے اُن کا بھی معقول وظیفہ جاری تھا۔

تھانیسر (پنجاب) میں ایک مدرسہ شیخ چلّی کے نام سے مشہور تھا۔ اُسے داراشکوہ نے سنہ ۱۰۶۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ سکھوں کے زمانہ میں اس عمارت میں گرنتھ رکھا گیا اور اُس کے قریب جو شیخ چلّی کی درسگاہ تھی اُسے گردوارہ بنا دیا گیا ۔

مُلا عبداللہ کی مسندِ درس اسی زمانہ میں شہر بہار میں بچھی ہوئی تھی۔ اُن کے صاحبزادے مُلا محی الدین معروف بہ مُلا موہن بہاری نے اس مدرسہ میں ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی اور اسی مدرسہ میں درس و تدریس کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر شاہجہان کی ملازمت کر لی۔ شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ پھر وطن میں قیام اختیار کیا اور ۸۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مسندِ درس شاہ جہاں کے ہی عہد میں قائم ہوئی۔ احمد آباد گجرات میں میر محمد ہاشم درس و تدریس میں مشغول تھے، خصوصاً علم طب میں شہرت حاصل کی ۔ شاہجہاں نے ان کا وظیفہ جاری کیا۔ پھر شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کے لئے دلّی بلائے گئے ۔

شاہجہاں نے "مسجد اکبر آبادی" کے نام سے ایک مسجد سنہ ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کرائی اور اُس سے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں طالب علموں کے وظیفے بھی مقرر کئے گئے۔ سرسیّد مرحوم نے اس شکستہ حال مسجد کا کتبہ نقل کیا ہے جس میں یہ عبارت بھی ہے :-

"اگر بہ مرمت ایں اکنہ احتیاج افتد آنچہ از حاصل ایں موقوف بعد الترمیم باقیماند بہ خدمت مسجد و حمام طالب علم رسانند والاتمام را طامعہ سطور بہ دہند"[1]

---

[1] عہدِ اسلامی کا ہندوستان ۔

شاہجہانی عہد میں مُلا عبدالوہاب بن بُرہان الدین نبیرہ خواجہ یعقوب چرخی جو بڑے صاحبِ فضل و کمال تھے۔ زبدۃ الفقہا جن کی تصنیف ہے انہوں نے قلعہ دلاور مضافات ملتان میں مدرسہ قائم کیا اور خود درس دیتے تھے[۱]

نومسلموں کی تعلیم کا انتظام

اکبری دَور میں ہندو مسلموں کی باہمی شادی کا زیادہ رواج ہو گیا تھا مُسلمان لڑکیاں ہندوؤں کے عقد میں چلی گئی تھیں۔ اسلامی شریعت کی رُو سے ایسے نکاح صحیح نہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے شاہجہاں نے اُن کے شوہروں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں یا تبدیلِ مذہب کرلیں۔ ایسے بہت سے شوہروں نے تبدیلِ مذہب کو ترجیح دی۔ اس طرح نومسلموں کی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی۔ اس تحریک کا بانی جوکھو نام کا ایک زمیندار تھا۔ وہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ شاہجہاں نے ایسے نومسلموں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا اور اُن کے لئے معلم مقرر کر دیئے تھے[۲]

نیز فوج میں مختلف ملکوں کے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے۔ ان سے ملک کے گوشہ گوشہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیلی۔[۳]

---

[۱] خزینۃ العلماء قلمی صفحہ ۱۲ [۲] عہدِ اسلامی کا ہندوستان۔

[۳] عہدِ اسلامی کا ہندوستان۔

شہنشاہ ابو المظفر محی الدین
محمد اورنگ زیب عالمگیر

حضرت اورنگ زیب صاحبقراں اعظم شہاب الدین شاہجہاں کے تیسرے لڑکے تھے جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ دوحد (مالوہ) میں ممتاز محل دختر آصف جاہ مشہور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی کے بطن سے تولد ہوئے۔

جہانگیر نے شاہجہان کی بے عنوانی پر بطور یرغمال دارا شکوہ اور اُس کے چار برس کے بچے کو اپنے پاس رکھا۔ زیر نگرانی نور جہاں ان دونوں کی تربیت ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر خلد بریں کو سدھارے۔ شاہجہاں تختِ سلطنت پر بیٹھے۔ یہ دونوں پانچ سال بعد اپنے ماموں آصف جاہ کے ہمراہ لاہور سے آگرہ باپ کے پاس آگئے۔

تعلیم بقول مولانا فضل امام خیر آبادی ملا ابو الواعظ ہرگامی سے ابتدائی تعلیم کے منازل طے کئے[1] علم و ادب مولوی سید محمد قنوجی سے حاصل کیا[2]۔ مولانا عبد اللطیف سلطان پوری، ملا محی الدین بہاری۔ ملا جیون[3] شیخ عبد القوی۔ دانشمند خاں[4] اور علامہ سعد اللہ خاں کی شاگردی کی۔ بعد تحصیلِ علم ہر قسم کے عیش و آرام کو ترک کر کے کتب خانہ میں وقت صرف ہوتا تھا۔ کتب بینی سے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل ہو گئی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے:۔

در قبلہ عالم کے کمالات کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علوم دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے۔ جہاں پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات شیخ شرف الدین منیری کے منظومات اور شیخ شمس الدین و قطب الدین محی الدین

---

[1] آمد نامہ میگزین ہوسٹاریکل سوسائٹی [2] مآثر عالمگیری ص ۱۲۵

[3] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۵ [4] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۳۲

شیرازی کے رسائل سے خاص شوق تھا اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں''۔ [1]

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھے۔ ۴۵ سال کی عمر میں کلام پاک ایک سال میں حفظ کر لیا۔ فن خطاطی سید علی خاں حسینی جواہر رقم اور عبدالباقی حداد سے سیکھا۔

مراۃ العالم میں ہے:-

''در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ''۔

عہدِ شہزادگی

عہدِ شہزادگی میں یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ایک کام کی خود نگرانی رکھتے تھے۔ شہر کی خبروں سے باخبر۔ باہر کے آنے جانے والوں پر جاسوس لگائے رہتے تھے۔ بازار کی ہر جنس کا نرخنامہ روزانہ اپنے پاس منگواتے۔ مختلف اوضاع کے لوگوں کے مذاق دریافت کرتے افسران فوج کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے عادات و اطوار اور نیز قیافہ ظاہری کے باعث خواہ مخواہ ایک بڑے اُونچے درجے کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ عقیل، دور اندیش، جری، مستقل مزاج اور سب سے زیادہ یہ کہ بڑے محنتی اور بیحد جفاکش تھے۔

بہادری

چودہ سال کی عمر تھی۔ شاہجہاں قلعہ آگرہ کے جھروکے سے مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ شہزادے گھوڑوں پر معروف نظارہ تھے۔ اورنگ زیب محویت کے عالم میں ہاتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ اُن پر ایک ہاتھی حملہ آور ہوا۔ شہزادے نے پیچھے ہٹنے کی بجائے نیزے سے ہاتھی کی پیشانی کو زخمی کیا۔ بادشاہ معہ تماشائیوں کے بے قرار ہو گئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی مگر وہ ہٹنے کی بجائے اور خشمناک ہو کر شہزادے پر گرا۔ وہ گھوڑے سے نیچے آ رہے۔ مگر مردانہ وار اُٹھ کر تلوار سے مقابلہ کیا۔ شہزادہ شجاع بھائی کے بچانے کے لئے بڑھا مگر اس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ بھی نیچے آ رہا۔ اس اثناء میں ہاتھی اپنے مدِمقابل کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرح اُن کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرطِ محبت سے سینے سے لپٹ لیا۔ اُن دونوں کو اشرفیوں سے تولا اور غرباء میں تقسیم کی گئیں۔

---

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۴۸۸۔

قدردانی علماء

عالمگیر علماء و فضلاء کے قدردان تھے۔ مُلّا عبداللہ سیالکوٹی کے علم و عقل کا شہرہ سُن کر بادشاہ نے اُن کو دورانِ اقامت اجمیر خود خط لکھ کر خدمتِ صدارت تفویض کرنے کے لئے بُلایا۔ اُنھوں نے لکھا اب فراق کا وقت ہے نہ کہ تحصیل شہرت کا۔ بہرحال حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اجمیر پہنچے۔ بادشاہ چند روز اُن کے ساتھ صحبت گزیں رہے۔ حضرت خواجہ کی زیارت سے مستفیض ہو چکنے کے بعد وطن جانے کی رخصت حاصل کی اور راہ میں اصلی وطن رخصت ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن کے چاروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔

ایک دفعہ عالمگیر میاں عبداللطیف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سو مواضع آپ کی خانقاہ کے مصارف کے لئے مقرر کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا ؎

شاہ ما را دہ ولا منت نہد — رازق ما رزق بے منت دہد

عالمگیر نے عرض کیا آپ کا فرمانا بجا ہے مگر اہل اللہ کی خدمت خیر و برکت کے ازدیاد کے لئے کی جاتی ہے۔ میاں صاحب نے کہا نیت بخیر ہے تو جو کچھ رعایا سے غلہ لیتے ہو اُس سے نصف کم لو۔ محنت کش مزدوروں سے اس سے بھی کم وصول کرو اور متوکل لوگوں کو وظیفے دو۔ مظلوموں کی دادرسی کرو، کسی کا حق تلف نہ ہونے دو۔ پھر دیکھو کہ دولت اور نعمت میں کیسی ترقی ہوتی ہے۔

بزرگانِ دین سے عقیدت

عالمگیر علماء اور صوفیاء سے بڑی حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳ محرم ۱۰۵۰ھ کو ایک پہر رات گزرے باغِ حیات بخش کی راہ میں جہاں شیخ سیف الدین سرہندی کا مسکن تھا۔ ان کے مکان پر اورنگ زیب پہنچے اور ایک گھڑی اُن سے سلوک و معرفت کی باتیں کیں اور شیخ کے اقرباء کی معاونت کی اور اُن کو دربار سے منسلک کیا اور مکان لوٹ آئے۔

مزارات پر حاضری

ہمایوں اور شیخ نظام الدین اولیاء و خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزارات پر حاضری دی۔ ہر سہ مقامات کے خدام کو انعام و اکرام سے نوازا۔ دلّی سے آگرہ ۱۷ رجب ۱۰۸۱ھ کو گئے۔ تاج محل میں

حاضر ہو کر ماں باپ کے مزارات کی زیارت کی اور ۵۴ ہزار روپیہ خادموں کو عطا کیا۔ آگرہ سے دلی رخصت ہوئے۔ شکار کھیلتے ہوئے یکم شعبان ۱۰۸۲ھ کو خضر آباد پہنچے اور ۴ رمارچ کو خواجہ بختیار کاکی اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ طواف کر کے خدام کو ڈیڑھ ہزار روپیہ انعام دیا۔ پھر دولت سرا میں داخل ہوئے۔

جنگ میں شرکت اس کے بعد بندیلیوں کی جنگ میں شرکت کر کے خوب دادِ شجاعت لی۔ پھر پنجاب میں صوبیدار بنا۔ قندھار اور بدخشاں میں جوہرِ مردانگی دکھائے۔

اورنگ زیب بدخشاں میں ازبکوں سے لڑ رہے تھے۔ پتھروں کی بارش ہو رہی تھی، تلواریں چمک رہی تھیں۔ عین اُس کشت وخون میں نماز کا وقت آگیا۔ میدانِ جنگ میں نیت باندھ کر خدا کی عبادت میں لگ گئے۔ ازبکوں کے سردار عبدالعزیز خاں نے پچیس ۲۵ چھبیس ۲۶ سال کے جوان کی یہ شانِ اسلامیت دیکھی تو وہ مبہوت ہو گیا۔ اُسی وقت اپنے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیا اور کہا کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ اس کے بعد سیاسی جنگ کچھ دن کے لئے ترک کر دی تھی، بعد میں دکن کے صوبہ دار بن گئے۔

سوانحات ۱۰۶۷ھ میں شاہجہاں بعمر ۶۷ سال سخت علیل ہوا۔ لوگوں کو زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس وقت بسبب ولیعہدی کے داراشکوہ اس کے پاس تھا اور شجاع بنگالہ کا، داور بخش گجرات کا اور اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار تھا۔ باوجودیکہ داراشکوہ نے خبرِ علالتِ بادشاہ کو چھپانا چاہا مگر سب کے پاس پہنچ گئی۔ شجاع بنگالہ سے چل پڑا۔ مگر بنارس کے پاس داراشکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ سے شکست کھا کر واپس گیا۔ اورنگ زیب نے نقل وحرکت شروع کی۔ داور بخش کو بھی ساتھ لیا۔ ادھر سے داراشکوہ کے لشکر نے اُجین میں جا کر روکا۔ مگر سردار فوج راجہ جسونت سنگھ کے شکست کھانے سے شہزادوں کا لشکر آگے بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ آگرہ ایک منزل کے تفاوت سے رہ گیا۔ اسی جگہ داراشکوہ ایک لاکھ سوار جرار اپنے ساتھ لے کر خود میدانِ جنگ میں

آیا اور مقابلہ کیا۔

ادھر راجپوت جانیں توڑ کر لڑ رہے تھے اور ادھر اورنگ زیب اپنے سپاہیوں کی جرأت کو "اللہ معکم" کے نعرے مار مار کر بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے راجہ جسونت سنگھ نے مراد پر حملہ کیا۔ مراد نے اس کا بھالا تلوار پر روک کر ایک ہی تبر سے مار ڈالا۔ راجہ روپ سنگھ اورنگ زیب کے ہاتھی کا ہودج کا رستہ کاٹنے میں قتل ہوا۔

ہاتھی کے زخمی ہونے کے باعث داراشکوہ کو نیچے اترنا پڑا۔ راجپوت ایک جانب کھیت ہو ہی رہے تھے۔ داراشکوہ کی نظر سے غائب ہوتے ہی سب کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی کا نتیجہ برعکس نکلا۔ یہ رنگ دیکھ کر داراشکوہ فرار ہو گیا اور شرم سے باپ کے سامنے نہ گیا۔ بیگم اور لڑکوں کو لے کر سیدھا لاہور روانہ ہو گیا اور پھرتا پھرا۔ اورنگ زیب نے آگرہ پر تسلط کیا۔ باپ معزول ہو کر نظر بند ہوئے۔ خود ۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ ۱۰۶۹ھ میں رسم تخت نشینی ادا کی خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا۔ جشن نوروزی ماہ رمضان میں مقرر کیا اور "جشن نشاط افروز" نام رکھا۔ محصول راہداری اور تمام اجناس کا ہمیشہ کے لئے معاف کیا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ خیرات کے لئے، ۶ لاکھ ۳۰ ہزار کے تحفے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ارسال کئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار کی لاگت سے قلعہ میں سنگ مرمر کی مسجد تعمیر کرائی۔ قلمرو میں غرباء کے لئے لنگر خانے کھلوائے گئے۔

ادھر داراشکوہ شکست خوردہ اپنے خادم اجودھن کے حاکم ملک جیون خاں کے پاس پہنچا۔ اس نمک حرام نے دھوکے سے گرفتار کیا اور دہلی لایا گیا۔ مجرم قرار دے کر قتل کیا گیا اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ گرفتار کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد مراد بخش بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد آٹھ سال نظر بند رہ کر ۱۶۶۶ء میں شاہجہاں نے دنیا کو خیرباد کہا۔ ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۱ھ سے دکن کی طول وطویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے عالمگیر کو بقیہ عمر کے چھبیس سالوں میں مطلق فرصت نہ ملی۔ بیجاپور کو ۱۶۸۶ء میں گولکنڈہ کو ۱۶۸۷ء میں فتح کر کے عادل و قطب شاہیہ سلطنتوں

کو زیرنگین لے آئے لیکن مرہٹہ طاقت زیر سرکردگی سیواجی جس کا پیشہ رہزنی تھا۔ ابوالحسن تاناشاہ کی اعانت سے روز بروز برسرِ عروج ہونے لگی۔

عالمگیر کا اکبر سے زیادہ تمام ہندوستان پر کامل تسلط ہو گیا۔ سلطنت نہایت عروج پر تھی۔ مشرق میں تمام بنگال مع گرد و نواح کے داخل عملداری تھا اور مغرب میں پنجاب اور افغانستان کے علاوہ کشمیر کے اس پار چھوٹا تبت تک شامل ہند تھا۔

اصلاحاتِ ملکی محکمہ احتساب بسرکردگی ملا عیوض وجیہ اور شیخا میاں گوپالوی محتسب اُجین وغیرہ قائم کیا گیا۔ مسکرات کا استعمال موقوف ہُوا۔ اور اُس کی آمدنی ناجائز قرار دی گئی۔ شرعی وکیل ممالک محروسہ میں شامل کئے گئے۔ پرچہ نویسی کا باضابطہ اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ رقص و سرود خلافِ شرع رسوم وغیرہ قطعاً بند کر دی گئیں۔ راستہ و سڑکیں محفوظ کی گئیں کہ رہزن مسافروں کو پریشان نہ کر سکیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ محتاجوں کو مقرر کیا گیا۔ ہیجڑا بنانے کی رسم حکماً بند کر دی گئی۔ شیو ناتھ کے مندر کاشی میں جو براہم کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ منہدم کئے گئے۔ اس کے بعد عالمگیر نے اپنے میر منشی رائے چندر بھان کی سفارش سے بعد حکم دینے انہدام مندر بنارس کے یہ فرمان جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ آئندہ کے لئے ممانعت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر بجائے اُس کے مسجد تعمیر نہ ہو۔

بنارس کے مندر کے پجاریوں کے متعلق فرمان اورنگ زیب :-

فرمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

منشور لامع النور اورنگ زیب شاہ بہادر غازی محمد اورنگ زیب شاہ بہادر غازی ابن صاحبقراں ثانی لائق العنایۃ والرحمۃ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بودہ بداند کہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمت والا نہمت و تمامی ست حق طوبت مابر رفاہیت جمہور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام معروفیت و از روئے شرع شریف و ملت

منیف مقررہ چنیں است کہ دیدہا و برہمن برانداخت نشود و بتکدہ ہا تازہ بنا نیابد و دریں ایام معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع اعلیٰ رسید کہ بعض مردم از راہ عنت و تعدی بہ ہنود سکنہ قصبہ بنارس و برخے امکنہ دیگر کہ نواحی آں واقعیت وجماعۃ برہمناں سدنہ آں محال کہ سدانت بت خانہ ہائے قدیم کہ آنجا بانہا تعلق دارد مزاحم و متعرض می شوند و می خواہند کہ ایناں را از سدانت آں کہ از مدتِ مدید بایشاں متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقہ حال ایں گروہ می گیرد و لہٰذا حکم والا صادر شود کہ بعد از ورودِ ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمناں و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نہ رساند تا آنہا بدستور ایام بلیش بجا و مقام خود بودہ بہ جمعیت خاطر بدعاء بقائے دولت خداداد ابد مدت ازل بنیاد قیام نمایند۔ دریں باب تاریخ دارند۔

بتاریخ ۱۵ ر شہر جمادی الثانیہ ۱۰۶۹ھ۔

مفاد منشور

ابوالحسن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ التفات کے امیدوار کو جاننا چاہیئے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکارم جبلی کے اقتضا سے مابدولت و اقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق آسودہ رہے اور رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ شریعت غرا کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے بتکدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جا سکتی لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جا سکتے۔ ان ایام عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے گوش زد ہوتی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اُس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقہ

کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بُت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مُبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور لامع النور کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور اُن کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد ابد مدت و ازل بُنیاد کے حق میں مشغول دُعا رہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

معافی تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا زائد محصول سائر معاف کیا گیا۔

وسعتِ سلطنت کراچی بندر سے لے کر آسام کی مشرقی حدود، کوہ ہمالیہ سے لے کر بحر ہند کی سطح تک سلطنت کی وسعت پہنچ گئی تھی۔

عالمگیر کے عہد میں صوبجات ہند کا رقبہ برطانیہ کے رقبہ کے مساوی تھا۔

محاصل ۱۶۹۵ء میں کل مالگذاری اسّی کروڑ روپیہ تھی۔

صنعت و حرفت صنعت و حرفت و تجارت کو بھی فروغ تھا۔ صرف ایک پارچہ بافی کو اس قدر ترقی تھی، کہ تمام ہندوستان کے لئے کافی ہونے کے بعد ممالک غیر کو بھی جاتا تھا۔

ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر سکتے تھے اسی تجارت و مال کی درآمد و برآمد کا یہ نتیجہ تھا کہ صرف ایک شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کی آمدنی تھی۔ سورت کے ایک تاجر عبد الغفور نامی جس کا سرمایہ تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔

معافی محصول عالمگیر نے محصول راہداری کا تمام غلّوں سے ماحصل کل اجناس کا افادہ عام کے واسطے دوامی معاف کر دیا تھا۔

پیمائش اکبر کے عہد میں جو اراضیات پیمائش ہونے سے بچ رہی تھیں اُس کی پیمائش کرائی۔ خلافی خاں لکھتا ہے کہ ۱۰۶۶ھ سے بیس برس کے زمانے میں ممالک دکن کی پیمائش ختم ہوئی اور اُس کی جمع بندی اکبری اصولوں پر مقرر کی گئی۔

ٹیکس خانہ جنگیوں سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ محاصل برباد ہو گئے تھے۔ سلطنت کے کاروبار چلانے کے لئے دقت تھی۔ اورنگ زیب نے جہاں تک ہوسکا کوشش کی۔ مگر آخر مجبور ہو کر ہندو مسلمان دونوں پر ٹیکس جاری کر کے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا۔ یہ عام ٹیکس جو آجکل کے ٹیکسوں کے مقابلہ میں آٹا میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے صرف مالی مشکلات میں پھنس کر بادشاہ نے عائد کئے تھے۔

مذہبی رواداری عہد عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان ہملٹن اپنے سفرنامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے:-

> "ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بُت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت بھی ہندوؤں کی تھی وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن اُن کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ ستی ہوں۔"

بے تعصّبی ہندو اور عیسائی ہندوستان میں امن و آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حتیٰ کہ شراب خواری وغیرہ صرف مسلمانوں کے لئے ممنوع تھی اوروں کے لئے منع نہ تھی۔ عیسائیوں کے معبد دارالخلافہ میں تھے اور بے روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے

تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں جا ہے جو کریں کوئی پُرسش نہ کی جاتی تھی اُن کے توہمات اور وساوس میں مطلق دخل اندازی نہ کی جاتی تھی۔ برنیئر فرانسیسی سیاح اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :-

"اورنگ زیب خاندانِ تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ تھا بڑا معاملہ فہم اور تدبّر ملکی میں نہایت ہوشیار تھا دلجوئی میں اُس نے کسی طرح کوتاہی نہ کی اور نہ اکبر جیسی قابلِ اعتراض دلجوئی۔"

صرف اوقات

عالمگیر اعظم اپنی حکومت کی مصروفیتوں میں اپنے باپ دادا سے سبقت لے گیا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کرادی عالمگیر کے پیرانہ سالی عہد کا ذکر کر لکھتا ہے :-

"وہ صاف سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اُس کی پگڑی میں زمرد کا ایک بڑا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا تھا اور اُنہیں بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اُس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیتوں سے نہایت شاداں وفرحاں ہے۔"

صُبح

عالمگیر صبح صادق سے پہلے بیدار ہوتے۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو غسل کر کے نوافل ادا کرتے۔ دیوان خاص کی مسجد میں حاضر ہو کر قبلہ رو بیٹھ کر منتظر صلوٰۃِ فجر رہتے۔ مؤذن کی اذان پر سُنّتِ موکدہ ادا کرتے۔ محلات کے خواجہ سرا مسجد میں جمع ہو جاتے اور سب مل کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خلوت گاہ

اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بعد ازاں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ بعد نمازِ چاشت مسجد سے خلوت گاہ میں آتے۔

"تا چاشت گاہ بایں دور مشغول می باشند و بعد از فراغ قرین بخت وسعادت و کامیاب فیضِ عبادت ازاں معبد ہمایوں برآمدہ بخلوت گاہ عزّ وجاہ کہ نشیمن خاص آں حذیو آگاہ است شرف قدوم می بخشند۔"

طریقت سے لگاؤ عالمگیر نے سلوک و طریقت کی بھی تعلیم پائی ۔ حضرت محمد معصوم کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوتے تھے [1]

مآثر عالمگیری میں ہے :-

"حضرت خلد مکان ہمیشہ باوضو رہتے تھے اور کلمہ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے۔ ایام بیض کے روزوں کے بعد پابند تھے اور ہفتہ میں دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے۔"

زکوٰۃ کے ادا کرنے میں خاص اہتمام فرماتے ۔ ماہ صیام میں دو پہر رات گزرنے پر بیدار اور علماء و اولیاء کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ عشرۂ آخر میں معتکف رہتے۔ خانہ کعبہ ہر سال رقم وافر ارسال فرماتے۔"

عدل امراء خاص و مقربانِ معتبر حاضر حضور معلیٰ ہو کر مجرا بجالاتے ہیں ۔ بادشاہ عدل پرور جلوہ گستر ہوتا۔ عدالت کے داروغے مظلوموں اور دادخواہوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتے۔ مقدمات کا انفصال بروئے شریعت امیر و غریب، آقا و غلام سب کے لئے مساوی تھا۔ ڈاکٹر لین پول اپنی تصنیف اورنگ زیب میں لکھتا ہے:-

"مغل اعظم اورنگ زیب اعظم ہے ۔ بچے تلے انصاف سے عموماً فیصلے تجویز کرتا ہے اُس کے حضور میں سفارش اور امارت کی کوئی پیش نہیں جاتی اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اسی مستعدی سے سُنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیروں کی ۔

ارباب تظلم و استغاثہ کہ جمع دلائل مسکنت و اضطرار و شمائل احتیاج و افتقار از جبیرہ احوال بیان نمودار باشد از خزانہ احسان بیکراں دامن و اُمید بہ نقد مقصود آزمودہ فیض اندوز فضل و مکرمت می گردند۔"

دربارِ عالمگیری میں روک ٹوک نہ تھی ہر کوئی اپنا حال بادشاہ کے حضور میں عرض کر

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۴۰ -

سکتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سُنتا تھا۔ صدہا افسانے عدلِ عالمگیری کے مشہور ہیں۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرزا کام بخش کے کوکہ پر قتل کا الزام عائد ہُوا۔ عالمگیر نے حکم دیا
کہ عدالت میں اس کی تحقیق کی جائے اور دورانِ تفتیش میں اُسے حراست میں رکھا جائے۔
مرزا کام بخش جو عالمگیر کا چہیتا بیٹا تھا) کو پتہ چلا تو اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔
عالمگیر کو بھی اس کا علم ہُوا اُس نے مرزا کام بخش کو دربار میں طلب کیا۔ کام بخش اپنے کوکے کو
بھی ساتھ لایا اور اُس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کو ایک منٹ کے لئے بھی جُدا
نہیں کر سکتا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔
ڈاکٹر لین پول لکھتا ہے :۔

"اس کی پنجاہ سالہ حکومت کے طول وطویل عرصے میں اس سے ایک بھی
ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہُوا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے خلاف انصاف رو
پذیر نہ ہُوا۔"

جھروکہ درشن | درشن ایک دیرینہ رسم تھی۔ عالمگیر نے ۱۰۸۰ھ تک اُس پر عمل کیا۔ اس کے بعد حکماً بند کر دیا کہ عوام ہندو خوش اعتقادی کے جوش میں درشن کو مثل پوجا سمجھنے لگے تھے۔

"در زمان بادشاہان سلف بغایت آں سال جھروکہ درشن مقرر بود کہ بادشاہ
باوجود عارضہ بدنی برائے جمنائے اکبرآباد شاہجہاں آباد ساختہ بودند سر
از جھروکہ بدمی آوردند سوائے امرائے مجرئی آں وقت چندے یک آدم از
زن و مردے ہمہ قوم پائے جھروکہ فراہم آمدہ و عادتنا بجامی آوردند و
بسیارے از قوم ہنود بودند۔ بدرشن مشہور یعنی تاصورت بادشاہ مادر پائے
جھروکہ درشن نمی دیدند۔ بہ ہیچ چیز از ماکولات در دہن نمی انداختند خبر و
دین پرور آں را نیز از جملہ ممنوعات و مانع شرع دانستہ درپائے جھروکہ
نشستن وخوف نمودہ حکم منع فراہم آمدن آں ازدہام فرمودند۔"

معائنہ فوج | بادشاہ فوج کا معائنہ کرتا اور جماعت کی بھی دیکھ بھال کرتا جو نماز

جمعہ کے جلوس میں اُس کے ہمرکاب ہوتی تھی۔ عالمگیر کے لشکر میں دس لاکھ فوج رہتی تھی۔

جنگ پیلاں داروغہ فیل خانہ نوگرفتار ہاتھی حضوری میں معائنہ کے لئے لاتا۔ اور ہاتھیوں کی قواعد دکھلاتا اور بعض اوقات بادشاہ کے اشارے پر ہاتھیوں کی کُشتی کرائی جاتی۔

" و بعضے اوقات بہ اشارہ معلیٰ فیلان کوہ تمثال فلک شکوہ سیاہ مستے بارادہ جنگجوئی دعربدہ خولی الجثہ باشند۔ از یک زنجیر تا پنج زنجیر بقدر خواہش طبع اقدس دراں میدان وسیع جنگ انداز ند "

دیوان عام معائنہ فوج وغیرہ کے بعد بادشاہ دیوانِ عام میں آتا اور تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ امراء اور وزراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے۔ موکب شاہی ارد گرد اور علم بردار بائیں جانب ایستادہ ہوتے۔ بخشی بادشاہ کے حضور میں افسران فوج اور دیگر عہدہ داران لشکر کو درجہ بدرجہ پیش کرتا۔ سلطنت کے بڑے منصب داروں کی تقریب بھی بخشی کے ذریعہ ہوتی۔ اس کے بعد درخواستیں پیش ہوتیں خود معاملے کی تفتیش کر کے حکم نافذ کرتا۔ میر آتش توپ خانہ متعلقہ امورات فوج وزیر اعظم کے ذریعہ حضوری میں پیش کرتا۔ اُس کے بعد صدر کل ممالک محروسہ ایک مکمل اور مجمل رپورٹ دربار شاہی میں پڑھتا۔ رعایا کی بہبودی کا لحاظ زیادہ رکھا جاتا۔ جاگیریں عطا ہوتیں۔ علماء اور فضلاء کے حقوق کی پاسداری کی جاتی۔ تمام امور عامہ اور ترقی تنزل کے جملہ مراتب طے ہوتے۔ دو گھنٹے کے اندر اندر یہ کام اختتام پذیر ہوتے۔

دیوانِ خاص بادشاہ گیارہ بجے کے قریب دیوانِ خاص میں تشریف لاتا۔ یہاں سلطنت کے خاص امور دینی و دنیاوی سرانجام پاتے۔ امراء، وزراء خدام و حشم ایک ایک کر کے باریابی کا شرف حاصل کرتے۔ وزیر اعظم صوبوں کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا۔ عالمگیر ان سب پر احکام جاری کرتا بعض معاملات میں وزراء کو ہدایت دیتا اور وہ اس کے بموجب فرمان تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے

وہ پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد اُنہیں صاف کراتا اور پھر اپنے ہاتھ سے مہر ثبت کرتا۔ اکثر فرامین خود لکھتا "فیاض القوانین" میں بیشتر فرمان خود عالمگیر کے لکھے ہوئے ہیں۔

مراحم خسروانہ عموماً بادشاہ دربار خاص میں امراء جو عتاب شاہی میں مبتلا ہو کر آتے۔ اُن پر نوازشات کرتا۔ سیواجی بادشاہی گوشمالی سے مجبور ہو کر بذریعہ راجہ جے سنگھ اپنی سفارش لے کر حاضر ہوا اور تمام پچھلی خطائیں معاف کرانی چاہیں اور اپنے بیٹے سنبھاجی کو بھی قدم بوسی کے لئے لایا۔ بادشاہ نے حسب قرینہ اُس پر مراحم کئے۔ مگر وہ اپنے زعم باطل میں اپنے کو کچھ چیز سمجھتا تھا۔ حیلے سے چلتا بنا۔ راجہ پیڈ نایک، راجہ شوراپور نے اپنے قصور کی معافی چاہی حسب فرمان ذیل عفو تقصیرات کیا۔

فرمان

رد اورنگ زیب بادشاہ غازی۔ بنام پیڈ نایک راجہ شوراپور۔ زبدۃ الاماثل والاقران لائق العنایت والاحسان پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بودند بدانند کہ دریں والا ازپیش گاہ خلافت وجہاں بانی از راہ وفضل وکرم تقصیرات من زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ ۔ نصرت آباد

بدستور شہر فرمان حضرت بان زبدہ الاقران بحال حکم شود کہ اُمیدوار عنایت بادشاہانہ بودہ ام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر برکاب ظفر انتساب بہ فرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ وعطائے منصب سربلندی یابد۔ چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت"

حرم سرا دوپہر کے وقت حرم سرا میں داخل ہوتا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد طعام تناول کرتا۔ پھر ایک گھنٹے کے لئے استراحت گزیں ہوتا۔

نماز ظہر بیدار ہو کر غسل کرتا۔ پھر وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظار میں جا بیٹھتا۔ عین وقت پر علماء، فضلاء، صلحاء، فقراء، امراء کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا۔

کسبِ معاش بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی سے ایک حبہ نہ لیتا۔ نماز کے بعد ٹوپیاں سیا کرتے اور کلام اللہ لکھا کرتے۔ اُن کی فروخت اور ہدیہ سے جو رقم آتی تھی نجی اخراجات میں وہی صَرف ہوتی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے۔ دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے۔

غُسل خانہ اپنے ذاتی کام سے فارغ ہو کر غسل خانہ میں جلوہ افروز ہوتا۔ یہ مقام حرم سرا اور دیوانِ خاص کے درمیان واقع تھا۔ یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پُرپیچ معاملات طے ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو چکنے کے بعد مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفصال فوج کا بندوبست اور مہمات کے نقشے بھی اُسی وقت تیار ہوتے تھے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹہ پیشتر وہ دیوانِ خاص میں جا کر تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے دخل و خرچ پر بحث و مباحثہ ہوتا۔ اسی وقت باہر سے آئے ہوئے صوبہ دار اور عمال بھی پیش ہوتے۔

نمازِ مغرب اذان پر معہ تمام خدام و حشم کے مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرتے۔

خواب گاہ عشاء کی نماز کے بعد عالمگیر خواب گاہ میں آتے اور کتب سیر و تاریخ، حدیث و فقہ کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد کھانا کھاتے اور عبادت و نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ جب آدھی رات گزر جاتی تو استراحت پذیر ہوتے۔

"در شبان روزے آسائش خواب آں بادشاہ مالک اقاب زیادہ از یک پاس شب نیست"

بدھ کا روز فقط دربارِ عدل کے لئے وقف تھا۔ اس دن مفتی اور فضلاء نہایت شان و شوکت سے حاضرِ دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ خود مقدمات سُنتا اور اپنے قلم سے اُن کے فیصلے لکھتا تھا۔ جمعرات کو نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ جمعہ کو دن بھر عام تعطیل

رہتی تھی ۔ اس دن دن بھر عبادت کرتے ۔

تالیف فتاویٰ عالمگیری عالمگیر کو علوم شرعیہ سے خاص لگاوٹ تھی اور یہ ضرورت محسوس کر کے کہ اہل اسلام مستند مسائل حنفیہ پر عمل پیرا ہوں ۔ نیز شرعی مقدمات میں بھی مفتی بہ مسائل پر فیصلہ کیا جائے مگر اختلافات قضات و مفتیان بادذات کی وجہ سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جو تمامی مسائل پر حاوی ہو اور اس کے مطالعہ سے ہر شخص بلا وسعت نظر و استحضار کافی و دستگاہ وافی استنباط مسائل کر سکے ۔ اپنے متوسلین دربار کے علماء و فضلاء کے اجتماع سے ایک مستقل محکمہ تالیف فتاویٰ بسر کردگی ملا نظام قائم کیا گیا اور شاہی کتب خانہ جس میں بیشمار کتابیں تھیں اسی ضرورت کے لئے وقف کر دیا اور تقریباً دو لاکھ روپیہ نقد صرف کر کے کتاب تیار ہوئی جو "فتاویٰ عالمگیر شاہی" کے نام سے موسوم ہے ۔ اسی بادقار جماعت علماء میں ملا وجیہہ الدین سہروردی چشتی گوپاموی بھی تھے ۔

"در ترتیب تالیف فتاویٰ ربع از فتاویٰ عالمگیر شاہی معمور شدہ دہ کس دیگر از فضلاء بمدد و اشاعت او مقرر شدند و او در آں کار مساعی جمیلہ بکار بردہ ۔"

ان دس علماء میں ملا شیخ احمد بن عبد المنصور خطیب فاروقی گوپاموی بھی تھے ۔

منشور عالمگیری کہ بتاریخ روز دوشنبہ یازدہم شہر ذیقعدہ ۱۱ جلوس میمنت مانوس مطابق ۱۰۷۸ھ اردی ماہ الٰہی برسالہ سیادت و نقابت

پناہ شرافت دستگاہ سزاوار عنایت شاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خاں و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ محمد رفیع قلمی می گردد کہ حکم جہاں مطاع صادر شد کہ یک روپیہ و سہ پاؤ پلاؤ قصور ہر دو جنس معاف یومیہ از خزانہ رکاب سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بمعاونت مشیخت و فضائل پناہ ملا شیخ وجیہہ الدین گوپاموی در وجہ مدد معاش شیخ احمد ولد شیخ عبد المنصور خطیب مرحمت فرمودیم و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار نہ گیرند واقع ۱۱ جلوس بمنصب پروانگی بہر

فضیلت و معانی مرتبت شیخ نظام تصدیق قلمی شد مطابق تصدیق یادداشت مرقوم گشت "۔

مسودہ فتاویٰ پر بادشاہ خود بھی نظر ثانی و تصحیح کرتا تھا اور حسبِ ضرورت علماء سے مباحث کر کے تشفی بخش مسئلہ اندراج فتاویٰ کراتا تھا۔

مؤلفین فتاویٰ ملا محمد جمیل جونپوری، قاضی محمد حسین جونپوری، ملا حامد جونپوری، اُن کے معاون شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے۔ شیخ رضی الدین بھاگل پوری سید علی اکبر سید اللہ خاں، جلال الدین محمد، سید نظام الدین ٹھٹھوی، محمد شفیع، ملا وجیہہ الرب محمد فائق، محمد اکرم، محمد غوث، سید معدن، غلام محمد، عنایت اللہ۔ یہ تمام حضرات فضلائے عصر سے تھے۔

عالمگیر نے مولانا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

موزوں طبع عالمگیر کو ہر قسم کے لہو ولعب سے یہاں تک کہ شعر و سخن سے بھی بالکل رغبت نہ تھی۔ چنانچہ دیوان حافظ کا درس مکتبوں سے موقوف کرا دیا تھا۔ مگر دیوان حافظ اور گلستان اپنے سرہانے رکھتے تھے۔ بعض مصاحبوں نے اس کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ لوگوں کی طبیعتیں خام ہیں۔ حافظ کے اصل معنی پر خیال نہیں کرتے۔ ناحق شراب گلنار اور معشوق گل رخسار کے نام سُن کر مست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ شعراء کا بازار سرد تھا مگر دربار میں اکثر امیر موزوں طبع تھے۔ بعض مرتبہ قصیدے پیش کرتے، سُن لیتے۔ داد حسبِ موقع دیتے۔ مگر فرمائش یہ ہوتی کہ آئندہ بے فائدہ وقت ضائع نہ کرو۔ بایں ہمہ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے ؎

غم عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

سلطنت مغلیہ کا قدیم سے دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو سب شعرائے پایۂ تخت اس کا سکہ کہہ کر لاتے جس کا پسند ہوتا اسے ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا۔ عالمگیر کے لئے بھی سکہ کہہ کر لائے۔ عالمگیر نے فرمایا ہم نے بھی سکہ کہا ہے تم سب دیکھو اور اپنی رائے ظاہر کرو۔

۵ سکہ زد در جہاں چو بدر منیر — شاہ اورنگ زیب عالمگیر

سب کو متفق اللفاظ اقرار کرنا پڑا کہ حقیقت میں اس سے بہتر دوسرا کوئی سکہ نہیں ہو سکتا۔

سیرت عالمگیر کی ابتدائی زندگی سے ہی طبیعت میں پارسائی اور اتقا تھا۔ خوفِ خدا رکھتے تھے۔ اولاد اور افسرانِ ملک کو خوفِ الٰہی سے ڈراتے رہتے تھے اور ہر قسم کے لہو و لعب سے قدرتی تنفر تھا۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے حسن کامیابی کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخ ہند میں بے نظیر ہے۔ شہسواری، تیراندازی، نیزہ بازی نشانہ بازی اور شکار وغیرہ۔ غرضیکہ تمام فنون حرب میں غایت درجہ کے چست و چالاک اور ہوشیار تھے۔ فقیروں کا دوست، ریاکاروں کا دشمن، علماء کا قدردان، غرباء و مساکین کے لئے بر سرِ عدالت نقدی اپنے پاس رکھتے اور دیتے تھے۔ نرمی اور عفو کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر اُن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کو معاف کر دیا اور روزینہ مقرر کیا۔

سزائے موت کا شاذ ہی حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رعایا اور مُلک کا محافظ اور سلطنت کا امین سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر طبر نیئر اپنے سفرنامہ میں عالمگیر کی مستعدی اور بیدار مغزی کا واقعہ لکھتا ہے۔

ایک امیر نے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر مصروف رہتے ہیں اس سے اندیشہ ہے مبادا صحت جسمانی بلکہ قوائے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ بادشاہ نے ناصح کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور دوسرے امراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے مجھے بادشاہت اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے دی ہے کہ میں رعایا کی آرام و آسائش کا کافی لحاظ رکھوں اپنی راحت سے زیادہ ان کی راحت کا خیال کروں نہ کہ فضول صلاح کاروں کی رائے پر کاربند ہوں عوام کیساتھ منصفانہ برتاؤ تھا۔ مگر ملکی مخالفوں کے حق میں بہت ہی سخت تھا۔

دارالخلافہ دارالخلافت دہلی بقول ڈاکٹر ہنٹر اپنی عظمت و شان میں روئے زمین کے دارالخلافتوں سے عہد عالمگیر میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ

اُس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہوگئی تھی۔

وفات عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار ہوا۔ بعمر ۹۱ سال ۱۳ دن بروز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری زر بخش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ستائیس روز سلطنت کی۔

تاریخ وفات "دخل الجنۃ" ہے۔

علماء و شعراء عہدِ عالمگیری

مفسرین شیخ غلام نقشبندی لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ ملا شیخ احمد جیون امیٹھوی متوفی ۱۱۳۸ھ مولانا نورالدین متوفی ۱۱۵۵ھ، اصغر قنوجی متوفی ۱۱۴۰ھ۔

محدثین شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ۔ حاجی صبغت اللہ نبیرۂ شیخ اللہ دیا الرضوی خیر آبادی متوفی ۱۰۵۰ھ۔

فقہاء افضل المعال ملا وجیہ الدین مفتی شیخ علیٰ محدث شہابی گوپاموی اتالیق شہزادہ داراشکوہ وصدر صوبہ اودھ والہ آباد و منصب دار سہ ہزاری و مؤلف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیر شاہی ۵ رجمادی الثانی ۱۰۸۳ھ کو وفات پائی۔ ملا شیخ نظام برہانپوری ملا لطیف سلطانپوری۔ ملا عبدالغفور برہان پوری۔

قاضی قاضی عبدالوہاب متوفی ۱۰۸۷ھ قاضی شیخ الاسلام قاضی صدرالدین ہرگامی۔ قاضی محمد حسین جونپوری۔ قاضی شہاب الدین گوپاموی متوفی ۱۱۳۰ھ۔

مفتی قاضی احمد بہاری مفتی عسکر شاہی، مفتی عبداللہ شہابی گوپاموی متوفی ۱۰۷۵ھ۔ مفتی علم اللہ گوپاموی متوفی ۱۱۰۳ھ

حکماء قاضی محب اللہ بہاری، ملا محمود فاروقی جونپوری متوفی ۱۰۶۲ھ۔

علماء ملا عبدالرشید، ملا زاہد کابلی، محمد اسلم ہروی، شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی، ملا عبداللہ رومی مترجم فتاویٰ عالمگیری، ملا عبداللہ سیالکوٹی، شیخ عبدالباقی

جونپوری، شیخ قطب برہانپوری اتالیق شہزادہ محمد اعظم، محمد اکرم لاہوری اتالیق شہزادہ محمد کام بخش قادری حافظ ابراہیم۔

مؤرخین عبدالحمید - عاقل خاں رازی - محمد ساقی مستعد خاں - مرزا محمد کاظم متوفی ۱۱۰۰ھ نعمت خاں عالی متوفی ۱۱۲۱ھ بختاور خاں متوفی ۱۰۹۵ھ۔

شعراء آشنا، ناظم ہروی، بیدل - ماہر اکبر آبادی افسری، اعجاز اکبر آبادی، سعید مفتی ابو سعید گوپاموی متوفی ۱۱۰۷ھ ضمیر - طاہر - خالص - ملا شفیعا یزدی، اشرف مازندرانی رازی خوفی، ملا مغرائے مشہدی پنڈت چندر بھان، برہمن اکبر آبادی متوفی ۱۱۳۰ھ مرزا محمد رفیع قزوینی۔

عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر ہند و پاکستان میں یہاں کے شاہانِ سلف سے بڑھ کر تھیں۔ مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفاء کی بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لئے منجانب حکومت اور امراء مدرسے قائم کئے گئے۔ یہ مدارس علماء کے مدرسوں کے علاوہ تھے۔ طالب علموں کے لئے وظیفے جاری کئے اور ذاتی مدرسے جن علماء کے تھے اُن کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا۔ جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ مفتی عبیداللہ گوپاموی جو شیخ عیسیٰ محدث کے مدرسہ کے صدر مدرس اور ملا وجیہہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری کے بھائی تھے۔ فرمانِ ذیل کے ذریعہ زمین دادی عطا کی۔ غرضیکہ ہر صوبہ اور شہر و قصبہ میں علم و تعلیم کی اشاعت عام ہو گئی۔ عالمگیر نامہ میں ہے:-

"وازاں جا توجہ خاطر دانش مآثر بہ ترویج مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجہ قصوی دارد در بلیغ بلاد و قصبات ایں کشور وسیع و فضلاء مدرساں را بہ وظائف لائقہ از روزیانہ و املاک وقف ساختہ بہ شغل تدریس و تعلیم محصلان علوم گماشتہ اند و برائے طلباء علم در ہر معمولی و ناصیہ وجوہ معیشت درخور رزنبہ د

حالت واستعداد مقرر داشتہ و ہر سال بدیں وجہ نیز از خزائن احسان بادشاہانہ مبلغہا معتدبہ صرف می شود از فیض ومکرمت وافضال شہنشاہ ابر کیف دریا نوال طالبان علم وکمال بمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال ومرفہ الحال بکسب وتحصیل علوم اشتغال می ورزند۔"

عالمگیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے مصارف حکومت کے طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام وانصرام بھی حکومت کے متعلق تھا۔ دوسرے وہ مدرسے جو ارباب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے۔ عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لئے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کئے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سیاہہ حاصل کر کے خزانہ میں داخل کر لیا کرے اور غیر سرکاری مدرسوں کو وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا۔ چنانچہ مرآت احمدی میں شاہی مدرسوں کے متعلق ہے :۔

"چوں حکم مقدس اعلیٰ در جمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نماید وطلب علم از میزان کشاف خواں باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بہر مدرساں وجہ علوفہ از تحویل خزانچی خزانہ آں صوبہ می دادہ باشند دریں ولایت سہ نفر مدرس در احمد آباد وپٹن وسورت وچہل وپنج نفر طلبا علم اضافہ در صوبہ احمد آباد مقرر شد۔"

اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو۔ جو بادشاہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا۔ ایک موقع پر مدرسہ سیف خاں کو ۵۰۰ روپے بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح مدرسہ ہدایت بخش ومسجد تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیری تجدید واصلاح کے لئے اس نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے منظور کئے۔ اسی طرح موضع سوندرہ پرگنہ سانولی اور موضع سلیمہ پرگنہ کٹرا کے مدرسوں کے لئے یومیہ مقرر کیا تھا۔

عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلباء یک جا تعلیم

حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر اعلیٰ مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ہندو طلباء اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔ جہاں شاستر کے علاوہ طب اور نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے اور اُن کا اہم مرکز بنارس تھا۔ خافی خاں لکھتا ہے :۔

"در ایامی کہ محرر سوانح در بندر سورت بود بانہا نام زنارداء طبیب پیشہ نقل می نمود کہ چوں در قوم ما ضابطہ است کہ برائے تحصیل علم نجوم و طبابت و شاستر برہمنان آنجا را اُستاد خود قرار می دہند و نزد او درس می خوانند و صبح و شام از طرف اُستاد خود کنارہ آب گنگ رفتہ موافق دابے کہ مقرر است مردمی را کہ برائے غسل می آیند دستور و آئین مقرری خدمت می نمایند و ہر چہ ازاں بہم رسد بلا تصرف و ضیافت نزد استاد خود می برند و خرچ خوراکی و پوشاک شاگرداں بر ذمہ استاد است کہ بقدر کفالت ضروری چیزے گیرند۔"

دلی کا سرچشمہ علم و عرفان جس کے فیوض و برکات سے سارے ہندوستان کی علمی تشنہ کامی دُور ہوئی۔ وہ عالمگیر ہی کے عہد میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ دہلوی ابن شیخ وجیہہ الدین شہید نے جو ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اپنے بھائی شیخ ابوالرضا اور علامہ میر زاہد ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شریک رہے۔ عہدِ اورنگ زیب میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ خود درس دیتے تھے ۱۱۳۱ھ [1]

میر محمد زاہد ابن اسلم ہروی جنہوں نے مرزا فاضل سے تلمذ کیا، مرزا فاضل نے مُلّا یوسف سے اور اُنہوں نے مرزا شیخ جان الجرہ سے۔ انہوں نے اپنے والد اسعد سے جو علامہ تفتازانی اور علامہ ملا شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

حدیث حاجی محمد افضل سے جو اس سلسلہ میں شیخ عبدالاحد کے تلامذہ سے تھے اُنھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے جن کو اپنے دادا شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے تلمذ تھا۔

ملا زاہد ابن اسلم ہروی کا درس آگرہ میں | ملا زاہد علم از پدر بزرگوار و دیگر علماء روزگار

---

[1] انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ۔

اخذ کردہ امابہ قوت ادراک خداداد قدم از استادان پیش گزاشت درایت فوقیت در مستعدان زمان برافراشت "۔[1]

درس شاہ غلام نقشبند لکھنوی | میر محمد شفیع و شیخ پیر محمد لکھنوی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی سلسلہ اکثر فضلائے عصر بہ آنجناب منتہی می شود۔[2] شاہ عالم بہادر شاہ ایشان را مکلف ملاقات کرد۔ ۱۱۲۶ھ وفات

شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی | وفاتحہ فراغ از ملا لطف اللہ کوروی گرفت آخر کشش طالع اورا بہ خلد مکان رسانید و سلطان بہ خدمت او تلمذ کرد۔ دایام زندگانی بہ شغل درس و تحریر تصانیف صرف ساخت۔ وفات ۱۱۳۰ھ۔

سید قطب الدین | در عین شباب تجرید و عدم تاہل امادہ۔ بعلوم نقلی و عقلی شناسا و بافادت طلبہ توجہ فرما باکثرے ملاقات رضیہ آراستہ لبسیما تواضع و حسن خلق بیش از بیش پیوستہ۔ درعہد خلد مکان بدیوانی برہان پور سرفراز یافتہ۔ (ماثر الامراء جز اول ص۶۲)

حبیب کٹو کشمیری شاگرد ملا ابوالفتح کلو | و تمام عمر در تدریس گزرانید۔ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص۳۰) ۱۱۰۵ھ

سید مبارک بلگرامی | شاگرد شیخ نور الحق فرزند و تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی بود۔ عمر عزیز ش درافادہ علوم دینی خاصۃ فن حدیث و درس طلبہ صرف نمود۔[3] وفات ۱۱۱۵ھ

شیخ محمد افضل الہ آبادی | دراوائل حال بجیبور آمدہ از ملا نور الدین تحصیل علوم متعارفہ را بانجام رسانید تا شش ماہ بدرس و تدریس علوم اشتغال داشت۔ وفات[4] ۱۱۲۴ھ

⁂

[1] مآثر الکرام صفحہ ۲۰۹ [2] ایضاً ص۲۱۴ [3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۸۱
[4] تذکرہ علماء ہند ص۱۸۱۔

شاہ عالم بہادر شاہ

شہزادہ معظم بہادر شاہ بطن ممتاز محل سے تھے۔

تعلیم و تربیت اورنگ زیب نے اپنی اولاد کو تعلیم اپنی نگرانی میں دلوائی۔ بہادر شاہ نے ایام طفلی میں کلام اللہ حفظ کیا[1]۔ عربی کی تعلیم معقول حاصل کی۔ حدیث اور فقہ میں استعداد بہم پہنچائی۔ حدیث سے خاص دلچسپی تھی اور فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے تھے[2]۔

غرضیکہ عربی زبان میں عرب عربا اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان کے ہم پلہ تھے۔ فن خوش نویسی میں یکتائے زمانہ تھے۔ مختلف خطوط میں کمال حاصل تھا۔ مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ خلاصۃ التواریخ میں ہے۔

"راتوں کو اکثر نوافل درود و وظائف، تلاوتِ قرآن اور حدیث و تفسیر فقہ اور سلوک کی کتابیں مطالعہ کیا کرتے تھے۔"[3]

شعر و شاعری سے بھی شوق تھا۔

وقائع اورنگ زیب نے اپنے لڑکوں کو خود آدابِ حکمرانی سکھائے۔ جنگوں پر بھیجا اور آخر عمر میں بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ رقعاتِ عالمگیری گواہ ہے۔ عالمگیر نے اپنے بیٹوں کو ملک کے صوبے دیدیئے تھے۔ محمد اعظم شاہ مالوہ کی صوبہ داری پر مقرر کئے گئے۔ یہ بادشاہ سے رخصت لے کر بیس کوس پہنچے تھے کہ اورنگ زیب کے وصال کی خبر لگی۔ وہ راتوں رات لشکر میں آئے۔ امراء نے مراسم تہنیت و تعزیت ادا کئے۔ کفن دفن سے فراغت حاصل کی۔ دہم ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ کو جلوس کی تاریخ مقرر کی۔ شہزادہ بیدار بخت جو احمد آباد میں

---

[1] مآثر عالمگیری [2] بزم تیموریہ صفحہ ۲۹۵ [3] خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے مرتبہ مولوی ظفر حسن مراد آبادی۔

تھا اس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ادھر کام بخش باپ سے رخصت ہو کر قلعہ پرینده که چالیس پچاس کوس کی مسافت پر تھا، پہنچا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے قلعہ بیجاپور پر تصرف کیا۔ احسن خاں کی کا نہ گزاری کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ کام بخش نے ان کو پنجہزاری کا منصب عطا کیا۔ حکیم محمد محسن کو قلمدانِ وزارت عطا کیا اور تقرب خاں کا خطاب دیا اور جشن جلوس کیا۔ خطبہ میں اپنا لقب دین پناہ پڑھوایا۔ پھر آٹھ ہزار کی فوج لے کر قلعہ واکنکھرہ کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ گلبرگہ پر قبضہ کر کے واکنکھرہ کو تسخیر کر لیا اور آگے بڑھنے کی تدبیر کر رہا تھا۔ باقی حال کام بخش کا اپنے محل پر بیان ہو گا۔ اعظم شاہ نے تخت پر جلوس کیا اور سکہ کو اس شعر سے رونق دی۔

سکہ زد در جہاں بدولت و جاہ — بادشاہ ممالک اعظم شاہ

وسط ذی الحجہ میں اسد خاں و ذوالفقار کو اعظم شاہ ہمراہ لے کر شاہ عالم کے مقابلہ کے قصد سے چلا۔ محمد امین خاں اور چنیں قلیچ خاں مخاطب بہ خان دوراں خاں نے اعظم شاہ سے ترک رفاقت کی اور اورنگ آباد آکر اکثر پرگنات پر قابض و متصرف ہوئے۔

اورنگ زیب نے شاہ عالم کے پاس منعم خاں کو بھیجا۔ اُس نے لاہور میں اپنی جاگیرات کی دیوانی اس کو دی۔ جب عالمگیر کی علالت کی خبر ہوئی منعم خاں نے اسباب جنگ خفیہ طور سے فراہم کر لیا۔ پشاور میں ۲۰ ذی الحجہ کے بادشاہ کے مرنے کی خبر شاہ عالم کو معلوم ہوئی اُس نے روانگی کا ارادہ کیا۔ لاہور پہنچا تو منعم خاں چالیس ہزار لاکھ روپیہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ بادشاہ نے وزارت کی مبارک باد دی۔ سلخ محرم یا غرہ صفر کو نواح لاہور میں مقام کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ کا حکم دیا۔ امراء نے نذریں گذاریں۔ اس کا بیٹا محمد معز الدین جلو دار ملتان آگیا اور اُس کو بست و پنجہزار سوار کا منصب عنایت ہوا۔ اور محمد اعظم کو ہیجدہ ہزاری پانزدہ سوار کا منصب عطا کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اکبر آباد میں بنگالہ سے آئے۔ وہ اسی روز روانہ ہو کر سرہند پہنچا۔

وزیر خاں صاحب مدار نے ۲۸ لاکھ روپیہ نذر کیا۔ اواخر صفر میں حوالی شاہجہان آباد میں قیام پذیر ہوا۔ شہزادہ محمد عظیم الشان بیس ہزار سوار لے کر محمد بیدار بخت سے پہلے

اکبر آباد آگیا اور اکبر آباد پر قبضہ کیا۔ بہادر شاہ آگرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ آگرہ پہنچا تو قلعدار باقی خاں نے قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے نذر کیں۔ نو کروڑ روپیہ ہاتھ لگا۔ چار کروڑ امراء و اعیانِ دولت کو عطا کئے اور فوج بندی کا انتظام شروع کر دیا۔

محمد اعظم شاہ ۸۰ ہزار سوار ہمراہ لے کر بھائی سے دو دو ہاتھ کرنے روانہ کیا۔ گوالیار پہنچ کر اس کو اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد اعظم بڑے لشکر کے ساتھ اکبر آباد میں موجود ہیں۔ اپنی سگی بہن زیب النساء بیگم اور فاضل سامان کو قلعہ گوالیار میں چھوڑا۔ بیدار بخت کو فوج کا ہراول کیا۔ پچیس ہزار سوار لے کر اکبر آباد کا رُخ کیا۔ شاہ عالم نے بھائی کو مصالحت کا خط لکھا۔ مگر محمد اعظم نے استدعا کو ٹھکرا دیا۔ جب چنبل کے قریب پہنچا بہادر شاہ کو خبر لگی، اُس نے خانہ زاد خاں وصف شکن خاں داروغہ توپ خانہ اور براغر خاں قراول کو بھیجا کہ دشمن کی فوج دریا سے نہ اُتر سکے۔

محمد اعظم شاہ نے سموگڈھ کا رُخ کیا۔ شاہ عالم نے سرائے جاجو کے نزدیک پیش خیمہ کھڑا کرایا اور خود شکار کو چل دیا۔ عظیم الشان مقدمۃ الجیش شاہ عالم کی فوج کا تھا۔ بیدار بخت نے سبقت کر کے پیش خانہ بہادر شاہی پر حملہ کیا اور آگ لگا دی۔ آخر معرکہ کا بازار گرم ہوا کہ آندھی آئی جو محمد اعظم شاہ کی فوج کے سامنے تھی۔ آخر ش بیدار بخت مارا گیا اور والاجاہ بھی کام آیا۔ اعظم شاہ نے بڑی دادِ شجاعت دی لیکن قسمت میں ہار تھی۔ اعظم شاہ کا سر رستم علی خاں بہادر شاہ کے پاس لایا گیا اور شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں تلے ڈال دیا[1] بیٹوں اور امراء نے مبارکباد دی۔ شاہ عالم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آصف الدولہ، اسد خاں اور ذوالفقار خاں امرائے اعظم شاہی ہاتھ باندھ کر حاضر ہوئے خود بہادر شاہ اور شہزادہ معز الدین نے کھولے۔ پدر اور پسر کی تسلی کی منصب نہ ہزاری ہفت ہزار سوار عطا کیا منعم خاں جلالت الملک وزیر اعظم بنائے گئے۔ شہزادہ عالی تبار ابن محمد اعظم شاہ کو بیٹا بنایا۔ خیمہ استادہ کرا کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ تمام بھائی اور برادرزادوں کی لاشوں کو غسل و کفن کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون کیا۔ دوسرے روز خانخاناں کی عیادت کو شاہ عالم گیا۔ ظفر جنگ خطاب دیا اور ایک کروڑ روپیہ انعام دیا۔ معز الدین کو

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۲۲۔

جہاندار شاہ اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان اور رجحۃ اختر کو جہاں شاہ خطاب عطا کئے۔

قاضی خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ سکہ میں شاہ عالم بادشاہ اور نام بلدہ لکھا جائے اور خطبہ میں شاہ عالم کے ساتھ لفظ سید کا اضافہ کیا جائے۔ کیونکہ اُن کی ماں سیدانی تھی۔

سنہ ۱۱۱۹ھ میں راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے اودے پور اور جودھ پور گیا۔ وہ پائمال ہو کر حاضرِ حضوری ہُوئے۔ اجیت سنگھ و درگا داس کے قصور معاف ہُوئے اور خلعت سے نوازے گئے۔ جلوس کے سال دوم میں محمد کام بخش کو نامۂ محبت لکھا۔ وہ سوداوی مزاج تھا۔ حیدر آباد میں اس سے اس کے ساتھی بیزار تھے۔ ایلچی کو قید کیا۔ اس کے ساتھیوں کو قتل کرایا۔ جواب میں کلمات خصومت لکھے۔ اس پر شاہ عالم حیدر آباد مع لشکر کے پہنچا۔ محمد کام بخش معمولی فوج لے کر مقابل ہُوا۔ معرکۂ جنگ میں زخمی ہُوا۔ بھائی مزاج پرسی کرنے گیا۔ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس میں ہی جاں بحق ہُوا۔ کام بخش عالم اور خوش تحریر منشی تھا۔ ظاہری کمالات اعلیٰ درجہ کے رکھتا تھا۔ مزاج میں وہم و وسوسہ تھا۔ شاہ عالم نے اپنے قلمرو کا انتظام کرنا شروع کیا۔

ارادت خاں لکھتا ہے شاہ عالم سخی، رحم دل، عالی دماغ، خوش اخلاق اور جوہر شناس تھا۔ خود بہادر تھا۔ بہادر دشمن کی قدر کرتا تھا۔ اس کا دربار شاہ جہاں کے دربار سے بھی بڑھا ہُوا تھا۔ سترہ شہزادے جن میں بیٹے پوتے برادرزادے اُس کے تخت کے اردگرد بیٹھے تھے۔ چاندی کے کٹہرہ میں ہفت ہزاری سے سہ ہزاری تک امراء کھڑے رہتے تھے۔ عیدین اور جشنوں میں بادشاہ امراء کو خود عطر و پان دیتا تھا۔

سیرت عالم تو تھا ہی دربار میں شاہانہ انداز رکھتا۔ گھر میں سادہ لباس پہنتا۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا۔ قضا نہ کرتا۔ سفر کے اندر اکثر تعطیلوں اور جمعوں میں وہ خود نماز دربار کے خیمہ میں پڑھاتا اور قرآن کی سُورتیں ایسی خوش الحانی سے

پڑھتا کہ اہلِ عرب اس پر فریفتہ ہو جاتے اور آخر شب کی عبادت کو کبھی ترک نہ کرتا۔ بعض دفعہ ساری رات نمازیں پڑھتا اور دعائیں مانگتا۔ اول شب میں اُس کے پاس فضلاء و علماء جمع ہوتے خود حدیثیں بیان کرتا۔ فقہ سے خوب واقفیت تھی۔ فرق اسلامیہ کے عقائد سے آگاہ تھا مگر متعصب دینداروں نے اس کو بدعقیٰ قرار دے رکھا تھا[1] شیعہ مؤرخین اس کو شیعہ لکھتے ہیں۔

اس کے عہد میں سکھوں کا زور بندھا۔ اُن کے ظلم و ستم لوٹ مار ہندو مسلمانوں پر برابر تھے۔ آخر کش شاہی لشکر نے مقابلہ کر کے اُن کو اُن کے اصلی علاقہ میں پہنچا دیا۔ راجپوتوں نے سر اٹھایا۔ نقصان اُٹھا کر بادشاہ کے قدموں پر آگرے۔ قصور معاف ہوئے۔ انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ آخر عمر میں خفیف الحرکات ہو گئے تھے۔ ۵ سال دو ماہ حکومت کر کے بعمر ۷۰ سال ۱۹ محرم سنہ ۱۱۲۴ھ کو اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ نعش شاہجہان آباد لا کر قطب صاحب میں دفن کی گئی۔

بہادر شاہ

بہادر شاہ اوّل کے عہد سنہ ۱۱۱۸-۱۱۲۳ھ میں دار السلطنت دلی میں ایک نیا مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے جو سلطنت آصفیہ کے بانی آصف جاہ اول کے والد بزرگوار تھے۔ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا۔ اس مدرسہ کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی۔ امیر موصوف اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

اس مدرسہ میں صدر مدرس شیخ جلو تھے جن کے پاس ملا نور محمد مبارک درس حاصل کرنے آئے۔ قطبیہ تک پڑھا کر رخصت ہو گئے۔ جب ملا فخر الدین دکن سے سنہ ۱۱۶۰ھ میں اس مدرسہ سے منسلک ہو گئے تو علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں مدفون ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے پھر مولانا نور محمد نے درس کی تکمیل کی۔ ملا سید احمد میر بدیع الدین شاہ عبد الرحمٰن لکھنوی الرشید تلامذہ سے تھے۔ شاہ صاحب کے بعد مولانا سید احمد صدر مدرس اس مدرسہ

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۴۰۔

کے ہوئے۔ غرضیکہ یہ مدرسہ مدتوں تک جاری رہا۔

دلی پر انگریزی عملداری ہو جانے کے بعد انگریزوں نے بھی اس کو تعلیم گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ پھر نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں وزیر اودھ نے جو یہاں کے تعلیم یافتہ تھے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی گراں قدر رقم انگریزی کمپنی کے حوالے کی۔ چنانچہ کمپنی کی طرف سے غازی الدین خاں کے مقبرہ پر حسب ذیل عبارت کندہ کی گئی۔

کتبہ مقبرہ غازی الدین خاں

زہر لوح نقشے بماند ولیک
جزائے عمل ماند و نیک نام

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم و مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولود وطن خویش بہ صاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۵ء۔ ؎

ملا نظام الدین سہالوی

اُستاد جہان و تحریر زمان بود دہم در لکنور حل اقامت افگند و تمام عمر بہ تدریس و تصنیف اشتغال ورزید و اعتبارہ و اشتہار عظیم یافت امروز علماء اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشۂ تفاخر می شکنید و کسے کہ سلسلۂ تلمذ باومی رساند بین الفضلا علم امتیازی افرازد۔ ۱۱۲۱ھ

؎ ہندوستان کی قدیم درس گاہیں صفحہ ۲۲۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں عربی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ تلمذ باپ سے تھا۔ علوم معقول شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں باپ کے سامنے درس دینے لگے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کو گئے۔ شیخ ابو طاہر کردی مدنی شیخ وفد اللہ مکی شیخ تاج الدین ملعی مکی سے سند حدیث حاصل کی اور وطن لوٹے اور سلسلۂ درس شروع کر دیا۔

تفسیر و حدیث پر زیادہ توجہ تھی۔ تصانیف کا سلسلہ جاری تھا۔ علوم دینیہ میں امام اور مجتہد مطلق تھے۔

۱۱۷۶ھ میں دار آخرت کا سفر اختیار کیا۔

تلامذہ

شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبد الغنی۔ شاہ عبد القادر۔ شاہ عبد العزیز۔ شیخ محمد عاشق دہلوی شیخ محمد امین کشمیری۔ سید مرتضیٰ بلگرامی۔ شیخ جار اللہ بن عبد الرحیم لاہوری۔ شیخ محمد ابو سعید بریلوی۔ شیخ رفیع الدین مراد آبادی۔ شیخ محمد بن ابو الفتح بلگرامی، شیخ محمد معین سندھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے تفسیر، حدیث، فقہ عقائد صرف و نحو علم کلام اصول معقول کا اکتساب کیا۔ ابتدائی طب بھائی سے پڑھی۔ بڑی کتب میر زاہد سے تحصیل کیں۔

جہاندار شاہ بن بہادر شاہ

شاہ عالم کی وفات کے ایک ہفتہ کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ملک و مال کے باب میں پیغام چلنے لگے۔ ذوالفقار خاں جہاندار شاہ کا خیر خواہ تھا۔ اول یہ قرار پایا کہ دکن جہاں شاہ کو اور رفیع الشان کو ملتان ٹھٹھہ و کشمیر دیا جائے اور باقی صوبے عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان تقسیم ہوں۔ مگر ملک و خزانہ کی تقسیم نہ ہوسکی اور آپس میں بھائیوں میں نزاع شروع ہوگئی۔ پہلے عظیم الشان سے تینوں بھائی نبرد آزما ہوئے وہ تاب مقابلہ نہ لاکر دریا میں کود پڑا۔ تینوں بھائی نقارہ بجاتے ہوئے لوٹے۔ ایک سو دس ادلبے خزانہ کے ہاتھ لگے[1] جو مال ہاتھ لگا تینوں میں اس کی تقسیم پر جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ معزالدین اور جہاں شاہ میں بات کی بات میں معرکہ کا رزار گرم ہوا۔ رفیع الشان تماشہ دیکھ رہا تھا جہاں شاہ کام آیا تو رفیع الشان سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ معزالدین اس کو ٹھکانہ لگا کر جہاں دار شاہ کے لقب سے ہندوستان کا تاجدار بنا۔

جہاں دار شاہ

۱۷۱۲ء سے ۱۷۱۳ء تک اس کی حکمرانی رہی۔ لال کنور کے عاشق زار تھے۔ ذوالفقار خاں حکومت چلاتا رہا اور اُن کو عیش کی راہ پر لگاتے ہوئے تھا کہ فرخ سیر اٹھ کھڑا ہوا۔

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۔

فرخ سیر

نام ونسب وخاندانی حالات اورنگ زیب کے صاحبزادے محمد معظم کے فرزند محمد عظیم الشان جو ۲۸ رجمادی الاول ۱۰۷۴ھ کو جیہ راجہ روپ سنگھ راٹھور کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ھ میں جیہ راجہ کیسر سنگھ کے ساتھ نکاح ہوا۔ اورنگ زیب نے صوبہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کا صوبہ دار کر دیا تھا۔ عظیم آباد اُس کے نام پر قائم کیا گیا معظم شاہ کی وفات کے وقت موجود تھا۔ جہاندار شاہ کے مقابلہ میں محرم ۱۱۲۳ھ کو میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اس کی فرخ سیر یادگار سے تھا۔

تعلیم وتربیت عظیم الشان نے فرخ سیر کو کلام مجید حفظ کرایا۔ اُس نے علوم رسمیہ فضلائے عصر سے حاصل کئے۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ مرآت آفتاب نما میں اُس کے اشعار درج ہیں۔

سوانحات بہادر شاہ کے انتقال کے بعد شہزادہ فرخ سیر بنگالہ میں تھا اُس نے یہ خبر پاتے ہی اپنے والد عظیم الشان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اُن کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور خطبے میں نام پڑھنے کا حکم دیا مگر جب عظیم الشان کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں اپنا نام پڑھے جانے کا حکم دیا۔

فرخ سیر معزالدین جہاندار شاہ کی عیش پرستی اور ذوالفقار خاں کے طریقہ کار سے آگاہ تھا کہ اس نے لال کنور اور معزالدین کے معاشقہ کو شہ دے رکھی ہے۔

اس وقت فرخ سیر بنگالہ میں اکبر آباد معروف بہ راج محل میں مقیم تھا کہ جہاندار شاہ کی جانب سے صوبیدار جعفر خاں کو فرخ سیر کی گرفتاری کے احکام پہنچے مگر جعفر نے حقوق عظیم الشان کا پاس رکھتے ہوئے فرخ سیر سے کہا کہ کہیں بھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار

ہو جاؤ گے۔"

چنانچہ فرخ سیر معہ اہل و عیال عظیم آباد پہنچا اور سید حسین علی خاں صوبہ دار سے امداد چاہی۔ اُس نے کہا:-

"حکم بادشاہ تمہارے متعلق تو کچھ اور ہی ہے لیکن تمہارے والد کے احسانات کے باعث نہیں چاہتا کہ تم کو میرے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی طرف چلے جاؤ تاکہ کوئی عذر کر کے غیض و غضب سلطانی سے بچ جاؤں۔"[1]

مگر فرخ سیر نے حسن علی کو راضی کر لیا۔ اُس کی ماں نے بھی حسن علی کو معاونت کا پیغام بھیجا۔ فرخ سیر کی صغیر السن لڑکی ملکہ زمانی باہر آئی اور اُس نے بھی اپنے باپ کی مدد کے لئے کہا۔

"اگر دست گیری پدر من نمودہ انچہ شایان سیادت و شجاعت بعمل آید۔"

حسن علی معاونت کے لئے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی عبداللہ خان کو آلہ آباد لکھ دیا کہ ہم دونوں کو پوری پوری مدد فرخ سیر کو دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہ فرخ سیر کو لے کر مع لشکر کے آگرہ روانہ ہوئے۔

جہاندار شاہ کو فرخ سیر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء کو شاہجہاں آباد سے ذوالفقار خاں کو کلتاش خاں، جانی خاں اور محمد امین خاں (نظام الملک کا برادر عم زاد) سردار ایرانی و تورانی کو ہمراہ لے کر تقریباً ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ جانب آگرہ روانہ ہوا۔ اس سے قبل جہاندار شاہ نے اپنے لڑکے شہزادہ اعزالدین کو احسن خاں کے ساتھ پچاس ہزار سپاہ دے کر روانہ کیا۔ ذوالفقار خاں نے نظام الملک کو آگرہ بھیجا تاکہ اُس کا تحفظ کیا جائے۔ شہزادہ اعزالدین کھجوا میں پہنچا۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں اورنگ زیب کو شجاع کے خلاف کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اعزالدین

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۸۷۔

کو شکست نصیب ہوئی اور آگرہ واپس آگیا۔ جہاندار سے اور فرخ سیر سے مقابلہ ہوا گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حسن علی اور عبداللہ نے جان کی بازی لگا دی بلکہ حسن علی زخمی ہو گیا اور میدانِ جنگ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ مگر فرخ سیر کی فوج نے شاہی فوج کے منہ پھیر دیئے۔ جہاں دار شاہ نے راہِ فرار اختیار کی اور ذوالفقار خاں بھی میدان چھوڑ گئے۔ سیر المتاخرین میں جہاں دار کی شکست کے اسباب یہ لکھے ہیں :۔

"اگرچہ نسبت باقتدار معزالدین را امید فتح وظفر فرخ سیر نبود لیکن عمدہ ارکانِ دولت معزالدین کہ عبارت از کوکلتاش خاں و ذوالفقار خاں باشد باہم نہایت منافق ومعاند بودند و بسبب نفاق ایشاں کارہائے بادشاہی بسیار ضائع و تدبیرات ہمہ درہمی و برہمی داشت ازیں جہت نقش ہیچ بہ درست نمی نشست" [1]

فرخ سیر نے جشن منایا۔ سید عبداللہ کو قطب الملک کا خطاب دیا اور وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سید حسن علی خاں کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا اور بخشی اول کی خدمت پر رکھے گئے۔ قاضی عبداللہ کو میر جملہ کا خطاب دیا گیا۔ نظام الملک کو دکن کی صوبیداری عنایت کی۔ ذوالفقار خاں قتل کیا گیا۔ اسد خاں قید کئے گئے ۔

بغاوت راجہ اجیت سنگھ نے بغاوت پر کمر باندھی۔ مساجد کی بے حرمتی کی۔ اس پر حسن علی اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے۔ چنانچہ راجہ کو مقابلہ پر شکست اٹھانا پڑی۔ حسن علی کے کہنے پر اپنی دختر کو فرخ سیر کے حبالہ عقد میں دیا۔ یہ شادی بڑے تزک و احتشام سے انجام پذیر ہوئی۔ حسن علی کا انتظام تھا۔ اس تقریب کی روداد علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے مثنوی طغری کے نام سے لکھی۔ عبداللہ خاں وزارت کو سنبھالتے ہی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے۔ طباطبائی لکھتا ہے :۔

"قطب الملک ہم بنابر میل بسیار بہ نسواں و شوق و عیش وطرب آرام

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۱ ۔

طلب گشتہ زمام اختیار خود راجہ رتن چند کہ دیوان او و بقال وطلنش بود سپردہ ومطلق العنانش کردہ بود و او طاقت تمشیت مہام وزارت نداشت روز بروز عداوت ہا افزودہ ہم سلطنت خاندان چار صد سالہ تموریہ برباد رفت و ہم بدنامی عظیم عائد روزگار سادات بارہہ گردید عالمے ازیں نفاق وشقاق مستاصل و نظام مملکت ہندوستان مختل گردید۔" [1]

فرخ سیر کا قتل فرخ سیر نے سات سال حکمرانی کی حسن علی اور عبداللہ سے ٹھن گئی۔ ایک کا ایک دشمن تھا۔ فرخ سیر ان دونوں کو مروا ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر ان دونوں کا ہاتھ اُس پر پڑا۔ فرخ سیر کو گرفتار کر لیا اور اندرون قلعہ ترمولیہ کے بالائی حصہ میں قیدی بنا کر رکھا اور پھر قتل کر دیا۔

"کنیزانِ حبشیہ و ترکیہ گرجیہ را کہ بر سر دروازہ بمدافعہ استادہ بودند و در نمودہ بعد جستجو و تفحص از زنہا کہ بہ زجر و توبیخ بسیار نشان دادند۔ فرخ سیر را بہ بیحرمتی تمام برآوردند۔ والدہ و زوجہ و صبیہ او و دیگر بیگمات اطراف او را گرفتہ منت والحاح می نمود۔ درمیان انبوہ زنان بہ نہایت مذلت وخواری کشاں کشاں آوردہ بالائے ترپولیہ اندرون قلعہ کو جائے بس تنگ و تاریک بود محصور گردید۔"

فرخ سیر کے قتل سے تمام شہر میں کہرام مچا حتیٰ کہ فقرا سیدوں کے ہاتھ سے بھیک تک لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ شہر کے لوگ فرخ سیر کے جنازے کے ساتھ ہو گئے۔ تمام شہران ہر دو ظالم بھائیوں کا دشمن بن گیا۔ سادات نے شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کو ورربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو تخت نشین کیا۔ سیر المتاخرین ص ۴۱۸

اعتماد الدولہ محمد امین خان کو بخشی موم اور نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری دی گئی۔ اور مراد آباد کی فوجداری سیف الدین علی خاں (برادر حسین علی) کے نام کی گئی۔ راجہ اجیت سنگھ

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۳۹۶

کے نام صوبہ داری احمد آباد بحال کی گئی۔ رفیع الدرجات جلوس سے تیسرے مہینے انتقال کر گیا۔ سہ شنبہ ۱۲ رجب ۱۱۳۱ھ کو اس کے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اتفاق سے شہزادہ نیکو سیر ولد اصغر محمد اکبر خلف اورنگ زیب قلعہ اورنگ آباد میں نظر بند تھا۔ اُس نے آزادیٔ حاصل کر کے تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ سادات رفیع الدولہ کو ساتھ لیکر اکبر آباد روانہ ہوئے۔ راہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سادات نے شہزادہ روشن اختر (محمد شاہ بادشاہ) کو تخت نشین کیا اور آگرے گئے۔ نیکو سیر کی گرفتاری کے بعد قلعہ و محل سے چند بیش بہا چیزیں حاصل لیں اور قدیم زمانہ کی اشرفیاں بھی ملیں۔ تقسیم دولت پر دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا تو رتن چند نے مصالحت کرائی۔ عبداللہ کو تقریباً ۲۸ لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ اس ذخیرہ میں نورجہاں کی شال ہیروں کی ٹکی ہوئی ملی جہانگیر کی مرصع تلوار ممتاز محل کے مزار کی موتیوں کی چادر بھی اس کے ہاتھ لگی۔ یہ دونوں بھائیوں کا کردار تھا۔ خافی خاں (صفحہ ۸۲۱) خوشحال چند لکھتا ہے:-

"عبداللہ خاں نے رفیع الدرجات کی بیگم عنایت بانو کو پیغام محبت بھیجا اور گھونگھریالے بالوں کی تعریف کی۔ بانو نے اپنے بال تراش کر صدر النساء منتظم حرم کے ذریعے بھجوا دیئے۔ صفحہ ۱۵۱"

مولوی غلام فرید لاہوری از عظماء و فضلائے لاہور جامع کمالات عالم و عامل پرہیزگار بود تمام عمر خویش در درس طلبائے علم گزرانید۔ [۱]

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری

"فاضل کبیر ہزارہا کس از وجود و بے خود وے فوائد علمی حاصل کردند بمراتب فضیلت رسیدند علمائے وقت و فضلائے عہد بحلقہ غلامی و شاگردی وے آمدند۔"

درس کلیم اللہ | حضرت کلیم اللہ جہان آبادی اول در دہلی بہ تحصیل علوم ظاہری پرداخت و دستارِ فضیلت بست بعد ازاں بحرین شریف بردہ در مدینہ مرید شیخ یحیٰی مدنی گردید و باز بہ شاہجہان آباد آمد و فیما بین قلعہ جامع مسجد او ساخت و وز تدریس و تلقین

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ صفحہ ۳۸۵۔

خلق معروف گشت۔

ایک مکان تھا جس کا کرایہ دو روپیہ ماہوار تھا اس میں خود رہتے تھے اور طلباء کو علومِ عربیہ کا درس دیتے بقیہ وقت میں کتابوں کی تصنیف کرتے۔

وکتاب در علوم حقائق و معارف تصنیف کرد۔ سنہ ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۹ وفات یافت۔[1]

شجرہ انوار میں ہے:۔

بسیار سے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند و سبق کتب می خواندند و نان پارچہ نیز از سرکار می یافتند۔[2]

مدرسہ قدیمہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی

حاجی صفت اللہ محدث، پورب میں حدیث شریف کی اشاعت آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

"از مشائخ کبار بود فنون درسی در خدمت علماء عصر خود تحصیل کردہ برائے اداء فریضہ حج بہ بیت اللہ رفت و علم حدیث را از شیخ ابراہیم کردی کہ سرگروہ اہل زمان خود در حدیث بود و در سائر علوم مہارت داشت از راہ خشکی بہند مراجعت کردہ در بلاد پورب یعنی مشرق علم حدیث را رواج داد"

آپ نے سنہ ۱۱۳۸ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا۔ عمارت کی تعمیر کی۔ خود درس دیتے تھے۔ سالہا بہ تدریس آراست۔ فضلائے کثیر از گوشۂ دامن او برخاستند"[3]

سنہ ۱۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ اُن کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے درس سنبھالا۔

در علم ظاہری و باطنی تلمذ بہ پدر بزرگوار خویش دولوں کمال الدین سہامی است۔

حسین بخش، نبی بخش مدرس رہے۔ یہاں سے قاضی مبارک گوپاموی وغیرہ حضرات نے فراغت حاصل کی۔[4]

⁂

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص۴۹۵ — [2] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۳۸۶

[3] الشفا الکتاب — [4] آذر نامہ قلمی

ناصر الدین محمد شاہ

مرزا روشن اختر ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ ابن خجستہ اختر جہاں شاہ نبیرہ بہادر شاہ۔ قدسیہ بیگم کے بطن سے ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۰۴ھ میں پیدا ہوا۔ ۱۸ برس کی عمر تک سلیم گڑھ کے قلعہ میں محبوس رہا۔ ماں زنداں میں ساتھ رہی۔ عبداللہ خاں نے غلام علی خاں کو بھیج کر قلعہ سلیم گڑھ سے اُن کو بلایا۔

تخت نشینی ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء کو روشن اختر فتح پور میں تخت نشین ہوا۔ ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ اپنا لقب رکھا۔

روشن اختر بود اکنوں ماہ شد

یوسف از زنداں برآمد شاہ شد

شاہ کی شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ قدسیہ بیگم امور ملکی کے دقائق اور معاملات کے غوامض میں رائے صائب اور فہم رسا رکھتی تھی۔ وہ حسب صلاح وقت سر رشتہ حزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہیں دیتی تھی۔ سیدوں کے خلاف کوئی کام نہ ہونے دیتی۔ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار اس بیگم کو ملتا تھا۔

میر جملہ صدارت کل کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ رتن چند کل امور ملکی و مالی کا نگران کیا گیا۔ سادات بارہ کے اعزا بڑے عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شاہ نے بنت فرخ سیر سے عقد کیا۔ جشن منایا گیا۔

سیدوں کے اقتدار سے دوسرے امراء ان سے عداوت رکھنے لگے اور یہ بھی خفیف الحرکت تھے۔ فرخ سیر کے طرفدار چھبیلا رام ناگر نے ۱۷۱۹ء میں صوبہ الہ آباد میں بغاوت کر دی۔ اس کا بھتیجا گردہر بہادر بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں حکومت کے مخالف ہو گئے۔ چھبیلا رام نے یکایک نومبر ۱۷۱۹ء بعارضہ فالج انتقال کیا۔ گردہر سے صلح کرنا چاہی لیکن

وہ راضی نہ ہُوا تو سیدوں نے اودھ کی صوبہ داری اور عطا کی۔ نظام الملک کی طلبی ہوئی۔ وہ سیدوں کی وجہ سے ادھر نہیں آیا بلکہ اُن سے اسیر گڑھ کا قلعہ فتح کر لیا۔ حسین علی عاجز بادشاہ کو ہمراہ لے کر نظام سے مقابلہ کرنے روانہ ہُوا۔

محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں عرصہ سے سید برادران کی قوت کو توڑنا چاہتے تھے۔ میر حیدر علی کو حسن علی کے پیچھے لگا دیا۔ اُس نے راہ میں پالکی میں درخواست حسین علی کو دی وہ پڑھنے میں مشغول ہُوا۔ میر صاحب نے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ سید عبداللہ دلی میں تھے وہ فوج لے کر بادشاہ کے مقابل آئے۔ شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ قید میں قیدِ ہستی سے آزاد ہُوئے۔ اول الذکر ۱۷۲۰ء میں فرخ سیر کے انتقام میں اپنے کئے کو پہنچے۔ دوسرے بھائی ۱۷۲۲ء میں بھائی کے پہلو میں اجمیر میں جا سوئے۔ اہلِ علم کے قدردان سخی مشہور تھے۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی اُن کے بڑے مداح تھے۔ اُن کے بعد نظام الملک دکن سے آگیا اور وزارت پر سرفراز ہُوا۔ یہ عقیل اور دانا شخص تھا اُس نے مملکت کا انتظام کرنا چاہا۔ مگر دیگر امراء آڑے آتے رہے۔ راجہ جے سنگھ نے جزیہ بند کرا دیا۔ آخرش دربار کی بدتر حالت ہوگئی اور شہر میں بدامنی پھیلنے لگی تو نظام الملک دکن لوٹ گیا اور خود مختار حکمران بن گیا۔

قوم مرہٹہ سیواجی نے اپنی قوم کو قابلِ توجہ بنایا۔ عالمگیر نے اپنے زمانہ میں اس طاقت کو اُبھرنے نہ دیا۔ سیواجی ۱۶۸۰ء میں فوت ہُوا۔ شاہانہ حملوں کی صدمات سے یہ قوم ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن چکی تھی۔ پھر بہادر شاہ کی کوتاہ نظری اور غفلت شعاری نے سرے سے اُن میں زندگی کے آثار پیدا کر دیئے۔ دوبارہ قوت عود کر آئی۔ سکھ جو درویشوں کے جرگہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہ بھی طاقت ور ہو کر شاہی سرداروں سے ٹکریں سنبھالنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ فرخ سیر اور عہد محمد شاہ میں سکھ اور مرہٹے پوری قوت کے حامل تھے۔ حسن علی اور نظام الملک نے اُن کی پشت پناہی کی۔ اپنے اقتدار کے لئے ان کو مغلیہ سلطنت سے بھڑنے کی شہ دی بلکہ حسن علی نے محمد شاہ سے اُن کو فرمان صوبہ داری بھی عطا کرایا

مگر اُن کی سرشت بے وفا تھی۔ موقعہ پا کر مرہٹوں نے دلی پر حملہ کر دیا۔ مگر اہلِ دلی نے مقابلہ کر کے عزت سے پسپا کر دیا۔ اس زمانہ میں نادر نے ہندوستان پر حملہ کی ٹھانی۔

نادر شاہ

نادر شاہ نے اشرف شاہ کے عہد میں عروج پایا کہ پہلے خراسان سے ابدالیوں کو نکال دیا۔ اشرف ۱۷۲۹ء میں کرمان اور قندہار کے درمیان مارا گیا۔ ترکوں نے ایرانیوں کی حدود پر قبضہ کر لیا۔ یہ اُن سے لڑنے چلا تھا کہ خراسان میں کچھ شورش ہو گئی۔ واپس آ کر خراسان فتح کیا۔ پھر ہرات لیا۔ یہاں سے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اُس کے نابالغ لڑکے کو برائے نام تخت پر بٹھایا۔ پھر قندہار کو فتح کر لیا۔ تب اُس کی نظریں ہندوستان پر اُٹھنے لگیں۔ نادر شاہ نے ایک قاصد محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ یہاں مے نوشی سے فرصت کہاں تھی کہ قاصد باریاب دربار کیا جاتا۔ الغرض نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اٹک عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔

لاہور پہنچتے ہی گورنر صوبہ سے مقابلہ ہوا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ نادر شاہ دہلی سے سو میل قریب پہنچ گیا۔ سامنے محمد شاہی فوج بھی آ گئی۔ خان دوراں خاں کمانڈر انچیف سخت مقابلہ کے بعد زخمی ہو گیا۔ جانبری کی اُمید نہ رہی۔ میدان سے پڑاؤ پر لایا گیا۔ آصف جاہ عیادت کو پہنچے۔ تھوڑی دیر میں خان دوراں نے آنکھ کھولی اور آہستہ سے اتنا کہا کہ خیر ہم تو اپنا کام کر چکے اب تم لوگ جانو اور تمہارا کام۔ مگر اتنا کہے دیتے ہیں کہ بادشاہ کو نادر کے پاس اور نادر کو شہر میں نہ لے جانا۔ جس طرح ہو سکے اس بلا کو یہیں سے ٹال دینا۔ محمد امین خاں برہان الملک ادھر سے آ گئے تھے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے رہے تھے۔ ہاتھی پر بیٹھ کر قزلباشوں کی فوج پر تیر برسا رہے تھے کہ قزلباش چاروں طرف سے گھر آئے۔ ایک جوان نیشاپوری اُن کا ہمنوا اور یار تھا۔ گھوڑا اُڑا کر اُن کے پاس پہنچا اور آواز دی کہ :-

محمد امین دیوانہ شدہ کہ جنگ می کنی و بچہ اعتماد جنگ می کنی۔

برہان الملک نے بادشاہ کی نمک خواری کا بھی خیال نہ کیا۔ قزلباشوں کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ نادر شاہ نے جرم بخشی کر کے عنایت فرمائی۔ برہان الملک کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا۔ چنانچہ اُس نے مصلحت آمیز باتیں کر کے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیں اور یہیں سے وطن واپس تشریف لے جائیں۔ نادر شاہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ برہان الملک نے ایک عریضہ میں یہ سب حال بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ محمد شاہ نے آصف جاہ بہادر کو روانہ کیا۔ اُس نے برہان الملک کے ذریعہ شاہ نادر سے ملاقات کی۔ بعد گفتگو کے پھر آیا کہ دو کروڑ روپیہ لعل بے بہا لیجئے اور یہاں سے اپنے وطن بخیر و خوبی مراجعت کر جائیے۔

شاہ نادر نے آصف جاہ اور برہان الملک کی بات منظور کر لی۔ آصف جاہ عہد و پیمان کر کے وہاں سے رخصت ہو کر محمد شاہ کے حضور آیا۔ اس کارگذاری کو اس عنوان سے بیان کیا کہ محمد شاہ آصف جاہ کی دولت خواہی سمجھے۔ برہان الملک کی حسنِ خدمت کا کوئی ذکر ہی درمیان میں نہ آیا۔ محمد شاہ نے خان دوراں اور امیر الامرائی کا خطاب اور خلعت بے بہا آصف جاہ کو عنایت کیا۔

برہان الملک وہاں امیر الامرائی کے منصب کو اپنا حق سمجھے بیٹھا تھا۔ اُس نے جب آصف جاہ کے خطاب و خلعت کا حال سنا تو بہت بگڑا اور پیچ و تاب کھایا اور نادر شاہ سے کہا کہ حضور نے کیا غضب کیا جو ہندوستانی کے قارونی خزانہ کو چھوڑ کر دو کروڑ روپیہ پر رضامند ہو گئے۔ یہ رقم تو فقط غلام ادا کر سکتا ہے۔ بادشاہی خزانے اور امراء و مہاجنوں کے گھرانوں کے کیا ٹھکانے ہیں؟ شہر یہاں سے صرف چالیس کوس ہے حضور وہاں تکلیف فرمائیں۔ نادر شاہ نے اپنے ارادے کو بدل دیا اور دلی چل کھڑا ہوا۔ آخر کار ہر دو بادشاہ نے ملاقات کی۔ مارچ ۱۷۳۹ء کو دونوں بادشاہ لال قلعہ کی طرف بڑھے۔

میل ملاپ کی باتیں ہو رہی تھیں دہلویوں اور مغلوں سے چل گئی۔ نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیا۔ کوئی تیس ہزار مقتول کہتا ہے کوئی چالیس ہزار۔ آصف جاہ کے عرض

معروض پر نادر نے تلوار میان میں کی۔ تخت طاؤس لیا۔ بقول مسٹر اسکاٹ نوے لاکھ پونڈ کی لاگت کا تخت طاؤس تھا۔ مگر چہل نصائح شاہجہانی نے سات کروڑ قیمت تخت کی لکھی ہے اور نادر جو جواہر شاہجہانی خزانہ سے لے گیا وہ بیس پچیس کروڑ سے کم نہ تھے۔ غرضیکہ نادر شاہ صدہا ہاتھی اور شاہی سواری کے گھوڑے بیسیوں ہر قسم کے کاریگر اور علوی خاں طبیب کو لے کر اپنے ملک واپس پھرا۔ حکومتِ مغلیہ کی اس واقعہ سے رہی سہی آبرو جاتی رہی۔ لشکر تباہ ہوا۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ نادر شاہ کا آنا اور مغلیہ سلطنت کا ڈھانچے کو توڑ مروڑ کر چلے جانا سردار باجے راؤ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اور اس کو اپنی حوصلہ آزمائی کا پورا موقع ہاتھ لگا۔

غرضیکہ نادر شاہ نے محمد شاہ کو تاج و تخت بخش دیا۔ اب سلطنت کا خزانہ خالی ہو گیا اور دریائے سندھ کے مغربی صوبے بھی ایرانیوں کو دیدینے پڑے۔

مرکز کے کمزور ہونے سے سکھوں اور راجاؤں نے مل کر سرہند پر حملہ کیا اور اپنا ایک سردار مقرر کیا۔ مراٹھوں نے دکنی اور مغربی صوبوں میں اپنی حکومت قائم کر لی اور بہار، بنگال اور اڑیسہ پر دھاوے کرنے لگے۔

گنگا کے دوآب میں علی محمد خاں روہیلہ نے ملک کو کماؤں کی پہاڑی تک اپنے قبضہ میں کر لیا۔ سعادت علی خاں اودھ میں، علی وردی خاں بنگال میں، آصف جاہ نظام الملک دکن میں خود مختار ہو گئے۔ غرضیکہ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ فوت ہوا۔

محمد شاہ کا علمی دور

محمد شاہ (۱۱۳۱ھ۔ ۱۱۶۱ھ) کے زمانہ میں نواب شرف الدولہ ارادت خاں نے دلی کے بازار دریبہ میں سرراہ ایک مدرسہ ۱۱۳۵ھ میں تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ سے ملحق ایک مسجد بھی ہے۔ اُس کی پیشانی پر یہ ایک منظوم کتبہ کندہ ہے جس کے آخری شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔

سال تاریخ بنا گفت خرد قبلۂ حج ارادت کیشاں

اسی طرح احمد آباد گجرات میں اسی زمانہ میں مولانا نور الدین احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ

نے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا اور اس میں ان کی مسند درس بچھی ہوئی تھی اور درس و تدریس کا فیض جاری تھا۔

بہادر شاہ اوّل کے زمانے میں ایک مدرسہ فرخ آباد میں فخرالمرابع کے نام سے قائم تھا۔ اس کے بانی ایک صاحبِ علم مولوی ولی اللہ نامی تھے۔ مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح اس دور کے چند دیگر مدارس کے تذکرے ملتے ہیں جن کے نام گنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن اسلامی سلطنت کے دورِ اضمحلال میں ہونے کی وجہ سے ان مدرسوں کا کوئی تعلق حکومت سے نہیں تھا۔ کیونکہ جاہ پسند امراء مختلف صوبوں کی ولایتوں اور بڑے عہدوں پر قابض تھے۔ اُن کے پیشِ نظر سب سے زیادہ ان کی ذاتی سیاسی مصلحتیں تھیں۔ ان مدارس کا سارا بارِ دیندار ارباب ثروت اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی ابتری کا اثر ملک کے تعلیمی نظام پر بھی طاری ہُوا۔

چنانچہ سلطنت کے دورِ زوال کے شروع ہونے کے کچھ دنوں بعد عمومی طور سے ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں میں اختلال پیدا ہُوا اور اس دور میں اگر کسی فرمانروا کے زمانہ میں کہیں کوئی مدرسہ تعمیر پایا یا تعلیمی وظیفے جاری ہوئے تو عمال سلطنت نے بڑے بڑے تعلیمی اوقاف بھی ضبط کر لئے۔ چنانچہ مولانا غلام علی آزاد نے اس دور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ مؤثر انداز میں کھینچا ہے اور اسی سے سارے ہندوستان کے تعلیمی حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”تا آں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغازِ جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شہر و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد نیز مثل دارالطیور جون پور۔ بنارس۔ غازی پور۔ کنڑہ۔ مانک پور۔ کوڑہ جہان آباد وغیرہا ضمیمہ حکومت گردید وظائف و سیور غالات خاں داد ہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ و کار شرفاء بر پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آں جا را از کسب علم باز داشتہ در پیشہ سپہ گری انداخت و رواج تدریس

وتحصیل برآں درجہ نہ ماند مدارسے کہ از عہدِ قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب اُفتاد و انجمن ارباب کمال بیشتر برہم خورد۔"
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ او ابو المنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف و اقطاعات بہ دستور زیرِ ضبط ماند و در اواخر محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدر جنگ مقرر شد۔ ونتیجۂ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بہ ضبط در آمد و در عہد احمد شاہ صفدر جنگ بہ پایۂ وزارت اعلیٰ صعود نمود نائب صوبہ اکابر ارباب وظائف تنگ تر گرفت و تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است۔" [1]

بایں ہمہ ہندوستان کے دیندار علماء اپنے دینی اخلاص، اصلاح وتقوے اور ایثار سے ہندوستان کے قدیم اسلامی نظام کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالے رہے۔ مدرسوں کی بوسیدہ عمارتوں میں قال اللہ و قال الرسولؐ کا درس جاری رکھا۔ پھر اس دَور سے اس زمانہ تک ایسے اربابِ خیر بھی رہے جو مدرسوں کو چلاتے نئی عمارتیں بنواتے اور طلباء کے لئے مصارف کا بار اُٹھاتے رہے۔ جزاہم اللہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس و تدریس

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے علوم کی تحصیل کی اور پھر اپنے والد کے مدرسہ کی مسند درس پر بیٹھے۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ محمد اسحاق، حضرت عبدالقادر اعلیٰ اللہ مقامہم باری باری جلوہ افروز ہوئے اور اس سرچشمۂ فیض سے خاص طور پر علم حدیث ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

---

[1] مآثر الکرام

فرنگی محل

ہندوستان کے مشہور دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ کی ابتداء بھی عالمگیر ہی کے عہد میں ہوئی ہے۔ قصبہ (سہالی (اودھ) کے مشہور صاحبِ درس مُلّا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیر نے اُن کے صاحبزادوں کو لکھنؤ کے فرنگی محل میں ایک قطعہ مکان معہ متعلقہ عمارتوں کے ۱۱۰۵ھ میں عنایت کیا۔[1]

ملا قطب الدین سہالوی کے چھوٹے صاحبزادے ملا نظام الدین نے جو ان دنوں ۱۵ سال کے تھے اسی عمارت میں مسندِ درس قائم کی جسے مدرسہ نظامیہ کا مشہور لقب حاصل ہُوا اور اس کا مرتب کیا ہُوا نصابِ تعلیم دو صدیوں تک بلا اختلاف ہندوستان میں رائج رہا اور آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدرسے نصاب تعلیم میں بہت کچھ تبدیلیاں قبول کر لینے کے باوجود اسی نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ آج فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ پر تقریباً اڈھائی سو برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں سینکڑوں علماء اور فضلاء اس خاندان میں پیدا ہوئے اور اس مدرسہ کی مسند تعلیم کو مسلسل قائم کئے رہے اور ان کے دامنِ تعلیم و تربیت سے ہزاروں علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے چپّہ چپّہ کو علم و تعلیم کی روشنی سے منوّر کیا۔

فرنگی محل کے ان اکابر علماء میں جو درس و تدریس میں اپنے وقتوں میں فن کے امام اور مُسلم اُستاد تھے۔ مُلّا نظام الدین، مولانا بحر العلوم عبد العلی، مولانا عبد الوالی، مولانا عبد الحکیم، ملا حسن، ملا حسین اور مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی وغیرہ ہیں۔

مغلوں کے دورِ حکومت کے آغاز سے عالمگیر کے زمانہ تک میں تعلیم کی اشاعت پر سلاطین امراء اور ہر عہد کے علماء و فضلاء کی جو توجہ رہی اس کا اثر یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبے گجرات، پنجاب، دہلی، آگرہ، سندھ، دکن، بنگال، بہار، جونپور،

---

[1] مقالاتِ شبلی۔

اودھ اور الہ آباد مختلف ادوار میں تعلیم کے مرکز رہے اور اُن کی تعلیمی خدمات عالمگیر کے عہد تک خصوصیت کے ساتھ جاری رہیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں مشرقی ہندوستان کی عمومی اور اودھ الہ آباد کی خاص طور پر تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"سرزمین پورب از قدیم الایام علم وعلماء است۔ اگرچہ جمیع صوبجات ہندیہ وجود حاملان علوم تفاخر دارند سیما امصار پائے تخت خلافت کہ بہ واسطہ مرجعیت صاحب کمالان ہر قسم دراں جا فراہم می آیند واز تراکم افکار واجتماع عقول اہل ہر عصر کمالات نفس ناطقہ را چہ علم عقلی ونقلی وچہ غیر آں با پایۂ بالا بالا تر می رسانند اما صوبہ اودھ والہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نہ تواں یافت چہ تمام صوبہ اودھ واکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کروہ نہایت دہ کروہ تخیناً آدمی شرفاء وبیش بہا است کہ از سلاطین وحکام وظائف وزمین مدد معاش داشتہ اند، مساجد ومدارس وخانقاہات بنا نہادہ ومدرسان عصر ہر جا ابواب علم بر روئے دانش پژدہاں کشادہ وصدائے اطلبوا العلم در دادہ وطلبہ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے می روند ہر جا موافقت دست بہم داد وبہ تحصیل مشغول می شوند وصاحب توفیقاں ہر معمورہ طلبہ علم را دانگاہ می دارند وخدمت ایں جماعہ را سعادت عظمیٰ می دانند صاحبقراں ثانی شاہجہاں انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ما است وتا حدود سنہ ۱۲۰۰ھ ہنگامہ علم وعلما دریں گل زمیں گرم می داشت"۔[1]

مدرسہ شہابیہ

قاضی شہاب الدین بن محمد حسن ادہمی نے اپنی نشست گاہ کو مدرسہ کی تشکیل دی۔

"از علمائے وقت بود کسب کمال از خدمت مولوی عبدالرحیم مرادآبادی تلمیذ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نمود ودر جمیع علوم سمائیہ وہندسہ عدیم المثل بود"۔[2]

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان [2] مآثر الکرام۔

حکیم عبدالحکیم نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں :-

"وقرأ العلم علی شیخ قطب الدین بن عبدالحکیم الانصاری السہالوی وقرأ علیہ ولد القاضی قطب الدین گوپاموی ومولانا محمد صالح بنگالی ومولانا محمد اشرف شارح سلم وقاضی مبارک کمافی رسالۃ القطبیہ وفاتش درعشرہ ثالث بعد مأتہ الف واقع شد سنہ ۱۱۳۰ھ -

آپ کے انتقال کے بعد ملا قطب الدین گوپاموی نے اس مدرسہ کی مسند تدریس سنبھالی -

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں -

"ملا قطب الدین عالم متبحر و مشہور مدرس بودند او شاگرد پدر بزرگوار در ہمہ علوم معقول و منقول سرآمد روزگار بود بحکم ارث درفنون ریاضی رایت مہارت باسمان می افراخت واہل مستفیداں رابہ اشخہ کمال لبریز می ساخت "

مولوی مصطفےٰ علی خاں تذکرہ انساب میں آپ کے متعلق رقمطراز ہیں :-

درخدمت ایشاں زیادہ از چار صد کس فارغ التحصیل شدند وازبنگالہ تا پنجاب شاگردان ایشاں در می گویند بست وپنجم رمضان ۱۱۶۰ھ در آغوش بہشت آرمید

مولوی محمد سعید جعفری القادری بدایونی، قاضی محمد عظیم بن شیخ کفایت اللہ گوپاموی شارح سلم العلوم بہاری ملا صاحب کی مسند درس پر ملا وہاج الدین سرفراز ہوئے۔ صاحب ذہن رسا تھے۔ منطق میں ید طولی تھا۔ مولانا فضل امام خیرآبادی آمدنامہ میں لکھتے ہیں :-

صاحب ذہن ثاقب صائب وطور دقیق بودند طبع دقائق علمی غوب می رسد درعلوم اصول نظیر خود داشتہ درہدایہ دانی مشہور بود خلق کثیر درحلقۂ درس او حاضر شدہ استفادۂ علوم می کردند - ۵

مولانا عبدالماجد کرمانی خیرآبادی مولوی دیدار علی جائسی مجتہدی لکھنوی ارشد تلامذہ سے تھے -

۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا -

---

۱ تذکرہ انساب للمولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی ۲ مآثر الکرام ۳ تذکرۃ الواصلین صفحہ ۲۲

۴ ارمغان پادر صفحہ ۵ آمد نامہ قلمی ملک انتظام اللہ شہابی کراچی -

و باج الدین بحق فرمود [۱]

اس کے بعد ملا قطب ثانی نے درس سنبھالا۔ پھر صاحب درس عماد الدین ہوئے۔ ان کے بھائی فرید الدین چکلہ دار تھے۔ اُن کے وقتوں میں مدرسہ کی عمارت گر گئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حمد اللہ سندیلوی کا مدرسہ

حمد اللہ شاگرد ملا نظام الدین کے تھے۔

"در قصبہ سندیلہ من مضافات لکھنؤ مدرسہ کلاں بنا نہاد۔ بجہت مصارف مدرسہ چند دیہہ از پیشگاہ بادشاہ وقت (محمد شاہ) دہلی مخاطب بہ فضل اللہ خاں بود نواب ابو المنصور صوبہ دار اودھ بوئے دستار بدل برادرانہ داشت بسیارے علماء و فضلائے نامدار از سایۂ دامن تربیتش سر بر آوردہ اند دہلی ۱۱۶۰ھ"

تلامذہ قاضی احمد علی سندیلوی، ملا باب اللہ جونپوری۔ محمد اعظم، مولوی عبد اللہ تصنیفات میں شرح تصدیقات سلم العلوم معروف بحمد اللہ، حاشیہ شمس بازغہ و حاشیہ صدرا و شرح زبدۃ الاصول عاملی معروف و مشہور ہیں۔ مدرسہ شیخ حامد قادری لاہور میں انہی کی خانقاہ میں تھا جہاں شیخ حامد خود درس دیتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۲ھ میں ہوا [۲]

عالم باعمل فقیر کامل شیخ متقدس تھے۔ اس مدرسہ کے لئے محمد شاہ نے پچاس بیگھ زمین مزروعہ واسطے مصارف عطا کی تھی۔ اس کا فرمان مصنف تحقیقات چشتی کے گھرانہ میں موجود ہے [۳]۔ حامد قادری کے بعد مولوی خان محمد مدرس رہے۔ مسجد کی امامت بھی کرتے تھے۔ پھر حافظ رحمت اللہ قائم مقام ہوئے۔ ان کے شاگرد حافظ دائم تھے [۴]

درس میاں وڈا (حافظ محمد اسمٰعیل) بادشاہ نے دیہہ چاہان مزروعہ گرد و نواح خانقاہ معافی عطا کی۔ اسمٰعیل کے بعد محمد صالح ان کے بعد حافظ محمود درس دیتے تھے۔ مدرسہ میاں تیمور اس کے شاگرد خان محمد جو علم فقہ اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے [۵]

---

[۱] مواقیت الفواتح از قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر گوپاموی قلمی (ملک کتب خانہ باوریہ گوپامو) [۲] اودیکیا ہند ج ۳ ص ۱۶۲

[۳] تحقیقات چشتی صفحہ ۳۰۹ و ۳۱۰ [۴] ایضاً ص ۳۹۷، ۳۹۸ [۵] ایضاً ص ۴۰۰۔

مدرسہ قاضی مبارک دہلی

قاضی مبارک بن دائم ادہمی ذہن رسا و طبیعت عالی داشت[۱] و فضائل و کمالات بسیار می داشتہ۔ چنانچہ مردمان شاہ جہان آباد ایشاں را امام اعظم ثانی می گفتند[۲]

قاضی شاگرد ملا قطب الدین گوپاموی است و بعضے کتب از شاہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی اخذ کردہ[۳]

مولوی عبدالحیٔ نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

"وتلقی العلم فی عصرہ عن القاضی شہاب الدین گوپاموی۔

قاضی نے آگرہ جاکر سید زاہد بن اسلم ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ وہاں سے دہلی آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کے مدرسہ سے مولوی محمد علی بدایونی۔ حکیم سید امام الدین رہتکی، مولوی محمد میرانی کشمیری ملا نور محمد کشمیری قاضی محمد امیر جیسے حضرات فارغ التحصیل ہو کر رخصت ہوئے۔

سنہ ۱۱۶۲ھ میں بعہد احمد شاہ وفات پائی حسن خاتمہ مادۂ تاریخ ہے۔

شیخ غلام مصطفےٰ مراد آبادی:۔

"انسان کامل بود در احاطہ علوم عقلی و نقلی ممتاز اماثل تحصیل معقولات بلیشتر از ملا قطب الدین شہید سہالوی نمود و بنزے در حدیث شیخ غلام نقشبند لکھنوی تلمذ کرد[۳]

لاہر پور میں مولانا شاہ محمد رکن الدین قلندر نے درس گاہ قائم کی۔ خود درس دیتے تھے۔ اُن کے بعد صاحبزادے شاہ محمد اسمٰعیل نے اس مدرسہ کو ترقی دی اور خود جملہ مصارف برداشت کرتے تھے[۴]

---

[۱] آمد نامہ قلمی [۲] تذکرۃ الانساب للمولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی قلمی [۳] سرو آزاد ص ۶
[۴] سیر العلماء ص ۸۔

احمد شاہ بادشاہ

غرہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا عمر بیس سال کی تھی۔ اُس کے دربار میں لائق اہل کار جمع ہو گئے۔ آصف جاہ نظام دکن کو وزارت کے لئے طلب کیا مگر سال جلوس ہی میں وہ فوت ہو گیا تو ابوالمنصور خاں کو وزارت دی۔ عمدۃ الملک مدار المہام کو بُرہان الملک کا خطاب عنایت ہوا۔ آصف جاہ کے چھ بیٹے تھے میر محمد شاہ ملقب غازی الدین خاں فیروز جنگ۔ دوسرے میر احمد ملقب ناصر جنگ جو باپ کی جگہ قائم مقام تھے۔ تیسرے پسر محمد ملقب صلابت جنگ۔ چوتھا میر محمد شریف خطاب برہان الملک تھا۔ پانچواں نظام علی خاں، چھٹا میر مغل، اس کا لقب ناصر الملک تھا۔ بادشاہ نے فیروز جنگ کو مشرف دیوان خاص اور بخشی گیری رسالہ عطا کی۔ ناصر جنگ کو احمد شاہ درانی کی آمد کے خوف سے طلب کیا تھا۔ درانی اپنی شمالی مہمات میں مصروف تھا۔ ناصر جنگ کو برہان پور سے واپس جانے کا حکم بھیج دیا۔ غرضیکہ سلطنت کا انتظام کر کے عیش و عشرت میں لگ گیا۔

وزیر الملک صفدر جنگ کی بن آئی۔ اُنھوں نے اپنے ہمسایہ روہیلوں کو پائمال کرنے کی ٹھانی۔

نواب علی محمد خاں مرے تو صفدر جنگ قائم خاں پسر محمد خاں بنگش کو آمادہ کیا کہ یہ موقعہ ہے سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ سے ملک چھین لے۔ وہ طمع میں آ کر چڑھ دوڑا اور بدایوں کے قلعہ میں اسے گھیر لیا۔ سعد اللہ خاں نے نکل کر مقابلہ کیا۔ قائم خاں مارے گئے۔ صفدر جنگ بادشاہ احمد شاہ کو لے کر کوئل آیا اور خود فرخ آباد پہنچا اور بیوہ قائم خاں سے ملک چھین کر قبضہ میں کیا۔ چند مواضعات اولاد کو بخشے۔ بادشاہ سنہ ۱۱۶۳ھ کو دلی چلا آیا۔ نول رائے کو صفدر جنگ نے اس علاقہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔

فرخ آباد گیا۔ اس زمانہ میں چکلہ مُراد آباد میں حافظ رحمت خاں اور دوسرے خاں نے ایک فتح حاصل کی تھی۔ احمد خاں نے روہیلوں کو ساتھ لے کر ۱۱۶۳ھ میں نول رائے پر حملہ کیا۔ اور جان سے مار ڈالا۔

صفدر جنگ کو اس کا علم ہُوا تو راجہ سورج مل جاٹ کو لے کر پٹھانوں سے نبٹنے آیا۔ مادہرہ پر مقابلہ ہوا۔ صفدر جنگ زخمی ہُوا اور شکست کھا کر دلی آیا اور وزارت جاتی ہوئی رشوت سے سنبھالی۔ احمد خاں نے اودھ اور الہ آباد لینا چاہا۔ الہ آباد پر حملہ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ مگر صفدر جنگ نے مرہٹوں سے مدد چاہی۔ ملہار راؤ ہلکر اور جی اپا سندھیا سے جن کو بالاجی نے ابھی مالوے بھیجا تھا اعانت کی درخواست کی اور سورج مل کو ہمراہ لے کر اول جمادی الثانی ۱۱۶۴ھ کو کوچ کیا۔ جالیسر اور سعد آباد میں احمد خاں کی طرف سے شادل خاں حاکم تھا اُس کے مقابل آکر شکست دی۔ احمد خاں الہ آباد کا محاصرہ چھوڑ کر فرخ آباد آیا۔ سعد اللہ خاں روہیلہ بھی مدد کو آگیا۔ ۱۱۶۴ھ میں حسین پور میں لڑائی ہوئی۔ دس ہزار افغان مارے گئے۔ احمد خاں اور سعد اللہ خاں زندہ نکل گئے اور کوہ کمایوں میں جا کر پناہ لی۔ صفدر جنگ کی عنایت سے سرحد کوئل اور جالیسر سے لے کر کوہِ ہمالیہ تک مرہٹوں کا تصرف تھا اور اُن کو اجازت تھی کہ چوتھائی وصول کریں۔ افغان بھی مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ تھے اُن کے توسط سے صفدر جنگ سے صُلح کر لی۔

یکایک خبر آئی کہ احمد شاہ درانی لاہور کے قریب آپہنچا ہے۔ معین الملک ناظم صوبہ نے چار ماہ تک مقابلہ کر لیا پھر میل کر لیا۔ بادشاہ کے خطوط صفدر جنگ کی طلبی کے گئے اُس نے دُرانی کے خوف سے ملہار راؤ کو معاونت کے لئے زرِ خطیر کے وعدہ پر بلایا اور دلی کی طرف روانہ ہُوا اور اُس سے طے ہُوا کہ شاہ دُرانی کو شکست دے کر لاہور اور ملتان کا خود انتظام کرے۔ ابھی یہ دلی تک نہ پہنچے تھے کہ وہاں جاوید خواجہ جو بادشاہ کا منہ چڑھا ہُوا تھا اور نواب بہادر اس کا خطاب تھا۔ اُس نے شاہ درانی کو صلح کا پیغام دیا اور لاہور اور ملتان دونوں صُوبے دے کر صُلح کر لی۔ احمد شاہ دُرانی ہر دو صوبے معین الملک کو دے کر چلا گیا۔ صفدر جنگ دلی آیا اور بادشاہ سے کہا ملہار راؤ کو کیا منہ دکھاؤں؟ اور زرِ خطیر

کہاں سے لاؤں ؟

اس پر امیر الامرا فیروز جنگ خلف آصف الدولہ جو ناصر جنگ کے مرنے کے بعد دکن کے چھ صوبوں کے لئے بادشاہ سے درخواست کرتا تھا اور بادشاہ اُن سے بھاری نذرانے مانگتا تھا۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ صُوبے مجھے عنایت ہوں تو مَیں ملہار راؤ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں اور جو روپیہ ٹھہرا ہے وہ دلا دیتا ہوں۔ یہ درخواست منظور ہو گئی۔ ملہار راؤ دکن فیروز جنگ کے ساتھ رخصت ہُوا۔ وزیر الملک نے خواجہ سرا کو اپنے مکان بلا کر مروا ڈالا۔ جس پر بادشاہ صفدر جنگ سے بیزار ہو گیا۔ فیروز جنگ اپنے بیٹے شہاب الدین محمد خاں کو نیابت میں بخشی گیری پر چھوڑ گیا۔ فیروز جنگ اورنگ آباد پہنچا تو بھائی اُس سے لڑنے کے لئے آیا۔ مگر جنگ سے پہلے اجل کا حکمنامہ آپہنچا۔

شہاب الدین کو باپ کا مال ہاتھ لگا۔ اگرچہ سولہ برس کا تھا۔ مگر آفت روزگار تھا۔ صفدر جنگ کی خوشامد میں لگا۔ اُس نے بادشاہ سے غازی الدین خاں عماد الملک کا خطاب اس کو دلا دیا۔ اور بظاہر بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اور اس فراق میں تھا کہ انتظام الدولہ خان خاناں کو جو قمر الدین خاں وزیر کا داماد تھا اور غازی الدین خاں اس کا بھانجا تھا ٹھکانے لگائے۔ مگر صفدر جنگ سے بادشاہ کو دلی نفرت ہو گئی تھی۔ اُس نے صوبہ اودھ جانے کی اجازت لی، منظور ہو گئی۔ اہلِ شہر اس کا چلا جانا اچھا سمجھتے تھے مگر ہر روز شہر کے اردگرد چکر لگاتا رہا کہ بادشاہ بُلا لے۔ سارے شہر پر انتظام الدولہ اور غازی الدین خاں کا انتظام تھا اور شہر کے بُرجوں پر مورچے لگ گئے۔ فوج جمع ہونے لگی۔

صفدر جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر سورج مل جاٹ اور راندر گسائیں فوجدار یادلی محال سہارن پور کو بلایا۔ اب طرفین سے مورچے قائم ہو گئے۔ روہیلہ سرداران کو صفدر جنگ نے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ بادشاہ کا شقہ بھیجا گیا۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں بیہوش ہوئے۔ رسالدار نجیب خاں داماد دوندے خاں میر مناقب شاہی سے ملے اور وعدہ کیا کہ بادشاہ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ اور کئی ہزار نفوس بسولی سے لے کر نجیب خاں دلی روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے بیس ہزار کا مجمع ساتھ تھا شعبان ۱۱۶۶ھ

کو دربارِ شاہی میں اطلاع ہوئی۔ بسولی کا رسالدار جانسپاری کو حاضر ہے۔ غازی الدین خاں اکبر ملے اور شجاعانہ تیور دیکھ کر خوش ہوئے۔ نجیب خاں نے دہلی کی شہر پناہ کے نیچے خیمے لگا دیئے۔

صفدر جنگ اپنے ولی نعمت کے مقابل دلی سے دو میل کے فاصلہ پر مورچے جمائے پڑے تھے۔ نجیب خاں نے مقابلہ کیا۔ کشائیں مارا گیا۔ پھر مقابلہ پر سورج مل اور صفدر جنگ میدان سے پسپا ہوئے۔ بادشاہ اس کارگزاری پر بہت خوش ہوئے اور شرفِ باریابی بخشا اور نوبت معہ خلعت اور نوابی کا علم عطا ہوا۔ چھ ماہ یہ جنگ رہی۔ مہاراجہ مادھو سنگھ کچھواہہ نے درمیان میں پڑ کر بادشاہ سے صلح کرا دی۔ صفدر جنگ مغلوب ہو گیا تھا۔ اودھ اور الہ آباد کی صوبہ داری پر قناعت پذیر ہو گیا اور دلی سے چلتا ہوا۔

خان خاناں وزیر اور غازی الدین خاں امیر الامراء مدار المہام سلطنت ٹھہرے۔ مگر اقتدار کی کمی بیشی سے باہمی نفاق پیدا ہوا۔ اعتماد الملک سورج مل سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خان خاناں پچاس لاکھ پر سودا کر رہا تھا۔ عماد الملک نے مرہٹوں کی امداد پر بھروسہ کر کے سورج مل پر حملہ کر دیا۔ وہ قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کئی ماہ گزر گئے۔ عاقبت محمود خاں کو دلی توپ خانہ لینے بھیجا خان خاناں نے روک لیا۔

انہی ایام میں عماد الملک نے نجیب خاں کو باون محال سہارنپور پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اُس نے قبضہ کر لیا۔ عماد الملک محاصرہ کئے پڑا ہوا تھا۔ اُس نے ملہار راؤ کو دلی بھیجا۔ اُس نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ قلعہ میں محصور ہو گئے۔ خان خاناں وزارت سے معزول کر دیئے گئے۔ عاقبت محمود وزیر مقرر ہوئے جس نے علماء کے مشورہ سے احمد شاہ کو تخت سے اُتار دیا۔ ۱۱۶۷ھ کو قید خانہ میں بھیج دیا اور سلطان عز الدین بن معز الدین جہاندار شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ لقب عالمگیر ثانی رکھا گیا۔ احمد شاہ نے چھ سال دس مہینے سلطنت کی۔

❁

عالمگیر ثانی

عالمگیر ثانی کی حدودِ مملکت میں دوآبہ کے چند ضلعے اور جنوب میں ستلج کے کئی ایک ضلعے رہ گئے تھے۔ گجرات مرہٹوں کی پائمالی میں تھا۔ بنگال بہار اور اڑیسہ میں علی وردی خاں کے جانشین متصرف تھے۔ اودھ میں صفدر جنگ کا دور دورہ تھا۔ وسط دوآب میں بنگش حکمران تھے۔ روہیل کھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں، نواب دوندے خاں نواب نجیب الدولہ، نواب محمد علی خاں کی جاگیریں تھیں۔ پنجاب احمد شاہ دُرّانی کے حوالہ تھا۔ دکن میں نظام کی اولاد دست بگریباں تھی۔ انگریزی سوداگر بھی موقعہ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت کا حال یہ تھا جو تحریر کیا گیا۔

کوائف سلطنت

غازی الدین وزیر عالمگیر ثانی کے مقرر ہوئے۔ عاقبت محمود خاں نے احمد شاہ کو اندھا کیا۔ خان خاناں کو ٹھکانہ لگایا۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں صفدر جنگ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ جانشین ہوا۔ شاہ ابدالی کا ملتان و لاہور پر قبضہ تھا اُس نے معین الملک پسر قمر الدین خاں کو صوبہ دار کر دیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سے گر کر مر گیا تو میر مومن خاں صوبہ دار ہوا۔ اس کی ماں مغلانی بیگم نگرانی پر مقرر ہوئی۔ مومن خاں کا بھی انتقال ہُوا۔ پھر خواجہ موسیٰ داماد معین الملک صوبہ دار مقرر ہُوا۔

بھکاری خاں رستم جنگ کو مدار المہام مقرر کیا مگر مغلانی بیگم نے اس کو مروا ڈالا۔

آدینہ بیگ نے ابدالی سے نائب صوبہ داری حاصل کر لی۔ عماد الملک لاہور روانہ ہُوا۔ اپنی ممانی کو خط لکھا کہ اپنی لڑکی کو جس کی نسبت اُس کے ساتھ ٹھہری تھی بھیج دیجئے۔ اُس نے معہ جہیز کے بھیج دیا۔ ادینہ بیگ سے میل کر کے ممانی کو گرفتار کرا کر لدھیانہ بلایا اور عذر و معذرت کر لی۔ لاہور اور ملتان کی صوبہ داری تیس لاکھ روپیہ پیش کش لیکر مرزا ادینہ بیگ کو دیدی اور دلی آگیا۔ اس کی خبر شاہ ابدالی کو لگی وہ قندھار سے ہو کر

لاہور پہنچا۔ عماد الملک نجیب خاں کو لے کر مقابلہ کو چلا۔ مگر ولی داد خاں نے وزیر ابدالی سے مل کر شاہ سے قصور معاف کرا لیا۔

۱۱۷۰ھ میں ابدالی دلی میں آیا۔ بادشاہ سے ملاقات کی اور شاہانہ اختیارات ہاتھ میں لے لئے[1] وزیر کو بھی روپیہ وصول کرکے لائے۔ یہ دلی سے چلتا بنا اور فرخ آباد گیا۔ احمد خاں بنگش سے نذرانہ لیا۔ پھر شجاع الدولہ نے پانچ لاکھ روپے وصول کئے اور فرخ آباد لوٹ کر شاہ ابدالی کی حرکت کا منتظر رہا۔ شاہ ابدالی نے خانجہاں کو مع فوج کے جاٹوں سے نذرانہ وصول کرنے بھیجا۔ انھوں نے مقابلہ کیا تو آگرہ کا رخ کیا۔ قلعہ دار سیف اللہ نے بھی دو دو ہاتھ کئے اور کئی لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر بلا کو ٹالا۔ یہ درانی شہر متھرا پر جا گرے وہاں میلہ تھا اس کو لوٹا اور شہر کو ۱۱۷۰ھ میں برباد کیا۔ اس کے بعد دلی کی کٹائی خوب دل کھول کر احمد شاہ نے کرائی۔ دو ماہ تک دلی لٹی۔ نادر گردی کو لوگ بھول گئے۔ پھر انوپ شہر گیا اور ملک کو تقسیم کر کے ۱۱۷۱ھ کو اپنے ملک چلا گیا۔ نجیب خاں کو بادشاہ کا امیر الامراء مقرر کیا گیا۔

جانے سے پہلے احمد شاہ نے محمد شاہ کی بیٹی سے شادی کی اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی بھتیجی سے کی۔ تیمور کو لاہور، ملتان، ٹھٹھہ کا ناظم مقرر کیا اور خان جہاں کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔

غازی الدین خاں عماد الملک فرخ آباد میں بیٹھا ہوا یہ سب حالات دیکھ رہا تھا۔ ابدالی کے جانے کے بعد عماد الملک نے احمد خاں بنگش کو امیر الامراء مقرر کیا اور دلی چلا اور رگھناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہلکر کو دکن سے بلایا اور دلی کا محاصرہ کیا۔ عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ محصور ہو گئے۔ ۲۷ روز جنگ رہی۔ ہلکر کو بادشاہ نے رشوت دی۔ جب محاصرہ سے نجات ملی نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر چلتے ہوئے عالمگیر ثانی نے ولی عہد عالی گہر کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ جو نجیب الدولہ کے پاس چلا گیا۔

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۲۹۶۔

تیمور شاہ سے آدینہ بیگ کی چھڑ گئی۔ ادینہ بیگ نے سکھوں کے جرگہ کو ہمنوا کرکے دوآبہ بھیج دیا۔ انہوں نے خوب لوٹا۔ اس کے بعد اس نے رگھنا تھ راؤ اور شمشیر بہادر کو دکن سے بلایا۔ وہ شعبان سنہ ۱۱۷۱ھ میں پنجاب روانہ ہو گئے اور سرہند آکر عبدالصمد خاں جو درانیوں کا نمائندہ تھا اس کو لڑکر مارا۔ لاہور اور پنجاب پر مرہٹے قابض ہو گئے درانی بھاگ گئے اور اٹک پار ہو گئے۔ مرہٹوں نے ادینہ بیگ سے پچھتر لاکھ روپیہ لیکر صوبیداری دی اور دکن چلتے ہوئے اور جنگو جی کو راجپوتوں سے لڑنے کے لئے دہلی چھوڑ گئے۔

سنہ ۱۱۷۱ھ میں دیتا جی سندھیا نے غازی الدین کے کہنے سے ہندوستان کو فتح کرنے کی ٹھانی۔ پنجاب قبضہ میں تھا۔ روہیل کھنڈ اور اودھ صرف لینا تھا۔ نجیب الدولہ پر حملہ بول دیا وہ سکرتال میں مقیم ہوا۔ نواب سعد اللہ خاں، نواب رحمت خاں حافظ الملک، نواب دوندے خاں نجیب الدولہ کی معاونت کے لئے آگئے۔ شجاع الدولہ بھی لکھنو سے چلدیا۔ دیتا جی سندھیا نے گوبند رام بندیلہ کو بیس ہزار کا لشکر دے کر روہیل کھنڈ تاراج کرنے بھیج دیا۔ نجیب الدولہ گھر گئے۔ شجاع الدولہ کو وقت پر بلاوا پہنچا اور گوبند رام کی پٹائی اچھی طرح پٹھانوں نے کردی تو سنہ ۱۱۷۲ھ میں شجاع الدولہ سے مرہٹوں نے صلح کرکے جان بچائی۔

رگھنا تھ راؤ دکن لوٹے۔ سداشیو راؤ نے احمد نگر پر قبضہ کیا تو اس کو غرور ہو گیا۔ اس نے ان سے کہا تم دکن سنبھالو میں ہندوستان پر قبضہ کرنے جاتا ہوں۔ ادھر دیتا جی سندھیا مارا گیا اور ہلکر کی فوج تباہ ہوئی۔ اس خبر نے اس کے ارادہ کو پختہ کر دیا۔ سداشیو راؤ عرف بھاؤ اور بالاجی راؤ پسر بسواس راؤ کو لے کر بڑے لاؤ لشکر سے دلی روانہ ہوا۔ ابراہیم گاردی افسر توپ خانہ تھا۔ جب یہ عظیم الشان لشکر آگرہ پہنچا تو وہ سورج مل جاٹ ہلکر کی وساطت سے بیس ہزار فوج کے ساتھ اس لشکر میں آملا۔

ادھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو صورت حال لکھی اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھے کہ ابدالی کو بلا کر مرہٹوں کی گوشمالی ایسی کرادو کہ یہ خدشہ ہی

جاتا رہے فتح مسلمانوں کی ہے یہ بشارت دی - ادھر خطوط احمد شاہ کو پہنچے اور تیمور کی بے دخلی کا علم ہُوا تو وہ دس ہزار فوج لے کر روانہ ہُوا اور جلد گنگا جمنا کے دوآبہ میں آ گیا - یہاں سعد اللہ خاں نجیب الدولہ احمد خاں بنگش حافظ رحمت خاں دوندے خاں، سرداران روہیلہ سب حاضر خدمت ہوئے - اس وقت مرہٹوں کا لشکر بیس ہزار کے قریب اس ملک میں پھیلا ہُوا تھا - دیتا سندھیا اور ہلکر سرگروہ تھے - احمد شاہ نے شاہ جہان آباد کے قریب باؤلی پر دتیاجی سندھیا کے گروہ پر حملہ کر دیا جس میں سندھیا مارا گیا - جنکو بقیہ فوج کو لے کر دکن چلتا ہُوا -

ہلکر کے لشکر پر شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں کو حملہ کرنے کے لئے شاہ درانی نے بھیجا - اُس کی ایسی پٹائی ہوئی کہ تین سو سوار لے کر بھاگ گیا - باقی لشکر مارا گیا یا قید ہُوا پھر موسم برسات کا آ گیا - شاہجہاں آباد پر احمد شاہ تھوڑے درانی چھوڑ کر انوپ شہر چلا گیا اور شجاع الدولہ کو بُلانے نجیب الدولہ کو بھیجا - یہ ان کو سمجھا کر لے آئے - دس ہزار فوج کے ساتھ ابدالی کے جھنڈے کے نیچے یہ بھی جمع ہو گئے مگر اُن کی خط و کتابت بھاؤ سے قائم تھی - بھاؤ مع مرہٹہ فوج کے اکبر آباد سے دلی روانہ ہُوا - عماد الملک متھرا میں اُن سے ملا - ہلکر بھی تیس ہزار سوار لے کر بھاؤ کے ساتھ ہو گیا - ۹ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ کو دلی میں بھاؤ داخل ہُوا - سعد اللہ خاں کی حویلی میں اُترا - قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا - یعقوب علی خاں بھن زئی نے احمد شاہ کو مطلع کیا - کہلا بھیجا کہ دلی چھوڑ کر کھاؤ - بھاؤ نے دلی پر تصرف کیا - اُس نے جواہرات پر قبضہ کیا اور شہر کو لوٹا مسجدیں گرا دیں - اس کے ساتھ بشواس راؤ، بلونت سنگھ، شمشیر بہادر، سورج مل، غازی الدین، راجہ گائیلواڑ، ہلکر، مہاجی سندھیا، ابراہیم خاں گاردی، فتح خاں گاردی جنکوجی اور دوسرے سرداران راجپوتانہ تھے - باہمی مشورہ ہُوا کہ بیشوا کے بیٹے بشواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھایا جائے اور وزیر اعظم شجاع الدولہ کو کیا جائے مگر چند روز کے لئے رسم تاجپوشی ملتوی ہوئی - بھاؤ ساتھیوں کو لیکر مع لشکر جو بقول کاشی راؤ پانچ لاکھ تھے - درانی فوج ۴۰ ہزار تھی[1]، ۲ جمادی الاول ۱۱۷۴ھ

---

[1] تاریخ احمد صد ۱۲ -

کو کنج پورہ پہنچا۔ عبدالصمد خاں محمد زئی اور میاں قطب شاہ سرداران شاہ درانی فراہمی رسد کے لئے مقیم تھے۔ اُن پر حملہ کیا وہ شہید ہو گئے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر پانی پت کے میدان میں فوج آ جمی اور مقابلہ پر شاہ درانی معہ ہمراہیوں کے آ گئے۔ پہلے چھیڑ چھاڑ رہی پھر ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا۔ اشرف الوزراء کی فوج بہت کام آئی اور نجیب الدولہ بھی دادِ شجاعت دے رہا تھا مگر غلبہ مرہٹوں کا تھا۔

شاہ درانی سُرخ خیمہ سے نکل کر ایک اُونچی جگہ پر کھڑا ہُوا۔ میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ شجاع الدولہ کی فوج سرد مہری دکھا رہی تھی۔ بھاؤ اور بسواس راؤ اپنی فوج کو خوب لڑا رہے ہیں اور اُن کا ہاتھی اکثر شجاع کی فوج میں آ جاتا ہے۔ اپنی فوج کی طرف نظر ڈالی۔ شاہ ولی خاں جو قلب لشکر کا محافظ تھا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر مرہٹوں سے نبٹ رہا ہے۔ مگر نازک وقت آ چکا ہے۔ شاہ نے اپنے محافظ دستے طلب کئے اور اُن کو حکم دیا کہ توپ لے کر شجاع الدولہ کی فوج میں سے گزر کر بسواس راؤ کے ہاتھی کو توپ کے گولوں پر رکھ لو اور سردارانِ مرہٹہ رگھناتھ راؤ شمشیر بہادر جنکوجی جو بھاؤ کے اردگرد ہیں اُن پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔

غلاموں کے دستے رخصت کئے اور خود مصلّٰی بچھا کر خدا سے گڑگڑا کر دعائے فتح و نصرت مانگنے لگا۔ یکایک توپ کی آواز آئی۔ سجدے سے سر اُٹھا کر میدانِ کارزار پر نظر ڈالی۔ نقشۂ جنگ بگڑ چکا تھا۔ توپ کا گولہ پشت سے ہاتھی پر لگا۔ بسواس اور خود زخمی ہوئے۔ بھاؤ کی آنکھوں میں جہان تاریک ہو گیا۔ وہ اس کو اولاد سے زیادہ چاہتا تھا۔ بسواس کی جان پر زد پڑنے سے بھاؤ کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوسرے ہاتھی کے ہودے میں لٹانے کا حکم دیا۔ لٹاتے ہی وہ مر گیا۔ بھاؤ خود ایک عربی گھوڑے پر سوار ہُوا اور لڑائی کے بھنور میں آ کُودا۔

شاہ ابدالی کی اس حربی ترکیب سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ بھاؤ دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ روہیلہ سردار نواب عنایت خاں خلف حافظ الملک تیغ زنی کرتے ہوئے بھاؤ کی طرف آ نکلے۔ ہر دو میں نیزہ بازی ہوئی۔ عنایت خاں ایک مرد شجاع اور بہادر شخص

تھا اس کا وار نہ جھیل سکا۔ گھوڑے سے نیزہ کے ساتھ نیچے آرہا۔ عنایت خاں نے گھوڑے سے کُود کر تلوار سے بھاؤ کا سر اُتار لیا۔ ہ

ز شمشیرِ عنایت خاں دراں جنگ اجل گفتا سر بھاؤ ترا شد [1]

سردارانِ مرہٹہ نے بھاؤ کا گھوارہ نہ دیکھا۔ اُن کے اوسان خطا ہوگئے۔ ادھر پٹھانوں اور روہیلوں نے جوش و خروش سے مرہٹوں پر تیغ زنی شروع کردی اور تمام سمتوں سے اُن کو لگیدتے ہُوئے چلے۔ حتیٰ کہ شام کے چار بجے سارا میدان مرہٹہ جنگ جوؤں سے خالی ہوگیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ گرانٹ ڈف کے بقول دو لاکھ مرہٹے اور دکنی میدان پانی پت میں قتل و ہلاک ہُوئے۔

جو مرہٹے میدانِ جنگ سے بھاگے افغانیوں نے دس بارہ کوس تک ان کو تہ تیغ کیا جو جان بچا لے گئے وہ پانی پت پہنچے۔ دِقت سے خندق کو طے کرکے دمدمہ پر چڑھ کر حصار کے اندر داخل ہوگئے۔ مگر خندق میں گر کر بہت سے کام آئے۔ افغانوں نے شب ہی میں قصبہ کے ارد گرد پہرے لگا دیئے اور علی الصبح قصبہ میں داخل ہوکر جس قدر مرد، عورت بچے حصار میں ملے سب کو گرفتار کرلیا۔ عورتیں اور بچے اپنے ملک میں لے جانے کے لئے علیحدہ کرلئے اور بقیہ مردوں کو ذلّت و مصیبت اور فاقہ زدگی سے نکلنے کے لئے قیدِ ہستی سے انہیں چھڑا کر ہمدردانہ سلوک کیا اُن کے پچھلے مظالم کا یہ بدلہ لیا۔ اب افغانی بپھر چکا تھا۔ اِن سے ان کے سروں کے کلہ منار ہٹلئے جس سے جوشِ غضب کچھ سرد پڑا۔

کاشی راؤ لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد تمام بڑے بڑے سرداروں نے شاہ ابدالی کو تہنیت فتح کی نذریں پیش کیں اور شاہ نے میدانِ جنگ کا سرسری معائنہ کرکے جس میں کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگے ہُوئے تھے اپنے خیمہ کو واپس ہوگیا اور تمام افسران بھی اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے۔[2] عام سپاہی لوٹ میں لگا ہُوا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں

---

[1] نقش سلیمانی [2] پانی پت کا خونی میدان مصنفہ شرر

غلہ نہ تھا۔ روپیہ بھی توڑا تھا۔ عورتوں کے زیورات گلوا کر روپیہ و اشرفیاں بنوائی تھیں۔ کاشی راؤ لکھتا ہے :-

"ایک افغانی سوار آٹھ آٹھ دس دس اونٹ قیمتی سامان سے لدے ہوئے لاتا دیکھا جاتا تھا۔ گھوڑے بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکے جا رہے تھے اور ہاتھیوں کی بھی بڑی تعداد پکڑی گئی تھی"

مالِ غنیمت علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے کہ پانسو ہاتھی، پانچ ہزار گھوڑے دو لاکھ بیل (مویشی) بہت سا جواہر و زر نقد اور بے شمار اسلحہ و ظروف کثیر المقدار اسباب اور ہزار ہا خیمے معہ سامانِ آرائش وغیرہ لشکر ابدالی کے ہاتھ آئے[1]۔

تعداد افواج بھاؤ فارسی تاریخوں میں بھاؤ کے لشکر کے آدمیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ اسی بنا پر مقتولین کا شمار بھی تین سے آٹھ تک لگایا گیا ہے[2]۔ لیکن گرانٹ ڈف کے نزدیک تین لاکھ نفوس بمقام پانی پت لشکر بھاؤ میں موجود تھے۔ منجملہ ان کے جنگجوؤں میں سے ۱/۴ حصہ اپنی جان سلامت لے جا سکا اور افغانی مقتول بیس ہزار سے کم نہ تھے۔

مولوی سید مدد علی تپش اکبر آبادی نے جنگ پانی پت میں بھاؤ کے لشکر کی تعداد چار لاکھ لکھی ہے۔ اڑھائی لاکھ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ پچاس ہزار دکن تک پہنچتے پہنچتے اہلِ دیہات نے قتل کر دیئے کہ ان مرہٹوں نے اُن کے دیہات لُوٹے اور جلائے اور دیہاتیوں کو مارا پیٹا تھا۔ گوجروں نے پورا پورا اُن سے بدلہ لیا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اپنے دیہات میں اُن کی مدد کی اور دکن کے سفر کے لئے خرچ دیا[3]۔ سورج مل نے مرہٹوں کا ساتھ دیا اور دس لاکھ روپیہ سے مدد دی اور ایک لاکھ مرہٹے بحالت تباہ پٹے پٹائے وطن مالوف لوٹے۔

مرہٹہ سردار جو بچ رہے ملہار راؤ ہلکر، وٹھل شیدیو اور دتاجی گائیکواڑ، معرکہ پانی پت سے بچ نکلے۔ اتنا منکیسر میدان سے بھاگ...

---

[1]، [2] پانی پت کا خونی میدان از سید جالب دہلوی مصنفہ اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۸

[3] جنگ پانی پت از مولوی سید مدد علی تپش اکبر آبادی مطبع العلمہ ۱۸۵۲ء۔

فرخ نگر کے جاٹوں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باجی راؤ پیشوا کا لڑکا شمشیر بہادر زخمی تھا وہ سورج مل جاٹ کے قلعہ ڈیگ میں پناہ گیر ہوا۔ دھنی پاربتی بائی زوجہ بھاؤ بھی معہ اپنے چند مجروحوں کے ابراہیم گاردی کے ساتھی مسلمان سپاہیوں کی معاونت سے ڈیگ پہنچ گئی۔ دھنی نے تین روز ٹھہر کر اپنے خاوند کی مراسم تعزیت ادا کیں۔ بعد ازاں سورج مل نے معقول بدرقہ و محافظین کے ساتھ اس کو دکن کی طرف رخصت کیا۔ شمشیر ڈیگ ہی میں مر گیا۔ مادھوسندھیا کو بھی ایک مسلمان عورت نے اپنے یہاں جگہ دی۔ اس کے بیٹوں نے زخموں کا علاج کرایا۔ جب کچھ آرام ہوا تو گوالیار پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد اکبر ماں بیٹوں کو لے گیا اور عزت سے اپنے پاس رکھا۔ آج تک وہ خاندان موجود ہے۔

ابراہیم گاردی گرفتار ہوا اور زخموں کی تکلیف سے چند روز بعد مر گیا۔ شمشیر بہادر بھاگتا ہوا مارا گیا۔ جنکوجی سندھیا بھی قتل کیا گیا۔ ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا۔ اپاجی سندھیا لنگڑاتا ہوا دکن پہنچا۔ مرہٹوں کو سخت شکست ہوئی۔ اس صدمہ سے بالاجی تھوڑے دن بعد مر گیا۔ تمام مہاراشٹر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

فتح کے بعد احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز قیام کر کے بادشاہ ولی عالی گہر کو مقرر کیا اور شجاع کو وزیر اور نجیب الدولہ کو امیر الامراء جواں بخت کو بادشاہ کا نائب مقرر کیا۔

شہزادہ جواں بخت را ولی عہد شاہ عالم نمود و شہر را باختیار نجیب الدولہ گذاشتہ۔[1]

سرداران روہیلہ کو رخصت کیا۔ شجاع کو اودھ والہ آباد روانہ کیا۔ نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم کر کے خود قندھار چلا گیا۔[2]

---

[1] سیر المتاخرین صـ۳ [2] تاریخ ہندوستان جلد ۹ صـ۳۰۹

ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

نام مرزا عبداللہ نام تھا۔ ارباب خاندان عالی گوہر سے خطاب کرتے تھے۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے خلف اور معز الدین جہاندار شاہ کے پوتے تھے۔ ماں کا نام لال کنور تھا۔ بادشاہ ہو کر ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا[۱] والدہ کا سایہ بہت کم عمری میں سر سے اٹھ گیا تو سوتیلی والدہ نواب زینت محل نے سگی ماں سے بڑھ کر پرورش کی[۲]۔ ار ذیقعدہ سنہ ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت علم سے طبعی لگاؤ تھا۔ عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت[۳]، ہندی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ خطاطی میں بھی درک تھا۔ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ سید محمد درویش کے مرید ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ تھوڑا بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

ولی عہدی عالی گوہر کو عالمگیر ثانی نے ولی عہد قرار دے لیا تھا۔ عماد الملک غازی الدین کے فتنہ سے ولی عہد کو بچانے کے لئے جھجر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی[۴]۔

عالی گوہر نے تال کٹورے پہنچ کر سلطنت کو وزیر عماد الملک کے دست تغلّب سے نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور اس نے زبردستی سے بادشاہ سے شقے بھجوائے۔ عالی گوہر باپ کے بلاتے پر دہلی گئے مگر جمنا کے کنارے علی مردان خاں کی حویلی میں قیام کیا۔ عماد الملک نے بدعہدی کی اور ولی عہد کے مسکن کو محاصرہ میں لے لیا۔ یہ بدقت جمنا پار ہو کر ہانسی حصار پہنچے۔ وہاں سے نواب نجیب الدولہ

---

[۱] واقعات عالم شاہی [۲] شاہ عالم نامہ صہ ۱۵ [۳] مجموعہ نغز [۴] نادرات شاہی صہ ۲۰ ۔

کی دعوت پر گنج پورے کے راستے میران پور پہنچے۔ نواب نے ولی عہد بہادر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پچاس ہزار روپے ماہوار اخراجات کے لئے نذر کرنا شروع کئے۔ نجیب الدولہ نے بہت ہاتھ پیر مارے۔ روہیلوں کو تیار کیا۔ جاٹوں سے مدد لینا چاہی کہ ولی عہد کو سامنے رکھ کر عماد الملک سے انتقام لے۔ ایک سال تک عالی گوہر اُن کے پاس مقیم رہے۔ آخرش یہاں کوئی صورت بنتے ہوئے نہ دیکھی لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ ۹ رجمادی الاول ۱۱۷۳ھ کو شجاع الدولہ نے شایانِ شان استقبال کیا اور ہاتھی گھوڑے خیمے ڈیرے سارا سامانِ امارت مہیا کرکے پچاس ہزار روپیہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قضیہ

بنگال میں نواب سراج الدولہ کی جگہ انگریزوں نے میر جعفر کو ناظم بنا دیا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گزرے تھے کہ سارا ملک اُس کے ہاتھوں تنگ آگیا۔ محمد قلی خاں الہ آباد کے صوبہ دار نے اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ بنگال پر خود قبضہ کرے۔ چنانچہ ولی عہد کی تاک میں تھا۔ نجیب الدولہ کے قیام کے دوران ہی خطوط لکھے تھے کہ آپ الہ آباد آجائیے۔ چنانچہ عالی گوہر اور شجاع الدولہ میں مشورے ہوئے اور الہ آباد پہنچے۔ یہاں محمد قلی خاں نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ ۷ رجب ۱۱۷۳ھ کو ولی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہوگئے۔ "کرم ناسا" ندی کو پار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں اُن کا پلّہ بھاری رہا۔ لیکن انگریزوں کی فوج کی آمد کی خبر نے محمد قلی خاں کو دل برداشتہ کر دیا۔

عالی گوہر اس سے بے خبر تھا کہ میرا لڑنا درحقیقت اب جعفر سے نہیں ہے بلکہ ایک نئی اور بالکل اجنبی قوم سے ہے جس کی قوتِ عقلی اور حکمتِ فوجی کا کبھی اندازہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس غلط فہمی کے باعث جب شاہی لشکر اور جعفر کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو موقعہ کی نزاکت دیکھ کر عالی گوہر نے محاصرہ اٹھا لیا اور ۲۵ ذیقعدہ ۱۱۷۲ھ کو دیوان مکند پور میں فروکش ہوگئے۔[1]

---

[1] شاہ عالم نامہ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

انگریزی اقتدار فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگالہ میں اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی مل چکی تھی اور کلکتہ کے پریذیڈنٹ کی دستخط سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سے ارباب کمپنی نے مال منگوانا اور بلا محصول روانہ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اُس کے سازشی طور پر غیروں کا مال بھی اپنی دستخط سے بھیجنے لگے۔ اس حرکت سے ناظم بنگالہ کی آمدنی میں نقصان کثیر واقع ہوا۔ اُس نے ناراض ہو کر زمینداروں کو اشارہ کیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمینداری فروخت نہ کرے۔ اس وجہ سے ایک عرصہ تک انگریزوں کو اپنی ذہنی مطلب برآری میں ناکامی رہی۔ جبکہ نواب الہ وردی خاں ناظم بنگالہ نے قضا کی اور بسبب نہ ہونے اولاد ذکور کے اُس کے بھتیجے کا بیٹا نواب سراج الدولہ اٹھارہ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اُس کی انگریزوں سے اس بنا پر بگڑ گئی کہ اُس کے چچا کا دیوان اُس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جا ملا اور جب سراج الدولہ نے مانگا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے۔ مدارس میں بھی انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ وہاں سے کمک آئی مگر انگریزی فوج کے ساتھ نواب کرناٹک کی فوج بھی تھی۔ پھر بھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی۔ مگر سراج الدولہ کے فوج کے آدمی اس قدر مارے گئے کہ فتح کی خوشی میسر نہ آئی۔ بعد اس کے ان شرائط پر صلح ہوئی کہ موافق عہد نامہ شاہی کے انگریز اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدیں اور مال بھی اپنی دستخط سے روانہ کریں۔ مگر وہ مال صرف اپنا ہی مال ہو۔

چند روز گزرے تھے کہ اور سازش شروع ہوئی۔ الہ وردی خاں کا داماد میر جعفر خاں معہ دیوان رائے دلبھ رائے اور جگت سیٹھ مہتاب رائے کے انگریزوں سے مل گیا۔ انگریزوں نے اس کو ناظم بنگالہ بنا دینے کے وعدہ پر اُس سے ایک خفیہ عہد نامہ

کرالیا جس میں سراج الدولہ کے عہد نامہ پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ :-

"کلکتہ سے دکن جھیلی تک کمپنی کی زمینداری سمجھی جائے۔ فرانسیسی بنگال سے نکال دیئے جائیں اور دو کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ بطور نقصان کے کمپنی کو دیا جائے۔"

اس عہد نامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ جعفر سے دل میں صاف رہا۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی۔ مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بے وفائی کھلی تو سراج الدولہ کے ہوش جاتے رہے اور ساتھ ہی اس کے پیر اُکھڑ گئے۔ اس لڑائی میں سراج الدولہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے انگریزوں کے قدم بالکل جم گئے اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔

میر جعفر کے ایک بیٹا تھا جو اسی زمانہ میں بجلی گرنے سے مرگیا۔ اب جعفر کے داماد قاسم علی خاں نے وہ کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اُس کے خسر میر جعفر نے کی تھی۔ انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پرانا طریقہ کام میں لایا گیا کہ عہد نامہ سابق پر ۲۵ لاکھ روپیہ نقد اور بردوان، میدنی پور اور چٹ گاؤں کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریز جعفر کو چھوڑ کر قاسم کے معاون و مددگار بن گئے۔ اس میں لارڈ کلائیو کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ جعفر کو اصل حال سے خبر نہ تھی۔ قاسم کی نظر پھری دیکھ کر انگریزوں کے پاس مشورہ لینے گیا۔ وہاں جعفر تو قید کر لیا گیا اور قاسم علی خاں ناظم بنگالہ مشتہر کر دیا گیا۔ میر قاسم نے اپنے عہدِ حکومت میں عہد نامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضرورتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

عالی گوہر کی تخت نشینی عالی گوہر نے ۲۰ محرم ۱۱۷۳ھ کو دوبارہ بہار کی طرف رُخ کیا۔ سون دریا کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا۔ چار ماہ بعد دہلی سے خبر ملی کہ عماد الملک نے ۸ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ کو عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا[۱] دولت خواہوں

---

[۱] شاہ عالم نامہ [۲] انوار الدین نامہ [۳] شاہ عالم نامہ صـ ۹۰۔

کے مشورہ سے ۴ جمادی الاول کو عالی گوہر نے کھتولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

تاریخ جلوس

زہے شاہ عالی گہر عدل گستر | باو تاج و تخت و نگیں شد مسلم
برون آں سال جلوس ہمایوں | ز سلطان ہندوستان شاہ عالم[1]

(اولاد علی ذکاء)

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو خیر خواہی کے صلے میں پہلے کو امیر الامرائی اور دوسرے کو وزارت کا خلعت ارسال کیا اور منیر الدولہ احمد شاہ ابدالی کے دربار میں سفیر کر کے بھیجا۔ رسومات جشن جلوس سے فراغت پا کر لشکر نے حرکت کی۔ رام نرائن نے آگے بڑھ کر روکا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی اور زخمی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہی فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے اپنی فوج راجہ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سال بھر تک جھڑپیں رہیں۔ آخر میں کامیابی انگریزوں کو ہوئی۔ جمادی الآخر سنہ ۱۱۷۴ھ میں بادشاہ نے موسیو لا فرانسیسی کی معاونت سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد اپنے کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز سردار انہیں لے کر پٹنے چلے آئے اور قلعہ میں ٹھہرایا۔

بادشاہ پچھلی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۱۷۴ھ کو میر جعفر کا داماد میر قاسم جو بنگال کا ناظم مقرر ہو چکا تھا وہ بادشاہ کے پاس پٹنہ آیا اور ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی شرط حاصل کر لی مگر انگریزوں نے اپنی دستخط سے اپنا اور گماشتوں اور دیگر قوم کے تاجروں کا مال روانہ کرنا شروع کر دیا جس سے قاسم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ برباد ہوتے لگا۔ پہلے تو اس نے انگریزوں سے شکایت کی۔ مگر جب کسی نے نہ سنی تو اس نے سرے سے اس محصول ہی

---

[1] مفتاح التواریخ صفحہ ۳۴۴ سے شاہ عالم نامہ

کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ جب تمام اقوام کے تجارہ کو محصول کی معافی ہو گئی تو انگریزوں کی دوسروں سے اندرونی طور پر وصول کرنے والی دستبرد جاتی رہی میر قاسم کو بے رُخی سے دیکھا اور دھمکایا کہ بجز ہماری قوم کے دوسری قوموں پر محصول معاف نہ ہونے پائے۔

الہ آباد کا قیام مُنیر الدولہ احمد شاہ دُرانی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی بحالی کا مژدہ سُنایا۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے استدعا کی کہ الہ آباد آکر مقیم ہوں۔ بادشاہ خود انگریزوں کی نگرانی سے بچنا چاہتے تھے۔ آخر شوال ۱۱۷۵ھ کو پٹنے سے روانہ ہو گئے۔ ۱۲ ذی قعدہ کو شجاع الدولہ استقبال کے لئے حاضر ہوتے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا اور ۵ ذی الحجہ کو الہ آباد لے آئے اور یہاں شجاع الدولہ اُن پر مسلّط ہو گیا۔

دو اڑھائی سال شجاع الدولہ شاہ عالم کو لئے پھرا۔ مرہٹوں سے بندیل کھنڈ میں مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ ۱۱۷۵ھ میں شکست پا گئے۔ بادشاہ وزیر کی ترقی کی بہاریں دیکھ رہے تھے[1] خلعتِ وزارت شجاع الدولہ کو مرحمت کیا۔ جھانسی کا قلعہ فتح کر کے الہ آباد آ گئے۔

بکسر کی جنگ میر قاسم کی انگریزوں سے چل گئی تھی۔ ہر دو میں آخر ش مقابلہ ہوا۔ شکست پا کر شجاع الدولہ کے پاس الہ آباد آیا۔ وزیر بظاہر استعانت اور بباطن بنگال پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے پرچم کے نیچے عظیم الشان لشکر اکٹھا کیا اور بنارس کی طرف انگریزوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۷۸ھ ۱۷۶۴ء کو بکسر میں قاسم اور شجاع الدولہ کی فوج نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی جس میں کثرت سے انگریز کام آئے۔ یہ کمک جو اودھ سے آئی تھی اس میں بسبب اُس کے کہ بنارس ماتحت اودھ تھا مہاراجہ بنارس بھی شریک تھا۔ جب موقع جنگ میں انگریزوں کی حالت ابتر ہونے لگی تو انہوں نے مہاراجہ بنارس کو توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنے آقا کی فوج میں بے لڑے انگریزوں کو گھس آنے

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۷۰۔

دیا اور یہی جنگ بکسر کی جنگ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔

شجاع الدولہ جان بچا کر نوابان روہیل کھنڈ کی خدمت میں آ گیا۔ یہاں اُن کی بڑی خاطر و مدارت ہوئی۔ اب بادشاہ بے یار و مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی حفاظت میں دیدیا اور الٰہ آباد واپس چلے آئے۔

بکسر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر گئی۔ اب تک انگریز ہندوستان میں تجارت کرتے تھے۔ اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

شجاع الدولہ اور انگریز

شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ اور ۲۸ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے دو صوبے الٰہ آباد اور کوڑہ شاہجہان آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دیئے جانے پر صلح کر لی۔ بادشاہ کا قیام الٰہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔ اس عرصہ میں میر قاسم کے بجائے میر جعفر دنیا سے چل بسا۔ انگریزوں نے اُس کے بیٹے نجم الدولہ کو مسند نشین کیا۔

اب گذشتہ عہدناموں پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ نائب صوبہ انگریز کے مشورہ سے مقرر ہُوا کرے گا اور بلا اجازت اُن کے موقوف نہ ہو سکے گا۔

غرضیکہ چند روز تک انگریزوں نے اپنا آوردہ نائب صوبہ بنا کر اس جھگڑے کو بھی الگ کیا۔ صرف نجم الدولہ برائے نام ناظم رہے۔ ۲۶ لاکھ سالانہ میر جعفر کی طرف سے شاہ دہلی کو جاتا تھا خود برابر اور بدستور وعدہ پر بہانہ اڑ لیے، بنگال کی دیوانی کا فرمان ۲۴ صفر ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء کو حاصل کر کے نظامت کا جھگڑا ابھی ختم کر دیا۔

شاہ عالم الٰہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے۔ نگران انگریز تھے[1] اور اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کھانے کے شجاع الدولہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

سات برس بادشاہ الٰہ آباد میں رونق افروز رہے۔ امراء نے رنگ رلیوں میں لگا کر جی بہلانے کا سامان مہیا کر دیا۔

---

[1] سیر المتاخرین ص ۔

بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری

عیش وعشرت کی بانسری الہ آباد میں بج رہی تھی۔ کچھ دن بعد دل گھبرا گیا۔ دلی جانا چاہتے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے دوآبے کے کچھ اضلاع دے کر صلح کرلی تھی۔ کیونکہ مادھوراؤ پیشوا ۸۰ ہزار فوج سے جاٹوں پر آگرا۔ جواہر سنگھ راجہ بھرت پور مرچکا تھا کچھ دن ہوئے تھے نول سنگھ گدی نشین ہوا تھا اس کو شکست دیتا ہوا ۱۱۸۳ھ میں دہلی آیا ادھر سکھ دوآبے میں لوٹ پچا رہے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے صلح کرلی وہ فرخ آباد چلتے بنے۔ تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا۔ رجب ۱۱۸۴ھ کو نجیب الدولہ انتقال کر گئے۔ مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ باندھا۔ تجویز یہ تھی کہ فی الحال شاہ عالم کو ہاتھ میں لیا جائے اور درخواستیں آنے لگیں کہ آپ اپنی موروثی راجدھانی کو چھوڑتے ہوئے کیوں الہ آباد پڑے ہیں۔ ضابطہ خاں خلف نجیب الدولہ مرہٹوں کے ساتھ فرخ آباد جاتے ہوئے اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ بادشاہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی کے خلاف دلی روانہ ہوگئے۔ فرخ آباد آکر مقیم ہوئے۔ یہاں مرہٹہ سردار آکر قدم بوس ہوئے۔ نواب فرخ آباد نے نذرانہ پیش کیا۔ وہ منظور کرتے ہوئے ۲۹ رمضان ۱۱۸۵ھ ۵ مئی ۱۷۷۹ء کو دہلی میں تشریف لائے۔[1]

نواب ضابطہ خاں

مرہٹوں کی راہ میں ضابطہ خاں ایک زبردست کانٹا تھا۔ سمجھتے تھے کہ یہ روہیلوں کا بڑا سردار بھی ہے لہٰذا انہوں نے شاہ عالم کو اُبھارا کہ ضابطہ خاں پر حملہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ بادشاہ اُن کے ہاتھ میں کھیل رہا تھا نہ تو اس کو اس کی پرواہ تھی کہ یہ جماعت حکومت مغلیہ کی درپے ہے اور اس سے زیادہ نجیب الدولہ کے جو احسانات تھے وہ سب بالائے طاق رکھ کر شوال ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۲ء میں روہیلوں کے تباہ کر دینے کے ارادے سے اپنی فوج لے کر روانہ ہوگئے۔ اس

---

[1] وقائع عالم شاہی و ایسٹ انڈیا کمپنی کا ریکارڈ۔

فوج کشی کا ضابطہ خاں مقابلہ نہ کر سکا۔ سکھرتال میں قلعہ بند ہُوا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کی پناہ میں گیا۔ مرہٹوں نے خاندانِ نجیب الدولہ کی جملہ افراد بچوں، عورتوں تک کو پکڑ کر قید کیا۔ مال اسباب لُوٹا۔ شاہ عالم اپنے سامنے مخدرات روہیلہ کو ذلیل و خوار ہوتا ہُوا دیکھ رہا تھا۔ [1]

غوث گڑھ کے علاوہ پورا سہارنپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا۔ بادشاہ ماہ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ میں فتح و کامرانی کا پرچم اڑاتے ہوئے شہر میں رونق افروز ہوئے [2]

مرہٹہ کامیاب ہُوئے مگر انھوں نے مال میں سے بادشاہ کو کچھ حصّہ نہ دیا۔ آخر کار بادشاہ نے کچھ سوچ کر نول سنگھ جاٹ کی سرکوبی کے لئے ان مرہٹوں کو روانہ کیا اور مرزا نجف خاں ایرانی جو اپنے بھائی روہیلوں کو تباہ کرنے میں مرہٹوں سے زیادہ بازی لے گیا تھا اس کو بخشی فوج مقرر کیا۔ مرہٹوں سے نجات کی صورت بادشاہ نے یہ نکالی تھی مرزا نجف خاں نے مغل فوج کی بھرتی شروع کی۔ مرہٹے تاڑ گئے۔ انھوں نے فوراً ہی ضابطہ خاں سے ساز باز کر کے معقول تاوان کے بدلے میں امیر الامرائی دلانے کا وعدہ کر لیا۔ ٹکوجی جاٹوں کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامراء بنایا جائے۔ بادشاہ ٹال مٹول کرنے لگے۔ بزور شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کرایا

---

[1] نجیب التواریخ قلمی (ملک بیت المصنف علی گڑھ) [2] جام جہاں نما صفحہ ۹، جلد ۲

[3] ضابطہ خاں بڑا بہادر شخص تھا مگر بادشاہ کی تلون مزاجی اور امرائے سلطنت کے ساز باز سے وہ حکومت مغلیہ کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہُوا۔ اپنے والد کے ہم خیال ہوتے ہُوئے اُس نے چاہا پھر مرہٹہ اقتدار نہ بڑھے مگر اس کی تدابیر بروئے کار نہ آئیں۔ ذی علم اور اہل اللہ کا گرویدہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحب زادگان کی خدمت ہر طرح سے کرتا رہتا تھا اور حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کا معتقد ہی نہیں بلکہ مُرید خاص تھا۔ مناقب فخریہ میں ہے :-

"اُو در حسن اعتقاد مردے بود بے نظیر در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود"۔ [ع]

ع مناقب فخریہ صفحہ ۳۸ -

اور جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی۔ بادشاہ لاچار تھے اور اُن کے اشارے پر چل رہے تھے۔ سنہ ۱۱۸۶ھ میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیرداری بھی اپنے حق میں لکھوالی۔ اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ روہیل کھنڈ پر اُن کا نزلہ ڈھلا۔ لُوٹ مار، غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ یکایک نارائن راؤ پیشوا کے مرنے کی خبر نے مرہٹوں کو فکر مند کر دیا۔ وہ روہیلوں سے صلح کر کے دکن جانے کو ہوئے۔ بادشاہ سے من مانی شرائط منوا کر دکن گئے۔

ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی مرزا نجف خاں کے دن پھرے۔ یہ ایران سے آ کر محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد کا ملازم رہا۔ اس کے بعد میر قاسم کا متوسل بنا۔ منیر الدولہ کے توسط سے الہ آباد میں شاہی ملازمت اختیار کر کے دہلی چلا آیا۔ اُس نے اپنی بہادری اور تدبر سے ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب حاصل کیا۔[1]

پہلے جاٹوں کا زور توڑا پھر بادشاہ کی شہ پر ضابطہ خاں کے مقابلہ کو آیا۔ سکھوں اور روہیلوں کے متحدہ لشکر سے خونریز جنگ کر کے ۹ رمضان سنہ ۱۱۹۰ھ کو نواب ضابطہ خاں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو روہیلوں کی مذکورہ لڑائی تباہی و بربادی کے صلہ میں امیر الامراء اور نائب وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اب نجف خاں نے ہاتھ پیر نکالے۔ ایران سے لوگوں کی آمد شروع ہونے لگی۔ دلی میں چند دنوں کے عرصہ میں ایرانی، ایرانی نظر آنے لگے۔ اپنے مسلک کی ترویج عام کر دی۔ رہے سہے اسلامی شعائر مٹنے لگے۔ نئے نئے مشغلے شروع ہو گئے۔ بے غیرتی بڑھی ہوئی تھی۔

---

[1] مرزا نجف خاں شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا اُس نے اپنا نائب وزیر مقرر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے بھی اسکی سفارش کی کیونکہ وہ انگریزوں کا ہمنوا، مرہٹوں اور روہیلوں کا دشمن تھا۔[ع] ادھر اسکو جاٹوں کی خودسری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

[ع] تاریخ ہندوستان جلد ۹ صفحہ ۳۲۔

قوم کی حمیت وغیرت نے دوسری کمزور اقوام کو اُبھرنے کا موقعہ دیا۔ سکھوں نے پھر زور باندھا اور دوآبے سے لے کر لاہور تک قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ شاہ عالم نے مجدالدولہ کو اُن کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ شکست کھا کر دلی بھاگ آیا۔ مرزا نجف خاں آگرہ تھا بادشاہ نے اُسے دلی بُلایا (۱۱۹۳ھ) کو مجدالدولہ گرفتار ہُوا اور اُس کی خدمات مرزا نجف خاں کے سپرد ہُوئیں۔

مرزا نجف خاں جہاں اپنوں کے لئے متعصب تھا وہاں شجاع اور بہادر بھی تھا۔ اُس نے سکھوں کی تنبیہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ ۱۱۹۵ھ میرٹھ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ شاہی لشکر جیت گیا۔ سکھوں کا سردار پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کھیت رہا۔ پھر سے لاہور تک کا علاقہ مغل حکومت کا مطیع ہُوا اور پھر نئے سرے سے سکّہ بیٹھ گیا۔

چنانچہ مرزا ۱۷۷۳ء میں روہیل کھنڈ کی مہمات میں مصروف رہا۔ اُس نے اکبرآباد کا قلعہ جاٹوں سے لے کر محمد بیگ ہمدانی کے سپرد کیا۔ جاٹوں کے راجہ رنجیت سنگھ کو اس کا بڑا داغ تھا اُس نے دس ہزار فوج جمع کی اور سکندر آباد پہنچا۔ دلی میں اُس وقت صرف پانچ ہزار سوار اور دو پلٹنیں سپاہیوں کی تھیں جن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی، شکست کھا کر واپس گیا۔ پھر چین نہ پڑا تو شمرو فرانسیسی کو ساتھ لے کر آیا۔ مرزا روہیل کھنڈ سے آگیا تھا۔ وہ ۱۷۷۴ء میں سرکوبی کو روانہ ہو گیا۔ کھربانہ سے سردار نجف قلی خاں دس ہزار سپاہ کے ساتھ آگیا۔ یہاں دلی میں مجدالدولہ عبدالاحد خاں فتنہ اٹھا رہا تھا کہ آصف الدولہ نواب وزیر کا وکیل لطافت خاں پانچ ہزار سپاہ سے پہنچ گیا۔ اُس نے مجدالدولہ کی تدبیریں چلنے نہ دیں۔ مرزا نجف خاں ہوڈل میں پہنچا۔ وہاں سے جاٹوں کو رگیدتا ہُوا ڈیگ تک گیا۔ شمرو نے بھی زور لگایا مگر مرزا کی شجاعت سے مُنہ کی کھانی پڑی۔

قلعہ ڈیگ ۱۷۷۶ء میں مرزا کے ہاتھ آیا۔ چند لاکھ روپیہ نقد اور بہت کچھ آگرہ کی لُوٹ کا مال ملا۔ جاٹ بے سروپا بھاگے۔ کھیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ اب جاٹوں کے پاس صرف تین قلعے رہ گئے تھے۔ بھرت پور کی راج گدی نجف خاں نے کیونکہ رانی نے اس کو بھائی کہا تھا اس بنا پر اُس کے لڑکے کو عطا کی اور تمام جاٹوں کی بستیوں میں دادودہش سے اسلام پھیلایا۔ لطف یہ ہے

کہ وہ بیشتر سادات کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے۔ وہاں سے لوٹ کر دلّی آیا۔[1]

مرزا نجف خاں کی موت اس بہادر نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد سے حکومت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔ امراء میں پھوٹ پڑ گئی۔ مرزا کے متوسلین میں سے محمد شفیع خاں اور افراسیاب خاں میں امیر الامرائی کی رسّہ کشی ہونے لگی۔ یکے بعد دیگرے امیر الامراء ہوئے۔ اس اثناء میں مرزا جواں بخت ولی عہد نے جو رنگ امراء کی چپقلش کا دیکھا تو اس نے چند امراء کو موافق کرکے بادشاہ کو اُن کے پھندے سے نکالنا چاہا اور امیر الامراء بن کر انتظام سلطنت کرنے لگا۔ بادشاہ سلامت شکرانے کی نماز دوگانہ ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ خیرات و مبرات بہت کی گئی مگر محمد شفیع اور افراسیاب خاں دونوں میل کر گئے۔ بادشاہ پھر اُن کے قبضہ میں آکر شاہ شطرنج بن گیا۔ ولی عہد کو جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو طوفانی شب میں دہلی سے راہ فرار اختیار کی۔ رام پور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔[2]

مادھوجی سندھیا مادھوجی سندھیا اور مرزا شفیع خاں امیر الامراء میں خفیہ معاہدے ہو چکے تھے کہ وہ دلی پر اقتدار قائم کرے اور امیر الامراء نے پورے طور پر مدد دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ سندھیا ایک بڑی فوج لے کر چمبل کے شمال ہی میں پہنچا تھا کہ اُس نے شفیع کی موت کی خبر سُنی۔ سندھیا نے دہلی دربار میں خطوط بھیجے۔ جس میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ شاہی خاندان کی شان و شوکت از سر نو قائم کرنا چاہتا ہے جو ایک چال پر مبنی تھی اور یہ صورت اپنی ریاست سے قریب میں رکھنے کی پیش کی کہ شاہ عالم معہ اپنے دربار کے چلے آئیں جہاں وہ سلطنت کے کاروبار کو مختلف جماعتوں کے اطمینان کے مطابق طے کر سکیں اور اُس نے امیر الامراء افراسیاب خاں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ افراسیاب نے بلا سوچے سمجھے سندھیا کا آلہ کار بن کر بادشاہ کے سامنے یہ صورت پیش کی اور اُس کی موافقت میں بادشاہ کی رائے کو مائل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

---

[1] تاریخ بھرت پور از مولوی رحیم بخش جے پوری قلمی [2] وقائع عالم شاہی

شاہ عالم آگرہ جانے پر راضی ہو گئے اور روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر مادھو سندھیا بڑھتا ہوا دِلّی تک آگیا اور افراسیاب کو مشورہ کے لئے بُلایا اور خیمہ میں دھوکے سے قتل کرا دیا۔

مادھو سندھیا کا اقتدار بادشاہ نے پیشوا کو وکیل مطلق کیا اور مادھو گوالیری کو نائب کا منصب مرحمت کیا۔ مادھو جی نے بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امراء کی باہمی شکر رنجیوں سے فائدہ اٹھا کر آگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کیا اور بادشاہ کی ۶۵ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امراء کی جاگیریں ضبطی میں لائی گئیں۔ یہ دن تھا جس دن مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہوا۔ بادشاہ مرہٹہ ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے برابر رہے تھے اور مادھو کے مناقب فرماتے رہے تھے ؎

ملک و مال سب کھوئے کر پڑے تمہارے بس
مادھو ایسی کیجیو آوے تم کو جس

مسلمانوں میں حکومت کے اس ناگوار واقعہ نے غم و غصّہ کی ایک لہر پیدا کی۔ اتفاقیہ راجہ پرتاپ سنگھ والئ جے نگر برسرِ پرخاش ہوا اُس سے لڑنے مادھو سندھیا گیا۔ عین موقعہ جنگ میں اُس کے سرداروں نے سندھیا کو دھوکہ دیا اور اُس کو شکست اُٹھانا پڑی اور گوالیار کا راستہ لیا۔[1]

روہیلوں میں بے چینی بادشاہ کے مذکورالذکر واقعات نے روہیلوں میں عام بے چینی پیدا کر دی اور مشورے ہونے لگے کہ کس طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو چھڑایا جایا اور رہی سہی جو حکومت ہے وہ بچا لی جائے۔ نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے سانٹھ گانٹھ کیا تھی کہ شہرت یہ اُڑی کہ وہ سکھ ہو گیا۔ آخر ش نجف خاں کے ہاتھ سے اُس کی تدبیریں خاک میں ملیں۔ اس کا بیٹا غلام قادر تھا۔ یہ مرہٹوں کے ساتھ غوث گڑھ کی تباہی کے بعد سے تھا

---

[1] تاریخ ہندوستان ۹، ۳۳۱، ۳۳۴۔

مرہٹے ضابطہ خاں کے بیوی بچے پکڑ لائے تھے۔ بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کرا دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی۔ عمر اس وقت ۹، ۱۰ سال کی تھی۔ یہ بہت خوب صورت اور حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے منظور نظر بنا کر خصی کرا دیا اور قدسیہ باغ میں رکھا گیا۔ بادشاہ بھی اب رنگ رلیوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دن رات ناچ گانا ہوتا۔ چنانچہ غلام قادر کو زنانے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جاتا۔ جب تک نادان رہا سب بادشاہ کے ظلم سہے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملا۔[1]

واقعات نواب غلام قادر ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر جاگیر پر قابض ہوا۔ اس کو بادشاہ سے ایک گونہ دشمنی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے تھی جس نے غوث گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ چنانچہ منظور علی خاں ناظر قلعہ معلیٰ نے جو مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آ چکا تھا، غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دہلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم کیا جائے۔

مادھو سندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقعہ پا کر کچھ جاں نثار روہیلوں کو ہمراہ لیکر غلام قادر دلی پر چڑھ دوڑا۔ منظور علی خاں ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کرا دیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر الامرائی حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ ہو گئے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڑھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد اسماعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۲ رجب ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء کو زبردست جنگ ہوئی۔ اس میں مسلمانوں نے دادِ شجاعت دی۔ اس اثنا میں سہارنپور سے اطلاع آئی۔ یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے چیرہ دستی شروع کر دی۔ اس خبر پر غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ میں واپس جانا پڑا۔

---

[1] واقعات مظفری و عجیب التواریخ صد ۱۵ قلمی۔

امراء کی کشیدگی آغاز ۱۲۰۲ھ میں غلام قادر خاں دلی آیا۔ شاہ عالم نے پھر سندھیا کو کمک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا۔ اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امراء بگڑ بیٹھے اور غلام قادر کے شریک اور ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اُس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور پھر امیر الامراء اس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو خزانہ شاہی ہے اس میں سے اس قدر روپیہ مرحمت فرمائیے تاکہ نئے سرے سے فوج بھرتی کی جائے اور اتنی طاقت آپ کی ہو جائے کہ آپ کا وہ ملک جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں مرہٹوں کو دیا ہے واپس لے کر حکومتِ مغلیہ کی آبرو بچالی جائے۔ تمام اہل کار غلام قادر کی رائے کے مؤید تھے۔ مگر ستیل داس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کیا[1]۔

شاہ عالم کے اعمال کا ثمرہ غلام قادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اُمرا کو وقار حاصل ہو اور اُس نے وہ خط نکال کر بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ جو بادشاہ نے مادھو سندھیا کو غلام قادر کے مقابلہ میں مدد کے لئے لکھا تھا[2]۔ اس نے شاہ عالم سے کہا کہ اگر اس وقت ان حرکتوں سے درگزر دوں اور فوج کا انتظام کر لوں تو مرہٹہ قوت کو توڑ کر رکھ دونگا۔ میرے دادا نے آپ سے کیسی رفاقت کی اور حکومت مغلیہ کے بچاؤ میں اپنا خون پسینہ ایک کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں اس حکومت کو مرہٹوں کے سپرد کر رہے ہیں۔ مگر بادشاہ نے اس کی التجا کی کوئی شنوائی نہ کی۔ آخر ش اپنی جان اور حکومت مغلیہ کو بچانے کے لئے یہ کیا کہ پہلے شاہ عالم کو معزول کیا اور ۲۲ شوال ۱۲۰۲ھ کو احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا۔ چونکہ اس کو شاہ عالم کی مرہٹہ پرستی اور اُن کے لکھنے پر روہیلوں سے لڑنے اور اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالنے کا بہت ملال تھا۔ بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پا کر

---

[1] نادرات شاہی صفحہ ۲۸ [2] تاریخ ہندوستان مذکورہ ۴۳

قلعہ معلی کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ غوث گڑھ کی لوٹ کے وقت اس کے خاندان پر جو کچھ گزری تھی کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گزر گئی[1] غلام قادر کا جوش انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔

بادشاہ شاہ عالم کا نابینا ہونا ۷ ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ کو شاہ عالم کو دیوان عام میں بلا کر اس سے روپیہ طلب کیا۔ انکار کرنے پر انہیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں۔ غلام قادر کی اس حرکت قبیح پر تمام امراء اور ارکان سلطنت اس سے بگڑ بیٹھے اور تمام ہمدردیاں اس سے جو تھیں وہ جاتی رہیں۔ یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میرٹھ چلا ہوا۔ سندھیا نے رانا خاں کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور اس کو پھر موقع مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے۔ مرہٹہ فوج نے غلام قادر کو گھیر لیا اور ربیع الاول ۱۲۰۳ھ میں گرفتار کر کے بادشاہ کے انتقام میں تکا بوٹی کر ڈالی۔ مرہٹوں کی اس کارفرمائی سے شہادت کا درجہ تو اسے مل ہی گیا۔

سندھیا نے مصلحت سے دوبارہ بادشاہ کو تخت پر بٹھایا مگر کل اختیارات چھین لئے اور اخراجات کے لئے ۹ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دیئے۔

اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے کوئی روہیلہ سردار باقی نہ بچا تھا کہ ان کی معاونت کرتا اور مرہٹوں کے لئے خوف کا سبب ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم کچھ عرصہ کے بعد سے ہی مرہٹوں نے وحشیانہ طور سے شاہ دہلی اور دلی والوں کو ستانا شروع کیا۔ مغل بچوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے جو چاہتے کرتے اور جو کچھ ان کا جی چاہتا قلعہ معلی میں دست اندازی کر کے شاہ کا دل دکھاتے۔ شاہ عالم کی پانچویں بیوی زبدۃ النساء بیگم عاقلہ عورت تھی اس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ وہ مقررہ رقم کے دینے میں الجھن پیدا کرتے ہیں۔ محل کے اخراجات کو سخت تنگی سے پورا کیا جاتا ہے۔ شاہ عالم سے کہا لارڈ ولزلی کے نام

---

[1] نادرات شاہی صفحہ ۲۹۔

خط روانہ کرو اور اب انگریزوں کے ذریعے ان مرہٹوں کے پنجہ سے رہائی پاؤ۔ چنانچہ بادشاہ نے لارڈ ولزلی کو اپنی مصیبت کی داستان لکھی کہ "میری مرہٹوں کی قید میں اور بھی حالت بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن اُلٹی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ مابدولت کی دلی خواہش ہے کہ میں اپنا دستور تمہیں بناؤں یا اُس شخص کو جسے تم پسند کرو۔ میری آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مجھے مرہٹوں کی قید سے رہائی دلاؤ" [1]

لارڈ ولزلی جوں ہی لارڈ ولزلی نے یہ شقہ سلطانی دیکھا بہت خوش ہوا۔ اس کے جواب میں لارڈ موصوف نے بادشاہ کا اطمینان خاطر کر دیا کہ :-

"آپ گھبرائیں نہیں عنقریب مرہٹوں کی قید سے آپ کو ہم لوگ رہائی دیتے ہیں" [2]

مگر ڈاکٹر جتندر کمار مجمدار ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ دیباچہ" راجہ رام موہن رائے میں لکھتے ہیں کہ :-

"مرہٹوں کے ہمنوا فرانسیسی تھے اور وہ سندھیا کے پردے میں روز بروز اقتدار قائم کر رہے تھے۔ پیرن کا توپ خانہ اور فوج اور فرانسیسی مقبوضات جو شمالی مغربی ہندوستان میں تھے، سندھیا کی حمایت میں مغلیہ حکومت کے کھنڈرات پر قائم تھے۔ اس بڑھتی ہوئی حالت سے انگریز خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹوں کی آڑ لے کر فرانسیسی بادشاہ کو اپنا آلۂ کار بنالیں گے۔ گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف کو اختیارات دیدیئے کہ وہ شاہ عالم سے معاہدہ کرے کہ اگر بادشاہ سلامت حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں تو شرائط کے تحت آسکتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کو گورنر جنرل کے نیک ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے مارکیوز آف ویلزلی نے اس مضمون کا خط ۲۳ جولائی ۱۸۰۳ء کو بادشاہ کو لکھا کہ اگر کسی وقت حالات نازک ہو جائیں تو آپ فوراً ہماری حفاظت میں آسکتے ہیں۔ اور اس امر کا بھی یقین دلایا کہ اگر آپ ہماری پناہ میں آجائیں تو ہر اعتبار سے برطانوی

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ از مولوی رحیم بخش دہلوی [2] ایضاً صفحہ ۲۵۶۔

حکومت آپ کا اعزاز قائم رکھے گی اور ایک معقول وظیفہ آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے دے گی۔ اعلیٰ حضرت اس کو خوشی سے منظور کر لیں گے۔" [۱]

کمانڈر انچیف کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ یہ پیغام رازداری کے ساتھ خفیہ طور سے بادشاہ کو پہنچایا جائے تاکہ فرانسیسی افسر کو جو دولت راؤ سندھیا کی طرف سے بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یہ موقع نہ ملے کہ وہ انگریزوں کو بادشاہ سے نہ ملنے دے اور اس طریقے سے ان کی تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے۔ سعید رضا خاں جو دہلی میں دولت راؤ سندھیا کے ریذیڈنٹ کا ایجنٹ تھا اس کام کے کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا۔ مذکورہ خط کے متعلق بادشاہ کا جواب جو سعید خاں کی معرفت بھیجا گیا بہت امید افزا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے بصد شوق اس کا بھی اظہار کیا کہ وہ برطانوی حفاظت میں آنے کے لئے تیار ہیں۔ [۲]

دہلی پر انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انہیں شکست دی۔ دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے لارڈ لیک کو اس جنگ کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل بوکین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انہوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں دیا صرف جنرل بوکین صف آرا تھا۔ جب خونریزی کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔

زبدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بضد رہے۔ آخر ش زبدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدانِ جنگ

---

[۱] مقدمۂ راجہ رام موہن رائے مترجم مولوی سراج الحق بی اے علیگ رسالہ مصنف مارچ ۱۹۴۲ء

[۲] رسالہ مصنف علی گڑھ مارچ ۱۹۴۳ء ص ۹۰۔

کی طرف چلا۔ شاہ کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی۔ وہ بحالت عدم بینائی کیا تیر چلاتے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا۔ چنانچہ زبدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی تیر ہاتھ بلند کر کے مارتے جائیے۔ اسی اثناء میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک شقہ بھجوا دیا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار تھا۔ آخر کش مرہٹہ لارڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوئے۔

۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی۔ لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آ کر عرض کیا۔ حضور آپ مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے۔ زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فرزند دلبند کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارکباد دیتے ہیں۔ لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اُتار کر سلام کیا۔ شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی پلٹنوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ کی سلامی اُتاری اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے۔[1]

انگریزی قبضہ

۱۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جمنا عبور کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا۔

۱۶ ستمبر کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے۔ دہلی کے سارے باشندے جو مرہٹوں کے مظالم کا شکار رہے تھے دولت اُن کی لٹی تھی۔ عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے۔ ادھر جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی کے باشندے اور بالخصوص مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔[2] جنرل کو سلطنت کا دوسرے نمبر کا خطاب ملا تھا کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا۔ اب شمالی مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دوآبہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

بادشاہ کی سخاوت

باوجودیکہ بادشاہ کی حالت بہت زبوں تھی جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے ہیں شکستہ حالی میں گرفتار، ضعیفی، غربت،

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ [2] مقدمہ راجہ رام موہن رائے صفحہ ۸۹ [3] ایضاً

عدم بصارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی گذشتہ عظمت پر آنسو بہا رہے تھے۔
معلوم ہُوا دولت راؤ سندھیا کا چھ لاکھ روپیہ فرانسیسی کمانڈر دہلی کے پاس تھا جو اُس کے خزانچی شاہ نواز خاں کے پاس موجود ہے۔ کمانڈر انچیف کو بھی اس کی اطلاع ملی انہوں نے ایک مؤدبانہ درخواست بادشاہ کے حضور میں گزاری کہ یہ رقم ہم کو عطا ہو۔ بادشاہ نے اپنی فراخدلی سے بنظرِ عنایت وہ رقم کمانڈر انچیف کے خیمہ میں بھیج دی اور اس کو پیغام بھیجا کہ یہ رقم بطور شاہانہ عطیہ قبول فرمائی جائے۔[1]

ریزیڈنٹ کا تقرر

شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے۔ لفٹننٹ کرنل اکٹرلونی جو ڈپٹی جوٹینٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربارِ مغلیہ میں ریذیڈنٹ بنائے گئے۔
دو سال جوں توں کرکے گذرے اس اثنا میں ریواڑی پر برطانیہ کی فتح ہوئی تھی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسّرت اور جانبداری کا اظہار کیا۔
افسرانِ برطانیہ میں مشورہ ہُوا کہ شاہ دہلی مدت ہوئی اپنا شاہی وقار کھو چکے ہیں اور اس کو از سرِ نو زندہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر شاہی رتبہ اور وظیفہ کے متعلق اختلاف رونما ہُوا۔[2]

۲۳ مئی ۱۸۰۵ء کو ریزیڈنٹ متعینہ دہلی کی معرفت بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ ہمارے اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر ہوں گے اور اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی مختصر شرائط یہ ہیں:-

۱- "وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے داہنی طرف واقع ہے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے بموجب شرائط اقرار نامہ دیدیا جائے اور یہ علاقہ دہلی ریذیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور انصاف کا قائم کرنا مطابق قوانین گورنمنٹ برطانیہ شاہ عالم کے نام سے موسوم ہوگا۔"

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے صہ ۹۱ [2] ایضاً صہ ۹۳ (مصنّف)

۲۔ بادشاہ کو اختیار ہے کہ ایک دیوانی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسر کلکٹر کے دفتر میں رکھیں جن کا کام یہ ہو گا کہ جانچ پڑتال کریں اور بذریعہ رپورٹ بادشاہ کو اس امر کا اطمینان دلاتے رہیں کہ وصول شدہ رقوم مالیات اور وصول مالگزاری میں جو خرچ ہو رہا ہے اس کا کوئی حصہ خورد برد نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ عدالتیں دیوانی اور فوجداری کی اسلامی قانون کے مطابق دہلی شہر اور اس آراضی کے باشندوں کے لئے جو بادشاہ کے نام منتقل کردی گئی تھی قائم ہوتی جا ہئیں اور فوجداری عدالتوں کے سزائے موت کے حکم کی تعمیل اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک کہ بادشاہ سے منظوری نہ لے لی جائے اور اس کے سامنے اس قسم کے مقدمات کی روئیداد بھی پیش کی جائے گی کسی عضو کے کاٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔" [۱]

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ اور اُن کے خاندان کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے نوّے ہزار روپیہ کا مشاہرہ منظور کیا گیا۔ اگر منتقلہ اراضی کی آمدنی اجازت دے تو یہ رقم ایک لاکھ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ مذکورہ بالا رقم کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ ہندو مسلمانوں کے خاص تہواروں کے موقعہ پر قدیم رواج کے مطابق دیئے جائیں گے۔

مُغلیہ حکومت کا آخری دَور

سر جے ڈیلو کہتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت (مُغلیہ) کی تجویز لارڈ ولزلی جارج بارلو اور مسٹر ریڈ جانسٹن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے:۔

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں :۔

---

[۱] مقدمہ راجہ رام موہن رائے مصنف صد ۹۲۔

"یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک پنشن خوار کٹھ پتلی سے گو کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اُس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی، سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا" [1]

غرضیکہ شاہ عالم مدبرانِ برطانیہ کے ایک معزز آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ اب یہ قید ایسی نہ تھی کہ اس سے جیتے جی چھوٹنا نصیب ہوتا۔

وفات چنانچہ نومبر ۱۸۰۶ء، رمضان ۱۲۲۱ھ کو اس بادشاہ نے حکومتِ مغلیہ کا بیڑہ غرق کر کے دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ اوّل کی قبر کے برابر دفن کئے گئے۔

اُن کی حکومت کی کل مدت ۴۸ سال ہے جس میں سے بارہ برس بہادر الہ آباد اور ۱۷ برس بینائی کے ساتھ اور ۱۹ برس آنکھیں کھو کر دِلی میں گزارے۔ [2]

ولی عہد اوّل

جہاندار شاہ، شاہ عالم کے بڑے صاحبزادہ اصلی نام مرزا جواں بخت تھا۔ ۱۱۶۲ء میں نواب تاج محل کے بطن سے پیدا ہوئے جو مکرم الدولہ سید علی اکبر خاں بہادر مستقیم جنگ کی حقیقی بہن تھی [3]

مولوی نظام الدین دہلوی سے تعلیم پائی۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اردو فارسی دونوں سے کہتے اور جہاندار شاہ تخلص کرتے تھے۔ جہاں دار شاہ سخی، خلیق، بامروت، شوخ طبع اور رنگین مزاج تھے۔ جرأت اور ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا چاہا سونڈ سے پکڑ کر وار کرے انہوں نے اتنی مہلت نہ دی اور تلوار کے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

---

[1] مقدمہ راجہ رام موہن رائے مصنفہ صفحہ ۹۳

[2] مقدمات نادرات شاہی از مولانا امتیاز علی خاں عرشی صفحہ ۳۲ [3] وقائع عالم شاہی۔

۱۱۷۴ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے پیچھے انہیں نائب السلطنت بنا کر نجیب الدولہ کی سرپرستی میں دیدیا تھا - دس بارہ برس تک نہایت حسن وخوبی سے کاروبارِ سلطنت انجام دیتے رہے - ۱۱۸۵ھ میں شاہ عالم دلّی واپس آئے تو یہ ولیعہد سلطنت کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے - مرہٹوں کے پنجے سے باپ کو چھڑانا چاہا مگر افراسیاب خاں امیرالامراء کے ڈر سے ۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو رات کو محل سے نکل کر رام پور گئے - پھر لکھنؤ آصف الدولہ کے پاس آ گئے - اس نے آداب اور خدمتگذاری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - آخر میں دلوں میں کدورت پیدا ہوئی - جہاندار شاہ بنارس چلے گئے - وارن ہسٹنگز نے آصف الدولہ سے ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار نذرانہ مقرر کرا دیا تھا - اسی میں گزر بسر کرتے تھے [1] مرزا محمد علاؤ الدین بہادر معروف مرزا بابا کی صاحبزادی جینا بیگم سے عقد کیا - ۲۵ رشعبان ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہُوا - مرزا بابا شاہ عالم کے چچازاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی تھے - جینا بیگم کے بطن سے مرزا مظفر بخت تھے جو بنارس ہی رہے - شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادہ اکبر شاہ ثانی اور تین صاحبزادیاں تھیں -

شاعری اور شاہ عالم | شاہ عالم کو گو تمام عمر مصائب کا سامنا رہا مگر طبعی رجحان شعر و شاعری کی طرف تھا - فارسی اُردو میں شعر کہتے تھے - آفتاب تخلص تھا - بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے - فارسی کلام کی اصلاح مرزا محمد فاخر مکین سے لی - اردو میں مشورہ مولوی نور احمد ممتاز سے لیا -

شاہ عالم کے عہد میں شاعری کی ترقی | گو سلطنتِ مغلیہ مٹ رہی تھی لیکن اردو زبان سنورتی جاتی تھی - اُردو کے جتنے بڑے استاد ہیں وہ اسی زمانہ میں پھلے پھُولے -

کلیم، میر، سودا، مصحفی گو جب شاہ عالم دلّی آئے یہ لوگ جا چکے تھے حکیم ثناء اللہ خاں فراق شاگرد میر درد، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، شاہ ہدایت، میاں شکیبا، مرزا

[1] واقعات اظفری (دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۵۳)

عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا، میر قمرالدین منت، شیخ ولی اللہ محب جیسے حضرات کا دور دورہ تھا جو رفعت شاعری کے علاوہ شاہی دربار میں خاندانی اعزاز بھی رکھتے تھے۔

یہی زمانہ تھا کہ سید انشاء اللہ خاں دلی آئے۔ دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا۔ جس کے سجادہ نشین شاہ عالم خود تھے۔ حضرت نے شاعرانہ قدر دانی کے لحاظ سے اس نوجوان پر خلعت و عزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا اور سید انشاء اللہ اہل دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطائف و ظرائف سے ایک چمن زعفران تھا۔ گل افشانی کر کے محفل کو لوٹ دیتے تھے۔[۱] کچھ عرصہ بعد یہ دلی سے چلتے ہوئے۔ آزاد دہلوی نے لکھا ہے کہ شاہ عالم بڑے مشاق شاعر تھے۔[۲] مولانا عرشی رام پوری لکھتے ہیں :-

"ان کے شعروں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں پیچ دار خیالات، مشکل فقرے یا لفظ اور دور از کار تشبیہیں نہیں ملتیں۔ ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے۔ جو کچھ دل پہ گزرتی ہے خوشی ہو یا رنج آرام ہو یا تکلیف اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں شان و شکوہ کم مگر اثر زیادہ ہے[۳] طرز ادا کی سادگی اُردو، فارسی، ہندی تینوں زبانوں کے اشعار میں یکساں پائی جاتی ہے اور یہی حال اُن کے خیالات کی صفائی کا ہے۔ رہ گئی زبان تو وہ قلعہ معلیٰ کے ممتاز رکن تھے اُن سے زیادہ نتھری اور پاک صاف اردو کون لکھ سکتا تھا جو سند کا درجہ رکھتی ہے"۔

تصانیف مغل بادشاہوں اور شہزادوں کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ بابر اعظم مرزا کامران جہانگیر، دارا شکوہ، عالمگیر ثانی جن کی دو کتابیں مجموعہ روزگار، منتخب عزیزی یادگار سے ہیں۔ شاہ عالم کی تصانیف دیوان فارسی

---

[۱] دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۹، ۱۰ [۲] آب حیات صفحہ ۲۶۳ [۳] دیباچہ نادرات شاہی۔

دیوان اُردو، منظوم اقدس (مثنوی) قصہ شاہ شجاع الشمس، قاسم نے لکھا ہے کہ یہ نثر ریختہ میں تھا۔ مولوی ذکاء اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی عبارت چار درویش جیسی نہیں ہے۔ نادراتِ شاہی، اُردو، فارسی، ہندی، پنجابی شعروں کا مجموعہ ہے۔ مولانا امتیاز علیخاں عرشی رام پوری نے مع دیباچہ کے اس کتاب کو مرتب کر کے شائع کرا دیا ہے۔

علمائے عہد اور شاہ عالم | شاہ عالم کے زمانہ میں علماء اور مشائخ مسلمانوں کی زبوں حالی کی اصلاح میں لگے ہوئے تھے۔ شاہ فخر الدین بادشاہ کو اس کی اصلاح کے لئے ارشاد کرتے ہیں۔ چنانچہ مناقب فخریہ میں ہے :۔

"سلطان عصر (شاہ عالم) تا بذاتِ خود بہ امورِ ملک ستانی و ملک داری متوجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نہ کند بندوبست بہ ہیچ وجہ صورت نمیگیرد۔"

حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے شاہ صاحب ان کو آگاہ فرماتے ہیں :۔

"اگر مامور و مختار و نائب سلطنت نماید امرائے دیگر ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نہند و بے خبر پے بردگی با سلطان می گردد و رعب سلطان ہر کہ و مہ نمی ماند و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر شد او را می شناسد و سررشتہ تعلق شان از سلطان منقطع می گردد و در دماغ امیر ہوائے انا و لا غیری می پیچد و گاہ باشد کہ بر سر می آید در سلف اکثر ہمچنیں شدہ است۔" [1]

آگے فرماتے ہیں :۔

"پس اول مقدم این ست کہ آں صاحب بذاتِ خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔"

آپ کے سامنے فتنے اُٹھ رہے تھے۔ سکھوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی اور بادشاہ کا

---

[1] مناقب فخریہ صفحہ ۳۵، ۳۶۔

تغافل بڑھا ہوا تھا۔ ایک دن خود دربار میں تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

"بہ تنبیہ آنہا (فتنۂ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن آں است"

سکھوں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ دہلی کے علماء کے خاندان ہراساں و پریشان تھے۔ بڑے بڑے خاندانوں کو عزت و ناموس کا خطرہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھا:

ایام بردٍ اتت فالقلب منجزع   من قوم سکھ وان الخوف معقول

ترجمہ "سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے"

تذکرہ شاہ ولی اللہ میں مولوی رحیم بخش دہلوی نے پورا خط نقل کیا ہے۔ اس عہد کے علماء کی بے عزتی مرزا نجف خاں کے ہاتھوں ہوئی۔

شعراء کا جھمگٹا

دہلی میں ان دنوں اُردو شاعری شباب پر تھی، آئے دن مشاعرے ہوتے تھے۔ میر تقی میر کے یہاں مشاعرہ ہوتا۔ اس کے بعد میر ممنون نے اپنے یہاں شعروشاعری کی محفل جمائی مگر مرہٹہ گردی نے صحبتوں کا لطف اٹھا دیا تھا۔

دلی کی شعروشاعری کی سبھا کا اُجاڑ

دلی میں جاٹ گردی نے امرا تو امراء اربابِ فضل و کمال کو بھی چین نہ لینے دیا۔ کوئی مرشد آباد و عظیم آباد گیا کوئی دکن پہنچا جن میں دوری کی سکت نہ تھی وہ فرخ آباد اور فیض آباد سدھارے۔

نواب شجاع الدولہ کو محمد خاں خاں شوستری کی بیٹی امتہ الزہرا بیگم جو محمد شاہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی تھیں بیاہی تھیں اُن کی سیر چشمی سے آدھی دلی ادھر کھنچ گئی۔ مرزا جواں بخت جو لکھنؤ گئے کچھ شعرا ان کے پاس پہنچے۔ مرزا سلیمان شکوہ کا لکھنؤ میں دوسرا دربار تھا۔ دلی سے جو جاتا اُن کے خوانِ کرم کا مہمان رہتا۔

علامہ سراج الدین خاں علی خاں آرزو دلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ نواب سالار جنگ کے

ہاں دن گذارے۔ میر غلام حسین ضاحک نے فیض آباد جا بسایا۔ میر سوز اور مرزا رفیع سودا دلی کا بگڑا رنگ دیکھ کر فرخ آباد گئے۔ وہاں نواب مہربان خاں رند نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جب وہاں کا کھیل بگڑا تو فیض آباد، پھر لکھنؤ آگئے "۔

میر محمد تقی میر نے جاٹ گردی سے گھبرا کر اپنا وطن اکبر آباد چھوڑا۔ کچھ عرصہ دلی میں خوش وقتی سے زندگی بسر کی۔ بقول صاحب گل رعنا وضعداری نے مدتوں ان کو دلی سے نکلنے نہ دیا۔ آخر کب تک؟ وہ گھبرا کر لکھنؤ چلے گئے۔ پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی میر اللہ محب، میر غلام حسین برشتہ، میر انشاء اللہ خاں انشاء اور جرأت بھی لکھنؤ پہنچ گئے۔ مرزا قتیل جو ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ساتھ مثل سایہ کے تھے اُن کے مرنے پر دلی سے منہ موڑ گئے۔ غرضیکہ دلی کی شعر و شاعری کی سبھا اُجڑ گئی۔

علمی دَور

شاہ عالم کا ابتدائی زمانہ دلی سے باہر گزرا۔ عالمگیر ثانی کا عہد تھا۔ گو طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ امن چین کہاں مگر علمی ترقی بالخصوص دینیات کی وسعت پذیری تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان علمی بساط بچھائے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں رونق پر تھیں۔ اقطاع ہند سے طالبانِ علم و حدیث و قرآن آ کر فیض یاب ہو رہے تھے۔ قال اللہ و قال الرسول کی گرم بازاری تھی۔ یہی زمانہ تھا کہ حضرت شاہ فخر الدین دکن سے دلی آئے اور اجمیری دروازہ کے باہر امیر غازی فیروز جنگ کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ علومِ معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہائے۔

"سینہ ہائے کنوزِ حقائق و دلہائے معاون معارف گشت خفتگان بیدار و بیہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں با اثر گردیدند "[۱]

آپ کے شاگرد مولانا سید احمد بھی درس دیتے تھے۔ میر بدیع الدین حضرت شاہ عبدالرحمٰن

---

[۱] مناقب فخریہ صفحہ ۔

لکوہی آپ کے شاگردوں میں نامور تھے۔

غرضیکہ ملکی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانہ میں بھی علماء درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مخالف ہوا تیز و تند لیکن یہ لوگ اپنا چراغ جلا رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رح نے اپنے عہد کے علمی چرچوں کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

بِهَا مَدَارِسُ لَوطَافَ الْبَصِيرُ بِهَا لَمْ تَفْتَحِ عَيْنُهُ إِلَّا عَلَى الصُّحُفِ

ترجمہ۔ جس طرف نکل جائے اسیں مدارس نظر آئیں گے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری ہوگا۔"

حضرت شاہ فخرالدین اور حضرت شاہ مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ علم طریقت کی بساطیں بچھائے ہوئے تھے۔

ان درسگاہوں نے کثرت سے علماء پیدا کر دیئے اور وہ یہاں سے کامیاب ہو کر جہاں گئے وہاں علم کی ترویج کی۔ شاہ عالم کے عہد میں اردو میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین حکیم شریف خاں کی سعی کے مشکور ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے ڈھائی پارے کی تفسیر فارسی میں لکھی۔

فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کلیم دہلوی نے کیا۔[1] الٰہی بخش اکبرآبادی نے ایک کتاب اردو میں لکھ کر بادشاہ کی نذر کی۔ اس عہد میں اردو میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

علمائے کرام

حضرت شاہ فخرالدین ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نبیرۂ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی والدہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد گیسو دراز کی پوتی تھیں۔ سنہ ۱۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد میاں محمد جان، مولوی عبدالحکیم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ بیعت اپنے والد سے فرمائی وہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے۔ سنہ ۱۱۶۰ھ میں دلی آئے اور مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں درس و تدریس میں لگ گئے۔ اس کے علاوہ رشد و ہدایت کی محفل الگ جمنے لگی۔ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ۲۷ جمادی الثانی کو وصال ہوا۔ تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹

---

[1] تذکرہ شعرا ابرحسن [2] تذکرہ ہمیشہ بہار نصر اللہ قمر۔

حضرت مظہر جان جاناں ابن مرزا جان دہلوی نے، شیخ محمد فضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی۔ تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا شعر و شاعری میں صاحب کمال تھے۔ فارسی میں بیس ہزار اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا دیوان ہے جو خریطہ جواہر سے کم نہیں۔ اردو میں غزلیں اور اشعار کافی ہیں۔ ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک ایرانی نے مرزا نجف خاں کے اشارہ سے ان کے قرابین ماری، دسویں کو وصال ہُوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ عمری دہلوی نے باپ سے جملہ علوم حاصل کئے۔ سن پیدائش ۱۱۵۹ھ ہے اور وفات کا ۱۲۳۹ھ۔ تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثنا عشریہ، بستان المحدثین یادگار سے ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ العمری قدس سرہٗ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور چند تصانیف یادگار سے ہیں۔ ۱۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ نے تمام عمر اکبر آبادی مسجد میں گزار دی۔ موضح القرآن ۱۲۰۵ھ میں لکھی۔ تینوں بھائی درس و تدریس میں لگے رہے۔ بعمر ۷۳ سال ۱۲۳۰ھ میں وصال ہُوا۔ مہندیوں میں دفن ہُوا۔

حافظ فخر الدین محدث نبیرۂ شاہ عبدالحق محدث دہلوی محمد شاہی عہد کے بزرگ تھے۔ عمر کا بقیہ حصہ شاہ عالم کے عہد میں گزرا۔ بڑے فاضل اور عالم اجل تھے۔ صحیح مسلم کی شرح فارسی میں لکھی۔ عین العلم اور حصن حصین کی شرحیں یادگار ہیں۔

مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام ابن حافظ فخر الدین دہلوی فقیہ فاضل محدث کامل مفسر متبحر علامہ عصر تھے۔ علوم اپنے والد شارح صحیح بخاری فارسی سے تحصیل کئے۔ مسند افاضت پر متمکن ہو کر مثل اپنے اجداد کے نشر علوم میں لگ گئے۔ تصانیف میں کمالین حاشیہ تفسیر جلالین۔ محلی شرح مؤطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری، ترجمہ فارسی شمائل ترمذی مشہور ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

---

[1] مناقب فخریہ و گل رعنا وغیرہ۔

مفتی محمد ولی بن مفتی محمد امان بن ابو سعید صاحب بحر الحقائق بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ اور ملا وجیہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری۔ ملا معز الدین داماد ملا محمد صالح ہرگامی (جد مولانا فضل امام خیر آبادی کے نواسے تھے تذکرہ علمائے اودھ میں ہے:۔

"او بہ وفور علم و دانش در اطراف و اکناف عالم بغایت مشہور اند و مهادتش در علم فقہ و حدیث ضرب المثل، جمہور علماء نزدیک و دور در مدرسہ پدر بزرگوار خویش پیوستہ باقادہ قیام می نماید و بر عہدۂ افتاء بعد وفات پدر ممتاز شُد۔"

فتاوے یادگار سے ہے۔

یورپ میں آپ کے اجداد اور محب اللہ بہاری اور غلام یحییٰ بہاری سے علم پھیلا۔ بنگال اور مدراس میں قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شارح سلم و دیگر علماء گوپاموی قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر، افضل العلماء قاضی ارتضیٰ خاں بہادر، علامہ عبد العلی بحر العلوم جیسے حضرات سے علم پھیلا اور خوب پھیلا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کی اولاد کے ذریعہ تمام ہندوستان میں علوم کی اشاعت ہوئی۔ مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ خاندان اور شاہ محمد افضل محب اللہ ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، بلگرام میں عبد الجلیل اور غلام علی آزاد، یہ سب خاندان دو تین پشت سے آگے نہ چلے۔ یعنی وہ علمی حیثیت برقرار نہ رہی۔ لیکن بحر العلوم کا خاندان اور مفتیانِ گوپامو دو سو برس تک ایک حیثیت پر قائم رہا اور سینکڑوں علماء و فضلاء پیدا ہوئے۔ مفتی محمد ولی کے صاحبزادے قاضی محمد اسماعیل مدراس میں قاضی القضاۃ "نکات تفسیر فارسی" کے مؤلف تھے۔ مفتی محمد ولی کا انتقال ۹ ر شوال ۱۲۱۱ھ کو ہوا[1]

قاضی احمد علی سندیلوی ابن سید فتح محمد شاگرد و داماد مولانا احمد اللہ سندیلوی"
دانشمند متبحر کثیر الدرس والتصانیف ذکی و ذہین بود از پیشگاہ سلاطین دہلی بعہدۂ قضائے قصبہ سندیلہ عز امتیاز داشت۔"[2]

---

[1] آثار علماء [2] تذکرہ علمائے ہند۔

اُن کی تصنیفات میں حاشیہ میر زاہد رسالہ و حاشیہ میر زاہد ملا جلال، میر زاہد شرح مواقف و شرح سلم العلوم مشہور و معروف ہیں۔ ۱۲۳۰ ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ مولوی حیدر علی سندیلوی، مولانا احمد اللہ کے خلف رشید اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں والد خود اور قاضی احمد علی کے شاگرد تھے۔ عمر کا بڑا حصہ باپ کے ساتھ دہلی میں گزرا۔ آخری عمر میں وطن چلے گئے۔ درس و تدریس جاری کیا۔ مشاہیر علماء افضل العلماء قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی، دلدار علی مجتہد لکھنوی، مولوی نور اللہ فرنگی محلی و قاضی جلال الدین آسیونی جیسے شاگرد تھے۔ حاشیہ میر زاہد رسالہ و تعلیقات میر زاہد ملا جلال علمی یادگار چھوڑیں۔
۶ رجب ۱۲۲۵ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی عبد الحئی دہلوی شاگرد و داماد مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی ۔
"در فقہ حنفی دستگاہے کامل داشت"۔

رسالہ نکاح ایامی و فتاوی متفرق تالیف سے ہیں۔ ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ کو وفات پائی۔ حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی بنیرہ شیخ جلال الدین کبیر پانی پتی سات سال کی عمر میں قرآن مجید اور سولہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ فقہ اور اصول میں مجتہدانہ درجہ حاصل تھا۔ تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ کتب حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ تفسیر مظہری جس کو اپنے پیر طریقت مرزا مظہر شہید کے نام سے لکھی۔
۱۲۲۵ھ میں وصال ہوا۔

ملا عبد العلی بحر العلوم ابن ملا نظام الدین سہالوی نے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم ۶ بیہ سے فراغت پائی۔ لکھنؤ سے شاہجہانپور گئے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے باعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا۔ یہاں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے رام پور بلا لیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہے، دہلی آئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں گئے۔ آپ نے ہی بحر العلوم کا خطاب دیا۔ نواب والاجاہ محمد علی فاروقی گوپاموی رئیس کرناٹک نے خرچ بھیج کر مدراس بلوالیا۔ جب آپ

مدراس پہنچے تو تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ خود والی جاہ نے پالکی کو کندھا دیا اور دربار میں اپنی نشست پر جگہ دی۔

عالی شان مدرسہ بنوا کر آپ کے سپرد کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا۔ کثیر المقدار کتب ارکان اربعہ در اصول فقہ حاشیہ بر میر زاہد رسالہ حاشیہ بر حاشیہ زاہدیہ بر شرح تہذیب جلالیہ۔ حواشی ثلاثیہ بر حاشیہ زاہدیہ امور عامہ جدیدہ و قدیمہ۔ شرح مسلم مع حاشیہ منہیہ۔ عجالہ نافعہ۔ فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت۔ تکملہ بر شرح ملا نظام الدین بر تحریر ابن ہمام۔ تنویر الابصار شرح فارسی منار حاشیہ بر شرح صدر شیرازی شرح مثنوی مولانا روم۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ۔

محمد علی والا جاہ امور ملکی میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ۸۳ برس کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ کو وفات ہوئی۔

حکماء علامہ حکیم شریف خاں دہلوی شاہ عالم کے سرکاری طبیب تھے۔ شفاء الملک کا خطاب تھا۔ عجالہ نافعہ، تالیف شریفی، علاج الامراض حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب، ترجمہ فارسی مشکوٰۃ المصابیح، ترجمہ اردو کلام مجید یادگار سے ہیں۔

۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

شاہِ دِلی

محمد اکبر شاہ، شاہ عالم کے بیٹے مبارک محل کے بطن سے بدھ کے دن، رمضان سنہ ۱۱۷۳ھ میں مکن پور زاہدان میں پیدا ہوئے۔ مبارک محل خاندانِ سادات سے تھیں۔ ذوالحجہ سنہ ۱۱۷۱ھ میں شاہ عالم نواب نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے۔ وہیں حبالۂ عقد میں آئیں [1]

اکبر شاہ علومِ رسمی سے واقف تھے۔ اپنے بھائیوں مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ کی طرح ان کو بھی شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ شعاع تخلص تھا مگر زیادہ تعلق صوفیاء کرام سے تھا [2]

شاہ عالم جہاندار شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ سنہ ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس فوت ہو گئے۔ جہاں دار شاہ انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ اگر زندہ رہ جاتے تو ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اکبر شاہ ثانی کو مرہٹے چاہتے تھے اور اُن سے بہت مانوس تھے۔ اُن کو ولی عہد بھی بنا دیا تھا۔ غلام قادر شہید دِلی سے میرٹھ گیا تو اُن کو ساتھ لیتا گیا۔ جب وہ شہید ہُوا تو ان کی جان بچی اور یہ دلی آئے۔ جہاندار کے بعد یہی ولی عہد قرار دیئے گئے۔ انگریزوں نے بھی منظور کر لیا۔ [3]

شادی سنہ ۱۱۹۵ھ میں شاہ عالم نے اُن کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ امیر الامرا ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی نے دولہا دلہن کو لاکھوں روپے

---

[1] شاہ عالم نامہ صفحہ ۶۳ [2] گلستان سخن مرزا قادر بخش گورکانی۔

[3] تذکرہ عالم مطبوعہ بلاقی داس دہلی (تذکرہ اکبر شاہ ثانی)

کے تحفے نذر کئے۔

ان کی اولاد میں بڑے بیٹے ابوظفر بہادر شاہ تھے جو راجپوت خاتون کے بطن سے تھے۔ دوسرے مرزا جہانگیر تھے جو ممتاز محل کے بطن سے تھے۔

جلوس شاہ عالم ۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء ۱۲۲۲ھ میں انتقال کر گئے۔ محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر اس وقت ۴۶ سال کی تھی۔ زیب افروز تخت سلطنت ہوئے تو ریزیڈنٹ و دیگر حکام کمپنی نے مراسم دربار ادا کئے۔ لال پردہ سے باہر روبروئے تخت تین جگہ مجرا کیا۔ عملہ و حبشی و چوبدار اور عصابرداران نے یہ الفاظ "نگاہ روبرو مہابلی بادشاہ" یا "حضرت جہاں پناہ سلامت" مجرا کرایا۔

پہلی عید آئی بادشاہ فیل پر سوار ہو کر عازم عیدگاہ ہوئے۔ لالہ موہن لال ملک الشعراء متخلص بہ منعم نے صفت فیلان شاہی میں ایک مثنوی لکھی تھی ؎

فیل مستش چو قلعہ الوند زدہ پہلو بہ آسمان بلند

جس امیر کے دروازہ سے سواری گزرتی وہ نذر پیش کرتا۔ سر چارلس مٹکاف مخاطب بہ منتظم الدولہ مختار الملک سواری کے ساتھ تھے۔ یہ کمپنی بہادر اور شاہ دہلی کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کا ثبوت تھا۔ اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اس میں بادشاہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ آپ کی خدمت اقتدار اور امن و اطمینان کی ضامن ہے۔ بادشاہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش کی کہ شاہ عالم اور لارڈ ولزلی سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے اس کی رو سے شاہی وظیفہ میں اضافہ کیا جائے۔ اس لئے کہ سلطنت کے اخراجات بڑھ گئے ہیں[1]۔ وظیفہ کی یہ درخواست درخور اعتنا سمجھی گئی۔

اکبر شاہ کے براہ راست اور متواتر خطوط پر گورنمنٹ کو یہ حکم دینا پڑا کہ بادشاہ کے خطوط ریزیڈنٹ کی معرفت آیا کریں اور ریزیڈنٹ جن خطوط کو مناسب سمجھے آگے

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے از ڈاکٹر مجمدار (ترجمہ ڈاکٹر سراج الحق مصنف)

بڑھائے ورنہ خطوط کے فائل میں رکھے رہیں۔

پالیسی کی تبدیلی سر چارلس مٹکاف نائب ریذیڈنٹ تھا۔ اُس کو یہ پسند نہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے بلکہ وہ بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے درپے تھا اور چاہتا تھا کہ مغلیہ خاندان کو لقب شاہی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اکبر شاہ نے ایک وفد جو شیر لعل اور شاہ جی پر مشتمل تھا کلکتہ بھیجا۔ گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے وفد کو ناکامیاب بنا دیا۔ جو تحفے تحائف وفد کے ساتھ گئے تھے وہ گورنر جنرل کے پاس ایرانی سفیر کے ذریعے طلب کئے گئے۔ اس طرح شاہ دہلی کے ادعائے شہنشاہیت کو روک دیا گیا۔ وظیفہ شاہی کے ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دینے کا مطالبہ، ولی عہد کا انتخاب، ضبط شدہ اراضی کی واگذاری اور انتظامی شرائط کی پابندی وغیرہ میں سے اکثر مطالبات کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا۔ مگر بادشاہ نے سلسلہ جنبانی جاری رکھی۔ آخر لارڈ منٹو نے بادشاہ پر رحم کھایا اور بارہ لاکھ سالانہ کی سفارش کی۔ مگر ریذیڈنٹ ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔

دس سال بعد لارڈ ہسٹنگز نے سخت روش اختیار کی اور آدابِ شاہی اور رسوم دربار ختم کر دیئے۔ بادشاہ جو چاہتا تھا وہ نہیں ملا۔ بلکہ مخصوص جشن کے موقعہ پر انگریز حکام نذر پیش کرتے تھے وہ سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے کمپنی کے محروسہ علاقوں پر تاجِ شاہی کا تفوق نمایاں ہوتا تھا۔

القاب و آداب بھی مراسلوں میں ختم کر دیئے۔ سر جے اے کول بروک دلی میں ریذیڈنٹ ہو کر آئے۔ یہ ایک شریف انگریز تھا اس نے اپنے محکمہ کا سررشتہ دار مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کو کیا [1] بادشاہ نے مفتی صاحب کو خانی کا خطاب دیا۔ کول بروک بادشاہ کا ہمدرد تھا۔ مگر زیادہ عرصے اس کو رہنے نہیں دیا گیا۔

---

[1] تاریخ مفتیان گوپامو مصنفہ مفتی محمد حسن صہ ۲۔

۱۸۱۹ء تک گورنر جنرل ایک بڑی مہر جس پر لقب "وفادار اکبر شاہ، یا حلقہ بگوش اکبر شاہ" کندہ تھا۔ استعمال کرتا تھا اور خط جو بادشاہ کو لکھا جاتا تھا وہ عرضداشت یا درخواست کی شکل میں ہوتا تھا۔ اب یہ عبارت متروک قرار دی گئی۔

۱۸۲۰ء میں شاہ انگلستان کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے گورنر جنرل کی معرفت متوفی شاہ انگلستان کی تعزیت اور نئے شاہ کی تہنیت کا پیغام بھیجنا چاہا۔ مگر یہ درخواست نامنظور کی گئی۔

ان واقعات نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ ایک وفد انگلستان روانہ کریں۔ چنانچہ راجہ رام موہن رائے کو مقرر کیا کہ وہ انگلستان جاکر کورٹ میں عرضداشت پیش کریں۔ دربارِ شاہی سے اُن کو راجہ کا خطاب دیا گیا اور گورنر جنرل سے منظوری چاہی گئی جس نے یہ درخواست مسترد کردی اور اُن کے تقرر کو بھی جائز قرار نہیں دیا گیا۔ مگر راجہ رام موہن رائے ۱۵ر جنوری ۱۸۳۰ء کو روانہ ہو گئے اور ۸ر اپریل ۱۸۳۱ء کو انگلستان کے ساحل پر اُترے۔ پہلے تو راجہ کے خلاف اخبارات میں حکام برطانیہ نے بہت زہر اُگلا اور گورنر نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ کیا موہن رائے آپ کا سفیر ہے؟ انہوں نے کہا میرا وکیل اور سفیر ہے۔ وہ جو کچھ وہاں درخواست پیش کرے گا وہ میرے ہی مطالبات کی درخواست ہوگی۔

غرضیکہ وزرائے سلطنت برطانیہ نے شہنشاہ کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عدالت ڈائرکٹران کے ارکان نے رام موہن رائے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور راجہ نے پُرانے مطالبات کی درخواست پیش کی[1] اس کی تفصیل دیباچہ رام موہن رائے میں تحریر ہے۔ غرضیکہ ایک عرصہ تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہُوا۔

پھر ڈائرکٹران نے فیصلہ کیا اور ۱۳ر فروری ۱۸۳۲ء کو گورنر با جلاس کونسل کو بھیجدیا گیا۔ انہوں نے سب مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے اضافہ کو

---

[1] تاریخ ملت جلد دہم ص —

اس شرط پر منظور کیا کہ اس کے بعد شہنشاہِ دہلی کے ہر قسم کے دعوی ختم ہو جائیں گے۔ اس اضافہ کی تقسیم کا طریقہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر شاہ کو اطلاع دی گئی، انھوں نے اظہارِ خیال سے انکار کر دیا۔ جس پر یہ اطلاع کورٹ کو بھیج دی گئی۔ ادھر راجہ سعی بہیم میں لگا ہوا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا جس سے تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔

اُدھر قرض خواہوں کا تقاضا ہونے لگا۔ بادشاہ نے بے دلی سے رقم مذکور کے لینے کی منظوری دے دی۔ مگر اربابِ کمپنی نے اس میں بھی رخنے ڈالے۔ آخر بادشاہ نے نام نہاد اضافہ لینے سے انکار کر دیا اور راضی نامہ کی واپسی چاہی[1]

وفات

بادشاہ کو اربابِ حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اثر لے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا اور جمعہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو بعمر ۸۲ سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔[2]

اُن کے باپ کی طرح اُن کی وفات پر بھی تینوں پریسیڈنسیوں سے ان کے اعزاز میں ۸۲ ضرب توپیں سر کی گئیں۔

اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار

اکبر شاہ ثانی کے عہد کے حسب ذیل انگریز عہدیدار قابلِ ذکر ہیں:۔

ناظم الدولہ سٹین صاحب بہادر ہر سال امرائے دہلی کی دعوت بڑے پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد محفلِ رقص سرود برپا ہوتی۔ کسی نے اُن کے وصف میں کہا ہے:۔

ناظم الدولہ در لباسِ سیاہ — نظرے کن دریں چہ باریکیست
بہر خلق است او چو آبِ حیات — آبِ حیواں درونِ تاریکیست

جنرل آکٹرلونی کا بڑا دور دورہ تھا۔ پالکی پر نکلتے تھے۔ آگے آگے نقیب الفاظ" دولت

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے۔ مترجمہ ڈاکٹر سراج الحق ایم اے (مصنف)

[2] تاریخ خاندانِ مغلیہ (مطبوعہ مکتبہ نیا کتاب گھر دہلی) صـ ۳۰۱۔

زیادہ نواب ناملار سلامت" بلند آواز کے ساتھ ادا کرتا جاتا۔ جس جگہ اترتے تھے، "دولت شاد دشمن پائمال" کی صدا ہوتی تھی۔

مرشد اکبر شاہ ثانی

بیعت اکبر شاہ ثانی مولانا فخر الدینؒ سے بیعت تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:۔ "حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ ثانی باعتقاد تمام مرید آں فرزند رشید حضرت فخر صاحب گشتند و بعضے فرزندان و متعلقانِ خود را نیز مرید کنانیدند"

سخاوت اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت نوازی تھی وہاں بیحد سخاوت اور غربا پروری بھی تھی۔ بڑھاپے میں لیتے دیتے زیادہ تھے۔ ایک دن حضرت سلطان جی کے فاتحہ خوانی کو گئے۔ تختِ رواں پر سوار درگاہ میں پہنچے۔ ایک درویش صورت شخص نظر پڑا۔ اُس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ بادشاہ نے کشادہ پیشانی سلام کا جواب دیا۔ اُس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں تخت رواں جنتی کوچہ میں داخل ہوا۔ ہمراہی آگے پیچھے ہو گئے۔ درویش نما شخص ہاتھ میں ہاتھ لئے چلتا رہا اور ہیرے کی انگشتری اُتارنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ مگر چھنگلی میں سے انگشتری اُتری نہیں۔ چھنگلی میں درد ہونے لگا۔ ہاتھ کھینچ لیا۔ مزار پر حاضری دے کر فاتحہ خوانی کے بعد قلعہ لوٹ آئے۔ ناظر کو حکم دیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر فوراً حضرت سلطان جی میں جاؤ۔ اس شکل وصورت کا درویش ملے گا اس کو میری جانب سے نذر کرنا۔ ناظم حسب الحکم گیا مگر وہ شخص رخصت ہو چکا تھا۔ واپس آکر بادشاہ سلامت سے عرض کیا۔ درویش کا پتہ نہ لگا۔ بادشاہ نے کہا۔ افسوس اس کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتری تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ۔ چھنگلی میں ورم آگیا۔ تین چار روز اُس کی تکلیف اُٹھائی[1]

مذہبی حالت اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں اکثر شعائرِ اسلامی کامل طور سے ختم ہو گئے تھے۔ مشرکانہ رسوم و بدعات ساری جاری تھیں۔

---

[1] نتائج المعانی ص ۲۵۔

نکاح کا طریقہ شرعی ختم ہو چکا تھا۔ شاہ عالم کے عہد سے جتنے نکاح ہوتے تھے نہ اُن میں قاضی کی ضرورت تھی اور نہ نکاح خواں کی نہ کسی وکیل اور ایجاب وقبول کی۔ محل میں ڈال لینے کا نام ہی نکاح تھا۔[1]

ختنے کی اسلامی سنت کو یک قلم اُٹھا دیا گیا تھا تاکہ غیر جنسیت کا خیال تک نہ آنے پائے۔

راج کماریاں تیموری قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کی پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ ٹھاکر جی کو جل پھول چڑھاتی تھیں۔ تلک لگاتی تھیں۔ پھر پرارتھنا کرتی تھیں۔[2] سیتلا کی پوجا کا رواج انہی راجپوتوں کی وجہ سے آیا۔ اکبر شاہ ثانی کی بیوی لال بائی جن کے بطن سے ابوظفر تھے ان کی کارفرمائیاں کچھ کم نہ تھیں۔

قلعہ میں قرآن شریف کے بجائے دیوان حافظ کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ اُس کے اشعار پر حال آتا تھا۔ قلعہ میں سورہ یٰسین کا نام ننانویں سورہ رکھا گیا تھا۔[3]

ہر بیگم کا کمرہ طبلہ، سارنگی اور بنت عنب کا گہوارہ تھا۔ لطف یہ ہے کہ جو قلعہ میں گیا شہزادیوں اور شہزادے کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ مامائیں، اصیلیں یہاں تک کہ کسبیاں بھی چند روز کے بعد شہزادیاں بن جایا کرتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر یہ لطیفہ تھا کہ شہزادے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جمع ہوتے اور رنگ برنگ کے ڈنڈے آپس میں لڑایا کرتے تھے۔

شاہ عالم کے عہد سے تعزیوں کا زور تھا۔ مرہٹوں کے تغلب و استیلا کے بعد مشرکانہ رسوم بہت رائج تھیں۔

بادشاہ اور اُن کے اہلِ خاندان میں مذہب سے اتنا لگاؤ رہ گیا تھا کہ ہر سال جامع مسجد کے تبرکات، اکبر شاہ ثانی کے لئے قلعہ میں لے جاتے تھے۔ انہیں آنکھوں کو لگایا جاتا اور خدام کو انعام و اکرام مل جاتا۔

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ شاہ عبدالغنیؒ کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اپنے

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۳ [2] امرائے ہنود صفحہ ۵ از مولوی سعید احمد مارہروی [3] ہیلی صفحہ ۹۔

باپ اور چچا سے کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا درخشندہ آفتاب و مہتاب تھا۔ قوم کی حالت بگڑی ہوئی دیکھی۔ اصلاحِ احوال کا بیڑہ اٹھایا۔ پہلی مہم بدعات و محدثات کے خلاف تھی۔ آپ نے تحقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا اور مسلمانوں کی خلافِ اسلام طرزِ معاشرت کی دھجیاں اڑائیں اور ارباب دہلی کے اوباشانہ طریقوں کو آشکارا کیا۔ اس پر عوام تو عوام علماء بگڑ بیٹھے۔ مگر شاہ صاحب کی عملی زندگی نے اُن کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیا۔

سکھوں کی چیرہ دستیاں بڑھی ہوئی تھیں اور اُن کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ اکبر شاہ ثانی میں سکت نہ تھی جو اس سیلاب کو روکتے۔

شاہ صاحب نے اپنے چچا سے مظالم کی داستانیں سُنی تھیں۔ اس زمانہ میں مولانا سیّد احمد بریلوی دہلی آ گئے۔ شاہ صاحب اُٹھے، بیعت کی اور علماء کے مشورہ سے مجاہدین کے لشکر کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۸۲۶ء میں جہاد کے لئے روانگی عمل میں آئی۔ تھانیسر ملیر کوٹلہ، ممدوٹ، بہاول پور، حیدر آباد سندھ اور خان گڑھ ہوتے ہوئے قندھار گئے۔ پھر کابل آئے۔ درہ خیبر سے پنجاب آئے۔ راستے میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی نے بیعت کی۔ اکوڑہ پر سردار بدھ سنگھ دس ہزار فوج لئے کھڑا تھا۔ آپ نے اعلان نامہ دربار لاہور کے نام بھیجا۔ بعد ازاں جنگ ہوئی سو سکھ مارے گئے۔ مجاہدین شہید ہوئے۔ غرضیکہ بہت سی جنگیں سکھوں سے متواتر ہوئیں۔

مولانا عبدالحئی نے ۱۲۴۲ھ میں بمقام پھر انتقال کیا۔ سکھوں سے مقابلہ تھا ہی لیکن افغان فزئی اور درانی آڑے آئے۔ جنگ معیار میں سرحدیوں کو شکست دینے کے بعد مردان پر قبضہ کر لیا۔ یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے معافی مانگ لی۔ آپ نے اس کو پشاور عطا کیا۔ مگر سلطان نے بے وفائی کی اور آپ معہ مجاہدین کے بالاکوٹ آ گئے۔

سردار شیر سنگھ نے کثیر لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس میں شاہ اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی شہید ہوئے۔ سردار شیر سنگھ نے ان شہداء کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ اس واقعہ

کے بعد صرف آٹھ سو غازی باقی تھے۔ شیخ ولی محمد بقیہ گروہ کے سردار مقرر ہوئے۔ اور سرحد میں رہ گئے۔[1]

علمی دور دورہ اکبر شاہ کا زمانہ علمی اعتبار سے بہت اچھا تو نہ تھا مگر غنیمت تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اکبر شاہ کی طرف سے کوئی درسگاہ قائم نہ تھی۔ نہ علماء کو بخشش قرار و ظائف دیئے جاتے تھے۔ یہ بڑا شرمناک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں دس روپیہ ماہوار نذرانہ پیش ہوا۔ اور اپنی چہیتی کسبی "شکر لب" کو تین سو روپیہ ماہوار دیئے جائیں۔ مگر دلی اس عہد میں خاندان شاہ ولی اللہ کی وجہ سے مرجع اہلِ علم بنا ہوا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے درس جاری تھے۔ دور دور سے طلباء علمی استفادہ کرنے آتے۔ ان کی عمریں اختتام پر پہنچ گئی تھیں۔

اس عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر مولانا فضل امام خیر آبادی ممتاز تھے۔ اپنے فرائضِ ملازمت کی ادائیگی کے بعد منتہی طلباء کو معقولات کا درس دیتے تھے۔ ایک طرف علومِ نقلیہ اور دوسری طرف علومِ عقلیہ کی اشاعت عام تھی۔ یہ ضرور ہے کہ بادشاہ کی ناقدری سے اہلِ علم دلی چھوڑ چھوڑ کر لکھنؤ، رامپور چلے گئے۔ مگر پھر بھی تھوڑے بہت علمی چرچے باقی تھے۔ مولانا فضل امام نے دلی میں "مرقات" لکھی۔ "افق المبین" پر حاشیہ چڑھایا۔ اس کے علاوہ ان دنوں اردو شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے۔ بادشاہ سلامت کو بھی اس سے دلچسپی تھی خود بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ شعاع تخلص تھا۔

دلی اس زمانہ میں آج کی ایسی دلی نہ تھی۔ گو اُجڑ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال مرہٹہ گردی سے عاجز آکر دلی چھوڑ گئے تھے۔ اس پر میرؔ، سوداؔ و دردؔ کے تلامذہ نے دلی کی آبرو بڑھائے رکھی۔ سید محمد میر اثرؔ، حکیم قدرت اللہ قاسمؔ، حضرت نصیر الدین نصیرؔ، میر نظام الدین ممنونؔ جیسے دلی شہر میں تھے انکی شاعری کا سکہ رائج تھا۔ اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعراء کا خطاب عطا کیا۔[2]

---

[1] حیات طیبات از مرزا حیرت۔ تفصیل کے لئے سیرت سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر دیکھو۔
[2] گل رعنا صفحہ ۲۷۲۔

ایسے ایسے ارباب کمال کا یہاں جمگھٹا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔

یہ ضرور ہے کہ لکھنؤ کی گنگا جمنی نہریں یہاں کے شعراء کو لبھا کر وہاں ہاتھ دھونے پہنچا دیتی تھیں۔ مگر وضعدار لوگ دلی سے جانا عار سمجھتے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی اکبر شاہ کے دربار میں قصیدہ لے کر پہنچے۔ ولی عہد ابوظفر کے شاعری میں نگراں بنے اور قصیدہ کے صلہ میں خاقانی ہند کا خطاب عنایت ہوا۔

اکبر شاہ ثانی کا آخری وقت تھا اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولانا فضل حق، مرزا غالب، حکیم مومن خاں مومن جیسے حضرات کی جوانی تھی۔ ان حضرات کے کارنامے عہد ابوظفر سے وابستہ ہیں۔

علمائے عہد مولانا فضل امام فاروقی ابن قاضی ارشد بندہ قاضی صدر الدین ہرگامی، مولوی سید عبدالواحد خیرآبادی تلمیذ رشید ملا وہاج الدین گوپاموی سے اخذ علوم عقلیہ ونقلیہ کیا۔

"در منصب صدر الصدوری شاہجہان آباد از سرکار انگریزی امتیاز داشت"۔

میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال پر حاشیے لکھے۔

"در علوم عقلیہ سبقت ربودہ" پنجم ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ کو انتقال ہوا۔[۱]

مولوی کرم اللہ دہلوی۔ آپ اہل ہنود سے تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے دست حق پرست پر داخل اسلام ہوئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ شاہ غلام علی دہلوی سے خرقۂ خلافت پایا۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال ہوا۔[۲]

مولانا رشید الدین خاں دہلوی، ارشد تلامذہ مولوی رفیع الدین دہلوی سے تھے۔ ابجد العلوم میں نواب صدیق خاں لکھتے ہیں[۳]:۔

کان فاضلاً جامعاً بین کثیر من العلوم الدرسیة[۴]

---

[۱] سیر العلماء از حکیم بہاؤ الدین گوپاموی [۲] ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گوپاموی
[۳] ابجد العلوم صد ۹۱۷ [۴] تذکرہ علماء ہند صد ۶۳۔

مولوی رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند میں تحریر کرتے ہیں :-

"ذہنِ وقاد و طبعِ نقاد در علم کمال کمالے وافر داشت"

شوکت عمر یہ یادگار میں ہے۔ ۱۲۶۹ھ میں انتقال کیا۔

مشائخ | حضرت مولانا ابو سعید متوفی ۱۲۵۰ھ مولانا شاہ احمد سعید، مولانا شاہ عبد الغنی شاہ آفاق متوفی ۱۲۵۲ھ۔ حاجی علاء الدین احمد ہمدانی، مولانا قطب الدین متوفی ۱۲۰۰ھ، حضرت شاہ غیاث الدین متوفی ۱۲۴۴ھ۔ سید شاہ صابر بخش چشتی ابن شاہ غلام شادات چشتی، بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۷ھ میں انتقال کیا۔

میراں شاہ ناتو بنیرۂ شیخ جلال الدین تھانیسری حریم مسجد فتحپوری میں عمر گذاری ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ جلال آپ کے سجادہ نشین تھے۔

مولانا محمد حیات پنجابی، سید شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں درس و تدریس کا شغل رکھا۔ ۱۲۶۶ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ فدا حسین نبیرۂ خواجہ یوسف ہمدانی متوفی ۱۲۵۹ھ۔ شاہ توکل حسین متوفی ۱۲۶۲ھ۔ سید عسکری مجذوب۔ شاہ عبد النبی مجذوب۔

حکماء | حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خاں سر آمدہ حکمائے روزگار سے تھے۔ اکثر اطبائے نامی ان سے نسبتِ شاگردی سے سرمایۂ اعتبار رکھتے تھے۔

حکیم امام الدین خاں، حکیم غلام حیدر خاں، حکیم نصر اللہ خاں، حکیم فتح اللہ خاں، حکیم میر بخش خاں فاروقی، محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے حکیم دوراں خاں کے خطاب سے مشرف تھے۔ حضرت حکیم صہبائی کے بھائی تھے۔

حکیم غلام حیدر خاں شاگرد حکیم شریف خاں ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

یہ ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کی پوری تصویر۔

٭

لہ یوپی میں اُردو از انتظام اللہ شہابی (کنول آگرہ)۔

ابوظفر بہادر شاہ

خاندانِ تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ دیکھنا روزِ اوّل سے تحریر ہو چکا تھا۔

پیدائش ۲۸ شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء بروز سہ شنبہ پیدا ہُوا اور اس کا تاریخی نام "ابوظفر" رکھا گیا۔ اُس کے والد مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے دوسرے شہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔

مفصّل حالات "ابوظفر" جب سِنِ شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیم اتالیق مقرر ہُوئے اور مشہور قاری حافظ محمد جمیل نے قرآن کی تعلیم دی۔ مشہور خوشنویس سید جلال الدین حیدر مرصع رقم کے والد میر ابراہیم علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ تیر اندازی، شہسواری، تیغ زنی، نشانہ بازی اور فنِ بنوٹ میں یدطولیٰ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کے مقابل میں ہر ایک کا وار بیک وقت روکتے تھے اور سب پر اپنی چھوٹ چھوڑتے جاتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ، ایک ان کے بھائی جہانگیر اور آدھا کوئی اور۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

فنِ تیراندازی فنِ تیراندازی میں بادشاہ آیا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے۔ بادشاہ کی کثرتِ تیراندازی کا حال ظہیر دہلوی نے اپنے والد کی زبانی سُنا تھا۔ کہ بادشاہ نے زمانہ ولی عہدی میں تیراندازی کی مشق بڑھانے کو قلعہ کے دیوان خاص میں ایک جرِ ثقیل لگا رکھی تھی۔ تین من چنوں کی پوٹ نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ جرِ ثقیل کے ذریعہ سے اُسے چٹکی سے کھینچا کرتے تھے۔ تیس ٹانک کمان کھینچنے پر بادشاہ قادر تھے۔ اچھی کمان کو کباڑہ پھینک دیتے تھے۔ ایک سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں

مرزا فتح الملک بہادر ولیعہد ثانی کا باغ تھا۔ وہاں سے کچھ شور وغل کی آواز آئی۔ فرمایا غل کیسا ہے؟ اطلاع ہوئی مرشد زادے مسابقت تیر لگانے میں کر رہے ہیں۔ حکم ہوا۔ ہماری سواری ادھر لے چلو۔ غرضیکہ وہاں پہنچے۔ شہزادے آداب بجا لائے۔ فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگا رہے تھے۔ فرمایا کمان ادھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی۔ اُن میں سے ایک کمان اُٹھالی اور تین تیر کھینچ لئے اور آسناد پر کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تودہ میں پیوست ہوا۔ ایک بالشت باہر رہا۔ سب نے تحسین آفرین کی۔ دوسرا تیر لگایا۔ وہ اس سے زیادہ تودے میں داخل ہوا۔ تیسرا وہ بالکل مغرق تھا۔ فقط لبِ سوفار ہی باہر رہے۔ اور تمام تیر غرق تودا تھا۔ تحسین و آفرین کی صدا بلند ہوئی [1]

سپہر شمشیر پھینکنی کے فن میں بادشاہ میر حامد صاحب کے شاگرد تھے۔ میر حامد علی و میر اشرف علی دونوں بھائی اُستاد کامل تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے رئیس اُن کے شاگرد تھے۔ علی مدکی کثرت جو حضرت علی شیر خدا کی ایجاد ہے۔ وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔ میں نے اپنے والد کی زبانی یہ سُنا ہے کہ بادشاہ تن تنہا آٹھ آدمیوں کے مقابل یکدم کثرت کرتے تھے اور آٹھ آدمی برابر اُن پر چوٹ آتے تھے اور بادشاہ سب کے وار روکتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر مشق بہم پہنچائی۔

فن شہسواری مشہور روزگار تھے کہ ہندوستان میں اڑھائی سوار تھے۔ ایک بہادر شاہ، دوسرے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنہوں نے انگریزوں سے شرط بد کر الہ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب سن مبارک اسّی سے تجاوز کر گیا تھا۔ لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اپنی شہسواری دکھلاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے۔ ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء کو سواری جاتی تھی تسبیح خانہ میں جب برآمد ہوئے ہوادار میں تو سوار نہ ہوئے سامنے خاصوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ آگے چابک سوار

---

[1] داستانِ غدر ص ۔

کھڑے ہوئے تھے۔ مجو بیگ کی طرف نگاہِ التفات ہوئی۔ رہ آگے حاضر ہوئے اُن سے دریافت فرمایا کہ وہ دامالی گھوڑا تو قابل سواری ہے۔ مجو بیگ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حضور کے اقبال سے تیار ہے۔ فی الفور گھوڑے آ گئے۔ اب حضور سوار ہوئے سب ملازم رکابِ سعادت میں ہمراہ ہوئے۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقارخانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر توپو بیا کے پتھری پر پہنچے۔ گھوڑا گردن جھکائے دہانے سے کھیلتا ہوا اپنے کو بناتا ہوا جھومتا چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے چوکا دیا اور گھوڑا ذرا اور چمکا۔ چونکہ یہ شکار بند پکڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ چپٹے چلے آ رہے تھے۔ بادشاہ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا کہ کیا کرتا ہے؟ میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں۔ گھوڑے کی چالاکی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ لے دیکھ تو بس ذرا رانوں میں مسکا ہے کہ گھوڑے نے جھکے بھرنے شروع کر دیئے۔ ایک پل بھر اسی طرح اڑتا ہوا گیا ہے۔ جیسے کوئی پرندہ اڑتا ہے یا کوئی ہرن چوکڑیاں بھرتا ہے اور تھپکی ہاتھ کی دے کر گھوڑے کو چمکار لیا۔

پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دوگامی قدم پر لگا دیا اور گھوڑوں نے جھوم جھوم کر اور رکلائیاں بھر بھر کر چلنا شروع کیا۔ شہر سے تین کوس درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروازے پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ واپسی میں مولا بخش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے۔

مبصری حضور انور شہسوار تھے اسی درجہ مبصر بھی تھے۔ گھوڑے کے عیب، صواب اور قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ شہر میں جو سوداگر بیش قیمت گھوڑا لے کر آتا تھا۔ اول حضور کو ملاحظہ فرمایا جاتا تھا۔ اس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے۔ جو گھوڑا اچھی قوم کا آتا تھا وہ حضور لے دیتے تھے۔

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تسلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا وزیر۔ شناخت یہ ہے جس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک وہ شریر نہیں ہوتا

بلکہ وفادار ہوتا ہے اور اُس کی پیدائش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ کہ اُس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بطور شاذ وہ شریر بھی ہوتا ہے اور اس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ کے قدرے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ بورنے کی سلطنت ہے اور سبزے کی وزارت۔ بعد میں سبزے کی سلطنت ہوگی اور بورنے کی وزارت۔ گھوڑے کی اقوام سے ایک قوم ہے پیریا۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پنج شنبہ کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر نجس اور غلیظ آدمی کو مثل خاکروب وغیرہ نہیں آنے دیتا اور اگر آجاتا ہے تو فوراً اچوٹ کر دیتا ہے۔

ایک بار میں موجود تھا ولایتی سوداگر گھوڑے لے کر آئے۔ دس بارہ گھوڑے تھے۔ لال پردوں کے آگے گھوڑوں کی صف استادہ تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ کے در میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے فاصلہ سے دیکھ کر فرمایا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا اچھا ہے بشرطیکہ شریر نہ ہو۔ غرضیکہ موہے کو آگے طلب کیا گیا۔ واقعی گھوڑا شکل وصورت ونسبت کاروان اچھا تھا۔ حکم ہوا سواری دیکھی جائے۔ فوراً چابک سوار کو سوار کر دیا گیا۔ جیسے ہی سوار نے جاہا گون کو پھیر کر دکھلائے۔ گھوڑے نے باگ پر لے کر شرارت شروع کی۔ کھڑے ہو کر تالی بجائی۔ دوسرا سوار چڑھایا اور اُس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا اُڑ کر فراش خانے کے دالان میں جا پڑا۔ اکثر سامان کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار کر نکالا۔ وہاں سے پلٹ کر چڑیا خانے میں جا پڑا۔ تقریباً کچھ دیر گھوڑے اور سوار کی لڑائی رہی۔

اب گھوڑے کا یہ حال کہ پسینے میں شرابور اور تمام رانوں کے ٹکڑے ہو گئے۔ جا بجا سے خون کی فصدیں کھل گئیں۔ خون بہہ گیا اور گھوڑا انڈھال ہو گیا۔ اب سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے۔ کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے ناکہ پھیر کر دکھلا دیا اور سلام کر کے اُتر پڑا۔ اُسی وقت شالی رومال بادشاہ نے چابک سوار کو عطا کیا۔

فیل سواری خاص

مولا بخش نامی ایک معمر ہاتھی تھا۔ کئی بادشاہوں کو سواری دے چکا تھا۔ اس ہاتھی کی عادتیں انسانوں جیسی تھیں۔ قدوقامت میں ایسا بلند ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور داب سے یہ ہاتھی

بیٹھا ہُوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں جواب نہیں رکھتا تھا اور روزانہ ماہ مست رہتا تھا۔ کسی ایک آدمی کو سوائے خدمتی کے نہ آنے دیتا تھا جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اُس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوبدار حکم سُنا دیتا تھا کہ میاں مولا بخش کل تمہاری نوکری ہے ہشیار ہو جاؤ۔ نہا دھو کر تیار رہو اُسی وقت سے ہشیار ہیں۔ فیلبان تھان سے کھول کر جمنا میں لے گئے اور لے جا کر جھانوے سے مَیل چھڑانا شروع کیا۔ پھر دوسری کروٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لائے۔ نقاش نے ننک پر نقش و نگار کھینچ دیئے۔ وقتِ سواری گدیلا کس کر کارخانے میں لے گئے۔ گہنا پہنایا جھولی ڈالی۔ عماری کی نقارخانے کی ڈیوڑھی پر لا کر استادہ کیا۔ برابر اور ہاتھیوں کی قطار کھڑی تھی۔ جس وقت ہَوادار سواری پر بادشاہ نقارخانے کے دروازہ سے برآمد ہوا چیخ مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا۔

جس وقت تک بادشاہ اور دوسرے سوار سوار نہ ہو لیں کیا مجال کہ جنبش کھا جائے۔ جس وقت بادشاہ سوار ہُوئے فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استادہ ہو گیا۔ ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دو کھانیں اُس کے کانوں میں پہنائی جائیں۔ دو ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے اُوپر کئے جاتے اور بڑی سپر فولادی مستک پر نصب کی جاتی اور بہت بڑا حقہ چاندی کا مع چلم و چنبر نقرہ اُس کے سر پر رکھا جاتا اور پیچوان کی سٹک فوجدار خاص اپنے کندھے پر رکھتے۔ بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی۔ کیا مقدور کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گر پڑے۔ ایسا سبک رفتار تھا۔ بڑی نخبولی جھول تھی۔

قصہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی پھر ویسا ہی مست ہے جیسا کہ تھا۔ یہ حال اس ہاتھی کا تھا۔ اس کے علاوہ ایک صفت اور تھی کہ تمام دن خوردسال بچے بارہ سال اُس کے گرد بیٹھے رہتے تھے اُن سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے پتلے گنے کی پوریاں صاف کر کے انہیں دیتا تھا۔ دن بھر بچے اُسے گھیرے رہتے تھے۔ بچے اُسے کہتے تھے مولا بخش نکی اوٹھے تو وہ اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اُٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا اور جب بچے کہتے ٹیک دو' ہاتھ ٹیک دیتا۔ پھر آپ نوں کرتا تو بچے ایک پاؤں سے کھڑے ہو جاتے۔

اگر وہ گھڑی بھر سے پیشتر کہتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہلا دیتا ابھی نہیں ہوئی جس دن بچے نہ آتے تو چیخیں مار کر بلاتا تھا اور گنتے دیتا[1]

شاہجہاں اور اورنگ زیب کا سا عہد تو دلی کا نہ تھا مگر علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچی تھی۔ کوئی مشرقی شہر اس سے لگا نہیں کھا سکتا تھا۔ درس گاہوں کی گرم بازاری تھی۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں شباب پر تھیں۔ حضرت اسمٰعیل شہید شاہ محمد اسحاق، مولانا فضل حق، مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے اصحاب فضل و کمال انہیں درس گاہوں سے پیدا ہوئے۔ مولوی مخصوص اللہ، مولوی عبدالخالق، مولانا رشیدالدین خاں مولوی کریم اللہ، نواب قطب الدین خاں، مولوی مملوک علی، مولوی نصیرالدین، سراج المعلٰی مولوی مفتی سید رحمت علی، خان بہادر مولوی کرامت علی[2] سے حضرات و فضلائے وقت سے تھے۔ مولوی حکیم عبدالحئی نے گل رعنا میں عہد ابوظفر کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

دلی اس وقت کی ایسی دلی نہ تھی بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولانا امام بخش صہبائی علامہ عبداللہ خاں علوی آزردہ مرزا اسداللہ خاں غالب، نواب ضیاءالدین خاں نیر، شاہ نصیرالدین نصیر، حضرت ذوق، حکیم آغاجان عیش، حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخنورانِ باکمال کا جھمگٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا"۔[3]

ابوظفر نے انہیں باکمالوں کی صحبت اٹھائی تھی۔ یہی حضرات ولی عہدی میں دوست تھے۔ جب یہ تاج دار ہوئے تو یہی درباری کہلائے گئے۔ ان کی شاعری بھی شعر و سخن کے دور میں پروان چڑھی۔

شاعری کا ذوق

شاعری کی طرف ایامِ طفلی ہی سے میلانِ خاطر تھا۔ اس فن میں پہلے شاہ نصیر سے اور پھر ان کے شاگرد میر کاظم حسین بیقرار سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۸۱۳ء میں جب بیقرار میر منشی ہو کر کلکتہ چلے گئے تو شیخ ابراہیم ذوق

---

[1] داستانِ غدر صفحہ ۲۶ [2] آثار الصنادید از سر سید احمد خاں صفحہ ۲۲۵ [3] گل رعنا

"استادِ شہ" کے منصب پر فائز ہوئے اور جب ۱۸۵۴ء میں ذوق کا انتقال ہو گیا تو یہ خدمت غالب کے سپرد ہوئی۔ ہمیں اس وقت صرف ظفر کی شاعری کا جائزہ لینا ہے اور اُن کی شاعری پر نقد و تبصرہ کرنا ہے۔ مگر ہمیں اس ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہے جس میں ظفر نے آنکھیں کھولیں اور جس میں اُنھوں نے آخری سانس لیا کیونکہ شاعر کے کلام پر اس کا ماحول کا بہت گہرا اثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

ظفر نے اس وقت آنکھ کھولی جب اردو شاعری منازلِ ارتقا کو تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھی اور اُس کا آفتاب پوری بلندی پر تھا۔ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی حکومت پر متمکن تھے۔ یہ خود اچھے شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اس وقت خواجہ میر درد، مظہر جانجاناں، میر تقی، سودا، مصحفی، انشاء، جرأت وغیرہ جیسے مایۂ ناز شعراء ہو چلے گئے تھے اور دہلی میں شاہ نصیر، احسان، ممنون، قاسم وغیرہ جیسے رطب اللسان ماہرینِ فن موجود تھے۔ ایسے ماحول میں آنکھیں کھول کر ظفر کا میلانِ طبع اردو شاعری کی طرف نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گرد و پیش کے ماحول کا اثر نہ لینا بھی ممکن نہ تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی مدھم ہوتی جاتی ہے اور یہ مردِ عاقل و دانا اور بینا اس کا بچشم غور مطالعہ کر رہا تھا۔ آخر وہ کہاں تک اس کا اثر قبول نہ کرتا۔ چنانچہ ظفر ایک باکمال شاعر ہے اور اس کی شاعری اُس کے ماحول کے عین مطابق ہے اور اس کا ہر شعر اس کے ذہنی اور قلبی تاثرات کی ایک سچی تصویر ہے۔

سیاسی حالات

جہانگیر اور عالمگیر کے تخت پر شاہ عالم ثانی جلوہ گر ضرور تھا جو آفتاب تخلص کرتا تھا۔ لیکن آفتابِ سلطنتِ مغلیہ زوال میں تھا دہلی میں مرہٹوں اور جاٹوں کی یورش ہوئی۔ شاہ عالم ثانی دلی سے بھاگ کر الہ آباد رہے۔ احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ، احمد خاں بنگش، عنایت خاں سرداران روہیلہ نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دلی فتح کی اور شاہ عالم ثانی کو بادشاہ تسلیم کیا۔ سات سال کے بعد شاہ دہلی واپس آیا اور مادھوجی سندھیا کے ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے

برائے نام بادشاہ کہلاتا رہا۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے پُرلنے انتقام میں کہ شاہ نے اُس کو اختہ کرا دیا۔ اُس کے وفادار خاندان کو شجاع الدولہ کے کہنے سے تباہ کیا۔ عورتوں کی بے عزتی کی۔ دِلی پر چڑھائی کرائی۔ ضعیف العمر بادشاہ قید ہوا۔ شاہی بیگمات کی زدوکوب کی گئی اور شہزادوں کو سخت ایذائیں پہنچائی گئیں اور بادشاہ کی ایک آنکھ غلام قادر نے چھاتی پر چڑھ کر اپنے خنجر سے نکال لی۔ اور دوسری آنکھ اُس کے اشاروں پر اُس کے ایک ساتھی نے نکال کر بادشاہ کے لئے دُنیا اندھیر کر دی اور اسی حالت میں بے بس بادشاہ کو سلیم گڑھ لے گئے۔

سندھیا کے فوجی افسر رانا خاں نے مقابلہ پر غلام قادر کو شکست دی اور قتل کر ڈالا اور بادشاہ کو اُس کے پنجہ سے نجات ملی اور وہ دہلی آیا۔ سندھیا مدار المہام بنا۔ اُس نے بادشاہ کے اختیارات سلب کر لئے تاہم مراتبِ شاہی کی توقیر برقرار رکھی۔ مرہٹے کرتے وہی تھے جو چاہتے تھے۔ لیکن احکام سب بادشاہ ہی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ سکہ بادشاہ ہی کا رائج تھا اور شاہی رُعب وداب قائم تھا۔ شاہ عالم کی خواہش پر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے جنرل لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دی اور شاہ عالم مرہٹوں سے نکل کر انگریزوں کی حفاظت میں آئے۔ عُمالِ شاہی برطرف ہوئے اور نیا دَور شروع ہُوا۔

بادشاہ کی گزر بسر کے لئے ساٹھ ہزار ماہوار مقرر ہُوا۔ اس کے علاوہ جملہ اخراجات وظائف کے لئے ۲۸۰۰۰ کی رقم ماہانہ قلعہ معلی میں پہنچ جاتی تھی جس میں ظفر کے والد اکبر شاہ ولی عہد کا وظیفہ دس ہزار روپیہ ماہوار شامل تھا۔ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تہواروں کے لئے دس ہزار روپیہ ہر تہوار کی سالانہ رقم معین تھی۔ ایک دیوان اور چند اہلکار مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ کو تفویض ہُوا۔ دہلی اور اُس کے نواح میں شرعِ محمدی ﷺ کا نفاذ ہُوا اور اتنی رعایت اور ملحوظ ہوتی کہ بغیر بادشاہ سلامت کے استمزاج کے سزائے موت یا سزائے قید طویل عمل میں نہ آئے گی۔ بالآخر ۷ / رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸ / نومبر ۱۸۰۶ء کو مظلوم اور نابینا نام نہاد بادشاہ شاہ عالم ثانی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس

جہان پُرآشوب سے رخصت ہُوا۔ اور ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مسند نشین اورنگ وظیفہ خواری ہوئے۔

یہ سارے انقلابات نوجوان شہزادہ ابوظفر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک حساس طبیعت رکھتا تھا اور ہر واقعہ اُس پر اپنا گہرا اثر ڈالتا تھا۔ تاہم اب تک شہزادوں کی زندگی گونہ بے فکری کی زندگی تھی۔ خارجی ماحول کا پورا پورا اثر قبول کرتے رہنے کے باوجود ہنوز بذات خاص افکار و حوادث کا شکار نہ ہُوا تھا۔ لیکن کوٹ قاسم کی جاگیر جو مرہٹوں نے ولی عہد کی جاگیر قرار دی تھی اور جس پر اکبر شاہ اپنے زمانہ ولیعہدی میں برابر قابض و متصرف رہے۔ اب شاہی املاک میں شامل ہو گئی اور اکبر شاہ ثانی نے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ظفر پر ترجیح دی اور اپنا ولی عہد بنانا چاہا۔ انگریزوں نے اس بے انصافی سے باز رکھنا چاہا تو باپ نے بلا تکلف فرما دیا کہ ابوظفر میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں ظفر نے ایک مخمس لکھی تھی جس کا مطلع ہے ؎

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم | دل اسکے ہاتھ سے پُر درد ہے اور چشم ہے پُرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہونگے لاکھ غم پر غم | کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جبتک ہے دم میں دم

خدا دارم چہ غم دارم
خدا دارم چہ غم دارم

اس خمسہ کا پانچواں مصرعہ ہر بند میں ایک ہی ہے کئی سال کی آزمائش میں جب یہ ثابت قدم رہا تو خدا کو بھی رحم آیا اور اس کی قناعت اور تسلیم و رضا کا صلہ یوں ملا کہ ۱۸۲۱ء میں جہانگیر مرزا انگریزوں کی قید میں بمقام الہ آباد انتقال کر گئے اور سرکار کمپنی نے اعلان کر دیا کہ وہ سوائے مرزا ابوظفر کے کسی کو وارثِ تاج و تخت تسلیم نہ کرے گی۔ اس وقت ظفر کے مغموم دل سے بے اختیار یہ شعر نکلا ہو گا ؎

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کام
کام بگڑے ہوئے بنجائیں یونہی آپ سے آپ

خیر یہ تو ہُوا لیکن جس تخت و تاج کا یہ وارث ہُوا اس کی حالت روز بروز بدتر ہوتی

جاتی تھی ۔ ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی دشمال میں شامل کر دیا گیا اور رہا سہا اشتباہ بھی باقی نہ رہا کہ بادشاہ سلامت کی ملکیت خود دہلی پر بھی برقرار نہیں ہے ۔ گویا اب پورے طور پر بادشاہ کی معزولی کا اعلان ہو گیا اور ۱۸۳۵ء میں سکہ بھی دلی اور نواح دلی میں سرکار کمپنی بہادر کا رائج ہو گیا ۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی نے بھی جنت کی راہ لی ، اور بہادر شاہ بادشاہ ظفر سریر آرائے سلطنت ہوئے ۔ اس وقت اُن کی عمر باسٹھ سال کی تھی اور اُن کی قسمت میں اس انقلابِ عظیم کا تتمہ دیکھنا لکھا تھا جو ایک عرصہ سے رونما ہوا تھا ، رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ آگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے ۔ ۱۸۵۴ء میں دلی کے ہندو مسلمانوں میں گاؤکشی کے معاملہ پر جھگڑا ہو گیا ۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرانا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی شمالی کو لکھ بھیجی تو اُس نے جواب دیا کہ مقامی عہدیداران جو قیامِ امن کے ذمہ دار ہیں ۔ اُن سے رجوع کیا جائے ۔ القاب و آداب میں بھی فرق آ گیا ہے ۔ پہلے خطوط لفٹنٹ گورنر بہادر کی جانب سے بادشاہ کے پاس جاتے تھے ۔

MAY IT PLEASE BE NOTED YOUR MAJESTY

سے شروع ہوتے تھے اور

YOUR MAJESTYS FAITHFULL SERVANT

پر ختم ہوتے تھے ۔ لیکن ۲۲ راگست ۱۸۵۴ء کو مسٹر کالون (Colwin) نے جو آگرہ کے لفٹنٹ گورنر تھے وہ القاب تحریر کیا جو ایک برابر کا دوست دوسرے دوست کو لکھتا ہے ۔ یعنی مائی ڈئیر ظفر سے خط کا آغاز کیا اور (SINCERELY) پر اُس کی تان توڑی ۔ ظفر جیسی حساس اور موقع شناس کے لئے یہ بھی ایک کاری ضرب تھی ۔ چنانچہ اپنے ملال کا ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں ؎

اب جو لکھتا ہے وہ کاہے کو یہ لکھتا تھا کبھی
دیکھو اس بت بے پیر کا اگلا کاغذ

۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو جو ولی عہد تھا اُن کا انتقال ہوگیا۔ ولی عہد کا قصہ پھر اُٹھا۔ بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطلع کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر اُن کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا قویش سے جو بہادر شاہ کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کا لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شہزادہ باقی رہ جائے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائے گا۔ اور مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب یہ خبر بوڑھے شاہ کو ملی تو اُس کے رنج و غم کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک نہایت دردناک نظم اس موقع پر اُن کے دلی تاثرات کی ترجمانی کرتی ہے جس کا مطلع ہے ؎

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نام سلطنت[1]

عالمِ شہزادگی ابوظفر آدابِ شاہی سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی صحبت اٹھائی تھی۔ اوائل عمری سے دکھ رکھاؤ تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور اُن سے حُسنِ عقیدت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب انگریزوں کے مظالم اور اُن کے جور و تشدد اور مداخلت فی الدین گوارا نہ کر سکے۔ اُنھوں نے اس ملک کو دار الحرب قرار دیا۔ کیونکہ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے محکمہ شریعت اڑا دیا جس محکمہ کے مفتی خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپاموی تھے[2] اس کے بجائے الٰہ آباد میں صدر نظامت قائم کیا اور اس کا وکیل سرکار مفتی صاحب کو مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ علماء کے لئے سخت روحانی صدمہ کا تھا۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق نے اور اُن کے بھائی نے دلی میں رہنا مناسب

---

[1] ابوظفر بہادر شاہ حسن عبداللہ (مصنفہ علی گڑھ) [2] تاریخ مفتیان گوپاموا از مفتی محمد حسن گوپاموی ص۱۳۔

نہ سمجھا۔[1] ہجرت کا ارادہ کرلیا اور حجاز کے لئے مہرولی روانہ ہوئے۔ عمائدین شہر اور ابوظفر بھی آپ کے ساتھ ساتھ گئے۔[2] رخصت کرتے وقت بہت رنجیدہ ہوئے۔

ابوظفر میں دوست نوازی بہت تھی۔ اُن کے مخصوص احباب میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، حکیم مومن خاں، مولانا امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی، مولوی رشید الدین سے حضرات تھے۔ مولانا فضل حق ابوظفر کے بچپن کے دوست تھے۔ جب ریذیڈنٹ دہلی کے محکمہ کی سررشتہ داری چھوڑ کر نواب عبدالرحمٰن خاں والیٔ جھجر کی دعوت پر جانے لگے۔ نواب نے پانچ صد روپیہ مشاہرہ پر آپ کو بلایا۔ ابوظفر سے رخصت ہونے کے لئے قلعہ معلّی گئے۔ ابوظفر نے اپنا ملبوس دوشالہ اوڑھایا اور رخصت کرتے وقت فرمایا۔ جی نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں کہ جائیے مگر مجبوری ہے اور آبدیدہ ہو کر رخصت کیا۔[3]

شریعت کی پابندی

ابوظفر علماء، صلحاء کی صحبت کی وجہ سے شریعت حقہ کے بڑے پابند تھے۔ حتی الامکان منہیات سے پرہیز کرتے تھے۔ نوافل اوراد و وظائف کی پابندی تھی۔ اوائل عمری سے صوفیائے کرام سے حسنِ عقیدت تھی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی صاحب سے بیعت تھے۔ آپ کی پاکبازی اور خداپرستی کی عام شہرت تھی۔[4] رند کہتے ہیں ؎

ناغہ ہو جائے ذکر کیا ہے قرآن ابوظفر بہادر

غالب نے دیباچہ مہر نیمروز میں اظہارِ عقیدت کیا ہے ؎

شبلی از منبر وہدا و از عشق	شاہ ما برتخت گوید راز عشق
شاہ ما دارد بہم در رہروی	خرقۂ پیری و تاج قیصری
شاہی و درویشی اینجا باہم است	بادشاہِ عہدِ قطبِ عالم است[5]

---

[1] حیات بعد الممات احوال مولانا نذیر حسین محدث دہلوی [2] پنج آہنگ از مرزا غالب

[3] اولیائے ہند از صاحب عالم محمد اختر گورگانی ذکر ابوظفر بہادر شاہ [4] مہر نیمروز از مرزا غالب صـ

پیری مریدی اپنے پیر کے شیفتہ تھے۔ کہتے ہیں ؂

مرید قطب دیں ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمتریں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفرؔ ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

خود بھی مرید کیا کرتے اور پانچ روپیہ ماہوار مریدوں کا مقرر تھا۔ کمپنی نے یہ رنگ دیکھ کر اہل کار سرکار کو منع کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کے مُرید نہ ہوں۔ ریذیڈنٹ نے اعلانِ عام کر دیا کہ کوئی فوجی افسر شاہ کا مُرید نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی زندگی بہادر شاہ جملہ مکارمِ اخلاق سے متصف تھے۔ عجز و انکسار، عفو و حلم تراحم اور حسنِ خلق کے زیوروں سے آراستہ تھے۔ بوئے نخوت و رعونت پاس ہو کر نہیں گزری۔ زہد و طہارت اور تقویٰ کی جانب مائل تھے۔ آغازِ بلوغ سے پرہیزگاری اور فیاضی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے اور شہرت تھی۔ اپنے خادموں کو بلا کھائے خود طعام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے [1]

رعیت پروری کا یہ عالم تھا کہ گھوسیوں کو ایجنٹ دہلی نے شہر سے نکالنے کا حکم دیا کہ یہ اپنے جانور لے کر شہر سے باہر آباد ہوں۔ بادشاہ کو خبر لگی۔ ایجنٹ کو کہلا بھیجا کہ رعایا کو تکلیف نہ دو۔ وہ آمادہ نہ ہُوا تو حکم دیا کہ ہمارا خیمہ جہاں گھوسی آباد کئے ہیں وہیں لگا دو ہم بھی ان میں رہیں گے۔ حکم کی دیر تھی خیمے جانے لگے۔ ایجنٹ کو خبر لگی بھاگا ہُوا آیا اور معذرت کی اور گھوسی اپنی جگہوں پر مقیم رہے۔ بادشاہ کے متوسلین جو تھے خود اُن کا بڑا خیال رکھتے۔ احسان دہلوی بادشاہ کے منہ لگے شاعر تھے۔ بادشاہ اُن کا خیال بھی بہت کرتے۔ ان دنوں بادشاہ کو مچھلی کے شکار کی دھت تھی۔ روزانہ

---

[1] داستانِ غدر از ظہیر دہلوی ص۔

جمنا کے کنارے رونق افروز ہو کر شکار میں مشغول رہتے۔ احسان کے وظیفہ میں دیر ہوگئی۔ وہ شکار میں جا پہنچے۔ مجرا عرض کیا۔ پوچھا کیسے آئے ہو؟ عرض کیا ایک قطعہ سنانے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا۔ سناؤ ؎

صید ماہی و صید دل شاہا ۔۔۔ خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا ۔۔۔ یعنی ڈوبے کا ہے نکلنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے ۔۔۔ وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے ۔۔۔ صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بادشاہ مسکرائے اور احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ آج وظیفہ احسان کے یہاں پہنچ جائے۔

لطیفہ نواب زینت محل بادشاہ سے کھنچنے لگی۔ بادشاہ مخاطب ہوتے، انا کانی دے جاتیں۔ بادشاہ کو یہ بے رخی کہاں گوارا تھی۔ صبح کے اوراد سے فارغ ہو کر چہل قدمی کے لئے اٹھنے کو تھے۔ زینت محل رُخ بدلے ہوئے گزریں۔ بہادر شاہ بولے۔ زینت ایک شعر تو سنتی جاؤ خوب ہے۔ وہ ٹھہر گئیں ؎

کیا کان بھر دیئے ہیں خدا جانے غیر نے
غصّہ میں جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

بیگم مسکرا دیں۔ پھر ہر دو مل بیٹھے اور حیات باغ میں چہل قدمی کو بادشاہ کے ساتھ گئیں۔

ایک دن بادشاہ کی سواری ملکہ باغ گئی وہ اُجڑ رہا تھا۔ ریذیڈنٹ کو حکم اُس کی درستی کے لئے بھیجا۔ اُس نے انجینئر کو بھیج کر روشیں وغیرہ درست کرا دیں اور کیاریاں آراستہ ہوگئیں اور حضور شاہ کو مطلع کیا کہ ملاحظہ کرلیں۔ بہادر شاہ معہ تمام شہزادوں کے وہاں پہنچے مگر ریذیڈنٹ وہاں نہیں حاضر ہوا اس کا ملال دل پر گزرا ؎

دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی

معمولات بہادر شاہ صبح بعد ادائے فرائض مذہبی طبیب کو نبض دکھاتے۔ پھر دربارِ خاص میں رونق افروز ہوتے۔ جنگ آزادی کے زمانہ میں عمائد شہر اور باہر سے آئے ہوئے لوگ دربار کی شرکت کرتے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، بہادر جنگ رئیس دادری، نواب حسن علی خاں، نواب احمد علی خاں والی فرخ نگر، منیر الدین خاں جو پولیس افسر تھے، مولانا عبدالقادر دہلوی، شیو سنگھ والی سمفوٹ، حکیم عبدالحق، مولوی احمد علی سفیر راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ، قاضی فیض اللہ چیف پولیس افسر سعادت خاں رئیس جہانگیر آباد گوری شنکر، شہزادہ محمد عظیم، کپتان ناظر حسن مرزا دلدار علی خاں، مرزا ضیاء الدین، سالک رام خزانچی، تیمت علی خاں، نواب فیض محمد خاں محمد علی خاں فرزند سالار جنگ، خواجہ سرا محبوب علی خاں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ خالق داد بقولی، مغل خاں، دین محمد جنہوں نے فریزر کو گولی سے گرا کر قتل کیا۔ قدرت اللہ خاں رسالدار، نواب محبوب علی خاں، ناظر حسن، مرزا امیر الدین، حسن علی شاہ، نظام الدین پیرزادہ، نواب محمد جان وغیرہ[1]

دربار برخاست کر کے محل سرا میں داخل ہوتے۔ دوپہر کا خاصہ تناول فرمایا۔ پھر آرام گاہ میں تشریف لے جا کر قیلولہ کیا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔ عصر کی نماز پڑھی۔ شاہی طبیب نے دوا المسک پیش کی۔ اس کے بعد مشورہ کی انجمن منعقد ہوئی۔ محبوب علی، وزیر اعظم حسن عسکری شاہ، نواب زینت محل، بہادر شاہ کی صاحبزادی مانی بیگم، دوسری دختر آغا بیگم، بہادر شاہ کی بیگم نواب شرف النساء شریک ہوئیں اور ضروری مشورے ہوئے[2]

مغرب کا وقت آیا نماز ادا کی۔ پھر طعام نوش فرمایا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر خواب گاہ میں تشریف لے گئے۔ پھر تہجد کے لئے اٹھے اور نوافل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہو کر صبح کاذب پر کچھ آرام کیا۔ یہ تھے روزانہ کے معمولات۔

---

[1] روزنامچہ جیون لال و معین الدین خاں (غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۱۰۱) [2] مقدمہ بہادر شاہ صفحہ ۱۲۲۔

انگریزی اقتدار

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ روز بروز مکر و فریب سے ریاستوں کو باہمی لڑوا کر کمزور ملک اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جماتا چلا جا رہا تھا جب پورا اقتدار اقطاع ہند پر ہو گیا تو یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھانسنے کی سعی کی۔ چنانچہ اس وقت کی کیفیت کا نقشہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے رسالہ غدریہ (الثورۃ الهندیہ) میں اس طرح کھینچا ہے۔

ہندو مسلم لشکریوں کو اُن کے رسوم واصول سے ہٹانے اور مذہب وعقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ گمان یہ تھا کہ لشکری قابو میں آجائیں گے تو دوسرے باشندے سزا وعقاب کے ڈر سے خود ہی رام ہو جائیں گے۔ چنانچہ گائے کی چربی اور سور کی چربی چکھانے پر زور ڈالا اور یہ کارتوس پر ملی گئی۔ دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ منحرف ہو گئے اور نصاریٰ کا قتل اور ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ بہت سے لشکر شہر مشہور بلد معمور مسکن آل تیمور دار السلطنت دہلی جا پہنچے اور امیر و حاکم (سراج الدین بہادر شاہ ظفر) تھا جس کے پاس ارکانِ دولت اور روزیر بھی تھے اپنا سردار و پیشوا بنا لیا۔ وہ خود ضعیف غمزدہ عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سچ پوچھئے وہ اپنی شریک حیات (زینت محل) اور روزیر (احسن اللہ خاں) کا مامور و محکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرداز اور اُن کی محبت میں غالی تھا۔

یہ تو سب کچھ تھی کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علماء زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جہاد و قتال کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی[1] ۱۸۵۷ء سے چند سال پہلے سے انقلاب کی تحریک چل رہی تھی کیونکہ پادری فنڈر نے ولایت سے آکر بزرگان مذاہب کو دشنام طرازی کا محل بنا دیا تھا۔ پادری ڈاکٹر وزیر خاں

---

[1] الثورۃ الهندیہ صفحہ ۲۷، ۳ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

اکبر آبادی اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں جلسہ عام میں مناظرہ کر کے بھگا دیا۔
اس سے کچھ پہلے مولوی احمد اللہ شاہ جو نواب چنیاپٹن کے صاحبزادے تھے۔ محراب شاہ قلندر گوالیاری کے مرید ہوئے۔ بیعتِ جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے نکالنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے [1] دلی گئے پھر آگرہ آئے۔

مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے یہاں مقیم ہو کر مجلس علماء بنائی اور مریدی کا دائرہ وسیع کیا اور اپنے مریدوں کو قصبات و دیہات میں بھیجنا شروع کیا اور خود بھی پالکی میں سوار ہو کر مرید ہمراہ لے کر ڈنکا بجتا ہوتا دورہ فرماتے۔ آپ کے وعظ میں دس دس ہزار ہندو مسلمان شریک ہوتے [2]

آپ اپنے مریدین کو فنونِ حرب سے بھی آگاہ کرتے۔ یہی زمانہ تھا کہ لارڈ ہسٹنگز نے ریاستیں ضبط کرنا شروع کر دیں۔ نانا راؤ پیشوا کی پنشن بھی ضبطی میں آئی اُس نے اپنے کامدار مولوی عظیم اللہ جو انگریزی کے بڑے عالم تھے اُن کو اور اپنے بھائی کو انگلستان مرافعہ کے لئے بھیجا اور ڈائرکٹران نے توجہ نہ کی۔ ہسٹنگز کا فیصلہ بحال رکھا عظیم اللہ ناکام لوٹے۔ فرانس کے ہوٹل میں روس کے انقلابی ملے۔ انہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی اسکیم بتائی۔

جب عظیم اللہ ۱۸۵۴ء میں ہندوستان واپس آئے۔ نانا راؤ کو آگاہ کیا [3] ہر دو نے مرہٹہ سردار تانتیا ٹوپی کو شریک تحریک کیا۔ رجواڑوں اور نوابوں کو خط لکھے اور خود بھی ملے۔ کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ تانتیا ٹوپے نے جوگیوں کا بھیس بدل کر فوجوں میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑکا دی۔ ان کے سوا شاہ فیض اللہ بھی فوجوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔
مسز ہورٹسٹ لکھتی ہے:۔

"بعض ہندوستانی درویش برہمنوں کے لباس میں آبادیوں میں چکر لگاتے

---

[1] تواریخ احمدی تائب لکھنوی [2] مسلمانوں کا روشن مستقبل از مولوی طفیل احمد منگلوری۔
[3] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے مالیسن جلد اوّل ص ۲۵ [4] غدر کے چند علماء

تھے اور خاص کیک (روٹی) جو نیلو فر کے پھول سے مطابقت رکھتا تھا باشندوں میں تقسیم کرتے تھے[1] جس کو یہ ملتا انگریز کو مارنے مرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا۔"

مولوی احمد اللہ شاہ بھی روٹیاں اور نیلوفر کے پھول لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔
۷ فروری کو انیسویں رجمنٹ جو چھاؤنی برم پور علاقہ مرشد آباد میں مقیم تھی اچانک کارتوس کے کاٹنے پر جھگڑا کرنے لگی[2] اور پیش پیش منگل پانڈے تھا۔ رجمنٹ توڑ دی گئی اور ۸ اپریل ۱۸۵۷ء کو منگل پانڈے کو پھانسی دے دی گئی۔ رجمنٹ کے سپاہیوں نے فوجوں میں گشت کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد افسرانِ فوج نے میرٹھ میں چربی کے کارتوس دانتوں سے کٹوانا چاہے جنہوں نے انکار کیا گرفتار کر لیا اور کورٹ مارشل ان کا کرنا چاہا۔ اس واقعہ نے فوجیوں میں انگریز سے نفرت پیدا کر دی۔ مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ کے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر اپنے افسروں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ عوام بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ سویلین کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی۔ جم غفیر حریت نوازوں کا دلی روانہ ہو گیا۔ ادھر کلکٹر میرٹھ نے کمشنر دہلی سیمن کو خط لکھا۔ آدھی رات کو خط پہنچا وہ جیب میں رکھ کر سو گیا[3] گیارہ کی صبح کو دلی میں داخل ہوا۔ بادشاہ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ اشارے سے غل و شور کے متعلق پوچھا یہ کیا ہے؟ خدام نے کہا سرکاری فوج اپنے افسروں سے باغی ہو کر انگریزوں کو قتل کر کے یہاں آئی ہے۔ بادشاہ نے وظیفہ ختم کیا[4] غلام عباس کو نکلسن فریزر اور کپتان ڈگلس کے قلعہ میں بلانے کو بھیجا۔ ہر دو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ طفل تسلی دے کر قلعہ کے نیچے جو فوج موجود تھی اس کو سمجھایا مگر وہ ہر انگریز سے بیزار ہو چکی تھی۔ فریزر یہ رنگ

---

[1] غدر کے مناظر از مسز ہورسٹ ترجمہ ظفر تاباں مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۲۵ء ص ۱۲ [2] حالاتِ غدر نواب غلام حسین خاں فارس ص ۳۔
[3] عروج انگلشیہ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی [4] داستان۔

دیکھ کر لوٹے اور دربار کو لوٹ کر جا رہے تھے۔ مرزا مغل بیگ نے گولی مار دی۔ وہ گر پڑا، پھر ڈگلس پر پل پڑے اس کا کام تمام کیا[۱] بادشاہ کو خبر لگی وہ برا بھلا کہتے رہے۔

مرزا مغل، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ فوجیوں سے میل کر گئے۔ فوجیوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنالیا۔ دوسرے شہزادے بھی فوجی عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شہر میں مار دھاڑ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ دکانیں لٹنے لگیں۔ ۱۲ر مئی کو بادشاہ نے جو اردگرد کے حالات سے واقف تھا انگریز کے ظلم وستم مجبوری سے سہہ رہا تھا وہ انتقام لینا چاہتا تھا، فوجیں چلی آرہی تھیں دل بڑھ رہا تھا۔ دو دن کا رنگ دیکھ کر فوجی سرداروں اور شہر کے عمائدین کو مدعو کیا۔

دربار

۱۳ر کو شاہی دربار منعقد ہوا خود بادشاہ تخت طاؤس پہ رونق افروز ہوئے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ نواب علی محمد خاں، نواب علی قلی خاں، شمشیر الدولہ بہادر، حکیم عبدالحق، حکیم احسن اللہ خاں تمام شہزادے شریک دربار تھے۔ مرزا غالب نہ آسکے۔ شعر کہہ کر بھیجا[۵]

بزر زد سکہ کشورستانی   سراج الدین بہادر شاہ ثانی[۲]

ایک کونسل امورات جنگ کے لئے منتخب ہوئی۔ وزیر حرب مرزا جواں بخت بنائے گئے[۳]۔ ایک فوج کی کمان نواب زینت محل کے سپرد ہوئی[۴] مرزا مغل کمانڈر افواج (سرسالاری) کے مقرر کئے گئے اور خضر سلطان کو بائیٹ کی کرنیلی ملی۔ محمد بخت اور شاہ الیگزینڈر پلٹن کے کرنیل مرزا عبداللہ، مرزا قویش کرنیل مقرر ہوئے۔ مرزا مینڈھو پلٹن کین کے افسر ہوئے۔ نواب محمد حسن خاں مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے۔ میر نواب نائب قوش

---

[۱] حالات غدر از نواب حسین خاں [۲] ذکر مرزا غالب از مالک رام ایم اے [۳] روزنامچہ نواب حسین الدین خاں بہادر صفحہ ۱۰ [۴] ایضاً

میر فتح علی وزیر صحرائی مقرر ہوئے۔ شہزادہ محمد عظیم بن شہزادہ میاں اختر ضلع سرسہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ مفتی صاحب خاموش تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں برابر بیٹھے ہوئے لوگوں کو انگریزوں سے خوف زدہ کر رہے تھے۔ مگر شہزادے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ دربار برخاست ہوا اور ذیل کا اعلان بادشاہ کی طرف سے شائع ہوا۔

شاہی اعلان

"جہاں پناہ ظالم انگریزوں کو دفع کرنے کے بعد تختِ طاؤس پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ منصفانہ قانون صادر کیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے قتل و غارت کو موقوف کیا جائے۔ تمام معاملات اس کے بعد عدالتِ عالیہ کے سپرد کئے جائیں گے جہاں بجز عدل و انصاف کے کسی پر ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔" [1]

مگر شہر میں اس کا کچھ اثر نہ پڑا۔ فوجیوں کے ساتھ غیر ذمہ دار لوگ شریک ہو کر جوہریوں اور امراء کے مکان لوٹنے لگے۔ ان کی سرپرستی عیاش شہزادہ کر رہے تھے [2]

وفودِ مجاہدین کی آمد حضرت سید احمد بریلویؒ کے مریدین میں سے رئیس المجاہدین مولوی سید سرفراز علی گورکھپور کے اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک عرصہ سے خفیہ طور سے بیعتِ جہاد لے رہے تھے [93] اور وہ دورہ بھی خود کرتے اور اپنے خلفاء کو بھی دیہاتوں میں بھیجتے۔ چنانچہ جب سلطان پور پہنچے ایک صوبہ دار بخت خاں جو نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے تھا جس کے والد نے نواب شجاع الدولہ کے گھرانے میں شادی کر لی تھی۔ وہ مولوی سید سرفراز علی کا مرید ہوا اور اس نے بیعتِ جہاد کی۔ یہ صوبہ دار انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مسٹر سیل کے تحت جنگِ افغانستان میں جلال آباد میں بہادرانہ کارنامے ایسے دکھلائے کہ توپ خانہ باتمری کا سب سے بڑا افسر

---

[1] غدر کے مناظر مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۳۵ء صہ ۵۹ [2]

کر دیا گیا۔ بخت خاں کے ماتحت تمام ہندوستانی توپچی تھے۔ ناتری بڑی مشہور تھی۔
اعزاز کے طور پر توپوں پر پھولوں کا محراب نما تاج بھی رکھا گیا[1]

بخت خاں افغانستان سے واپس آکر نیمچ کی چھاؤنی میں متعین کئے گئے۔

مرہٹہ کے واقعہ کی اطلاع آناً فاناً دور دور پھیل گئی۔ بخت خاں نے سُنا تو وہ نیمچ کی چھاؤنی سے توپ خانہ اور تین رجمنٹ لے کر روہیلوں کے مرکز بریلی پہنچا۔ یہاں نواب حافظ الملک رحمت خاں کے پوتے نواب بہادر خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنی نوابی کا اعلان کر دیا۔ بخت خاں نے اُن کی معاونت کی اور اُن کی حکمرانی کو مضبوط کر کے توپ خانہ معہ باتری کے اور چار لاکھ روپیہ ساتھ لیا۔ نانا راؤ کا بھائی بالا راؤ آیا ہُوا تھا[2] اس کو بھی ہمراہ لیکر دلی چل کھڑا ہُوا۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ کو اطلاع دی[3] بادشاہ نے اپنے خسر نواب شمشیر الدولہ احمد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں، احمد یار خاں، ابراہیم خاں اور غلام علی خاں کو استقبال کے لئے بھیجا صوبہ دار کے ساتھ ایک صدر علماء بھی تھے۔ بخت خاں اپنی پوربی سادی وضع میں بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ ظہیر دہلوی لکھتا ہے :۔

> "جنرل بخت خاں ۱۴ ہزار کا کمپو چند توپ اور تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ لے کر ۲ رجولائی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں داخل ہُوا۔ سر پر انگوچھا لپیٹا ہُوا چال کرچ گلے میں پڑی ہوئی پیچھے حال کھلا کہ بریلی والا جرنیل وہی تھا۔ بظاہر تو اس کا لباس گھس کھدروں کا سا تھا میں تو سمجھا جیسے پوربی سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہوگا۔"[4]

بادشاہ سلامت کی طرف سے بڑے پیمانہ پر اُن کی پُوری فوج کو دعوت دی گئی اور چار ہزار روپیہ جیب خاص سے مرحمت کئے گئے۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

---

[1] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۰۲
[3] داستان غدر۔

"سپاہ میں سب سے زیادہ بہتر حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی اپنے سپاہیوں کو دے دی تھی اور اُس کے سالار کے پاس چار لاکھ روپیہ تھا۔" [1]

بادشاہ کو بخت خاں کے انتظامِ شہر اور خوش سلیقگی اور فوج کی تنظیم کا پتہ چلا تو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور فرزند کا خطاب عطا کیا۔ ایک بیش قیمت ڈھال اور تلوار بھی عنایت کی، جنرل کمانڈر فوج بنایا اور شہر میں منادی کرا دی گئی کہ جملہ پلٹنیں جو دہلی میں جمع ہیں وہ جنرل صاحب سے ہدایاتِ جنگی حاصل کریں۔ جنرل صاحب نے فوجی دفتر قائم کیا۔ میر منشی خیرات علی مقرر کئے گئے۔

پہلی جنگ

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

"۲۹ر جولائی کے دربار میں جنرل بخت خاں بادشاہ کا قائم مقام ہو کر آیا۔ بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر نیم بادشاہ بنا دیا۔ جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اُتاری۔ آج میگزین دیکھتا ہے اس میں بالترتیب سامان رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں فوج کی پریڈ لی۔ نمک اور شکر پر جو محصول تھا وہ معاف کر دیا تاکہ غرباء کو تکلیف نہ ہو۔ نیز یہ بھی کہا کہ جو شہزادہ شہر کی دوکانوں کو لوٹے گا میں اس کی ناک کٹوا دوں گا۔"

آگے چل کر مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

"جب تک بخت خاں دلّی نہیں آیا تھا جہاد کے فتویٰ کا چرچا بہت کم تھا مگر جب بخت خاں دلی آیا تو اُس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گئی تو وہ اُن کی بیوی بچوں کو قتل کر دیں گے

---

[1] عروج عہدِ انگلشیہ [2] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے اور مالیسن جلد ۲ صفحہ ۲۶ ۴ ۔

جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے اُن کے دستخط کرائے۔ اس فتویٰ جہاد کے علاوہ ایک حلف نامہ بھی تقسیم کرایا اور اس پر ہر سپاہی سے جن کی تعداد ستر اَسّی ہزار کے لگ بھگ تھی عہد لیا۔ مرزا مغل نے یہ حلف نامہ فوجوں کو پڑھ کر سُنایا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ ہم آخری دم تک لڑیں گے۔" [1]

فتویٰ جہاد مولانا فضل حق الور سے دہلی آ گئے تھے۔ بادشاہ کے مشوروں میں شریک ہوتے تھے۔[2] جنرل بخت خاں کو آپ کی جلالتِ شان کا علم ہوا وہ حاضرِ خدمت ہوا۔ چنانچہ آپ نے جہاد کا فتویٰ لکھا۔ مفتی صدرالدین خاں نے دستخط کئے۔ مولوی عبدالخالق، مولوی سرفراز علی، مولوی ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی کثیر التعداد علماء نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کا اثر اچھا ہُوا۔ ٹونک، جے پور، آگرہ وغیرہ سے بغرضِ جہاد لوگ آنے لگے۔

جنرل بخت خاں کی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑی قدر بڑھ گئی۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:۔

"جنرل بخت خاں خلوت و جلوت میں جب چاہتے بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے۔ کوئی پابندی نہ تھی۔ بادشاہ نے عید کے موقع پر حسبِ ذیل شعر لکھ کر بھیجا ؎

لشکرِ اعدا الٰہی آج سارا قتل ہو
گورکھا گوجر سے لے کر تا نصاریٰ قتل ہو

مورچہ بندی جنرل بخت خاں نے شہر کا بالکل انتظام کر کے فوج کی تنظیم کی اور جگہ جگہ مورچے بنانے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی فوجیں جہاں تھیں اُن کے مقابلے پر دستے روانہ کئے۔

---

[1] عروجِ عہدِ انگلشیہ [2] رسالہ بغاوت ہند ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء۔

پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور پانچ سو رسالہ کے سپاہی چھ توپوں اور سامانِ اسلحہ کے ساتھ بخت خاں کے حکم سے باغپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پل تعمیر کرنے سے روکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامانِ حرب کے علی پور روانہ ہوئی۔ سہ پہر کو یہ افواہ اڑی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح ہوئی۔ اس کی وجہ سے عوام میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ دہلی سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت سے بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ جو شخص میدانِ جنگ میں کارہائے نمایاں کرے گا اُسے پانچ بیگھ زمین دی جائے گی اور اعزازی عہدہ بھی دیا جائے گا۔

بہادر شاہ نے عام راجاؤں اور نوابوں کو شرکت کے فرمان جاری کئے۔ معمولی رئیس جانسپاری کو تیار ہوئے۔ بڑے راجوں اور نوابوں نے جواب تک نہ دیئے بلکہ وہ انگریزوں کی پشت گری کر رہے تھے۔

غرضیکہ انگریزوں سے جنرل صاحب کا جہاں جہاں مقابلہ ہوا انگریز شکست کھا گئے۔ انگریزوں نے یہ رنگ دیکھے تو حکیم احسن اللہ خاں سے منشی رجب علی کے ذریعہ زینت محل اور مرزا مغل پر زور ڈلوانا شروع کیا۔ میگزین میں آگ لگوائی اور بارود کے کارخانہ میں باجرہ رنگا جانے لگا۔ ادھر مرزا الٰہی بخش شاہ عالم کے پوتے ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ روزانہ کے حالات قلعہ کا جیون لال اور بالمکند انگریزوں کو بھیج رہا تھا۔ جنرل صاحب کونسل کے سامنے اسکیم پیش کرتے انگریز کو اس کا علم ہو جاتا۔

مرزا مغل نے جنرل بخت خاں کی عام مقبولیت اور کامیابی دیکھ کر جنرل کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ دوسرے شہزادے بھی مرزا مغل کے ہمنوا ہو گئے۔ مرزا الٰہی بخش نے یہ خبر شہزادوں میں اڑا دی کہ بخت خاں غلام قادر روہیلہ کے خاندان کا ہے اور وہ ہم لوگوں کی آڑ لے کر انگریزوں کو ملک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ جب تک جنرل دلی میں آیا تھا حریت نواز فوج مرزا مغل کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتی تھی اب وہ مرزا کو منہ تک نہ لگاتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی بساط میں رخنے پڑ گئے اور ہر بادشاہ روزانہ

دربار کرتے۔ مفتی صدرالدین خاں کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا۔ قاضی فیض اللہ کو عہدہ دیا گیا۔ وہ مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے۔

تیس ہزار الٰہی میدان سے انگریزوں کو نکالنے میں جنرل بخت خاں کے ساتھ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا فتح الملک بہادر کے صاحبزادہ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ اور مرزا مینڈھو دوش بدوش دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ اب جس مورچہ پر جنرل صاحب شہزادوں کو لگاتے وہیں سے شکست کھا کر آتے یا بلا مقابلہ کے کمر کھول دیتے۔ بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں یہ واقعات پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے شہزادوں کو تنبیہ بھی کی مگر اُن پر الٰہی بخش کا جادو کارگر ہو چکا تھا۔ جنرل صاحب نے ۲۳ حملے انگریزوں پر کئے جس کی انگریزوں نے بھی تصدیق کی۔

چنانچہ مسٹر ولیم فورس لکھتا ہے :-

"محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ باغیوں کی لیاقت کا اچھا ثبوت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی معمولی دشمن سے مقابلہ نہ کر رہے تھے۔ ان حملوں کی تعداد ۲۶ تھی ان میں سے ہر ایک نہایت ہی منظم اور باقاعدہ اقدام اور حملہ تھا۔ ان کے علاوہ بے شمار حملے دُور افتادہ چوکیوں اور ہراول پر ہوئے۔ یہ ہمارے آدمیوں کے بہت کم قریب آتے تھے اور یہ بھی اُس وقت جب اُن پر اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا مگر روزانہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ ان کی اس مستقل جرأت و بہادری سے کوئی چیز بازی نہیں لے جا سکتی تھی۔" [۱]

چارلس بال لکھتا ہے :-

"دشمن نے ہر سڑک پر ایک ایک فٹ زمین کے لئے لڑائی لڑی تھی اور بڑے استقلال کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر مقام پر قبضہ کیا تھا۔"

---

[۱] غدرِ عظیم کا تذکرہ از ولیم فورس۔

ناکامیابی | مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کا نتیجہ تھا کہ حریت نوازوں کی قربانیاں رائیگاں گئیں اور فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی۔

ظہیر دہلوی لکھتا ہے :-

" اس زمانہ میں یہ ستم ہوا کہ شمرو بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا اور جس میں سلت سومن بارود تھا وہ اڑا دیا گیا۔ بارود کی عدم فراہمی کی وجہ سے تمام آلاتِ حرب بیکار تھے۔ دشمن دروازہ پر کھڑا تھا۔ باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی۔ بادشاہ پہلے ہی سے سوختہ جگر اور سوختہ سامان ہو رہے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے کچھ ایسا افسوں کیا کہ قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں گوشہ گیر ہونے میں عافیت سمجھی " [1]

منشی رجب علی میر منشی ہڈسن کا خط حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لایا کہ بادشاہ کو لام کر لو۔ اُس کو اور اُس کے لواحقین کو گزند نہ پہنچے گا۔ باغیوں سے بادشاہ کو بچا لو۔[2] وہ خط زینت محل کو دکھایا گیا اُس نے بادشاہ کو آمادہ کر لیا۔ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آ گئے۔ میلسن لکھتا ہے :-

" باغی فوج کے سپہ سالار بخت خاں نے اس شب شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی لے گیا جن پر اُس کو اعتماد تھا۔ بخت خاں نے ممکن الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ملک کے دروازے اُن کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور یہ کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اُس کے نام پر جنگ کو جاری رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں "

پچاس ہزار روہیلہ روہیل کھنڈ میں موجود تھا جو جاں سپاری کو تیار تھا۔ چنانچہ

---

[1] داستان غدر [2] تذکرہ عالم از رحیم بخش دہلوی مطبوعہ بلاقی داس ذکر بہادر شاہ
[3] تاریخ غدر عظیم از میلسن ۔

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :-

"بریلی میں ہر طرف کے مفرورین کا اجتماع ہے اور سب سردار مثل نانا راؤ پیشوا فیروز شاہ وغیرہ جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دوپٹہ کا سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گوٹہ لگا ہوا ہے۔ آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکا ہوا ہے اور چار چار طپنچے کمر میں لگے ہوئے ہیں۔ دوہری تلواروں میں ڈاب رکھی ہوئی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کوداتے پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار کا اجتماع بریلی میں موجود ہے" [۱]

جنرل صاحب سیدھے لکھنؤ گئے۔ نواب بہو بیگم کے محل میں مقیم ہوئے۔ وہ اُن کی عزیزہ تھی [۲] پھر مولوی احمد اللہ شاہ کے شریکِ مہم جنگ آزادی رہے۔ شاہ صاحب کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے۔

بہادر شاہ کی قید

بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں تھے۔ پچاس گورے لے کر ہڈسن پہنچا۔ باہر کھڑا رہا۔ مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو باہر لائے۔ پہلے اُنہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں اُس نے سوار کر دیا۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بَیل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے پہلے ہڈسن نے ہتھیار لئے اور ہر دو کو گولی مار دی اور شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا۔ لال کنواں پر بادشاہ زینت محل کی محل سرا میں ٹھہرائے گئے۔ نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ ہڈسن نے ایک خوان میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔ سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اُس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا۔

---

[۱] داستانِ غدر [۲] قیصر التواریخ

مقدمہ بغاوت خدا کی شان ہے دادا سے انگریز حقوقِ دیوانی لے اور اُس کے پوتے پر جو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ برسرِ اقتدار لا رہا تھا۔ اس پر بغاوت کا الزام عائد کیا جائے۔ ظالم انگریزوں نے یہ الزام مظلوم بادشاہ پر لگائے۔ ۴۹ انگریز قتل کرائے۔ وظیفہ خوار ہو کر حکومت سے بغاوت کی۔ فوجیوں کو ورغلایا۔ اس مقدمہ کے لئے لال قلعہ میں ایک پنچ مقرر کی۔ اس فوجی کمیشن کے صدر لفٹننٹ کرنل داس تھے۔ میجر پامر، ریڈ منڈر، میجر سائرس، کپتان راتھن، کپتان سلہ بیدل مترجم مسٹر جیمس، وکیل سرکار میجر الیٹ جے ہیرٹ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل تھے دیوان خاص میں مظلوم بادشاہ کو مثل قیدی کے لایا جاتا۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکند لال پیشکار بہادر شاہ چینی لال روزنامچہ نویس، حکیم احسن اللہ خاں اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہر ایک نے اپنی کرنی میں کسر نہیں رکھی۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس پیروکار مقدمہ تھے۔ بہادر شاہ نے اپنا بیان تحریری دیا۔ تمام الزام بخت خاں اور مرزا مغل کے سر تھوپا۔ خود انقلابی تحریک سے اپنے دامن کو بچا لے گئے۔

آخرش عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ انگریز بادشاہ نے قتل کرائے اور ملک میں بغاوت پھیلائی۔ غرضیکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں۔ ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو رنگون جلانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا [1]

بہادر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم، نواب زینت محل، اور جواں بخت اُن کے سالے ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے [2] اُن پر بھی مقدمہ تھا اور بری ہوئے اور واپس آ گئے۔ زینت محل، جواں بخت وہیں رہے۔ چھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا جسے بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال

---

[1] دہلی کی جانکنی صفحہ ۹۰   [2] غالب کا روزنامچہ صفحہ ۳۸ -

نہایت عسرت سے بسر کئے۔

۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو عالمِ غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی۔ رنگون کی سرزمین میں پیوندِ خاک ہوئے۔

یہ تھی بہادر شاہ کی زندگی اور اُن کی سیاسی حالت، اب اُن کی شاعری کے متعلق چند کلمات سُن لیجئے۔

زندگی میں جو ظلم اس غریب بادشاہ پر ہوئے سطورِ بالا سے ظاہر ہے۔ ستم ظریفی یہ دیکھئے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اہلِ قلم کے لطف وکرم کا شکار رہا۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے:-

"بادشاہ کے چار دیوان ہیں پہلی کچھ غزلیں نصیر کی اصلاحی ہیں اور کچھ کاظم حسین بیقرار کی، غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم ذوق کے ہیں"

ظفر کے کلام کو ذوق کا کلام بتانا ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مرزا غالب کے سوانح نگار نے رہی سہی متاعِ مرزا غالب کے حوالے کر دی۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ اس کے متعلق اپنی تالیف "ابو ظفر بہادر شاہ" میں کافی بحث کی ہے۔ اس تاریخ میں گنجائش نہیں۔

تمت بالخیر
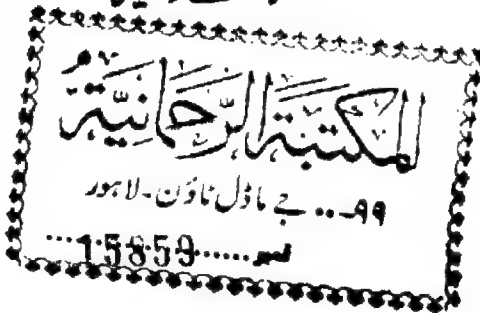
مسلمانوں کا عروج و زوال

تاریخ اسلام کی مستند کتابوں کا جامع خلاصہ جس میں خلافت راشدہ کے دور سے لے کر اب تک مشہور مسلمان حکومتوں، ان کی سیاسی حکمت عملیوں اور چودہ سو سال میں مسلمانوں کے عام اجتماعی، معاشرتی اور تمدنی احوال و واقعات پر گہرے مطالعہ کے بعد بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا ہے۔

تالیف

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایم اے فاضل دیوبند
سابق پروفیسر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، ایڈیٹر ماہنامہ "برہان" دہلی

ادارہ اسلامیات لاہور
۱۹۰- انارکلی

تألیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ

تحریف بائبل اور اس میں موجود تضادات پر نامور محقق کی نادر علمی تحریر
اردو کے نئے پیرہن میں —— تردید عیسائیت پر حوالہ کی مشہور کتاب

تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

جناب مولانا حسین احمد نجیب

اضافہ شدہ ایڈیشن

القاموس الجدید

عربی - اردو لغت

پینتالیس ۴۵ ہزار سے زائد قدیم وجدید عربی الفاظ اور اُن کے مترادفات ومعانی، مروّجہ تعبیرات، محاورات، ضرب الامثال اور جدید علمی، ادبی، فنّی اصطلاحات پر مشتمل مشہور ومعروف لغت۔

تألیف

مولانا وحید الزّماں قاسمی کیرانوی

استاذِ ادبِ عربی، دار العلوم دیوبند

ناشر

اِدارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور ۲

تقریباً ساٹھ ہزار اردو الفاظ اور اُن کے ہم معنی عربی الفاظ، محاورات وضرب الامثال، دفتری، ادبی، فنی اور علمی اصطلاحات پر مشتمل مشہور ومعروف لغت

تألیف
مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی
استاذِ ادبِ عربی، دارالعلوم دیوبند

ناشر
ادارۂ اسلامیات
۱۹۰-انارکلی
لاہور ۲

عروج اسلام کی داستان مورخ اسلام علامہ واقدی کی زبانی

فتوح الشام اردو

عربی کی مشہور تاریخی کتاب کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ، جس میں شام وبیت المقدس کی فتوحات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ایمان افروز عظیم کارناموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مترجم

جناب مولانا حکیم شبیر احمد انصاری

ادارہ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲

بڑا سائز ۲۰×۳۰/۸ عمدہ کاغذ وطباعت

مجلد ڈائی دار

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب
القرآن الکریم
ترجمہ
یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے
بہت بڑی عبرت ہے
تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی
تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال
کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان،
عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلبا کے لیے یکساں
فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے
ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی